لوگوں تک پہنچ جائیں اور ان کے دل میں بات اُتر جائے اور عمل کی طرف کچھ پیش رفت ہوسکے
میرے نزدیک اِن محاذ آرائی (Polarisation) میں جس کے
آثار فضا میں نظر آ رہے ہیں دائیں بازو کی جماعتوں کا کثیر تعداد میں موجود رہنا ہی اصل
میں تباہ کن ہے - یہی بات ہمارے بہت سے مخلص رہنما بار بار کہہ چکے ہیں - میں اس کی تائید کر
رہا ہوں - جماعتوں کی اسی کثرت نے آج تک ہر مرحلے پر شکست دلائی ہے - ہر فتح کو شکست
میں تبدیل کرایا ہے جماعتوں کی اس کثرت کی بدولت ماضی میں اس تلخ اور تباہ کن نتائج
سے سابقہ پیش آ چکا ہے کہ دائیں بازو کی جماعتوں کو حالانکہ تریسٹھ ۶۳ فی صد ووٹ ملے تھے
اور بائیں بازو کی جماعتوں کو سینتیس فی صد - لیکن ۶۳ فی صد ووٹ تقسیم
ہو گئے لہٰذا وہ اسمبلی میں اکثریت حاصل نہ کر سکیں اور ۳۷ فیصد ووٹ لینے والی پارٹی حکمراں ہو گئی۔
اب اگر ہم نے اسی طرزِ عمل کا اعادہ کیا تو اس کے نتائج بھی وہی نکلیں گے جو پہلے
نکل چکے ہیں - ۱۹۷۰ء کا دور یاد کیجئے - وہ اسی ملک میں آیا تھا - اس کے بعد نہ زمین
بدل گئی ہے نہ آسمان بدل گیا ہے - وہ غیر متبدل ہیں - وہ تو قیامت کے بدن بدلیں
گے - یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ - ابھی تک تو وہی زمین
ہے، وہ آسمان ہے - جو نتائج اس وقت (۱۹۷۰ء میں) نکلے تھے، اور جن حالات میں
نکلے تھے، ویسے ہی حالات میں وہی بلکہ ان سے بھی بدتر نتائج آج بھی نکل سکتے ہیں چونکہ
آج ہماری مغربی سرحد کے پار سے بائیں بازو (Leftists) کی جماعتوں کو تعاون
کی بڑی امیدیں ہیں - بہر حال یہ اندازے (Assessment) کا معاملہ ہے میں
اس بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کہہ سکتا - ہمارے صدرِ مملکت نے اس خیال کا اظہار
کیا ہے کہ کوئی تشویش ناک بات نہیں ہے - ہو سکتا ہے کہ ان کا خیال درست ہو اور
اس کا بھی امکان ہے کہ وہ بھی اُنہی مغالطوں میں مبتلا ہوں، جن میں بھٹو صاحب یہ ہے
کہ ان کو اپنی کرسی بڑی مضبوط نظر آتی رہی - یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے صدر صاحب
کے گرد کوئی ایسا ہی حالہ ہو جو ان کو صحیح حالات اور صورتِ واقعہ سے بے خبر رکھے ہوئے
ہو - واللہ اعلم -

میں نہیں کہہ سکتا - لیکن یہ بات بالکل سامنے کی بات ہے کہ دائیں بازو
کی جماعتوں کی کثرت اور اُن کے اختلافات اور تفرقے ان مقاصد کے حصول میں جو ان کے

ربیع الاول - ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ

★

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

★

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت : ۳۶ - کے ، ماڈل ٹاؤن - لاہور
(فون: 852683 - 852611)

چندہ سالانہ -/۲۰ قیمت فی شمارہ -/۳

و قد اخذ میثاقکم ان کنتم مؤمنین

جلد ۳۰	ربیع الاول ۔ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ	عد

مشمولات

پبلشر: ڈاکٹر اسرار احمد ★ طابع: چوھدری رشید احمد

مطبع: مکتبہ جدید پریس شارع فاطمہ جناح ۔ لاہور

جمیل الرحمٰن

عرضِ احوال

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہِ الکریم

میثاق کا ماہ ربیع الاوّل اور ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۱ھ مطابق جنوری و فروری ۱۹۸۱ء کا مشترکہ شمارہ پیشِ خدمت ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ اس مرتبہ بھی ناگزیر اسباب کی بنا پر ہم دو ماہ کا مشترکہ پرچہ ہی پیش کرنے پر مجبور ہوئے۔ ہماری کوشش جاری ہے کہ آئندہ ماہ سے ہر مہینے کا پرچہ بروقت شائع ہو سکے۔ کوشش ہماری ہوگی اس کا بارآور ہونا مشیّتِ الٰہی کے تابع ہوگا۔ اس کوشش میں کامیابی کے لئے قارئین کرام سے دُعا کی درخواست ہے۔

امریکہ اور کینیڈا کے دوسرے دعوتی دورے سے مراجعت کے بعد محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ۲۴ر اکتوبر کو مسجد شہداء لاہور میں اس دورے کے مشاہدات و تاثرات بیان فرمائے تھے۔ ساتھ ہی "پندرھویں صدی ہجری کا آغاز۔ اُمّتِ مسلمہ کے لئے توقعات و خطرات" کے موضوع پر بھی اظہارِ خیال فرمایا تھا۔ یہ تقریر دو گھنٹے کے لگ بھگ جاری رہی تھی۔ محترم محمد بشیر ملک صاحب اعزازی ناظم اعلیٰ مرکزی انجمن کی ہمت کہ انہوں نے لفظاً بلفظاً اس تقریر کو ٹیپ سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کر لیا تھا۔ چنانچہ اس میں سے مکرّرات کو حذف کر کے اس کو تحریر کا انداز دینے اور اسے مربوط کرنے کی راقم نے کوشش کی ہے جس کا حاصل اگلے صفحات پر قارئین کرام کی نظر سے گزرے گا۔ محترم ڈاکٹر صاحب کی نظر سے یہ تحریر نہیں گزری اس لئے اس میں اگر کوئی خامی اور خطا نظر آئے تو اس کی ذمہ داری راقم کے کاندھوں پر ہوگی۔ یہی صورتِ حال اُس خطاب کی ہے جو ۱۳ر اکتوبر ۸۰ء کو علماء کنونشن منعقدہ ۲۱-۲۲ر اگست ۸۰ کے بارے میں درس کے بعد جمعہ کے روز ڈاکٹر صاحب موصوف نے مسجد شہداء میں کیا تھا۔

بھارت کے جنوبی حصہ کے مشہور شہر مدراس میں پچاس ساٹھ سال سے ایک ادارہ قائم

ہے جو ہر سال ایک کانفرنس منعقد کرتا ہے جس میں مختلف دینی و علمی موضوعات پر خطاب کرنے کے لئے نامور علمائے کرام اور دانشوروں کو دعوت دی جاتی ہے - اسی شہر مدراس میں علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے مشہور عالم چھ لیکچرز Reconstruction of Relegious Thoughts in Islam کے موضوع پر دیئے تھے جو مطبوعہ شکل میں موجود ہیں - اسی ادارے کی ایک کانفرنس میں علامہ مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی سیرت مطہرہ پر چھ لیکچرز دیئے تھے جو "خطبات مدراس" کے نام سے مطبوعہ شکل میں سیرت النبیؐ کے موضوع پر انتہائی بیش قیمت خزینہ بطور موجود ہیں برصغیر پاک و ہند کے کئی نامور علماء کرام اور مفکرین بھی اس انجمن کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی کانفرنسوں کو وقتاً فوقتاً خطاب فرماتے رہے ہیں - امسال اسی انجمن کی طرف سے جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو سیرت مطہرہ پر چھ لیکچرز دینے کی دعوت ملی تھی - چنانچہ ۹ جنوری ۱۹۸۰ء کی شب کو مدراس کے لئے ڈاکٹر صاحب عازم سفر ہوگئے - جہاں سے ۲۶، ۲۷، ماہ حال کو مراجعت متوقع ہے - علامہ ڈاکٹر اقبال اور علامہ سید سلیمان ندوی کی علمی شخصیت کا کیا ٹھکانا! ڈاکٹر صاحب کو ان سے کیا نسبت!! یہ ڈاکٹر صاحب کی خوش بختی اور ان پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہے کہ ان کا نام بھی ان بزرگ ہستیوں کے نام کے ساتھ شامل ہوگیا - ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ط

ہجری ۱۳۹۸ھ کے رمضان المبارک میں ٹی وی پر ڈاکٹر صاحب کا روزانہ ایک پروگرام "الکتاب" کے نام سے نشر ہوا تھا - جس میں موصوف نے روزانہ نہایت اختصار کے ساتھ دس بارہ منٹ میں قرآن مجید کے ایک پارے کا تعارف کرایا تھا - یہی پروگرام رمضان ۱۳۹۹ھ میں تذکر کے طور پر روزانہ نشر کیا گیا - رمضان ۱۴۰۰ھ میں "الٓمٓ" کے عنوان سے ہر روز ڈاکٹر صاحب نے اختصار کے ساتھ ان انتیس ۲۹ سورتوں کا تعارف پیش کیا تھا جن کا قرآن مجید میں حروف مقطعات سے آغاز ہوتا ہے - ٹی وی کے ارباب حل وعقد کا بیان ہے کہ یہ دونوں پروگرام ٹی وی کے ناظرین میں بے حد مقبول ہوئے اور ان کی تحسین و تعریف میں بے شمار خطوط موصول ہوئے - ٹی وی کے ادارے نے "الکتاب" کی تقاریر کو ٹیپ سے منتقل کرکے اسی نام سے نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب کتاب کی

شکل میں شائع کر دیا ہے۔ ان تقاریر میں سے پانچ پاروں تک کا حصہ "تعارف الکتاب" کے عنوان سے اس شمارے میں ہدیہ ناظرین کیا جا رہا ہے ان شاء اللہ بقیہ حصے قسط وار آئندہ شماروں کی زینت بنیں گے۔

ٹی وی کا ذکر آیا تو قارئین میثاق کو یہ اطلاع دینا بھی مناسب معلوم ہوا کہ امسال ٹی وی پر یکم ربیع الاوّل سے ۱۲ ربیع الاوّل تک سیرت مطہرہ پر "رسول کامل صلی اللہ علیہ وسلم" عنوان سے روزانہ اردو خبروں کے فوراً بعد ڈاکٹر صاحب کی پندرہ منٹ کی تقاریر نشر ہوئی ہیں۔ توقع ہے کہ اکثر قارئین میثاق نے یہ پروگرام دیکھا اور سنا ہوگا یہ پروگرام ڈاکٹر صاحب مدراس جانے سے قبل ریکارڈ کرا گئے تھے۔ یہ اطلاع بھی یقیناً ہمارے قارئین کرام کے لئے باعث مسرت ہوگی کہ ٹی وی کے ارباب حل وعقد سے اس مسئلہ پر خط و کتابت ہو رہی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے مرتب کردہ قرآنی منتخب نصاب کے دروس ۴۰ یا ۵۰ منٹ کے پروگرام کی صورت میں ہفتہ میں ایک بار یا ۱۵ — ۲۰ منٹ کی صورت میں روزانہ نشر ہوں۔ ذرائع ابلاغ میں ٹی وی کو ایک بہت اہم مقام حاصل ہے۔ اس کو قوم کی فکری و ذہنی اور اخلاقی تربیت اور غلط افکار کی تطہیر کے لئے استعمال کرنا ٹی وی کے ارباب اختیار کا دینی اور قومی فریضہ ہے۔ اگر یہ خط و کتابت نتیجہ خیز ہوئی تو توقع ہے کہ ان شاء اللہ العزیز اس مؤثر ترین ذریعہ ابلاغ سے دعوتِ قرآنی کی تبلیغ و نشر کا سلسلہ اپریل ۸۱ سے شروع ہو سکے گا۔

کوشش ہوتی ہے کہ وقفے وقفے سے مرکزی انجمن خدام القرآن یا تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام قرآن تربیت گاہیں منعقد ہوتی رہیں اس سلسلہ میں اب تک کراچی میں چار لاہور میں چار نیز کوئٹہ اور راولپنڈی میں ایک ایک۔ یعنی کل ۱۰ قرآنی تربیت گاہوں کا انعقاد ہو چکا ہے۔ حال ہی میں ۲۵ دسمبر سے یکم جنوری ۱۹۸۱ء تک گیارہویں ہشت روزہ تربیت گاہ تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی لاہور میں منعقد ہوئی جس میں لاہور اور دیگر شہروں سے تقریباً ۸۰ حضرات نے تربیت گاہ کے تمام پروگراموں میں حصہ لیا۔ اسی کے دوران چھ دن تک روزانہ بعد نماز مغرب سورہ الشوریٰ کا درس بھی ہوا۔ جس میں باہر سے بھی متعدد حضرات و خواتین نے شرکت کی۔ اس درس میں

حاضری ڈیڑھ سو کے لگ بھگ ہوتی تھی۔ الشوریٰ کے اس درس کا ڈاکٹر صاحب کے بہترین دروس میں شمار کیا جا سکتا ہے، اس درس کے کیسٹ تیار ہو گئے ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔ الحمدللہ یہ تربیت گاہ انتظامات، پروگرام اور افادیت کے لحاظ سے سابقہ تربیت گاہوں سے کافی بہتر تھی۔ اس میں درس قرآن کے علاوہ، درس حدیث بھی پابندی سے ہوا۔ اور دعوتی لٹریچر کا اجتماعی مطالعہ بھی ہوا۔ جس کی موقع بموقع وضاحت و تصریح ڈاکٹر صاحب فرماتے رہے۔ مزید براں برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی روشنی کن ذرائع سے پہنچی اور اسلام کو کن مراحل سے سابقہ پیش آتا رہا۔ اغیار نے اس کو برصغیر سے دربدر کرنے اور اس کی صورت مسخ کرنے کی کیا کیا ناپاک کوششیں کیں اور ان کو ناکام بنانے کے لئے امت کے علمائے عظام نے کیا کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے اور کیا کیا قربانیاں پیش کیں۔ حضرت سید احمد مجدد الف ثانیؒ نے تجدید و احیائے اسلام کا کیا کام شروع کیا تھا اور مولانا عبدالحق محدث دھلویؒ اور امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دھلویؒ نے بالترتیب اسلام کا رشتہ حدیث اور قرآن مجید کے ساتھ قائم کرنے کے سلسلہ میں کیا کیا مجددانہ مساعی کی تھیں اور ان حضرات کی کوششوں سے تجدید دین اور احیائے اسلام کا عمل مختلف مدارج سے گزرتا ہوا فی الوقت کس مرحلہ میں ہے۔ مزید برآں یہ کہ دیگر مسلم ممالک میں احیائی عمل کن کن مراحل سے گذر کر آج کہاں تک پہنچا ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے بڑی تفصیل اور جامعیت کے ساتھ ان موضوعات پر تفہیم و تعلیم کا کام انجام دیا۔ الغرض راقم کی رائے میں تربیت گاہ دعوتی کام کے لحاظ سے بڑی افادیت کی حامل تھی۔

لوگوں کا اصرار تھا کہ ڈاکٹر صاحب کے مسلسل درس قرآن کے کیسٹ ساتھ ساتھ تیار ہوتے رہیں۔ چنانچہ موصوف نے دو ماہ قبل قرآن اکیڈمی میں ہفتہ میں چار دن کے لئے از سر نو قرآن حکیم کے مسلسل درس کا آغاز کیا ہے۔ ہر نشست میں درس نصف گھنٹے کا ہوتا ہے۔ بسم اللہ، سورہ فاتحہ کے دروس کے بعد سورہ بقرہ کے ابتدائی دو رکوعوں کا درس مکمل ہو گیا ہے۔ یہ مسلسل درس ۶۰ سی کے کیسٹوں پر ٹیپ کیا جا رہا ہے اور اس کے سیٹ بھی حسب ضرورت تیار کرائے جا رہے ہیں۔ ان کی قیمت تقریباً لاگت کے مطابق رکھی گئی ہے چونکہ ان کے پھیلانے کا اصل مقصود دعوت وحکمت قرآنی کی نشر و اشاعت ہے

یہ کیسٹ لاہور میں مرکزی انجمن سے اور کراچی میں انجمن کے سب آفس کمرہ نمبر ۱۲۲ اسنی پلازا مولانا حسرت موہانی روڈ سے دستیاب ہوسکتے ہیں۔

کیسٹوں کے ضمن میں یہ اطلاع بھی قارئین میثاق کے لئے موجب مسرت ہوگی کہ سورہ شوریٰ اور ڈاکٹر صاحب کے بعض مختلف دروس وخطابات کے کیسٹ بھی محدود تعداد میں تیار کرائے گئے ہیں۔ تفصیلات اسی شمارہ میں قارئین کے سامنے آجائیں گی۔ مکمل منتخب قرآنی نصاب کے کیسٹ بھی ان شاء اللہ جلد دستیاب ہوجائیں گے ڈاکٹر صاحب اس کو ریکارڈ کرا چکے ہیں۔ یہ کام فی الوقت تدوین کے مراحل سے گزر رہا ہے۔ اس منتخب نصاب کے دروس کا سیٹ ٦٠ سی کے چالیس کیسٹوں میں مکمل ہوگا ـــــ

ڈاکٹر صاحب نے ۲۸ نومبر ۸۴ء کو نماز جمعہ کے موقع پر محترم صدر پاکستان کی تشریف آوری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے جن امور کی طرف موصوف کی توجہ مبذول کرائی تھی جو گذشتہ شمارے میں شائع ہوچکے ہیں۔ ان کی تائید میں میثاق کے قارئین کی جانب سے متعدد خطوط موصول ہوئے ہیں۔ جو حضرات اس جمعہ میں شریک تھے ان کی جانب سے بھی ان امور کی زبانی پُرزور تائید ہوئی ہے۔ ایک صاحب نے اپنے مراسلے میں اسی بہت ہی ضروری امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ کرکٹ کا کھیل جمعہ کے دن جاری رہنے سے بے شمار لوگوں کی نمازِ جمعہ فوت ہوتی ہے ہم اس سے اتفاق کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اگر فی الحال اس کھیل کو ختم نہیں کیا جاسکتا تو یہ احتیاط ملحوظ رکھنی تو لازمی و ضروری ہے کہ جمعہ کا دن اس میں شامل نہ کیا جائے۔ مزید براں اگر اس کھیل کو ٹی وی پر دکھانے اور کمنٹری ریڈیو پر نشر کرنے کا سلسلہ بھی بند کردیا جائے تو اس کی بدولت قومی سطح پر وقت کا جو ضیاع ہوتا ہے۔ اس میں بڑی حد تک کمی واقع ہوسکتی ہے ـــ ایک دوسرے مراسلہ نگار نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ دعوتِ ولیمہ پر تعداد کی جو پابندی عائد ہے وہ نامناسب ہے لوگ دوسرے حیلوں سے یہ دعوت کرتے ہیں لہٰذا یہ پابندی عملاً غیر موثر ہے اس لئے اس کو ختم ہونا چاہیئے۔ ہم اس کی پُرزور تائید کرتے ہیں ـ ولیمہ کی دعوت مسنون ہے اور نبی اکرمؐ نے یہ دعوت کرنے کی تاکید کی ہے۔ احادیث اور فقہ کی کتب میں دعوتِ ولیمہ کے مستقل باب قائم ہیں جس سے اس کی دینی حیثیت اور مقام کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اُمید ہے ہمارے اربابِ حل وعقد اس پر سنجیدگی سے غور فرمائیں گے۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے

سلسلہ وار درس قرآن کیسٹوں میں دستیاب ہیں

سیٹ نمبر	مضمون	تعداد کیسٹ	قیمت
" نمبر ۱	آیت بسم اللہ و سورۃ فاتحہ	۴ کیسٹ ۶۰ - سی	۸۸/- روپے
" نمبر ۲	سورۃ بقرہ پہلے دو رکوع	۸ کیسٹ ۶۰ - سی	۱۷۶/- روپے

اس مسلسل درس کے کیسٹ کی تیاری کا کام ان شاء اللہ جاری رہے گا۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کے مختلف دروس کے حسب ذیل کیسٹ بھی دستیاب ہیں۔

سیٹ نمبر	مضمون	تعداد کیسٹ	قیمت
سیٹ نمبر ۳	سورۃ مریم (مکمل)	۵ کیسٹ ۹۰ - سی	۱۵۰/- روپے
" نمبر ۴	سورۃ حجرات (مکمل)	۳ کیسٹ ۹۰ - سی	۹۰/- روپے
" نمبر ۵	سورۃ حج آخری رکوع	۲ کیسٹ ۹۰ - سی	۶۰/- روپے
خصوصی سیٹ نمبر ۶	فلسفہ شہادت اور خلافت راشدہ کی شرعی و تاریخی حیثیت	۲ کیسٹ ۹۰ - سی	۸۲/- روپے
" " " ۷	واقعہ کربلا کا پس منظر (۲ کیسٹ)	۱ کیسٹ ۹۰ - سی، ۶۰ - سی	۴۴/- "
سیٹ نمبر ۸	خصوصی درس سورۃ شوریٰ (مکمل)	۷ کیسٹ ۹۰ - سی	۲۰۰/- روپے
	"پاکستان اور اس کے دفاع کی اصل اساس" تقریر بمقام قرآن اکیڈمی ۲۵ دسمبر ۸۱ء	۲ کیسٹ ۶۰ - سی	۵۲/- روپے

پارسل خرچ اور محصول ڈاک بذمہ خریدار ہوگا۔ لاہور میں ہر جمعہ کو مسجد شہداء میں درس اور مسجد دارالسلام میں نماز جمعہ کے بعد حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

شعبۂ نشر و اشاعت انجمن خدام القرآن لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پندرھویں صدی ہجری کا آغاز

امتِ مسلمہ کے لئے توقعات و خطرات

اور

شمالی امریکہ کے حالیہ دعوتی دورے کے تأثرات و مشاہدات

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ۲۲؍۲۳؍اگست ۸۰ء کی درمیانی شب کو کراچی سے شمالی امریکہ کے دوسرے دعوتی دورے کے لئے عازم سفر ہوئے تھے اور ۱۶؍اکتوبر ۸۰ء کو وطن مراجعت ہوئی تھی جس کے بعد ۲۴؍اکتوبر ۸۰ء کو ڈاکٹر صاحب موصوف نے مسجد شہداء لاہور میں مندرجہ بالا موضوعات پر خطاب فرمایا تھا جس کو ٹیپ سے صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے قارئینِ میثاق کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے (مرتب)

خطبہ مسنونہ اور ادعیہ ماثورہ کے بعد جناب ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:۔

حضرات! میری آج کی گفتگو کا عجیب پہلو یہ ہے کہ مجھے اعلان کے مطابق ایک ہی نشست میں دو موضوعات پر گفتگو کرنی ہے۔ ایک موضوع تو میرے شمالی امریکہ بشمول کینیڈا کے حالیہ دورے کے تأثرات و مشاہدات سے متعلق ہے اور دوسرا پندرھویں صدی سے تعلق رکھتا ہے، جس کا آغاز ہو رہا ہے اور جس کو ہمارے ملک اور دوسرے ممالک میں بھی سرکاری سطح پر منایا جا رہا ہے اور اس کے استقبال

کے لئے کافی پہلے سے مختلف الانواع تقاریب منعقد ہو رہی ہیں۔ اس موضوع پر گفتگو کی ضرورت اس لئے بھی محسوس ہوئی کہ عوام الناس ہی میں نہیں بلکہ ہمارے خواص کے بھی قابلِ ذکر حصے میں چودھویں اور پندرھویں صدی کے متعلق عجیب و غریب باتیں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ باتیں کچھ تو ہمارے ان بعض واعظین کے باعث پھیلی ہیں جن کا مبلغِ علم صرف سنی سنائی باتیں اور سینہ بہ سینہ حاصل ہونے والی معلومات ہوتا ہے اور اس میں کافی دخل عوام الناس کی لاعلمی اور اس بات کا بھی ہے کہ ایسے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ سنی سنائی باتوں میں اپنی طرف سے اضافے بھی کرتے رہتے ہیں اور اس طرح بات کا بتنگڑ بن جایا کرتا ہے۔

اس موضوع پر کہ امتِ مسلمہ اور ملتِ اسلامیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام چودہ سو سال میں عروج و زوال کے مختلف ادوار سے گزرتی ہوئی کہاں سے کہاں پہنچی ہے اور فی الحال ہم کسی مقام پر کھڑے ہیں اور فی الوقت کس صورتِ حال سے دوچار ہیں ہمیں پہلے بھی مفصل تقریریں کر چکا ہوں اور اُمتِ مسلمہ کے عروج و زوال کے ادوار کے متعلق میرے تجزیے اور میرے مطالعے کا حاصل تحریری شکل میں بھی آ چکا ہے جو مطبوعہ شکل میں بھی موجود ہے[۱] لیکن علم، مطالعہ اور مشاہدہ کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ اس ضمن میں بعض نئی باتیں حال ہی میں میرے سامنے آئی ہیں جن کو میں آج آپ کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ ان نئی باتوں کی جانب ذہن منتقل ہونے کا سبب یہ حسنِ اتفاق ہوا کہ شمالی امریکہ (بہ شمول کینیڈا) میں کافی عرصہ سے ایک اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن قائم ہے جس کا امریکہ کے مختلف شہروں میں ہر سال ایک کنونشن منعقد ہوتا ہے۔ سالِ گذشتہ میں جب پہلی بار امریکہ گیا تھا تو ڈیلاس میں ان کے سالانہ کنونشن کا انعقاد ہو رہا تھا جس میں ایسوسی ایشن کی جانب سے مجھے مہمان و مقررِ خصوصی Chief Guest & Speaker کی حیثیت سے مدعو کیا گیا تھا اور میں نے وہاں تقریر بھی کی تھی۔ امسال میں جب دوسرے مرتبہ دعوتی دورے پر شمالی امریکہ گیا تو ان کا سالانہ کنونشن مشہور عالم آبشار نیاگرا کے سامنے نیاگرا سٹی میں منعقد ہونیوالا

---

[۱] ڈاکٹر صاحب موصوف کا یہ مقالہ "سرافگندیم" نامی کتاب میں شامل ہے (مرتب)

تھا۔ جس میں شریک ہوئے اور آخری اجلاس میں "پندرھویں صدی ہجری کے چیلنج، خطرات، اور توقعات" کے عنوان پر ایک مقالہ پڑھنے کے لئے مجھے دعوت دی گئی تھی۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی نصرت و توفیق سے اس موضوع پر انگریزی میں ایک مقالہ لکھا[1]۔ جس کے دوران کچھ پہلو اور نکات ایسے ذہن میں آئے کہ میں نے چاہا کہ ان کو آپ کے سامنے بھی بیان کروں ـــــ تو یہ دو موضوعات ہیں جن پر مجھے آج گفتگو کرنی ہے۔ مزید برآں مجھے چند مقدّمات بھی قائم کرنے ہوں گے جو ان دونوں موضوعات کی تمہید بنیں گے۔ گویا میری آج کی گفتگو کے اصلاً تین اجزا ہوں گے۔ اس کے لئے آپ ذہناً تیار رہیئے۔ البتہ میں آپ کو پیشگی آگاہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ تین موضوعات پر گفتگو کی وجہ سے باتیں گڈمڈ بھی ہو سکتی ہیں اور بے ربط بھی۔ ایک ہی موضوع پر اظہارِ خیال نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ اس میں گفتگو کی ڈور ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتی۔ لیکن بیک وقت جب تین موضوعات ذہن میں ہوں تو اس کا زیادہ احتمال ہوتا ہے کہ ربطِ کلام قائم نہ رہ سکے اگرچہ مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ العزیز آپ محسوس کریں گے کہ اس بے ربطی میں بھی ایک ربط ہوگا۔ بقول جگر مراد آبادی کہ ؏ "ربطِ محکم اسی بے ربطیٔ تحریر میں ہے"۔ آج کی گفتگو میں بے ربطی کا احتمال اس وجہ سے بھی ہے کہ میں امریکہ سے واپسی کے بعد انجمن اور تنظیم کے معاملات کے ساتھ ساتھ بعض خاندانی مسائل میں بھی اتنا الجھا رہا کہ مجھے اپنے ذہن میں آج کی تقریر کے لئے نہ تو کوئی نقشہ اور خاکہ مرتب کرنے کا موقع مل سکا۔ اور نہ ہی نکات ضبطِ تحریر کرنے کا ـــ بہرحال اُمّت کے عروج و زوال اور اُمّت اس وقت جن تحدّیوں (challanges) سے دوچار ہے ان موضوعات پر میں قرآن و احادیث اور تاریخ کی روشنی میں مسلسل غور و فکر کرتا رہا ہوں اور اس غور و فکر کے نتائج میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ لیکن چونکہ میں آج کی تقریر کے لئے ذہن تیار نہیں کر سکا اور نہ نکات لکھ سکا اس لئے اندیشہ ہے کہ بات طویل بھی ہو جائے اور بے ربط بھی ـــــ

بایں ہمہ میں آپ کے سامنے اس امید پر حاضر ہو گیا ہوں کہ میرے سننے والے مجھ سے

---

[1] یہ مقالہ پاکستان میں روزنامہ مسلم، اسلام آباد اور بھارت میں ہفت روزہ "RADIANCE" دہلی میں شائع ہو چکا ہے۔ (مرتب)

واقف ہیں اور میں ان سے واقف ہوں ۔ کوئی حجاب اور اجنبیت درمیان میں حائل نہیں
ہے میری گفتگو میں اگر بے ربطی ہوئی اور تشنگی رہی بھی تو ان شاء اللہ وہ خود اس میں
ربط بھی تلاش کرلیں گے اور تشنگی بھی محسوس نہیں کریں گے ۔ میں اللہ تعالیٰ سے یہ
دعا کرتے ہوئے کہ وہ مجھے توفیق دے کہ میں اپنی بات اور خیالات آپ کے سامنے زیادہ
احسن اور مرتب طریق پر پیش کرسکوں ان وضاحتوں کے بعد اب میں اپنی گفتگو ان موضوعات
پر شروع کرتا ہوں جن پر اظہارِ خیال کے لئے آج کی یہ نشست منعقد کی گئی ہے ۔ وما
توفیقی الا باللہ العلی العظیم ۔

پندرھویں صدی کی آمد

کائنات کی تخلیق اور اس کے نظم و تدبیر کا ہمارے ایمان باللہ سے گہرا تعلق ہے اسلام کی تعلیمات
کے مطابق یہ کائنات ایک اجل مسمّیٰ کی طرف رواں دواں ہے ۔ جس کو کسی صدی کی رخصت اور
کسی صدی کی آمد سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ لیکن یہ بھی اپنی جگہ ایک امر واقعہ ہے کہ اس کائنات
اور اس کرۂ ارض کے متعلق جس پر ہم بستے ہیں وہ بنیادی حقائق جو ایمان باللہ کے نتیجے میں
ہمیں معلوم ہونے چاہئیں ، ہمارے ذہنوں میں مستحضر نہیں رہتے پھر مغرب سے
Metaphysical Science مابعد الطبیعات کے درآمد شدہ نظریات نے ہمارے
تعلیم یافتہ ذہنوں کو اتنا قابو یا فتح کرلیا ہے کہ ایمان باللہ کے ذریعہ جو علم و عرفان حاصل ہوتا
ہے وہ پس منظر میں چلا جاتا ہے ۔ لہٰذا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کو دعوت دوں کہ
آپ پہلے ان حقائق کو اپنے ذہنوں میں تازہ کرلیں جو ایمان باللہ کا حاصل ہیں ـــــ
ہمارا ایمان یہ ہے کہ یہ کائنات جس کی وسعتوں کا ایک دھندلا اندازہ کرنے سے بھی سائنس
کی بے شمار ترقیات و ایجادات کے باوجود انسان تاحال قاصر ہے اور جس کے مقابلے میں
ہمارا یہ کرۂ ارض ایک دھبّہ بھی نہیں بنتا بلکہ پوری کائنات کی وسعت کے اعتبار سے
اسے معدوم کے درجے میں بھی کہا جائے تو غلط نہ ہوگا ، نہ ہمیشہ سے تھی نہ ہمیشہ رہیگی ۔
یہ نہ خود بخود وجود میں آئی نہ ہی خود بخود رواں دواں ہے اور یہ کہ یہ کائنات حادث
اور فانی ہے ۔ صرف ایک ہستی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے اور
وہ ہستی ہے اللہ تبارک و تعالیٰ ۔ صرف اس ذات سبحانہٗ عزّ و جلّ کو بقا و دوا[م]
ہے اور اس کی تمام مخلوقات کو فنا ہے ۔ بفحوائے الفاظ قرآنی ۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ

وَّ یَبۡقٰی وَجۡہُ رَبِّکَ ذُو الۡجَلٰلِ وَالۡاِکۡرَامِ ہ یہ ہے پہلی اصول اور کام نٹے کی بات ——— دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید بار بار اور مختلف اسالیب سے یہ خبر دیتا ہے کہ کائنات کی یہ تخلیق بالحق یعنی بامقصد ہے اور ایک وقت معین تک (الیٰ اجلِ مسمی) کے لئے ہے۔ مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَہُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی ط اور کُلٌّ یَّجۡرِیۡۤ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی [1] ——— قرآن مجید باعادہ اس حقیقتِ کبریٰ کا اظہار کرتا ہے کہ کائنات کی یہ عریض وبسیط اور وسیع، بساط جو اللہ تعالیٰ نے بچھائی اور پھیلائی ہے ایک وقت آئے گا کہ وہ اس کو اس طرح لپیٹ لے گا جیسے ہم اپنے بستر گول کر لیتے ہیں۔ یا جیسے قدیم دور میں کتابیں اس طرح مجلد نہیں ہوتی تھیں جیسے فی زمانہ ہوتی ہیں بلکہ دستور یہ تھا کہ ایک کاغذ پر لکھا اور اس کے بعد اس کے نیچے دوسرے لکھے ہوئے کاغذ چسپاں کرتے چلے گئے پھر ان تمام کاغذوں کو رول (Roll) کی شکل میں لپیٹ لیا۔ اس طرح Scroles بنتے تھے۔ حسب ضرورت ان کو بچھا کر مطالعہ کیا جاتا اور پھر تہہ کر لیا جاتا تھا۔ قرآن مجید میں کائنات کے خاتمے کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے کہ یَوۡمَ نَطۡوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلۡکُتُبِ ط۔ "ایک دن آئے گا جب ہم اس کائنات کو اس کی وسعتوں اور پہنائیوں اور اس کی بلندیوں اور پستیوں سمیت اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے تم کتابوں کے طومار کو لپیٹ لیا کرتے ہو"۔ قرآن مجید میں اس مقصد کی تفہیم کے لئے ایک مقام پر یوں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ وَالۡاَرۡضُ جَمِیۡعًا قَبۡضَتُہٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطۡوِیّٰتٌۢ بِیَمِیۡنِہٖ ط "قیامت کے روز یہ زمین پوری کی پوری اس تعالیٰ کی مٹھی میں ہو گی اور تمام آسمان (اور خلا و فضا کی سب بلندیاں) اس کے دستِ راست میں لپٹے ہوئے ہوں گے"۔ ہمارے ایمانیات کی اصطلاح میں اس کیفیت و حالت اور اس دن کو قیامت کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جان

---

[1] سورۃ الدخان میں ایک دوسرے اسلوب سے فرمایا گیا: وَمَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَہُمَا لٰعِبِیۡنَ ہ مَا خَلَقۡنٰہُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ہ (آیات ۳۸ - ۳۹)

لیجیے کہ اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے قیامت! لیکن یہی حقیقت ذہن سے اوجھل اور شعور و ادراک سے دور ہے اس بات کو انسان کی زندگی کے انفرادی طرزِ عمل سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کون نہیں جانتا ۱۴۱۷/۸/۱۹۹۵ء —

کہ زندگی کی اٹل حقیقت موت ہے۔ اس پر دنیا کے تمام انسان متفق ہیں۔ ہر نظریہ، خیال اور ہر بات میں اختلاف بھی ممکن ہے اور شک بھی —— لیکن موت وہ حقیقت ہے، جس میں نہ اختلاف کی گنجائش ہے نہ شک کی — بایں ہمہ "موت" ہی وہ چیز ہے جسے ہم اپنے شعور اور ذہن سے دور رکھتے ہیں۔ اس کے شدنی ہونے کی حقیقت کے ادراک کو پاس پھٹکنے نہیں دیتے۔ جسے دیکھو وہ اس دنیا میں اس طرح زندگی بسر کرتا ہے، جیسے اس کو دائمی طور پر یہاں رہنا ہے اِلّا ماشاء اللہ۔ اسی میں عافیت نظر آتی ہے۔ ورنہ یہاں کی ساری لذتیں اور عیش و آرام اجیرن بن جائیں۔ جیسا کہ انسان کی اس کیفیت اور جہول کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو کچھ مجھے معلوم ہے اگر کہیں تمہیں معلوم ہو جائے تو تمہارے ہونٹوں پر کبھی مسکراہٹ تک نہ آئے" —— یعنی اس دنیا کی ساری لذتیں، ساری چہل پہل اور چمک دمک انسان کو ہیچ نظر آئے —— واقعہ یہ ہے کہ اگر موت کی حقیقت انسان کے فکر و نظر اور قلب و ذہن میں ایک شدنی اور بدیہہ حقیقت کی طرح مستحضر رہے تو یہ دنیا اس کو قید خانہ معلوم ہو —— اسی طرح اس کائنات کی سب سے بڑی اور شدنی حقیقت قیامت کا ظہور ہے۔ جس کے بارے میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک ہے کہ "بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ" حضورؐ نے اپنے دست مبارک کی دو انگلیوں کو جوڑ کر اور اشارہ کر کے فرمایا کہ "میں اور قیامت اس طرح مبعوث کئے گئے ہیں" یعنی حضورؐ کے بعد تو بس قیامت ہی آنے والی ہے اور حضورؐ کی بعثت قربِ قیامت کی ایک علامت ہے اسی حقیقت کی حضورؐ نے ان الفاظِ مبارکہ سے بھی تعلیم فرمائی کہ "اَنَا اٰخِرُ الرُّسُلِ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ" میں آخری رسول ہوں اور تم آخری اُمت ہو"، یعنی اب نہ کوئی نبی و رسول مبعوث ہوگا اور نہ کوئی دوسری اُمت بپا ہوگی — اب قیامت قریب تر آ گئی ہے۔ —— نبی اکرمؐ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰے علیہم اجمعین کے دلوں میں جس درجے کا یقین پیدا فرمایا، اس کا

نقشۂ سیر کی کتب میں ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ جب کبھی تیز ہوا چلتی تھی تو صحابہ کرامؓ یہ سمجھتے تھے کہ قیامت آنے والی ہے۔" انہیں وہ صدی یا دو صدی پیچھے نظر نہیں آتی تھی کہ ابھی تو "یہ ہونا ہے" وہ " ہونا ہے ابھی قیامت کہاں! یا بقول حفیظ جالندھری کہ ع "ابھی تو میں جوان ہوں!" ـــــ یعنی ابھی موت کے تصوّر کا کیا موقع! اس کو کیوں قریب آنے دیا جائے۔ قیامت کا خیال آنا تو بہت ہی دور کی بات ہے۔ لیکن صحابہ کرامؓ کا جو تصوّر تھا، ان کی دینی زندگی میں جو اصل رُوح تھی۔ ان کو جو فکر ہر وقت لاحق رہتا تھا، ان میں جو حرارت و جوش تھا اور ایثار و قربانی کا جو جذبہ ان کے رگ و پے میں موجزن تھا، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کامل ایمان، رسالت پر ایقان، قیامت پر یقینِ محکم اور محاسبۂ اُخروی کے خوف کا رہینِ منت تھا۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ وہ قیامت کے اس طرح منتظر رہتے تھے کہ معمول کے خلاف تیز ہوا سے بھی قیامت کی آمد کے متعلق وہ فکرمند ہو جاتے تھے ـــــ اس کے بالکل برعکس درحقیقت ہمارا حال یہ ہے کہ قیامت تو کجا ہم اپنی موت کے تصوّر کو بھی اپنے ذہن سے زیادہ سے زیادہ دور رکھتے ہیں۔ یہ ہے ہمارے دینی اخلاقی اور عملی لحاظ سے اضمحلال و زوال اور انحطاط کا اصل سبب! اسی حقیقت کے صحیح ادراک کے فقدان یا اس میں ضعف کے باعث آج پورے عالم اسلام میں ہمارا معاشرہ دینی و اخلاقی طور پر بے عملی اور بدعملی سے دوچار ہے۔

قیامت کے ضمن میں قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے صراحتاً یہ ثابت ہے کہ اس کے وقوع کا قطعی علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے چنانچہ سورہ لقمان کی آخری آیت ان الفاظ مبارکہ سے شروع ہوتی ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ج۔ "قیامت کی گھڑی (وقت) کا علم بلاشبہ صرف اللہ کے پاس ہے۔" ـــــ اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو ہوتا تو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا اور جبریل امین علیہ السلام کو ہوتا چنانچہ حدیثِ جبریلؑ میں جس کو احادیث کے ذخیرے میں وُہی اہمیت حاصل ہے جو قرآن مجید میں سورہ فاتحہ کا مقام ہے۔ ـــــــــ سورۃ فاتحہ کو ام القرآن کہا جاتا ہے اور حدیث جبریلؑ کو امّ السنہ ـــــ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ مسجد نبوی میں جب کہ نبی اکرمؐ اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ رونق افروز تھے انسانی شکل میں حضرت جبریلؑ تشریف لائے اور انہوں نے حضورؐ سے چار سوال کئے۔ (اس وقت کسی کو علم نہیں تھا

کہ انسانی شکل میں آنے والے یہ صاحب جبریلؑ ہیں) اَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ ـ أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيْمَانِ ـ أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ اور أَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ ـ نبی اکرمؐ نے پہلے تینوں سوالوں کے مفصل جوابات ارشاد فرمائے۔ چوتھے سوال کے جواب میں جو قیامت سے متعلق تھا۔ حضورؐ نے فرمایا: مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، یعنی جس سے پوچھا جارہا ہے وہ اس پوچھنے والے سے زیادہ واقف نہیں ہے!۔۔۔ سورہ لقمان کی آخری آیت کے ابتدائی حصے سے حضورؐ کے اس ارشاد کا مفہوم واضح طور پر سمجھ میں آجاتا ہے کہ قیامت کے وقوع پذیر ہونے کی گھڑی کا علم صرف اللہ تعالٰی کے پاس ہے آخر میں حضرت جبرئیل پوچھتے ہیں " أَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَاتِهَا ۔ تو اس (ساعت) کی کچھ نشانیاں بتایئے'! جواب میں حضورؐ نے فرمایا کہ اَنْ تَلِدَ الْاُمَةُ رَبَّتَهَا وَاَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ " اس کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ لونڈی اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی اور دوسری نشانی یہ ہے کہ تم دیکھو گے کہ جن کے پاؤں میں جوتا اور تن پر کپڑا نہیں ہے اور جو تہی دست اور بکریاں چرانے والے ہیں وہ بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں گے اور اس میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کریں گے"۔

پہلی نشانی کہ جب لونڈی اپنی مالکہ کو جننے لگے' ۔۔ تو یہ استعارہ ہے اس صورت واقعہ کے لئے کہ بیٹیاں جن کی سرشت میں ماؤں کی فرمانبرداری کا عنصر بہت غالب ہوتا ہے، اتنی سرکش ہوجائیں گی کہ ماؤں کے ساتھ وہ سلوک کرنے لگیں گی جو مالکہ اپنی لونڈی کے ساتھ کرتی ہے ۔ مائیں اپنی بیٹیوں کی نافرمانی سے ڈرنے لگیں گی اور اس خوف میں مبتلا رہنے لگیں گی کہ پتہ نہیں بیٹی منہ سے کسی وقت کیا بک دے اور کس قسم کی گستاخی سے پیش آئے ۔ اولاد میں بیٹے کی نسبت بیٹی کمزور صنف ہے، وہ فطرتاً شرمیلی، باحیا اور ماں باپ کے سامنے کم گو ہوتی ہے ۔ لیکن جب اس کا یہ حال ہو گا کہ ماؤں کے ساتھ گستاخی سے پیش آنے لگے گی اور اتنی جری ہوگی کہ ماں اس سے خوف کھانے لگے گی اور اس کا سلوک اپنی ماں کے ساتھ وہ ہوگا جو مالکہ کا اپنی لونڈی کے ساتھ ہوتا ہے تو بیٹوں کے اطوار اور ان کی نافرمانیوں کا کیا ٹھکانا ہوگا! اس کا بخوبی قیاس کیا جاسکتا ہے ۔ یہ صورتِ حال قربِ قیامت کی پہلی بڑی نشانی ہے ۔ یہ حالات

اور یہ نقشے ہمارے معاشرے میں اب نظر آنے لگے ہیں ۔۔ آج سے چالیس پچاس سال قبل ہمارے معاشرے میں لڑکیوں کی آواز تک سنائی نہیں دیتی تھی لیکن آج جو صورتِ حال ہے اس کے لئے تصور کے گھوڑے دوڑانے کی ضرورت نہیں ہے ۔ بگاڑ اور فساد کا یہ نقشہ ہم کو چشم سر سے نظر آرہا ہے ۔۔ حضورؐ نے جو دوسری علامت بتائی تھی اس کا نقشہ بھی چشم سر سے نظر آرہا ہے ۔ خاص طور پر جن عرب ممالک میں تیل نکل آیا ہے وہاں یہ منظر ہے کہ آج سے چالیس پچاس سال قبل ننگے بدن رہنے والے چرواہے ، اور مفلس و قلاش لوگ آج دس دس بیس بیس بلکہ اس سے بھی بلند و بالا بلڈنگیں بنانے اور اس مقابلے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں معروف ہیں ۔۔ یہ صورتِ حال قربِ قیامت کی دوسری بڑی علامت ہے ۔۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا کہ اب ہم ان دونوں بڑی علامتوں کا چشم سر سے اپنے معاشرے میں مشاہدہ کر سکتے ہیں ۔۔ جس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہیں کہ قیامت دُور نہیں ۔۔ اس موقع پر میرا ذہن جگر ہی کے ایک شعر کی طرف منتقل ہوا ۔ کیا خوب کہا ہے ۔

ارباب ستم کی خدمت میں اتنی ہی گذارش ہے میری
دنیا سے قیامت دُور سہی دنیا کی قیامت دور نہیں

ہمیں اس دُنیا میں بھی مکافات و مجازاتِ عمل کا ایک درجے میں ظہور نظر آتا ہے ۔ یہاں بھی کچھ معاملات کسی قدر چکتے ہیں ۔ بعض ظالموں کے اوپر اللہ تعالیٰ کا قہر ٹوٹتا ہے ۔ اس دنیا میں عبرت اور سبق آموزی کے لئے یہ ہوتا رہتا ہے اگرچہ وہ بڑی قیامت دور بھی ہو جس میں کائنات کی یہ تمام بساط لپیٹ دی جائے گی اور نئے قوانینِ قدرت کے ساتھ عالم آخرت بپا ہوگا اور پوری نوعِ انسانی عدالتِ خداوندی میں محاسبہ کیلئے کھڑی ہوگی ، تو بھی اس دنیا میں چھوٹی چھوٹی قیامتیں واقع ہوتی رہتی ہیں تاکہ خوابِ غفلت میں سرشار بنی آدم کو تنبیہ ہو ۔۔ احادیث شریفہ میں اس النبا العظیم یعنی قیامت کی جو علامات بتائی گئی ہیں ۔ ان کا مفاد یہ ہے کہ وہ ہمارے لئے رہنمائی کا ذریعہ بنیں اور ہم چوکس و ہشیار رہیں ۔ البتہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے اور کوئی مغالطہ لاحق ہو تو اس کو دور کر لیجئے کہ کسی صدی کا حساب لگا کر خواہ وہ چودھویں صدی ہو خواہ پندرھویں صدی ، کوئی خبر نہ قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے نہ احادیث شریفہ

میں ـــ علاماتِ قیامت کے باب میں احادیث نبویّہ میں غور و فکر کرنے سے البتہ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس دنیا کا ڈرامہ اپنے ڈراپ سین یعنی اختتام سے زیادہ دور نہیں ہے ۔ وہ جو کہا جاتا ہے کہ Stage being Set تو دنیا میں وہ نقشہ اور وہ حالات تیار ہوتے نظر آرہے ہیں، جن کی خبریں دی تھیں الصادق المصدوق جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ـــ میں ان حالات کا جن سے اس کرّہ ارض کو فی الوقت سابقہ پیش آرہا ہے، ایک اجمالی نقشہ آپ کے سامنے آج کی اس گفتگو میں پیش کرنا چاہتا ہوں ۔ مجھے اس ضمن میں مولانا حامد میاں صاحب مدظلّہ سے بہت مدد ملی ہے ۔ مولانا موصوف نے اسی موضوع پر عید الاضحیٰ کے موقع پر تقریر بھی کی تھی، پھر میری اس موضوع پر ان سے آج ہی تبادلہ خیالات بھی ہوا ہے اور اس گفتگو سے میری اپنی سوچ میں مزید پختگی آئی ہے ۔

قربِ قیامت کی علامات کے بارے میں احادیث نبویہ میں جو کیفیات بیان ہوئی ہیں، ان سے ذہن میں آنے والے واقعات و حالات کی ایک ترتیب اور تسلسل Sequance بنتا ہے ۔ اس میں کسی صدی، کس سال، کسی وقت اور کسی مدّت کا تعین کوئی نہیں کر سکتا ۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ واقعات کب رونما ہوں گے البتہ یہ قیاس ممکن ہے کہ یہ واقعات مختلف مراحل Phases میں رونما ہوں گے ۔ ہر مرحلے میں کتنی مدّت صرف ہوگی، کتنا عرصہ لگے گا اس کا تعیّن بھی ممکن نہیں ـــ لیکن قربِ قیامت کے متعلق مختلف احادیثِ نبویّہ کو جمع کر کے اور سامنے رکھ کر غور و تدبّر کیا جائے تو ایک اجمالی نقشہ اور خاکہ ذہن میں ضرور مرتب ہو جاتا ہے اور اس طرح جو نقشہ میرے ذہن میں مرتب ہوا ہے، وہ میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں ۔ وقت کی تنگی کی وجہ سے اس کا موقع نہیں کہ میں احادیث کا متن اور حوالے Text & References پیش کروں ۔ اگر ضرورت ہوئی تو انشاء اللہ العزیز میں اس موضوع پر تفصیلی طور پر لکھوں گا ۔ اس وقت جو کچھ میں پیش کرنا چاہتا ہوں اس کو ایک ترتیب کے ساتھ ذہن نشین کرتے جایئے ۔ اس لئے کہ یہ حصہ آج کی گفتگو کی تمہید بھی ہوگا ۔

احادیث شریفہ سے ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ وقوعِ قیامت کے قریب

کچھ جنگیں ہوں گی جن کی ہولناکیاں اور تباہ کاریاں ایسی وسعت کی حامل ہوں گی جن کے سامنے سابقہ جنگوں کی ہولناکیاں اور تباہ کاریاں ماند پڑ جائیں گی۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے کی پہلی جنگ میں مسلمان اور عیسائی ایک تیسری طاقت کے خلاف متحد ہوں گے اس جنگ میں بے پناہ خونریزی ہوگی۔ اور نتیجتاً مسلمانوں اور عیسائیوں کی متحدہ قوت کو فتح و کامیابی حاصل ہوگی۔ یہ پہلا مرحلہ Phase ہے۔ اس کے بعد دوسرے مرحلے Phase کی طرف احادیث شریفہ سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اس فتح کے بعد مسلمانوں اور عیسائیوں میں سخت تفرقہ اور اختلافات پیدا ہوں گے عیسائی اس فتح کو اپنے مذہب، اپنے عقائد اور اپنی صلیب کی طرف منسوب کریں گے اور اس کو اپنے مذہب کی حقانیت کی دلیل بنائیں گے۔ چنانچہ اتحاد پارہ پارہ ہو جائے گا نتیجۃً یہ تفرقہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین مسلح معرکہ آرائی اور ایک شدید جنگ کی صورت اختیار کرلے گا جس میں مسلمانوں کو زبردست ہزیمت اور نقصانات اٹھانے پڑیں گے۔ ترکی۔ لبنان، شام اور عراق مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائیں گے حتیٰ کہ عیسائی مسلمانوں کو شکست پر شکست دیتے اور دباتے ہوئے حجاز میں خیبر کے مقام تک پہنچ جائیں گے۔ میرا گمان ہے کہ اس جنگ میں یہودیوں کی تمام دلی ہمدردیاں اور عملی تعاون عیسائیوں کو حاصل ہوگا۔ ان کا سرمایہ، ان کی ٹیکنیکل مہارت، ان کے کارخانوں میں تیار ہونے والا مہیب و مہلک اسلحہ ان کے پراپیگنڈے کے ہتھیار سب عیسائیوں کی پشت پر ہوں گے۔ احادیث کے مطابق اس مرحلہ پر امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔ یہیں موقع پر یہ بات بھی جان لیجئے کہ امام مہدیؑ کی اس شخصیت اور شیعوں کی مفروضہ و تصوراتی شخصیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ صرف لفظ اور نام کے اشتراک کے کوئی اور چیز مشترک نہیں ہے۔ وہ جس مہدی کے ماننے والے ہیں، وہ ان کے بارھویں امام ہیں جو ان کے عقیدے کے مطابق غائب ہو گئے اور کسی غار میں مقیم ہیں۔ پھر وہی ظاہر ہوں گے اور وہی امام غائب، امام ظاہر ہوں گے۔ اس ضمن میں شیعوں میں بھی عقائد میں اختلافات ہیں، جن کی بنا پر ان کے ہاں بھی بے شمار فرقے موجود ہیں، ایسے بھی فرقے موجود ہیں، جن کے نزدیک امام وقت موجود رہتا ہے اور اس میں سابقہ امام کی رُوح حلول کرتی رہتی ہے (استغفراللہ)

ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے احادیث نبویہ سے ہمارے سامنے امام مہدی کی شخصیت اور ان کے ظہور کا جو نقشہ آتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک قائد اور ایک رہنما کی حیثیت سے ابھریں گے۔ ان کا نام محمد ہوگا اور ان کے والد کا نام عبداللہ۔ وہ بیت اللہ شریف میں کعبہ کا طواف کر رہے ہوں گے کہ لوگ ان کو پہچانیں گے کہ یہی امام مہدی موعود ہیں ۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ ایک آسمانی ندا بھی ان کی نشاندہی کرے گی۔ وہ خود مہدی ہونے کے دعویدار نہیں ہوں گے بلکہ لوگ ان کو از خود پہچانیں گے اور کوئی ندائے غیبی اس امر کی تائید کرے گی۔ مسلمان ان کی قیادت میں متحد اور مجتمع ہو کر عیسائی قوتوں سے جنگ و قتال کریں گے اور ان کو پیچھے ہٹاتے ہوئے قسطنطنیہ تک پہنچ جائیں گے۔ اور جب قسطنطنیہ کو عیسائیوں کے چنگل سے آزاد کرا رہے ہوں گے تو پھر ایک اور مرحلہ آئے گا جس کو ہم تیسرا مرحلہ Phase کہہ سکتے ہیں۔ وہ وقت دجال اکبر کے ظہور کا وقت ہوگا۔ اس کے ظہور کی خبر اس کے قبضے میں غیر معمولی اسلحہ اور عجیب و غریب کرشمے ہونے کے باعث تمام عالم میں آناً فاناً پھیل جائے گی۔ بعض احادیث میں اگرچہ اس کے خروج کی جگہ اصفہان (ایران کا شہر) بتائی گئی ہے لیکن وہ خود بھی یہودی النسل ہوگا اور یہودیوں کی مسلح اور بظاہر ناقابل تسخیر قوت اس کی پشت پر ہوگی وہ پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہوگا۔ عیسائی قوتیں بھی اُس کے ساتھ مل جائیں گی اور مسلمانوں کو شدید ہزیمت و شکست سے دوچار ہونا پڑے گا اور وہ شدید نقصانات اٹھاتے ہوئے امام مہدیؑ کی قیادت میں دمشق کی طرف پلٹیں گے ان کی Phase ہوگی ۔ احادیث نبویہ کی رو سے یہ وقت ہوگا عیسیٰ ابن مریم یعنی مسیح علیہ السلام کے آسمان سے نزول کا جس کا ذکر میں آگے چل کر کروں گا ——— یہاں تھوڑا سا توقف کر کے اس بات کو سمجھئے کہ احادیث کی روشنی میں کیسے کیسے سخت مراحل Retreat اور صبر آزما امتحانات آنے والے ہیں جس کے جلو میں تباہی، ہلاکت اور خون ریزی کے کیسے کیسے طوفان اٹھنے والے ہیں ۔ ہمیں یہ کہہ کر تھپکی اور لوری دی جاتی ہے کہ بس اب پندرھویں صدی غلبہ اسلام کی صدی ہے اور روشن مستقبل ہمارا منتظر ہے اور ہم خوش ہو جاتے ہیں اور ان امانیوں سے بہل جاتے ہیں اور ہمیں ان فرائض کا احساس ہی نہیں ہوتا جو اعلائے کلمۃ اللہ،

احقاقِ حق ابطالِ باطل اور غلبہ دینِ متین کی سعی و جہد کے ہر کلمہ گو کے ذمے ہیں ۔ حالانکہ احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کن انتہائی کٹھن مراحل سے سابقہ پیش آنے والا ہے اور قطرے کے گہر ہونے تک اس پر کیا کچھ بیتنے والی ہے اور ان امتحانوں سے گزرنے کے لئے ہمارے پاس حقیقی دولتِ ایمان ہونی کتنی ضروری ہے ۔ مشرقِ وسطیٰ میں سلطنت اسرائیل کے قیام اور دنیا بھر سے لاتعداد یہودیوں کی وہاں منتقلی پھر ان ممالک کی طرف سے جو عظیم اکثریت کے لحاظ سے عقیدۃً عیسائی ہیں، "اسرائیل" کی سرپرستی اور معاونت اور اس کی جارحانہ اور توسیع پسندانہ پالیسی کو پیشِ نظر رکھیئے اور غور کیجئے کہ اس کی سرحدیں کہاں تک پہنچی ہیں اور مستقبل کے لئے کون کون سے مقامات محاذِ جنگ بننے والے ہیں —— بہرحال احادیث نبویہ سے صحاح ستّہ جیسی بلند پایہ کتبِ احادیث کے علاوہ بے شمار احادیث کے مجموعوں میں جو روایات ہم تک پہنچی ہیں، ان میں قطعیّت اور صراحت کے ساتھ دجال اکبر کے ظہور اور حضرتِ مسیح علیہ السلام کے نزول کی سال وسن اور صدی کے تعین کے بغیر امت کو خبریں دی گئی ہیں ۔ ان احادیث صریحہ کی روشنی میں ہمارا اس بات پر کامل ایمان ہے کہ حضرتِ عیسٰیؑ بنفس نفیس آسمان سے نزول فرمائیں گے ۔ کسی "مثیلِ مسیح" یا بروزِ مسیح" کے آنے کا کوئی سوال ہی نہیں یہ خیال و عقیدہ گمراہی ہے ۔ ضلالت ہے زیغ ہے ۔ بلکہ کفر ہے —— صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابو داؤد و سنن ابن ماجہ میں نزولِ مسیح کے نزول کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے کہ "دجال جب مسلمانوں کو پامال کرتا ہوا دمشق کا محاصرہ کرلے گا تو اللہ تعالےٰ مسیح ابن مریم کو بھیج دیگا اور وہ دمشق کے مشرقی حصے میں، سفید مینار کے پاس زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے دو فرشتوں کے بازوؤں پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے ۔ جب وہ سر جھکائیں گے تو ایسا محسوس ہوگا کہ قطرے ٹپک رہے ہیں اور جب سر اٹھائیں گے تو موتی کی طرح قطرے ڈھلکتے نظر آئیں گے ان کے سانس کی ہوا جس کافر تک پہنچے گی اور وہ حدِ نظر تک جائیگی اور وہ کافر زندہ نہ بچے گا ۔ پھر ابن مریمؑ دجال کا پیچھا کریں گے اور لُدّ کے دروازے پر اُسے جا پکڑیں گے اور قتل کردیں گے" ایک اور حدیث میں دجال کے ظہور کے سلسلہ میں آتا ہے کہ "پھر عیسٰی علیہ السلام نازل ہوں گے اور اللہ تعالےٰ دجال کو اُفیق کی

گھاٹی کے قریب ہلاک کر دے گا"۔ ان حدیثوں میں دجال کے قتل کا مقام لدّ اور اُفیق کی گھاٹی
کا قرب بیان کیا گیا ہے تو جان لیجئے کہ لدّ Lydda فلسطین میں اسرائیل
کے دارالسلطنت تل ابیب سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہے اور یہ یہودیوں کا اس وقت
سب سے بڑا ہوائی اڈہ Air Base ہے۔ اُفیق آج کل فیق کے نام سے موسوم
ہے یہ شام اور اسرائیل کی سرحد کا آخری شہر ہے جس کے آگے اسرائیل کی سرحد شروع ہوتی
ہے اور لدّ کے ہوائی اڈے کی طرف جاتی ہے ۔ ان واضح احادیث اور تھوڑے تھوڑے
لفظی اختلاف کے ساتھ اسی مضمون کی بہت سی احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ
نزول فرمانے والے بنفس نفیس وہی حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہوں گے، جن
کے متعلق یہود و نصاریٰ کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ نعوذ باللہ صلیب پر چڑھا دیئے گئے تھے اور
جس کے متعلق قرآن مجید بصراحت اور شد و مد کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا
قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ
وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ط (النساء ۱۵۷) قرآن پہلے بیان کرتا ہے کہ یہود کے دلوں پیمان کے
جرائم میں سے قتل انبیاء، انکار انبیاء اور حضرت مریمؑ پر بہتان عظیم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ
نے مہر لگا دی ہے اور اس کا باعث بھی کہ "انہوں نے کہا کہ ہم نے مسیح، عیسیٰ ابن مریم
رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے - حالانکہ فی الواقع نہ انہوں نے اس (مسیح) کو قتل کیا نہ صلیب پر
چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا"۔ مشتبہ کر دینے کی صورت برناباس کی انجیل میں
یہ بیان کی گئی ہے جس حواری نے غداری کر کے حضرت مسیحؑ کے خلاف مخبری کی تھی اور
رومی سپاہیوں کے ہاتھوں ان کو گرفتار کرایا تھا - اللہ تعالیٰ نے اس کی شکل حضرت
مسیح کے مانند کر دی اور اس کی زبان گنگ کر دی تھی[۱]۔ آگے قرآن مجید اصل حقیقت کو
ان الفاظ مبارک میں بیان کرتا ہے کہ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۝ بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ط
وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ اور انہوں نے اُس (مسیح) کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ
نے اس (مسیح) کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ زبردست طاقت رکھنے والا اور حکیم ہے"۔ احادیث
صحیحہ میں یہ وضاحت و صراحت بھی ملتی ہے کہ حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام
دوبارہ اس دنیا میں بحیثیت نبی تشریف نہیں لائیں گے بلکہ اس وقت ان کی حیثیت خاتم النبیین
آخر الرسل جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی کی ہو گی ۔ احادیث میں ان کے نزول کا

۱؎ یہی شخص در اصل صلیب پر چڑھایا گیا تھا ۔

وقت نماز فجر کے قریب بیان ہوا ہے اور یہ بات بھی مذکور ہے کہ آں سے کہا جائے گا کہ آپ آگے بڑھیئے اور نماز کی امامت فرمایئے لیکن آں جناب انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ تمہارے امام ہی کو آگے بڑھنا چاہیئے - وہ امام مہدیؑ کی اقتدا میں نماز ادا کریں گے" صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا "کیسے ہو گے تم لوگ جبکہ تمہارے درمیان ابن مریمؑ اتریں گے اور تمہارا امام اس وقت تم میں سے ہوگا" اس مضمون کی بکثرت احادیث ہیں۔ — یہ علامت ہوگی اس بات کی کہ آن کی حیثیت امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ایک امتی کی ہوگی اور اُمتِ مسلمہ کا نظم برقرار رہے گا -

نزولِ مسیح علیہ السلام کے سلسلے کی جملہ احادیث پر غور و تدبر سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان کے نزول کا اصل مشن دجال کا قتل اور یہود کو کیفرِ کردار تک پہنچانا ہے - چونکہ قرآن حکیم میں رسولوں کے باب میں اللہ تعالےٰ کی یہ سنت نظر آتی ہے کہ جن قوموں کی طرف رسولوں کی براہِ راست بعثت ہوتی ہے، وہ رسول کی رسالت پر ایمان لانے سے انکار کی پاداش میں ہلاک کر دی جاتی ہیں - جیسے قوم نوح، قوم لوط، قوم صالح اور قوم شعیب علیہم السلام پر عذاب استیصال کے نزول اور ان کی ہلاکت و بربادی کا تفصیل سے ذکر ہے " از روئے قرآن مجید حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت اصلاً بنی اسرائیل کی طرف ہوئی تھی جیسا کہ سورہ آل عمران کی آیت ۴۹ کے آغاز میں فرمایا وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ - لیکن ہمیں معلوم ہے کہ بنی اسرائیل کو حضرت مسیحؑ کی تکذیب پر ہلاک نہیں کیا گیا ان پر عذاب استیصال نہیں آیا - — لہٰذا ان کی ہلاکت کا مرحلہ سُنّت اللہ کے مطابق ابھی آنا ہے - اسی سُنت اللہ کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہوگا جن کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا اور ان ہی کے ہاتھوں سے یہود سُنت اللہ کے مطابق برباد ہلاک اور نیست و نابود کر دیئے جائیں گے اور ان کا بالکلیہ استیصال ہوگا — یہودیوں کے استیصال کے ساتھ ساتھ نزول مسیحؑ کے بعد عیسائیت کا بھی خاتمہ ہو جائے گا اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے اور تمام دنیا پر دین الحق کی حکمرانی ہوگی لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ کی شان بکمال و تمام سارے عالم پر ظاہر ہوگی — حضرت ابوہریرہؓ سے بخاری و مسلم اور ترمذی و مسندِ احمد میں مروی ہے کہ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے

ضرور اتریں گے تمہارے درمیان ابن مریم حاکم عادل بن کر پھر وہ صلیب کو توڑ
دیں گے (فیکسر الصلیب) اور خنزیر کو ہلاک کریں گے (ویقتل الخنزیر) اور جنگ کا خاتمہ
کر دیں گے (دوسری روایت میں جزیے کا لفظ ہے۔ یعنی جزیہ ختم کر دیں گے۔ ویضع
الحرب او یضع الجزیۃ) اور مال کی وہ کثرت ہوگی کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی
نہ رہے گا اور حالت یہ ہو جائے گی کہ لوگوں کے نزدیک خدا کے حضور ایک سجدہ کر لینا دُنیا
وما فیہا سے بہتر ہوگا"۔ تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ اس مضمون کی متعدد احادیث
صحیح سند کے ساتھ مختلف صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں۔ ان تمام احادیث میں یکسر الصلیب،
یقتل الخنزیر اور یضع الجزیۃ کے جو الفاظ آئے ہیں۔ اس کا مفہوم تھوڑے سے غور و فکر سے
سمجھ میں آجاتا ہے۔ صلیب کو توڑنے اور خنزیر کو ہلاک کر دینے کا مطلب معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیت
ایک الگ دین کی حیثیت سے ختم ہو جائے گی۔ عیسائیوں کے اندر جو یہ دو لعنتیں ہیں وہ
سینٹ پال (پولوس) کی وجہ سے آئیں تھیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اسے سینٹ (ولی) نہیں
——— کہنا چاہیئے۔ یہ پال ہی تھا جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت توحید
کے چشمہ صافی میں عریاں ترین اور سب سے گھناؤنا شرک شامل کیا۔ یعنی حضرت مسیحؑ کو باقاعدہ
اللہ تعالیٰ کا صلبی بیٹا قرار دے کر ان کو الوہیت میں شریک ٹھہرایا پھر روح القدس کو
جس سے عیسائیوں کے بعض فرقوں کے نزدیک حضرت جبرئیلؑ اور بعض کے نزدیک حضرت
مریمؑ مراد ہیں۔ اقانیم ثلاثہ میں شامل کر کے تثلیث کا عقیدہ گھڑا۔ اسی پال نے یہ گمراہی
بھی دین عیسوی میں بطور عقیدہ داخل کی کہ خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے یعنی حضرت مسیحؑ
صلیب پر لعنت کی موت دے کر اس کے ماننے والوں کے گناہ کا کفارہ بنا دیا۔ اسی نے
شریعت موسوی منسوخ ٹھہرائی۔ انجیل میں سرے سے کوئی شریعت تھی نہیں۔ لہذا
انبیاء کی امتوں میں عیسائیت ہی وہ امت ہے جس کی بنیاد صرف عقیدے پر ہے۔ شریعت
ان کے ہاں موجود ہی نہیں حالانکہ متی کی انجیل میں حضرت مسیحؑ کا یہ قول اب بھی موجود ہے
جو آں جنابؑ نے پہاڑی کے وعظ (SERMON OF THE MOUNT) میں کہا
تھا کہ "یہ نہ سمجھنا کہ میں شریعت کو ختم کرنے آیا ہوں۔ شریعت باقی اور جاری رہے گی"
(DON'T THINK I HAVE COME TO DESTROY
LAW) لیکن یہودی ذہن نے جو انتہائی سازشی ہے۔ جس کا شاہکار ایک پال تھا اور دوسرا

عبداللہ بن سبا جس کا کچھ ذکر میں آگے کروں گا۔ تو اس پال نے جب شریعت موسوی رد کی تو خنزیر کو بھی حلال کر لیا گیا جو تمام انبیاء کی شریعتوں میں حرام رہا ہے۔ حضرت مسیحؑ اپنے نزول کے بعد خود اعلان فرمائیں گے کہ میں خدا کا بیٹا نہیں بلکہ اس کا بندہ ہوں اِنِّیْ عَبْدُاللّٰہ نہ مجھے صلیب پر چڑھایا گیا بلکہ مجھے میرے رب نے آسمان پر زندہ اٹھا لیا تھا۔ نہ میں نے خنزیر کو حلال کیا تھا اور نہ ہی میں نے شریعت کو ساقط کیا تھا۔ اور ساتھ ہی وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق فرمائیں گے۔ نتیجۃً عیسائیت ختم ہو جائے گی۔ اور یضع الجزیۃ یعنی جنگ یا جزیہ کو ختم کر دینے کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ نزول مسیح کے بعد امتوں کا اختلاف ختم ہو جائے گا دوسرے تمام مذاہب و ادیان بھی مٹ جائیں گے اور سب لوگ ملت اسلام میں شامل ہو کر ایک اُمت واحدہ بن جائیں گے۔ اس طرح نہ جنگ و قتال کی ضرورت باقی رہے گی اور نہ کسی پر جزیہ عائد کیا جائے گا۔ پورے کرۂ ارض پر اللہ کا دین غالب ہو جائے گا اور الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق آسمان سے رحمتیں نازل ہوں گی اور زمین اپنے تمام پوشیدہ خزانے اور برکتیں اگل دے گی۔

متعدد احادیث کے مطالعے سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام فتنۂ دجال کے فرو کرنے، یہودیوں کا استیصال کرنے، تمام باطل ادیان کو محو اور تمام ملل و اُمم کو ملتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ضم کرنے کے بعد چالیس سال تک اس دُنیا میں رہیں گے۔ چنانچہ مسند احمد میں ایک روایت آتی ہے جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا دجال کے قصے میں بیان کرتی ہیں کہ "پھر عیسٰی علیہ السلام اتریں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔ اس کے بعد عیسٰی علیہ السلام چالیس سال تک زمین میں ایک امام عادل اور حاکم منصف کی حیثیت سے رہیں گے"۔ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شادی ہوگی۔ وہ صاحب اولاد ہوں گے۔ پھر ان کا انتقال ہوگا اور وہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ کے اٹل قانون قدرت سے دوچار ہوں گے۔ یعنی ان پر بھی طبعی موت واقع ہوگی۔ جیسے ہر ذی نفس پر واقع ہوتی ہے پھر ان کی تدفین بھی اُس حجرہ شریف میں ہوگی جس میں نبی اکرمؐ اور حضورؐ کے دو جاں نثار (ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ) مدفون ہیں۔

میں نے پال کے ساتھ ایک دوسرے یہودی عبداللہ بن سبا کا بھی نام لیا تھا اب

ضمناً اس کا بھی کچھ حال سن لیجئے ۔ پال نے تو حضرت عیسیٰ کے دین کا پورا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا تھا ۔ ابن سبا کی کوشش بھی یہی تھی کہ اسلام کی حقیقی تعلیم و دعوت کو بالکلیہ مسخ کر دے ۔ لیکن چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور آخر الرسل ہیں اور قرآن مجید اللہ کی آخری کتاب ہے ۔ اب تا قیام قیامت کوئی نبی اور رسول آنے والا نہیں اور نہ کوئی کتاب نازل ہوگی نہ شریعت ۔ اس لئے دین محمد علی صاحب الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے خصوصی تحفظ حاصل ہے ۔ اس لئے الحمد للہ ثم الحمد للہ دین اسلام ، اس کی تعلیمات ، قرآن مجید ، سیرت مطہرہ ، ارشادات و فرمودات رسول اللہ ، سیر و احوال او آثار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین بکمال و تمام جملہ تفصیلات و جزیات کے ساتھ محفوظ و مامون ہیں ۔ ورنہ ابن سبا کی سازش ——— انتہائی گھمبیر اور خطرناک تھی ۔ البتہ وہ اس میں کامیاب ہوگیا کہ مسلمانوں میں ایسے تفرقے کا بیج بوگیا جس کے شجر خبیثہ کے برگ و بار کی تلخیوں کا مزا اُمتِ مسلمہ چودہ سو صدیوں سے آج تک چکھ رہی ہے ۔ اور اس کے سازشی ہتھکنڈوں کا تا حال خمیازہ بھگت رہی ہے ۔ عبداللہ بن سبا یمن کا ایک یہودی تھا ۔ جو بظاہر مسلمان ہوا اور اس نے مسلمانوں میں شامل ہوکر سازشی ریشہ دوانیاں شروع کیں ۔ اہل بیت کی محبت کا جھوٹا لبادہ اُڑھ کر مفتوحہ علاقوں کے نومسلموں میں اپنے کارکنوں کے ذریعے خلیفہ برحق حضرت عثمان ذو النورینؓ کے خلاف مہم شروع کی اور بہت سے سیدھے سادھے نومسلموں کی عقیدتوں کا رُخ شخصیت پرستی کی طرف موڑ دیا ۔ اس نے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے عقیدت کے پردے میں بڑے گمراہ کن خیالات کی نشر و اشاعت کی

ابن سبا کی سازش

اس طرح اس نے توحید کے چشمہ صافی کو ناپاک کرنے کی مذموم حرکت کی اور ابن سبا کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر حضرت علیؓ کی زندگی ہی میں ابن سبا کے بعض پیروکار

نے آں جناب رض کو خدا کہنا شروع کر دیا ۔ حضرت علی رض نے ان لوگوں کو زجر و توبیخ کی اور قتل کرانے
کی دھمکی دی لیکن ابن سبا نے ان کو اس عقیدے پر اتنا پختہ کر دیا تھا کہ انہوں نے کہا
" ہم مرنے کے لئے تیار ہیں لیکن ہمارا عقیدہ یہی ہے کہ اے علی ! تم خدا ہو ۔ تم ہماری اسی طرح
آزمائش کر رہے ہو جس طرح اللہ اپنے اوپر ایمان لانے والوں کی آزمائش کرتا ہے " ۔ حضرت
علی رض نے ان لوگوں کو جلوا دیا ۔ (ابن سبا اس وقت حضرت علی رض کے زیر اقتدار حدود سے باہر
جا چکا تھا) جب حضرت علی رض شہید ہو گئے تو ابن سبا نے جو زیر زمین موجود تھا مزید گمراہ کن اور
اور فساد انگیز خیالات پھیلانے شروع کئے مثلاً یہ کہ حضرت علی رض شہید نہیں ہوئے بلکہ
لوگوں کو دکھانے کے لئے ایک شیطان کو اپنی صورت دے کر آسمان پر چڑھ گئے ۔ جس
طرح عیسیٰ ابن مریم ع آسمان پر چڑھ گئے تھے اور جس طرح یہود و نصاریٰ قتل عیسیٰ ع کے
دعوے میں جھوٹے ہیں اسی طرح خوارج بھی قتل علی رض کے دعوے میں جھوٹے ہیں ۔ جس طرح
یہود و نصاریٰ نے اس شخص کو مصلوب دیکھا جس کی صورت حضرت عیسیٰ ع کی صورت
پر بنا دی گئی تھی اسی طرح قتل علی رض کے دعویداروں کو قتیل بصورت علی رض
نظر آیا ۔ نعوذ باللہ من ذالک ! بخاری میں ابن سبا کی ان ریشہ دوانیوں
کا اجمالاً ذکر موجود ہے ۔ آج صبح ہی جناب مولانا حامد میاں سے اس مسئلہ پر تبادلۂ
خیالات ہوا تھا تو مولانا نے بتایا کہ مسندِ امام ابوحنیفہ رح میں ابن سبا کا قصہ تفصیل سے
مذکور ہے ۔ یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی احادیث کا ایک مجموعہ "مسندِ ابوحنیفہ"
کے نام سے موجود ہے ۔ حاصل کلام یہ کہ اُمت میں سیاسی اعتبار سے تفرقے اور دینی
اعتبارات سے شخصیت پرستی، اُلوہیتِ علی رض اور بے شمار مشرکانہ نظریات و عقائد
کا پہلا بانی و مبانی بھی ملعون عبداللہ ابن سبا ہے ۔ اس مسلمان نما یہودی نے ایسے
کانٹے بوئے تھے اور ایسے فتنوں کی داغ بیل ڈالی تھی کہ ہم آج تک اس کا خمیازہ بھگت
رہے ہیں ۔ اسی شجرِ خبیثہ کی بے شمار شاخیں آج اپنی جگہ تناور درختوں کی صورت میں
موجود ہیں اور اس کے تلخ برگ و بار سے ہم کو سابقہ پیش آ رہا ہے اس فتنہ کی کوکھ
سے سینکڑوں فتنے پیدا ہو چکے ہیں، جن میں سے بعض بڑی شد و مد کے ساتھ
آج بھی موجود ہیں ۔ امید افزا بات یہ ہے کہ امام مہدی ع کے ظہور اور حضرت مسیح
عیسیٰ ابن مریم ع کے نزول سے یہ تمام جھاڑ جھنکار صاف ہو جائیں گے اور اسلام و توحید
کے خورشید تاباں سے سارا جہاں منور ہو گا ۔ ان شاء اللہ العزیز ۔

میں نے عرض کیا تھا کہ احادیث نبویہ میں قربِ قیامت کے متعلق جو علامات اور پیشین گوئیاں بیان ہوئی ہیں وہ ظاہر ہونی شروع ہو گئی ہیں۔ گویا آخری سین کے لئے اسٹیج تیار ہو رہا ہے۔ یہودی جو دنیا کے مختلف ممالک میں منتشر تھے ان کی "اسرائیل" کے نام سے فلسطین میں ایک آزاد و خود مختار ریاست آج سے تقریباً چالیس سال قبل قائم ہو چکی ہے۔ جہاں تمام دنیا سے سمٹ سمٹ کر یہودی جمع ہو رہے ہیں۔ ان کا سرمایہ، ان کی قابلیت، ذہانت اور مہارت مجتمع ہو کر عالم اسلام کے لئے ایک عظیم خطرہ بن چکی ہے۔ اس خطرے کا عملی مظاہرہ ۱۹۶۷ء کی جنگ میں ہو چکا ہے جس کے نتیجے میں شام، اردن، لبنان اور مصر کے بہت سے علاقوں پر اسرائیل کا قبضہ آج تک برقرار ہے بلکہ بیت المقدس پر بھی وہ قابض ہے اور اس کی حرمت اس کے ہاتھوں پامال ہو رہی ہے۔ ظہورِ اسلام کے وقت ان کے دلوں میں اللہ کے آخری رسول، آخری کتاب، آخری و مکمل دین و شریعت سے جو بغض و عداوت اور حسد تھا اس میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا آ رہا ہے حالانکہ یہ متولیوں، عباسیوں، فاطمیوں اور عثمانیوں کی مسلم حکومتیں تھیں، جنہوں نے یورپ کے متعصب عیسائی حکمرانوں کے جور و ستم اور ظلم و تعدی سے یہودیوں کو نجات دلائی تھی اور جن کی زیرِ عافیت یہ باقی بھی رہے اور پھلتے پھولتے بھی۔ لیکن ان کا سازشی اور انتقامی ذہن اسلام کی سلامت روی اور انسان دوستی سے بالکل متاثر نہیں ہوا ــــ اسی یہودی ذہن کی کرشمہ سازیاں ہیں جو آج دنیا میں مادہ پرستانہ فکر و نظر پر قابو یافتہ ہیں ــــ عریانی، فحاشی اور جنسی بے راہ روی کے جو مناظر آج دنیا دیکھ رہی ہے اس کی ترویج میں بہت بڑا حصہ یہودی دانشوروں اور سرمایہ داروں کا ہے۔ یورپ کے متعدد ممالک اور خاص طور پر امریکہ کے ذرائع ابلاغ اخبارات و رسائل - ریڈیو ٹی - وی اور فلمی صنعت پر زیادہ تر یہودیوں کا قبضہ ہے۔ یہی حال بڑی بڑی صنعتوں اور

Hold.

بینک کاری کا ہے ــ جن اداروں پر ان کا براہ راست قبضہ نہیں ہے، وہ ان کے زیرِ اثر ہیں۔ ایوانِ حکومت میں بھی وہ بہت با اثر ہیں۔ کتنے کلیدی عہدے ان کے پاس ہیں۔ علامہ اقبال نے آج سے تقریباً پچاس پچپن سال پہلے کہا تھا کہ

؎ "فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے" تو آج یہ صورت حال زیادہ روشن اور واضح طور پر دنیا کے اُفق پر نظر آ رہی ہے۔ سود خواری یہود کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے اور ان کا گوشت پوست اور خمیر اسی حرام کی غذا سے بنا ہے۔ آج اسی یہودی ذہن کی

سازش کے باعث دنیا کی تمام معیشت سودی لین دین کی لعنت میں گرفتار ہے۔ پھر اس کو فریب اور پرکاری کا ایسا جامہ پہنایا ہے کہ لوگ اس کی معزرتوں کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں۔ امریکہ اور کینیڈا میں اس سودی کاروبار کی فریب کاری کی ایک مثال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ وہاں لوگ مکان خریدتے ہیں اور اس کی قیمت بنک سے قرض لے کر ادا کرتے ہیں بنک والے اور مکان فروخت کرنے والے زیادہ تر یہودی ہیں۔ بنک ضمانت میں مکان رہن Add - Back کر لیتا ہے۔ تیس سال کی قسطوں میں یہ اصل رقم معہ سود واپس کرنی ہوتی ہے۔ آغاز ہی میں اس پر سود در سود کے حساب سے سود کی رقم محسوب ہوتی ہے اور پھر ماہانہ اقساط میں وصولیابی شروع ہوتی ہے۔ یعنی اصل سے پہلے سود لینا شروع ہوتا ہے۔ لوگ اس فریب میں مبتلا ہوتے ہیں کہ مکان ہمارا ہو گیا۔ حالانکہ مکان بنک کے پاس رہن ہوتا ہے اگر قسطوں کی ادائیگی میں بے قاعدگی ہو جائے تو مکان ضبط۔ بنک اس کو نیلام بھی کر سکتا ہے یا دوبارہ فروخت کر سکتا ہے کمی پہلے خریدار کے ذمے رہے گی۔ پھر جو مکان پچاس ہزار ڈالر کی قیمت کا ہوتا ہے وہ اس لعنتی سودی دھندے کی وجہ سے تین گنا زیادہ قیمت کا پڑتا ہے۔ میرے حالیہ دورے میں ٹورنٹو میں ایک صاحب نے تنظیم اسلامی میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا جس میں شمولیت کی شرط یہ بھی ہے کہ کسی سودی لین دین سے تعلق نہ ہو۔ انہوں نے اسی رہن کے اصول پر مکان لے رکھا تھا اور تین چار سال سے پابندی سے اقساط ادا کر رہے تھے۔ انہوں نے کل ادائیگی کر کے رہن ختم کرنا چاہا تو معلوم ہوا کہ ابھی تو صرف سود بھی پورا ادا نہیں ہوا۔ اصل میں سے کچھ ادائیگی کا کیا سوال!! یہ ہیں سود کے ہتھکنڈے۔ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ امریکہ میں حکومت پر یہودیوں کے اثر کی وجہ سے انکم ٹیکس کی ادائیگی کے سلسلے میں یہ عیارانہ اور ظالمانہ قاعدہ رائج ہے کہ اگر کوئی شخص کرایہ پر مکان لیتا ہے اور پانچ سو ڈالر ماہانہ کرایہ ادا کرتا ہے تو یہ خرچ ٹیکس کے حساب میں شمار نہیں ہوگا بلکہ آمدنی میں شامل Margage کر کے اس پر ٹیکس لیا جائے گا۔ لیکن اگر رہن پر کسی نے مکان لیا ہے تو وہ اس کی قسط اور سود کی جو رقم بنک کو ادا کرتا ہے، وہ خرچ میں شمار ہوتی ہے اور انکم ٹیکس میں وضع ہو جاتی ہے۔ یہودی ذہن کی چالاکی دیکھئے کہ اس طرح حکومت انکم ٹیکس کی جو چھوٹ دیتی ہے، اس کا اصل فائدہ یہودی

بینک کار ہی کو ہوتا ہے اور حکومت نقصان میں رہتی ہے ۔ یعنی وہاں لوگوں کو ایسے جال میں کس دیا گیا ہے کہ وہ کرایہ پر مکان لیں تو کرایہ کو خرچ میں نہیں ڈال سکتے اگر سود پر مکان خریدیں تو حکومت اس رقم کے ٹیکس کا نقصان برداشت کر لیتی ہے اور یہ ادائیگی کرنے والا مطمئن رہتا ہے ـــ اس وقت معیشت اور ذرائع ابلاغ پر یہودیوں کا جو تسلّط اور اثر و رسوخ ہے اس کا ذکر تو ضمنی طور پر آ گیا ـ اب آیئے اصل موضوع کی طرف ۔

اس وقت مشرق وسطیٰ جس نازک صورتِ حال سے دوچار ہے، اس پر غور کیجئے!
سُرخ سامراج اس وقت خلیج کی ریاستوں اور عرب سلطنتوں پر واضح طور پر للچائی ہوئی نظریں ڈال رہا ہے اور "سیال سونے" پر قابض ہونے اور گرم پانی تک پہنچنے کے لئے اس کے عزائم اور اس کے منصوبوں کا معمولی سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والا بھی بآسانی اندازہ لگا سکتا ہے افغانستان میں روسی جارحیت ان ہی عزائم کی تکمیل کی طرف پہلا قدم معلوم ہوتا ہے۔ بہت سے مسلم ممالک جن میں مصر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے چار و ناچار امریکہ کی طرف جھکتے چلے جا رہے ہیں اور کچھ ایسا نقشہ جما نظر آ رہا ہے کہ تیسری عالمی جنگ چھڑنے کا وقت دُور نہیں ـــ اور اگر یہ جنگ چھڑی تو سب سے بڑا میدان جنگ مشرق وسطیٰ ہو سکتا ہے اور عجب نہیں کہ بیشتر مسلم ممالک خواہی نخواہی امریکہ اور اس کے یورپی اتحادیوں کے دوش بدوش اس جنگ میں شامل ہوں۔ اور دنیا جانتی ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی نوے فیصد سے زیادہ آبادی عیسائیوں پر مشتمل ہے ۔ گویا احادیث نبویہ میں جس عظیم جنگ، ہلاکت و بربادی کی خبر دی گئی تھی کہ ایک زبردست اور خون ریز و تباہ کن جنگ ہو گی ۔ جس میں مسلمان اور عیسائی ایک تیسری طاقت کے خلاف متحد ہوں گے، اس کے آثار سامنے نظر آ رہے ہیں ۔ ہو سکتا ہے کہ اس متوقع ہولناک تباہی کے ظہور میں آنے میں کچھ اور وقت لگے لیکن موجودہ حالات کی سنگینی بتا رہی ہے کہ یہ جنگ اور ٹکراؤ ہنگز برادر اٹل ہے ۔ یہودی اس جنگ میں یقیناً امریکہ ہی کے حلیف ہوں گے چونکہ امریکہ کی حمایت ہی میں اس سرطان نے مشرق وسطیٰ میں پنجے گاڑے ہیں ۔ اور امریکہ ہی اس وقت ان کا سب سے بڑا حامی و مددگار ہے ـــ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے دلوں میں متوقع جنگ کے بعد یہودی ہی نفرت کا بیج بونے کا کردار ادا کریں گے اور پھر دجّال کی قیادت

میں عیسائی مملکتوں کی تائید و اعانت حاصل کر کے مسلمانوں پر یلغار کریں گے اور مسلمان شکست و ہزیمت سے دوچار ہوں گے - یہی وقت ہو گا حضرت مسیحؑ کے نزول کا اور یہی دور ہو گا جب یہودیت کا بالکلیہ استیصال ہو گا اور عیسائی دین اسلام میں داخل ہو جائیں گے اور ساری دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو گا اور اللہ ہی کا کلمہ سب سے بلند ہو گا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ امن و سلامتی کا دور کتنے سال اور کتنی صدیوں تک رہے گا۔ انسانیت کا قافلہ پھر صراط مستقیم اور جادہ حق سے ہٹ کر شیطان کی بتائی ہوئی پگڈنڈیوں میں بھٹک جائے گا - حتیٰ کہ زمین پھر اللہ تعالیٰ سے بغاوت و سرکشی کی وجہ سے ظلم و ستم اور جور و تعدی سے معمور ہو جائے گی - شر غالب ہو گا - خیر مغلوب ہی نہیں، ناپید اور معدوم ہو جائے گا۔ یہ زوال دنیا کا خاتمہ لے کر آئے گا اور وہ ساعت جس کو ہم قیامت کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور جس کی خبر قرآن مجید میں مختلف اسالیب سے دی گئی ہے، آئے گی اور یہ دنیا اور یہ کائنات تہہ و بالا اور ملیامیٹ کر دی جائے گی - نظام ثقل درہم برہم ہو جائے گا اس وسیع و عریض کائنات میں پھیلے ہوئے عظیم الشان ستارے اور کرے ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں گے اور یہ عالم تہس نہس ہو جائے گا - جیسا کہ سورہ حج کے آغاز میں فرمایا اللہ رب العالمین نے " یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۝ لوگو! اپنے رب کے غضب سے بچو، حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بڑی ہی ہولناک چیز ہے -" سورۃ تکویر میں فرمایا " اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝ وَاِذَا الْجِبَالُ سُیِّرَتْ ۝ " اور سورۃ انفطار میں فرمایا اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝

حاصل کلام یہ کہ یہ کائنات مشیت و حکمت خداوندی کے تحت اپنی اجل مسمیٰ کی طرف گامزن ہے اور اس انجام سے لازماً دوچار ہو گی جو اس کا مقدر ہے - لیکن اس انجام کے وقت، سال، سن یا صدی کا تعین کرنا کسی کے لئے ممکن نہیں - اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے جیسا کہ میں سورہ لقمان کی آخری آیت اور حدیث جبرئیلؑ کے حوالوں سے بیان کر چکا ہوں - البتہ یہ گھڑی آ کر رہے گی اس میں شک کرنا کفر ہے - پھر اس آخری گھڑی کے آنے تک امت مسلمہ اور بنی نوع انسان جن حالات

سے دوچار ہوتی رہے گی، اس کا جو نقشہ احادیث نبویہ سے سامنے آتا ہے، ان کو بھی میں نے بیان کر دیا ہے اور ہم آج جن حالات سے گزر رہے ہیں۔ ان پر غور کرنے سے پیش آنے والے واقعات وحادثات کا جو خاکہ ذہن میں بنتا ہے اس کو بھی بیان کرنے کی میں نے امکانی حد تک کوشش کی ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن وحدیث میں کسی صدی کے تعین کے ساتھ کوئی خبر نہیں دی گئی ہے۔ البتہ احادیث میں علامات بیان ہوئی ہیں اور وہ علامات ہم کو چشم سر سے نظر آرہی ہیں اور صاف نظر آرہا ہے کہ ہمیں بہت کٹھن مراحل اور سخت امتحانات سے گزرنا ہے اور یہ محض خام خیالی ہے کہ پندرھویں صدی ہمارے لئے غلبۂ اسلام کی نوید لے کر آرہی ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ابھی اُمتِ مسلمہ کو کن کن صدموں اور حادثوں سے دوچار ہونا ہے۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ ایک دور آئے گا جس میں اسلام کا غلبہ ہوگا —— بڑے نصیبے والے ہوں گے وہ لوگ جو اس غلبۂ اسلام میں امام مہدیؑ اور حضرت عیسٰیؑ کے زیر قیادت فی سبیل اللہ اور غلبۂ دینِ حق کے لئے جہاد وقتال میں اپنے جان و مال کی قربانیاں پیش کریں گے اور بڑے ہی خوش نصیب ہوں گے جو غلبۂ اسلام کے اس دور سے متمتع ومستفیض ہوں گے۔ اور بڑے خوش بخت ہیں وہ لوگ جو اس دَورِ سعید کے لئے اس وقت اپنا تن من دھن لگانے کی سعادت حاصل کریں۔

ہمارے لئے عبر وبصائر

غلبۂ اسلام کا دور، پھر کفر وشرک اور ضلالت کا دور دورہ بعدہ قیامت کا ظہور۔ یہ مستقبل کی باتیں ہیں اور مشیتِ الٰہی کے مطابق ان کا وقوع پذیر ہونا برحق ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں ؟ دین کے ساتھ ہمارا انفرادی واجتماعی تعلّق اور رویّہ کیا ہے ؟ اس نقطۂ نظر سے جب ہم اس وقت کی مسلم اقوام وملل کا جائزہ لیتے ہیں تو سخت مایوسی سے سابقہ پیش آتا ہے —— میں نے مسلم اقوام وملل اس لئے کہا ہے کہ اُمتِ مسلمہ فی الواقع ایک وحدت اور اکائی کی صورت میں آج موجود نہیں۔ ہمارا کوئی مرکزی نظم نہیں۔ مختلف ممالک میں ہماری آزاد وخود مختار مملکتیں البتہ قائم ہیں۔ ان کا حال بھی یہ ہے کہ اسلامی شریعت کہیں بھی نظامِ مملکت کی حیثیّت سے قائم نہیں —— سعودی عرب میں شریعت کے حدود وتعزیرات اور قوانین جاری ہیں بھی تو وہ اس کا نظام حکومت اسلام کے شورائی نظام سے

تہی دست ہے ۔ وہاں ایک خاندان کی بادشاہت کا نظام چل رہا ہے ۔ سوال یہ ہے کہ جس مقصد کے لئے اُمت کو برپا کیا گیا تھا اور جو فرض اس کے سپرد کیا گیا تھا ۔ بمطابق آیاتِ قرآنیہ :۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ "اور اس طرح ہم نے تم کو اُمتِ وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر (حق) کے گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ ہو" ۔ یا اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ "اللہ کے نزدیک دین (زندگی کا نظام) صرف اسلام ہے" یا كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ "اب دنیا میں وہ بہترین اُمت (گروہ) تم ہو جسے انسانوں (کی ہدایت اصلاح) کے لئے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو" یا وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ؕ "اے ایمان والو!) کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین (نظام حکومت و اطاعت) پورا کا پورا اللہ کے لئے نہ ہو جائے" ۔ پھر شہادت علی الناس اور دعوت و تبلیغ کا فرض حجۃ الوداع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرما کر "فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ" "پس پہنچا ئیں وہ لوگ جو یہاں موجود ہیں ان کو جو یہاں موجود نہیں ہیں" اپنی اُمت کے سپرد کیا تھا ۔ اس فرض کی ادائیگی کے لحاظ سے ہم کس مقام پر کھڑے ہیں ؟ ۔ عبادتِ رب کا جو حکم ہم کو دیا گیا تھا اس کا ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی میں کیا رتبہ ہے ؟ اس نقطۂ نظر سے جب بھی کوئی دردمند مسلمان دیانت کے ساتھ خود اپنا اور اپنے ملک اور دوسرے مسلم ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کا جائزہ لے گا اور اگر اس کے دل میں دیانت و صداقت کا جذبہ کچھ بھی موجود ہے، تو اس کا سر لازماً شرم و ندامت سے جھک جائے گا ۔ اُسے خود محسوس ہوگا کہ نہ صرف ہمارا پورا معاشرہ بلکہ وہ خود بھی دینی و اخلاقی اعتبار سے تنزل پذیر ہے ۔ اِلّا ماشاء اللہ ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ "میری امت پر بھی وہ تمام احوال وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر ہوئے ۔ بالکل ایسے جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے مشابہ ہوتا ہے" ۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے حضرت

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے ۔ حدیث کے الفاظ ہیں : لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى أُمَّتِي كَمَا أَتٰى عَلٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ ۔ خدا کا عدل بے لاگ اور اس کا قانون اٹل اور غیر مبدّل ہے ۔ جو معاملہ بنی اسرائیل کی نافرمانیوں ، ناشکریوں اور دین کے ساتھ استہزا کی وجہ سے ان کی ساتھ کیا گیا تھا بعینہٖ وہی معاملہ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے چونکہ ہم بھی بحیثیت امت انہی جرائم کے مرتکب ہوتے چلے آ رہے ہیں ، جن کے مرتکب بنی اسرائیل ہوئے تھے ۔ بنی اسرائیل پر عروج و زوال کے دو ادوار آئے ۔ ہماری تاریخ بھی یہی نقشہ پیش کر رہی ہے ۔ ہم بھی عروج کے دو ادوار سے گزر چکے ہیں ۔ زوال کا پہلا دور صلیبی جنگوں اور تاتاریوں کی یلغار کی صورت میں آیا ۔ لیکن پھر رحمتِ خداوندی نے ہماری دستگیری فرمائی اور جن تاتاریوں اور مغلوں کے ذریعے عربوں کو پٹوایا تھا ۔ ان ہی کو اسلام قبول کرنے کی توفیق دی اور قیادت کا علم ان کے ہاتھوں میں تھما دیا ۔ علامہ اقبالؒ نے اسی تاریخی حقیقت کو اس شعر میں بیان کیا ہے ۔ ؏

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے ۔۔۔۔۔ پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

ترکانِ عثمانی کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ قسطنطنیہ ان کے ہاتھوں فتح ہوا ۔ ان کی سطوت کا یہ عالم تھا کہ پورا جزیرہ نما بلقان ان کے زیرِ نگیں آ گیا ۔ یہاں تک کہ مغرب میں سلطنتِ عثمانیہ کی سرحدیں ہنگری تک پہنچ گئیں اور جنوب میں اٹلی کے دروازوں پر ان کی فوج دستک دے رہی تھی لیکن پھر مسلمان عیش کوشی میں مبتلا ہوئے اور اپنے مسلمان ہونے کی ذمہ داریاں کو فراموش کر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ کی سنت پوری ہوئی ایک طرف پندرھویں صدی کے اواخر میں سلطنت ہسپانیہ کا قلع قمع ہو گیا اور ۱۴۹۲ء میں سقوطِ غرناطہ کے بعد تو بعینہٖ وہ صورت پیدا ہو گئی جس کا نقشہ قرآن مجید میں ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے جیسے کہ "وہ کبھی وہاں آباد ہی نہیں تھے" دوسری طرف جنوب میں ہندوستان ، ملایا ، انڈونیشیا میں مسلمانوں کی حکومتیں یکے بعد دیگرے مغربی استعمار کے چنگل میں گرفتار ہوئیں ، اور سیاسی طور پر اُن کی غلام بن گئیں ۔

بعدہٗ عذابِ خداوندی کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ پہلی جنگِ عظیم (۱۴ - تا ۱۹۱۸ء) کے خاتمے پر عظیم دولتِ عثمانیہ سمٹ سمٹا کر ایشیا کوچک میں محدود ہو گئی اور شمالی افریقہ سمیت پورا عالمِ عرب چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں منقسم ہو کر مختلف یورپی اقوام کے براہِ راست زیرِ نگیں ہو گیا یا بالواسطہ محکومی میں آ گیا اور اسلام و مسلمان دونوں اپنے زوال و انحطاط

کو پہنچ گئے اور ہُوبہُو وہی کیفیت پیدا ہو گئی جس کی خبر دی تھی کہ الصادق والمصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "مسلمانوں کا حال کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود "غُثَآءُ السَّیْل" یعنی سیلاب کے جھاگ جیسا ہو جائے گا اور اقوام عالم ایک دوسرے کو مسلمانوں پر ٹوٹ پڑنے کی اس طرح دعوت دیں گی جیسے کسی دعوت کا اہتمام کرنے والا دستر خوان چنے جانے کے بعد مہمانوں کو بلاتا ہے"۔ مخبر صادق ﷺ نے پیشگی تنبیہ فرما دیا تھا کہ ایسا اس لئے ہو گا کہ "مسلمانوں میں حُبِ دُنیا اور کراہیتِ موت کا مرض پیدا ہو جائے گا"۔ یہی ہوا اور جب مسلمان فکرِ آخرت سے دُور ہو گئے اور ان کو دُنیا کی زندگی اتنی محبوب ہو گئی کہ موت ہی نہیں بلکہ اس کے تصور سے بھی ان کو کراہیت آنے لگی تو دنیا میں کروڑوں کی تعداد میں ہونے کے باوجود ان کی نہ کوئی ساکھ رہی، نہ عزت و وقار رہا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد

تیس چالیس سال کے عرصے میں مغربی استعمار کے براہ راست تسلط اور غلامی سے نجات اگرچہ مل چکی ہے لیکن اب بھی ہم من حیث المجموع مغرب کی علمی و فکری اور تہذیبی غلامی میں مبتلا ہیں اور ابھی تک کوئی مسلم ملک ایسا موجود نہیں ہے جس کو صحیح معنوں میں "اسلامی ملک" کہا جا سکے۔ یعنی جس ملک میں اسلام کے نظام کی برکات کا ظہور نظر آتا ہو اور جس کے معاشرے کو "اسلامی معاشرہ" کہا جا سکے۔ گویا حال یہ ہے کہ ہمارے قول و عمل میں بہت نمایاں تضاد ہے جو مسلمانوں کے ہر ملک اور ہر معاشرے میں نظر آ رہا ہے۔ اور قول و عمل کا تضاد اللہ تعالےٰ کے غضب کو بہت بھڑکاتا ہے۔ بمصداق آیت قرآنی: "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○" اے ایمان والو! تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ اور اس کے غصّے کو بھڑکانے والی ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں" (الصف ۲-۳) دور جانے کی ضرورت نہیں خود اپنے ملک کا حال دیکھ لیجئے۔ ہم نے خدا اور خلق کے سامنے اعلان کیا تھا کہ پاکستان کو ہم اسلامی نظام کی تجربہ گاہ بنائیں گے۔ پاکستان کا مطلب کیا — لا الٰہ الا اللہ — لیکن تینتیس سال گزر چکے ہیں۔ اسلام کی طرف حقیقی پیش رفت تو دور کی بات ہے ہم تو اس کے برعکس روز بروز اسلام سے اور دُور ہوتے چلے آ رہے ہیں — ہم کو بدعہدی کا ایک خمیازہ اس صورت میں

بھگتنا پڑا کہ ہمارا ایک بازو ہم سے الگ ہوگیا اور وہاں خود مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی گردنیں کٹیں، عزت و آبرو پامال ہوئی عصمت و عفت کے آبگینے پاش پاش ہوئے اور مال و منال لُٹے۔ بربریت اور وحشت کا وہ دردناک دور دورہ ہوا کہ قیام پاکستان کے وقت غیر مسلموں کے ہاتھوں مسلمانوں پر مظالم و مصائب کے جو پہاڑ ٹوٹے تھے وہ بھی ماند پڑگئے ۔ عذاب الٰہی کی بدترین صورت یہی ہے جو کسی امت پر آتی ہے کہ مسلمانوں کا ایک فریق دوسرے مسلمان فریق کے خون کا پیاسا بنا دیا جاتا ہے۔ بفحوائے الفاظ قرآنی :۔
اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ ط " یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کرکے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزہ چکوادے"۔ ۱۹۹۱ء کی جنگ کے دوران عربوں کے ہاتھوں ترکوں کا خون بہا ۔ ۱۹۷۱ء میں بنگالی مسلمانوں نے غیر بنگالی مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی اور اب ۱۹۸۰ء میں عذاب الٰہی ہی کی ایک صورت ہم ایران و عراق کی جنگ کی صورت میں دیکھ رہے ہیں ۔ ہمارے دانشور بنگلہ دیش بننے کے اسباب یہ بیان کرتے نہیں تھکتے کہ صدر ایوب کی حکومت کے دوران بنگالیوں کو یہ احساس ہوا کہ مرکزی حکومت میں ہمارا کوئی عمل دخل اور حصہ نہیں ہے۔ اس لئے بنگالیوں میں احساس محرومی پیدا ہوا اور اس کے ردِّ عمل میں مشرقی پاکستان میں فسادات ہوئے اور بنگلہ دیش وجود میں آیا ۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تو ظاہری حالات و اسباب ہیں ان کے علاوہ اور بھی ہوسکتے ہیں۔ لیکن اصل سبب وہی ہے جس کی طرف قرآن رہنمائی کرتا ہے ۔ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ج " اور میرے ساتھ تمہارا جو عہد تھا اُسے تم پورا کرو تو میرا جو عہد تمہارے ساتھ تھا۔ اُسے میں پورا کروں"۔ اللہ سے بدعہدی کے خمیازے ہی میں ایسے اسباب پیدا ہوجاتے ہیں جو پھر يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ ط کی سُنّت اللہ کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں ۔ ہم ظاہری اسباب و حالات میں الجھ کر رہ جاتے ہیں اور اس اصل خرابی کی طرف ہماری نگاہ نہیں جاتی جو ان اسباب کے پیدا کرنے کی حقیقی وجہ ہے ۔

اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہ محض طفل تسلی ہے کہ پندرھویں صدی ہجری کا آغاز اُمتِ مسلمہ کے لئے اچھے حالات میں ہو رہا ہے ۔ بلکہ ایسا نظر آرہا ہے کہ ابھی عذاب الٰہی کے اور کوڑے ہماری پیٹھ پر برسنے والے ہیں ۔ بھٹو کے زوال اور پھر عام ملکی انتخابات کے

بعد جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے جن عزائم کا اظہار کیا تھا اس سے یہ اُمید ہو چلی تھی کہ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کی طرف تیزی سے پیش قدمی ہو گی چونکہ اس وقت فضا تیار تھی۔ لیکن بہت سا وقت تو احتساب کی نذر ہو گیا اور بہت سا وقت تذبذب و تردد میں گزر گیا جو تھوڑے بہت اقدامات کئے گئے ان میں نیم دلانہ کیفیات نظر آئیں ——

چودھویں صدی کے اواخر میں ایران میں ایک زبردست دھماکہ ہوا انقلاب کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ جس کا دنیا میں اسلامی انقلاب کے نام سے تعارف ہوا۔ وہاں صورتِ واقعہ یہ تھی کہ وہاں اصلاً تو تحریک شہنشاہ کے ظلم وستم، جور و تعدی اور انتہائی جابرانہ آمریت کے خلاف اٹھی تھی۔ اسی لئے اس تحریک میں سیکولر ذہن والی، بائیں بازو والی، لبرل اسلام والی حتیٰ کہ ذہناً اور عملاً ملحد و اشتراکیت کی پرستار قوتیں بھی شامل ہو گئی تھیں۔ لیکن انقلابی تحریک میں غالب عنصر مذہب دوست عناصر کا تھا۔ اور ان کی پشت پر خمینی صاحب جیسی منفرد معتمد مذہبی رہنما کی شخصیت موجود تھی، جن کی قیادت اور مذہبی حیثیت کو چیلنج کرنے کی دوسرے گروہوں کو ہمت نہیں تھی۔ اس لئے اس تحریک میں مذہبی عنصر غالب رہا اور اس کو "اسلامی انقلاب" سے موسوم کیا جاتا رہا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایران کے انقلاب نے دُنیا کو چونکا دیا آج سے ایک سال قبل کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ایران میں شہنشاہ کے اقتدار کا خاتمہ تو درکنار اس کو ہلایا بھی جا سکتا ہے۔ لیکن ایران کے اس انقلاب نے ایک طرف مغربی دُنیا کو اسلام کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے کی طرف متوجہ کیا۔ دوسرے طرف ان خطوں میں جہاں اسلامی انقلاب کی داعی جماعتوں میں مایوسی چھا چکی تھی وہاں مرجھائی ہوئی امیدیں کروٹیں لینے لگیں اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ اب اسلامی نظام کی تحریکات نئے جوش و ولولے سے اٹھیں گی اور ہمارے مسلم حکمران ایران کے اس انقلاب سے سبق و عبرت حاصل کر کے اسلامی تحریکوں کی راہ میں مزاحمت کرنے کے بجائے ان کے لئے ممد و معاون ثابت ہوں گے۔ لیکن ایسا ہوتا نظر نہیں آتا بلکہ ہماری بدبختی کہ ابھی پندرھویں صدی کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا کہ ایران میں لبرل (LIBERAL) اسلام اور راسخ العقیدہ

(—— ORTHODOX) اسلام (ایرانیوں کے اپنے عقائد کے مطابق) میں باہمی اختلافات رونما ہونے شروع ہو گئے تھے اور ان کی باہمی کشمکش بڑھتی چلی جارہی تھی ۔ کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے اسلامی انقلاب دشمن عناصر اور اس اسلامی انقلاب سے خوفزدہ گروہ عراق کی بعثی حکومت کی پشت پر آگئے ہیں جو فکر و نظر کے لحاظ سے اسلام کے بنیادی عقائد و نظریات سے بہت بعید اور سیکولر (لادینی) نظام حکومت میں سے بھی اشتراکیت سے بہت قریب ہیں ۔ نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ پندرھویں صدی اس عالم میں وارد ہوئی ہے کہ دو مسلم ہمسایہ حکومتیں برسرپیکار ہیں ۔ اور دونوں کے مابین آگ اور خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے اور ہماری بے عملیوں اور بدعملیوں کی پاداش میں اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ کی سنت اللہ ظہور فرمارہی ہے اور ایران و عراق کی یہ جنگ اس بات کا ثبوت ہے جیسا کہ میں نے کہا تھا کہ ابھی عذاب الہٰی کے اور کوڑے ہماری بیٹھ پر برسنے باقی ہیں ۔ ذرا اندازہ تو لگائیے کہ دنیا بھر میں اسلام دشمن عناصر بالخصوص یہودی اور ان کی سلطنت اسرائیل، ایران و عراق کی اس جنگ سے کتنے خوش ہو رہے ہوں گے ان کے ہاں تو شادمانی کے نقارے بج رہے ہیں ۔ ان دونوں مسلم حکومتوں کا اس جنگ کے نتیجے میں جو بھاری نقصان اب تک ہو چکا ہے، اس کی تلافی ایک ربع صدی تک ممکن نہیں اور ابھی اس جنگ کے رکنے کے دور دور تک آثار نہیں ۔ پھر روس منہ کھولے منتظر نظر آرہا ہے کیا عجب کہ اس جنگ کے نتیجے میں جب ایران کی دفاعی قوت کمزور سے کمزور تر ہو جائے تو وہ پیش قدمی کرے اور گرم پانی تک پہنچنے کی اپنی قدیم تمنا پوری کرے ۔ اخبارات سے اس جنگ کے جو حالات سامنے آرہے ہیں ۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایران عراق کے حملوں کو روکنے میں کامیاب نہیں ہوا ہے ۔ ایران و عراق کی سرحدی علاقوں میں سے اکثر عراق کے تسلط میں آچکے ہیں ۔ پھر بھلا ایران، روس سے کیسے نبرد آزما ہو گا پھر ایران میں ایسے عناصر کی کمی نہیں جو روسی یلغار کا خیر مقدم کریں گے اور اندرون ایران ففتھ کالم کا کردار ادا کریں گے ۔ پھر اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ امریکہ متوقع روسی یلغار کی صورت میں مسلح مداخلت کرے ۔ ایرانیوں کی ہمدردی میں نہیں بلکہ اپنے مفاد میں ۔ چونکہ خلیج کی ریاستوں کے "سیال سونے" سے سب سے زیادہ ہی متمتع ہو رہا ہے ۔ اس کی معیشت کا،

اس کی فوجی طاقت کا اور اسلحہ سازی کا بڑی حد تک "سیال سونے" سے مالا مال ممالک سے درآمدی و برآمدی تجارت پر انحصار ہے۔ اس کے مال کی کھپت کی، کافی بڑی منڈیاں یہی ممالک ہیں۔ پھر اس کے لئے تو یہ سنہری موقع ہوگا کہ میدان جنگ اس کے اپنے ملک سے جو ویسے ہی درمیان میں ایک وسیع و طویل سمندر حائل ہونے کی وجہ سے کافی دور ہے،۔ مشرقِ وسطیٰ کو بنایا جائے اور یہیں قوت اور مہلک اسلحہ کو آخری حد تک آزما لیا جائے۔ پھر یہ اندیشہ بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ کہیں ایران و عراق کی جنگ ایران اور عرب کی جنگ کی صورت اختیار نہ کرے ۔۔ ایسا ہوا تو ہم ایک بہت بڑی ہلاکت سے دوچار ہوں گے ۔۔ پھر مصر اور لیبیا میں سخت اختلافات موجود ہیں جو تفرقے اور نفرت وعداوت تک پہنچے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ بعید نہیں یہ دونوں مسلم ملک بھی یہودی سازش (یعنی روس اور امریکہ) کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہو کر ایک دوسرے سے دست بگریباں ہو جائیں ۔۔ آگے چلئے۔ شام اور اردن میں ہر وقت مسلح تصادم کا خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے۔ سعودی حکومت صلح و آشتی کی کوشش کر رہی ہے۔ خدا کرے کہ اُسے کامیابی حاصل ہو۔ لیکن یہودی ذہن برابر سازش میں لگا رہے گا اور عجب نہیں کہ کسی وقت فلیتے کو آگ لگا دی جائے اور یہ آگ مسلمانوں کے لئے تباہ کن اور یہودیوں کے لئے خوش آئند ہو ۔۔ شام کا ذکر چلا تو یہ بھی سن لیجئے کہ وہاں اس وقت جو پارٹی برسر اقتدار ہے وہ بعث پارٹی ہے جو کمیونسٹ پارٹی ہی کا دوسرا روپ ہے

بعث پارٹی کا ظلم

۔ یہ فرقہ اہل سُنت کے تو دشمن ہیں ہی، ان شیعوں کے بھی دوست نہیں، جو حضرت علیؓ کی اُلوہیت کے قائل نہیں یہ فرقہ مکمل طور پر سبائیت کا ظِل ہے۔ اِن کے ہاتھوں شام میں سُنیوں خاص طور پر اخوان المسلمون کے نوجوانوں کی گردنیں کٹ رہی ہیں اور ان کا خون پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔ میں حیران ہوں کہ جمال ناصر نے جب اخوان پر ظلم کیا تھا تو پورے عالم اسلام میں شور مچ گیا تھا۔ ہر طرف سے احتجاج کی صدائیں بلند ہوئی تھیں۔ لیکن آج

شام میں حافظ الاسد کے ہاتھوں ناصر سے دس گنا زیادہ ظلم وستم اور مصائب کے پہاڑ اخوان پر توڑے جا رہے ہیں ۔ لیکن عالمِ اسلام کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کانوں میں انگلیاں ٹھنسی ہوئی ہیں اور آنکھوں پہ پردہ پڑا ہوا ہے۔ کہیں سے کوئی صدائے احتجاج نہیں اٹھتی ـــ افغانستان کی صورتِ حال پر غور کیجئے ۔ پونے دو کروڑ مسلمانوں کا یہ ملک تقریباً ایک سال سے سُرخ سامراج کی جارحیت اور بربریت کے چنگل میں پھنسا ہوا ہے ۔ عالمی ضمیر کا یہ حال ہے کہ وہ ٹس سے مس نہیں ہوتا ۔ احتجاج کا عمل صرف زبانی جمع خرچ تک ہے ۔ وہ بھی اپنی مصلحتوں کے مطابق ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالمی رائے ذہناً افغانستان پر روسی ناجائز قبضے کو قبول کر چکی ہے ۔ ہم خوش ہیں کہ افغان مہاجرین کے لئے مختلف امدادی سامان بہ ملک بھیج رہے ہیں یہ امدادی سامان افغانستان کی آزادی کو سلب کرنے کی تلافی تو نہیں کرتا ۔ اندازہ تو کیجئے کہ پونے دو کروڑ مسلمان کیسے انجام سے دوچار ہونے والے ہیں ! ترکستان میں روسی حکومت کے ہاتھوں مسلمانوں کی ایسی (BRAIN WASHING) ہوئی ہے کہ وہاں عظیم ترین مسلم اکثریت کو اپنے مسلمان ہونے کا شعور تک باقی نہیں رہا ۔ یہی حال افغانستان کا بھی ہونے والا ہے ۔ بھارت کے جو تیور ہیں وہ سب کے سامنے ہیں ۔ آج ہی کے نوائے وقت میں آپ نے صدر صاحب کا وہ انٹرویو پڑھا ہوگا جو امریکہ کے ایک اخبار کو دیا گیا تھا ـــ واقعہ یہ ہے کہ امریکہ کیلئے روسی سامراج سے ملک کو محفوظ رکھنا آسان نہیں ۔ امریکہ کا حال یہ ہے کہ وہ اپنا سب کچھ بھارت کے جیزنوں میں رکھ چکا ہے ۔ پاکستان کے ساتھ مفاہمت کا وہ کوئی معاملہ کرنے کو تیار نہیں ـــ وہ بھارت کو راضی رکھنے کے لئے آخری قیمت دینے کے لئے بھی ذہناً آمادہ نظر آیا ہے ۔ صدر صاحب درست کہہ رہے ہیں اور بالکل ٹھیک کہہ آئے ہیں کہ سارے جتن کر لیجئے پھر بھی بھارت آپ کا نہیں ہوگا ۔ لیکن امریکہ کی حکومت اور رائے عامہ کی سوچ میں کسی تبدیلی کے دُور تک آثار نہیں ہیں ۔ پھر امریکہ کسی طرح اسرائیل کو ناراض نہیں کرنا چاہتا ۔ پاکستان سے مضبوط تعلقات اسرائیل کی ناراضگی کا موجب ہو سکتے ہیں پھر دیکھئے تا حال بیت المقدس یہودیوں کے قبضے میں ہے ۔ وہ اس شہر کو اپنا مستقل دارالحکومت بنانے کے لئے برابر اقدامات کر رہا ہے عالمی رائے عامہ بھی خاموش ہے کسی موثر اقدام کے دُور دُور آثار نظر نہیں آتے ۔ اس کے عزائم کے پیچھے امریکہ کی تائید حاصل

ہے ۔ ورنہ اس کی یہ ہمت نہیں کہ وہ امریکہ کو ناراض کر کے اتنا بڑا اقدام کر سکے ۔ ہم مسلمان بھی سوئے ہوئے ہیں ۔ دوسروں کا کیا گلہ ! ــــ عالم اسلام پر یہ کچھ بیت رہا ہے ۔ لیکن انصاف کے ساتھ اپنے ملک کا اور خود اپنا جائزہ لیجئے اور سینے پر ہاتھ رکھ کر ایمانداری کے ساتھ فیصلہ کیجئے کہ ان حالات کا کتنا اثر اور درد اور فکر ہمارے دل میں اور قوم کے دل میں موجود ہے ۔ کیا ہم نے اپنے شب و روز کے مشغلوں کو ترک کیا ہے ؟ ۔ کیا ہم واقعی اللہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں ۔ ؟ مجھے جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہمارے ہاں شادمانی کی تقاریب بھی جاری ہیں اور لہو و لعب بھی ــــ کانفرنسیں ہیں تقاریر ہیں ۔ اعلانات ہیں ، بیانات ہیں لیکن ٹھوس عملی قدم کے لحاظ سے کوئی پیش رفت نہیں ۔ جسے دیکھو اس کے نزدیک اسلام اور غلبہ اسلام کی باتیں Table Talk and lip service سے زیادہ اس کی اہمیت نظر نہیں آتی ۔ اِلّا ماشاء اللہ ــــ میں آپ کو متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ موجودہ صورتِ حال اُخروی لحاظ سے تو ہے ہی نہایت ہی خسارے والے انجام بد سے دوچار ہونے والی بات ــ دنیوی لحاظ سے بھی انتہائی تشویش ناک ہے ۔ اب بھی اسلام ہمیں نعروں اور بلند بانگ دعووں اور بیانات میں ہی نظر آتا ہے ۔ یا اصلاح کے کچھ سطحی سے کام اسلام کے نام پر ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں تو ان میں نیم دلی کی کیفیت جھلکتی ہے اور ایک مضبوط و موثر منصوبہ بندی کے تحت اسلام کی طرف پیش رفت کم از کم مجھے تو نظر نہیں آتی ــ ماضی قریب میں بھی ہم نے اسلام کا نام اور نظام مصطفٰے کا نام بہت زور شور سے لیا ہے ۔ ملک بھر میں بڑا جوش خروش رہا ہے ۔ بڑے نعرے لگائے ہیں ۔ لیکن اسلام کی حقیقت دلوں میں جاگزیں نہیں تھی اس لئے نظام مصطفٰے کے لئے جلسے اور جلوس کا اہتمام کرنے والوں کا یہ حال چشم فلک نے دیکھا ہے کہ لوگوں کی عصر کی اور مغرب کی نمازیں چلی گئیں اور کسی کو احساس تک نہیں ہوا کہ دینی لحاظ سے ان سے کتنی عظیم غلطی ہو رہی ہے اور یہ جلسے جلوس دینی لحاظ سے نماز کے مقابل نفع کا سودا تھا یا خسارے کا ــ اکم و بیش یہی حال آج نظر آ رہا ہے ۔ جمعہ کی نماز کی ادائیگی کا جائزہ لیجئے چونکہ اس نماز کی ادائیگی جماعت کے بغیر ممکن نہیں ۔ کسی شہر، کسی بستی، اور کسی قصبے میں چلے جائیے اور دیکھئے کہ ہماری

قوم کی کتنی فیصد آبادی اس فرض کی ادائیگی کا اہتمام کرتی ہے ۔ کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں ۔ مسلم دنیا کا جو نقشہ میں نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے، کیا اس کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ چودھویں صدی کا آغاز مسلمانوں اور اسلام کے لئے شادمانی کا پیغام لے کر آیا ہے! میں آپ کو مایوس کرنا نہیں چاہتا بلکہ آپ کو آپ کا فرض بتانا چاہتا ہوں میری کوشش ہے کہ پاکستان میں بسنے والی اُمت مسلمہ خوابِ خرگوش سے جاگے اور ہمارا ہر سوچنے سمجھنے والا شخص اپنی ذمہ داری کو اور اپنے فرض کو پہچانے اور ان کی ادائیگی کے لئے کمربستہ ہو جائے رحمتِ خداوندی کا دامن ہر آن کشادہ ہے ۔ یہ تو ہمارا اپنا قصور ہے کہ ہم اس سے خود مُنہ موڑے ہوتے ہیں ۔ ورنہ اس کا تو وعدہ ہے کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط جمائے گا۔ اس آیت کے ضمن میں تمام مفسرین کے نزدیک اللہ کی مدد کرنے سے مراد اللہ کے دین کے غلبہ کی جدوجہد اس کے کلمے کی سربلندی کی سعی اور حق کو قائم کرنے کی تگ و دو ہے ۔

؎ میرے دین کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لئے ہوں غازی میں اسی لئے نمازی

اللہ تعالیٰ بڑا ودود، رؤف اور رحیم ہے ۔ اس کا وعدہ ہے کہ تم اپنی روش درست کرنے کی صدق دل اور عزم مصمم کے ساتھ کوشش کرو گے تو وہ تم کو اپنی رحمت کے دامن میں پناہ دے گا ۔ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۔

؎ چمن کے مالی اگر بنالیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی

لیکن دنیا کی محبت یہ ہمارا مال و منال یہ ہمارا عیش و آرام، یہ ہمارے کاروبار، یہ ہماری بلڈنگیں، یہ ہمارے کارخانے اور فیکٹریاں ہمارے پاؤں کی بیڑیاں اور ہاتھوں کی ہتھکڑیاں بنی ہوئی ہیں ۔ جو ہم کو ہلنے نہیں دیتیں ۔ دین کے تقاضے پورا کرنے میں مانع ہوتی ہیں ۔ یہی دنیوی مفادات ہیں جو ہم کو راہ حق میں قدم اٹھانے سے باز رکھے ہوئے ہیں ۔ حالانکہ قرآن حکیم ہمیں واضح طور پر خبردار اور متنبہ کرتا ہے

کہ: اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝

"زمین اور آسمان میں جو بھی ہیں، اُس کے حضور بندوں کی حیثیت سے پیش ہونے والے ہیں۔ سب پر وہ (اللہ) محیط ہے اور اس نے ان کو شمار کر رکھا ہے۔ سب قیامت کے روز فرداً فرداً اس کے سامنے حاضر ہوں گے۔" ہم میں سے ہر ایک کی اپنی موت سروں پر منڈلا رہی ہے۔ پھر دنیا کے حالات کا جو نقشہ سامنے آ رہا ہے۔ وہ بھی ہم کو جھنجھوڑ رہا ہے کہ ہم خوابِ غفلت سے بیدار ہوں۔ بندۂ مومن کو تو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنی موت کو ہر وقت یاد رکھے اور اس کا طرزِ عمل وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ کے مطابق ہو۔ یہ ساز و سامان دنیا جو دین کی راہ کا سنگ گراں ہے اُسے بالآخر ہم کو یہیں چھوڑ کر جانا ہے اور ہم میں سے ہر شخص کو فرداً فرداً اپنے اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔ میں نے جو کچھ قرآن مجید اور احادیث نبوی سے سمجھا ہے اور حالات کا جو مطالعہ کیا ہے وہ میں نے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ میں "الدین النصیحہ" کے فرمان نبوی کے مطابق عرصہ چودہ پندرہ سال سے لوگوں کو پکار رہا ہوں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں اور لوگوں کو ان کا فرض یاد دلا رہا ہوں۔ اور سب کو اعتصام و تمسک بالقرآن کی دعوت دے رہا ہوں۔ سورہ بنی اسرائیل میں بنی اسرائیل کی عروج و زوال کے دو ادوار کا ذکر فرما کر ان پر رحمتِ خداوندی کی توجہ کے لئے جس صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کی گئی ہے وہ یہی قرآن مجید ہے:۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝

"حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے جو لوگ اس کو مان کر بھلے کام کرنے لگیں انہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا اجر ہے۔" پس معلوم ہوا کہ سیدھی راہ کی طرف رہنمائی، اعمال صالح کی توفیق اور آخرت میں اجر کبیر کی ضمانت صرف اللہ کی یہی کتاب۔ قرآن مجید ہے۔ سُنتِ رسولؐ بھی اسی قرآن مجید کی عملی تفسیر ہے جو ہمارے لئے واجب الاطاعت ہے۔ چونکہ آپؐ کی سیرت بقول حضرت عائشہ صدیقہؓ مجسم قرآن تھی جس سے انفرادی سیرت کی اصلاح ہو گی تو

اسی سے - پھر تجدید دین ہو، احیائے اسلام ہو، ہماری دنیوی فلاح و صلاح ہو - ہماری اُخروی نجات ہو - ان سب کا دار و مدار بھی ہمارے اُس رویے پر ہے جو ہم اس کتاب عزیز کے ساتھ اختیار کریں گے - آپکے علم میں ہوگا کہ میں نے وہ حدیث بہت عام کی ہے جس میں عظمتِ قرآن کا بیان بہ زبان صاحب قرآن صلے اللہ علیہ وسلم ہوا ہے - جسے انجمن نے چھ سات سال سے ہر رمضان المبارک میں ہزاروں کی تعداد میں طبع کر کے لوگوں تک پہنچایا ہے - وہ حدیث آپ حضرات نے بھی پڑھی ہوگی - وہ حدیث جامع ترمذی اور سنن دارمی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے - اُس میں حضورؐ نے ایک بڑے فتنے کی آمد سے خبردار اور اس فتنے سے بچنے کی تدبیر سے آگاہ فرمایا ہے - اس حدیث میں ہمارے لئے اس دور کے تمام فتن اور آنے والے تمام فتنوں سے محفوظ رہنے کا واحد نسخہ تجویز کیا گیا ہے اور اس حکیم حاذق کی طرف سے تجویز کیا گیا ہے کہ جس کے موثر ہونے میں جو شک کرے اس کا ایمان باللہ درست ہے نہ ایمان بالرسالت اور نہ ایمان بالکتاب درست ہے - اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کا مخرج قرآن کو قرار دیا ہے اور پھر قرآن کی عظمت بیان فرمائی ہے - میں وہ ورقہ ساتھ لے آیا ہوں جو ہم رمضان المبارک میں تقسیم کرتے ہیں - پوری حدیث اور اس کا ترجمہ سن لیجئے:

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّہَا سَتَکُوْنُ فِتْنَۃٌ، قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْہَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ کِتَابُ اللّٰہِ، فِیْہِ نَبَأُ مَا قَبْلَکُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَکُمْ وَحُکْمُ مَا بَیْنَکُمْ ہُوَ الْفَصْلُ لَیْسَ بِالْہَزْلِ، مَنْ تَرَکَہٗ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَہُ اللّٰہُ وَمَنِ ابْتَغَی الْہُدٰی فِیْ غَیْرِہٖ اَضَلَّہُ اللّٰہُ، وَہُوَ حَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِیْنُ، وَہُوَ الذِّکْرُ الْحَکِیْمُ، وَہُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْمُ، ہُوَ الَّذِیْ لَا تَزِیْغُ بِہِ الْاَہْوَاءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِہِ الْاَلْسِنَۃُ وَلَا یَشْبَعُ مِنْہُ الْعُلَمَاءُ وَلَا یَخْلَقُ عَنْ کَثْرَۃِ الرَّدِّ وَلَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ، ہُوَ الَّذِیْ لَمْ تَنْتَہِ الْجِنُّ اِذْ سَمِعَتْہُ حَتّٰی قَالُوْا: "اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّہْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ!" مَنْ قَالَ بِہٖ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِہٖ اُجِرَ

وَمَنْ حَكَمَ بِهٖ عَدَلَ وَمَنْ دَعَا اِلَيْهِ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ط
(رواہ الترمذی و الدارمی)

"حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مَیں نے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سُنا، آپ نے ایک دن فرمایا: آگاہ ہو جاؤ! ایک بڑا فتنہ آنے والا ہے! میں نے عرض کیا: یا رسُول اللہ! اس فتنہ کے شر سے بچنے اور نجات پانے کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: کتابُ اللہ، اس میں تم سے پہلی اُمتوں کے سبق آموز واقعات ہیں، اور تمہارے بعد کی اس میں اطلاعات ہیں، (یعنی اعمال و اخلاق کے جو دُنیوی و اُخروی نتائج و ثمرات مستقبل میں سامنے آنے والے ہیں، قرآن مجید میں اُن سب کی آگاہی دے دی گئی ہے:) اور تمہارے درمیان جو مسائل پیدا ہوں قرآن میں اُن کا حکم اور فیصلہ موجود ہے (حق و باطل اور صحیح و غلط کے بارے میں) وہ قول فیصل ہے، وہ فضول بات اور یاوہ گوئی نہیں ہے۔ جو کوئی جابر و سرکش اس کو چھوڑے گا (یعنی غرور و سرکشی کی راہ سے قرآن سے مُنہ موڑے گا!) اللہ تعالےٰ اُس کو توڑ کے رکھ دے گا اور جو کوئی ہدایت کو قرآن کے بغیر تلاش کرے گا اُس کے حصّہ میں اللہ کی طرف سے صرف گمراہی آئے گی (یعنی وہ ہدایتِ حق سے محروم رہے گا!) قرآن ہی حبل اللہ المتین یعنی اللہ سے تعلق کا مضبوط وسیلہ ہے، اور حکمِ نصیحت نامہ ہے، اور وہی صراطِ مستقیم ہے، وہی وہ حقِ مبین ہے جس کے اتباع سے خیالات کجی سے محفوظ رہتے ہیں زبانیں اُس کو گڑبڑ نہیں کر سکتیں (یعنی جس طرح اگلی کتابوں میں زبانوں کی راہ سے تحریف داخل ہو گئی اور محرّفین نے کچھ کا کچھ پڑھ کے اُس کو محرّف کر دیا۔ اس طرح قرآن میں کوئی تحریف نہیں ہو سکے گی۔ اللہ تعالےٰ نے تا قیامت اس کے محفوظ رہنے کا انتظام فرما دیا ہے!) اور علم والے کبھی اس کے علم سے سیر نہیں ہوں گے (یعنی قرآن میں تدبّر کا عمل اور اُس کے حقائق و معارف کی تلاش کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا اور کبھی ایسا وقت نہیں آئے گا کہ قرآن کا علم حاصل کرنے والے محسوس کریں کہ ہم نے علمِ قرآن پر پورا عبور حاصل کر لیا اور اب ہمارے حاصل کرنے کے لئے کچھ باقی نہیں رہا۔ بلکہ قرآن کے طالبینِ علم کا حال ہمیشہ یہ رہے گا کہ وہ علمِ قرآن میں جتنے آگے بڑھتے رہیں گے اتنی ہی اُن کی طلب ترقی کرتی رہے گی اور اُن کا احساس یہ ہو گا کہ جو کچھ ہم نے حاصل کیا ہے وہ اُس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے جو

ابھی ہم کو حاصل نہیں ہوا ہے) اور وہ (قرآن) کثرتِ مزاولت سے کبھی پُرانا نہیں ہوگا (یعنی جس طرح دنیا کی دوسری کتابوں کا حال ہے کہ بار بار پڑھنے کے بعد اُن کے پڑھنے میں آدمی کو لطف نہیں آتا، قرآن مجید کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے وہ جتنا پڑھا جائے گا اور جتنا اس میں تفکر و تدبّر کیا جائے گا اُتنا ہی اُس کے لطف و لذّت میں اضافہ ہوگا !) اور اُس کے عجائب (یعنی اُس کے دقیق و لطیف - حقائق و معارف) کبھی ختم نہیں ہوں گے - قرآن کی یہ شان ہے کہ جب جنّوں نے اس کو سُنا تو بے اختیار بول اُٹھے ؎

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا	ہم نے قرآن سُنا جو عجیب ہے، رہنمائی
یَّهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ	کرتا ہے بھلائی کی، پس ہم اس
فَاٰمَنَّا بِهٖ -	پر ایمان لے آئے -

جس نے قرآن کے موافق بات کہی اُس نے سچّی بات کہی، اور جس نے قرآن پر عمل کیا وہ مستحقِ اجر و ثواب ہوا،

اور جس نے قرآن کے موافق فیصلہ کیا اُس نے عدل و انصاف کیا، اور جس نے قرآن کی طرف دعوت دی اُس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب ہوگئی - !"

حال ہی میں سنن دارمی میں مجھے ایک اور روایت ملی ہے - حدیث کا ذخیرہ اتنا وسیع ہے کہ بڑا مشکل ہے کہ اس پورے ذخیرے پر کسی کی نگاہ ہو — لیکن خدا ہی کا فضل شامل ہوتا ہے تو کوئی موتی کہیں سے نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے - ابھی جو روایت آپ نے سنی اس میں تو حضرت علیؓ کے سوال کے جواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنے سے محفوظ رہنے اور اس سے نکلنے کا مخرج (EXIT -) قرآن حکیم کو بتایا ہے -

آج میں آپ کو ایک دوسری حدیث بھی سنانا چاہتا ہوں جسے آپ میری آج کی تقریر کا اصل تحفہ بھی سمجھ سکتے ہیں اس لئے کہ وہ میں نے اپنے حالیہ سفر کے دوران ہی ٹورنٹو (کینیڈا) کی جامع مسجد کے امام صاحب سے سُنی - نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جاءنی جبریل فقال یا محمد اُمَّتُكَ بَعْدَكَ !" یعنی میرے پاس جبریلؑ آئے اور انہوں نے کہا کہ "اے محمدؐ اپنی امت کے بارے میں سوچئے کہ آپ کے بعد اس کا کیا بنے گا !" اس پر حضورؐ فرماتے ہیں کہ میں نے جبریلؑ ہی سے دریافت

کیا کہ، اَیْنَ الْمَخْرَجُ یَا جِبْرِیْلُ! " یعنی "اے جبریل! تم ہی بتاؤ کہ اس مسئلے کا حل کیا ہے؟" جواباً "حضرت جبریلؑ نے کہا "اللہ کی کتاب! — اس میں آپ سے پہلے کے حالات بھی ہیں اور آپکے بعد کی خبریں بھی ہیں اور کل معاملات و مسائل کا حل بھی ہے!" او کمال قال صلی اللہ علیہ وسلم!! — غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں روایات کے مضامین میں گہرا ربط پایا جاتا ہے۔

پہلی روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مکالمہ بیان ہوا ہے اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جبرائیل سے مکالمہ بیان ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرمؐ نے حضرت علیؓ سے جو بات فرمائی تھی وہ اسی وحی غیر متلو کی روشنی میں فرمائی تھی جو حضرت جبرائیلؑ کے توسط سے نازل ہوتی تھی۔ ان دونوں احادیث میں لفظ مخرج پر غور و تدبر کیجئے۔ جہاں بھی بڑے بڑے ہال (HALL-) ہیں اور جہاں لوگوں کا عظیم اجتماع ہوتا ہے وہاں باہر نکلنے کیلئے بڑے اور نمایاں حروف میں (EXIT-) لکھا ہوتا ہے تاکہ اگر ہال میں آگ لگ جائے یا کسی اور قسم کی افتاد پیش آجائے تو لوگ اس مخرج (EXIT) کی طرف لپکیں اور اپنی جان بچا سکیں۔ یہ دنیا بھی ایک عظیم ہال کے مانند سمجھیے۔ اس میں شیطان ہر آن فتنے پھیلاتا ہے۔ اور پھر ایک عظیم فتنے سے اُمّت کو سابقہ پیش آنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کے ذریعے اپنے پیارے رسولؐ کو وحی فرما دی تاکہ حضورؐ اُمّت کو تلقین و نصیحت اور خبردار فرما دیں کہ تمام فتنوں اور خاص طور سے فِتْنَةُ الْمَسِيحِ الدَّجَّال سے مخرج (EXIT-) کی سبیل قرآن مجید کا اعتصام و تمسک ہے۔ اور حضورؐ نے حضرتِ جبرائیلؑ کی روایت بھی صحابہ کرامؓ کے توسط سے اُمّت کو پہنچا دی اور پھر انتہائی وضاحت کے ساتھ اُمّت کو تعلیم بھی فرما دی جو حضرت علیؓ کی روایت کے ذریعے اُمّت کو پہنچ گئی۔ میں جب بھی یہ حدیث پڑھتا ہوں مجھ پہ ایک وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے واقعہ یہ ہے یہ حدیث فصاحت و بلاغت کی معراج ہے — میری دعوت اسی قرآن حکیم، اِسی ھُدًی لِّلنَّاس، اِسی قولِ فیصل اور اِسی تمام فتنوں کے مخرج کی طرف ہے جس کی تعلیم رسول کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی — اس حدیث میں میرے لئے بھی یہ نوید جانفزا

موجود ہے کہ "وَمَنْ دَعَا اِلَیْہِ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ" اور جس نے قرآن کی طرف دعوت دی اُس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت ہو گئی"۔ میری تمام مساعی کا مرکز و محور یہی دعوت ہے کہ اللہ کے بندو! قرآن کی طرف آؤ قرآن کے دامن میں پناہ لو۔ ہمارے تمام مسائل کا حل رجوع الی القرآن ہے ۔ تجدید ایمان۔ توبۃ النصوح اور تجدید عہد کی توفیق ملے گی تو اسی کتاب اللہ سے ہمارے انفرادی سیرت و کردار میں اصلاح ہو گی تو اسی نسخۂ شفا سے ۔ ہمارا اپنا ایمان یقین کامل کا درجہ حاصل کرے گا تو اسی نورِ مبین سے ۔ افراد بدلیں گے تو معاشرے کے بدلنے کی امید پیدا ہو گی چونکہ معاشرہ مجموعہ ہوتا ہے افراد کا ۔ افراد کا یہی کامل ایمان و ایقان جب اجتماعی ایمان (Collective Conviction) کی صورت اختیار کرے گا تب ہی اسلامی انقلاب کو راہ ہموار ہو گی ۔ ان شاء اللہ العزیز ۔

توقعات اور بشارتیں

پندرھویں صدی کا آغاز جن تشویش ناک حالات میں ہو رہا ہے ، اس کا نقشہ میں نے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے ۔ بظاہر یہ نقشہ مایوس کن ہے ۔ لیکن پہلی بات تو یہ سمجھ لیجئے کہ مسلمان کے لئے مایوسی (Frustration) کفر ہے سورہ یوسف میں اپنے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبان سے کہلوایا گیا کہ " وَلَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِنَّہٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ ○ " اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اس کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں "۔ سورۃ الزمر میں نبی اکرمؐ کو حکم دیا کہ میرے ان بندوں سے کہہ دیجئے جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے کہ : لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ ۔" اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو"

دوسری بات یہ ہے کہ نبی اکرمؐ کی بشارت موجود ہے کہ وہ وقت آکر رہے گا۔ جب پورا عالم نورِ توحید سے معمور ہو گا ۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کا کلمہ سربلند ہو گا ۔ میں نے جو بات آپ کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی ہے ، وہ یہ ہے کہ آنے والی پندرھویں صدی کا آغاز بظاہر احوال خوشگوار اور اُمید افزا نظر نہیں آرہا اور یہ بات اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے کہ یہ صدی مسلمانانِ عالم اور پوری بنی نوع انسان کے حق میں سعید و مبارک ثابت ہو گی یا اس کے برعکس ، اور "ساعۃ" قیامت کتنی دور ہے ۔ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ

کی مشیت پر چھوڑ دیتے ۔ ہمیں اپنی نجات کی، اپنی عاقبت کی، اپنی دنیوی فلاح کی اور
اپنے ملک کی سلامتی کی فکر کرنی ہے ۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت دنیا میں دینِ
برحق کی شدید پیاس موجود ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ جہاں چودھویں صدی
میں امت مسلمہ اپنے زوال کی انتہا تک پہنچتی نظر آتی ہے، وہاں اسی صدی میں ایک
گمبھیر اور ہمہ جہتی احیائی عمل بھی ساتھ ساتھ نظر آتا ہے ۔ جس کو میں اس طرح تعبیر
کیا کرتا ہوں کہ زوال و انحطاط اور تجدید و احیائے اسلام کے یہ دونوں عمل (الرحمٰن ۵ پ ۲۷)
مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝ کی سی شان کے
ساتھ پہلو بہ پہلو جاری ہیں ۔ مجھے فکر ہے تو اپنی آخرت کی فکر ہے اور اپنے ہم
وطنوں کی خاص طور پر ان کی آخرت کی فکر ہے جو مجھ سے کسی نوع کا تعلق رکھتے ہیں، مجھے
اپنے وطن عزیز کی سلامتی اور استحکام کی فکر ہے جو اسلام کے نام پر بنا تھا اور جس کے
وجود کا اسلام کے سوا کوئی جواز نہیں ہے ۔ مجھے اپنے اُن مسلمان بھائیوں کی فکر ہے جو
ایک ارب کے قریب تعداد میں اس وقت دنیا میں پھیلے ہوتے ہیں ۔ صرف نیک تمناؤں،
نیک خواہشات خوش کن بیانات، جلسوں، جلوسوں اور نعروں سے کام نہیں چلے گا ۔
اس کے لئے ہمیں خود کو بدلنا ہوگا ۔ ہمیں خود بندۂ رب بننا ہوگا اور اسی عبادتِ رب،
شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کی دعوت کا علمبردار بننا ہوگا ۔ اگر ہم خود اپنے
آپ کو بدلنے کی کوشش نہیں کریں گے، تو اللہ تعالٰے کا فیصلہ سن لیجئے ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ
مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ط "حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کی حالت
کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہیں بدلتی" ۔ قرآن حکیم نے ہر معاملہ میں
ہماری رہنمائی فرمائی ہے ۔ اس نے ہمیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑا ۔ بس ہمیں خود کو بدلنا
ہوگا، پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلام کی برکات و حسنات کا نمونہ بنانا ہوگا اور اس
مقصدِ عظیم کی تکمیل کے لئے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے ماخوذ طریق کار کو اختیار
کرنا ہوگا ۔ ہم نے یہ روش اختیار کی تو اللہ کی نصرت و تائید ہماری دستگیری کرے گی
لیکن اگر ہم نے اس سے پہلو تہی کی تو یاد رکھیئے کہ کوئی عجب نہیں ہم راندہ درگاہ کر دیئے جائیں
ہمیں دھتکار دیا جائے جیسے ماضی میں عرب (امیین) کو قیادت و سیادت کے منصب
سے معزول کر کے اسلام دشمن قوم تاتاریوں کو اسلام کی دولت سے سرفراز کر کے اسلام

کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھما دیا۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ہٹا کر کسی دوسری قوم کو اپنے دین کی خدمت اور اس کی سرفرازی و سربلندی کے لئے چُن لے۔ اور ہمارے حصے میں دنیا اور آخرت کی ذلت و رسوائی اور خسران کے کچھ نہیں آئے۔ اللّٰھم نعوذبك من ذالك ۔۔ اسی کی طرف ہمیں سورۃ محمدؐ کی آخری آیت میں واضح رہنمائی ملتی ہے جہاں فرمایا: وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝ "اور اگر تم مُنہ موڑو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔"

(جاری ہے)

اعتذار محترم ڈاکٹر صاحب کی تقریباً دو گھنٹے کی یہ تقریر جناب محمد بشیر ملک صاحب نے فل اسکیپ کے پچپن صفحات پر لفظ بلفظ کیسٹ سے منتقل کی تھی۔ راقم الحروف نے جب اس کو تحریر کی صورت دینے کا کام شروع کیا تو خیال تھا کہ یہ مکمل تقریر میثاق کے چالیس بیالیس صفحات میں آجائے گی ۔۔ وقت کی کمی کی وجہ سے جتنا کام روز ہوتا رہا کتابت کے لئے دیا جاتا رہا۔ لیکن جلد ہی معلوم ہوگیا کہ اندازہ لگانے میں غلطی ہوگئی ہے۔ فل اسکیپ کا ایک صفحہ میثاق کے دو صفحات لیتا ہے۔ لہٰذا اس خطاب کا پہلا حصہ "پندرھویں صدی کا آغاز" سے متعلق بحمداللہ مکمل پیش کر دیا گیا ہے۔ دوسرا حصہ "امریکہ کے دورے کے تاثرات و مشاہدات" سے متعلق ان شاءاللہ آئندہ شمارے میں ہدیہ ناظرین کیا جائے گا۔ (ج۔ر)

عن عبداللہ بن عمرؓ ۔ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم

السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ

عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا اَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ

"اسلامی قانون کی تنفیذ اور فقہی و گروہی اختلافات"

کے موضوع پر علماء کنونشن میں

ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاب کے چند نکات و اشارات

جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب صدر مملکت پاکستان کی دعوت پر ۲۱-۲۲ اگست ۸۰ء کو اسلام آباد میں "علماء کنونشن" منعقد ہوا تھا۔ جس کے پہلے اجلاس میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے شرکت اور تقریر کی تھی۔ موصوف ۲۲ اگست کو امریکہ کے دعوتی دورے پر عازم سفر ہو گئے تھے جہاں سے ۱۶ اکتوبر ۸۰ء کو مراجعت ہوئی۔ ۳۱ اکتوبر کو مسجد شہداء میں درس قرآن کے بعد موصوف نے بعض دوسرے امور کے ساتھ اپنی اس شرکت کے اسباب کو الف اور اپنی تقریر کے چند نکات بھی پیش کئے۔ تاکہ بعض حلقوں کی طرف سے اس تقریر کے متعلق جو غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی ہیں ان کا ازالہ ہو سکے۔ تقریر کا یہ حصہ ٹیپ سے صفحہ قرطاس پر منتقل کر لیا گیا تھا جو ہدیۂ قارئین میثاق ہے (مرتب)

حضرات! میں آپ کا کچھ وقت علماء کنونشن کے متعلق کچھ گفتگو کے لئے لوں گا۔ آپ کو معلوم ہی ہے کہ پورے پاکستان میں ریڈیو اور ٹی وی کی وساطت سے ۲۱ اگست کی شب کو اور اخبارات کے ذریعے ۲۲ اگست کی صبح یہ خبر عام ہو چکی تھی کہ میں نے علماء کنونشن میں شرکت کی ہے اور تقریر بھی کی ہے۔ میں ۲۱ اگست کی شب ہی کو اسلام آباد سے کراچی چلا گیا تھا جہاں سے ۲۲ اگست کی درمیانی شب کو امریکہ کے دوسرے دعوتی دورے پر روانہ ہو گیا تھا۔ ملک سے باہر چلے جانے کے باعث میں اس ردِّ عمل سے لاعلم رہا جو میری شرکت اور تقریر کے بارے میں ملک بالخصوص لاہور میں ہوا

تھا۔ واپسی پر مجھے معلوم ہوا کہ میں نے اس کنونیشن میں جن خیالات کا اظہار کیا تھا، ان کے متعلق بعض حلقوں میں بہت خوشگوار تاثر تھا اور ان پر تحسین بھی ہوئی اور ان کی تائید بھی۔ لیکن ایک حلقے میں میری تقریر کے بعض حصّوں کو بہت غلط رنگ دے کر اس پر بھونڈی تنقید کی گئی ہے اور بہت سی غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اپنی شرکت کے متعلق بعض کوائف اور اپنی تقریر کے کچھ اہم نکات آج کی اس نشست میں پیش کر دوں تاکہ غلط فہمیوں کو پھیلنے کی راہ کچھ مسدود ہو سکے۔

—— مجھے اعتراف ہے کہ جب مجھے اس علماء کنونیشن میں شرکت کا دعوت نامہ ملا تو مجھے حیرت ہوئی تھی چونکہ حقیقت یہ ہے کہ میرا کسی اعتبار سے بھی علماء میں شمار نہیں ہوتا۔ اس سے قبل اس قسم کے کسی اجتماع میں مجھے شرکت کا دعوت نامہ نہیں ملا تھا۔ میرا پہلا احساس یہ تھا کہ شاید غلطی سے دعوت نامہ میرے نام جاری ہو گیا ہے۔ پھر چونکہ اس دعوت نامے کی موصولی سے بہت عرصے قبل ۲۲ر اگست کی شب کو امریکہ کے لئے میری روانگی طے ہو چکی تھی لہٰذا اس سبب سے اس کنونیشن میں میری شرکت ممکن نہیں تھی چنانچہ میں نے معذرت کر دی۔ لیکن اعلیٰ حلقوں سے فون پر اصرار ہوا کہ اگر کنونیشن میں شرکت ممکن نہیں ہے تو تم اُس مجلسِ مشاورت میں شرکت کرو جو کنونیشن سے دو روز قبل اسلام آباد میں منعقد ہو رہی ہے۔ اس مجلس مشاورت میں چار حضرات بلائے گئے تھے۔ جن میں میرا نام بھی شامل تھا۔ مجھے اس میں شرکت پر بھی تردد تھا۔ چونکہ میں اس سے قبل کسی ایسی مجلس میں شریک نہیں ہوا تھا جو حکومت کی سطح پر منعقد ہوئی ہو۔ لیکن جب اصرار بڑھا تو میرے لئے کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ لہٰذا میں نے شرکت کی حامی بھرلی اور اسلام آباد چلا گیا —— مشاورت میں محترم صدرِ مملکت بنفس نفیس شریک ہوئے۔ مشاورت کی ۱۷-۱۸ر اگست کو متعدد نشستوں میں نہایت بے تکلفانہ ماحول میں مختلف مسائل پر کھلے دل اور صاف ذہن کے ساتھ بہت مفید گفتگو ہوئی۔ شرکاء میں سے ہر ایک نے پورے اخلاص، دردمندی اور کسی ذہنی تحفظ کے بغیر حالات کے متعلق اپنے تجربات، مشاہدات، تاثرات، تنقیدیں اور تجزیئے پیش کئے۔ اور رسوم مناقدامات کے سلسلہ میں تجاویز اور مشورے بھی محترم صدرِ پاکستان کے سامنے رکھے۔ صدر صاحب

نے پورے غور و خوض، توجہ اور خندہ پیشانی سے ان تمام امور کو سُنا۔ مشاورت کے
بعد صدر صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کو امریکہ کب جانا ہے؟ میں نے کہا ۲۲ر اگست
کی شب کو کراچی سے روانگی ہونی ہے تو انہوں نے اصرار کے ساتھ فرمایا کہ ایسی صورت
میں آپ کو کنونیشن میں ضرور شرکت کرنی ہوگی۔ آپ کو امریکہ کی فلائٹ پکڑنے کیلئے
۲۲ تاریخ کو کراچی پہنچانے کا خصوصی انتظام کر دیا جائے گا۔ میں نے صدر صاحب کا ان
کی اس پیش کش پر شکریہ ادا کیا اور عرض کیا کہ کراچی جانے کا میں خود انتظام کروں گا
البتہ آپکے حکم کی تکمیل میں کنونیشن میں شرکت کروں گا۔ چنانچہ میں لاہور واپس آیا
اور امریکہ کے سفر کے سامان کے ساتھ ۲۰ر اگست کی شب کو دوبارہ اسلام آباد پہنچ گیا۔
کنونیشن کے لئے تین موضوعات (ISSUES) مقرر کئے گئے تھے اور
شرکا میں سے ہر شخص کو آزادی تھی کہ وہ جس موضوع پر چاہے اظہار خیال کر سکتا ہے۔
میں نے اظہار خیال کے لئے پہلا موضوع "اسلامی قانون کی تنفیذ اور فقہی اختلاف"
منتخب کیا۔ مجھے چند مقتدر شخصیتوں کی طرف سے بھی اس موضوع پر بولنے کا مشورہ
دیا گیا تھا۔ اس کنونیشن میں ملک کے ہر گوشے سے ہر فقہی مسلک سے تعلق رکھنے والے
ڈھائی تین سو کے لگ بھگ علماء و فضلاء شریک تھے۔ جن میں وہ حضرات بھی تھے
جن کا شمار اکابر میں ہوتا ہے۔ ایسے حضرات کے سامنے ایسے موضوع پر زبان کھولنا جو بہت
ہی نازک اور حساس (TOUCHY & SENSITIVE) ہو بڑا کٹھن
کام تھا۔ اس کی نزاکت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کچھ ہی عرصے پہلے شیعہ
فرقے کی طرف سے زکواۃ آرڈیننس کے خلاف اسلام آباد میں ایجی ٹیشن ہوا تھا جس
میں جوش و خروش ہی نہیں دھمکیاں بھی تھیں۔ پھر یہ کہ جب بھی اسلامی قانون
کے نفاذ کا ہمارے ملک میں سوال اُٹھتا ہے تو یہ فقہی اور گروہی اختلافات اس راستے
کے سب سے بھاری پتھر ثابت ہوتے ہیں۔ میں نے اس موضوع پر پہلے سے کوئی تیاری
نہیں کی تھی۔ وہیں بیٹھے بیٹھے چند نکات و اشارات لکھ لئے تھے۔ اللہ کا فضل و کرم
کہ اس کی توفیق سے میں اس مسئلہ پر جو کچھ عرض کرنا چاہتا تھا اختصار کے ساتھ وہ
بیان ہو گیا۔ میں نے وہاں جو اظہار خیال کیا تھا اس کے بعض اہم نکات اختصار کے
ساتھ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ان کے صحیح و غلط اور درست و نادرست ہونے

ے متعلق آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں

پہلی بات میں نے وہاں یہ عرض کی کہ " ہماری یہ انتہائی بدقسمتی ہے کہ ہم من حیث قوم غیر اسلامی قوانین پر تو راضی رہتے ہیں لیکن جب اسلامی قوانین کے عملی نفاذ کا مرحلہ آتا ہے تو ہمارے فقہی وگروہی اختلافات بڑی شدت سے ابھر کر سامنے آتے ہیں اور شدّ و مد کے ساتھ سوالات اٹھا دیئے جاتے ہیں کہ کون سا فقہ رائج ہو " — ! پھر میں نے عرض کیا کہ " یاد ش بخیر پاکستان بننے کے بعد ۱۹۴۸ء کے آغاز میں سب سے پہلے اس ملک میں اسلامی آئین و دستور کی تدوین اور اسلامی قانون کے نفاذ کا مطالبہ جماعت اسلامی نے اٹھایا تھا اور جلد ہی اس مطالبے کو ملک گیر سیاسی نوعیت کی تحریک کی شکل دے دی تھی۔ اس کے جواب میں اس وقت جو لوگ ارباب اقتدار تھے ان میں سے بعض حضرات کی طرف سے جو سب سے بڑا عذر پیش ہوا، وہ یہی تھا کہ کس کا اسلام! کس کا فقہ! کون سے قوانین نافذ کیے جائیں! سنیوں کا اسلام یا شیعوں کا ؟ پھر سنیوں میں سے بھی دیوبندیوں کا، بریلویوں کا، یا اہل حدیثوں کا ؟ اس موضوع پر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب اور ڈاکٹر محمود الحسن مرحوم تقریریں کرنے میں پیش پیش تھے حالانکہ ان کی اسلام دوستی مسلّم تھی — ان حضرات کا کہنا یہ تھا کہ یہ مطالبہ قبل از وقت (PREMATURE) ہے - یہاں اس سوال پر کہ کس کا اسلام اور کس کا فقہ پر بڑے جھگڑے کھڑے ہو جائیں گے - بعد میں بر وہی صاحب نے کہا کہ اگر کوئی یہ ثابت کر دے کہ قرآن مجید میں کوئی دستور موجود ہے تو میں ان کو انعام دوں گا - یہ ردّ عمل تھا دو باتوں کا — پہلی یہ کہ اسلامی دستور و آئین کی تدوین اور قوانین کے نفاذ کو ایک سیاسی نعرہ بنا دیا گیا تھا، دوسری یہ کہ مختلف فقہی وگروہی مسالک میں کوئی مفاہمت موجود نہیں تھی اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز تک پڑھنے کا روادار نہیں تھا " — پھر میں نے عرض کیا کہ " تینتیس ۳۳ سال کے دوران ہم نے اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ اُن حضرات کی دلیل غلط نہیں تھی اور ان کا عذر، محض عذرِ لنگ نہیں تھا بلکہ صحیح اور درست تھا کہ یہاں کس کا اسلام نافذ کیا جائے پھر میں نے عرض کیا کہ " پاکستان بننے کے تقریباً تیس ۳۰ سال بعد " نظام مصطفٰی " کے نام سے جو تحریک چلی تو اس وقت بھی فقہی اختلافات میں یہی شدت — موجود تھی کہ ایک گروہ دوسرے گروہ کے پیچھے نماز پڑھنے کا روادار نہیں تھا - حتیٰ کہ جیلوں میں بھی ہر فقہی مسلک سے

تعلق رکھنے والے اپنی علیحدہ علیحدہ جماعت کراتے تھے - یہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہے - ان کا اظہار اخبارات اور رسائل میں ہو چکا ہے" میں نے مزید عرض کیا کہ عقائد کا معاملہ بعد کی بات ہے یہاں تو فقہی اختلافات اتنے شدید ہیں کہ ایک دوسرے کو کوئی رعایت دینے کے لئے تیار نہیں - عقائد کا تعلق قانون سے نہیں ہے - ان کا نفاذ نہیں ہوتا - ان کا دائرہ قلب، ذہن اور فکر و نظر ہے - لیکن فقہ کا تعلق قانون سے ہے اور قانون نافذ ہوتا ہے - جس کے مطابق مشاجرات، مناقشات، تنازعات اور معاملات فیصل اور طے ہوتے ہیں - اور کسی ملک میں بھی دو قانون نہیں چل سکتے، قانون تو صرف ایک ہی نافذ ہو سکتا ہے - اس لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسا حل تلاش کیا جائے جو اس مخمصے سے نجات دلا دے اور یہ حل موجود ہے جو میں آگے بیان کروں گا -"

دوسری بات میں نے یہ عرض کی کہ "قومی اعتبار سے یہ ایک المیہ ہے کہ پاکستان کے قیام کے وقت جو جوش و خروش تھا اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جو سازگار فضا موجود تھی - لوگوں کے دلوں میں گداز اور نرمی تھی - جو لوگ منقسم ہندوستان میں آگ اور خون کے دریا سے گزر کر لٹے پٹے اور تباہ و برباد حالت میں پاکستان پہنچے تھے - ان کو پاکستان تک پہنچنے کے لئے جان و مال اور اپنی خواتین کی عصمت و عفت کی جو قربانیاں دینی پڑی تھیں - سکھوں اور ہندوؤں کے جن انسانیت سوز مظالم اور بربریّت سے سابقہ پیش آتا تھا، ان تمام باتوں نے مل جل کر ان کے دلوں میں اسلامی نظام و قوانین پر کاربند ہونے کا ایک شدید داعیہ بیدار کر دیا تھا - پھر پاکستان کے بسنے والوں نے جب ان تباہ حال بھائیوں کی پذیرائی کی، ان کی حالتِ زار کا سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور ان کے مصائب کی داستانیں سنیں تو ان کی آنکھیں ہی نہیں دل بھی خون کے آنسو رو رہے تھے ان کے دل شق تھے اور ان میں بھی یہ داعیہ ابھر چکا تھا کہ اب وہ اسلام کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنائیں گے اس وقت ایک جوش تھا پوری فضا اور پورا ماحول اس نعرے سے گونجی ہوئی تھی کہ "پاکستان کا مطلب کیا - لآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ - لوگ اس وقت اسلام کو بطور نظام زندگی قبول کرنے کے لئے تیار تھے - لیکن ہوا کیا؟ واقعہ یہ ہے کہ قومی قیادت نے یہ سنہری موقع ضائع کر دیا - چاہیئے تو یہ تھا کہ حکومت خود اپنے طور پر اسلامی دستور کی تدوین اور اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے پیش قدمی کرتی اور پاکستان

کے قابلِ اعتماد اور جدید علماء کا فوری طور پر ایک بورڈ تشکیل کرتی اور ان کو دعوت دیتی کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور فقہی اختلافات کا کوئی ایسا حل تلاش کریں جو تمام مسالک کے پیروں کے لئے قابلِ قبول ہو۔ لیکن جو کچھ ہوا وہ ہمارے سامنے ہے۔ میں کسی فردِ واحد کو الزام نہیں دیتا چونکہ قیادت ایک ٹیم کا نام ہوتا ہے۔ میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اور آگے کروں گا اس سے محض امرِ واقعہ کا اظہار مقصود ہے — ہوا یہ کہ ایک طرف تو غلطی یہ ہوئی کہ گفت و شنید، افہام و تفہیم اور نصیحت و موعظت سے اربابِ اختیار کو اسلامی دستور کی تدوین اور اسلامی قوانین کی تنفیذ کی دعوت دینے اور اپنا تعاون پیش کرنے کے بجائے اس کو ایک سیاسی نعرے کی صورت میں بطور تحریک اٹھا دیا گیا اور اس وقت کی قیادت پر تیز و تند تنقیدوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ نیز ساتھ ہی ساتھ تبدیلی قیادت کا مطالبہ کر دیا گیا۔ دوسری طرف یہ ہوا کہ مسلم لیگ کی صفوں میں اتحاد قائم نہ رہا۔ ان میں اختلافات اور تفرقے ہوئے ایک مسلم لیگ میں سے کئی مسلم لیگیں وجود میں آگئیں اور ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو گئیں۔ نتیجۃً صرف قراردادِ مقاصد منظور کرنے کے علاوہ ملک میں اسلامی قوانین کی تدوین کے میدان میں کوئی قابلِ ذکر پیش رفت نہیں ہوئی۔ ہمارے سیاسی لیڈروں کی باہمی کشمکش اور آئے دن اسمبلی کے ممبران کے پارٹیاں بدلنے کی وجہ سے وزارتِ عظمیٰ میں جلد جلد تبدیلیاں ہونے لگیں جو ایک طرف مرکزی حکومت کو غیر مستحکم کرنے کا باعث ہوئیں تو دوسری طرف عوام میں سیاسی لیڈروں پر سے اعتماد متزلزل کرنے کا بھی سبب بنیں۔ اس کے نتیجے میں پہلا مارشل لاء آیا سیاسی عمل رُک گیا۔ سارا جوش و خروش ختم ہو گیا ولولے سرد پڑ گئے۔

تیسری بات میں نے یہ عرض کی تھی کہ ۷۷ء کی تحریک اصلاً تو ایک جابر حکمران کے خلاف شروع ہوئی تھی جس نے جمہوریت کا لبادہ اوڑھ کر بدترین قسم کی آمریت قائم کر رکھی تھی اور عام انتخابات میں لامحدود دھاندلیاں کی تھیں۔ اسی لئے اس تحریک میں سیکولر ذہن کے لوگ بھی شامل تھے اور لیفٹسٹ بھی۔ اس تحریک میں ہمہ گیری اُس وقت آئی، جب اس میں مذہبی نعرہ "نظامِ مصطفےٰ" کا اضافہ شامل کیا گیا۔ اس نعرے کی وجہ سے تحریک ملک بھر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل

گئی - اور لوگوں کا جوش و خروش قیامِ پاکستان کی تحریک سے بھی زیادہ نظر آیا - پھر کوئی تشدد اس جذبے پر قابو نہ پا سکا - جن لوگوں نے سینوں پر گولیاں کھائیں انہوں نے جمہوریت کے نام پر جانیں قربان نہیں کیں، ایسے لوگ آگے نظر نہیں آئے - بلکہ گولیاں کھانے والوں نے کلمہ کے نام پر لا الٰہ الا اللہ - محمد رسول اللہ کے نام پر گولیاں کھائیں اور ہر نوع کا تشدد انگیز کیا -" میں نے اس موقع پر صدر پاکستان کو مخاطب ہو کر کہا کہ " صدر صاحب مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ آپنے بہت سنہری موقعہ ہاتھ سے کھو دیا - جب آپنے زمام اقتدار سنبھالی تھی تو قوم میں جوش و خروش اپنے عروج پر تھا - پوری آمادگی موجود تھی اگر آپ اس وقت جرأتِ مومنانہ سے کام لے کر اسلامی نظام اور قوانین کی تنفیذ کے لئے ٹھوس اور مثبت اقدام کرتے تو قوم ذہنًا اس کو قبول کرنے کے لئے تیار تھی - لیکن آپنے بھی وہی غلطی کی جو ہماری پہلی قیادت نے کی تھی -" میں نے صدر صاحب کو مزید مخاطب کرتے ہوئے کہا - " محترم صدر صاحب! میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں آپ کی، ملک کی، اور دین کی خیر خواہی میں عرض کر رہا ہوں کہ آپ اس وقت GRACE PERIOD پر ہیں - اب بھی آپنے جرأتِ مومنانہ سے قدم نہیں اٹھایا اور کوئی فیصلہ کن اقدام نہیں کیا تو جان لیجئے کہ یہ مہلت جلد ختم ہو سکتی ہے - معاملہ آپ کی ذات کا نہیں ہے معاملہ ملک کی سلامتی، بقا اور استحکام کا ہے - اشخاص آتے ہیں چلے جاتے ہیں - بڑے بڑے ہیتے خاں آئے اور چلے گئے - بڑے بڑے لیڈر آئے - بڑے بڑے بارعب لوگ آئے اور ان کے دبدبے کا یہ عالم تھا کہ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ان کو ہلایا جا سکتا ہے ——— ایوب خاں مرحوم کا تصور کیجئے ۱۹۶۱ء اور ۱۹۶۲ء کا ایوب خان —— ۱۹۶۸ء میں پہلی دفعہ جنبش ہوئی عید الفطر کے چاند کے موقع پر جھگڑا ہوا - پھر اسی سال کے اواخر میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی کتاب کے خلاف جو مہم چلی اس کے بعد تو جنبشوں کا وہ سلسلہ چلا کہ سارا رعب اور سارا دبدبہ ختم، اور قصرِ اقتدار زمین بوس ہو گیا - پس معاملہ اشخاص کا نہیں، قوم اور ملک کا ہوتا ہے۔"

پھر میں نے عرض کیا کہ "پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا اور کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ اسلام کے سوا اس کے قیام کی کوئی اور اساس اور جواز ہے - اس

لئے اس ملک کے قیام " بقا اور استحکام کی اصل بنیاد اسلام صرف اسلام ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے یہ ایک مصنوعی ملک معلوم ہوتا ہے۔ بھارت کے ساتھ ہماری کوئی مستقل جغرافیائی سرحدیں نہیں ہیں۔ وہ حدیں موجود نہیں جو فطری (NATURAL BOUNDRIES) کہلاتی ہیں اگر کوئی فطری سرحد ہے تو وہ افغانستان کے ساتھ ہے۔ بھارت کے ساتھ ہماری
سرحدوں کا یہ حال ہے کہ اگر تار کھینچے نہ ہوں تو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ پاکستان کہاں ختم ہوا اور کہاں سے بھارت شروع ہوا۔ پس معلوم ہوا کہ پاکستان کا قیام جغرافیائی حدود کا رہینِ منت نہیں بلکہ اس کے قیام کی واحد اساس صرف اسلام ہے لہٰذا اس کی بقا اور استحکام کا دار و مدار بھی اسلام کے حقیقی و عملی نفاذ پر ہے۔ اگر اس کی طرف کوئی فیصلہ کن پیش قدمی اب بھی نہیں ہوئی تو جان لیجئے کہ اس ملک کی سلامتی مشکوک ہے۔ آدھے سے زیادہ پاکستان تو علیحدہ ہو چکا اور حال یہ ہے کہ اس کا نام بھی بدل گیا۔ مشرقی پاکستان کے نام سے بھی علیحدگی ہو سکتی تھی اور اس نام سے بھی ایک آزاد و خود مختار سلطنت وجود میں آ سکتی تھی۔ آخر دنیا میں مشرقی و مغربی اور شمالی و جنوبی اضافت کے ساتھ ایک ہی نام کے کئی ملک موجود ہیں۔ اس ملک کو جو خطرات درپیش ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ہمارے اس پاکستان کو جو خطرات لاحق ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگا لیجئے کہ ملک کی سب سے مقتدر شخصیت نے کہا ہے کہ ہمارے ہاں کچھ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو کسی طرف سے ٹینکوں کی آمد کے منتظر ہیں۔ اندرونی فضا یہ ہے اور باہر سے جو خطرات ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں، وہ ہمارے سامنے ہیں۔ بھارت کے حالات جس طریقے سے پلٹا کھا رہے ہیں اور وہاں جو منظم طریقے پر مسلم کش فسادات کا سلسلہ چل نکلا ہے۔ وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ وہاں جو کچھ ہو رہا ہے، بلا سبب نہیں ہو رہا۔ اس کے پیچھے کوئی منصوبہ کارفرما ہے۔ اس سال فروری میں مجھے بھارت جانے کا اتفاق ہوا تھا اس وقت کے اور آج کے حالات میں زمین آسمان کا فرق واقع ہو چکا ہے۔"

پھر میں نے عرض کیا کہ "خطرات اپنی جگہ موجود ہیں، ان حالات میں ہمارے

اور پہلے سے بھی زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم خدا اور خلق کے سامنے کئے ہوئے اس عہد کو پورا کرنے کے لئے فیصلہ کن طریقے سے پیش قدمی کریں کہ "پاکستان کا مطلب کیا - لا الٰہ الا اللہ

اسلامی نظام کا نفاذ کیسے ہو

میں نے یہ بھی عرض کیا کہ "اگر واقعۃً" محمد ضیاء الحق صاحب اور اِن کے رفقاءِ کار اس ملک میں اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں — رفقاء کا ذکر میں نے اس لئے کیا کہ وہ اکیلے نہیں، ان کے ساتھی بھی ہیں، ایک ٹیم ورک ہو رہا ہے — تو اس کا طریقہ کیا ہونا چاہیئے؟ — یہ صحیح ہے کہ ان کو شدید فقہی اختلافات اور تفرقے سے سابقہ پیش آیا ہے - جس کی وجہ سے جو چند چھوٹے چھوٹے اقدامات کئے گئے تھے، وہ بھی بنیادی طور پر بے اثر (NUL AND VOID) ہو گئے ہیں - پھر یہ کہ ایسے اختلافات آئندہ بھی ہوتے رہیں گے - ان سے مستقل طور پر عہدہ برآ ہونے کا طریقہ کیا ہے - ؟ تو اس کے متعلق میں حسبِ ذیل معروضات ارباب اقتدار اور آپ تمام علماء و فضلاءُ کے غور و فکر کے لئے پیش کرتا ہوں "

میں نے عرض کیا کہ " ملکی قانون (PUBLIC LAW AND LAW OF THE LAND) اور شخصی قانون (PERSONAL LAW) میں واضح طور پر تقسیم ہونی چاہیئے - یہ تقسیم دنیا کے ہر ملک میں ہوتی ہے - ملکی قانون

— LAW OF THE LAND) ایک ہی ہوتا ہے اور ایک ہی ہو سکتا ہے - البتہ مختلف گروہوں کے لئے ان کے نظریات کے مطابق مختلف شخصی قانون (PERSONAL LAW) میں گنجائش رکھی جانی چاہیئے - پرسنل لا میں وہ امور خصوصی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں - ایک "عبادات"، دوسرے "مناکحات" - نماز کوئی ہاتھ باندھ کر پڑھے کوئی ہاتھ چھوڑ کر - کوئی رفع یدین کرے کوئی نہ کرے کسی کے نزدیک غروب آفتاب کے فوراً بعد روزہ افطار کرنا ضروری ہے اور کسی کے نزدیک غروب کے چند منٹ بعد ایسے تمام تعبدی امور پر کسی کی طرف سے کوئی قدغن نہیں لگائی جا سکتی کوئی ملکی قانون نہیں بن سکتا کہ تعبدی امور اس طور پر انجام دیئے ہوں گے - عبادات میں پوری آزادی ہونی چاہیئے - اس معاملہ میں انسان بڑا حساس ہوتا ہے - فرض کیجئے کہ ایسا قانون بنا دیا جائے کہ تمام مسلمان غروب آفتاب کے فوراً بعد روزہ لازماً افطار کریں تو جس شیعہ کے نزدیک افطار کا صحیح وقت غروب کے چھ سات منٹ بعد ہے تو اس قانون کی رو سے اس کا روزہ غلط وقت پر کھلوا دیا گیا تو اس کی تو سترہ اٹھارہ گھنٹے کی محنت بلکہ عبادت ضائع اور برباد ہو گئی - کہنے کو تو چند منٹ کا فرق ہے، لیکن اس سے بڑا عظیم فرق واقع ہوتا ہے - اسی بات کو سنیوں پر بھی قیاس کیا جا سکتا ہے - جن کے نزدیک غروب آفتاب کے بعد افطار میں تاخیر سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے - لہذا ایسے تمام امور میں پرسنل لا کے مطابق عمل کرنے کی گنجائش ہونی چاہیئے - اسی طریقے سے "مناکحات" یعنی نکاح و طلاق کے معاملات میں ان سب کو تسلیم (ACKNOWLEGE —) کرنا چاہیئے اور ان سب کو کھلی چھوٹ دی جانی چاہیئے کہ وہ اپنے اپنے مسالک کے مطابق عمل پیرا ہوں - ان پر کوئی پابندی نہ ہو - چونکہ یہ معاملات پرسنل لا سے متعلق ہیں ان پر ملکی قانون میں کوئی قدغن نہیں لگائی جا سکتی - ملکی قانون قرآن و سنت کے وسیع اصولوں پر مبنی ہو - جس میں اقامت صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ التزام صوم اور احترام رمضان ہر مسلمان پر فرض اور لازم ہو — اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ اور يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ اور فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط - ہر تارک صلوٰۃ، ہر

مانع زکوٰۃ، ہر تارکِ صوم ملکی قانون میں قابلِ تعزیر ہو۔ اسی طرح سود، شراب، قمار بازی اور دوسرے فواحش ملکی قانون کے مطابق حرام ہوں گے۔ کسی کے لئے اس میں کوئی رعایت نہ ہوگی۔ میں نے بطور مثال چند باتیں عرض کی ہیں۔ اسی سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ملکی قانون (LAW OF THE LAND) کن وسیع تر اصولوں پر مبنی ہونا چاہیئے۔"

میں نے یہ بھی تجویز کیا کہ "پرسنل لا کی نگرانی کے لئے ہر مسلک کے علماء کے علیحدہ علیحدہ بورڈ بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ہر مسلک کی مساجد اور اوقاف ان بورڈز کے زیر نگرانی دیئے جانے چاہئیں۔ یہ ایک اصولی بات ہے کہ سنی، دیوبندی یا بریلوی یا اہل حدیث اور کوئی شیعہ کوئی جائیداد وقف کرتا ہے یا ٹرسٹ قائم کرتا ہے تو اس کی آمدنی اسکے مسلک کے مطابق ہی صرف ہونی چاہئے تاکہ واقف کی منشا پوری ہو۔ یہ تو ناانصافی ہوگی کہ ایک خاص مسلک رکھنے والے واقف کی وقف شدہ آمدنی دوسرے مسلک کے سلسلے میں خرچ ہو۔ جیسے فرض کیجئے کہ کوئی شخص مسجد بناتا ہے۔ ہمارے ہاں پہلے یہی ہوتا تھا کہ کوئی اللہ کا بندہ اپنی جیب خاص سے مسجد بناتا تھا وہی متولی ہوتا تھا۔ یہ چندے جمع کرکے مسجد بنانا تو دورِ حاضر کی بدعت ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تو مسجد کے لئے چندہ کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ بہت کثیر تعداد ہمارے ان آئمۂ فقہا کی ہے جنہوں نے صدقات، زکوٰۃ اور قربانی کی کھالوں کی رقوم سے بھی تعمیر مساجد کو ناجائز قرار دیا ہے۔ بہرحال مسجد جس مسلک کے شخص یا اشخاص نے بنائی ہے اور اس کے لئے کوئی جائیداد بھی وقف کی ہے تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس مسجد کا انتظام و انصرام مسجد بنانے والوں کے مسلک کے مطابق چلایا جانا چاہیئے۔ یہ ظلم ہے زیادتی ہے کہ مسجد بنائیں کسی مسلک والے اور اس پر قابض ہو جائیں دوسرے مسلک والے۔ اسی سے تفرقے پیدا ہوتے ہیں۔ اختلافات شدت سے ابھرتے ہیں فسادات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں یہ غلط طریقہ بند ہونا چاہیئے۔ میری بھی یہ دلی آرزو ہے کہ فقہی اختلافات ختم ہوں۔ آئیڈیل صورت یہی ہونی چاہیئے۔ لیکن امر واقعہ سے آنکھیں بند کرنا عقل مندی نہیں۔ میں ہزار چاہوں۔ لاکھ سر پٹک لوں اور مجھے دس زندگیاں مل جائیں تو بھی یہ ختم ہونے والے نہیں۔ ان کی بڑی طویل تاریخ ہے۔ ہمارے بڑے

بڑے آئمہ گزر گئے ان سے ختم نہیں ہوئے تو ہم کس کھیت کی مولی ہیں - لہذا ان کا ختم کرنا ممکن نہیں ان کو تسلیم کرنا ہوگا - البتہ تعلیم و تفہیم اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ کو حدِ اعتدال میں رکھنے کی سعی بلیغ ہوتی رہنی ضروری ہے - ہمارے علماء و مشائخ کو بھی چاہئے کہ قسط اور عدل کو پیش نظر رکھیں اور رواداری اختیار کریں - ہمارے ہاں جو متشددانہ رویہ ہے کہ کوئی دوسرے مسلک کا سنی ہی مسجد میں آجائے تو ماتھے پر بل آجاتے ہیں - اس کو تبدیل ہونا چاہیئے - ہر مسجد میں ہر مسلک کے نمازی کو نماز ادا کرنے کی آزادی ہونی چاہیئے البتہ انتظام و نظم (امامت و خطابت) جس مسلک کی مسجد ہو اسی مسلک والوں کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے -

میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ" اب جب بھی اس ملک میں باقاعدہ مردم شماری (ــــــ CENSUS) ہو تو لوگوں سے ان کا فرقہ اور مسلک ساتھ ہی لکھوا لیا جائے تو کوئی ہرج نہیں بلکہ یہ مفید ہوگا - دین کے بطور مسلمان یا اسلام لکھوائیں اور مسلک کے طور پر شیعہ، سنی لکھوا لیا جائے پھر سنیوں کے مختلف مکاتیب فکر کے لئے بھی اندراج کا ایک خانہ رکھا جا سکتا ہے - تاکہ معین ہو جائے کہ ہمارے ہاں جو دو بڑے فرقے شیعہ اور سنی ہیں - ان کا تناسب آبادی دراصل ہے کیا ؟ کون کتنے فیصد ہے تاکہ اس ضمن میں حکومت کو یہ مدد ملے کہ وہ حکومت کے محکموں میں ملازمت، علماء کے بورڈ کی تشکیل، مالی گرانٹ اور دوسری مراعات میں آبادی کے تناسب کو پیش نظر رکھا جا سکے - کسی کے لئے وجہ شکایت (HEART ــــــ BURNING) نہ ہو - ہر فرقے اور ہر مکتب فکر اور مسلک کے مدارس ان کی مساجد' ان کے معاملات ان کا انتظام انصرام ان کے علماء کے بورڈ بنا کر ان کے حوالے کر دیجئے - یہ بورڈ حکومت کی زیر سرپرستی اور زیر نگرانی تفویض کردہ ذمہ داریاں ادا کریں - اس طرح بہت سے اختلافات اور شکر رنجیاں ختم ہو جائیں گی اور روز بروز کے یہ قضیے، تنازعات اور اختلافات حکومت کیلئے درد سر نہیں بنیں گے ــــــ نیز غیر مسلم اقلیتوں کا تناسب بھی صحیح طور پر آجائے گا - قادیانی (لاہوری گروہ سمیت) اسی زمرے میں شمار ہوں گے -

میں نے ملکی قانون کے متعلق یہ عرض کیا کہ" پبلک قانون یا ملکی قانون

(PUBLIC LAW & LAW OF THE LAND) کے بارے میں یہ اصول اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کی اساس کسی فقہ پر نہیں ہوگی بلکہ اس کی اساساتِ اصلیہ صرف اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت ہیں - اہل سنت کی تمام فقہیں ہماری اپنی ہیں - سب قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں - فرق راجح اور مرجوح یا افضل و مفضول کا ہے یا تعبیر و رائے اور قیاس کا — کوئی مخصوص فقہ یہاں نافذ نہیں کی جا سکتی چاہے وہ فقہ حنفی ہو، فقہ مالکی ہو، فقہ شافعی ہو، فقہ حنبلی ہو چاہے وہ مسلکِ اہل حدیث ہو — اصل اور بنیاد ہمارے لئے - کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے - یہی آخری حجّت ہے تمام معاملات کے لئے ان اساساتِ اصلیہ کی طرف رجوع کیا جاتے گا اور جو بات بھی اس کے مطابق ہوگی یا اس سے استنباط میں اقرب ہوگی اور جسے قانون ساز ادارہ یا عدالتِ عالیہ میں دلائل سے منوا لیا جائے گا اُسی کو ملکی قانون کا مقام حاصل ہوگا - خلقِ قرآن کے مسئلے میں امام احمد بن حنبلؒ نے جو بات کہی تھی تو یہی کہ " ایتونی بشیٔ من کتاب اللہ وَ سنت رسولہ حتیٰ اقول " لاؤ میرے پاس کوئی چیز اللہ کی کتاب یا اس کے رسول کی سنّت سے تب میں کوئی بات کہہ سکوں گا — ہمارے ہر دستور میں بھی ہمیشہ سے یہ بات لکھی جاتی رہی ہے اور ۷۳ء کے دستور میں بھی موجود ہے کہ

(NO LEGISLATION WILL BE DONE REPEGNANT TO THE QURAN AND THE SUNNAH —) ایسی کوئی قانون سازی نہیں کی جاتے گی جو قرآن و سُنت کے خلاف ہو -" فی الحال یہ دفعہ رہنما اصول میں درج ہے اس کو فی الفور — OPERATIVE CLAUSE) میں شامل ہونا چاہیئے — اس دفعہ میں کسی فقہ اور کسی مسلک کا تعین نہیں ہے - اس میں تو یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ دین نام ہے قرآن و سنت کی پابندی کا — لہٰذا ملک کا قانون (— LAW OF THE LAND) ان ہی دو بنیادوں پہ تشکیل پائے گا اور نافذ ہوگا ' ہمارے کلمۂ شہادت کے دو اجزا ہیں - پہلا توحید کا اقرار: لآ الٰہ اِلّا اللّٰہ اور دوسرا رسالت کا اقرار محمد رسول اللّٰہ — اس میں کسی فقہ کا اقرار شامل نہیں ملکی قانون کے دو شعبے ہیں - ایک فوجداری یعنی تعزیرات اور حدود کا قانون — دوسرا دیوانی - یعنی تجارت، لین دین اور اسی نوع

کے دیگر معاملات کا قانون — یہ شعبہ (— LAW OF THE LAND) سے متعلق ہیں اور یہ ہر پاکستانی کے لئے یکساں مؤثر ہوں گے۔ سب پر ان کا اطلاق ہوگا چاہئے وہ کسی فرقے یا کسی فقہی مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہو۔ بلکہ یہ پاکستان میں بسنے والی غیر مسلم اقلیتوں کے لئے بھی اور ان غیر ملکیوں پر بھی نافذ ہوں گے جو پاکستان میں ان قوانین کے تحت کسی جرم کے مرتکب ہوں گے"۔ خود غور فرمائیے کہ کوئی چور یہ کہے کہ ٹھیک ہے مجھ پر چوری کا جرم ثابت ہوگیا لیکن میں چونکہ فلاں فرقے یا فلاں فقہی مسلک سے تعلق رکھتا ہوں اور اس میں چور کے لئے قطع ید نہیں بلکہ انگلی کاٹنے کی سزا ہے لہذا ہاتھ کے بجائے میری انگلی کاٹی جائے یہ ممکن نہیں۔ تعزیر کسی فرقے یا فقہی مسلک کے مطابق عائد نہیں ہوگی بلکہ کتاب و سنت پر مبنی اور اس سے ماخوذ ملک میں جو بھی قانون رائج ہوگا وہ سب پر لاگو ہوگا۔ یہی صورتِ حال سول لاء میں اختیار کی جاتی گی اور تمام معاملات ملکی قانون کے مطابق فیصل ہوں گے۔ کسی کو یہ کہنے کا حق ہوگا کہ یہ معاملہ ہماری فقہ کے مطابق طے ہو"۔

اس ضمن میں، میں نے مزید عرض کیا کہ "میری سوچی سمجھی رائے ہے کہ ہمارے فقہی اور فرقہ وارانہ اختلافات اس طریق کو اختیار کرنے سے احسن طور پر حل ہو سکتے ہیں کہ پرسنل لاء میں ہر فرقے اور ہر فقہی مکتب فکر کو مکمل آزادی اور کھلی چھوٹ ملنی چاہیئے کہ وہ "عبادات" اور "مناکحات" اپنے اپنے مسالک کے مطابق انجام دے سکتے ہیں۔ ہر مسلک کے لئے حکومت علماء کے بورڈ بنائے اور ہر مسلک کے مدارس، مساجد، معابد اور اوقات کا انتظام و انصرام ان کے سپرد کرے اور ان پر اپنی نگرانی رکھے یہی مراعات غیر مسلم اقلیتوں کو بھی ملنی چاہئیں — ملکی قانون (LAW OF THE LAND) قرآن و سنت پر مبنی ہو۔ اس کا بلا امتیاز ہر پاکستانی پر اطلاق ہو۔ عدالتوں کو اختیار دیا جائے کہ فی الوقت جاری قوانین میں سے ان قوانین کو منسوخ (— NUL AND VOID) کر دے، جن کے متعلق بھی یہ ثابت کر دیا جائے کہ وہ کتاب و سنت کے خلاف ہیں۔ اسی طرح جو نیا قانون بنے وہ چاہے کسی مجاز قانون ساز ادارے نے بنایا ہو یا کسی مجاز حاکم (— AUTHORITY) نے فرمان (— ORDINANCE) نافذ کیا ہو۔ عدالتوں میں اس قانون

ہی اس بنیاد پر چیلنج کرنے کا حق ہونا چاہیئے کہ یہ قانون کتاب و سنت کے منافی ہے یا
س میں خامی ہے اور علماء و فضلا کو حق حاصل ہو کہ وہ اس کو ثابت کریں وہ استشہاد
ور نظائر کے طور پر مستند ائمہ و فقہا کی آراء، قیاسات تعبیرات اور استنباط پیش کرنے کے
جاز ہوں پھر عدالتوں کو اس بات میں فیصلوں کا اختیار ہو، اس طرح عدالتوں میں ہر فقہ
کے لئے یہ موقع فراہم ہو جائے گا کہ جس، فقہ کا کوئی فتویٰ اقرب الی القرآن والسنہ
ہوا، وہی ملکی قانون کی حیثیت سے نافذ ہو سکے گا۔ ایسے معاملات کے فیصل کی مجاز
کونسی عدالتیں ہوں ؟ ان کے لئے شرعی بنچیں قائم ہوں یا یہ کام ہائی کورٹس کے سپرد
کیا جائے ؟ یہ انتظامی معاملہ ہے اس کو مشاورت اور افہام و تفہیم سے طے کیا جا سکتا ہے
لبتہ سپریم کورٹ کو سب سے بلند عدالت (عدالتِ عالیہ) قرار دے کر آخری قطعی اور حتمی
یصلہ کرنے کا حق اس کو تفویض ہونا چاہیئے۔

میں نے وہاں یہ بھی عرض کیا کہ عموماً یہ ہوتا چلا آ رہا ہے کہ جو لوگ برسرِ اقتدار آئے۔
نہوں نے اُس ذمہ داری کو محسوس ہی نہیں کیا جو ان کے دین کی طرف سے اُن پر عاید
ہوتی تھی۔ ایسے لوگوں کو سب سے زیادہ فکر لاحق رہی کہ کرسی کا تحفظ کس طرح کیا جائے
ور اپنے اقتدار کو کس طور پر قائم، باقی اور جاری رکھا جائے۔ وہ کچھ اِدھر کے کچھ اُدھر
کے علماء کی تائید اور تعاون و SUPPORT حاصل کرتے رہے۔ پھر سب
وگوں کو خوش کرنے اور راضی رکھنے کی پالیسی اختیار کرتے رہے۔ ———

———— ب اگر اللہ تعالےٰ ایک ایسے شخص کو اقتدار سنبھالنے
ا موقع دیتا ہے جو دل سے اسلام کا دلدادہ و شیدا ہے اور اسلام کو حقیقی طور پر ایک نظام
ندگی کی حیثیت سے نافذ کرنے کا خواہش مند ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ صرف
ضائے الٰہی کو سامنے رکھ کر یہ عزم کرے کہ مجھے اللہ تعالےٰ نے جو موقع عنایت کیا ہے
س اُسے اپنا دینی فرض ادا کرنے کے لئے استعمال کروں گا مجھے یہ کام کرنا ہے کسی کو کیا
پسند ہے کیا نہیں ؟۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ مجھے فکر ہے تو اللہ تعالےٰ کے ہاں محاسبے
ور جواب دہی کی فکر ہے۔ مجھے تو ہر حال میں اس سلطنت خداداد میں اسلام نافذ

کرنا ہے - قرآن وسنت والا اسلام - میں رہوں یا نہ رہوں - میں رہوں گا تو اسلام کے ساتھ رہوں گا - ورنہ نہیں رہوں گا - اسلام کے نفاذ کی کوشش میں مجھے اگر اقتدار سے علیحدہ ہونا پڑا تو میں اس کے لئے تیار ہوں - جس شخص میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے، وہ واقعۃً کچھ کر سکتا ہے - اگر نہ کر سکے اور اقتدار سے ہٹا دیا جائے تو بھی ان شاءاللہ وہ اپنے رب کے سامنے سرخرو ہوگا -

میں نے عرض کیا کہ " محمد ضیاء الحق صاحب کو اللہ تعالیٰ نے یہ موقع عطا کیا ہوا ہے - میں تو یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ بھٹو کو بھی اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا موقع دیا تھا وہ تاریخ کے اندر ایک عظیم شخصیت بن کر ابھر سکتا تھا وہ ماؤزے تُنگ سے بھی بڑی شخصیت کی حیثیت سے تاریخ میں زندہ جاوید مقام حاصل کر سکتا تھا لیکن وہ اس کا اہل ثابت نہ ہو سکا (HE COULD NOT PROVE EQUAL TO THE TASK -) اب اللہ تعالیٰ نے جنرل صاحب آپ کو موقع دیا ہے گو بہت سا وقت لیت ولعل میں گزر چکا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اب بھی موقع ہے اب بھی بہت کچھ کیا جا سکتا ہے - جرات مندانہ قدم اٹھائیں اور اسلام کے نفاذ کے مثبت اقدامات کریں - کام اگر ہوگا تو عزم مصمم سے ہوگا - نیم دلانہ (HALF HEARTED -) انداز سے یہ کام نہیں ہوگا - نہ اس طور پر ہوگا کہ قدم اٹھایا اور پھر اس اندیشے سے واپس لے لیا یا تعویق میں ڈال دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے - یہ انداز انجام کار کے لحاظ انتہائی غلط ہے - مجھے نہ اپنی فکر ہے نہ ضیاء الحق صاحب کی - مجھے فکر ہے تو اس ملک کی فکر ہے ؏

اے آندھیو! سنبھل کے چلو اس جہان میں
اُمید کے چراغ جلاتے ہوئے ہیں ہم

یہ وہ ملک ہے جو بڑی امیدوں کے ساتھ بنایا گیا تھا - جس کے لیے ہم نے بڑے اونچے نعرے لگائے تھے بلند بانگ دعوے کئے تھے - اس کے لئے ہماری قوم نے ناقابل فراموش قربانیاں دی تھیں - ہم اس ملک کو دورِ جدید اور زمانۂ حاضر میں اسلام کی ایک تجربہ گاہ بنانے کا عزم لے کر چلے تھے - نوع انسانی کو ہدایت کا روشن مینار دکھانے کے لئے ہم کھڑے ہوئے تھے - ان امنگوں اور ان ارادوں کے ساتھ یہ

ملک وجود میں آیا تھا

چونکہ اس کے وجود و بقا کے لئے بنیاد اسلام کے سوا اور کوئی نہیں ہے ۔ اسلام کے عملی نفاذ میں کوتاہی اور ٹال مٹول کرنے کی پاداش میں ملک دولخت ہو چکا ہے ۔ ایک بڑا حصہ ہم سے علیحدہ ہو چکا ہے ۔ یہی کوتاہیاں جاری رہیں تو خدا ہی جانتا ہے کہ آئندہ پردہ غیب سے کیا کچھ ظہور میں آئے گا ۔

میں نے یہ بھی عرض کیا کہ " صدر صاحب نے اپنے طور پر کافی کچھ کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی مضبوط منصوبہ بندی کے تحت نہیں ہوا ۔ لہذا جو بھی اقدامات اب تک کئے گئے ہیں وہ کچھ زیادہ موثر ثابت نہیں ہوئے ۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قانون بنایا گیا تو ساتھ ہی یہ پابندی (RESTRICTION) بھی عائد کر دی گئی کہ فلاں قانون یا فلاں شعبے کے معاملات اس کی زد میں نہیں آئیں گے ۔ فلاں کو اس سے تحفظ حاصل ہوگا ۔ کمال یہ ہے عائلی قوانین کو بھی تحفظ دیا گیا کہ ان کو کسی شریعت بنچ میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا ۔ سوال یہ ہے کہ ان پابندیوں کے ہوتے ہوئے کیا غیر شرعی معاملات اسلام کے مطابق درست کئے جا سکیں گے ؟ ۔ سود کو فی الحال چھوٹ ملی ہوتی ہے چونکہ کوئی متبادل نظام موجود ہے نہیں اور معیشت کی موجودہ گاڑی اس کے بغیر چلتی نہیں ہے ۔ عائلی قوانین کو بھی تحفظ حاصل رہے گا ۔ چونکہ ہماری خواتین کا مغربی تہذیب زدہ طبقہ اس میں شریعت کے مطابق ترمیم و اصلاح کے لئے راضی نہیں ۔ حالانکہ یہ طبقہ تناسب کے لحاظ سے نہایت قلیل ہے آج ہی اخبارات میں خواتین کانفرنس کا مطالبہ آگیا ہے کہ عائلی قوانین کو نہ چھیڑا جائے ۔ یہ جوں کے توں برقرار رہنے چاہئیں ۔ ہمارے حقوق کی اسی ذریعہ سے حفاظت ہوگی ! "

میں نے وہاں اس طرف بھی توجہ دلائی کہ " حکومت کی طرف سے جو اسپیشل شرعی بینچیں تشکیل دی گئی ہیں ، ایک تو ان کا دائرہ عمل و اختیار محدود رکھا گیا ہے ۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی رائج قانون کو قرآن و سنت کے خلاف سمجھ کر رد کرنے کا فیصلہ کریں تو یہ ایک منفی عمل ہے ۔ قانون تو ہٹا دیا گیا ۔ اس خلا کو بھرے گا کون ؟ خلا تو نہیں چھوڑا جا سکتا ! اس طرح تو بہت سی خرابیاں رونما ہوں گی ۔ اس خلا کو آرڈیننس سے بھرا جا سکتا

ہے! لیکن کب تک ؟ — میں نے برملا عرض کیا کہ "سیاسی عمل (POLITICAL PROCESS —) رُک جانے سے ملک میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے - کوئی نہ کوئی تو مجاز ادارہ ہو جس کو اس قانونی خلا کو پورا کرنے کے لئے رجوع (— REFER) کیا جا سکے اور جو حسبِ ضرورت کتاب و سنت کی روشنی میں مزید قوانین بنا سکے - ایک ایسے مجاز ادارے کی ضرورت ناگزیر ہے "

میں نے یہ بھی عرض کیا کہ " صدر صاحب بار بار اعلان کر چکے ہیں کہ میں مستقل نہیں ہوں عارضی ہوں اور میرا کوئی پارٹی بنانے کا ارادہ نہیں ہے - اس بات سے لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں اور ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے یا ہونے والا ہے، وہ محض عارضی انتظام ہے ————

———— ضروری ہے کہ صدر صاحب اور ان کے رفقاء اس پر غور فرمائیں اور کوئی ایسی راہ نکالیں کہ جلد از جلد ایک ایسا مجاز ادارہ وجود میں آئے، جس کو پبلک کا اعتماد حاصل ہو - اور جو قانون سازی کے خلا کو پُر کر سکے -

---

آخری گذارش

حضرات! میں نے وہاں جن خیالات کا اظہار کیا تھا - وہ میں نے آپکے سامنے رکھ دیئے ہیں، الفاظ میں کمی بیشی ضرور ہوئی ہو گی، اسی طرح اظہارِ نکات کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر بھی ہوئی ہو گی چونکہ میں نے اِس وقت اپنی یادداشت سے ان کا اعادہ کیا ہے - البتہ میں یہ ضرور عرض کر سکتا ہوں کہ میں نے کوشش کی ہے کہ سب نکاتِ بیان آ جائیں — مجھے اندازہ نہیں کہ آپ حضرات کے ان امور کے متعلق تاثرات کیا ہیں؟ البتہ کنونشن میں وقفے کے دوران بعض شرکاء نے میرے خیالات کے متعلق بہت اچھے تاثرات اور تائید و پسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا — بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا یہ باتیں تم ہی کہہ سکتے تھے چونکہ تم خالص غیر سیاسی آدمی ہو — واقعہ بھی یہی ہے کہ میں عام مفہوم میں غیر سیاسی آدمی ہوں - میں نے علیٰ وجہ البصیرت اس میدان

کو چھوڑا تھا - میرے لئے مواقع آتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں محفوظ رہا اور میں نے اس راستے کی طرف دیکھا ہی نہیں - میرے سامنے قرآن مجید کے مطالعے سے تجدید احیائے دین اور اسلامی انقلاب کا جو اساسی و بنیادی نہج آیا ہے - بحمد اللہ میں پندرہ سال سے پوری یکسوئی کے ساتھ ہمہ تن ہمہ وقت اسی کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہا ہوں - اصلاح ہو، انقلاب ہو، اس کی اصل بنیاد دعوتِ عبادتِ ربّ ہے - لوگ واقعی طور پر اللہ کے بندے بنیں - اپنی انفرادی زندگیوں پر اللہ کا دین نافذ کریں - ایسے لوگ جمع ہوں، ان کی تنظیم ہو اور یہ تنظیم ڈھیلی ڈھالی (LOOSE) قسم کی — ASSOCIATION نہ ہو بلکہ سمع وطاعت کی بنیاد پر قائم ہو جو لوگ اس میں شامل ہوں وہ اس میں کھیل یا — HOBBY سمجھ کر نہ آئیں بلکہ تن من دھن کے ساتھ آئیں اور الاقرب فالاقرب کے اصول پر عبادتِ ربّ، شہادت علی الناس اور فریضہ اقامت دین کی دعوت کے علمبردار بن کر کھڑے ہوں - لوگوں کو اللہ کی کتاب کے اعتصام وتمسک کی دعوت دیں - چونکہ یہی منبع ایمان اور سرچشمۂ ہدایت ہے - یہی کتاب اللہ نبی اکرمؐ کی دعوت کا مرکز ومحور تھا یہی ہماری دعوت کا بھی مرکز و محور ہو - ساتھ ہی خود بھی سُنت کے اتباع کا اہتمام کریں اور لوگوں کو بھی تلقین کریں - ہمارے لئے اُسوۂ حسنہ اور اُسوۂ کاملہ حضورؐ ہی کی ذات ہے -

میں لوگوں کو اسی کام کی طرف بلانے میں لگا ہوا ہوں - میرے نزدیک مسلمان کی نجاتِ اخروی کا یہی راستہ ہے اور فلاح دنیوی کا بھی یہی طریقہ ضامن ہے - یہ ملک اسلام کے نام پر بنا تھا - اسلام کے نفاذ کے لئے بنا تھا - لہذا اس کی بقا اس کا استحکام اس کا مستقبل بھی اسلام کے ساتھ وابستہ ہے - جو اس حقیقت سے اختلاف کرے وہ دراصل تاریخ کی حقیقت کو جھٹلا رہا ہے اور سنت اللہ سے اعراض کر رہا ہے — اسلام کا صرف نعرہ کام نہیں دے گا - نعرے بہت لگ چکے ہیں - زبانی جمع خرچ (LIP SERVICE) اب تک بہت ہو چکا - ان سے کام بن سکتا بیڑا پار ہو سکتا تو اب تک ہو چکا ہوتا - اگر یہ کام ہو گا تو اُسی طریق سے ہو گا جس کی رہنمائی ہم کو قرآن مجید اور اُسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہے -

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ ۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِسلام اور حقوق اطفال

(دوسری قسط)

ازقلم :- غازی عزیز (علی گڑھ) حال مقیم سعودی عرب

نومولود کے حقوق :- نومولود کے حقوق بھی اسلام میں اپنا ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ پیدائش کے بعد بچہ کو غسل طہارت دینا، اسکے کان میں اذان[1] کہنا، ساتویں[2] دن اس کا عقیقہ[3] کرنا، سر کے بال منڈوا کر اس کے وزن کے

---

[1] - قال ابو رافع رضی اللہ عنہ : "رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أذّن فی

مساوی چاندی یا اس کی قیمت مستحقین کو دینا، اگر اولاد نرینہ ہو تو اس کا ختنہ کرانا اور بچہ کا اچھا اور ذومعنی نام رکھنا نومولود کے حقوق میں شامل ہیں۔ کھجور مسل کر یا چبا کر بچہ کے منہ (تلوے) میں رکھنا بھی سُنّت ہے۔ اسلام میں ان جملہ امور کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے جو کتب احادیث میں مذکور ہے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ والدین اپنے بچوں کے نام غیر اسلامی تہذیب سے متاثر ہو کر یا حُسن ادائیگی کے خیال سے یا اپنی جہالت کے باعث مہمل وغیر اہم رکھتے ہیں۔ نومولود کے حقوق میں سے والدین پر ایک اہم حق یہ بھی ہے کہ بچہ کا عمدہ سے عمدہ و ذومعنی نام رکھیں جیسا کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد مبارک ہے۔

مَنْ وُلِدَ لَہٗ وَلَدٌ فَلْیُحْسِنْ اِسْمَہٗ . . . . . . الخ (بیہقی)

"ترجمہ: جس کسی کے اولاد ہو اس کو چاہیئے کہ بچہ کا بہتر سے بہتر نام رکھے"

والد محترم جناب مولانا محمد امین الاثری صاحب (صدر مدرس مدرسہ لطفیہ عربیہ علی گڑھ) اپنی معرکۃ الآرا تالیف "تحفہ حدیث" میں نومولود کا اچھا نام رکھنے کی اہمیت اور نام کا اسلام میں معیار، بڑی وضاحت سے تحریر فرماتے ہیں جو ذیل میں مختصراً ہدیۂ ناظرین ہے:-

"رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جسے اولاد کی نعمت سے نوازے اس کو چاہیئے کہ اس کا بہترین نام رکھے کیونکہ نام کا اثر نام والے کی ذات پر بھی پڑتا ہے۔ اس لئے اسلام میں اس بات کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ باپ اپنی اولاد کے لئے ایسے نام کا انتخاب کرے جس سے خدا اور بندہ، عابد و معبود کی اعلیٰ سے اعلیٰ

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱) - الحسن بن علی حین ولدته فاطمة رضی اللہ عنہا بالصلاة"

۲؎ وعن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده عن النبی صلّی اللہ علیه وسلّم: " أنه أمر بتسمية المولود يوم سابعه، ووضع الأذى عنه والعق " (نوٹ: بچہ کے لئے دو جانور اور بچی کے لئے ایک جانور ذبح کرنا مسنون ہے)

۳؎ وقالت عائشة رضی اللہ عنہا: " كان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم يؤتى بالصبيان فيدعولهم بالبركة، ويحنكهم "

صفتوں کا اظہار ہوتا ہو اور ہستی (نام والے) کی ذات پر اچھے اثرات پڑتے ہوں ۔ اگر خدانخواستہ کسی نے ایسا نام چنا جس سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا، یا توحید کے مزاج کیخلاف ہو تو اسلام ایسے نام کو برداشت نہیں کرتا، ایسے غیر اسلامی نام کو فوراً ہی بدل دینا چاہیئے کہ رسولؐ کے زمانہ میں غیر اسلامی اور ناپسندیدہ ناموں کی تبدیلی کی بہت سی نظریں پائی جاتی ہیں ۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم برے نام بدل دیتے تھے (ترمذی) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا: قیامت کے دن خدا کے یہاں سب سے برا نام والا وہ شخص ہے جس کا نام شاہنشاہ ہو ۔ (بخاری) مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپاک وہ شخص ہے جس کا نام بادشاہوں کا بادشاہ ہو ۔ (کیونکہ) خدا کے سوا کوئی بادشاہ نہیں ہے ۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جویریہ کا نام برّہ (نیک) تھا رسولؐ نے ان کا نام بدل کر جویریہ رکھ دیا ۔ آپ کو یہ برا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو کوئی کہے کہ آپ برّہ کے پاس چلے گئے ۔ (مسلم) حضرت ابن عمرؓ نقل کرتے ہیں کہ ایک بیٹی تھی لوگ اس کو عاصیہ کہتے تھے ۔ رسولؐ نے اس کا نام جمیلہ رکھدیا ۔ عبدالحمید بن شعیبہ فرماتے ہیں کہ میں سعید بن المسیب کے پاس بیٹھا تھا انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ان کے دادا "حزن" نبیؐ کی خدمت میں آئے ۔ رسولؐ نے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے ؟ انہوں نے کہا میرا نام "حزن" ہے (یعنی سختی کے ہیں) آپ نے فرمایا (یہ نہیں) بلکہ تمہارا نام "سہل" (یعنی نرمی) ہے انہوں نے عرض کیا کہ میرا نام جو میرے والد نے رکھدیا ہے اب میں اس کو نہیں بدل سکتا ۔ (یہ سن کر آپ خاموش رہے) ابن المسیب فرماتے ہیں کہ پھر اس نام کی نحوست کی وجہ سے ہمیشہ ہمارے خاندان میں غمگینی اور سختی رہی ۔ (بخاری) حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ فرماتی ہیں رسولؐ نے فرمایا اپنے نفسوں کی تعریف نہ کیا کرو ۔ اللہ جانتا ہے کہ نیکوکار کون ہے اس کا نام زینب رکھدو ۔ (مسلم)

سمرہ بن جندبؓ کہتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا کہ تم اپنے بچے کا نام "یسار" اور نہ "رباح" نہ "نجیح" نہ افلح" رکھو کیونکہ اگر تو پوچھے گا اس جگہ وہ ہے اور وہ نہ ہوگا جواب دینے والا کہے گا نہیں ۔ (مسلم) حضرت شریح بن ہانی اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ جب ہم

نی قوم کے ساتھ رسول ؐ کے پاس آئے تو حضور ؐ نے سُنا کہ وہ لوگ انہیں ابوالحکم کے نام سے
کارتے ہیں - رسول ؐ نے انہیں بلا کر پوچھا کہ حکم کرنے والا خدا ہی ہے اور اس کی طرف حکم
منسوب) ہے پھر تمہاری کنیت ابوالحکم کیوں ہے ؟ انہوں نے کہا میری قوم کے لوگ
بں کسی بات میں جھگڑتے ہیں تو میرے پاس آتے ہیں میں ان کا فیصلہ (تصفیہ) کرتا
ہوں تو میرے حکم سے دونوں فریق راضی ہو جاتے ہیں - رسول ؐ نے فرمایا (فیصلہ کرنا) بہت
چھا ہے - اچھا تمہاری اولاد کے کیا کیا نام ہیں ؟ وہ بولے میرے بیٹے شریح اور مسلم اور
بداللہ ہیں - آپ نے فرمایا ان میں بڑا کون ہے ؟ ہانی کہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ شریح
سب سے بڑے ہیں - آپ نے فرمایا تو بس تم ابوالشریح ہو " (ابوداؤد)

الغرض اسلام میں ایسے نام جو توحید کے منافی ہوں یا جن سے اعلیٰ
وصاف کا اظہار نہ ہوتا ہو غلط اور غیر مسنون ہیں -

اسلام میں نام کا معیار : حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول ؐ نے فرمایا قیامت
ے دن تمہیں تمہارے باپ کے نام سے پکارا جائے گا - لہٰذا تم اپنے اچھے نام رکھا کرو - حضرت
دوہب جشمیؓ کہتے ہیں کہ رسول ؐ فرماتے تھے کہ تم لوگ انبیاء کے نام پر اپنے نام رکھا
کرو اور اللہ کے نزدیک سب ناموں میں اچھے نام عبداللہ، عبدالرحمٰن ہیں - اور سب سے
برے نام حارث اور ہمام ہیں اور سب سے برے نام حرب اور مرہ ہیں (جن کے معنیٰ لڑائی اور
لخی کے ہیں) - حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول ؐ نے فرمایا تمہارے ناموں میں سے اللہ
تعالیٰ کو عبداللہ اور عبدالرحمٰن نام سب سے زیادہ زیادہ پسند[1] ہیں - علامہ قرطبی فرماتے ہیں
کہ عبدالرحیم، عبدالصمد، عبدالملک اور اس جیسے دوسرے نام بھی یہی حکم رکھتے ہیں -
سراجیہ میں ہے کہ علی، کبیر، رشید، بدیع وغیرہ نام رکھنے جائز اور درست ہیں کیونکہ یہ
الفاظ مشترک ہیں - جب یہ انسانوں پر بولے جائیں تو اس سے مراد وہ معنیٰ نہیں ہوتے
جو اللہ پر بولنے کے وقت ہوتے ہیں - اصولاً جو بات اس میں سمجھنے کی ہے وہ یہ کہ اللہ
تعالیٰ کے لئے جو الفاظ بطور صفات بولے جاتے ہیں اُن کی دو[2] قسمیں ہیں - ایک[3] وہ قسم

---

[1] قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: " إنَّ أَحبَّ اسمائکم
الی اللہ عبد اللہ، وعبد الرحمٰن "

ہے جو خصوصیت سے اس مرتبہ کے نہیں ہوتے کہ اللہ کی ذات کے سوا کسی اور پر نہ بولے جا سکیں اور دوسری قسم وہ ہے جو اللہ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں پھر اس خصوصیت میں بھی فرق ہے۔ وہ الفاظ جو اللہ تعالیٰ کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں اور دوسروں کے لئے بھی جیسے حیّ، جمیل، حکیم، علی، سلام، وغیرہ ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس میں دیکھا جائے گا کہ استعمال کے قرینہ یہ بتائیں گے یہاں مراد اللہ کی ذات ہے یا کوئی اور شخص۔ تہذیب التہذیب میں بھی اس کی ایک مثال موجود ہے۔ "جمیل" اللہ کا پیارا نام ہے۔ اور لاکھوں مسلمان بھی یہ نام رکھتے ہیں، اور "علی" اللہ کا نام ہے اور کون نہیں جانتا کہ یہی نام حضرت علیؓ کا بھی ہے اور ہزاروں مسلمان اب بھی یہ نام رکھتے ہیں، "سلام" اللہ کا نام ہے لیکن "ابو سلام" نام رکھنا منع نہیں ہے۔ یہ الفاظ ایسے ہیں جن کا استعمال اللہ کی ذات کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ یہ نام رکھنا اور کنیت رکھنا جائز ہے۔ "اعلیٰ" یا "علی" بھی منجملہ انہیں الفاظ کے ہیں۔"

(تحفہ حدیث ص ۱۳۸)

اچھے نام کے بعد نومولود کے دوسرے حقوق، مثلاً بچہ کے کان میں اذان دینا، ساتویں دن عقیقہ کرنا، سر کے بال منڈانا، چاندی یا اس کی قیمت صدقہ کرنا، اور ختنہ کرانا وغیرہ، کی وضاحت کے لئے سرمایۂ حدیث کی طرف رجوع فرمائیں۔ ان کے متعلق شرعی احکامات پہلے ہی مختصراً بیان کئے جا چکے ہیں۔ یہاں ان امور سے متعلق کچھ مروجہ بدعات و رسوم باطلہ کا ذکر کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے۔

برصغیر کے طول و عرض میں آج عقیقہ کو محض ایک رسم سمجھا جانے لگا ہے جو سراسر اسلامی مزاج کے خلاف ہے۔ اس موقع کی بعض بری رسوم بھی مشاہدے میں آئی ہیں مثلاً بعض لوگ لڑکے کے لئے نر اور لڑکی کے لئے مادہ جانور ذبح کرنا ضروری تصور کرتے ہیں۔ یا بعض لوگ عقیقہ کا گوشت ماں اور ماں کے اہل خاندان (مثلاً بچہ کی خالہ یا نانا یا نانی یا ماموں وغیرہ) یا گھر کے افراد کو کھانے نہیں دیتے۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے، محض جہالت و لاعلمی کی بناء پر لوگ ایسا کرتے ہیں۔ عقیقہ کا گوشت بلا استثناء تمام گھر والے خود کھائیں، دوست واحباب اور عزیز و اقارب کو کھلائیں اور صدقہ بھی کریں۔ عقیقہ کرنا والدین پر فرض یا واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ اگر استطاعت ہو تو عقیقہ جیسی سنت

کو محض رسم سمجھ کر ترک کر دینا درست نہیں اور نہ ہی یہ درست ہے کہ محض اس کے لئے انسان مقروض بنے اگرچہ حدیث میں اس کی بہت تاکید وفضیلت بیان کی گئی ہے۔ ساتویں دن عقیقہ کرنا مسنون ہے اگر ساتویں دن کسی پریشانی یا عذر کی بناء پر عقیقہ نہ کر سکیں توجب بھی عذر دور ہو یا پریشانی رفع ہو جائے اور اللہ تعالیٰ استطاعت بخشے تو بلا تاخیر رسول اللہ کی اس محبوب سُنت کو ادا کر ڈالنا چاہیئے۔

ختنہ اور عقیقہ کے موقع پر بعض بُری باتیں بھی دیکھنے میں آتی ہیں۔ مثلاً ناچ رنگ ڈھول گانے باجے یا مجلس میلاد کا اہتمام کرنا، گھوڑے پر بچہ کو سوار کرا کر کسی مسجد یا بزرگ کی قبر تک لیجانا، بچہ کے سر پر پھول وسہرا باندھنا، اس کے چہرے پر کالہ ٹیکہ لگانا، مِنت کے طور پر لڑکے کا کان چھیلانا، سرخ و پیلے رنگ یا کالے رنگ کا دھاگا گلے میں لٹکانا یا بازو اور کمر پہ باندھنا، کوئی سِکّہ یا ہڈی کا ٹکڑا یا لوہے یا چاندی یا سونے کا چاقو گلے میں لٹکانا، بچہ کے سر کے چاروں طرف روپیہ پیسہ کئی بار گھما کر اس کا صدقہ اتارنا اور اسی طرح امام ضامن باندھنا وغیرہ سب غیر شرعی وجاہلانہ رسوم واختراعات ہیں۔ ان سے خود بچنا چاہیئے۔ اور دوسروں کو بھی روکنا چاہیئے ہاں بچہ کو کسی مرض کا نشتر علاجاً لگوانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔[1]

حقوق الرضیع والمرضع

اسلام سے قبل بھی اہل عرب میں بچہ کی رضاعت کا حق معروف تھا چنانچہ شرفائے مکہ اپنے بچوں کو دُودھ پلانے کے لئے صحرائی علاقوں کے اچھے قبائل میں بھیج دیتے تھے تاکہ عمدہ آب ہوا میں پرورش پائیں اور خالص عربی بھی سیکھ لیں۔ شہروں میں بچوں کی نگہداشت و پرورش اتنی توجہ وعزیمت سے نہیں ہو پاتی تھی جتنی کہ یہ صحرا کی دودھ پلانے والی عورتیں کیا کرتی تھیں چنانچہ محمد الخضری لکھتے ہیں: "فکان من عادتهم أن یلتمسوا المراضع لمواليدهم في البوادي ليكون أنجب للولد وكانوا يرون أن المربي في المدن قليل الذهن فاتر العزيمة۔" (نور الیقین

---

[1] ان چیزوں سے متعلق شرعی احکامات آگے "بچوں کے امراض ونظرِ بد کا علاج" کے زیرِ عنوان پیش کئے جارہے ہیں۔ لہذا مذکورہ عنوان کے تحت تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

فی سیرۃ سید المرسلین لمحمد الخضری صک الطبعۃ السابعۃ القاہرہ ۱۳۵۴ھ)۔
شرفائے عرب کی اس عادت کے باعث باہر کے مختلف قبیلوں کی عورتیں وقتاً فوقتاً بستیوں و شہروں میں گھوما کرتی تھیں اور سرداروں کے بچے لیجایا کرتی تھیں جن سے اُن کو معقول معاوضے ملتے تھے اور بعد میں بھی حسن سلوک کی توقع ہوتی تھی۔ مشہور سیرت نگار ڈاکٹر محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں کہ "شرفائے مکہ میں آج بھی یہ رواج قائم ہے۔ وہ اپنے بچوں کو ولادت کے آٹھویں روز صحرا میں بھیج دیتے ہیں تاکہ وہ وہاں آٹھ یا دس سال کی عمر تک رہیں۔ صحرا کے کچھ قبائل عمدہ مراضع فراہم کرنے کے لئے خاص طور پر مشہور ہیں مثلاً قبیلہ بنی سعد" (حیاۃ محمد لمحمد حسین ہیکل ترجمہ انگریزی صہ ۴۸-۴۹ مطبوعہ امریکہ)
حسب رواج حضور صلی اللہ علیہ وسلم (جنہوں نے ابتداءً چند روز ابولہب کی لونڈی ثُوَیبہ کا دودھ[۱] پیا تھا) کی ولادت کے کچھ مدت بعد بنی سعد بن بکر[۲] کی کچھ عورتیں بچے لینے کے لئے مکہ گئیں جن میں حلیمہ بنت ابی ذؤیب بھی اپنے شوہر حارث بن عبداللہ کے ساتھ شامل تھیں۔ کوئی عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لینے پر راضی نہ ہوتی تھی۔ ہر ایک کہتی تھی کہ بچہ یتیم ہے، باپ ہوتا تو ہم اس سے کچھ حسن سلوک کی اُمید رکھتے، بیوہ ماں اور دادا سے معلوم نہیں کچھ ملے یا نہ ملے۔ چنانچہ دوسری تمام عورتوں نے دوسرے بچے لے لئے اور حلیمہ بنت ابی ذؤیب کو کوئی بچہ نہ ملا (اس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کا لاغر و مفلس نما بدن مکہ کی عورتوں کو پسند نہیں آتا تھا[۳]) قبیلہ کی سب عورتیں جب واپس جانے کیلئے تیار ہوئیں تو حلیمہ بنت ابی ذؤیب نے اپنے شوہر سے کہا میں خالی ہاتھ جانا پسند نہیں کرتی، جاکر اُسی یتیم بچہ کو لئے لیتی ہوں۔ شوہر نے کہا: کیا مضائقہ ہے اگر تو ایسا کرے، ہوسکتا ہے کہ اللہ اُسی میں ہمیں برکت دے دے۔ چنانچہ وہ گئیں اور صرف اس لئے

---

[۱] ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام، دی لائف آف محمد لمحمد حسین ہیکل صہ ۴۹، سیرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم لسید ابو الاعلیٰ مودودی ج ۲ صہ ۲ و ابن سعد وغیرہ

[۲] قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ

[۳] دی لائف آف محمد صہ ۴۹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے لیا کہ انہیں کوئی بچہ نہیں ملا تھا[1]۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت کی سعادت حلیمہ بنت ابی ذؤیب السعدیۃ کو نصیب ہوئی ۔ بہ اختلاف روایات حلیمہ بنت ابی ذوئب نے مکمل دو[2] سال تک رسول اللہ کو دودھ پلایا اور دو[2] سال مزید تک آپ کی نگہداشت و پرورش کی[1]۔ اپنی رضاعت وصحرائی پرورش کے دوران رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عربی زبان پر خوب دسترس حاصل کر لی تھی چنانچہ آپ اپنے ساتھیوں سے فرمایا کرتے تھے :-

انا اعربکم انا قرشی واسترضعت فی بنی سعد بن بکر[3]

"ترجمہ: میں تم میں سب سے زیادہ عربی داں ہوں، میں قریشی ہوں اور بنی سعد بن بکر میں میری رضاعت کا زمانہ گزرا ہے ۔"

مرحلہ رضاعت میں اسلام نے مرضع و رضیع دونوں کے لئے خصوصی حقوق و رہنما اصول مقرر کئے ہیں ۔ قرآن میں خدا تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے ۔

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ ج وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ ط لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ ط وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ط (الطلاق - ۶ ، ۷)

"ترجمہ: پھر اگر وہ تمہارے لئے (بچے کو) دودھ پلائیں تو ان کی اُجرت انہیں ادا کرو اور بھلے طریقے سے (اُجرت کا معاملہ) باہمی گفت شنید سے طے کر لو۔ لیکن اگر تم نے (اُجرت طے کرنے میں) ایک دوسرے کو تنگ کیا تو بچے کو کوئی اور عورت دودھ پلائے گی۔ خوشحال آدمی اپنی خوشحالی کے مطابق نفقہ ادا کرے اور جس شخص کو رزق کم دیا گیا ہو وہ اُسی

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ، دی لائف آف محمدؐ، سیرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم لسید مودودی ج ۲

[2] ابن سعد کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دو سال اور حلیمہؓ کے ہاں رہے مگر ابن اسحاق کی روایت اس سے مختلف ہے ۔

[3] دی لائف آف محمدؐ ص۵۲ وسیرۃ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم لسید مودودی ج ۲ ص۹۵

مال میں سے خرچ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اُسے دیا ہے "

اللہ تعالیٰ نے رضاعت کے سلسلے میں پیدا ہونے والے تمام سوالات وشکوک وشبہات کے جوابات مندرجہ بالا آیات میں خوب واضح طریقے پر بیان فرما دیئے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے : (۱) ماں اپنے دُودھ کی مختار اور مالک ہے (۲) طلاق کی صورت میں وہ بچہ کو دُودھ پلانے پر قانوناً مجبُور نہیں ہے (۳) اگر بچہ کا باپ بچہ کو اس کی اصل ماں سے دودھ پلوانا چاہے اور بچہ کی ماں بھی اُس کو دودھ پلانے پر رضا مند ہو تو وہ اُسے دُودھ پلائے گی اور اس خدمت کے لئے اُجرت کی مجاز ہوگی (۴) بچہ کا باپ قانوناً مجبور نہیں ہے کہ بچہ کی ماں ہی سے اُس کو دُودھ پلوائے (۵) بچہ کی رضاعت ونفقہ کا فرض باپ پر عائد ہوتا ہے (۶) بچے کو دودھ پلانے کی اوّلین حقدار ماں ہے (۷) دوسری عورت سے بچہ کی رضاعت کا کام اُسی صورت میں لیا جائے جب کہ بچہ کی ماں اس خدمت کے لئے راضی نہ ہو یا رضاعت کی ایسی اُجرت طلب کرتی ہو جس کا ادا کرنا باپ کی قدرت سے باہر ہو (۸) اگر دوسری عورت بھی بچہ کو دودھ پلانے کی وہی اُجرت طلب کرتی ہو جو کہ بچہ کی اصل ماں طلب کرتی ہے تو ایسی صورت میں ماں سے رضاعت کی خدمت لی جائے گی ۔

اس مسئلہ کی مزید توضیح وتشریح فقہائے اسلام اس طرح فرماتے ہیں : " ضحاک کا قول ہے کہ بچہ کی ماں اُسے دُودھ پلانے کی زیادہ حق دار ہے مگر اُس کو اختیار ہے خواہ دودھ پلائے یا نہ پلائے ۔ لیکن اگر بچہ کسی دوسری عورت کی چھاتی قبول نہ کرتا ہو تو ایسی صورت میں بچہ کی اصل ماں کو ہی اُس کی رضاعت کے لئے مجبور کیا جائے گا ۔ اِسی سے ملتی جلتی رائے قتادہ وابراہیم نخعی اور سفیان ثوری کی بھی ہے ۔ ابراہیم نخعی مزید یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر بچہ کی رضاعت کے لئے کوئی دوسری عورت نہ مل رہی ہو تب بھی بچہ کی اصل ماں کو اُسے دُودھ پلانے پر مجبُور کیا جائیگا ۔ (ابن جریر)

فقہائے حنفیہ کے نزدیک " اگر ماں باپ کی علیحدگی کے وقت بچہ چھوٹا ہوا اور دُودھ پیتا ہو تو اُس کی ماں پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ وہی بچہ کو دودھ پلائے ۔ البتہ اگر کوئی دوسری عورت اس خدمت کے لئے نہ ملتی ہو تو ماں کو رضاعت پر مجبور کیا جائے گا ۔ اگر باپ یہ کہتے کہ میں بچہ کی اصل ماں کو اُجرت دے کر دُودھ پلوانے کے بجائے کسی دوسری

عورت سے اُجرت پر یہ خدمت لوں گا اور ماں بھی اُس دوسری عورت کے برابر اُجرت طلب کر رہی ہو یا بلا اُجرت ہی خدمت رضاعت کے لئے رضامند ہو تو ایسی صورت میں ماں کا حق مقدم مانا جائے گا۔ لیکن اگر بچہ کی ماں دوسری عورت کے مقابلہ میں زیادہ اُجرت طلب کرتی ہو تو باپ کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ (ہدایۃ)

مرحلۂ رضاعت کی مزید توثیق و تکمیل و تاکید اور اس کی مدت کے تعین کے لئے قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ	” ترجمہ: جو باپ چاہتے ہوں کہ ان
اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ	کی اولاد پوری مدتِ رضاعت
لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ	تک دُودھ پیئے تو مائیں اپنے بچوں
وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ	کو کامل دو سال دودھ پلائیں۔ اس
كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ	صورت میں بچے کے باپ کو معروف
نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ	طریقے سے انہیں کھانا کپڑا دینا ہوگا۔
وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ	مگر کسی پر اُس کی وسعت سے بڑھ
بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ	کر بار نہ ڈالنا چاہیئے ۔ نہ تو ماں کو
مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا	اس وجہ سے تکلیف میں ڈالا جائے
عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ	کہ بچہ اُس کا ہے، اور نہ باپ ہی
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ	کو اس وجہ سے تنگ کیا جائے کہ
اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا	بچہ اُس کا ہے ۔ دودھ پلانے والی
اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ	کا یہ حق جیسا بچہ کے باپ پر ہے،
اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ	ویسا ہی اُس کے وارث پر بھی ہے۔
بِالْمَعْرُوْفِ ؕ (البقرۃ - ۲۳۳)	لیکن اگر فریقین باہمی رضامندی اور

مشورے سے دُودھ چھڑانا چاہیں تو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور اگر تمہارا خیال اپنی اولاد کو کسی غیر عورت سے دودھ پلوانے کا ہو، تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس کا جو کچھ معاوضہ طے کرو وہ معروف طریقے پر ادا کرو۔“

سورۃ بقرہ کی اس آیت سے جو اہم اور نئی باتیں معلوم ہوئی ہیں وہ یہ ہیں (۱) بچہ کی مکمل مدتِ رضاعت[1] دو سال ہے (۲) بچہ کو مکمل دو سال دودھ پلوانا قانوناً شرط نہیں ہے (۳) اگر فریقین باہمی صلاح و مشورہ سے بچہ کے دودھ کو دو سال سے قبل چھڑانے پر رضامند ہو جائیں تو یہ بھی جائز ہے (۴) یتیم بچہ کی رضاعت کی ذمہ داری اس کے اولیاء پر عائد ہوتی ہے۔ بچہ کی مدتِ رضاعت کے متعلق خدا تعالیٰ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر فرماتا ہے:-

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ	"ترجمہ: اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے
حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَ	انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے
هْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ	کی خود تاکید کی ہے۔ اس کی ماں
أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ط	نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اُسے
إِلَيَّ الْمَصِيرُ۔ (لقمٰن - ۱۴)	اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال

اُس کا دودھ چھوٹنے میں لگے (اسی لئے ہم نے اُس کو نصیحت کی ہے کہ) میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا شکر بجا لا۔ میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے"۔

اگر کسی بچہ نے کسی عورت کا دودھ مدتِ رضاعت کے اندر پیا ہو تو از روئے شریعت حرمتِ رضاعت ثابت[2] ہو گی لیکن بعد کی کسی رضاعت کا کوئی لحاظ نہ کیا جائے گا۔

---

[1] امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک بچے کی مدتِ رضاعت دو[2] سال ہے۔ امام مالکؒ سے بھی ایک روایت اسی قول کے حق میں ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ نے مزید احتیاط کا راستہ اختیار کیا ہے اور رضاعت کی مدت ڈھائی[۲½] سال تجویز کی ہے۔

[2] جیسا کہ قرآن حکیم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ ..... أُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ .... (النساء - ۲۳) "ترجمہ: تم پر حرام کی گئی ہیں .... اور وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ شریک بہنیں۔" مزید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: "یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب۔" (حدیث

گا۔ فقہاء کے درمیان حرمتِ رضاعت ثابت ہونے کے لئے "بچہ کے دودھ پینے کی عمر" متعین کرنے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ و امام مالک رحمہم اللہ کے نزدیک بچہ کے دودھ پینے کی مقدار اگر اتنی ہے جتنی کہ روزہ توڑنے کے لئے کافی ہوتی ہے تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ امام احمدؒ کے نزدیک تین مرتبہ اور امام شافعیؒ کے نزدیک پانچ مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔

حضرت عمرؓ، ابن مسعود، ابوہریرہ اور ابن عمر کا قول ہے کہ دو سال کے اندر جو دودھ پیا جائے صرف اُسی سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی۔ امام شافعی، امام احمد، امام ابویوسف امام محمد اور سفیانؒ ثوری بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کا بھی ایک قول اسی مسلک کی تائید میں موجود ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک بھی حرمتِ رضاعت کی یہی حد ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ دو سال سے اگر دو مہینہ بڑھ بھی جائے تو اس مدت میں بھی دودھ پینے کا وہی حکم ہے جو دو سال سے قبل کا ہے۔

امام ابوحنیفہ و امام زُفر کا قول ہے کہ ان کے نزدیک مدتِ رضاعت چونکہ ڈھائی سال ہے اس لئے اس مدت کے اندر دودھ پینا حرمتِ رضاعت ثابت کرے گا۔

حضرت عائشہؓ و حضرت علیؓ کے ساتھ فقہاء میں سے عروہ بن زبیر، عطاء، لیث بن سعد اور ابن حزم کا قول ہے کہ حرمتِ رضاعت کے لئے اصل اعتبار دودھ پینے کا ہے نہ کہ عمر کا۔ خواہ کسی عمر میں دودھ پیا جائے اُس سے حرمت ثابت ہوگی۔ دودھ پینے والا اگر بوڑھا بھی ہو تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو شیر خوار بچہ کا ہے۔

اُمِ سلمہ اور ابن عباس کی رائے ہے کہ اعتبار صرف اُس مدت میں دودھ پینے کا کیا جائے گا جب کہ بچہ کا دودھ چھڑایا نہ گیا ہو اور اُس کی غذا کا انحصار شیر خواری پر ہو۔ اگر کسی بچہ نے دودھ چھڑانے کے بعد کسی عورت کا دودھ پیا تو اُس کی حیثیت ایسی ہی ہے۔ جیسے اس نے پانی پیا ہو۔ حضرت علیؓ سے بھی ایک روایت اس معنی میں وارد ہوئی ہے۔ زُہری، حسن بصری، قتادہ، عکرمہ اور اوزاعی اسی کے قائل ہیں۔

جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر اِن شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے

عشری اور خراجی اراضی

پاکستان میں عشری نہیں صرف خراجی زمین ہے

پروفیسر رفیع اللہ شہاب

جناب رفیع اللہ صاحب لاہور کا ایک مراسلہ آپ کی نظر سے خطوط و آرا کے کالموں میں گزرے گا۔ موصوف نے ایک مضمون جو نوائے وقت میں شائع بھی ہو چکا ہے قارئین میثاق کے لئے بھیجا تھا۔ جو پیش خدمت ہے ہمیں فاضل مضمون نگار کی بعض آرا سے اتفاق نہیں تاہم بایں ہمہ اس کو اس لئے شائع کیا جا رہا ہے کہ یہ اسلام کے نظام زکوٰۃ پر سوچ بچار کرنے والوں کے لئے غور و فکر کی چند راہیں کھولتا ہے (مرتب)

نظام زکوٰۃ کے بارے میں عبدالوہاب شعرانی نے اپنی مشہور کتاب المیزان الکبریٰ جلد دوم کے صفحہ ۲ پر اس بارے میں امتِ مسلمہ کے تمام علماء کا اجماع نقل کیا ہے (اجمع العلماء ان لیس مع الزکوٰۃ شیئاً)

اسلامی ریاست میں حکومت کے تمام اخراجات نظام زکوٰۃ سے اکٹھا ہونے والی آمدنی ہی سے پورے ہوتے ہیں اور اس نظام کی سب سے بڑی مد خراجی زمین ہے آج بھی اس مد سے اتنی آمدنی حاصل ہو سکتی ہے کہ کسی مزید ٹیکس کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اسلامی قانون کے مطابق تمام مفتوحہ ممالک جن میں برصغیر پاکستان و بھارت شامل ہیں کی اراضی خراجی کے ذیل میں آتی ہیں۔ تمام اسلامی ادوار میں اس اسلامی قانون پر سختی سے عمل ہوتا رہا ہے یہاں تک کہ ۱۷۹۳ء میں انگریزوں نے بنگال کے بندوبست دوامی کے ذریعے یہاں کی اراضی کی حیثیت بدل دی اور غیر حاضر۔ زمینداروں کا ایک طبقہ پیدا کر دیا۔ ان زمینداروں نے اپنی طرف سے عشر ادا کرنا شروع کیا اور کوشش کی کہ علماء اس کے جواز کا فتویٰ دیں لیکن چونکہ ایک دفعہ خراجی قرار دی ہوئی زمین ابد تک عشری میں تبدیل نہیں کی جا سکتی۔

اس لئے دارالعلوم دیوبند کے دارالافتا۔ میں اس بارے میں جو سینکڑوں فتوے پوچھے گئے ان سب کا یہی جواب دیا گیا کہ یہ اراضی کسی صورت میں عشری میں تبدیل نہیں ہو سکتی ہاں، احتیاطاً کوئی عشر ادا کرے تو اس کی اپنی مرضی ہے۔

اس موضوع پر راقم کا ایک مفصل مضمون نوائے وقت میں شائع ہو چکا ہے مجھے توقع تھی کہ علماء کرام اس سلسلے میں کچھ وضاحت فرمائیں گے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ہاں اسلامی نظام کے نفاذ کے نعرے تو تیس سال سے لگ رہے ہیں لیکن اس مقصد کے لئے جس قدر "ہوم ورک" کی ضرورت ہے اس سے پہلو تہی کی جاتی رہی اس موضوع پر راقم نے پندرہ سال پہلے تحقیقی کام شروع کیا اور ۱۹۶۹ء میں اسلام آباد میں منعقد ہونے والی بین الاقوامی کانفرنس میں ایک مختصر سی میٹنگ میں اسلامی نظریاتی کونسل کے اس وقت کے چیئرمین علامہ علاؤ الدین صدیقی نے نظام عشر پر گفتگو شروع کی تو راقم نے بہت سے اہل علم کی موجودگی میں اس کی تصحیح کی کہ ہمارے ملک کی اراضی 'خراجی' کے ذیل میں آتی ہیں جن پر عشر کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اور اس کے ساتھ ہی اسلامی فقہ کی معتبر کتابوں سے تمام حوالہ جات ان کے سامنے رکھ دیئے۔ علامہ شاہ محمد جعفر پھلواری اور ادارہ تحقیقات اسلامی کے سکالروں نے میرے نقطۂ نظر کی تائید کی چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ میں نظریاتی کونسل کی رہنمائی کے لئے ایک مسلسل کتاب اس موضوع پر تیار کر دوں جس کی نگرانی مسٹر خالد اسحاق ایڈووکیٹ کریں گے جو اس وقت اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک سینئر رکن تھے اور آج بھی اس منصب پر فائز ہیں۔ راقم نے خالد صاحب کی لائبریری میں بیٹھ کر دو ماہ میں مطلوبہ کتاب تیار کر کے ان کے حوالے کی اور ساتھ ہی اس کے مطابق ۱۹۷۹ء کا قومی بجٹ بھی بنا دیا جس میں موجودہ ٹیکسوں میں سے ایک ٹیکس بھی نہ تھا۔ میرا تحقیقی کام ان حضرات کے لئے اچنبھے کی بات تھی اس لئے انہوں نے مختلف ذرائع سے اسے چیک کرایا۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کے اسکالروں نے بھی اس کی تصدیق کر دی اور پھر ادارہ نے اسے کتاب کی صورت میں اسلامی ریاست کا مالیاتی نظام کے عنوان سے شائع کر دیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اب جب زکوٰۃ اور عشر آرڈیننس نافذ کیا گیا ہے تو اسلامی نظریاتی کونسل کے سامنے یہ تفصیلات نہیں تھیں۔ اتفاق سے انہی دنوں مسٹر خالد اسحاق ایڈووکیٹ جن کی نگرانی میں راقم نے یہ تحقیقی کام کیا تھا، ادارۂ تحقیقات اسلامی میں تشریف لاتے۔ جہاں اسکالر اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ راقم نے خالد صاحب کو یاد دلایا

کہ انہوں نے عشر کا نیا قانون بناتے وقت پچھلے تمام تحقیقی کام کو نظر انداز کر دیا ہے - اور ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ان کے گوش گزار کی کہ اُمتِ مسلمہ کے ستر فقہی مذاہب کہ جن میں سے اکثر اب ختم ہو چکے ہیں کے تمام فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے - اور اسلامی فقہ کی ڈیڑھ ہزار کتابوں میں کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی جس کے تحت پاکستان کی اراضی کو عشری کے ذیل میں لایا جا سکے - ادارہ تحقیقات اسلامی کے اسکالروں نے تو کچھ ناراضگی کا بھی اظہار کیا کہ یہ ادارہ اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے تحقیقی مواد فراہم کرنے کی خاطر قائم کیا گیا لیکن اگر ان کی تحقیق کو درخور اعتنا نہیں سمجھا جاتا تو پھر اس ادارے پر غریب عوام کے کروڑوں روپے خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے - میں نے خالد صاحب سے یہ بھی درخواست کی کہ صدر صاحب نیک نیتی سے اسلامی قانون نافذ کرنا چاہتے ہیں اس لئے خدا کے لئے ان کے سامنے صحیح تفصیلات پیش کی جائیں خالد صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ نظریاتی کونسل کے چیئرمین کی توجہ اس طرف دلائیں گے - علمائے کرام کو اس مسئلہ کی اہمیت کی طرف توجہ دلانے کے لئے فقہ کی ابتدائی کتاب "مالا بد" کا حوالہ یہاں غیر مناسب نہ ہوگا - یہ کتاب کروڑوں کی تعداد میں شائع ہوتی ہے اور مصنف نے علماء حضرات کو نظریاتی بحثوں میں گم ہونے سے بچانے کے لئے اس میں سے وہ تمام بحثیں خارج کر دی ہیں - جن کا برصغیر پاکستان و بھارت سے کوئی تعلق نہیں - عشر کا مسئلہ انہوں نے ایک چوتھائی سطر میں حل کر دیا ہے کہ چونکہ برصغیر میں کوئی عشری زمین نہیں اس لئے عشر کے مسائل بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں اور آخر میں فقہ کی سب سے بڑی کتاب فتاویٰ عالمگیری کا ایک حوالہ ملاحظہ ہو جس کے مطابق اگر کسی مسلمان علاقے پر دشمن کچھ عرصے کے لئے غالب آ جائے اور مسلمان اسے پھر دوبارہ حاصل کر لیں تو اس کی اراضی اپنی اصل یعنی خراجی حیثیت کی طرف لوٹ آئیں گی (جلد سوم اردو ایڈیشن صفحہ ۵۲ مطبوعہ شیخ غلام علی لاہور) اُمید ہے علماء حضرات فقہ کی کتابوں میں اس مسئلہ کا مطالعہ فرما کر اس کی صحیح اسلامی حیثیت عوام کے سامنے لائیں گے -

یہ دَور اپنے براہیمؑ کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الاّ اللہ

تعارف الکتاب

پہلا پارہ

الٓـمّٓ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ

الٓمّٓ ۚ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْہِ ۚ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ۚ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ۗ

اب سے ایک ہزار چار سو گیارہ برس قبل رمضان المبارک کے ہی مہینے میں ایک مقدس اور مبارک رات کو پورا قرآن مجید لوحِ محفوظ سے سمائے دُنیا تک نازل ہوا۔ اور اسی مبارک مہینے میں قرآن مجید کا نزول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر شروع ہوا آنحضورؐ پر قرآن مجید کا یہ نزول لگ بھگ تیئس ۲۳ برسوں میں مکمل ہوا۔ اس رات میں ہر سال رمضان مبارک ہی میں جس قدر قرآن مجید اس وقت تک نازل ہو چکا ہوتا تھا۔ اُس کا مذاکرہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ کرتے تھے تا آنکہ اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری رمضان مُبارک میں آنحضورؐ نے پورے قرآن مجید کا مذاکرہ حضرت جبرائیل علیہ السّلام کے ساتھ دو مرتبہ کیا۔ اسی طرح گویا قرآن مجید کی ترتیب خود نبی اکرم صلی علیہ وآلہ وسلم نے متعین فرمائی اور وہ قرآن مجید کو اُمتِ مسلمہ کو منتقل فرما کر اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلّم کے عہدِ مُبارک میں اور اس کے بعد صحابہ کرامؓ کے دور میں قرآن مجید کی تقسیم صرف سورتوں اور آیات میں تھی۔ اس کے

لاوہ صرف ایک لفظ ہمیں ادر ملتا ہے اور وہ احزاب کا یا منزلوں کا ہے۔ اس کو اس طرح ٹروپ کر دیا گیا کہ وہ سات حصّوں میں منتقل ہو گیا تاکہ ایک حصّہ یا ایک جزو، یا ایک منزل وزانہ تلاوت کر کے ہر ہفتے میں قرآن مجید کی تلاوت مکمل ہو جاتے۔ بعد میں مسلمانوں کا یان اور اسلام کا جوش و خروش قدرے کم ہوا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن مجید کو تیس حصّوں میں تقسیم کر دیا جائے تاکہ ہر مسلمان ہر روز ایک پارہ پڑھ کر ہر مہینے میں قرآن مجید کی تلاوت مکمل کر لیا کرے۔ چنانچہ یہ قرآن مجید کے تیس پارے وجود میں آئے۔ اور اس کے ساتھ ہی ہر پارے کو بلکہ یوں کہنا مناسب ہو گا کہ ہر سُورت کو رکوعوں میں تقسیم کیا گیا۔ اور اس تقسیم سے آج ہم زیادہ واقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس پروگرام میں روزانہ ایک پارے کے بارے میں کچھ اہم باتیں بیان کی جائیں گی۔ قرآن حکیم کا پہلا پارہ جو "الٓمّٓ" کے نام سے موسوم ہے سُورۃ فاتحہ اور سُورہ بقرۃ کی ایک سو اکتالیس آیات پر مشتمل ہے۔ سُورۂ فاتحہ جو ہماری نماز کا جزوِ لازم ہے۔ قرآنِ کریم کی اہم ترین سُورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بہت سے نام بھی ہیں۔ اُسے اُم القرآن بھی کہا گیا ہے۔ اور اساس القرآن بھی کہا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ قرآن مجید کے فلسفہ و حکمت کے لئے بمنزلہ اساس ہے۔ اسی طرح اس کا نام الکافیہ اور الشافیہ بھی ہے سُورہ فاتحہ اس کو اسلئے کہتے ہیں کہ یہ قرآن مجید کی افتتاحی سُورت ہے۔ یہ سات آیات پر مشتمل ہے اور اس میں درحقیقت انسانی فطرت کی ترجمانی کی گئی ہے کہ ایک سلیم الفطرت صحیح العقل انسان اس حقیقت تک بھی رسائی حاصل کر لیتا ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے ایک مالک ہے اور وہی اس کا پروردگار اور پالن ہار ہے۔ جو رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ پھر اس حقیقت تک بھی رسائی ہو جاتی ہے کہ انسانی اعمال عبث اور بیکار نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا نتیجہ نکل کر رہے گا۔ اور انسان کو اپنے اعمال کی جزا یا سزا مل کر رہے گی۔ اور اس کا پورا اختیار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہو گا جو ربّ العالمین ہے۔ اس کے بعد اس سُورۂ مبارکہ کے آخر میں گویا کہ انسانی فطرت کی اس پکار کا ذکر کیا گیا اور اس کو الفاظ کا جامہ پہنایا گیا کہ اس دُنیا

ہیں زندگی بسر کرنے کے لئے انسان ایک متوازن اور معتدل راستے کا محتاج ہے اور یہ متوازن اور معتدل راستہ انسان اپنی عقل سے معین نہیں کر سکتا بلکہ اس کے لئے وہ مجبور ہے کہ اللہ ہی سے درخواست کرے کہ وہ اس کے سامنے صراطِ مستقیم کو واضح کرے اور اس پر چلنے کی اسے توفیق عطا فرمائے۔ اس سُورۃ فاتحہ کا گویا کہ جواب ہے پُورا قرآن مجید۔ یہی وجہ ہے کہ اگلی سُورت، سُورۃ بقرہ شروع ہوتی ہے انہیں الفاظ سے کہ" الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ" یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں اور یہ ہدایت ہے اُن لوگوں کے لئے کہ جن کے دلوں میں خوفِ خدا ہو۔ جن میں نیکی کا شعور اور احساس موجود ہو۔ جو بھلائی کے، ہدایت کے، طالب ہوں۔ اُن کے لئے کامل ہدایت نامہ اس قرآن شریف کی صورت میں انسانوں کو اللہ تعالےٰ نے عنایت فرما دیا۔

سُورہ بقرہ کی ایک سو اکتالیس آیات آئی ہیں۔ یہ سُورہ مبارکہ قرآن مجید کی طویل ترین سُورت ہے۔ یہ ایک سو اکتالیس آیات سولہ رکوع میں منقسم ہیں جن میں سے پہلے دو رکوع تمہیدی نوعیت کے ہیں جن میں تین قسم کے انسانوں کا ذکر ہے ایک وہ جو قرآن مجید سے صحیح طور پر مستفیض ہو سکتے ہیں اس استفادے کی شرائط ان لوگوں کے اوصاف کی صورت میں بیان کر دی گئی ہیں دوسرے وہ لوگ جو اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث یا اپنے تعصب کی بنیاد پر یا تکبّر یا حسد کی وجہ سے کفر پر اڑ گئے ہیں۔ اور اب گویا کہ انہوں نے قرآن کریم کی ہدایت سے اپنے آپ کو یکسر محروم کر لیا ہے۔ اور ان دونوں کے مابین ایک تیسرا گروہ ہے جسے ہم منافقین کے نام سے جانتے ہیں۔ جو مدعی تو ایمان کے ہوتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں ایک روگ ہوتا ہے۔ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ اور یہ روگ جو ہے ان کو ایمان کی طرف یکسو نہیں ہونے دیتا۔ اس کے بعد تیسرے رکوع میں گویا کہ قرآن مجید اپنی دعوت کا خلاصہ پیش کرتا ہے۔ اس کی اہم ترین آیت ہے يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ٥ۙ۔ اے انسانو! بنی آدم! اپنے اُس ربّ کی بندگی اور پرستش اور اطاعت اور غلامی اختیار کرو جس نے تمہیں پیدا فرمایا۔ اور تم سے پہلے جتنے انسان ہو گذرے ان سب کو پیدا کیا۔ اس کے بعد پھر انتہائی دلنشیں پیرائے میں سولھویں رکوع میں یہود کو دعوت دی گئی کہ ایمان لاؤ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر اتباع کرو اسی دینِ ابراہیمی کا، اسی مِلّتِ ابراہیمی کا جس پر خود نبیؐ کاربند ہیں۔ اور جس کی طرف اب تمہیں دعوت دے رہے ہیں۔ یہ دعوت ختم ہوتی ہے بڑے ہی بلیغ پیرائے میں کہ اے اہلِ کتاب اے بنی اسرائیل ہمارے اور تمہارے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید پر کاربند تھے۔ اسی توحید کی دعوت اور اسی کی وصیّت انہوں نے اپنی نسل کو کی تھی۔ اور اسی دعوت کو محمد رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلّم آج تمہارے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ اب اگر تم اس سے روگردانی کروگے تو یہ بات کہ تم ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہو اور جلیل القدر انبیاء تمہاری نسل سے پیدا ہوئے۔ اللہ کے عذاب سے تمہیں بچا نہ سکے گی بلکہ اب اللہ کے عذاب سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؐ پر ایمان لاؤ۔

دوسرا پارہ

سَیَقُوْلُ

سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝

قرآن مجید کا دوسرا پارہ جو سیقول کے نام سے موسوم ہے کل کا کل سورہ بقرہ کی ایک سو گیارہ آیات پر مشتمل ہے۔ یعنی آیت نمبر ۱۴۲ تا آیت نمبر ۲۵۲۔ یہ آیات تقریباً پونے سترہ رکوعوں میں منقسم ہیں۔ جن میں سے پہلے دو رکوعوں

میں تحویل قبلہ کا حکم وارد ہوا ہے۔ یعنی یہ کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ نماز میں اپنا رُخ بیت المقدس کے بجائے مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ کی طرف کریں۔ تحویل قبلہ کا یہ حکم درحقیقت علامت تھا اس بات کی کہ حامل کتاب الٰہی اور اللہ تعالےٰ کی شریعت کے امین ہونے کی حیثیت سے جو مقام اور جو مرتبہ ایک طویل عرصے سے بنی اسرائیل کو حاصل تھا اب وہ اس مقام سے معزول کئے جاتے ہیں اور ان کی جگہ اُمّت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مرتبہ اور مقام پر فائز کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اب بنی اسرائیل کے مرکز یعنی بیت المقدس کی بجائے آئندہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اہل توحید کا قبلہ خانہ کعبہ ہوگا۔ اس تحویل قبلہ کے حکم کے ضمن میں یہ بات بھی فرما دی گئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت دراصل اس دُعائے ابراہیمی کا ظہور ہے جس کا ذکر پہلے پارے کے آخر میں ہو چکا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا۔ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ الخ

ایسے ہی ہم نے مبعوث کیا تم پر اپنا رسولؐ جو تمہیں میں سے ہے۔ تمہیں سناتا ہے ہماری آیات اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے۔ تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ نبی اکرم صلعم کی اُمّت ہونے کی حیثیت سے اب مسلمانوں کے کاندھوں پر جو نازک ذمہ داری آگئی ہے۔ اس کا ذکر بھی اس دوسرے پارے کے بالکل آغاز میں فرمایا گیا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط

اور اس طرح ہم نے تمہیں بہترین اُمّت بنایا۔ تاکہ تم گواہ بن جاؤ پوری نوع انسانی پر اور نبی گواہ ہو جائیں تم پر۔ یعنی جو پیغام ربانی نبی صلعم نے تم تک پہنچایا اور تم پر اللہ کی طرف سے حجت قائم کر دی۔ اب اسی پیغام کو پوری نوع انسانی تک پہنچانا تمہاری ذمہ داری ہے۔ وہ دین حق جو ہم نے نبی کو دے کر بھیجا جس کی تبلیغ اور جس کا دنیا میں قائم کرنا ان کا فرض منصبی ہے۔ اب وہ فرض بحیثیت اُمّت تمہارے کاندھوں پر آگیا ہے۔ چنانچہ اس کے فوراً بعد خطاب شروع ہوا اُمّت مسلمہ سے بحیثیت اُمّت

مسلمہ۔ پہلے پارے میں اکثر و بیشتر خطاب کا رُخ یہود کی طرف تھا۔ لیکن اس دوسرے پارے میں خطاب اُمت مسلمہ سے ہے۔ اور آغاز میں پیشگی تنبیہ فرما دی گئی کہ مسلمانو! جو نازک ذمہ داری تمہارے کاندھوں پہ ہے اس کے لئے تمہیں ہر نوع کے خطرات سے دوچار ہونے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط اس سارے راستے میں کامیابی کے لئے تمہیں صبر اور نماز سے مدد حاصل کرنی چاہیئے۔

اس راہ میں ہر طرح کی آزمائشوں سے تمہیں دوچار ہونا ہوگا۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۙ

اس کے فوراً بعد توحید کا ذکر ہوا۔ اس لئے کہ وہ دین اسلام کا اصل اصول ہے اور یہاں اس توحید کے بیان میں ایک بڑی اہم بات یہ ارشاد فرمائی گئی کہ توحید کا حاصل اور لب لباب یہ ہے کہ بندے کو سب سے زیادہ شدید محبت اللہ کے ساتھ ہو جائے دنیا کی ہر شئے مال و منال سے اہل و عیال سے حتیٰ کہ اپنی جان سے اللہ تعالےٰ کا عزیز تر اور محبوب تر ہو جانا۔ یہ در حقیقت توحید کا خلاصہ اور لب لباب ہے۔ فرمایا:۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط ۔

اس کے بعد اُمت مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں ایک طرف احکام بیان ہوئے ہیں حلال اور حرام کے احکام، کھانے اور پینے کے سلسلے میں حلت و حرمت کے احکام۔ اس کے ساتھ وراثت کے متعلق اور وصیت کے کچھ احکام۔ پھر قصاص کے متعلق کچھ احکام اور اسکے بعد حکم وارد ہوا روزے کا۔ رمضان المبارک کی عظمت کے بیان کے ساتھ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ج فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ رمضان کا مبارک مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، نوع انسانی کیلئے

ہدایت اور رہنمائی اور ہدایت بھی وہ جو بیّنات پر مشتمل ہے کھلی کھلی تعلیمات اور واضح اور روشن دلائل کے ساتھ ۔ حق اور باطل کو بالکل جدا کر دینے والی چیز ۔ تو اس مبارک مہینہ کا حق یہ ہے کہ جو کوئی اس مہینے کو پائے وہ اس میں روزے رکھے ۔ اس کے بعد حکم قتال وارد ہوا کہ اے مسلمانو! اب دعوت اسلامی ایک نئے مرحلے میں داخل ہو رہی ہے ۔ ہجرت سے قبل تمہیں اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ دی گئی تھی حکم یہ تھا کہ چاہے تمہیں مار اجائے ، تمہیں دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا جائے ، چاہے تمہیں تپتی ہوئی سنگلاخ زمین پر اوندھے منہ گھسیٹا جائے لیکن تمہیں اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے ۔ وہ دورِ ہجرت پر ختم ہو چکا اب دعوت اسلامی نئے دور میں داخل ہو چکی ہے اب مسلح تصادم کا دور ہے ۔ جہاد اور قتال بالسیف کا دور ہے ۔ لہٰذا اس نئے دور کے لئے اپنے آپ کو تیار کرو ۔ چنانچہ چوبیسویں رکوع میں حکم قتال وارد ہوا ہے ۔ اس کے بعد دو رکوع میں حج کے احکامات بیان ہوئے ہیں ۔ مناسک حج کا یہ بیان اہمیت رکھتا ہے اس پہلو سے کہ جس زمانے میں یہ آیات نازل ہو رہی تھیں مسلمانوں کے لئے حج کرنا ممکن نہ تھا ۔ گویا حج کے ایام میں ان آیات کی تلاوت سے مقصد تھا مسلمانوں کے جذبہ دینی کو مشتعل کرنا ، ان کی حمیت اور غیرت کو بیدار کرنا تاکہ انہیں یہ بات یاد رہے کہ ان کا اصل مرکز ، توحید کا اصل مرکز خانہ کعبہ مشرکین کے زیر تسلط ہے ۔ اس کو واگذار کرانا مشرکین کے قبضے سے اس کو آزادی دلانا اور اس کو توحید کا مرکز بنانا جس کے لئے فی الواقع اس کی تعمیر ہوئی تھی ۔ یہ ان کا فرض منصبی ہے ۔ یہ حکم قتال دوسرے پارے کے آخر میں پھر آیا ہے ۔ اور وہاں تاریخی طور پر ذکر کیا گیا ہے یہود کی تاریخ کے اس دور کا جس میں کہ حضرت طالوت علیہ السلام کی جنگ ہوئی تھی جالوت کے ساتھ اور یہی جنگ تھی درحقیقت جو یہود کے دورِ عظمت کی تمہید بنی تھی ۔ اس جنگ ہی کے بعد وہ دور آیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا شان و شوکت والا دور جو یہود کی زریں تاریخ کا دور ہے ۔ اس کا آغاز ہوا ۔ یہ گویا مسلمانوں کے لئے ایک پیشگی خوشخبری تھی کہ ایک مسلح

تصادم کے بعد وہ دن دُور نہیں ہے جبکہ اللہ کا دین سرزمین عرب پر غالب آجائے گا اور اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو فتح و نصرت سے نوازے گا - اس دوسرے پارے کی ایک اور بھی آیت ایسی ہے جس کا اجمالی ذکر بہت مفید ہوگا وہ ہے آیت نمبر ۱۷۷ جس میں اسلام کی جملہ تعلیمات کو بڑی جامعیت کے ساتھ سمو دیا گیا ہے - نیکی کا صرف ظاہر سے تعلق نہیں ہے اعمال کا ظاہر اور ہے اس کی رُوح اس کی حقیقی باطنی جذبہ محرکہ کے اعتبار سے نیکی کا تعین ہوگا - یعنی جو انسان کے تصحیح عقائد سے شروع ہوتی ہے ایمان اس کا نقطہٴ آغاز ہے اور اس نیکی کا انسانی عمل اور کردار میں مظہر اوّل انسانی ہمدردی کا مادہ ہے اور پھر معاملات انسانی میں ایفائے عہد اور پھر صبر صداقت کے لئے - سچائی کے لئے ، حق کے لئے - خیر کے لئے - اللہ کے دین کیلئے - جہاد کیلئے صبر و قناعت ، ہر نوع کی تکالیف کو برداشت کرنا - یہ تمام اوصاف اگر انسانی سیرت اور کردار میں جمع ہو جائیں تب وہ شخص حقیقتاً نیک اور متقی کہلانے کا مستحق ہے -

---

تیسرا پارہ

تِلْكَ الرُّسُلُ

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ م -

السلام علیکم - قرآن حکیم کا تیسرا پارہ "تِلْكَ الرُّسُلُ" کے نام سے موسوم ہے - اس میں پہلے سورہ بقرہ کی آخری چونتیس آیات شامل ہیں جو تقریباً ساتا رکوع میں منقسم ہیں اور اس کے بعد سورہ آل عمران کی اکانوے ۹۱ آیات شامل ہیں جو نو ۹ رکوع میں منقسم ہیں - سورہ بقرہ کی جو آیات اس پارے میں وارد ہوئی ہیں ان میں بالکل آغاز ہی میں وہ آیت مبارکہ بھی ہے - جسے متعدد روایات کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی عظیم ترین آیت قرار دیا ہے یعنی آیۃ

الکرسی - اَللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (الیٰ آخر الآیہ) اللہ ہی معبود برحق ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے اور پوری کائنات کو وہی تھامے ہوئے ہے اس کا علم بھی کامل ہے اس کی قدرت بھی کامل ہے - یہ آیت مبارکہ بالخصوص توحید کی صفات کے بیان میں نہایت جامع اور بہت ہی عظمت کی حامل ہے - اس میں شفاعت باطلہ کی بھی نفی کی گئی ہے - مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ کون شفاعت کرنے والا ہے جو اللہ کے ہاں شفاعت کر سکے مگر اس کی اجازت سے یہ شفاعت حقہ ہے جو اللہ کی اجازت سے ہوتی ہے اور نبیؐ فرمائیں گے اپنی اُمت کے حق میں اور بھی اولیاء اللہ کے پسندیدہ بندوں کو بھی اللہ تعالیٰ اجازت دے گا وہ شفاعت فرمائیں گے - لیکن یہ کہ بغیر اللہ کی مرضی کے وہاں کسی کو بھی بولنے کا یارا نہ ہوگا - اس کے فوراً بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے - ان کی زندگی کے بعض اہم واقعات ہیں ہے وہ واقعہ جو شہنشاہ وقت کے دربار میں پیش آیا جبکہ انہوں نے بادشاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوری جرأت مردانہ کے ساتھ ایمان باللہ کا اعلان کیا اور توحید کا غلغلہ بلند کیا اور وہ واقعہ بھی کہ جس میں خود انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنے ایمان اور یقین میں اضافہ کے لئے درخواست کی کہ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی پروردگار مجھے دکھا تو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے اس کے بعد سورہ بقرہ کے دو رکوع "انفاق" فی سبیل اللہ کی ہدایات اور احکامات پر مشتمل ہیں - یعنی اللہ کے دین کے لئے جہاں جسمانی محنت و مشقت کی ضرورت ہے وہاں مال خرچ کرنے کی بھی ضرورت ہے لہذا مال خرچ کرو - بھلائی کے دوسرے کاموں میں بھی غرباء کے لئے بھی مساکین کے لئے بھی لیکن اس کی جو بہت بہتر اور برتر صورت ہے وہ یہ کہ اللہ کے دین کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے اللہ کے دین کے غلبے کے لئے اللہ کی راہ میں مال صرف کیا جائے اور یہ مال پورے خلوص اور اخلاص کے ساتھ صرف کیا جائے - اس میں ریاکاری کا کوئی پہلو شامل نہ ہونے پائے اس میں جو بہتر اور انسان کو محبوب تر ہے وہ

خرچ کیا جائے تو دو رکوعوں میں بڑی جامعیت کیساتھ انفاق اور جہاد فی سبیل اللہ ہی کا حکم مسلسل دیا گیا۔ دین کے لئے جہاد کا حکم قرآن پاک میں جہاں بھی آیا وہاں اسکے دونوں پہلو بیان ہوئے۔ جہاں جان سے جہاد مطلوب ہے یعنی انسان اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو صرف کرے یہاں تک کہ اپنی جان بھی اگر وقت آتے یا ضرورت درپیش ہو تو اس کا نذرانہ بھی بارگاہِ الٰہی میں پیش کردے تو وہاں مال کا خرچ کرنا بھی دین کے غلبے کے لئے اور دین کی نشر و اشاعت کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اس کے بعد ایک رکوع میں انفاق فی سبیل اللہ کے جو بالکل برعکس صفت ہے۔ یعنی انسان کے دلوں میں مال کی محبت اس درجے پیدا ہو جائے اور سود کے ذریعے سے انتہائی بے رحمی کے ساتھ انسان غریبوں کا خون چوس کر اپنی دولت میں اضافہ کرے اس کی انتہائی شدت کے ساتھ مذمت ہوئی واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں جن جن چیزوں سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے ان میں جس شدت کے ساتھ سود کی ممانعت وارد ہوئی ہے وہ شدت کسی اور حکم میں ہمیں نظر نہیں آتی اس لئے کہ فرمایا گیا۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ "اگر تم اس سے باز نہ آؤ تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ" اُن کے ساتھ اللہ کی جانب سے اعلانِ جنگ ہے۔ اس کے بعد ایک رکوع میں معاملات انسانی کی درستی کے لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ جہاں کہیں بھی کسی قرض کے لین دین کا معاملہ ہو وہ ضرور لکھ لیا کرو اس میں معاملات کے درست ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ اس کے ضمن میں شہادت کا قانون بھی بیان ہو گیا اور اس کے بعد سورہ بقرہ کا آخری رکوع وارد ہوتا ہے۔ جو انتہائی جامع ہے۔ جس میں فرمایا گیا۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۔۔۔۔ گویا کہ ایمانیات کا بڑی جامعیت کے ساتھ یہاں ذکر ہو گیا اور آخر میں ایک عظیم دُعا پر یہ سورہ مبارکہ ختم ہوئی ہے کہ اے رب ہمارے! ہمارا مواخذہ نہ کیجیو اور خطاؤں پر جو ہم سے بھول چوک میں

سرزد ہو جائیں اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈالیو جو تو ہم سے پہلی قوموں پر ڈالتا رہا ہے
اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالیو جس کی ہمارے اندر طاقت نہ ہو اور ہماری خطاؤں
سے درگذر فرمائیو اور ہمیں اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دیجیو ہماری بخشش
اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کیجیو" یہ آخری لفظ گویا کہ تنبیہ بن گیا کہ اب
کفار کے ساتھ جہاد بالسیف اور قتال بالسیف کا دور شروع ہونے والا ہے۔
اس سورہ مبارکہ کے بعد قرآن کریم میں سورۃ آلِ عمران آتی ہے۔ یہ سورۃ
ہر اعتبار سے سورہ بقرہ ہی کا جوڑا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث شریف
میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو ایک ہی نام سے موسوم کیا
"زُهْرَاوَيْن" یعنی انتہائی روشن سورتیں۔ اس سورہ مبارکہ کا آغاز بھی
قرآن مجید کی عظمت کلام الٰہی کی برکت اور بالخصوص اس حقیقت کی طرف توجہ
منعطف کرانے سے ہوا کہ قرآن کریم میں کچھ آیات محکمات ہیں اور کچھ متشابہ
کچھ تو وہ ہیں کہ جن کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ جن میں قطعاً کسی ابہام کا شائبہ
موجود نہیں اور بعض آیات ایسی ہیں کہ جن کے معنی اور صحیح مفہوم کے تعین
میں کچھ اشتباہ پیش آسکتا ہے تو جو اہلِ حق ہیں طالبِ ہدایت ہیں وہ آیات
محکمات ہی کا تتبع کرتے ہیں۔ ان کی پیروی کرتے ہیں اور جن لوگوں کے دلوں میں
کوئی کھوٹ ہے جو درحقیقت طالبِ ہدایت نہیں طالبِ ضلالت ہیں، وہ آیات
متشبہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کے مفہوم کے تعین کی کوشش کرتے
رہتے ہیں۔ انہی تمہیدی آیات کے بعد جو گفتگو ہے وہ بیشتر نصاریٰ کے ساتھ ہوئی،
عیسائیوں کے ساتھ ہوئی یعنی سورہ بقرہ میں اہلِ کتاب کو خطاب کیا گیا ہے۔
یہود کو یہاں سب سے زیادہ جو بات وضاحت کے ساتھ فرمائی گئی وہ اُلوہیتِ مسیح
کے عقیدے کی نفی ہے۔ حضرتِ مریم کا تذکرہ کیا گیا۔ حضرتِ یحییٰ علیہ السلام کی ولادت
کا ذکر ہوا کہ حضرتِ ذکریا علیہ السلام بوڑھے ہو چکے تھے اور ان کی اہلیہ بھی بانجھ تھیں
اور بہت ضعیف ہو چکی تھیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بڑھاپے میں اور بیوی کے

بانجھ ہونے کے باوجود حضرت ذکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ جیسا بیٹا عطا فرمایا۔ اس طریقے سے اگر اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کے ہاں بغیر باپ کے حضرت عیسیٰؑ کی ولادت اپنے حکم سے کی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ اُن کا الوہیت میں کوئی دخل ہے اگر حضرت ذکریا علیہ السلام کے ہاں خرقِ عادت کے طور پر حضرت یحییٰ کی ولادت سے حضرت یحییٰؑ کو خدا کا بیٹا نہیں بنایا گیا تو اگر بن باپ کے بیٹے کی پیدائش حضرت مریمؑ کے ہاں ہو گئی تو یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید کیوں سمجھا جائے اور یہ لازم کیوں سمجھ لیا جائے کہ حضرت مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذٰلک ان کے اس عقیدے کی اس پُرزور نفی کے بعد کچھ گفتگو اہلِ کتاب سے بحیثیت مجموعی ہوئی جس پر یہ پارہ ختم ہوا۔

چوتھا پارہ

لَنْ تَنَالُوا

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝

قرآن مجید کا چوتھا پارہ "لن تنالوا" کے نام سے موسوم ہے اس کا اکثر و بیشتر حصہ سورہ آل عمران پر مشتمل ہے۔ یعنی آیت نمبر ۹۲ سے آیت نمبر ۲۰۰ تک جو گیارہ رکوع میں منقسم ہے۔ آخر میں ـــــ ۲۳ آیات سورۃ النساء کی اس میں شامل ہیں۔ سورۃ آل عمران کا جو حصہ اس پارے میں شامل ہے اس میں ابتدا میں وہی خطاب جاری ہے۔ جو پچھلے پارے میں اہل کتاب سے اللہ تعالیٰ نے کیا ہے جس طرح سورہ بقرہ کے نصف ثانی میں تمام گفتگو اُمت مسلمہ سے تھی۔ اسی طرح سورۃ آل عمران میں بھی اُمت مسلمہ ہی سے خطاب ہے۔ یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ

آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ o وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص - اے اہلِ ایمان اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کا تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے ۔ اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو ۔ اور آپس میں تفرقہ میں مت پڑو ۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی رسّی سے کیا مراد ہے تو چونکہ قرآن مجید کے اجمال کی تفصیل نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فرضِ منصبی ہے لہٰذا حضور نے وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا۔
ایک طویل روایت جو حضرت علیؓ سے منسوب ہے اس میں قرآن مجید کی عظمت کا بیان نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کیا ۔ اس میں آپ فرماتے ہیں کہ قرآن ہی اللہ تعالےٰ کی مضبوط رسی ہے ۔ گویا اس کو مضبوطی سے تھامنا اللہ کے دامن سے وابستہ ہوجانے کے مترادف ہے ۔ اس کے بعد اس سُورہ مبارکہ میں سب سے زیادہ شرح و بسط کے ساتھ غزوہ احد کے حالات پر تبصرہ کیا گیا ہے ۔ اگرچہ نبیؐ اکرم کی حیاتِ طیّبہ میں کفار کے ساتھ پہلا تصادم میدانِ بدر میں ہوا ۔ لیکن قرآن مجید میں اس کا ذکر سُورہ انفال میں ہے جو ترتیب مصحف کے اعتبار سے بہت بعد میں آتی ہے ۔
ترتیب مصحف میں سب سے پہلے جس جنگ کا ذکر ملتا ہے وہ غزوۂ احد ہے ۔ یہ سن تین ہجری ۳ھ میں پیش آیا ۔ اور اس میں غزوہ بدر کے بالکل برعکس مسلمانوں کو عارضی شکست سے دوچار ہونا پڑا ۔ مسلمانوں میں سے ستّر صحابہ کرامؓ نے جامِ شہادت نوش فرمایا ۔ خود نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بھی چہرۂ مبارک پر زخم آیا اور آپ کا پورا چہرۂ مبارک لہولہان ہوگیا گویا کہ مسلمانوں کو اس جنگ میں مختلف اعتبارات سے صدمات سے دوچار ہونا پڑا ۔ تو اس لئے فطری طور پر قرآن مجید میں اس کے بارے میں بڑی تفصیل کے ساتھ تجزیہ کیا گیا ۔ مسلمانوں کو اُن کی کمزوریوں سے آگاہ کیا گیا ۔ چنانچہ فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے تم سے اپنی مدد کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دکھایا ۔ جبکہ تم آغازِ جنگ میں کفار کو قتل کر رہے تھے اور گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے ۔ لیکن پھر تم نے کمزوری دکھائی تم نے اپنے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی - اس جگہ پر کہ جہاں پر پچاس تیر اندازوں کو متعین کیا گیا تھا اس تاکید کے ساتھ کہ یہاں سے ہرگز نہ ہلنا یہاں تک کہ اگر تم یہ بھی دیکھو کہ سب اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے اور ہمارے جسم پرندے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں تب بھی اس جگہ سے نہ ہلنا - لیکن ایک غلط فہمی کی بنیاد پر اُن لوگوں نے اس حکم کی پرواہ نہ کی - نتیجتاً اللہ کی طرف سے مسلمانوں کو ان کی کمزوریوں پر متنبہ کرنے کے لئے ان کا ذکر خود اس سُورۃ مبارکہ میں فرمایا: وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ " ہم اِن دنوں کو لوگوں کے مابین کچھ الٹ پلٹ کرتے رہتے ہیں - اونچ نیچ دکھاتے رہتے ہیں - تاکہ لوگوں کو اپنی کمزوریوں کا احساس ہو جائے - یہ بھی فرمایا گیا کہ مُسلمانو! اس عارضی شکست سے یا یہ چرکہ جو تمہیں لگا ہے اس سے بد دل نہ ہونا - کفار کو دیکھو - مشرکین کو دیکھو کہ ایک سال قبل بدر کے میدان میں وہ ستر لاشیں چھوڑ گئے تھے - اور انہیں بڑا زخم لگا تھا - اس کے باوجود وہ اپنے دینِ باطل اور معبودانِ باطلہ کے لئے ایک نئی تیاری کے ساتھ دوبارہ تم پر حملہ آور ہوئے - اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ط اگر تمہیں کوئی چرکا لگا ہے تو تمہارے دشمنوں کو بھی ایسا ہی زخم لگ چکا ہے - لہذا تمہیں بھی بد دل نہیں ہونا چاہیئے - اپنی صفوں کا جائزہ لو جس پہلو سے کمزوری نظر آئے اُسے دُور کر دو آئندہ کٹھن تر مراحل سے سابقہ پیش آنے والا ہے - اس سُورۃ مبارکہ کا جیسا کہ میں نے ذکر کیا یہ جزو ثانی اکثر و بیشتر غزوۂ اُحد کے حالات پر تبصرے اور مسلمانوں کی ہدایت پر مشتمل ہے - فرمایا گیا کہ ہم نے تو پہلے ہی تمہیں خبردار کر دیا تھا کہ ہم تمہارا امتحان لیں گے اور مشکلات میں اور آزمائشوں میں مبتلا کر کے یہ دیکھیں گے - کہ کون ہیں حقیقتاً اللہ کو ماننے والے - کون ہیں واقعتاً آخرت کے جاننے والے - کون ہیں جو اللہ کے لئے اس کے دین کے لئے اپنا تن من دھن سب کچھ نچھاور کرنے کے لئے تیار ہیں - اگر یہ آزمائشیں نہ آئیں

تو کھوٹے اور کھرے میں تمیز کیسے ہو۔ کس طرح معلوم ہو کہ کون مومن صادق ہے اور کون منافق۔ کون واقعی اللہ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کا عاشق ہے۔ اور کون صرف جھوٹ موٹ کا مدعیٔ ایمان ہے اس موضوع پر واقعہ یہ ہے کہ سُورۃ آلِ عِمران کی آیات بڑی جامع ہیں۔ حکمتِ قرآنی کے ایک بہت اعلیٰ اور عظیم خزانے کی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔ اس سُورہ مبارکہ کا آخری رکوع سُورہ بقرہ کے آخری رکوع کی طرح بڑی جامعیت کا حامل ہے۔ اُس میں ایک طرف آغاز میں جو مومنین صادقین بلکہ صحیح الفاظ میں صدیقین کے ایمان کے بارے میں ذکر ہے۔ وہ سلیم الفطرت لوگ اور وہ صحیح العقل لوگ جو اس کائنات کے مشاہدے سے آفاق میں پھیلی ہوئی بے شمار آیات خداوندی کے مشاہدے سے اللہ کو پہچانتے ہیں۔ اور پھر اس حقیقت کو بھی پہچانتے ہیں کہ انسانی زندگی بیکار وعبث نہیں ہے۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا کہ اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ بیکار وعبث پیدا نہیں کیا۔ لہٰذا انسانی اعمال بھی بے نتیجہ نہیں رہ سکتے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ نیکوں کو ان کی نیکوکاری کا صلہ نہ ملے اور بُروں کو ان کی بدکاری کی سزا نہ ملے۔ تو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے ذکر کے بعد اس قسم کے سلیم الفطرت اور صحیح العقل لوگوں کا ذکر ہے جو توحید اور آخرت تک از خود رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ عقلِ سلیم کی رہنمائی میں، جب ان کے کانوں میں کسی نبی کی دعوت پڑتی ہے جو انہی باتوں کی طرف دعوت دے رہا ہوتا ہے تو وہ لبیک کہتے ہیں۔ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا۔ اور پھر اس کے بعد ایک بڑی جامع دُعا ہے کہ اے رَبّ ہمارے ہماری خطاؤں سے درگزر فرما۔ ہماری لغزشوں کو معاف فرما۔ ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما۔ جس کا وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسُولوں علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی وساطت سے کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فوراً ہی ان کی دُعا کی قبولیت کا اعلان بھی فرمایا فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ۔ ان کی دُعا

قبول فرمائی ان کے رب نے۔ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی ج "کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع کرنے والا نہیں ہوں۔ خواہ وہ عمل کرنے والا مرد یا عورت"۔ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا۔ "پس وہ لوگ کہ جنہوں نے ہجرت کی جو اپنے گھروں سے نکالے گئے، جنہیں میری راہ میں تکلیفیں جھیلنی پڑیں، جنہوں نے میرے لئے میرے دین کے لئے قتال کیا، جنہوں نے اپنی جانیں تک نثار کر دیں، اُن سے تو میرا پختہ وعدہ ہے کہ میں ان کی تمام خطاؤں سے درگزر کروں گا اور انہیں لازماً ان باغات میں داخل کروں گا جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی۔ ــــــــــــ یہ صرف اللہ کی طرف سے بدلہ ہے اور واقعہ یہ ہے کہ انسانی خدمات کا بدلہ صرف اللہ ہی دے سکتا ہے، اس سورہ مبارکہ کے بعد تیئیس[۲۳] آیات سورہ النساء کی شامل ہیں جن میں ابتداً کچھ احکامات دیئے گئے ہیں یتیموں کے حقوق کی نگہداشت کے بارے میں انتہائی تاکید کے ساتھ۔ ان کے مال کو امانت کے طور پر اپنے پاس رکھو اور جیسے ہی وہ اس قابل ہو جائیں کہ اپنے مال کو خود سے سنبھال سکیں تو وہ ان کے حوالے کر دو اور اس میں کسی خیانت سے کام نہ لو اور اس کے بعد خواتین سے متعلق شادی بیاہ اور نکاح و طلاق کے متعلق کچھ احکام آئے۔ درمیان میں وراثت کا مکمل ضابطہ ایک ہی رکوع میں بیان کر دیا گیا۔ یہ آیات شریعتِ اسلامی کا انتہائی اہم جزو ہیں۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ

بخاریؒ و مسلمؒ ــــــــــــ عن عثمان ابن عفانؓ

خطوط و آراء

خطاب بہ صدرِ مملکت کے متعلق

(۱) مکرمی و محترمی
ڈاکٹر صاحب، دام اقبالکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، - تازہ میثاق میں آپ کا وہ خطاب پڑھ کر آپ کی جرأتِ مومنانہ پر دل سے دُعا نکلی جو آپ نے خطبہ جمعہ کے دوران محترم صدر مملکت کی موجودگی سے فائدہ اٹھا کر ان سے کیا تھا - آج اسی بات کی ضرورت ہے کہ حق بات کسی مداہنت اور خوفِ لومت لائم کے بغیر دل سوزی اور ناصحانہ انداز میں کہی جائے - آپنے عورتوں کی ہاکی ٹیم بنانے، اور ستر و حجاب کے احکام کا لحاظ رکھنے نیز کرکٹ کے کھیل میں قومی سطح پر قوم کے وقت اور مال کے زیاں کے سلسلے میں بہت ہی دردمندی کے ساتھ محترم صدر مملکت کو متوجہ کیا ہے - جزاک اللہ -
کرکٹ کے ضمن میں ایک ضروری اور اہم بات اور ایک بڑی بُرائی کی طرف شاید اس وقت آپ کا ذہن منتقل نہیں ہوا - حالانکہ دینی لحاظ سے یہ بات سب سے زیادہ قابلِ نکیر ہے، - وہ یہ کہ ہمارے ملک میں کرکٹ کے ٹیسٹ اور دوسرے میچوں میں اہتمام کے ساتھ جمعہ کا دن شامل کیا جاتا ہے - اس وجہ سے کہ اس روز تعطیل ہوتی ہے اور معمول سے زیادہ شائقین کی شرکت کی توقع ہوتی ہے - جس سے آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے - تعجب ہے کہ ایک اسلامی ملک میں جمعہ کی فضیلت کو اس بے دردی کے ساتھ نظر انداز کیا جاتا ہے - اسٹیڈیم میں موجود ہزاروں تماشائیوں کی نمازِ جمعہ فوت ہوتی ہے - جس کی ادائیگی صرف باجماعت ہی ہو سکتی ہے - پھر ان لاکھوں لوگوں کی بھی نماز جمعہ ضائع ہوتی ہے جو ریڈیو یا ٹی - وی کھولے بیٹھے ہوتے ہیں - جمعہ کو لنچ کا وقفہ بھی ساڑھے بارہ بجے سے ایک بجکر دس منٹ تک ہوتا ہے، اس دوران ملک بھر میں کہیں جمعہ کی نماز سے فراغت نہیں ہوتی۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ جمعہ کے مبارک دن اور خاص طور پر جمعہ کی نماز کو لہو و لعب کی نذر کر کے ضائع کر دیا جاتا ہے۔
عیسائی مقابلۃً مسلمانوں سے بھی زیادہ اپنے مذہب سے دور ہیں اور اتوار کے دن گرجوں میں گنتی ہی کے لوگ جاتے ہیں - لیکن چونکہ عیسائیوں کے نزدیک اتوار متبرک

دن ہے لہذا برطانیہ وغیرہ میں اتوار کے دن کرکٹ کا کھیل نہیں ہوتا۔ ابھی حال ہی میں ویسٹ انڈیز کی ٹیم نے ۲۵ دسمبر کو کھیل سے معذرت کر لی تھی اس عذر کی بنا پر کہ وہ کرسمس کا دن تھا۔ کاش اسی سے ہمارے ارباب حل وعقد عبرت وسبق حاصل کرتے! کیا کرکٹ کے ناخدا اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ دیں گے؟ اور کیا محترم صدرِ مملکت اس خرابی کو ختم کرانے کی اہمیت محسوس فرمائیں گے؟ - والسلام نیاز کیش

سیف الرحمن صادق - دہلی کالونی - کراچی

(۲) محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سلام مسنون

میں جب بھی کاروباری سلسلہ میں لاہور جاتا ہوں، میری کوشش ہوتی ہے کہ جمعہ دارالسلام کی مسجد میں آپکے پیچھے ادا کروں چونکہ آپ خطباتِ جمعہ میں قرآن کے ذریعے تذکیر کا عمل کرتے ہیں جو ہمارے پیارے رسول کی سنت ہے۔ ۲۸۔ نومبر کے جمعہ میں بھی میں شریک تھا۔ جس میں آپ سورۃ الفتح کے آخری رکوع کی روشنی میں مقام صحابہؓ پر روشنی ڈال رہے تھے۔ جناب صدرِ پاکستان جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے تشریف لائے تو آپنے خطبہ میں ان کو مخاطب کر کے جن باتوں کی طرف ان کی توجہ کو منعطف کرانے کی کوشش کی وہ باتیں بظاہر چھوٹی ہیں لیکن واقعی ان کا گہرا تعلق ہماری اجتماعی فکر سے ہے۔ آپنے کرکٹ جیسے فضول کھیل، عورتوں کی ہاکی ٹیم بنانے اور عائلی قوانین کی پاسداری کرنے کے سلسلے میں بہت ہی مؤثر انداز میں صدر صاحب کو متوجہ کر کے حق نصیحت ادا کیا ہے۔ خدا کرے کہ آپ کی یہی باتیں صدر صاحب کے دل میں گھر کر جائیں اور وہ اس ضمن میں کوئی عملی قدم اٹھائیں۔ بہرحال آپنے حقِ نصیحت ادا کر دیا اور لاکھوں مسلمانوں کی جذبات کی ترجمانی براہ راست اور بالمشافہ صدر صاحب کے سامنے کر دی دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ کو دین کی خدمت قرآن کی تبلیغ اور حق بات کہنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق دے آمین۔

مخلص: سردار بخش خان - کیمبل پور

(۳) عالی مقام محترم ڈاکٹر صاحب دام برکاتکم

السلام علیکم۔ کافی انتظار کے بعد میثاق کا نومبر دسمبر کا مشترکہ شمارہ ملا۔ پہلی فرصت میں میں نے سب پڑھ ڈالا۔ تاخیر سے جو کوفت ہوئی تھی وہ پرچے کے مضامین

پڑھ کر دور ہو گئی۔ خاص طور پر آپ کا خطاب بہ صدرِ مملکت پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ اور آپ کے لئے بے اختیار دل سے دعائیں نکلیں۔ آپ کے یہ جملے تو خیر خواہی اور دردمندی سے مملو تھے جو آپ نے جناب صدر کو خطاب کر کے کہے تھے کہ "آپ سوچئے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس بات کا کیا جواب دیں گے کہ آپ کے عہد حکومت میں پاکستان میں خواتین کی ہاکی ٹیم تیار ہو رہی ہے" اور یہ کہ "حجاب کے احکام ہماری شریعت کے جزو لاینفک ہیں۔ اُمہات المومنین رض کے لئے سورہ احزاب میں جو احکام آئے ہیں، وہ محض تلاوت کے لئے نہیں ہیں بلکہ عمل کے لئے ہیں"۔ اور پھر عائلی قوانین کے متعلق آپ کی یہ بات کہ "خدا کے لئے سوچئے کہ جو قوانین بالاتفاق شریعت سے متصادم ہیں وہ کیوں نافذ رہیں؟ ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے کوئی بڑا کام لے اور آپ اس ملک میں ایک عظیم شخصیت کا مقام حاصل کریں۔ ہمارے ہاں بڑے بڑے لوگ پہلے بھی اقتدار میں آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مواقع دیئے۔ بدقسمتی سے وہ محروم رہ کر اس دنیا سے چلے گئے۔ ہم نہیں چاہتے کہ آپ کا نام بھی ایسے لوگوں میں شامل ہو لہٰذا میری مخلصانہ اپیل ہے۔ کہ جو مواقع آپ کو حاصل ہیں ان کو غنیمت سمجھا جائے"۔

میری بارگاہ خداوندی میں دعا ہے کہ حق بات کہنے پر آپ کو جزائے خیر سے نوازے اور جناب صدر کے دل کو اِن باتوں کا اثر لینے کے لئے کھول دے اور ان کو صحیح اقدامات کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین خاکسار محمد نجیب اللہ حیدرآباد

(۴) محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم۔ آپ نے صدر مملکت کی موجودگی میں جس جذبہ سے کرکٹ کی کھیل اور عورتوں کی ہاکی ٹیم کے امور کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی۔ آپ کی اس جرأت مندانہ تقریر کے متعلق نمازیوں کے حوصلہ اور ایمان افروز اور تحسین کے ریمارک سننے میں آئے۔

اب جبکہ بنکوں میں بلاسود کھاتہ کھولنے کا سلسلہ یکم جنوری سے شروع کیا گیا ہے۔ ہم حکومت سے پرزور اپیل کرتے ہیں اس نظام کے ساتھ بنک میں تمام کھاتے جو پیشتر ازیں کھولے گئے ہیں انہیں بھی بلاسود کھاتے تصور کئے جائیں۔ اور پہلے تمام سود جو

قرض خواہوں کے ذمہ ہیں معاف کر دیئے جائیں - کیونکہ حضورؐ نے کئی بار ارشاد فرمایا ہے کہ سود کا لین دین قطعی حرام ہے حتیٰ کہ سود کے لین دین - تحریر کرنے گواہی دینے والا بھی گناہ گار ہے -

اُمید ہے آپ اس ضمن میں حکومت سے اپیل فرما کر مشکور فرمائیں گے -'

فقط والسلام - ملک سعید احمد ، فتح شیر روڈ - لاہور

(۵) محترم جناب ڈاکٹر صاحب سلام مسنون

جزاک اللہ ، آپ نے حق نصیحت ادا کر دیا اور جمعہ کے خطبہ میں جناب جنرل محمد ضیاء الحق کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سی چھوٹی لیکن بڑی اہم باتیں ان کے گوش گزار کر دیں - معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس وقت کم تھا - اسی لئے شاید چند دوسری ضروری باتیں بیان کرنے سے رہ گئیں - ایک تو یہ کہ کرکٹ جیسے طویل اور فضول کھیل میں قومی وقت اور قومی سرمایہ ہی کا زیاں نہیں ہوتا بلکہ نماز جمعہ جیسی عظیم عبادت کی بھی قربانی دینی پڑتی ہے چونکہ عموماً جمعہ کا دن بھی کھیل میں شامل کیا جاتا ہے - دوسری یہ کہ ولیمہ کی دعوت پر بے جا پابندی لگائی ہوئی ہے حالانکہ اس دعوت کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے - دعوتِ ولیمہ مسنونہ کے لئے صرف پچاس افراد کی تعداد مقرر کرنا کسی طرح انسب نہیں - اتنی بلکہ اس سے کہیں زیادہ تعداد تو صرف بہت قریبی رشتہ داروں کی ہو جاتی ہے - حلقۂ احباب اور اہل خاندان تو اس تعداد میں آ ہی نہیں سکتے - نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگ اس ناروا پابندی سے بچنے کے لئے ولیمہ کی دعوت دوسرے ناموں سے کرتے ہیں - کوئی سالگرہ کے نام سے ، کوئی عقیقہ ، بسم اللہ ، ختم قرآن اور نہ معلوم کس کس نام سے - اس طرح لوگ صحیح کام غلط طریقوں سے انجام دینے پر خود کو مجبور پاتے ہیں - جو اصلاح معاشرہ میں ممد ہونے کے بجائے مضر ثابت ہوتی ہے - کیونکہ اس میں دھوکہ اور غلط بیانی شامل ہوتی ہے جو دینی اور اخلاقی اعتبار سے صحیح نہیں - ایسی پابندیاں جو نامناسب اور ناروا ہوں اور جن پر لوگ کاربند نہ ہو سکیں لگانا حکمت کے خلاف ہے - لہٰذا صدر مملکت سے گذارش کرنی چاہیئے کہ اگر کرکٹ کا کھیل جاری ہی رکھنا ہو تو خدا کے لئے جمعہ کے دن کھیل نہ رکھا جائے اور اگر ولیمہ کو محدود رکھنا ہو تو

اس کی تعداد پچاس سے بڑھا کر ڈھائی سو افراد تک کر دی جائے تاکہ اس دعوتِ مسنونہ کے لئے لوگ حیلے بہانوں سے محفوظ رہ سکیں اُمید ہے کہ آپ میری گذارشات پر غور فرمائیں گے اور اس بارے میں بھی جناب صدر کو متوجہ کرائیں گے ۔ اگر مناسب خیال فرمائیں تو میرا یہ مکتوب ہی میثاق میں شائع فرمادیں ۔ شکریہ ۔

نیاز مند ، منصور انور محمد بن قاسم روڈ ۔ کراچی ۔

(۶) اسلامی معیشت کے متعلق — محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

سلام و رحمت ۔ مزاج گرامی ۔ میثاق کے تازہ شمارہ میں اسلامی نظام معیشت کے بارے میں آپنے جو نکات پیش کئے ہیں، انہیں پڑھ کر طبیعت خوش ہوگئی ۔ راقم تو پندرہ بیس سال سے اس جہاد میں مشغول تھا ۔ الحمد اللہ کہ اب اہل علم نے اس طرف بھی توجہ دی ہے ۔ مزارعت کے نکات میں آپنے جس صحابی رافع کا ذکر کیا ہے ۔ ان کی ولدیت رافع بن خدیجہ ہے ۔ خبیب نہیں ۔

بڑے دُکھ کی بات ہے ۔ کہ ہمارے ہاں ابھی تک اسلام کے معاشی نظام کے بارے میں کوئی ذہن بھی واضح نہیں ہے ۔ اب تک جتنی تجاویز پیش کی گئی ہیں ان میں زکواۃ اور پورے ٹیکسوں کا ساتھ ساتھ ذکر کیا جاتا ہے ۔ یہ تو سیکولر طرز فکر ہے ۔ اسلام میں علمائے امت اور فقہائے امت کا اس بارے میں اجماع ہے ۔ کہ زکواۃ کے نظام کے ساتھ کوئی ٹیکس جاری نہیں رہ سکتا ۔ اس سلسلے میں راقم کے پاکستان ٹائمز میں کوئی لفصف درجن مضامین شائع ہو چکے ہیں ۔ نوائے وقت میں بھی ان مضامین کا خلاصہ ایک مضمونچے کی شکل میں شائع کرایا تھا ۔ جس کی فوٹوسٹیٹ کاپی ارسال خدمت ہے ۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اسے اپنے موقر ماہنامے میں شائع بھی کر سکتے ہیں ۔ والسلام

دُعاگو ۔ رفیع اللہ ۔ اتحاد کالونی ۔ اچھرہ لاہور

نوٹ : مضمون موصولہ زیر نظر شمارے میں شائع کیا جارہا ہے (مرتب)

Regd. L. No. 7360

Monthly MEESAQ Lahore

.l. 30 | Jan. Feb. 1981 | No. 1 - 2

احباب کے اصرار پر

ڈاکٹر اسرار احمد

صدر موسس مرکزی انجمن خدام القران لاہور ا

امیر تنظیم اسلامی

کے مسلسل درس قرآن کو بالکل ابتدا سے 60
کے کیسٹوں میں ریکارڈ کیا جا رہا ہے مزید بر
ڈاکٹر صاحب موصوف کے

متعدد دروس قرآن اور خطابات

کے کیسٹ کے سیٹ دستیاب ہیں - ان کیسٹوں
قیمت لاگت کے لگ بھگ رکھی گئی ہے
مفصل اعلان اندرونی صفحات پر ملاحظہ فرما

المعلن : ناظم اعلیٰ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
فون 852611

جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ

مدیر مسؤل

ڈاکٹر اسرار احمد

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: ۳۶ - کے، ماڈل ٹاؤن - لاہور

(فون : 852683 - 852611)

سالانہ ۲۰/- ______ قیمت فی شمارہ ۲/-

وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مؤمنین

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد ۳۰ | جمادی الاول ۱۴۰۱ھ مطابق مارچ ۱۹۸۱ء | عدد ۳

مشمولات

ناشر: ڈاکٹر اسرار احمد ✶ طابع: چوہدری رشید احمد
مطبع: مکتبہ جدید پریس شارع فاطمہ جناح - لاہور

جمیل الرحمٰن

عرض احوال

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جمادی الاوّل ۱۴۰۱ھ مطابق مارچ ۱۹۸۱ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔ سابقہ شمارے کے اعلان کے مطابق محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تقریر بعنوان "شمالی امریکہ کے حالیہ دعوتی دورے کے تاثرات و مشاہدات" اس شمارے میں شامل نہیں ہوسکی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ۲۷ ؍فروری ۸۱ بروز جمعہ موصوف کے فرزند ارجمند میاں عارف رشید سلمہٗ کا عقد نکاح مسنونہ کراچی میں رفیق محترم قاضی عبدالقادر صاحب قیم تنظیم اسلامی کی دختر نیک اختر سے ہونا طے پایا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کا یہ دستور رہا ہے کہ جب بھی کسی کا نکاح پڑھاتے ہیں تو خطبہ نکاح میں جو آیات قرآنیہ اور احادیث شریفہ پڑھی جاتی ہیں۔ ان کی تشریح بھی بیان فرمایا کرتے ہیں۔ چونکہ ان میں تمام شرکاء محفل کے لئے بالعموم اور دولہا کے لئے بالخصوص نہایت مؤثر موعظت و تذکیر ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی بعض ایسی تقاریر کو راقم الحروف نے "خطبۂ نکاح اور اس کا ہمارے معاشرتی زندگی سے تعلق" کے عنوان سے یک جا مرتب کیا تھا جو مطبوعہ صورت میں راقم کے دو بیٹوں کے نکاح کی محفل میں حاضرین کی خدمت میں ہدیۃً پیش کیا گیا تھا۔ اب موقع کی مناسبت سے یہ مضمون اس شمارے میں شامل کیا جارہا ہے۔ جس کی وجہ سے دورے کے تاثرات والی تقریر کے لئے گنجائش نہیں رہی۔ ان شاء اللہ یہ تقریر آئندہ اشاعت میں پیش خدمت ہوگی۔

سابقہ اشاعت کے ضمن میں یہ وضاحت مناسب ہے کہ ہم نے کوشش کرکے ربیع الاوّل، ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ (جنوری، فروری ۸۱) کے شمارے کی تمام کاپیاں ۲۶ جنوری تک تیار کرالی تھیں۔ طباعت کے لئے پریس بھیجنے سے قبل آجکل ہر شمارے کی تمام کاپیوں کو ایک "ضابطے" سے گزرنا لازمی ہے۔ اس مرحلے کو طے کرنے میں اندازے سے کہیں زیادہ وقت گزر گیا۔ جس کے باعث پرچے کی اشاعت میں تاخیر ہوگئی۔ اب اللہ کرے کہ یہ شمارہ بروقت شائع ہوجائے اور اس میں کوئی غیر معمولی تاخیر نہ ہو۔

سابقہ شمارے کے سلسلے میں یہ معذرت بھی کرنی ہے کہ انگریزی الفاظ کی کتابت میں چند بڑی فاش غلطیاں رہ گئیں ۔ مثلاً صفحہ ۱۸ پر RETREAT کی جگہ PHASE اور Phase کی جگہ Retreat لکھا گیا ۔ یہی صورت حال صفحہ ۲۰ پر اس طرح ہوئی کہ MORTGAGE کی جگہ ADD-BACK اور Add-Back کی جگہ Mortgage لکھا گیا ۔ اور بھی چند اغلاط رہ گئی ہیں جن پر اب معذرت ہی پیش کی جا سکتی ہے ۔

علمی مجالس مذاکرہ

مرکزی انجمن نے ۷۳ء سے سالانہ قرآن کانفرسوں کے انعقاد کا سلسلہ شروع کیا تھا ۔ اور ۸۰ء تک لاہور میں ۵ کانفرنسیں اور کراچی میں ۲ کانفرنسیں کل ۷ کانفرنسیں منعقد ہو چکی ہیں ۔ سال رواں میں مرکزی انجمن کی انتظامیہ نے یہ طے کیا ہے ۔ کہ بجائے تین چار روز کی کانفرنس کے ۲۳ مارچ سے ۳۰ مارچ ۸۱ء تک قرآن اکیڈمی ۳۶ - کے ، ماڈل ٹاؤن لاہور میں علمی مجالس مذاکرہ منعقد کی جائیں ۔ ان مجالس میں عصر تا مغرب اصحاب علم و دانش میں سے کوئی ایک صاحب کسی مقررہ موضوع پر مقالہ پیش فرمائیں گے اور پھر اس پیش کردہ مقالے پر مذاکرہ ہوگا ۔ مغرب سے عشاء کے مابین دروس قرآن حکیم کا اہتمام ہوگا ۔ اور ہر درس سے متعلق سوالات وجوابات کے لئے بھی موقع فراہم کیا جائے گا ۔

مرکزی انجمن کا سالانہ اجلاس

مرکزی انجمن کے قواعد وضوابط کے مطابق انجمن کا نواں سالانہ اجلاس ان شاء اللہ ۲۳ مارچ ۸۱ بروز پیر ½۹ بجے صبح قرآن اکیڈمی میں منعقد ہوگا ۔ ۲۳ مارچ کو یوم پاکستان کی ملک بھر میں عام تعطیل ہوتی ہے ۔ لہٰذا اس میں اراکین انجمن کو شرکت کی سہولت ہوگی ۔ اس اجلاس میں انجمن کے سال ۱۹۸۰ء کی کارگزاری کی رپورٹ اور سالانہ حسابات پیش ہوں گی ۔ انجمن کے قواعد وضوابط کی رو سے مجلس تنظیم کا انتخاب ہر دو سال بعد ہوتا ہے ۔ اس لئے اس اجلاس میں انتخاب کا آئیٹم نہیں ہوگا چونکہ وہ پچھلے سال ہو چکے ہیں البتہ توقع ہے کہ یوم پاکستان کی مناسبت سے صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کوئی خطاب عام بھی فرمائیں ۔

تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع

تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع بھی ان شاء اللہ ۴ تا ۶ / اپریل ۱۹۹۱ء کو قرآن اکیڈمی میں ہوگا افتتاحی اجتماع ۴ / اپریل کو بعد نماز مغرب منعقد ہوگا۔ ۴ اور ۵ / اپریل ہر روز صبح وشام دو دو نشستیں ہوں گی۔ اور چھ تاریخ کو صرف ایک نشست صبح کے وقت ہوگی تمام رفقاء تنظیم کو اطلاع نامہ محترم ناظم تنظیم اسلامی براہ راست ارسال فرمادیں گے۔ دعوتی کام کی توسیع واستحکام کے لئے ہر انقلابی و اصولی تنظیم کے سالانہ اجتماعات بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ان اجتماعات میں سالِ رفتہ کے کام کا جائزہ لیا جاتا ہے اور سالِ آئندہ کے لئے منصوبہ بندی ہوتی ہے اور اس طرح ان اجتماعات کے ذریعے تحریک کے کارکنوں میں ایک تازہ جوش و ولولے کے ساتھ منزل کی طرف پیش رفت کا عزم اور داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا توقع ہے کہ تمام رفقاء اس سالانہ اجتماع میں شرکت کا خصوصی اہتمام کریں گے

نئی تعلیمی اسکیم : معہد ثانوی

سال گذشتہ مئی ۱۹۹۰ء میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کے بھروسے پر قرآن اکیڈمی میں "معہد ثانوی" کے نام سے ایک اقامتی درسگاہ کا آغاز کیا گیا تھا۔ یہ اقامتی درس گاہ مڈل پاس طلبہ کے لئے جاری کی گئی تھی اور پیش نظر یہ تھا کہ ان کو اصلاً تو دو زبانیں پختہ طور پر پڑھائی جائیں گی یعنی عربی اور انگریزی اور ان کے علاوہ میٹرک کے لازمی مضامین یعنی اسلامیات، اردو اور مطالعہ پاکستان اور اختیاری مضامین میں سے جنرل سائنس اور جنرل ریاضی تو لازمی مضمون کی حیثیت سے البتہ اسلامی تاریخ اور شہریت (سوکس) میں سے کوئی ایک مضمون اختیاری مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جائے گا۔ میٹرک کے امتحان کے لئے عموماً دو سال (درجہ نہم۔ دہم) رکھے جاتے ہیں۔ لیکن اس درس گاہ میں یہ مدت تین سال مختص کی گئی تھی۔ ایک سال کی زائد مدت اس لئے رکھی گئی تھی کہ طلبہ ان مضامین خصوصاً عربی اور انگریزی میں پختہ ہو جائیں۔ پھر پہلے دو سال کے بعد ان طلبہ کو پرائیوٹ میٹرک کا امتحان دلوا دیا جائے اور تیسرے اضافی سال کے بعد ادیب عربی کا خصوصی امتحان بھی دلوا دیا جائے۔ اس طرح صرف ایک اضافی سال کے صرف سے دینی اور دنیوی

دونوں میدانوں میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کا راستہ کھل جائے اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو اسی اسکیم کو آگے بڑھا کر ایک جانب پرائیویٹ بی۔اے اور دوسری جانب فاضل عربی کے امتحانات بھی دلوانے کے انتظامات کئے جا سکیں۔

اس درس گاہ کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ قوم کے نونہالوں کی تدریسی ضروریات کے ساتھ ساتھ ان کی دینی و اخلاقی تربیت کا بھی بھرپور اہتمام ہو تاکہ ان میں نہ صرف فرائض دینی کی ادائیگی کا احساس و شعور اور شعائر اسلامی کا احترام پختہ ہو اور صحیح اسلامی اخلاق نشو و نما پائیں بلکہ اعلائے کلمۃ اللہ کی سعی و جہد کا جذبہ اور حصول شہادت کا ذوق و شوق بھی ان کے قلوب میں پروان چڑھے۔ اسی طریق کار پر عمل پیرا ہونے سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ ان ہی طلبہ میں سے ایک طرف کچھ اعلیٰ معیار کے محققین و مصنفین پیدا ہو سکیں تو دوسری طرف دعوت و تحریک اسلامی کو مخلص کارکن مہیا ہو سکیں۔

آغاز کار

مئی ۱۹۸۰ء میں آغاز کار کے طور پر صرف درجہ نہم کے لئے داخلہ کھولا گیا تھا۔ اس درجہ میں صرف ۱۴ طلبہ نے داخلہ لیا تھا جن میں سے ۲ طلبہ تو جلد ساتھ چھوڑ گئے ۱۲ طلبہ پابندی سے زیر تعلیم و تربیت ہیں اور ان میں سے اکثر طلبہ اکیڈمی کے ہوسٹل میں اقامت پذیر ہیں جن کے لئے الحمد للہ نماز باجماعت، درس قرآن اور دیگر دینی مشاغل کے ساتھ ساتھ طعام کا بھی معیاری سطح پر انتظام ہے۔ غیر اقامتی طلبہ کے لئے ٹیوشن فیس پچاس روپے ماہانہ اور اقامتی طلبہ کیلئے فیس ڈھائی صد ماہانہ مقرر ہے۔ ان ذہین طلبہ کے لئے جن کے والدین اس ماہانہ خرچ کی استطاعت نہ رکھتے ہوں وظائف کے اجرا کا بھی انتظام ہے۔

نئے داخلے

ان شاء اللہ العزیز مارچ کے وسط میں یہ طلبہ درجہ نہم کا سالانہ امتحان دیں گے اور کامیاب ہونے والے طلبہ کو درجہ دہم میں ترقی مل جائے گی اس طرح اپریل/مئی میں ان شاء اللہ درجہ نہم کے لئے نئے داخلے شروع ہوں گے جس کے لئے ذہانت شرط اوّل ہوگی۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی ذوق و شوق رکھنے والے وہ حضرات جو اپنی اولاد کو حقیقی مسلم و مؤمن اور ایک مخلص پاکستانی شہری کی حیثیت سے دیکھنے کے متمنی ہیں، وہ اپنے جگر گوشوں کو اللہ کے دین متین اور کتاب مبین کی خدمت کے لئے وقف کرنے کی نیت اور ارادے کے ساتھ اس درس گاہ میں داخل کرنے کے مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کریں اور پیش قدمی فرمائیں۔ اپنی جگہ ہم پوری کوشش

ڈاکٹر اسرار احمد

رسالت اور تکمیل رسالت

اور ہمارے فرائض

کل شکر اور تمام تعریف اللہ ہی کی ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق و مالک بھی ہے اور پروردگار و پالنہار بھی - اسی نے فضا اور خلا کی ناپیدا کنار وسعتیں پیدا کیں جن میں لاتعداد عظیم الجثہ کرے اسی کی تسبیح و تحمید کے راگ الاپتے لٹوؤں کی مانند رقص کر رہے ہیں اور اسی نے ہماری یہ زمین پیدا کی جس میں سر بفلک اور برف پوش پہاڑ بھی ہیں اور اتھاہ سمندر بھی، سبزہ و گل کی رنگا رنگ زیبائشیں اور آرائشیں بھی ہیں اور انواع و اقسام کے پھلوں اور میووں کے وسیع و عریض دستر خوان بھی، مزید براں لاکھوں قسم کے جاندار بھی ہیں جن کے دم سے بحر و بر اور فضا کی آبادی بھی ہے اور رونق و چہل پہل بھی -

یہ زمین جب دلہن کی مانند آراستہ و پیراستہ ہو چکی تو اللہ نے اس میں خلافت کے فرائض کی انجام دہی کے لئے حضرت آدمؑ کو تخلیق فرمایا جو نوع انسانی کے مورث اعلیٰ اور جدِ امجد بھی ہیں اور اللہ کے پہلے نبی اور پیغمبر بھی — گویا روئے ارضی پر قافلۂ انسانیت اور قافلۂ نبوت و رسالت نے بیک وقت سفر کا آغاز کیا — چنانچہ ایک طرف نسلِ آدمؑ نے مادی و صنعتی اور تہذیبی و تمدنی ترقی کی منزلیں طے کیں تو دوسری طرف انسانوں کی عقلی و روحانی اور عملی و اخلاقی رہنمائی کیلئے حضرت نوحؑ حضرتِ ہود، حضرتِ صالح اور حضرتِ ابراہیم علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام ایسے جلیل القدر پیغمبروں کا ظہور ہوا - حضرت ابراہیمؑ کو اللہ نے اپنا دوست بھی قرار دیا اور نوع انسانی کا امام بھی — انہوںؑ نے اپنے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو حجاز میں آباد کیا اور بیت اللہ کی خدمت ان کے سپرد کی اور دوسرے بیٹے حضرت اسحٰقؑ کو فلسطین میں آباد کیا، جن کے بیٹے حضرتِ یعقوبؑ تھے، جن کا لقب اسرائیل تھا - لہذا ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی اور حضرتِ ابراہیمؑ کے بعد لگ بھگ دو ہزار برس تک نبوت و رسالت کا سلسلہ

ان ہی میں جاری رہا - چنانچہ ان ہی میں سے حضرت موسیٰؑ تھے جنہیں تورات عطا ہوئی اور ان ہی میں سے حضرت داؤدؑ تھے جنہیں زبور عطا ہوئی ان ہی میں سے حضرت سلیمانؑ تھے جنہوں نے یروشلم میں اللہ کی عبادت کے لئے ہیکل سلیمانی تعمیر کرایا، جس کی بنا پر وہ شہر، بیت المقدس، کے نام سے پکارا جانے لگا - اس سلسلہ کا اختتام ہوا حضرت عیسیٰؑ پر جنہیں انجیل عطا ہوئی - ان کے رفع آسمانی کے بعد لگ بھگ چھ سو برس تک قافلۂ نبوت و رسالت کا سفر رُکا رہا -

اس فترت کے بعد بیت اللہ کے جوار، اور بنی اسمٰعیلؑ کے معزز ترین گھرانے میں ظہور ہوا اُن کا جن کے لئے نہ صرف یہ کہ انسانیت اور نبوت کے یہ دونوں قافلے چلائے گئے تھے بلکہ تخلیق و تکوین کے اس پورے سلسلے کا آغاز ہوا تھا بقول علامہ اقبال مرحوم

؎ "آیۂ کائنات کا معنیٔ دیر یاب تو نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو!"

یہ ہیں محبوب رب العالمین، سید الاولین والآخرین، خاتم النبیین، سید المرسلین رحمۃ للعالمین جناب حضرت محمد الرسول اللہ - صلے اللہ علیہ وسلم - جن کی ذات والا صفات میں انسانیت نے بھی اپنی معراج کو پالیا، نبوت بھی مرتبۂ اتمام و اختتام کو پہنچ گئی اور رسالت بھی درجۂ تکمیل پر پہنچ کر تا قیام قیامت دائم و قائم ہو گئی — اس لئے کہ آپ کی بعثت صرف اپنے زمانے یا کسی ایک ملک یا قوم یا نسل کی جانب نہیں بلکہ قیامت تک جاری و ساری اور پوری نوعِ انسانی کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ہے - فصلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم !!!

آنحضورؐ معراجِ انسانیت پر تو آغازِ وحی سے قبل ہی فائز ہو چکے تھے - جس کی گواہی ابنائے نوع نے بھی آپ کو الصادق اور الامین کے خطابات کی صورت میں دی، اور آسمان سے بھی " وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ " کے الفاظ کی صورت میں آئی — عمر شریف چالیس سال کے لگ بھگ ہوئی تو آپؐ کی طبعِ مبارک پر خلوت گزینی کا غلبہ ہو گیا اور کچھ عرصہ غارِ حرا کی تنہائیوں میں غور و فکر اور سوچ بچار میں گزرا — تا آنکہ وہیں جبرائیل امینؑ تشریف لائے اور وحی کا آغاز ہو گیا اور آپ جبلِ نور کی بلندیوں سے اپنے مبارک کاندھوں پر نبوت و رسالت کی گراں بار ذمہ داریوں کا بوجھ اور دستِ مبارک میں وحیٔ آسمانی کی قندیل لئے اُترے، بقول مولانا حالی مرحوم ؎

اتر کر حراء سے سوئے قوم آیا اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

اس کے بعد تیرہ برس تک مکہ مکرمہ میں قیام رہا جس کے دوران دعوت و تبلیغ،
انذار و تبشیر اور وعظ و تذکیر کے مشقت بھرے مراحل بھی سر ہوئے اور دامنِ نبوت
کے ساتھ رشتۂ ایمان کے ذریعے وابستہ ہو جانے والوں کے تزکیہ و تربیت اور تعلیم
کتاب و حکمت کی منزلیں بھی طے ہوئیں۔ پھر کفر و انکار کی روش اختیار کرنے والوں
کی جانب سے تشدد و تعذیب اور اس کے ضمن میں صبر و مصابرت کی کٹھن وادیوں سے
بھی گزرنا ہوا جن میں شعب ابی طالب کا تین سال کا محاصرہ و مقاطعہ بھی شامل ہے۔
جس کے دوران خاندان بنی ہاشم کے لئے فقر و فاقہ کے مصائب انتہا کو پہنچ گئے اور
طائف کا طنز و استہزاء اور تشدد و سنگباری بھی جو آپؐ کے ذاتی و شخصی ابتلاء کا نقطۂ
عروج ہے۔ تاآنکہ قدرتِ خداوندی سے یثرب کی جانب ایک راہ کھلی جس کے نتیجے میں
ہجرت واقع ہوئی اور یثرب مدینۃ النبیؐ یا مدینہ منورہ بن گیا۔ لیکن آں حضورؐ اور آپؐ کے
جاں نثاروں کی مکہ سے مدینہ ہجرت کسی گوشۂ عافیت میں پناہ لینے کے لئے نہ تھی بلکہ
اب آپؐ کی جدوجہد ایک نئے دور میں داخل ہوئی اور اقدام و عمل کا ایک نیا مرحلہ
شروع ہوا جس نے ڈیڑھ دو سال کے اندر اندر حق و باطل کے مابین مسلح تصادم کی
صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ آٹھ سال سے بھی کم مدت میں دوسرے بہت سے چھوٹے
سرایا کے علاوہ بدر اور احد کے عظیم معرکے پیش آئے، پھر غزوۂ احزاب کا صبر آزما محاصرہ
اور مقابلہ ہوا جس کے دوران فقر و فاقہ اور خطرات و خدشات کی صورت میں تمام
اہل ایمان کے لئے صبر و ثبات کا امتحان آخری حد کو پہنچ گیا۔ چنانچہ اس کے بعد صورتِ
ل بدلی اور اس عظیم آزمائش میں کامیابی کے انعام کے طور پر صلح حدیبیہ کی صورت
ں اللہ تعالیٰ نے فتح مبین عطا فرمائی جو ایک جانب فتح مکہ اور اندرونِ ملک عرب
نقلاب محمدیؐ کی تکمیل اور دوسری جانب بیرونِ ملک دعوتِ نبویؐ کی توسیع کی تمہید بن
ئی۔ جس کے نتیجے میں پہلے غزوۂ موتہ ہوا اور پھر سفر تبوک پیش آیا۔ گویا کل بائیس ۲۲
سال کی مختصر مدت میں آں حضورؐ نے نہ صرف یہ کہ وسیع و عریض جزیرہ نمائے عرب میں اللہ
ے دین کا بول بالا کر دیا چنانچہ اللہ ہی کا کلمہ سربلند اور اُسی تعالیٰ کی بات سب سے اونچی ہو گئی اور
ین حق کا کامل غلبہ اور بتمام و کمال نفاذ ہو گیا، بلکہ اپنے مشن کے بین الاقوامی یا عالمی
مرحلے کا آغاز بھی آں حضورؐ نے بنفسِ نفیس خود فرمایا۔ اور اس کی تکمیل کی ذمہ داری
و اُمت کے حوالے فرما کر رفیق اعلیٰ کی جانب مراجعت اختیار فرمائی۔ فصلی اللہ علیہ وسلم

خطبۂ حجۃ الوداع میں آنحضورؐ نے اپنی تعلیمات کے اہم نکات کو آخری مرتبہ بتکرار وتاکید ذہن نشین کرانے کے بعد حاضرین سے ایک سوال کیا: "اَلَا ھَلْ بَلَّغْتُ" یعنی اے مسلمانو! میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا یا نہیں؟ جس کا جواب سوا لاکھ سے زائد حاضرین وسامعین نے بیک زبان دیا "اِنَّا نَشْھَدُ اَنَّکَ قَدْ بَلَّغْتَ وَ اَدَّیْتَ وَنَصَحْتَ!" یعنی حضورؐ ہم گواہ ہیں کہ آپؐ نے نہ صرف حقِ تبلیغ ادا فرما دیا بلکہ حقِ امانت اور حقِ نصح وخیر خواہی بھی!! مزید تاکید وتوثیق کے لئے آنحضورؐ نے یہی سوال تین بار کیا اور مجمع نے بھی یہی جواب تین بار دہرایا۔ اس کے بعد آپؐ نے نگاہ مبارک آسمان کی جانب اٹھائی اور انگشتِ شہادت سے پہلے آسمان اور پھر لوگوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: "اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ!" یعنی اے اللہ تو بھی گواہ رہ! — اور پھر نہایت بلیغ پیرائے میں یہ ارشاد فرما کر: "فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ!" یعنی اب پہنچائیں وہ جو یہاں موجود ہیں انہیں جو یہاں موجود نہیں ہیں! — اپنے مقصدِ بعثت کے بین الاقوامی یا عالمی مرحلے کی تکمیل کو ابد الآباد تک کے لئے اُمّت کے حوالے فرما دیا۔

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے یوم ولادت پر ہر سال پوری دنیا میں مسلمان جوش وخروش کا مظاہرہ کرتے ہیں اور محبت وعقیدت کے اظہار کے لئے گوناگوں صورتیں اختیار کرتے ہیں۔ کاش کہ اس موقع پر ہم پوری دیانت کے ساتھ اس امر کا جائزہ لیا کریں کہ نبی اکرمؐ کے ساتھ ہمارا تعلق درست بنیادوں پر استوار ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ اسی صحیح تعلق پر ہماری نجاتِ اُخروی کا دار ومدار ہے۔

آنحضورؐ سے ہمارے تعلق کی اصل اور اوّلین بنیاد "ایمان" ہے جس میں "اقرارٌ بِاللِّسَانْ" بھی ضروری ہے اس لئے کہ اسی پر دُنیا میں کسی کے مسلمان قرار پانے کا دار ومدار ہے۔ اور "تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْب" بھی اس لئے کہ یہ آخرت میں کسی مومن قرار پانے کے لئے لازمی ہے! اللہ کے فضل سے زبانی اقرار کی دولت تو ہمیں موروثی طور پر حاصل ہو گئی ہے لیکن لازم ہے کہ ہم اپنے دلوں کو ٹٹولیں کہ آیا آپؐ کی نبوّت ورسالت پر دلی یقین بھی موجود ہے یا نہیں!!

آں حضورؐ سے ہمارے تعلق کی دوسری اساس آپؐ کی تعظیم اور محبت ہے، اس

خُطبۂ نِکاح
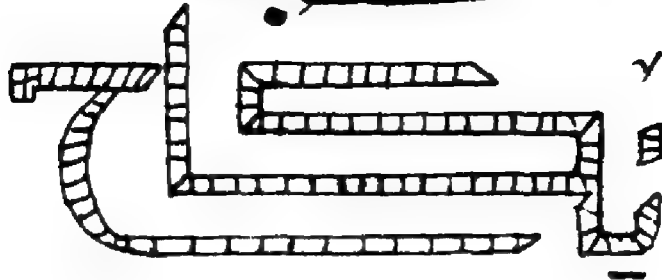
اور اس کا

ہماری معاشرتی زندگی سے تعلّق

تقریر

ڈاکٹر اسرار احمد

ترتیب: شیخ جمیل الرحمن

ہدیہ بموقع

عقدِ نکاح مسنونہ

عزیزم عارف رشید سلّمہٗ

(خلف الرشید ڈاکٹر اسرار احمد)

و

عزیزہ اسماء سلّمہا

(دختر نیک اختر قاضی عبدالقادر)

بتاریخ ۲۱ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۷ فروری ۱۹۸۱ء

بمقام جامع مسجد فاروق اعظمؓ شمالی ناظم آباد کراچی

خطبۂ نکاح اور ہماری معاشرتی زندگی

جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جب کبھی کسی کا نکاح پڑھاتے ہیں تو خطبۂ نکاح کی اہمیت و حکمت پر بھی خطاب فرماتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے چند خطابات راقم الحروف کے پاس ٹیپ میں محفوظ تھے۔ جن سے منتقل کر کے یہ اہم خطاب استفادۂ عام کے لئے شائع کیا جا رہا ہے۔ (جمیل الرحمٰن)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِا
مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ
فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ
مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ط اَمَّا بَعْدُ: فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَ
الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ مُحْدَثَ
بِدْعَةٌ وَّكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَ
مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِ
تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝ (سورۃ نساء آیۃ
قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيْ سُوْرَةِ آلِ عِمْرَانَ : (۱۰۲)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُ
قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيْ سُوْرَةِ الْاَحْزَابِ : (۷۰ - ۷۱)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَا
وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝
قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

"اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ"!

وَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : "فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ

حضرات گرامی!

یقیناً آپ حضرات کو بہت سی مجالسِ نکاح میں شرکت کا موقع ملا ہوگا اور آپ کا مشاہدہ یہ ہوگا کہ بالعموم خطبۂ نکاح یا تو اس طرح پڑھا جاتا ہے کہ صرف دُولہا اور آس پاس کے چند لوگ ہی اُس کو سُن پاتے ہیں۔ یا پھر نکاح کی مجلس مسجد میں منعقد ہو اور لاؤڈ اسپیکر پر خطبہ پڑھا جائے تو اس طرح خطبۂ نکاح کو تمام ہی شرکاء سُن لیتے ہیں اور اُن کو یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس خطبۂ نکاح میں قرآن حکیم کی چند آیات اور چند احادیث پڑھی گئی ہیں۔ لیکن چونکہ بدقسمتی سے عموماً شرکاء کی کثیر تعداد عربی سے نابلد ہوتی ہے، لہٰذا اُن لوگوں کو اس بات کا کوئی شعور حاصل نہیں ہوتا کہ ان آیات کا مفہوم و مطلب کیا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کا خطبۂ نکاح کے لئے کس عظیم مصلحت و افادیت کے پیشِ نظر انتخاب فرمایا ہے اور نہ ہی اُن کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کا ہماری معاشرتی زندگی سے کیا ربط و تعلق ہے اور خاص طور پر اِن آیات میں اس دُولہا کے لئے کیا نصائح، ہدایات، تذکیر اور رہنمائی موجود ہے، جو اس نکاح کے ذریعے عائلی زندگی میں قدم رکھ کر ایک نئے خاندان کے وجود میں آنے کی بنیاد بن رہا ہوتا ہے۔

اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خطبۂ نکاح کی جو اصل غایت ہے، وہ کسی طرح بھی پوری نہیں ہوتی۔ سیرتِ مطہرہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جہاں کہیں بھی مسلمان جمع ہوتے تھے، اور یہ جمع ہونا آپ کو معلوم ہے کہ ہماری معاشرتی زندگی میں بالعموم خوشی کے مواقع پر بھی ہوتا ہے اور غمی کے مواقع پر بھی — تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ ایسے اجتماعات میں موقع و محل کی مناسبت سے حضور عموماً کچھ تذکیر و نصیحت فرمایا کرتے تھے تاکہ دین کے اہم اُمور کی یاد دہانی ہو جایا کرے۔

خطبۂ جمعہ کی حکمت | شاید آپ کو معلوم ہو کہ خطبۂ جمعہ کی غرض و غایت بھی یہی تذکیر (یاد دہانی) ہے۔ مسلم شریف میں روایت آتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبۂ جمعہ میں لوگوں کو تذکیر اور قرآنِ حکیم کی قرأت فرمایا کرتے تھے: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ ط اسی طرح خطبۂ نکاح کی بھی اصل غرض و غایت تذکیر و نصیحت اور موعظتِ حسنہ ہے، ورنہ جہاں تک قانون کا تعلق ہے عروس کی رضامندی اُس کے وکیل کے ذریعے معلوم ہوتے ہی گواہوں کے سامنے اعلانِ عام کے ذریعہ

نکاح خواں ایجاب اور دولہا قبول کرتا ہے جو نکاح کے لئے کفایت کرتا ہے۔
انسانی نفسیات کا یہ پہلو بھی ہے کہ بہت سی باتیں انسان کو پہلے سے معلوم ہوتی ہیں اور وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ میں ان باتوں کو مانتا ہوں، تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن ان میں سے اکثر ضروری باتیں اس کے شعور میں تازہ نہیں رہتیں۔ تذکیر کا مقصد دراصل ان ہی حقائق کو یاد دلانا اور ان کو اُجاگر کرنا اور ذہن و شعور میں پھر تازہ کرنا ہوتا ہے۔ خطبۂ جمعہ چونکہ عربی زبان میں پڑھا جاتا ہے اور سامعین عربی زبان سے ناواقف ہوتے ہیں۔ لہٰذا خطبۂ جمعہ کی اصل غرض و غایت پوری نہیں ہوتی۔ زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم! والا معاملہ درپیش ہوتا ہے تو اسی وجہ سے اصل خطبہ سے قبل وعظ کا سلسلہ شروع کیا گیا اور ایک مسلک کی طرف سے خطبۂ جمعہ مقامی زبان میں دینے کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ یہ طریقہ دراصل اس اصول کے تحت اختیار کیا گیا کہ : مَالَا يُدْرَكُ كُلُّهُ لَا يُتْرَكُ كُلُّهُ۔ اگر کوئی چیز بتمام و کمال نہ ہو سکے تو اس کو بالکل چھوڑ بھی نہیں دینا چاہئے۔ جو کچھ حاصل کیا جا سکے، وہ ضرور حاصل کرنا چاہیئے!

خطبۂ نکاح کی حکمت | پس خُطبۂ نکاح بھی درحقیقت تذکیر کے لئے ہے۔ یہ تذکیر خاص طور پر اس شخص (یعنی دولہا) کے لئے بھی ہے جو اپنی زندگی کے ایک نئے دَور کا آغاز کر رہا ہوتا ہے۔ اور بہت سی نئی ذمّہ داریوں کا بوجھ اُس کے کاندھوں پر آ رہا ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں ایک خاندان کا اضافہ ہو رہا ہوتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ معاشرے کے لئے خاندان کا ادارہ بمنزلہ ایک اکائی ہوتا ہے۔ معاشرہ دراصل نام ہی بہت سے خاندانوں کے مجموعے کا ہے۔ اگر خاندان کا ادارہ درست اور مستحکم بنیادوں پر اُستوار ہو، اور اس کو اِس نہج پر منظّم کیا جائے جو ہمارے دین میں مطلوب ہے تو اس طرح لامحالہ معاشرہ صالح خطوط پر پروان چڑھے گا۔ خاندان کی جو کیفیات ہوتی ہیں درحقیقت ان ہی کا عکس معاشرے پر پڑتا ہے۔ کسی معاشرے میں صالح خاندانوں کی اکثریت ہوگی تو معاشرہ بھی مجموعی طور پر اعلیٰ اقدار اور صالحیّت کا حامل ہوگا۔ اس کے برعکس اگر خاندانوں کی اکثریت میں بگاڑ ہو، وہ ہی صحیح خطوط پر اُستوار نہ ہوں تو لازماً مجموعی طور پر معاشرہ بھی بگڑا ہوا معاشرہ ہوگا۔ لیکن چونکہ دُولہا جس کو تذکیر و نصیحت اصلاً مقصود ہے، عربی سے نابلد اور نشر کا ء بھی جو اس تذکیر سے مستفید ہونے چاہئیں عربی سے ناواقف۔ نتیجہ یہ کہ خطبہ

نکاح بھی محض ایک "رسم" بن کر رہ گیا ہے ۔ ("رہ گئی رسم اذاں روحِ بلالی" نہ رہی !")

سُنّتِ رسول ﷺ | نکاح کے ذریعے جو ایک خاندان کی بنیاد پڑ رہی ہوتی ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا معمول تھا کہ خطبۂ نکاح میں قرآن مجید کی چند آیات کی قرأت فرمایا کرتے تھے۔ اِس لئے کہ اصل تذکیر کا ذریعہ قرآن مجید ہی ہے۔ سورۂ قٓ کا اختتام ہی تذکیر بالقرآن کے تاکیدی حکم پر ہوتا ہے۔ وہاں فرمایا: فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝ "پس (اے نبی !) تذکیر کرائیے قرآن کے ذریعے سے، اُس کو جو میری پکڑ سے ڈرتا ہو !"

ابھی مَیں نے آپ کو خُطبۂ جمعہ سے متعلق حدیث سنائی تھی کہ : كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ ۔ سیرتِ مُطہرہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا یہی معمول خطبۂ نکاح کے سلسلہ میں بھی نظر آتا ہے۔ چنانچہ مَیں نے خطبۂ مسنونہ کے بعد قرآن کی جن آیات کی قرأت کی ہے، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم خطبۂ نکاح میں عموماً اِن آیات کی قرأت کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ سرسری طور پر غور کرنے سے ان آیات کی قرأت کی حکمتیں سمجھ میں آجاتی ہیں۔ اگر معاملہ یہ ہوتا کہ حصولِ برکت کے لئے چند آیات پڑھ لی جائیں تو اس اعتبار سے سورۂ فاتحہ ہونی چاہئے* یا سورۂ اخلاص ہونی چاہئے جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ثلث قرآن کے مساوی قرار دیا ہے۔ لیکن معاملہ یہ نہیں ہے، اس موقع پر قرآن مجید کی آیات کی قرأت محض حصولِ برکت یا روایت کے طور پر نہیں ہے۔ بلکہ موقع ومحل کی مناسبت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم خطبۂ نکاح میں عموماً سورۃ النّساء کی پہلی آیت، سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۰۲ اور سورۃ الاحزاب کی آیات ۷۰، ۷۱ کی قرأت فرمایا کرتے تھے۔ مجلسِ نکاح میں اِن آیات کی قرأت سے دراصل وہ تذکیر ونصیحت مقصود ہے جو اس شخص کے لئے نشانِ منزل اور موجبِ رہنمائی ہے جو زندگی کی ایک نئی شاہراہ پر قدم رکھ رہا ہوتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ مجلسِ نکاح میں صرف خُطبۂ نکاح پڑھنے پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ اُن احکام اور حکمتوں کو بھی بیان کیا جائے جو قرآنِ حکیم کی اِن آیات میں مضمر ہیں اور جن کی بطورِ تذکیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم قرأت فرمایا کرتے تھے ———— میں آگے جب اِن آیات کی مختصر طور پر کچھ شرح کروں گا تو اِن شاء اللہ نکاح کے موقع پر ان آیات کی قرأت کی

---

* جوامع القرآن بلکہ بجائے خود "قرآن عظیم" ہے ،

حکمتیں آپ کے سامنے آجائیں گی۔

تقویٰ کا ہمارے دین میں مقام | اِن آیات کی تشریح و تفہیم سے قبل میں چاہتا ہوں کہ آپ کی توجہ اس اہم بات کی طرف مبذول کراؤں کہ اِن آیات میں لفظ تقویٰ بتکرار آیا ہے۔ لفظِ "تقویٰ" ہمارے دین کی اہم ترین اور جامع ترین اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح ہے۔ اصطلاحات کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ کسی زبان کی اصطلاح کا ترجمہ و مفہوم کسی دوسری زبان میں ایک لفظ میں ادا کرنا ممکن نہیں۔ قرآن مجید کے اُردو تراجم میں تقویٰ کا ترجمہ عام طور پر "پرہیزگاری - ڈرنا اور بچنا" کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اِن میں سے کسی لفظ سے بھی ان معانی و مفاہیم کے بیان کا حق ادا نہیں ہوتا، جو تقویٰ کی دینی اصطلاح میں شامل ہیں۔ اِس لفظ کی شرح حضرت اُبیؓ ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی فصاحت، صراحت اور بہت ہی قابلِ فہم انداز میں فرمائی ہے۔ اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ صحابہ کرام کی ایک مجلس میں امیر المؤمنین فاروق اعظم حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لفظِ "تقویٰ" کا مطلب دریافت فرمایا۔ جس کے جواب حضرت اُبیؓ ابن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ تشریح بیان کی کہ :

> "یا امیر المؤمنین! جب کسی شخص کو جنگل کی ایسی پگڈنڈی سے گزرنے کا اتفاق ہو، جس کے دونوں اطراف میں خار دار جھاڑیاں ہوں تو ایسی پگڈنڈی پر گزرتے وقت وہ شخص لامحالہ اپنے کپڑوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر اس راستے کو اس طرح طے کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اُس کے کپڑے جھاڑیوں اور اُن کے کانٹوں سے اُلجھنے نہ پائیں۔ اِس احتیاطی رویّے کو عربی میں "تقویٰ" کہتے ہیں!" (اوکما قال)

فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس تشریح و مفہوم کی تصویب و توثیق فرمائی اور حضرت اُبیؓ ابن کعبؓ کو داد بھی دی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری دُنیوی زندگی کی پگڈنڈی کے ہمارے دائیں اور بائیں یعنی دونوں اطراف میں شہوات، لذّات اور معاصی کی خاردار جھاڑیاں موجود ہیں۔ اِثم و عُدوان کی ترغیبات و تحریصات کا کوئی شمار نہیں۔ ایک بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کے غضب اور سزا کے خوف اور اُس کے انعام، نگاہِ کرم، نظرِ ترحّم اور جزاء کے شوق سے نافرمانی کے ہر عمل سے بچتا ہوا اور دین کے تقاضوں اور مطالبوں کو ادا کرتا ہ

جب زندگی گزارنا ہے تو اس رویتے اور طرزِ عمل کا نام "تقویٰ" ہے اور اسی کو اختیار کرنے کی قرآن مجید میں دعوت و تاکید کی گئی ہے۔ اور خطبۂ نکاح کے موقع پر جو آیات پڑھی جاتی ہیں اُن میں اِسی تقویٰ کو اختیار کرنے کی ہدایت و حکم کو مرکزی مقام حاصل ہے۔

سُورۃ النّساء کی پہلی آیت | سورۃ النساء کے متعلق آپ میں سے اکثر حضرات کے علم میں یہ بات ہوگی کہ یہ سورۂ مبارکہ معاشرتی زندگی سے متعلق قرآن مجید میں انتہائی جامع سُورت ہے۔ خاندانی اور معاشرتی مسائل سے متعلق اس سورۂ مبارکہ میں بڑی تفصیلی ہدایات آئی ہیں۔ اِس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت انسانی معاشرے خصوصًا گھریلو زندگی کے لئے جامع عنوان کا مقام رکھتی ہے۔ لہٰذا اب آئیے اِس آیت کریمہ کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں، فرمایا:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ ؕ اے بنی نوعِ انسان! اے لوگو! اپنے اُس رَبّ (پروردگار اور پالنہار، ہادی و مُربّی) کا تقویٰ اختیار کرو۔ اُس کی پکڑ اور اُس کے محاسبے اور اُس کی سزا سے ڈرتے رہو! (چونکہ تم کو اُس کے حضور کھڑے ہو کر اپنے ہر عمل کی جو تم سے صادر ہوتا ہے اور ہر اُس قول کی جو تمہاری زبان سے نکلتا ہے جواب دہی کرنی ہے بمصداقِ آیتِ قرآنی: مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ)۔ آیت کے اس حصّہ میں نوعِ انسانی کو اپنے ربّ کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم اور ہدایت و دعوت دی گئی ہے۔ یہی تقویٰ دراصل دین کی جڑ اور اساس ہے۔ بلکہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تو فرمایا کہ تقویٰ رأس الحکمۃ ہے۔ دانائی اور حکمت اسی تقویٰ کی مرہونِ منّت ہوتی ہے۔ رَأْسُ الْحِکْمَۃِ مَخَافَۃُ اللّٰہِ (حدیث)[1] آگے فرمایا: الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ "(اپنے اُس ربّ کی پکڑ اور محاسبے سے ڈرتے رہو!) جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اُسی جان میں سے اُس کا جوڑا بنایا، اور ان دونوں سے کثیر تعداد میں مردوں اور عورتوں کو اس دنیا میں پھیلا دیا۔" (مراد ہیں حضرت آدم علیہ السّلام، اور حضرت حوّا جن سے یہ پُوری نسلِ انسانی چل رہی ہے)۔ اِس آیت کے پہلے حصّہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رُبوبیّتِ کاملہ اور تخلیقِ تامّہ کے حوالے سے نوعِ انسانی کو اپنا تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دی ہے، کیونکہ جو حقیقتِ نفس الامری کے اعتبار سے حقیقی مُربّی اور خالق ہے

---

[1] حکمت کی اساس خوفِ خدا ہے۔

اُسی کا یہ استحقاق ہے کہ اُس کی نافرمانی سے بچا اور اُس کی سزا سے ڈرا جائے ـــــ اِس آیتِ کریمہ کے اس ابتدائی حصّے میں اِس اہم اور بُنیادی امر کی طرف بھی رہنمائی دے دی گئی کہ پُوری نسلِ انسانی ایک ہی جوڑے (حضرت آدمؑ اور حوّا) کی اولاد ہیں۔ گویا وحدتِ انسانی کی جو دو حقیقی بنیادیں ہیں وہ بھی اسی چھوٹے سے ٹکڑے میں انتہائی جامعیت سے بیان فرمادی گئیں۔ سارے انسان جو آفرینشِ عالم سے تاحال پیدا ہوئے اور جو تا قیامِ قیامت پیدا ہوں گے، اُن کا ربّ اور خالق صرف اللہ! اور تمام انسان ایک ہی جوڑے کی ذُرّیتِ حقیقی اور ایک ہی گھرانا ہے۔ دُنیا نے رنگ و نسل اور لسان و وطن کی جو بنیاد قائم کر رکھی ہے[1] دولت و ثروت اور وجاہت کو جو تفریق و امتیاز کا سبب بنا رکھا ہے تو اِس کی امرِ واقعہ میں کوئی قیمت ہی نہیں۔ چونکہ تمام انسان ایک ہی جوڑے کی نسل سے ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ہاں شرف کا ایک مقام ہے اور وہ ہے تقویٰ۔ اسی بات کو سورۃ الحجرات میں مزید وضاحت سے باین الفاظ بیان فرمایا گیا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ○ (آیت ۱۳)	اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنایا ہے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں زیادہ باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ

پرہیزگار اور (اللہ سے) ڈرنے والا ہو۔ بے شک اللہ ہی سب کچھ جاننے والا پورا باخبر ہے۔

اِس آیت سے واضح ہوا کہ خاندانی تفوّق اور تفاخر کا زعم، زعمِ باطل ہے۔ اللہ تعالےٰ کے ہاں شرافت و کرامت کا اصل معیار تقویٰ ہے۔

آگے چلیے! اسی آیت میں تقویٰ کا دوبارہ حکم دیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا: وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ "اور اُس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ تم ایک دوسرے کو دیتے ہو اور بچو قطعِ رحم سے!" غور کرنا چاہیئے کہ اِس آیتِ مبارکہ میں تقویٰ کے حکم کی تکرار کیوں ہے! ویسے تو زندگی کے تمام معاملات کی اصلاح کا دار و مدار تقویٰ پر ہی ہے تقویٰ نہیں ہے تو سیاست بھی بے ایمانی اور ظلم و تعدّی بن جائے گی۔ تقویٰ نہیں ہے تو دینداری بھی سوداگری بن جائے گی۔ تقویٰ نہیں ہے تو تولنے والا ڈنڈی مارے گا، ناپنے والا

---

[1] اس کو قرآن حکیم صرف تعارف کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔

کمی کرے گا۔ تاجر اور صنعت کار دھوکہ اور فریب سے کام لے گا۔ ضروریاتِ زندگی کی ذخیرہ اندوزی کرکے اُس کی بازار میں مصنوعی قلّت پیدا کرے گا اور پھر مُنہ مانگے داموں پر بازار میں لائے گا۔ تقویٰ نہیں ہے تو لوگ غذا اور ادویات میں ملاوٹ کریں گے۔ مشہور برانڈوں کی جعلی نقل بنائیں گے۔ تقویٰ نہیں ہے تو ملازم پیشہ اور مزدور مالکوں کی حق تلفی کریں گے، اور کام چوری کریں گے۔ غرض کہ زندگی کے ہر معاملے اور ہر گوشے میں تقویٰ کی اشد ضرورت ہے۔ اِس کے بغیر زندگی صحیح نہج پر استوار نہیں ہوگی۔ لیکن خاص طور پر گھریلو زندگی کا معاملہ ایسا ہے کہ زندگی کے بقیہ گوشوں میں کسی حد تک قانون کی عملداری ہو سکتی ہے۔ پولیس کا عمل دخل ہے، عدالتوں کا عمل دخل ہے۔ کسی پر ظلم و زیادتی ہوئی ہے تو داد رسی کے لئے عدالتوں کا کُنڈا کھٹکھٹایا جا سکتا ہے۔ اور کسی نہ کسی درجہ میں یہ مختلف عملداریاں مؤثر بھی ہو سکتی ہیں۔ لیکن گھریلو زندگی کا معاملہ ایسا ہے کہ اِس دائرے میں قانون کے جو ادارے ہمارے معاشرے میں موجود ہیں، اُن کا عمل دخل بہت ہی کم ہے۔ گھر کی چار دیواری میں واقعہ یہ ہے کہ اگر تقویٰ موجود ہو تو معاملات درست رہیں گے۔ ورنہ سوچئے کہ کس نظام میں یہ ممکن ہے کہ ہر گھر میں ایک سپاہی مقرر کیا جا سکے، جو دیکھتا رہے کہ کوئی زیادتی تو نہیں ہو رہی۔ ایک دوسرے کے حقوق پامال تو نہیں ہو رہے۔ کوئی شخص اپنی زبان کا غلط استعمال کرتا ہے۔ اُٹھتے بیٹھتے وہ اس زبان کے ذریعے ظلم اور زیادتی کر رہا ہے۔ طعن و تشنیع جس نے اپنا وطیرہ بنا رکھا ہے تو آخر کون سا قانون ہے جو اس کے آڑے آسکتا ہے، اور کون سی پولیس ہے جو اس کو اس سے باز رکھ سکتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ گھریلو زندگی کا دائرہ وہ ہے کہ جس میں تقویٰ اور آخرت کی جواب دہی کا شعور و ادراک اور ایمان و ایقان ہی معاملات کو درست رکھ سکتا ہے: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ٥ : "انسان کوئی لفظ منہ سے نہیں نکال پاتا مگر یہ کہ اُس کے پاس ہی ایک ہوشیار نگران تیار ہوتا ہے!"۔ یہ بات اگر ہوگی تو دونوں فریق، شوہر اور بیوی اور ان کے اعزّہ و اقارب محتاط رہیں گے۔ شوہر بھی اپنے فرائض احساسِ ذمہ داری سے بجا لائے گا اور بیوی کے حقوق بحسن و خوبی ادا کرے گا اور بیوی بھی صحیح طور پر اپنے خاوند کے حقوق ادا کرے گی اور اپنے فرائض کو بجا لائے گی۔ اعزّہ و اقارب بھی اپنے اپنے اُن فرائض و حقوق کا لحاظ رکھیں گے جو شریعتِ حقّہ نے اُن کے لئے مقرر کئے ہیں۔ پس معلوم

ہوا کہ عائلی اور خاندانی زندگی میں تقویٰ کو وہ مقام حاصل ہے جس کے بغیر گھر گرہستی اور خاندانی نظام کا پورے سکون و اطمینان سے چلنا عملاً ناممکن اور عقلاً محال ہے۔

اب آئیے! اس آیتِ کریمہ کے اس حصّے کو مزید سمجھنے کی کوشش کریں۔ جو میں نے اب تک وَاتَّقُوا اللّٰہَ پر اس لحاظ سے گفتگو کی ہے کہ غور کا مقام یہ ہے کہ اس آیت میں تقویٰ کا حکم بتکرار کیوں آیا ہے۔ آیت کا پورا ٹکڑا یوں ہے: وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ ط "اور ڈرو اُس اللہ سے جس کا واسطہ ایک دوسرے کو دیتے ہو اور بچو قطعِ رحم سے!" یہاں بڑا لطیف اور مؤثر انداز فرمایا گیا ہے۔ عام طور پر مشاہدے میں یہ بات آتی ہے کہ اکثر جب کہیں گھریلو معاملات میں ناچاقی ہو جائے تو عدمِ موافقت اور اختلاف کو ختم کرانے اور مٹانے کے لئے خدا کا واسطہ دیا جاتا ہے۔ خاندان کے بزرگ دونوں فریقوں کو نصیحت کرتے ہیں "خدا کے واسطے باز آجاؤ، خدا کے لئے مان جاؤ، اختلافات ختم کرو، صلح صفائی کرو، خدا کے واسطے ایک دوسرے کی زیادتی کو معاف کر دو، خدا کے لئے آئندہ احتیاط کرو، ایک دوسرے کے حقوق اور جذبات و احساسات کا خیال رکھو، خدا کے لئے درگذر سے کام لو وغیرھا"۔ تو جس خدا کا تم کو واسطہ دیا جاتا ہے یا جس خدا کی تم ایک دوسرے کو دُہائی دیتے ہو، اگر اُس خدا کا تقویٰ تم پہلے سے اختیار کرو، اس کے احکام پر عمل پیرا رہو، جو حُدود اُس نے معیّن کی ہیں، اُن حدود پر قائم رہو تو ایسے جھگڑے پیدا ہونے کی صورت بہت کم ہو جائے گی۔ اور اگر پیدا ہوئے بھی تو فوری طور پر نمٹ بھی جائیں گے اور طے بھی ہو جائیں گے۔

پس جس خُدا کا تم واسطہ دیا کرتے ہو، اُس کے احکام، اُس کے اوامر و نواہی اور اُس کی ہدایات و تعلیمات کی پابندی کرو۔ یہی اصلاً تقویٰ کی روش ہے، یہی دین مطلوب ہے، اور اس رَوش کو اختیار کرنے کی برکت سے گھریلو جھگڑے اوّل تو کھڑے ہی نہیں ہوں گے، اور اگر ہو بھی گئے تو اللہ کے فضل سے جلد نمٹ جائیں گے!

آیت کے آخری حصّہ میں فرمایا: وَالْاَرْحَامَ ط "قطع رحمی سے بھی بچو!"۔ رشتوں کا احترام اور اُن کا پاس ہمارے دین میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ رحمی رشتوں کو کاٹنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اسلام کو ایک بہت ہی منظم اور صالح معاشرہ تشکیل

کیے ہیں اللہ تعالیٰ نے بطورِ نظام نازل فرمایا ہے : اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۔
اسلام ایک ایسا معاشرہ وجود میں لانا چاہتا ہے جس میں باہمی اُلفت ہو، مودّت ہو، ایک دوسرے کے لئے ہمدردی ہو، ایک دوسرے کے لئے اخوّت اور ایک دوسرے کے لئے احترام و اکرام کا جذبہ موجود ہو۔ اسی مقصد کے لئے اُس نے خاندان کے ادارے کو مضبوط کیا ہے ۔ اس خاندان کے ادارے کے دو عرض (DIMENSION) ہیں! ایک طرف والدین اور اولاد کا تعلق ہے، دوسری طرف شوہر اور بیوی کا تعلق ہے ۔ لہٰذا اگر ان دونوں اطراف کو صحیح بنیادوں پر اُستوار کر لیا جائے تو خاندانی نظام درست رہے گا۔ اور اگر کسی معاشرے میں معتدبہ تعداد درست اور صالح خاندانوں کی موجود ہو تو معاشرہ بھی صالح ہوگا۔ اور ایک صالح معاشرے کی برکات پورے طور پر رُوبعمل آئیں گی اور ان کا کاملاً ظہور ہوگا ۔ والدین اور اولاد کے حقوق کی قرآنِ حکیم میں بڑی اہمیّت بیان ہوئی ہے ۔ اِس کی اہمیّت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ متعدّد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ ملحق کر کے والدین کے حق کا ذکر فرمایا ہے ۔ چنانچہ سُورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا : وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ (آیت ۲۳) "اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور تم اپنے ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کیا کرو!" سورۂ لقمان میں فرمایا : اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ (آیت ۱۴) "کہ تو میرا شکرگزار بن اور اپنے والدین کا بھی!" اِس سے اندازہ کیجئے کہ والدین کے حُقوق کی کس قدر اہمیّت و تاکید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حق سے ملحق کر کے والدین کے حقوق کا ذکر فرماتا ہے ۔ اسی طرح اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ شوہر اور بیوی کے درمیان محبّت و اُلفت اور مودّت کا صحیح تعلّق قائم ہو ۔ دونوں اپنے فرائض کو ادا کر رہے ہوں، اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی پورے اہتمام کے ساتھ ہو رہی ہو ۔ جس کی برکت سے اِنْ شاءَ اللہ کوئی نزاع ہی پیدا نہیں ہوگا ۔ یہ ہیں خاندان کے ادارے کے دو عرض ۔ تیسرا عرض ہے قرابت داری کے رشتوں کا احترام اور اُن کے حقوق کا لحاظ اور اُن کی ادائیگی ۔ چنانچہ قرآن مجید میں متعدّد مقامات پر آپ دیکھیں گے کہ والدین کے بعد قرابت داروں کے حقوق کا ذکر آئے گا ۔ جیسے فرمایا : وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ یہاں "وَالْاَرْحَامَ" فرما کر ان تمام رحمی رشتوں کی پاسداری کرنے، لحاظ رکھنے،

ان کی ادائیگی کا اہتمام کرنے اور اُن کی پامالی سے بچنے کی ہدایت دے دی گئی۔ اس آیتِ مبارکہ کے آخر میں فرمایا : اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ؕ "بے شک اللہ تمھاری نگرانی کر رہا ہے!" یعنی جان لو کہ تمھارا ایک ایک عمل اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے۔ یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ تمھارے عمل کا کوئی محاسبہ نہیں ہوگا اور تمھارے اعمال و اقوال کا کوئی ریکارڈ تیار نہیں ہو رہا۔ بلکہ جیسا کہ میں سورۂ قٓ کی یہ آیت دوبارہ آپ کو سُنا چکا ہوں کہ :- مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ؕ : جو بات بھی زبان سے نکلتی ہے وہ ریکارڈ ہو رہی ہے۔ لکھنے والے موجود ہیں جو اُس کو لکھ رہے ہیں! یہی بات سورۃ الانفطار میں فرمائی : وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ ؕ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ ؕ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ؕ : "اور بلا شبہ تم پر نگران مقرر ہیں۔ ایسے معزز کاتب جو تمھارے ہر فعل و عمل کو جانتے ہیں!"

مغربی تہذیب کا المیہ خدا فراموشی اور ہدایتِ ربّانی سے محرومی کے باعث مغربی تہذیب جس کرب اور المیہ سے دوچار ہے، ہماری عظیم اکثریت کو اس کا پتہ ہی نہیں۔ ہم ان ممالک کی ظاہری شان و شوکت اور جاہ و حشمت دیکھ کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ دُنیا میں ان سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں۔ "دُور کے ڈھول سُہانے ہوتے ہیں!" کے مصداق اُن کے ٹھاٹھ باٹھ اور تمدّنی ترقّی سے ہم اتنے مرعوب ہیں کہ ہمیں اُن کے آلام و مصائب کا اندازہ ہی نہیں ہوتا اور ہم اس مغالطے میں مبتلا ہوتے ہیں کہ وہاں ہر طرح سُکھ، چین اور سکون و اطمینان ہے۔ حالانکہ اِس خدا نا آشنا تہذیب کا قریبی مشاہدہ کرنے والے جانتے ہیں کہ ان خدا فراموش ممالک میں خاندانی نظام درہم برہم ہو چکا ہے۔ جس کی وجہ سے پورا معاشرہ انتہائی کرب اور دُکھ میں مبتلا ہے۔ وہاں آزادانہ شہوت رانی کا دَور دَورہ ہے، لہٰذا شادی بیاہ کا بکھیڑا کون مول لے۔ جن لوگوں میں سابقہ روایات کا کچھ پاس ہے، وہ شادی کا بندھن اختیار کرتے ہیں، تو اُن میں سے اکثر کا حال یہ ہے کہ شوہر بیوی سے نالاں اور اس کی عصمت و عفّت کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا اور بیوی شوہر سے بیزار اور اُس کے باوفا ہونے کے بارے میں شکوک۔ مزید برآں اوّل تو مانعِ حمل تدابیر سے اولاد کے جھمیلے سے بچاؤ ہوتا ہے۔ لیکن کسی کو اولاد کی چاہت ہوئی بھی تو اکثریت کے بچے "نرسریوں" (NURSARIES) میں پرورش پاتے ہیں۔ لہٰذا محبّتِ مادری اور شفقتِ پدری سے

یکسر محروم، اور اولاد کے دل والدین کی محبت اور احترام سے بالکل خالی۔ والدین جب بوڑھے ہو جاتے ہیں تو اُن کے دلوں میں اولاد کی محبت کا خوابیدہ جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ لیکن اولاد کا حال یہ ہوتا ہے کہ ماں باپ کی خدمت تو کجا، اُن سے ملنے اور اُن کے ساتھ کچھ لمحات گزارنے کے لئے فرصت اور وقت ہی نہیں۔ بوڑھے ماں باپ اولاد کی شکل دیکھنے کے لئے سالوں ترستے رہتے ہیں۔ وہاں ایسے بوڑھے مردوں اور عورتوں کے لئے جن کی بیویاں یا شوہر وفات پا چکے ہوں اور جو تنہا رہ گئے ہوں، ہوسٹل قائم ہیں کہ وہ دوسرے بوڑھوں اور بوڑھیوں کی معیت میں تنہائی کے احساس کو مٹا سکیں۔ یہ ہے خاندانی نظام کے برہم ہونے کی نقد سزا جو مغربی معاشرہ بھگت رہا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں بھی جو لوگ مغربی تہذیب کے اندھے مقلّد ہیں اور اُس کی تمدّنی ترقّی سے جن کی نگاہیں خیرہ ہو چکی ہیں۔ جن کے ذہن وقلب اُس خدا ناآشنا تہذیب سے مرعوب ہیں۔ پھر یہ لوگ مسلمان ہوتے ہوئے بھی اپنے دین کی تعلیمات سے کوسوں دُور ہیں۔ وہ بھی اسی المیہ اور کرب میں مبتلا ہیں کہ جس اولاد کو بڑے لاڈ پیار سے پالا پوسا تھا۔ اعلیٰ تعلیم دلوائی تھی۔ جس کے لئے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کیا تھا ان میں سے بھی اکثریّت کو مکافاتِ عمل کے اِسی قاعدے سے سابقہ پیش آتا ہے کہ جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے۔ یہ لوگ بھی اولاد کی شکل دیکھنے کو ترستے ہیں اور یہ حسرت لئے ہوئے دُنیا سے رُخصت ہوتے ہیں کہ اُن کی اولاد بڑھاپے میں اُن کے پاس بیٹھے، اُن کو کچھ وقت دے اور اُن کی دلجوئی کرے۔ جب ماں باپ کے ساتھ یہ ناروا رویّہ وسلوک ہو تو بھلا قرابت داروں کے ساتھ حُسنِ سُلوک اور اُن کے حُقوق کی ادائیگی کا کیا سوال! یہ ہے ہدایتِ ربّانی کو پسِ پُشت ڈالنے کی نقد سزا جو دُنیا ہی میں بھگتنی پڑتی ہے۔ آخرت میں دائمی طور پر ایسے لوگ جس دردناک انجام سے دوچار ہونے والے ہیں، وہ علیحدہ ہے۔

سُورۂ آلِ عمران کی آیت | روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبۂ نکاح میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم ——— سورۂ آلِ عمران کی اِس آیت کی بھی قرأت فرماتے تھے: یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ (آیت ۱۰۲) "اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ (ڈر) اختیار کرو جیساکہ اُس کا تقویٰ اختیار کرنے (اُس سے ڈرنے) کا حق ہے، اور تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم

اللہ کے) فرمانبردار ہو!"

غور فرمایئے! کہ اِس آیت میں بھی اہلِ ایمان کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم د
یا رہا ہے۔ اور اس حکم کو مؤکد کرنے کے لیئے فرمایا جا رہا ہے کہ تقویٰ بھی معمولی تقو
مطلوب نہیں بلکہ تقویٰ پوری حُدود و قیود کے ساتھ مطلوب ہے۔ "حَقَّ تُقٰتِہٖ"
شان والا تقویٰ درکار ہے۔ ہم اور آپ تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر سے سرسری ط
پر گزر جاتے ہیں۔ ہمیں خیال ہی نہیں آتا کہ یہ حکم ہم سے کیا مطالبہ کر رہا ہے۔ لیکن صح
کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جب یہ آیت سُنی تو وہ لرز اُٹھے۔ وہ جانتے
کہ تقویٰ کا اصل حق ادا کرنا جُوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ انہوں نے نبی اکرم صلّی
علیہ وسلّم سے فریاد کی کہ ہم تو مارے گئے۔ ہم میں سے کون ہوگا جو تقویٰ کا پورا حق ا
کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مومنین صادقین کی دلجوئی اور اطمینان کے لیئے سورۂ تغابُن م
وضاحت فرمائی کہ: فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (آیت ۱۶) یعنی انسان حدِ استط
تک ہی مُکلّف ہے۔ انسان خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں تقویٰ کی رو
اختیار کرنے کی سعی کرتا رہے۔ شعوری طور پر اس کی نافرمانی سے مجتنب رہے تو بر بنائ
بشری اس سے جو لغزشیں ہوں گی ان کو اللہ تعالیٰ اپنی شانِ غفّاری و رحیمی کے طفیل
فرما دے گا۔ لیکن کس کو کتنی استطاعت ملی ہے، اِس کا فیصلہ بھی اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا
اگر اِس مغالطہ میں مبتلا ہو گیا کہ مجھ میں فلاں فرائض دینی انجام دینے کی استطاعت ہی
تو جان لیجئے کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے اور ایسے شخص کو آخرت میں سخت ترین محاسبہ سے ا
سابقہ پیش آکر رہے گا، اور ایسا شخص انجام کے لحاظ سے سخت خسارے میں رہے گا۔

خطبۂ نکاح کے موقع پر اس آیت کی قرأت کی حکمت بادنیٰ تأمّل سمجھی جا سکتی
میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی یہ حدیث آپ کو سُنا چکا کہ: رَأْسُ الْحِکْمَۃِ مَخَ
اللّٰہِ۔ نیز میں عرض چکا کہ ایک بندۂ مومن جادۂ حق پر تقویٰ کے بغیر قائم رہ ہی نہیں
مزید یہ کہ ہمارے دین میں تقویٰ کا جو مفہوم ہے وہ حضرت اُبیؓ ابن کعبؓ کے حوالے
بھی بیان کر چکا۔ اِن تمام اُمور کو سامنے رکھئے اور پھر غور کیجئے کہ خاندانی اور عائلی زندگ
تقویٰ ایک مسلمان کے لیئے کتنی عظیم اہمیت کا حامل ہے۔ لہٰذا خطبۂ نکاح کے موقع پر
تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت ایک ذی ہوش اور باشعور انسان کے لیئے مشعلِ راہ بن سک

اور اُس کو زندگی کے اِس نئے دائرے میں قدم رکھتے ہی یہ احساس ہوجاتا ہے کہ کتنی بھاری ذمہ داریوں کا بوجھ اُس کے کاندھوں پر آرہا ہے اور اُسے معلوم ہوجاتا ہے کہ زندگی کی اِس نئی راہ کے لئے اُس کا اصل زادِ سفر اگر کچھ ہے تو وہ اللہ کے تقویٰ کے سوا کچھ نہیں۔

آگے چلئے! اسی آیت کے اختتام پر فرمایا کہ: وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝ زندگی کے سفر میں کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کتنی مہلتِ عمر لے کر آیا ہے۔ لہٰذا آیت کے اس حصہ میں یہ لطیف حقیقت بھی واضح فرمادی کہ اللہ کا تقویٰ صرف عارضی اور وقتی طور پر مطلوب نہیں ہے۔ بلکہ یہ ساری زندگی کا معاملہ ہے۔ اسی تقویٰ اور فرمانبرداری کی رَوِش پر جینا اور مرنا ہے۔ یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ ابھی تو جوانی اور شباب کا عالم ہے، اُمنگوں اور ولولوں کا زمانہ ہے۔ لہٰذا اب تو دل کے ارمان اور چاہت نکالنے کا دَور ہے۔ نہیں ہرگز نہیں! تم کو کیا معلوم کہ قضاءِ الٰہی کب آجائے اور کب مہلتِ عمل ختم ہوجائے۔ لہٰذا زندگی کے ہر ہر لمحے کو خدا کی فرمانبرداری اور اطاعت میں گزارنے کا عزمِ مصمم رکھو، اور تابعداری کی رَوِش ہمہ وقت اختیار کئے رکھو۔ تاکہ جب بھی موت کا فرشتہ آئے اور وہ اچانک بھی آسکتا ہے۔ تو اُس وقت بھی تم متقی اور فرمانبردار ہو اور اسی حال میں آخرت کی منزل کی طرف رحلت کرو، جو ہر انسان کی حقیقی زندگی کا دائمی گھر ہے: وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۝ (سورۂ عنکبوت ۶۴)

سُورۃ الاحزاب کی دو آیات

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبۂ نکاح کے آخر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ الاحزاب کی ان دو آیات کی قرأت فرمایا کرتے تھے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۝ (آیات ۷۰، ۷۱): "اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ (ڈر) اختیار کرو اور دُرست بات کہا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سُدھار دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا۔ اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرے تو اُس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی!"۔ غور کا مقام ہے کہ یہاں بھی پہلی آیت کے آغاز میں اُسی تقویٰ کے اختیار کرنے کے حکم کا اعادہ ہے جو سورۃ النّسآء کی پہلی آیت میں دو بار اور سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۰۲ میں حَقَّ تُقٰتِهٖ کی تاکید کے ساتھ ایک بار آچکا ہے۔ اب اس

آیت میں اِس کا پھر اعادہ ہو رہا ہے۔ اس سے ہر مسلمان بالخصوص اس دُولہا کو بخوبی معلوم ہو سکتا ہے جو زندگی کے ایک نئے دَور کا آغاز کر رہا ہوتا ہے کہ گھر گرہستی کے معاملات میں اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کو ہر لمحہ، ہر لحظہ اور ہر قدم پر ملحوظ رکھنا کتنا ضروری ہے۔ گویا عائلی زندگی کی مسرّت و راحت اور سکون و اطمینان کا انحصار ہی تقویٰ کی رَوِش پر ہے جس کے بغیر یہ متأہل زندگی باعثِ راحت اور شادمانی ہونے کے بجائے باعثِ کلفت و پریشانی بن سکتی ہے۔ اسی آیتِ کریمہ میں دوسرا حکم ہے: وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا: "اور بات کرو درست اور سیدھی"۔ میں مُنہ سے نکلنے والی بات کی اہمیّت کا اپنی تقریر کی ابتدا میں اجمالاً ذکر کر چکا ہوں۔ اب اس موقع پر اِس حکمِ ربّانی کی حکمت کی تفہیم کے لئے مجھے قدرے تفصیل سے کچھ عرض کرنا ہے۔

زُبان (قول) کا ہمارے معاشرے سے تعلّق | آپ یقیناً اِس بات سے اتّفاق کریں گے کہ بین الانسانی معاملات میں اکثر و بیشتر زبان کا غلط استعمال بہت سے فتنوں کو جنم دیتا ہے۔ انسانی تعلّقات میں نفرت اور بَیر کا بیج بونے اور پھر اُس کو نشوونما دینے اور دلوں میں زہر گھولنے میں زبان کے غلط استعمال کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اِس کو حَصَائِدُ الْاَلْسِنَۃ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ زبانوں کی کھیتیاں ہیں، جو کاٹنی پڑتی ہیں۔ زبان آپ کے قابو میں نہ ہو اور اُس کا غلط استعمال ہو تو یہی بات بہت سی خرابیوں، بُرائیوں اور تعلّقات میں بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔ عربی کی کہاوت ہے کہ "تلوار کے زخم مُندمِل ہو جاتے ہیں۔ لیکن زبان کا زخم مندمل نہیں ہوتا!" ہم میں سے ہر ایک کو کبھی نہ کبھی تجربہ ہوگا کہ اس کہاوت میں بڑی صداقت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جسمانی زخم بھر جاتے ہیں، لیکن زبان کے گھاؤ کا بھر جانا اور مُندمِل ہو جانا مشکل بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔ چونکہ زبان کا گھاؤ براہِ راست دل پر جا کر لگتا ہے، جس کے اِندمال کا کوئی سوال ہی نہیں۔ شوہر اور بیوی، ساس اور بہو اور اعزّہ و اقارب کے مابین جو پیچیدہ اور لاینحل مسائل و تنازعات کھڑے ہو جاتے ہیں، اُن کا جب تجزیہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں سے اکثر کی اصل جڑ اور بنیاد زُبان کا غلط استعمال ہوتا ہے۔ بین الانسانی معاملات میں قولاً سدیدًا اور قولِ حَسَن کی اہمیّت اس بات سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل سے لئے جانے والے جس عہد و پیمان اور میثاق کا ذکر ہے، اس میں زبان کا

صحیح استعمال بھی شامل ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (آیت: ۸۳)

یاد کرو، اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ ماں باپ کے ساتھ اور رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک اور لوگوں سے دُرست اور بھلی بات کہنا۔ نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا۔

زبان کے غلط استعمال کی ممانعت

معاشرتی زندگی کو صحیح خطوط پر استوار کرنے کے لئے سورۃ الحجرات میں بھی بڑے تفصیلی احکام دیئے گئے ہیں اور ان تمام مفاسد کے انسداد کے لئے ہدایات دی گئی ہیں، جو ایک خاندان اور معاشرے میں بگاڑ کا سبب بنتے ہیں، ان تمام مفاسد کا تعلق زبان اور قول ہی سے ہے۔ وہاں فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (آیت ۱۱)

اے ایمان لانے والو! نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اُڑائیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اُڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں ——— آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد برائی کا زبان پر آنا بھی بہت ہی بُری بات ہے۔ جو لوگ اس رَوِش سے باز نہ آئیں، وہ ہی ظالم ہیں ÷

اسی سورت کی اگلی آیت کے درمیان غیبت سے منع کیا گیا اور اس فعل کی شناعت کو ظاہر کرنے کے لئے وہ تشبیہ دی گئی جس سے زیادہ دل میں کراہت پیدا کرنے والی کوئی تشبیہ دینا ممکن ہی نہیں، فرمایا: وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۝ (آیت: ۱۲) "اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا بھی ہے، جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ اِس سے تو تم خود گھن کھاؤ گے!"

خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اِن آیات میں جن باتوں سے روکا گیا ہے اُن کا تعلق زبان ہی سے ہے۔ کسی کا تمسخر کرنا ہو، مذاق اُڑانا ہو تو اِس کا صدور بھی اکثر زبان ہی سے ہوتا ہے ویسے اس میں کسی کی نقل کرنا، کسی کی صورت یا لباس یا کسی کام پر ہنسنا، یا کسی کے نقص یا عیب کی طرف لوگوں کو اِس طرح توجہ دلانا کہ لوگ اس پر ہنسیں۔ یہ سب بھی مذاق اڑانے میں داخل ہیں، لیکن مذاق اڑانے کا بیشتر تعلق زبان ہی سے ہے۔

آگے فرمایا: وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ "آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے پر عیب لگاؤ"۔ لفظِ "لَمْز" بڑا وسیع المعانی لفظ ہے۔ اس کے مفہوم میں طعنہ زنی کرنا، چوٹیں کرنا، پھبتیاں کسنا، الزام لگانا، اعتراض جڑنا اور عیب چینی کرنا یہ سب افعال شامل ہیں۔ آگے فرمایا: وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ "کسی کو بُرے لقاب سے مت پکارو!" کسی کو ایسا لقب دینا جس سے اُس کی تذلیل ہوتی ہو۔ مثلاً کسی کو چڑانے کے لئے کوئی نام رکھ دیا جس کو عرفِ عام میں "چڑ" کہتے ہیں۔ کسی کو بونا کہہ دیا کسی کو لنگڑا، لولا، کانا اور اندھا، بہرا کہہ دیا کسی کو اُس کے اپنے یا اُس کے ماں باپ یا خاندان کے کسی حقیقی یا غیر حقیقی عیب یا نقص سے منسوب کر دیا، یا کسی کو تمسخر آمیز اور مضحکہ خیز نام سے موسوم کر دیا۔ ایسے سب افعال تنابز بالالقاب میں شمار ہوں گے۔ غیبت کو اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دے کر اُس کی شناعت ظاہر کی گئی ہے غیبت پیٹھ پیچھے کی جاتی ہے اور جس طرح مردہ بھائی کے گوشت کھانے اور نوچنے پر وہ اپنے دفاع پر قادر نہیں ہوتا، اسی طرح وہ بے چارہ جس کی غیبت کی جا رہی ہوتی ہے، اس غیبت سے بالکل بے خبر ہوتا ہے اور اسے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کہاں اور کس نے اُس کی عزت و وقار کو مجروح کیا ہے۔ اور اس طرح وہ بھی اپنے دفاع سے قاصر ہوتا ہے۔

مزید غور سے دیکھئے کہ ایسے تمام افعال کو "فسق کا نام زبان پر لانا" قرار دیا گیا ہے۔ فسق دین کی اصطلاح میں اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی حدود سے نکل جانے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ ایمان لانے کے بعد ایسے کام کرنا عدالتِ الٰہی میں فسق میں نام پیدا کرنا قرار پائے گا: بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ۔ سورۂ حجرات کی ان آیات میں جن برائیوں اور گناہوں کے لئے نواہی (اجتناب کرنے، بچنے، رُکنے) کے احکام آئے ہیں۔ یہ خرابیاں وہ ہیں جن کے ارتکاب کا ہمارے معاشرے بالخصوص مجلسی اور گھریلو زندگی میں بڑا چلن ہے کھانے

کے دستر خوان پر چند لوگ جمع ہوں تو ماکولات کے ساتھ جو لذیذ ترین ڈش ہوتی ہے وہ یہی ہمز ولمز، تنابزو بالالقاب، تمسخر و استہزاء اور غیبت ہوتی ہے۔ عورتیں اس مرض میں زیادہ مبتلا نظر آتی ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب بھی چند عورتیں جمع ہوں گی تو ان ہی برائیوں کا ارتکاب ہوگا۔ کسی کا بگاڑا ہوا نام رکھ چھوڑا ہے، کسی کو طعنہ دے دیا ہے، کسی کا مذاق اُڑا دیا ہے، کوئی چبھتا ہوا فقرہ کس دیا ہے، کسی کی چٹکی کھائی ہے۔

عام طور پر اس قسم کی باتیں خوش گپیوں کے لئے LIGHT MOOD میں بھی کہی جاتی ہیں اور اکثر آدمی ان کو ہنس کر ٹال بھی دیتا ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ جس کے ساتھ یہ معاملہ کیا جا رہا ہو، اُس کی اُس وقت ایسی ذہنی و نفسیاتی کیفیت ہو کہ یہ بات اُس کے دل پر چرکا اور گہرا داغ لگنے کا سبب بن جائے اور ایسا گھاؤ ڈال دے، جس کا اندمال ممکن ہو۔

زبان کے غلط استعمال کے بُرے نتائج جیسا کہ میں عرض کر چکا کہ گھریلو جھگڑوں اور زن و شو کے تنازعات کا جب بھی تجزیہ کیا جائے گا، تو اکثر اس میں زبان کے غلط استعمال کی کارفرمائی نظر آئے گی۔ شوہر نے کسی وقت کوئی طعنہ دے دیا، بیوی نے تنک کر جواب دے دیا۔ نتیجہ کیا ہوا؟ گھر کی فضا مکدر ہو گئی، جو گھر کے اُجڑنے پر بھی منتج ہو سکتی ہے۔ ساس یا نند نے کوئی طنزیہ بات کہہ دی، بہو کو بُری لگ گئی۔ اگر وہ اُس کو صبر و تحمل سے پی گئی، تو کچھ عافیت ہے۔ لیکن اس کا منہ پھول گیا جو غیر فطری نہیں، یا اُس نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دے دیا۔ بہو نے ساس یا نند کے ساتھ ایسا ہی طرزِ عمل اختیار کیا۔ تو گویا بگاڑ کا بیج پڑ گیا۔ پھر اگر ناعاقبت اندیشی سے ساس یا نند یا خود بیوی نے مرد سے لگائی بجھائی کر دی اور اس کو جوانی کا جوش آ گیا اور اُس نے ہوش سے کام لینے کے بجائے محض جوش میں آ کر کسی ایک فریق کی حمایت یا مدافعت میں اُلٹی سیدھی باتیں منہ سے نکالنی شروع کر دیں تو گھر بزم کے بجائے رزم گاہ بن جائے گا، گھر کا اطمینان و سکون رخصت ہو جائے گا۔ اگر بات آگے بڑھ گئی، حالات مزید بگڑ گئے تو میکے والوں اور اعزہ و اقارب تک اس رنجش اور تکدر کے اثرات پہنچیں گے۔ اولاد کی تربیت غلط خطوط پر اور بگاڑ کے ماحول میں ہو گی اس کے اخلاق متاثر ہوں گے اور ان کے صاف و شفاف ذہن بھی لاشعوری طور پر مکدر ہونے شروع ہو جائیں گے۔ ان تمام خرابیوں سے بچنے اور محفوظ رہنے کا قرآنِ حکیم یہ علاج تجویز فرمایا ہے کہ : وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ط زبان کو قابو میں رکھو اور مُنہ سے درست اور

صحیح بات نکالو۔ اسی طرزِ عمل میں عافیت وخیریت ہے، اسی میں گھر کا اطمینان اور سکون مضمر ہے۔ یہی سَو بیماریوں اور خرابیوں کا شافی علاج ہے۔

نبی اکرمؐ کی ہدایات میں چاہتا ہوں کہ زبان کو احتیاط سے استعمال کرنے کے ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ بھی آپ کو سُنا دُوں۔ جس سے آپ کو اور خاص کر دولہا اور اُس کے اعزہ واقارب کو معلوم ہوجائے کہ زبان کے درست استعمال میں کیا خیر ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے کیا بشارت ہے۔ اور زبان کے غلط اور غیر محتاط استعمال کی کیا خرابی ہے اور ایسے لوگوں کے لئے عقوبت کی کیا وعید ہے۔!

پہلی حدیث صحیح بخاری کی ہے جو قرآن مجید کے بعد اہل سنت کے نزدیک صحیح ترین کتاب ہے۔ حدیث یہ ہے:

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ	حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مجھے
مَنْ يَّضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ	(اُن دو چیزوں کی) ضمانت دے جو اُس کے
وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ	دو گالوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) او
لَهُ الْجَنَّةَ ۔	جو اُس کی دو ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی شرمگ

تو مَیں اُس کے لئے جنّت کی ضمانت دیتا ہوں۔!!

ہم سب کے لئے اور خاص طور پر دولہا کے لئے اس حدیث میں بڑا سبق ہے۔ نبی اکرمؐ نے زبان کے صحیح استعمال کرنے اور جنسی تقاضے کو جائز طور پر پورا کرنے والے کے لئے جنّت کی ضمانت اپنے ذمّہ لی ہے!

دوسری ایک طویل حدیث ہے جس کے راوی ہیں حضرت معاذ ابنِ جَبَل رضی اللہ عنہ اور جس کو امام احمد بن حنبل، امام ترمذی اور امام ابنِ ماجہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے اپنی ا کُتبِ احادیث میں درج کیا ہے۔ جیسا کہ مَیں نے عرض کیا کہ یہ طویل حدیث ہے، جس میں حضرت معاذ ابن جبلؓ کے اس سوال پر کہ اے اللہ کے رسولؐ! مجھے ایک ایسے عمل کی خ دیجئے جو مجھ کو جنّت میں داخل کر دے اور آگ سے دُور رکھے۔ اس سوال کے جواب میں نبی اکرمؐ نے دین کے تمام اُمورِ مہمّات کی تعلیم دی جن میں توحید کے ساتھ اللہ کی عبادت اطاعت، اقامتِ صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، صوم رمضان، حج بیت اللہ کے فرائض دینی کا

شامل ہیں۔ نفلی روزے اور صدقے اور نوافل بالخصوص تہجّد کے فضائل بیان فرمائے اور دین کی بلند ترین چوٹی اور اعلیٰ ترین نیکی (HIGHIEST VIRTUE) جہاد فی سبیل اللہ کو قرار دیا گیا ہے۔ اِن اُمور کی تعلیم کے بعد حضورؐ نے جو آخری ارشاد فرمایا اس کا چونکہ میری اس گفتگو سے براہِ راست تعلق ہے۔ لہٰذا میں اس کو متن کے ساتھ پیش کرتا ہوں، حضورؐ نے فرمایا:۔۔۔۔۔۔!؟

ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكَ بِمَلَاكِ ذٰلِكَ كُلِّهٖ قُلْتُ بَلٰى يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فَاَخَذَ بِلِسَانِهٖ وَقَالَ كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَاِنَّا لَمُؤَاخَذُوْنَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهٖ قَالَ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ يَا مُعَاذُ وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِى النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اَوْ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ۔

پھر (نبی اکرمؐ نے) فرمایا (اے معاذؓ) کیا میں تجھ کو نہ بتلاؤں وہ بات جس پر اِس (دخولِ جنّت) کا مدار ہے۔ میں نے عرض کیا کیوں نہیں یا نبی اللہ! پھر حضورؐ نے اپنی زبان پکڑلی اور فرمایا اِس کو تُو بند کر لے۔ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! کیا ہم اُس چیز کے ساتھ پکڑے جائیں گے، جو ہم بولتے ہیں۔ فرمایا گُم کرے تجھ کو تیری ماں اے معاذؓ ۔۔۔۔ لوگوں کو آگ میں ان کے مُنہ کے بل یا ناک کے بل ان کی زبان کی باتیں ہی گرائیں گی۔ یعنی زبان کی کھیتیاں ہی ہوں گی، جو وہ آخرت میں کاٹیں گے ؂

مقامِ عبرت | ہم نے زبان کے غلط استعمال کو ہنسی مذاق سمجھ رکھا ہے۔ طعن و تشنیع کو اپنے معمولات میں شامل کر رکھا ہے۔ حالانکہ اس کی ہلاکت خیزیاں اتنی ہیں کہ یہ فعل انسانوں کے تعلّقات بگاڑتا ہے۔ اور یہ بگاڑ بسا اوقات قطع تعلّقات اور مستقل نفرت وعداوت پیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ اور یہ عداوت مستقل شکل اختیار کر لیتی ہے۔ کتنے ہی خاندان ہیں جو زبان کے غلط استعمال سے تباہ ہو جاتے ہیں، کتنی ہی سہاگنوں کے سہاگ اُجڑ جاتے ہیں اور وہ معلّق ہو کر اپنی جوانی کو ماں کے گھٹنے سے لگ کر گزار دیتی ہیں، کتنے ہی مرد وعورت ہیں جو بے راہروی اختیار کر لیتے ہیں، کتنے معصوم بچّے ہیں جن کی اُٹھان غلط رخ پر ہوتی ہے وہ آوارہ ہو کر معاشرے کے لئے بوجھ بن جاتے ہیں۔

اِن تمام خرابیوں کا علاج سورۂ احزاب کی ان دو آیات میں ہمیشہ ہمیش کے لئے

تجویز فرما دیا گیا: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا﴾ "اے اہلِ ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور درست بات کہا کرو"۔ اس تقویٰ الٰہی اور قول سدید کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال درست اور اصلاح یافتہ کرے گا اور تمہاری خطاؤں اور لغزشوں کو معاف فرما دے گا: ﴿يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾ جو شخص گھر کی زندگی میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا اور زبان کے استعمال میں محتاط رہے گا۔ ظاہر بات ہے کہ زندگی کے دوسرے تمام ہی معاملات میں اس کی شخصیت میں اس عمل کی برکات کا ظہور ہوگا اور اس کی دورنگی زندگی نہیں ہوگی، جیسا عام طور پر مشاہدہ ہوتا ہے کہ ایک شخص باہر والوں کے لئے بڑا خوش مزاج، با اخلاق، حلیم، شفیق اور خلیق ہے لیکن گھر والوں کے لئے فرعونِ بے سامان بنا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے دو رُخے، دوغلی اور دورنگی زندگی اختیار کرنے والے قطعی ناپسند ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو گھر والوں، بیوی، بچوں، ماں باپ اور قرابتداروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والوں کو افضل ترین انسانوں میں سے قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام ترمذیؒ اور امام دارمیؒ نے اپنی اپنی کتبِ احادیث میں یہ روایت درج کی ہے: عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي "حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کا اپنے گھر والوں کے ساتھ سلوک بہترین ہے اور میں تم سے اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے بہترین سلوک کرنے والا ہوں"۔ یہی روایت امام ابنِ ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر والوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والوں کا ہمارے دین میں کتنا ارفع و اعلیٰ مقام ہے۔

اطاعت کے لوازم | سورۂ احزاب کی ان دو آیات سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ تقویٰ الٰہی اور قولِ سدید اللہ اور رسول کی اطاعت کے لوازم میں شامل ہیں۔ چنانچہ آخر میں فرمایا: ﴿وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ "اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کرے گا، وہی کامیاب قرار پائے گا اور ا

وہ کامیابی حاصل ہوگی جو بڑی عظیم کامیابی ہے!"

حضرات! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبۂ نکاح کے موقع پر جن آیات کی عموماً قرأت فرمایا کرتے تھے۔ میں نے اس مختصر سے وقت میں ان کی شرح اور ان کی حکمتیں عرض کر دی ہیں مجھے توقع ہے کہ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ اس موقع کی مناسبت سے کس قدر اہم ہدایات ہیں جو ان آیاتِ مبارکہ میں بیان ہوئیں۔ اور ان میں ہم سب کے لئے اور خاص طور دولہا کے لئے سوہ تذکیر، نصیحت، ہدایت اور رہنمائی موجود ہے، جن کو زندگی کے ہر معاملہ اور ہر موڑ پر بالخصوص معاشرتی زندگی میں اگر سامنے رکھا جائے تو ان شاء اللہ اس کی برکت سے خاندان بھی خوش و خرم رہے گا۔ اس میں سکون و اطمینان کی فضا قائم و دائم رہے گی، اور اس کا عکس ہمارے معاشرے میں مترتب ہوگا۔ جو نظامِ اسلامی کے نفاذ و قیام اور استحکام میں ممد و معاون ثابت ہوگا۔ جس کے بغیر اسلامی نظام کا نفاذ و قیام بھی مشکل، اور اگر ہو بھی جائے تو اس کا مستحکم ہونا مشکوک!

نکاح سُنّتِ رسول ہے!

حضرات! ہمارے علماء و خطباء خطبۂ نکاح میں ان آیات کی قرأت کے بعد احادیث میں سے دو حدیثوں کے دو چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بھی پڑھا کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے بھی وہ ٹکڑے آپ کو سنائے ہیں۔ عام طور پر بعض حضرات ان کو اس طرح پڑھ دیتے ہیں کہ یہ ایک ہی حدیث معلوم ہوتی ہے۔ اچھی طرح جان لیجئے کہ یہ دو حدیثوں کے علیحدہ علیحدہ ٹکڑے ہیں، مکمل احادیث نہیں ہیں۔ پہلا ٹکڑا اُس حدیث کا ہے، جس کو امام ابن ماجہؒ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ: "نکاح میرا طریقہ اور میری سُنّت میں سے ہے!" اس میں درحقیقت اس راہبانہ تصوّر کی نفی اور تردید کی جا رہی ہے جو دنیا میں رائج رہا ہے۔ رہبانیت کا یہ تصوّر آپ کو عیسائیوں میں بھی نظر آئے گا اور ہندوؤں میں بھی۔ دُنیا کے اور بھی مذاہب ہیں جیسے بدھ مت، جین مت، ان میں بھی یہ تصوّر مشترک ملے گا کہ یہ نکاح اور گھر گرہستی کی زندگی روحانیت کے اعتبار سے گھٹیا درجہ کی زندگی ہے۔ اس اعتبار سے اِن مذاہب میں اعلیٰ زندگی تجرّد کی زندگی ہے۔ شادی بیاہ کے بندھن کو یہ مذاہب روحانی ترقی کے لئے رکاوٹ قرار دیتے ہیں۔ مرد ہو یا عورت دونوں کے لئے تجرّد کی زندگی کو ان کے ہاں روحانیت کا اعلیٰ وارفع مقام دیا جاتا ہے۔ نکاح کرنے والے ان مذاہب کے نزدیک ان کے

معاشرے میں دوسرے درجہ کے شہری (SECOND RATE CITIZEN)
شمار ہوتے ہیں۔ چونکہ شادی بیاہ کے کھکیڑ میں پڑ کر انہوں نے اپنی حیثیت گرادی ہے۔
ہمارے دین میں رہبانیت نہیں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تصوّر کی کامل نفی اور تردید فرمائی ہے، قول سے بھی اور اپنے عمل سے بھی۔ حضورؐ نے فرمایا میرا طریقہ یہ نہیں ہے۔ مَیں جو دین لے کر آیا ہوں، وہ دینِ فطرت ہے۔ یہ دین انسان کے کسی بھی طبعی اور فطری تقاضے پر کوئی غیر فطری قدغن عائد نہیں کرتا، نہ ہی وہ یہ چاہتا ہے کہ ان تقاضوں کو بالکلیہ کچل دیا جائے۔ اس کے برعکس عملاً دین ان فطری تقاضوں کو صحیح رخ پر اور صحیح راستوں پر ڈال دیتا ہے اور صحیح خطوط پر CHANALISE کرتا ہے۔ ان کا جو صحیح مصرف ہے، اس کے لئے اُس نے جائز راہیں متعین کر دی ہیں۔ ان راستوں کو اختیار کرنے میں ہی خود انسان کے لئے اپنی انفرادی سطح پر بھی بھلائی ہے اور اجتماعیت کے اعتبار سے بھی اسی میں خیر ہے۔ لہٰذا ان تقاضوں کے پورا کرنے کا جو صحیح، جائز اور مفید طریقہ ہے، اس کے لئے اس نے راستہ کھلا رکھا ہے جیسے نکاح۔ البتہ وہ غلط راستے بند کرتا ہے جیسے زنا، آزادانہ شہوت رانی کا طریقہ جو فرد کے لئے موجبِ شر اور معاشرے کے لئے موجبِ فساد ہوتا ہے۔ اسلام نے رہبانیت کی تعلیم نہیں دی بلکہ رہبانیت سے تاکیداً منع کیا ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ: "اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں ہے ۔۔۔!" یہاں جو لام استعمال کیا گیا ہے، وہ عربی کے قاعدے کے مطابق لامِ نفی جنس کہلاتا ہے۔ جس کا مطلب ہوا کہ ہر قسم کی رہبانیت کی نفی ہوگئی۔ یہی بات میں دوسری طویل حدیث میں واضح طور پر آپ کے سامنے بعد میں پیش کروں گا جس کا آخری ٹکڑا یہ ہے کہ: فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي: "جو میری سُنّت کو ناپسند کرے اُس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں!"

ایک اہم احتیاط جو ہم سب کو ملحوظ رکھنی ضروری ہے مَیں چاہتا ہوں کہ اس موقعے پر اس اہم بات کی طرف بھی توجہ دلاؤں جو عام طور پر دوسرے مذاہب کے زیرِ اثر چاہے وہ ہندوانہ تصوّرات ہوں یا عیسائیوں کے خیالات۔ ہماری اکثریت کے ذہنوں میں بھی بیٹھ گئی ہے اور وہ یہ کہ شادی نہ کرنا اور تجرّد کی زندگی بسر کرنا واقعی کوئی اعلیٰ و ارفع

نیکی ہے۔ چنانچہ عام طور پر بعض بزرگوں کے تذکرے میں ہماری زبانوں پر یہ الفاظ آجاتے ہیں کہ فلاں بزرگ بڑے ہی اللہ والے اور عابد و زاہد تھے، انہوں نے زندگی بھر شادی ہی نہیں کی گویا اس بزرگ کا شادی نہ کرنا ایک قابلِ مدح و تعریف کام قرار پایا۔ اب آپ خود سوچئے کہ اس بات کی زد غیر محتاط انداز اور غیر شعوری طور پر کہاں پڑ رہی ہے۔ ع : ناوک نے ترے صید نہ چھوڑا زمانے میں! ۔ اس کی زد پڑ رہی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اگر شادی نہ کرنا اور تجرد کی زندگی بسر کرنا کوئی قابلِ تحسین کام ہے، کوئی اعلیٰ وارفع عمل ہے، زہد، عبادت، اور نیکی کا کوئی بلند تر مقام ہے، تو نعوذ باللہ من ذالک نبی اکرمؐ تو اس سے محروم رہے۔ لہٰذا یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ ہمارے لئے یہ احتیاط لازم ہے کہ اس قسم کی بات کو نیکی اور مدح و تعریف کے طور پر زبان سے کبھی نہ نکالا جائے۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ جس نے نکاح نہ کیا ہو تو اس کے خلاف کوئی فتویٰ ہی دے دیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی حقیقی مجبوری ہو، حالات شادی کی اجازت نہ دیتے ہوں۔ یہ بالکل دوسری بات ہے۔ لہٰذا ایسے بزرگوں پر تنقید کی زبان کھولنا بھی صحیح نہیں ہوگا۔ البتہ جو احتیاط ضروری ہے وہ یہ کہ تجرد کی زندگی کی مدح ہرگز نہیں ہونی چاہیے۔ اس لئے کہ نبی اکرمؐ کا فرمان یہ ہے کہ: "النکاح من سنتی!" اگر اس کے برعکس روش کو آپ نے مقامِ مدح قرار دیا اور اس کو نیکی کا کوئی اعلیٰ کام سمجھا تو اس میں نبی اکرمؐ کے لئے قدح کا پہلو نکل آئے گا اور ہمارا ایمان زائل اور اعمال حبط ہو جائیں گے۔

دوسری حدیث کا آخری ٹکڑا جو میں نے آپ کو سنایا کہ: "فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ!" وہ یہی: "اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ!" کا لازمی نتیجہ ہے۔ نبی اکرمؐ کی امت میں شامل ہونے کا لازمی تقاضا اور نتیجہ یہ نکلنا چاہیے کہ ہر امتی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور سنت عزیز ترین اور محبوب ترین ہو۔ اگر وہ کسی سنت پر عمل کرنے سے معذور و مجبور اور قاصر ہو تو اس کو ملول و مغموم ہونا چاہیے، اس کو اپنی بدنصیبی سمجھنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ حضورؐ کی سنت کو ناپسند کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا تعلق حضورِ اکرمؐ سے نہیں ہے، چاہے وہ ایمان کا مدعی ہو۔ زبانی طور پر اس کے عشقِ رسولؐ کے بڑے بڑے دعوے ہوں، کتنا ہی وہ غلامِ نبیؐ بنا پھرتا ہو، لیکن اگر اسے سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند ہے اور وہ اسے کسی درجہ میں بھی لائقِ التفات نہیں سمجھتا تو اس کے عشقِ رسول کے تمام دعوے

جھوٹے اور باطل ہیں۔ یہی مفہوم اور مطلب ہے : فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ کا ـــــــ!!

یہاں یہ بات بھی سمجھ لی جائے تو مناسب ہے کہ عربی میں لفظ رغبت جب اِلیٰ کے صلے (PREPOSITION) کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی کسی چیز کو پسند کرنا، اس کی طرف میلانِ طبع ہونا اور رغبت ہونا ہوتا ہے۔ رَغِبَ اِلیٰ کے معنی یہی ہوتے ہیں اور لفظ رغبت اُردو میں اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن عربی میں جب یہ لفظ عَنْ کے صلہ کے ساتھ آئے گا۔ رَغِبَ عَنْ تو اس کے معنی کسی چیز کو ناپسند کرنے اور کسی چیز سے نفرت اور رُوگردانی کے ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث کے اس ٹکڑے میں رَغِبَ عَنْ استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا اس کا مفہوم کسی چیز یا کام کو ناپسند کرنا، اور اس سے نفرت و رُوگردانی کرنا ہوگا۔

رُشد و ہدایت کی صراطِ مستقیم | حضرات ! اب میں چاہتا ہوں کہ آپ کو وہ حدیث مع ترجمہ مکمّل طور پر بھی سُنا دوں جس کا آخری ٹکڑا ہے : فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ ! اِس حدیث میں ہم سب کے لئے رشد و ہدایت اور دین کے مطابق معتدل و متوازن زندگی کی صراطِ مستقیم کی طرف کامل رہنمائی موجود ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے یعنی اس کی صحت پر امام بخاری اور امام مسلم رحمہ اللہ علیہما متفق ہیں اور اہلِ سُنّت کے نزدیک ایسی احادیث کا مقام بلند ترین قرار پاتا ہے : حدیث یہ ہے :

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَآءَ ثَلٰثَةُ رَهْطٍ اِلٰی اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَسْئَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا بِهَا كَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا فَقَالُوْا اَیْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدُهُمْ اَمَّا اَنَا

انسؓ سے روایت ہے، کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بیویوں کے پاس تین آدمی آئے اور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عبادت کے متعلّق پُوچھا، جب ان کو خبر دی گئی۔ انہوں نے اِس کو کم جانا اور کہنے لگے ہماری نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ کیا نسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پہلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں۔ ایک کہنے لگا میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ دن کو روزہ رکھوں گا اور افطار

فَأُصَلِّي اللَّيْلَ أَبَدًا وَقَالَ الْآخَرُ أَنَا أَصُومُ النَّهَارَ أَبَدًا وَلَا أُفْطِرُ وَقَالَ الْآخَرُ أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا أَمَا وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ لٰكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا، کبھی نکاح نہ کروں گا۔ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اُن کے پاس آئے پس فرمایا: تم نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں۔ خبردار! اللہ کی قسم میں تمھاری نسبت اللہ سے بہت ڈرتا اور تقویٰ کرتا ہوں، لیکن میں روزہ رکھتا بھی ہوں، افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کیا ہے۔ جس نے میرے طریقے سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔
(متفق علیہ)

لمحاتِ فکریہ | آخر میں، مَیں یہ عرض کرنا اپنا فرض اور ذمّہ داری سمجھتا ہوں کہ صرف نکاح ہی سُنّت نہیں ہے۔ جیسا کہ ان احادیث سے معلوم ہوا جو مَیں نے سنائیں۔ جن سے یہ بات ہمارے سامنے بصراحت آ گئی ہے کہ یقیناً نکاح سُنّتِ رسولؐ ہے۔ لیکن قرآنِ حکیم نے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پوری حیاتِ مبارکہ امّت کے لئے اُسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔۔۔ بفحوائے فرمانِ الٰہی: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (سورۂ احزاب ۲۱)
معلوم ہوا کہ نبی اکرمؐ کی پوری زندگی ہمارے لئے بحیثیتِ مجموعی سنّت کا مقام و مرتبہ رکھتی ہے۔ لہٰذا ہمیں اس پر ہرگز مطمئن نہیں ہونا چاہیئے کہ نکاح کی سنّت ہم نے ادا کر دی اور پھر حضورؐ کے اس فرمانِ مبارک کی بھی تعمیل کر دی کہ: أَعْلِنُوا هٰذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ: "نکاح کا اعلانِ عام کیا کرو اور اُسے مسجدوں میں منعقد کرو!" ٹھیک ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ان سُنّتوں کی ادائیگی کی جن کو توفیق و سعادت ملی، وہ قابلِ مبارکباد ہیں۔ لیکن ہمیں یہ بھی غور کرنا ہو گا کہ زندگی کے بقیّہ معاملات میں سُنّت کے تقاضے کیا ہیں، نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اسوۂ حسنہ کیا ہے۔ دین کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے اور نبی اکرمؐ کی تمام سنّتوں کی ادائیگی کا فکر و اہتمام کرنے ہی میں دراصل ہماری

دُنیوی و اُخروی صلاح و فلاح اور نجات کا دار و مدار ہے جیسا کہ سورۃ احزاب کی آیت ۷۱
کے آخر میں فرمایا کہ : وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ط اللہ اور اُس
کے رسولؐ کی اطاعت کا حکم قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ آیا ہے۔ موقع نہیں ورنہ میں
آپ کو ان میں سے چند آیات سُناتا۔ بس اتنا جان لیجیے کہ اللہ کی اطاعت، رسولؐ کی
اطاعت کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے فرمایا : مَنْ اَطَاعَنِيْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ
"جس نے میری اطاعت کی درحقیقت اُس نے اللہ کی اطاعت کی"۔ سورۃ آل عمران میں
سنّتِ رسولؐ کے اتباع کا مقام اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر متعین فرما دیا ہے، اور اہل ایمان
کے ساتھ اپنی محبّت کو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اُسوۂ کامل کے اتباع کے ساتھ
مشروط کر دیا ہے : فرمایا : قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ
لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (آیت ۳۱) (اے نبیؐ!) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ
سے محبّت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبّت کرے گا اور تمھاری خطاؤں سے درگزر
فرمائے گا، اور اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے"۔ یہ آیت اِس بارے میں نصِّ قطعی ہے
کہ اللہ سے محبّت کے دعوے کی اصل کسوٹی نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اتباع، حضورؐ کی
پیروی، آنحضورؐ کی سنّتوں کی ادائیگی کا اہتمام ہے۔ اور اس طرزِ عمل کا مقام یہ ہے کہ اللہ
ایسے لوگوں سے محبّت کرے گا، اور اُن سے جو غلطیاں اور کمزوریاں بر بنائے بشری سرزد
ہوں گی، اللہ اُن کو معاف کر دے گا کیونکہ وہ غفور بھی ہے، رحیم بھی۔

پس معلوم ہوا کہ زندگی کے ہر گوشے اور ہر معاملے میں سنّتِ رسولؐ کی پیروی لازم ہے۔
نکاح بھی حضورؐ کی سنّت ہے۔ لیکن معاملہ یہاں ختم نہیں ہوگا۔ دعوت و تبلیغ دین بھی
حضورؐ کی سُنّت ہے۔ لوگوں تک قرآن کا پیغام اور اس کی دعوت پہنچانا بھی حضورؐ کی سنّت
فرائض پنجگانہ کی وقت پر صحیح آداب و شرائط کے ساتھ ادائیگی بھی سُنّت ہے۔ مجاہدہ
فی سبیل اللہ اور قتال فی سبیل اللہ بھی رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت ہے۔ لوگوں
پر دین کی حُجّت قائم کرنا بھی سُنّت ہے۔ دینِ حق کو عملاً قائم کرنے کی جِدّ و جُہد کرنا اور اس کام
میں اپنا جان و مال لگانا، اپنی توانائیاں صرف کرنا بھی سُنّتِ رسول اللہ ہے۔ معصیّت کی
ہر ترغیب و تحریص سے بچنا اور پوری زندگی میں چاہے وہ سیاست ہو، تجارت ہو، ملکی
انتظام ہو، بین الاقوامی اور بین الانسانی تعلّقات و معاملات ہوں۔ اِن سب کو قرآ

کی ہدایات اور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اُسوۂ حسنہ کے مطابق انجام دینا بھی سُنّت ہے۔ شادی بیاہ کی تقاریب کو صرف مسجد میں نکاح کے انعقاد تک محدود رکھنا ہی سنّت نہیں بلکہ اس معاملے میں یہ دیکھنا بھی ہماری ذمہ داری ہے کہ شادی بیاہ کے سلسلہ میں ہم کون کون سی ایسی رسومات کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جن کا اللہ کے دین اور نبی اکرم کی سنّت سے نہ صرف یہ کہ کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ سراسر غیر اسلامی اور خلافِ سُنّت ہیں۔

حرفِ آخر | حضرات! چند سال قبل سے مجھے احباب و رفقاء کے شدید تقاضے پر متعدد احباب کے یہاں شادی کے موقع پر نکاح پڑھانے کا اتّفاق ہوا۔ میرا شروع ہی سے یہ معمول رہا کہ خطبۂ نکاح کی غرض و غایت اور حکمت پر مَیں تقریر ضرور کیا کرتا تھا، جس میں ان آیات و احادیث کی تشریح بھی ہوتی جو نکاح کے خطبۂ مسنونہ میں پڑھی جاتی ہیں۔ ساتھ ہی مروّجہ رسومات پر بھی تنقید ہوتی اور اصلاح کے لئے کچھ مشوروں، اور نصیحتوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ نومبر ۱۹۶۳ء میں اپنے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد سلّمہٗ کی شادی کے موقع پر مَیں نے طے کیا کہ جن اصلاحات کی طرف مَیں لوگوں کو متوجّہ کراتا ہوں ان پر خود عمل کر کے دکھاؤں ورنہ ان باتوں کا کہنا چھوڑ دینا چاہیے۔ بقول علّامہ اقبال مرحوم ؎ "یا سراپا نالہ بن جا، یا نوا پیدا نہ کر!" چنانچہ پنجاب میں شاید یہ پہلی شادی تھی جو ٹھیٹھ سنّتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کے مطابق انجام پائی۔ نکاح مسجد میں منعقد ہوا اور ان تمام رسومات سے اجتناب اختیار کیا گیا جو غیر اسلامی ہی نہیں بلکہ خالص ہندوانہ ہیں۔

مَیں نے ۱۹۶۲ء کے اواخر ہی میں 'میثاق' میں لکھا تھا کہ کراچی میں بعض تجارت پیشہ برادریوں میں نکاح کی مجالس کا مساجد میں انعقاد کا معمول کافی عرصہ سے جاری ہے۔ تعجّب کی بات ہے کہ کراچی سے جس برائی کا آغاز ہو اُسے لاہور یا پنجاب کے دُور دراز گوشوں تک پہنچنے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ لیکن ایک بھلا کام جو وہاں عرصے سے ہو رہا ہے۔ اس کے بارے میں یہاں تاحال سوچا بھی نہیں گیا چنانچہ مَیں نے اپنے بھائی کا نکاح مسجد میں منعقد کر کے اور تمام غیر اسلامی رُسوم سے اجتناب کر کے اصلاحی کام کا آغاز کر دیا ہے۔ نیز مَیں نے اس کے ساتھ ہی 'میثاق' میں اپنے ان فیصلوں کا بھی اعلان کر دیا کہ مَیں آئندہ سے :

(د) کسی بارات میں شرکت نہیں کروں گا چونکہ میرے محدود مطالعہ کی حد تک بارات کا رائج الوقت طریقہ خالص ہندوانہ تصوّرات پر مبنی ہے۔

(ب) میں نکاح کے موقع پر کسی دعوتِ طعام میں شامل نہیں ہوں گا کیونکہ خیر القرون سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ شادی کے ضمن میں لڑکے والوں کی طرف سے دعوتِ ولیمہ مسنون ہے۔ جس کا ثبوت ہی نہیں، بلکہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا تاکیدی حکم ملتا ہے۔

(ج) کسی ایسی نکاح کی تقریب میں شرکت نہیں کروں گا جو مسجد میں منعقد نہ ہو۔

الحمد للہ والمنّۃ! میں اپنے ان فیصلوں پر کاربند ہوں[1]۔ میں آپ حضرات کو مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ صرف نکاح کے مسجد میں انعقاد پر اکتفا نہ کیجئے، بلکہ معاشرے سے شادی بیاہ کی اُن تمام رسومات کو ختم کرنے کی کوشش کیجئے۔ جن کا اسلام سے سرے سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور جن کا طومار اور بوجھ ہم نے خود اپنے کاندھوں پر اُٹھا رکھا ہے۔ شادی بیاہ کی ان تمام رسوم کا، جن کا ہمارے ہاں رواج ہے، جب بھی منصفانہ جائزہ لیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ ان کی اصل ہندوانہ رسم و رواج ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو قرآنِ حکیم اور اُسوۂ رسولؐ کے ذریعے ہمارے کاندھوں پر سے بوجھ اتارے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۷ میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط: اور (ہمارا یہ نبی اُمّیؐ) لوگوں پر سے وہ بوجھ اُتارتا ہے، جو اُن پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے، جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے"۔

پس نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا احسانِ عظیم یہ ہے کہ آپؐ نے دین کو آسان سے آسان بنا دیا ہے۔ آپؐ نے ہدایت دی کہ: يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا: "آسانیاں پیدا کرو، مشکلات پیدا نہ کرو"۔ لیکن ہم ہیں کہ مشکل پسند بن گئے ہیں۔ ہم نے شادی بیاہ کی تقریب میں لاتعداد اضافی رسوم کو اختیار کر رکھا ہے، جس سے شادی ایک بے انتہا گراں مسئلہ بن گیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ توارث اور برادریوں کے تعامل سے جو ہندوانہ رسوم ہمارے ہاں جاری ہیں

---

[1] نومبر ۱۹۸۶ء میں ڈاکٹر صاحب موصوف کی پہلی بچّی کی شادی ہوئی ہے۔ موصوف نے اپنی بچّی کو نہ خود زیادہ جہیز دیا اور نہ ہی اعزّہ و اقارب اور احباب کی جانب سے دیئے ہوئے تحائف قبول کئے۔ اور نکاح کے بعد بچّی کو مسجد ہی سے رخصت کر دیا۔ ان کے ہاں مہمانداری کی کسی نوع کی بھی کوئی تقریب نہیں ہوئی۔ (ج۔ ر)

اُن کو چھوڑنے کے لیئے ہم تیار نہیں - ہندوستان میں جن برادریوں اور خاندانوں نے اسلام کو قبول کیا وہ اپنے ساتھ اپنی رسوم بھی لائے اور ان کو چھوڑنے کے بجائے اُن کے نام بدل دیئے اور ان کو جاری رکھا اور اب تک جاری رکھے ہوئے ہیں۔ سننے میں آیا ہے اور میں نہیں کہہ سکتا کہ اس بات میں کہاں تک حقیقت ہے کہ قیام پاکستان سے قبل میو قوم میں میوات کے بعض علاقوں میں نکاح کے موقع پر مولوی صاحب آکر نکاح بھی پڑھاتے تھے اور پھر پنڈت جی آکر پھیرے بھی ڈلواتے تھے، تاکہ پکا کام ہوجائے۔ آخر نسلاً بعد نسل جو چیز دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی تو اس وجہ سے ان کا اطمینان نہیں ہوتا تھا کہ صرف دو بول کہنے سے بندھن بندھ گیا۔ اسی لیئے وہ دولہا دلہن کے کپڑوں میں گرہ لگا کر اگنی کے سات پھیرے بھی لگواتے تھے اور اس طرح ان کو اطمینان ہوتا تھا کہ اب معاملہ مضبوط ہوگیا ہے۔ اس بات پر تو آپ لازماً مسکرائیں گے۔ یا اسے بہت ہی بعید از قیاس گمان کریں گے -

لیکن جائزہ لیجئے کہ بعینہ یہی حال ہمارا ہے۔ نکاح حضورؐ کے طریقے پر ہو لیکن بارات کا طومار ہے، جہیز کا انبار ہے، رسومات ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر۔ جو لوگ صاحب ثروت ہیں، وہ اپنی دولت و ثروت اور امارت کے اظہار کے لیئے پرانی رسموں پر ہی اکتفا نہیں کرتے، بلکہ نئی نئی رسوم اور بدعات ایجاد کرتے رہتے ہیں۔ اس معاملہ میں ان کا ذہن بڑا زرخیز ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ ان تمام رسومات کی نبی اکرمؐ کی سنّت اور صحابہ کرامؓ کے تعامل میں کوئی بنیاد نہیں۔ کراچی کی بعض برادریوں نے چند اصلاحی اقدامات کئے ہیں مجھے یہ عرض کرنے پر معاف کیا جائے کہ ان اصلاحی اقدامات کا اصل محرک دین کی تعلیمات پر عمل کرنے کے جذبے سے زیادہ معاشرتی مجبوریاں تھیں۔ جن کی بنیاد پر فیصلے کئے گئے کہ نکاح مسجد میں ہو اور بارات کا تصوّر ختم کر دیا جائے۔ لڑکی والے کے ہاں دعوت نہ ہو وغیرہا۔ لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ چور دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ بیٹی والا مہندی کی دعوت اور استقبالیہ وغیرہ کے نام سے اب تک پرانی رسوم کو زندہ کئے ہوئے ہے۔ رسم پرستی کا جو بُت دل کے سنگھاسن پر براجمان ہے وہ اپنی اطاعت ضرور کرائے گا، اور اُس کا کسی نہ کسی طرح ظہور ضرور ہوگا۔ پھر دوسری رسمیں بھی جُوں کی توں باقی ہیں، بلکہ اُن میں کچھ اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ حالانکہ ہمارے دین نے صرف ولیمہ کی دعوت کی تاکید کی ہے۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا ولیمہ ضرور کیا کرو، اور جس کو ولیمہ میں بُلایا جائے، وہ اس میں ضرور جائے۔ اس کی حکمت پر آپ جب غور کریں گے

تو خود اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ شادی لڑکے والوں کے لیے ہی اصلاً خوشی کا موقع ہوتا ہے۔ ایک نئے خاندان کی تاسیس ہو رہی ہوتی ہے۔ لڑکی والوں کے لئے بلاشبہ اس لحاظ سے تو خوشی کا مقام ہے کہ وہ بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہو رہے ہیں۔ لیکن نگاہِ حقیقت بیں سے دیکھئے تو بیٹی والوں کے لئے تو یہ بڑی آزمائش کا وقت ہوتا ہے۔ بچی کو پالا پوسا، اُس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا، اور پھر جوان ہونے پر دوسرے خاندان کے حوالے کر دیا۔ ہزار دیکھ بھال لیا ہو، معلومات کر لی ہوں، اطمینان کر لیا ہو، لیکن یہ اندیشے پھر بھی لاحق رہتے ہیں اور یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ نہ معلوم آگے کیا ہوگا۔ مزاج ملیں گے یا نہیں، موافقت ہوگی یا نہیں، پتہ نہیں سسرال والوں کا سلوک کیسا ہوگا؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر بچی کی الوداعی کے وقت ماں کی ہچکیاں لگی ہوتی ہیں، بہنیں پچھاڑے کھا رہی ہوتی ہیں، اور باپ اور بھائیوں کی آنکھیں آنسوؤں سے نم ہوتی ہیں۔

میں کہا کرتا ہوں کہ بیٹی والوں کا ایثار دیکھو کہ وہ اپنے لختِ جگر کو دوسروں کے حوالے کر رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی بیٹے والوں کا دل نہیں بھرتا اور رسومات کے نام پر ان کے مطالبات کی فہرست کا کوئی ٹھکانا ہی نہیں۔ جہیز ویسے ہی ہندوانہ رسم ہے۔ لیکن پہلے یہ ہمارے ہاں عام گھریلو استعمال کی اشیا تک محدود رہتا تھا۔ لیکن اب تو بیٹے والوں کو فریج بھی چاہیئے!، ٹیلی ویژن بھی اور کار بھی۔ میں نے سنا ہے کہ مکان اور فلیٹ کا بھی مطالبہ ہوتا ہے۔ خدارا غور کیجیئے کہ جس بچی کے باپ کے پاس یہ سب مطالبات پورے کرنے کے وسائل و ذرائع نہ ہوں اور پھر اُس کی ایک نہیں اور بھی بچیاں ہوں تو وہ کیا کرے، کہاں جائے، اپنی سفید پوشی کا بھرم کیسے قائم رکھے اور اپنی جواں بیٹیوں کو کیسے بیاہے ———— !!!

وقت کی اہم ضرورت ہے کہ رسومات کا جو بت دلوں میں چھپا بیٹھا ہے اس کو پوری طرح مسمار کیا جائے اس لیے میں آنحضرات سے عرض کرونگا کہ اس بات پر غور کریں کہ ہمارے سامنے شادی بیاہ کیلئے اصل معیار کیا ہے؟ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے اصل معیار صرف یہ ہے کہ کیا چیز نبی اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے: مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ۔ اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ جو چیز نبی اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے، وہ سر آنکھوں پر، اور جو چیز ثابت نہیں اُس کو پاؤں تلے روندنے کے بجائے اگر ہم نے بسر و چشم قبول کیا تو اچھی طرح جان لیجئے کہ ہمارا دین کے ساتھ تعلق مخلصانہ نہیں اور ہمیں اس تعلق کو درست کرنے کی فکر کرنی چاہیئے!

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَ لَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِسلام اور حقوق اطفال

از قلم :- غازی عُزیر (علی گڑھ) حال مقیم سعودی عرب

تیسری قسط

حقوق الفطیم :- اُوپر سُورۃ البقرہ کی آیت ۲۳۳، جس میں بچہ کے اکتمالِ رضاعت کے حفظِ حقوق کے لئے بڑی حکمت کے ساتھ قوانین معین کئے گئے ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ بچہ کو ماں باپ دونوں کی باہمی رضامندی و مشورہ

سے ہی فطیم بنایا جاسکتا ہے، بیان ہو چکی ہے۔ یہ احتیاط و قید اس مقصد کے تحت رکھی گئی ہے کہ کسی حال میں بھی بچہ کو ضرر نہ پہنچے اور اس کے حقوق پامال نہ ہوں۔ اکتمالِ رضاعت (مراد دودھ چھڑانے) کے بعد اصطلاحاً بچہ "فطیم" کہلاتا ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے پہلی بار بیت المال میں فطیم بچہ کا حق مقرر فرمایا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ دودھ چھڑانے کے بعد بچہ کی غذا کا انحصار اس کی ماں کے دودھ پر نہیں رہتا بلکہ اس کو طعام کی مستقل حاجت ہوتی ہے۔ اس بنائے معقول پر فطیم کا نفقہ بیت المال میں مقرر کرنا آپ کی فراست و دانش کی دلیل ہے۔ بیت المال میں حق فطیم معتبر کرنے کے بعد جب آپ کو کسی بچہ کے رونے کا سبب یہ معلوم ہوا کہ اُس کی ماں نے حق فطیم لینے کی غرض سے دودھ چھڑانے میں عجلت کی ہے تو آپؓ نے تمام بچوں کا حق بیت المال میں مقرر فرما دیا خواہ وہ وضیع ہوں یا فطیم۔ (فتوح البلدان للبلاذری، الفصل الخاص بالعطاء فی آخر الکتاب)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا "اہل الصنوم" سے متعلق ایک اور واقعہ بہت مشہور ہے کہ آپ رات کو اکثر اپنی رعیت کے کوائف اور اُنکی ضروریات و حاجات سے باخبر رہنے کے لئے بستی کا گشت کیا کرتے تھے۔ ایک رات آپ نے دیکھا کہ ایک ماں چولھے کے اوپر برتن میں کچھ پانی اور کنکریاں ڈال کر اپنے بھوکے بچوں کو کھانا پکانے کا دھوکہ دے رہی ہے، تو آپ خود آٹا اور گھی اس عورت کے پاس لے گئے تاکہ وہ اپنے بھوکے بچوں کو کھانا کھلا سکے۔

ایک مرتبہ مدینۃ المنورۃ کی طرف تاجروں کا ایک قافلہ جا رہا تھا۔ اس قافلہ میں عورتیں اور بچے بھی تھے۔ رات کے وقت قزاقوں سے قافلہ کو محفوظ رکھنے کے لئے حضرت عمر بن الخطابؓ نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو مقرر فرمایا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے تمام رات جاگ کر نماز پڑھتے اور اُن کی حفاظت کرتے گزاری۔ یہ واقعہ اس طرح منقول ہے: "قال عمر لعبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنهما: هل لك ان تحرسهم هذه الليلة؟ فباتا يحرسانهم و يصليان ما كتب الله لهما۔"

"ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی بچہ کے رونے کی آواز سنی تو اُس طرف

نوجہ ہوئے اور اس کی ماں سے کہا : اللہ کا تقویٰ اختیار کر اور اپنے بچہ کے ساتھ اچھی طرح
یش آ - یہ کہہ کر آپ چلدیئے - جب آپ واپس لوٹے تو پھر بچہ کے رونے کی آواز سنی -
ہر اُس کی ماں کے پاس پہنچے اور کہا : اللہ کا تقویٰ اختیار کر اپنے بچہ کے ساتھ احسن
رلقیہ پر پیش آ - دوسری رات کو پھر آپ نے اسی طرح بچہ کے رونے کی آواز سنی تو اُس کی
ں سے کہا : اللہ سے ڈر ، اپنے بچہ کے لئے کیا تو بری ماں نہیں ہے ؟ اپنے بچہ کو رات کے
ت خاموش کیوں نہیں کرتی ؟ اُس عورت نے ، جو امیر المؤمنین کو نہیں پہچانتی تھی ،
ہا : اے اللہ کے بندے ! رات کو آتے جاتے تم مجھ سے یہی کہتے ہو حالانکہ میں نے بچہ کو
ردستی کھانا کھلانا چاہا مگر وہ نہیں کھاتا - اور عمرؓ نے فطیم کے علاوہ کسی اور بچہ کیلئے
ت المال سے کچھ فرض نہیں کیا ہے (یعنی والدین کو فطم کے علاوہ ان کی اولاد کیلئے
یہ نہیں دیا) - آپؓ نے پوچھا اس بچہ کی عمر کیا ہے ؟ اس عورت نے بتایا کہ اتنے ماہ
ہے - آپ نے کہا کہ اس کے دودھ چھڑانے میں جلد بازی نہ کر - جب آپؓ فجر کی نماز
اُنکے ساتھ پڑھ رہے تھے تو بچہ کی بکاؤ نے آپ کی قرأت پر غلبہ پایا - آپ نے سلام
یرا تو فرمایا - تم سب عُمر کے لئے فقرا ہو - " یا بؤسا لعمر کم قتل من
لاد المسلمین " پھر حکم دیا اور اعلان کرایا کہ فطام کے لئے لوگ اپنے بچوں کا
ودھ چھڑانے میں جلد بازی سے کام نہ لیں - ہم نے تمام مولود کے لئے اسلام میں
ن مقرر کر دیا ہے اور اس حکم کو اپنے تمام اُمراء الآفاق کو بھی لکھوا بھیجا " (مجلہ
بطہ العالم الاسلامی مکۃ المکرمہ ماہ محرم سنہ ۱۴۰۰ھ صہ ۲۶)

تاریخ اسلام میں اِس قِسم کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن سے ہمارے اسلاف
بچوں کے ساتھ غیر معمولی شفقت و محبت کا رویہ ثابت ہے -

جب کوئی مومن نماز پڑھتا ہے تو اس کا تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے
کہ اللہ تعالیٰ کا تعلق اس کے ساتھ دیر تک قائم رہے لیکن رسُول اللہ
لے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چونکہ عورتیں بھی باجماعت نماز میں شریک ہوتی تھیں -
سلئے جب آپ بچہ کی بکار سنتے تو نماز کو طول دینے سے کراہیت محسوس فرماتے -
س کی وجہ یہ ہے کہ نماز میں شریک عورتیں اپنے بچوں کو روتا سُن کر دقت و تکلیف
سوس کرتی تھیں - پس رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کے لئے اختصار

از کی اپنی روشن مثال پیش فرمائی ۔ آپ کا ارشاد مبارک ہے :- انی لاقوم
فی الصلاۃ ارید أن اطول فیھا فأسمع بکاء الصبی فاتجوز فی صلاتی
کراھیۃ أن أشق علی امہ ۔ رواہ البخاری)

حقوق الیتیم شریعت نے یتیم بچوں کی پرورش و تربیت و تعلیم کے ساتھ ان کے جو خصوصی حقوق مقرر فرمائے ہیں وہ قرآن و سنت میں بالاجمال محفوظ ہیں ۔ حضرت محمد علیہ صلوات اللہ خود یتیم تھے ۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو اپنا رسول ورحمۃ للعالمین منتخب فرمایا ۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ یتامیٰ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے :-

(۱) اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۝ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۝ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ۝ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ (الضحیٰ - ۶ تا ۹)

"ترجمہ :- کیا اس نے تم کو یتیم نہیں پایا ۔ اور ٹھکانا فراہم کیا اور تمہیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی اور تمہیں نادار پایا اور پھر مالدار کر دیا لہٰذا یتیم پر سختی نہ کرو ۔"

(۲) اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُكَذِّبُ بِالدِّیْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ۝ (الماعون - ۱ و ۲)

"ترجمہ :- تم نے دیکھا اس شخص کو جو آخرت کی جزاء و سزا کو جھٹلاتا ہے ؟ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے[1]

---

[1] یہاں "یَدُعُّ الْیَتِیْمَ" کا فقرہ استعمال ہوا ہے جس کے کئی معنی ہیں ۔ (۱) وہ یتیم کا حق مار کھاتا ہے اور متوفی کی چھوڑی ہوئی میراث سے یتیم کو بے دخل کرتا اور اسے دھکے مار کر نکال دیتا ہے ۔ (۲) یتیم اگر اس سے مدد مانگنے آتا ہے تو رحم کھانے کے بجائے اسے دھتکار دیتا ہے اور پھر بھی اگر وہ اپنی زبوں حالی کی بنا پر رحم کی امید لئے ہوئے کھڑا رہے تو اسے دھکے مار کر دور کر دیتا ہے ۔ (۳) وہ یتیم پر مظالم ڈھاتا ہے مثال کے طور پر اس کے گھر میں اس کا اپنا ہی کوئی رشتہ دار یتیم ہو تو اس کے نصیب میں سارے گھر کی خدمت گاری کرنے اور بات بات پر جھڑکیاں سننے اور ٹھوکریں اور لات گھونسے کھانے کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ وہ کوئی برا کام کر رہا ہے بلکہ بڑے اطمینان کے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۳) فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ۝ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ (البلد - ۱۱ تا ۱۵)

"ترجمہ :- مگر اس نے دشوار گزار کھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہ کی اور تم کیا جانو کہ وہ دشوار گزار گھاٹی کیا ہے ؟ کسی گردن کو غلامی سے چھڑانے یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا"

(۴) وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنِ (البقرہ - ۸۳)

"ترجمہ :- اور ماں باپ کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا"

(۵) وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ج (البقرہ - ۱۷۷)

"ترجمہ : اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں مسافروں پر، مدد کے لئے ہاتھ پھیلانے والے پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے ۔"

(۶) وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ (الدھر - ۸ و ۹)

"ترجمہ :- اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور اُن سے کہتے ہیں کہ) ہم تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلاتے ہیں ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ ۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳۹)

کے ساتھ یہ روش اختیار کئے رکھتا ہے اور اپنے تئیں سمجھتا ہے کہ یتیم ایک بے بس اور بے یار و مددگار مخلوق ہے اس لئے اگر اس کا حق مار کھایا جائے یا اسے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنا رکھا جائے اور اگر وہ مدد مانگنے کے لئے آئے تو اسے دھکے مار کر اور دھتکار کر بھگا دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے ۔

[1] اس آیت میں "علیٰ حُبِّہٖ" کا فقرہ استعمال ہوا ہے ۔ بعض مفسرین نے "حُبِّہٖ" کی ضمیر

(۷) يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ (البقرہ - ۲۱۵)	"ترجمہ: لوگ پوچھتے ہیں ہم کیا خرچ کریں؟ جواب دو کہ جو مال بھی تم خرچ کرو اپنے والدین پر رشتے داروں پر، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو۔"
اور (۸) وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ (النساء - ٦)	"ترجمہ: ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔"

اس ضمن میں بہت کثرت سے احادیث بھی وارد ہوئی ہیں جن میں سے چند یہاں پیش کی جا رہی ہیں :-

۱ . حضرت ابو ہریرہؓ حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ "مسلمانوں کے گھروں میں بہترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے نیک سلوک ہو رہا ہو اور بدترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے بُرا سلوک ہو رہا ہو۔" (بخاری فی الادب المفرد، ابن ماجہ)

(۲) ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ سرکارِ رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا "جس نے کسی یتیم کو اپنے کھانے اور پینے میں شامل کیا اللہ نے اس کے لئے جنت واجب کر دی الا یہ کہ وہ کوئی ایسا گناہ کر بیٹھا ہو جو معاف نہیں کیا جا سکتا۔" (شرح السنّۃ)

(۳) حضرت ابو امامہ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: "جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اُس بچے کے ہر بال کے بدلے جس پر اس شخص کا ہاتھ گزرا اُس کے نیکیاں لکھی جائیں گی اور

(بقیہ حاشیہ ۳۶) کا مرجع "کھانے" کو قرار دیا ہے چنانچہ ابن عباسؓ اور مجاہد اس کا مطلب "علی حب الاطعام" "یعنی غریبوں کو کھانا کھلانے کے شوق میں وہ ایسا کرتے ہیں" بتاتے ہیں - جب کہ حضرت فضیل بن عیاض اور ابو سلیمان الدّرانی کا قول ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی محبت میں وہ یہ کام کرتے ہیں" مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بھی اپنی تفسیر میں حضرت فضیل بن عیاض والوسلیمان الدّرانی کی رائے سے اتفاق کرتے ہیں - ملاحظہ ہو تفہیم القرآن ج ۶ ص ۱۹۰ مطبوعہ لاہور)

جس نے کسی یتیم لڑکے یا لڑکی کے ساتھ نیک برتاؤ کیا وہ اور میں جنت میں اس طرح ہوں گے اور یہ فرما کر حضورؐ نے اپنی دو انگلیاں ملا کر بتائیں۔" (مسند احمد، ترمذی)

(۴) حضرت سہیل بن سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں اور وہ شخص جو کسی رشتہ دار یتیم کی کفالت کرے جنت میں اس طرح ہوں گے یہ فرما کر آپ نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو اٹھا کر دکھایا اور دونوں انگلیوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا۔" (بخاری)

(۵) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میرا دل سخت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور مسکین کو کھانا کھلا۔"

(مسند احمد)

اسلام سے قبل عرب میں عورتوں اور بچوں کو عموماً میراث سے محروم رکھا جاتا تھا۔ ان لوگوں کا نظریہ یہ تھا کہ میراث کا حق صرف ان مردوں کو پہنچتا ہے جو لڑنے اور کنبے کی حفاظت کرنے کے قابل ہوں۔ اسی باعث متوفی کے رشتہ داروں میں جو سب سے زیادہ طاقتور با اثر ہوتا تھا وہ ساری میراث خود سمیٹ لیتا تھا اور مستحقین میں سے جو اپنا حق چھیننے کی طاقت نہ رکھتا تھا اپنے حصہ سے محروم رہتا تھا۔ ان کی نگاہ میں فرائض و حقوق کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ اس بات کو قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:۔

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝
وَلَا تَحٰضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ
الْمِسْكِيْنِ ۝ وَتَاْكُلُوْنَ
التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝
(الفجر، ۱۷ تا ۱۹)

"ترجمہ: ہرگز نہیں بلکہ تم یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو نہیں اکساتے اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔"

اہل عرب کی اس خراب عادت کو ختم کرنے کے لئے اسلام نے یہ حکم نافذ فرمایا کہ:۔ اگر یتیم بچہ صاحبِ مال ہو تو اس کے ولی پر واجب ہے کہ اُس کے مال کی پوری حفاظت کرے تاوقتیکہ وہ سن بلوغ و رشد کو پہنچے۔ یہ محض ایک اخلاقی ہدایت نہ تھی بلکہ آگے چل کر جب اسلامی حکومت قائم ہوئی تو یتامیٰ کے حقوق کی حفاظت کے لئے انتظامی اور قانونی دونوں طرح کی تدابیر اختیار کی گئیں جن کی تفصیل ہم کو احادیث اور کتب فقہ میں ملتی ہے۔

پھر اسی سے یہ وسیع اُصول اخذ کیا گیا کہ اسلامی ریاست اپنے ان تمام شہریوں کے مفاد کی محافظ ہے جو اپنے مفاد کی خود حفاظت کرنے کے قابل نہ ہوں۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ " أَنَا وَلِيُّ مَنْ لَّا وَلِيَّ لَهٗ " یعنی میں ہر اُس شخص کا سرپرست ہوں جس کا کوئی سرپرست نہیں ہے۔" اور آپؐ کا یہی قول اسلامی قانون کے ایک وسیع باب کی بنیاد ہے۔

ولی کے لئے یتیم کے مال سے اُس کے مفاد کی خاطر خرچ کرنا (مثلاً تجارت کرنا) بھی جائز ہے۔ اگر ولی یا وصی ایسی تجارت کے نفع میں سے کچھ معاوضہ نہ لے تو افضل ہے لیکن اگر لینا چاہے تو لازم ہے کہ معتدل اور مناسب حصہ ہی لے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

(۱) وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا (۴:۶)

"ترجمہ:۔ اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کے قابل عمر کو پہنچ جائیں۔ پھر اگر تم اُن کے اندر اہلیت[1] پاؤ تو اُن کے مال اُن کے حوالے کر دو۔ ایسا کبھی نہ کرنا کہ حدِ انصاف سے تجاوز کر کے اس خوف سے اُن کے مال جلدی جلدی کھا جاؤ کہ وہ بڑے ہو کر اپنے حق کا مطالبہ کریں گے۔ یتیم کا جو سرپرست مال دار ہو وہ پرہیزگاری سے کام لے اور جو غریب ہو وہ معروف طریقہ سے کھائے (یعنی حقِ خدمت لے)۔ پھر جب اُن کے مال اُن کے حوالے کرنے لگو تو لوگوں کو اس پر گواہ بنا لو، اور حساب لینے کیلئے اللہ کافی ہے۔"

---

[1] امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام شافعیؒ رحمہم اللہ کے نزدیک مال حوالے کئے جانے کے لئے رشد کا پایا جانا ناگزیر ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر سن بلوغ پر پہنچ کر یتیم میں رشد نہ پایا جائے تو ولی کو زیادہ سے زیادہ سات سال مزید انتظار کرنا چاہیئے بعد ازاں اُس کے حوالے کر دینا چاہیئے۔

(۲) وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۝

"ترجمہ: اور مال یتیم کے پاس نہ پھٹکو مگر احسن طریقے سے یہاں تک کہ وہ اپنے شباب کو پہنچ جائیں۔"

(بنی اسرائیل - ۳۴ و الانعام ۱۵۲)

(۳) وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ (النساء ۹ و ۱۰)

"ترجمہ:۔ لوگوں کو اس بات کا خیال کر کے ڈرنا چاہیئے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے بے بس اولاد چھوڑتے تو مرتے وقت انہیں اپنے بچوں کے حق میں کیسے کچھ اندیشے لاحق ہوتے۔ بس چاہیئے کہ وہ خدا کا خوف کریں اور راستی کی بات کریں۔ جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کے مال کھاتے ہیں درحقیقت وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور وہ ضرور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔"

(۴) وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝ (النساء - ۲)

"ترجمہ: یتیموں کے مال ان کو واپس دو، اچھے مال کو برے مال سے نہ بدل لو، اور ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ، یہ بہت بڑا گناہ ہے۔"

(۵) ایک اور مقام پر فرمایا گیا:۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ (البقرہ - ۲۲)

"ترجمہ:۔ اور وہ پوچھتے ہیں: یتیموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے تم کہو: جس طرز عمل میں ان کے لئے بھلائی ہو، وہی اختیار کرنا بہتر ہے۔ اگر تم اپنا اور ان کا خرچ اور رہنا سہنا مشترک رکھو۔ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

آخر وہ تمہارے بھائی بند ہی تو ہیں ۔"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اہل عرب میں سے جن لوگوں کی سرپرستی میں ایسی یتیم لڑکیاں ہوتی تھیں جن کے پاس والدین کے متروکہ دولت ہوتی تھی وہ ان کیساتھ مختلف طریقوں سے ظلم کرتے تھے ۔ اگر لڑکی مالدار ہونے کے ساتھ حسین بھی ہوتی تو وہ لوگ چاہتے تھے کہ خود اس سے نکاح کرلیں اور مہر و نفقہ ادا کئے بغیر ہی اس کے مال وحُسن دونوں سے مستفید ہوں ۔ لیکن اگر وہ بدصورت ہوتی تو وہ لوگ نہ خود اس سے نکاح کرتے نہ کسی دوسرے کو اس سے نکاح کرنے دیتے تاکہ اس کا کوئی ایسا ہمدرد نہ پیدا ہو جائے جو اس کے حق کا مطالبہ کرے ۔" خدا تعالےٰ ان سرپرستوں کو ہدایت فرماتا ہے کہ ظلم کے ان طریقوں کو چھوڑ کر یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو ۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَآءِ ط قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِي يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتٰمَىٰ بِالْقِسْطِ ط وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيمًا ۝ (النسآء ۔ ١٢٧)

"ترجمہ:۔ لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں کہو اللہ تمہیں ان کے معاملہ میں فتویٰ دیتا ہے ۔ اور ساتھ ہی وہ احکام بھی یاد دلاتا ہے جو پہلے سے تم کو اس کتاب میں سنائے جا رہے ہیں یعنی وہ احکام اُن یتیم لڑکیوں کے متعلق ہیں جن کے حق تم ادا نہیں کرتے اور جن کے نکاح کرنے سے تم باز رہتے ہو (یا لالچ کی بناء پر تم خود ان سے نکاح کرلینا چاہتے ہو) اور وہ احکام جو اُن بچوں کے متعلق ہیں جو بیچارے کوئی زور نہیں رکھتے ۔ اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو اور جو بھلائی تم کرو گے وہ اللہ کے علم سے چھپی نہ رہ جائے گی ۔"

سعید بن جبیرؓ، قتادہ اور بعض دوسرے مفسّرین کرام فرماتے ہیں کہ جہاں تک یتیموں کا معاملہ ہے اہل جاہلیت بھی اُن کے ساتھ بے انصافی کرنے کو اچھا نہ سمجھتے تھے

لیکن عورتوں کے معاملہ میں اُن کے ذہن عدل وانصاف کے تصوّر سے خالی تھے جتنی چاہتے شادیاں[1] کرلیتے تھے اور پھر اُن کے ساتھ ظلم وجور سے پیش آتے تھے۔ پس خدا تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ؕ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ (النسآء – ۳)	"ترجمہ: اور اگر تم یتیموں کے ساتھ بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں اُن میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کرلو۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ اُن کے ساتھ عدل نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو یا ان عورتوں کو زوجیت میں لاؤ جو تمہارے

قبضہ میں آئی ہیں بے انصافی سے بچنے کے لئے یہ زیادہ قرینِ صواب ہے۔"
خدا تعالیٰ نے یتامیٰ کے لئے موارد بیت المال (یعنی خمس مالِ غنیمت" اور فیٔ[2]")

---

[1] ابن عباس اور ان کے شاگرد عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ جاہلیت میں نکاح کی کوئی حد نہ تھی۔ ایک ایک شخص دس دس بیویاں کرلیتا تھا اور جب اس کثرت ازدواج سے مصارف بڑھ جاتے تھے تو مجبور ہوکر اپنے یتیم بھتیجوں، بھانجوں اور دوسرے بے بس عزیزوں کے حقوق پر دست درازی کرتا تھا۔

[2] "مالِ غنیمت" اور "فیٔ" میں فرق:۔ امام ابوعبید فرماتے ہیں: ما نیل من اھل الشرک عنوۃً قسرًا والحرب قائمۃ فھو الغنیمۃ، وما نیل منھم بعد ما تضع الحرب اوزارھا وتصیر الدار دار الاسلام فھو فیٔ یکون للناس عامًا ولا خمس فیہ (کتاب الاموال لابی عبید ص۲۵۴) یعنی جو مال دشمن سے بزور ہاتھ لگے جبکہ ابھی جنگ ہو رہی ہو وہ "غنیمت" ہے اور جنگ ختم ہونے کے بعد جب ملک دارالاسلام بن گیا اس وقت جو مال ہاتھ لگے وہ "فیٔ" ہے جسے عام باشندگانِ دارالاسلام کے لئے وقف ہونا چاہیئے اس میں خمس نہیں ہے۔" مالِ غنیمت اور فیٔ میں جو فرق ہے وہ حضرت عمرؓ بن الخطاب

ں بھی حق مقرر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۲) کے اس خط سے بھی واضح ہوتا ہے جو انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو فتح عراق کے بعد لکھا تھا۔ وہؓ لکھتے ہیں:۔ فانظر ما اجلبوا به علیك فی العسكر من كراع او مال فاقسمه بین من حضر من المسلمین واترك الارضین والانهار لعمالها لیكون ذلك فی اعطیات المسلمین (کتاب الخراج لابی یوسف صفحہ ۲۴، کتاب الاموال لابی عبید صفحہ ۵۹ و کتاب الخراج لیحییٰ بن آدم صفحہ ۲۷، ۲۸، ۴۸) یعنی جو مال و متاع فوج کے لوگ تمہارے لشکر میں سمیٹ لائے ہیں اُس کو اُن مسلمانوں میں تقسیم کردو جو جنگ میں شریک تھے اور نہریں اُن لوگوں کے پاس چھوڑ دو جو اُن پر کام کرتے ہیں تاکہ اُن کی آمدنی مسلمانوں کی تنخواہوں کے کام آئے"۔ سائب بن اقرع کا وہ مشہور واقعہ، جس میں جنگ نہاوند کے بعد انہیں قلعہ میں جواہر کی دو تھیلیاں ملی تھیں، اور حضرت عمرؓ نے ان کو فروخت کر کے قیمت بیت المال میں جمع کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا، بھی اس فرق کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب الاموال لابی عبید صفحہ ۲۵۴) حسن بصری کہتے ہیں: جو کچھ دشمن کے خیمہ سے ہاتھ آئے وہ ان کا حق ہے جنہوں نے اس پر فتح پائی اور زمین مسلمانوں کے لئے ہے۔ (کتاب الخراج لیحییٰ بن آدم صفحہ ۲۷)، امام ابو یوسف فرماتے ہیں: جو کچھ دشمن کے لشکروں سے مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور جو متاع اور اسلحہ اور جانور وہ اپنے خیمہ میں سمیٹ لائیں وہ غنیمت ہے اور اسی میں سے پانچواں حصہ نکال کر باقی چار حصے فوج میں تقسیم کئے جائیں گے۔" (کتاب الخراج لابی یوسف صفحہ ۱۸)، اور یہی رائے یحییٰ بن آدم کی بھی ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب الخراج لیحییٰ بن آدم صفحہ ۲۷) شافعیہ کا مسلک ہے کہ مفتوحہ علاقے کے تمام اموال منقولہ غنیمت ہیں اور تمام اموال غیر منقولہ (مثلاً زمین و مکان و نہریں باغات وغیرہ) "فیٔ" قرار پائیں گے۔ (مغنی المحتاج) مالکیہ کا مسلک ہے کہ مسلمانوں کے محض فتح کر لینے ہی سے مفتوحہ علاقوں کی اراضی و مکانات خود بخود وقف علی المسلمین ہو جاتی ہیں لیکن اسلامی حکومت ان پر کرایہ عائد نہیں کرے گی۔ نیز ان کو وقف کرنے کے لئے امام کے فیصلے یا مجاہدین کی رضا کی چنداں ضرورت نہیں رہتی (حاشیہ الدسوقی) حنابلہ اراضی

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

علَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ (الانفال ۔ ۴۱)

" ترجمہ : اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اُس کا پانچواں حصہ اللہ اور اُس کے رسول اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے ۔"

ں تعالےٰ کے اس حکم کے مطابق نبی صلے اللہ علیہ وسلّم ہمیشہ لڑائی کے بعد اعلان ے تھے :-

ا هذه غنائمکم و انّہ ں لی فیها الا نصیبی مکم الخمس والخمس د ود علیکم فادوا الخیط خیط و اکبر من ذلک و صغر ولا تغلوا فان الغلول ر و نار ۔

" ترجمہ :- یہ غنائم تمہارے ہی لئے ہیں میری اپنی ذات کا ان میں کوئی حصہ نہیں ہے بجز خمس کے اور وہ خمس بھی تمہارے ہی اجتماعی مصالح (جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے) پر صرف کر دیا جاتا ہے ۔ لہٰذا ایک سوئی اور ایک ایک تاگا لاکر رکھ ۔ کوئی چھوٹی یا بڑی چیز چھپا کر نہ رکھو کہ ایسا کرنا شرمناک اور اس کا ہ دوزخ ہے ۔"

ر ۔۱۲۳) کو مسلمان کے لئے وقف کر دینے یا فاتحین میں تقسیم کئے جانے کا اختیار ں ۔ لیکن مفتوحہ علاقے مکانات کو وقف تصوّر کرتے ہیں اور ان پر کرایہ عائد نہ کرتے ل ہیں (غایۃ المنتہیٰ) حنفیہ کے نزدیک بھی امام کو مفتوحہ آراضی ہیں لے کر فوج میں تقسیم کرنے یا وقف علی المسلمین کا اختیار ہے ۔ (احکام القرآن شرح العنایہ علی الہدایہ ، فتح القدیر و بدائع الصنائع) عبداللہ بن مبارک امام ری کا بھی اسی رائے سے اتفاق کرنا نقل کرتے ہیں ۔ کتاب الاموال لابی عبید خراج لیحییٰ بن آدم)

قرآن پاک میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے :-

مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ	"ترجمہ : جو کچھ بھی اللہ ان بستیوں
مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَ	کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف
لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَ	پلٹا دے وہ اللہؐ اور رسولؐ اور
الْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ	رشتہ داروں اور یتامیٰ اور مساکین
السَّبِیْلِ کَیْ لَا یَکُوْنَ	اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ وہ
دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ	تمہارے مالداروں ہی کے درمیان
مِنْکُمْ ط (الحشر - ۷)	گردش نہ کرتا رہے -"

حضرت عبداللہؓ بن عباس کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں پہلے دو حصے (یعنی حق رسول اللہ و حق بنو ہاشم و بنو مطلب) ساقط کر کے صرف باقی تین حصے (یعنی یتامیٰ، مساکین اور ابن السبیل) فیء کے حقداروں میں شامل رہنے دیئے گئے - پھر اسی پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے زمانے میں عمل کیا -

امام شافعیؒ کے نزدیک "فیء" کے جملہ اموال کو پانچ برابر حصوں میں تقسیم کر کے اس طرح صرف کیا جانا چاہیئے : ۱/۵ مصالح مسلمین پر، ۱/۵ بنی ہاشم و بنی مطلب پر، ۱/۵ یتامیٰ پر، ۱/۵ مساکین پر اور ۱/۵ مسافروں پر - لیکن امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ اس تقسیم کے قائل نہیں ہیں - ان کی رائے یہ ہے کہ فیء کا پورا مال مصالح مسلمین کے لئے ہے - (مغنی المحتاج)

اسلام صرف اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ متوفی کے ترکہ میں اُس یتیم بچہ کے حق کا بھی لحاظ کرتا ہے جو ابھی بطنِ مادر میں ہے اور اُس کے بارے میں کسی کو کچھ علم نہیں کہ اُس کی جنس کیا ہے؟ (یعنی لڑکا ہے یا لڑکی) نیز آیا وہ زندہ بھی ہے یا مردہ؟ اور میت کے وارثوں کو ہدایت کرتا ہے کہ میراث کی تقسیم کے موقع پر جو دور نزدیک کے رشتہ دار اور کنبہ کے غریب و مسکین لوگ اور یتیم بچے آجائیں اُن کے ساتھ تنگ دلی نہ برتو، میراث میں از روئے شرع اُن کا حصہ نہیں ہے تو نہ سہی، وسعتِ قلب سے کام لے کر ترکہ میں سے اُن کو بھی کچھ نہ کچھ دے دو اور اُن کے ساتھ دل شکن باتیں نہ کرو جو ایسے مواقع پر

بالعموم چھوٹے دل کے کم ظرف لوگ کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (النساء - ۸)	"ترجمہ: اور جب تقسیم کے موقع پر کنبہ کے لوگ اور یتیم اور مسکین آئیں تو اس مال میں سے ان کو بھی کچھ دے دو اور اُس کے ساتھ بھلے مانسوں کی سی بات کرو۔"

اگر کسی یتیم کا حق اس کے سرپرست نے غصب کر لیا ہے۔ ایسی صورت میں سلام اُس یتیم کا حق واپس دلوانے کی ذمہ داری معاشرہ کے صالح افراد پر عائد کرتا ہے اس سلسلہ میں ایک بڑا عجیب واقعہ قاضی ابوالحسن الماوردی نے نقل کیا ہے جو اس طرح ہے:۔ "ابوجہل ایک یتیم کا وصی تھا وہ بچہ ایک روز اس حالت میں اُس کے پاس آیا کہ اُس کے بدن پر کپڑے تک نہ تھے اور اُس نے التجا کی کہ اُس کے باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں سے وہ اُسے کچھ دیدے۔ مگر اس ظالم نے اُس کی طرف توجہ تک نہ کی اور وہ کھڑے کھڑے آخر کار مایوس ہو کر پلٹ گیا۔ قریش کے سرداروں نے ازراہِ شرارت اُس سے کہا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا کر شکایت کر، وہ ابوجہل سے سفارش کر کے تجھے تیرا مال دلوا دیں گے۔ بچہ بیچارہ ناواقف تھا کہ ابوجہل کا حضورؐ سے کیا تعلق ہے۔ اور یہ بخت اُسے کس غرض کے لئے یہ مشورہ دے رہے ہیں۔ وہ سیدھا حضورؐ کے پاس پہنچا اور اپنا حال آپؐ سے بیان کیا۔ آپؐ اسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُسے ساتھ لے کر اپنے بدترین دشمن ابوجہل کے ہاں تشریف لے گئے۔ آپؐ کو دیکھ کر اُس نے آپؐ کا استقبال کیا اور جب آپ نے فرمایا کہ اس بچے کا حق اسے دے دو تو وہ فوراً مان گیا اور اُس کا مال لا کر اُسے دیدیا۔ قریش کے سردار تاک میں لگے ہوئے تھے کہ دیکھیں ان دونوں کے درمیان کیا معاملہ پیش آتا ہے۔ وہ کسی مزے دار جھڑپ کی امید کر رہے تھے۔ مگر جب انہوں نے یہ معاملہ دیکھا تو حیران ہو کر ابوجہل کے پاس آئے اور اسے طعنہ دیا کہ تم بھی اپنا دین چھوڑ گئے۔ اس نے کہا خدا کی قسم میں نے اپنا دین نہیں چھوڑا مگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دائیں اور بائیں ایک ایک حربہ ہے جو میرے اندر گھس جائے گا اگر میں نے ذرا بھی اُن کی مرضی کے خلاف حرکت کی۔" (اعلام النبوۃ)

اسلام نے یہ ضابطہ بھی مقرر کیا ہے کہ اگر کسی یتیم بچہ کا کوئی وصی نہیں ہے تو اُس کے قریبی رشتہ دار اُس کے وصی اور ولی قرار پائیں گے اور اُن کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنے فرض ولایت کو اچھی طرح ادا کریں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ نے ایک یتیم بچہ کے چچازاد بھائیوں کو مجبور کیا کہ وہ اس کی پرورش کے ذمہ دار ہوں۔ اور ایک دوسرے یتیم کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے آپؓ نے فرمایا کہ اگر اس کا کوئی بعید ترین رشتہ دار بھی موجود ہوتا تو میں اُس پر اس کی پرورش لازم کر دیتا۔" اس سے ثابت ہوا کہ اگر کسی یتیم بچہ کا کوئی بعید ترین رشتہ دار بھی موجود نہیں ہے تو وہ پورے معاشرہ کی ذمہ داری سمجھا جائے گا۔

مجملاً یتیم بچہ یا بچی کے سرپرست پر شرعاً لازم ہے کہ اس کے مال کی حفاظت کرے اور جو کچھ اس کی تعلیم و تربیت اور پرورش پر خرچ کرے اس کا دیانتداری کے ساتھ حساب رکھے، اگر اس کے ترکہ میں سے حق خدمت لے تو معروف طریقہ سے لے (یعنی وہ حق جس کو اکثر مناسب بتائیں) اور پوشیدگی سے نہ لے بلکہ اعلانیہ طور پر لے، شادی کے لائق عمر ہونے پر اچھی جگہ شادی کرا دے، پھر انتظار کرے، جب اُس میں مقررہ شرائط (یعنی بلوغ و رشد) پائے تو کچھ لوگوں کی موجودگی میں تمام حساب پیش کر کے یتیم کی امانت اس کو سونپ دے۔ (جاری ہے)

(بقیہ، عرضِ احوال)

کریں گے کہ ان کی امانتوں کی مناسب نگہداشت ہو اور ان کی صحیح خطوط پر تعلیم و تربیت ہو۔ اور اگر ہم بالفرض بچوں میں خدمتِ دین کا جذبہ کما حقہٗ پیدا کرنے میں کامیاب بھی ہو سکے تب بھی ان شاء اللہ اتنا تو ضرور ہو گا کہ اس درس گاہ کے فارغ التحصیل دنیا کے لئے نکمے بن کر نہیں رہیں گے بلکہ عربی یا اسلامک اسٹڈیز یا اسلامک ہسٹری یا پولیٹیکل سائنس میں ایم۔ اے کر کے اپنا آئندہ راستہ خود تجویز کر سکیں گے۔

اب جو مقامی حضرات اپنے بچوں کو اس درس گاہ میں داخل کرانے کے خواہش مند ہوں ان سے درخواست ہے کہ وہ جمعہ اور تعطیل کے علاوہ کسی دن صبح ۷ بجے تا ۱۲ بجے تک مدرسہ کے اعزازی ہیڈ ماسٹر جناب محمد یونس صاحب سے خود ذاتی طور پر اور بیرون لاہور والے خواہش مند حضرات بذریعہ خط و کتابت رابطہ قائم فرمائیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد (دوسری قسط)

تعارف الکتاب

پانچواں پارہ

وَالمُحصنات

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

قرآن مجید کا پانچواں پارہ جو المحصنات کے نام سے موسوم ہے۔ پورے کا پورا سورہ النساء پر مشتمل ہے۔ یہ سورہ مبارکہ ایک سو چھہتر آیات پر مشتمل ہے۔ جن میں تیئس ۲۳ آیات سابقہ پارے یعنی چوتھے میں آچکی ہیں۔ ایک سو چوبیس آیات اس پارے میں اور انتیس ۲۹ آیات چھٹے پارے میں شامل ہیں۔ اس سورہ مبارکہ میں بھی دو سابقہ سورتوں کی طرح یعنی سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کی طرح اُمت مسلمہ سے خطاب کیا گیا ہے۔ اور اہل کتاب سے بھی۔ مزید برآں اس سورۃ میں منافقین کے ساتھ بڑی تفصیل کے ساتھ گفتگو ہوئی ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کے ساتھ خطاب کا تعلق ہے، انہیں شریعت کے احکام کی تعلیم دی گئی ہے اور اس سورۃ میں بالخصوص وہ احکام وارد ہوتے ہیں جو مسلمانوں کی عائلی زندگی اور مسلمانوں کے عائلی نظام سے متعلق ہیں۔ یعنی شادی بیاہ کے قوانین اس کے علاوہ اس معاشرے کو فحاشی اور بدکاری سے پاک کرنے کے لئے ابتدائی احکام اور ہدایات بھی اس سورہ مبارکہ میں وارد ہوئیں۔ اور اُمتِ مسلمہ کے اصل فرض منصبی یعنی جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کے ذریعے دین کے غلبہ اور شہادتِ علی الناس پر تفصیلی بحثیں سورہ بقرہ اور آلِ عمران میں آچکی ہیں۔ اس پارے میں بھی سورۃ النساء کا جو حصہ شامل ہے اس میں بھی مسلمانوں کو انکی طرف توجہ دلائی گئی۔ بالخصوص شہادت علی الناس کے ضمن میں ایک بڑی عجیب بات اس پارے میں

وارد ہوئی یعنی یہ کہ قیامت کے روز جب انسانوں کا محاسبہ ہوگا تو امتوں اور قوموں کے حساب سے قبل اللہ تعالےٰ ان کے رسولوں کو کھڑا کرے گا۔ جو اس بات کی گواہی دیں گے کہ اللہ تعالےٰ تیرا جو پیغام بذریعہ وحی ہم تک پہنچا تھا۔ وہ ہم نے بلاکم وکاست ان تک پہنچا دیا تھا۔ اب یہ اپنے طرزِ عمل کے خود جوابدہ ہیں۔ یہ شہادت علی الناس کا اُخروی مظہر ہے۔ وہی چیز جو سورۃ بقرہ میں بیان کی گئی تھی کہ:۔ وَكَذَالِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۤءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ اسی کا یہ دوسرا رُخ اس جگہ پر آیا کہ اسی شہادت کا ظہور قیامت میں بھی ہوگا۔ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا۔ "وہ دن کیسا ہوگا۔ اور اس دن کیا ہوگا۔ کہ جب ہم ہر اُمت کے خلاف ایک گواہ کھڑا کریں گے اور پھر آپؐ کو کھڑا کریں گے ان کے خلاف گواہ بنا کر"۔ اس آیت کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ میں ایک واقعہ آیا ہے" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے فرمائش کی کہ مجھے قرآن سناؤ۔ انہوں نے عرض کیا حضور! آپکو سناؤں۔ حالانکہ آپ ہی پر وہ نازل ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں لیکن مجھے دوسروں سے سن کر کچھ اور ہی لطف آتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سورۃ النساء کی تلاوت شروع کی۔ جب وہ اس آیت پر پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بس کرو بس کرو۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ اب جو میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے"۔ شہادت آخروی کا وہ خاکہ جو آیات میں پیش کیا گیا اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درجہ شدید اثر لیا۔ اس سورہ مبارکہ میں دین کے اصل موضوع یعنی توحید کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی گئی۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۤءُ۔ "اللہ تعالےٰ اس کو ہرگز نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک برتا جائے۔ کسی کو اس کا ہمسر اور مدِمقابل ٹھہرایا جائے۔ اس کے سوا اس سے کم تر جو گناہ

ہیں۔ وہ جس کو چاہے گا معاف فرمائے گا۔" اہلِ کتاب سے خطاب کے ضمن میں تقریباً وہی باتیں دوبارہ اجمالاً سامنے لائی گئی ہیں جو اس سے پہلے سورہ بقرہ میں اور سورۃ آلِ عمران میں آچکی ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے اس سُورۂ مبارکہ کا جو حصہ اس پانچویں پارے میں آیا ہے۔ اس میں سب سے تفصیلی گفتگو منافقین کے ساتھ ہوئی ہے۔ اگرچہ ان کو بھی خطاب کیا گیا۔ یاایھا الذین آمنوا کے الفاظ سے اس لئے کہ منافقین بھی بہرحال قانونی اعتبار سے، ظاہری اعتبار سے اُمّتِ مسلمہ میں شامل ہیں منافقین پر جو تین چیزیں سب سے زیادہ گراں گذر رہی تھیں، ان کا بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا۔ پہلی چیز ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کُلّی اطاعت اور کامل مطابقت یہ منافقین پر بڑی شاق تھی۔ وہ یوں کہ وہ اس کے لئے تو تیار تھے کہ ان سے نمازیں پڑھوائی جائیں روزے رکھوائے جائیں۔ لیکن زندگی کے ہر معاملے میں محمد رسول اللہ کو اپنا مطاع بنانا، انہی کی اطاعت کو لازم ماننا یہ ان کے لئے بڑا گراں گذرتا تھا۔ فرمایا۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ پھر فرمایا۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ "اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیرے رب کی قسم یہ لوگ ہرگز مومن نہیں ہوسکتے۔ جب تک آپ ہی کو حَکَم نہ بنائیں ہر معاملے میں جو ان کے مابین اٹھ کھڑا ہو اور پھر آپ کے فیصلے کو تسلیم نہ کریں۔ انشراحِ صدر کے ساتھ۔ پوری شان تسلیم و رضا کے ساتھ۔ اس کیفیت کے ساتھ کہ ان کے دل میں اس فیصلے کے خلاف کوئی گھٹن موجود نہ ہو۔" اس کے بعد دوسری چیز جو منافقین پر بہت گراں گذرتی تھی وہ جہاد اور قتال فی سبیل اللہ ہے۔ اللہ کی راہ میں جان اور مال کا کھپانا۔ ظاہر بات ہے کہ یہ کام تو انہی کے لئے آسان ہوسکتا ہے۔ جو اللہ پر پختہ یقین رکھتے ہوں۔ آخرت پر پختہ یقین رکھتے ہوں۔ رسالت پر پختہ یقین رکھتے ہوں۔ اللہ کے وعدوں پر پختہ یقین رکھتے ہوں۔ جن کے دلوں

میں روگ ہو۔ جن کا یقین موجود نہ ہو۔ جو صرف زبان سے ایمان کا اقرار کرتے ہوں۔ اور ان کے دل اس کی تصدیق سے خالی ہوں۔ ان کے لئے یہ بات کسی طرح بھی آسان نہ ہو سکتی تھی۔ کہ وہ اپنی جان اور مال اللہ کی راہ میں کھپائیں۔ لہذا بڑی تفصیل کے ساتھ حکم دیا گیا کہ اللہ کی راہ میں قتال کرو۔ یہی ایمان کا تقاضہ ہے اور درحقیقت یہی ایمان کا عملی ثبوت ہے۔ اس کے ساتھ تیسری چیز جو منافقین پر بڑی گراں گذر رہی تھی۔ وہ ہجرت کا حکم تھا۔ اللہ کے لئے اور اس کے دین کیلئے اپنے وطن کو خیر باد کہنا، اپنے گھر والوں سے کنبے والوں سے، رشتے داروں سے تعلق منقطع کر کے، آبا و اجداد کی سرزمین کو خیر باد کہہ کر مدینہ منورہ دارالاسلام جواب اسلام کا مرکز بن چکا تھا، وہاں آجانا۔ ان لوگوں کے لئے آجانا تو آسان تھا، جو یقین رکھتے تھے، اللہ پر اور ایمان لائے تھے، پورے صدق دل کے ساتھ لیکن جن لوگوں کو وہ یقین کلی حاصل نہیں تھا، ان کے لئے یہ چیز بڑی کٹھن تھی۔ لہذا فرما دیا گیا کہ تمہارے ایمان کا ثبوت یہی ہے۔ اور اگر تم اللہ کی راہ میں ہجرت نہیں کرتے، تو جان لو کہ تم اللہ کی شدید مغضوبیت کے حقدار اور سزاوار ٹھہرائے جاؤ گے۔ منافقین کے ذکر میں اس پارے کے آخر میں بڑی شدید وعید وارد ہوئی کہ اللہ کو اگرچہ کفار بھی بہت مغضوب ہیں کہ کھلے کافر اللہ کو انتہائی ناپسند ہیں۔ لیکن منافقین ان سے بھی بڑھ کر اللہ کو ناپسند ہیں۔ جنہوں نے لبادہ اسلام کا اوڑھا ہو جو زبان سے اسلام کا کلمہ پڑھتے ہوں۔ جو زبان سے مدعی ہوں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے لیکن جن کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے دین سے اپنی جان و مال زیادہ محبوب رکھتے ہوں۔ جن کے لئے جہاد اور قتال بہت بھاری ہو گیا ہو۔ چنانچہ فرمایا گیا۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔ اور ان کو کفار سے بھی بڑھ کر سزا دی جائے گی۔ اللہ تعالے ہمیں اس مہلک مرض سے بچائے رکھے۔ آمین

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ط

قرآن مجید کا چھٹا پارہ - لَا یُحِبُّ اللّٰہُ - کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے
اور اسی نام سے موسوم ہے - اس میں پہلے سورہ النساء کی بقیہ اُنتیس ۲۹ آیات شامل
ہیں - اور اس کے بعد سورہ مائدہ کی ایک سو بیس ۱۲۰ میں سے بیاسی ۸۲ آیات سورۃ النسائ
کا جو حصہ اس پارہ میں شامل ہے - اُس کا اکثر و بیشتر خطاب اہل کتاب پر مشتمل ہے
چنانچہ اہل کتاب کو بالعموم اور یہود کو بالخصوص متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ان شرارتوں
سے باز آجائیں جو وہ اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کر رہے ہیں - ساتھ
ہی یہود کے اس مذموم خیال کی نہایت سختی کے ساتھ تردید کی گئی کہ ان کا یہ خیال
تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا گیا ہے - فرما دیا گیا - وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا
صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ط (ترجمہ) انہوں نے انہیں قتل کیا اور
نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ اس پورے معاملے میں اُن کو ایک شبہ میں ڈال دیا گیا
اس حصے میں بہت اہم مضمون یہ بھی وارد ہوا ہے کہ نبوت اور رسالت کی اصل
غرض و غایت کیا ہے - چنانچہ بہت سے انبیاء کا نام ذکر کر کے فرمایا گیا -
آیت :- رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ
عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ط -
یعنی ______ اگرچہ اللہ نے انسان کو اس دنیا میں سماعت
و بصارت اور عقل و شعور اور نیکی و بدی کی تمیز دے کر بھیجا ہے - اور اس اعتبار
سے ہر انسان مکلف ہے - مسئول ہے اور جوابدہ ہے
لیکن اللہ تعالٰے کی حکمت متقاضی ہوئی کہ انسانوں پر مزید فضل و کرم فرماتے
ہوئے - نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری فرمائے - چنانچہ انبیاء کرام سلام اللہ

کے رسولوں نے حق و صداقت اور عدل کی راہ کو قولاً بھی واضح کیا اور عملاً بھی اس کا نمونہ پیش کر دیا تاکہ انسانوں کے پاس خدا کے یہاں کوئی عذر نہ رہ جائے کہ وہ یہ کہہ سکیں کہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ یا وہ یہ کہہ سکیں کہ اے اللہ ہم نہیں جانتے تھے کہ تو کیا چاہتا ہے۔ لہذا انبیاء کرام کی بعثت کے بعد اور رسولوں کے اس دنیا میں تشریف لانے کے بعد اب گویا نوع انسانی پر اتمامِ حجت ہو گئی۔ اور اب ان کے پاس اللہ کے یہاں پیش کرنے کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہا۔

سورہ مائدہ ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے قرآن مجید کی آخری سورتوں میں سے ہے۔ اور بالخصوص شریعتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اس اعتبار سے ہر پہلو سے تکمیلی احکام وارد ہوئے ہیں۔ سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران اور سورہ انبیاء کی طرح اس سورہ مبارکہ میں بھی کچھ آیات میں خطاب اہل کتاب سے ہے اور کچھ آیات میں امتِ مسلمہ سے۔ مسلمانوں سے خطاب کر کے جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا ہے شریعت کے آخری احکام عطا کئے گئے۔ چنانچہ بالکل آغاز ہی میں کھانے پینے کی چیزوں میں حلت و حرمت کا آخری ضابطہ بیان ہوا۔ ساتھ ہی اہل کتاب کی خواتین سے نکاح کی اجازت ملی۔ مزید برآں اسی سورہ مبارکہ میں چوری پر قطعِ ید کی سزا کا اعلان ہوا۔ قتلِ ناحق کی شدید مذمت کی گئی اور فتنہ و فساد اور راہزنی اور ڈاکہ ڈالنے کی سزا انتہائی سختی کے ساتھ مقرر کی گئی اس اعتبار سے یہ سورہ مبارکہ شریعت کی تکمیلی سورۃ ہے اور اسی میں وہ آیت مبارکہ بھی وارد ہوئی ہے

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط

ترجمہ: آج ہم نے تم پر اپنے دین کو مکمل فرما دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور اس دینِ اسلام کو تمہارے لئے پسند کر لیا۔ یہ آیت مبارکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی ہے اور اس میں شریعت کی تکمیل کا اعلان ہو گیا ہے وہ شریعت جو سابق انبیاء کے ذریعے تدریجی مراحل طے کرتے ہوئے بالآخر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تکمیل کو

پہنچی اور خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اس کا نزول تدریجاً ہوا - چنانچہ اکثر و بیشتر
معاملات میں جو ابتدائی احکام ہیں وہ سورہ بقرہ میں وارد ہوئے ہیں - اور تکمیلی احکام
ہ ہیں جو اس سورہ مبارکہ میں وارد ہوئے ہیں - اس سورہ مبارکہ میں اہلِ کتاب سے
ہی بہت مفصل خطاب ہے - اور اس اعتبار سے بھی یہ گویا کہ سورہ بقرہ آلِ عمران
ور سورہ النساء اس سلسلے کی مُہر گویا کہ تکمیلی سورۃ ہے - چنانچہ ان سے بڑے ہی دلنشیں
پیرائے میں لیکن ساتھ ہی کان کھول دینے کے انداز میں فرمایا گیا - آیت - يَا أَهْلَ
الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ
إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ ط اے اہلِ کتاب تمہاری کوئی حیثیت نہیں اللہ کی نگاہ میں
ہاری کوئی وقعت نہیں جب تک کہ تم قائم نہیں کرتے تورات کو اور انجیل کو اور
ہ جو کچھ کہ تم پر نازل کیا گیا تمہارے رب کی طرف سے اس میں خود ہم مسلمانوں کیلئے
ھی بڑی تہدید ہے - اور بڑی تنبیہ ہے ہمیں بھی یہ سوچنا چاہیئے کوئی امت جو اللہ کی
کتاب کی حامل قرار پاتی ہے - شریعتِ آسمانی کی امین بنتی ہے اسی کے کاندھے پر
مانت کا ایک بارِ گراں آتا ہے - اگر وہ اس شریعت کو خود نافذ نہیں کرتی اس پر خود
مل نہیں کرتی، اسے خود اپنی زندگی کا لائحہ عمل نہیں بناتی تو گویا کہ وہ خواہ زبان
ے اس شریعت کو ماننے کا اقرار کرے اپنے عمل سے تکذیب کر رہی ہوتی ہے - یہ وہ
جرم ہے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے بڑی شدید سزا اور عقوبت کا مستحق بنا دیتی ہے -
چنانچہ اس سورہ مبارکہ میں یہ فرما کر گویا کہ خود ہمارے لئے یہ ایک پیشگی تنبیہ اس
سورہ مبارکہ میں فرما دی گئی - گویا کہ ہم اس کو یوں پڑھ سکتے ہیں - کہ اے اہلِ قرآن
جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں وارد بھی ہوا -
لا تتوسدوا القرآن : ترجمہ :- کہ اے قرآن والے قرآن کو صرف
تکیہ نہ بنا لو - صرف ایک ذہنی معیار ایک قلبی اطمینان کہ ہم حامل کتاب الٰہی ہیں
ہم اللہ کی شریعت کے حامل ہیں - بلکہ اس کتاب کے حقوق ہیں - جو تم پر عائد ہوتے
ہیں - اس ضمن میں بڑی اہم ذمہ داریاں ہیں جو تم پر عائد ہوتی ہیں - فرمایا

بل تقرؤہ اتلوہ حق تلاوتہ فی انای اللیل والنہار (ترجمہ: بلکہ اس کو پڑھا کرو جو کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے رات کے اوقات میں بھی دن کے اوقات میں بھی) وتحفظوہ اور اس کو خوش الحانی سے پڑھ کر حفظ کیا کرو۔ واغشوہ اور اسے عام کرو۔ اس کے پیغام کو دنیا میں پھیلاؤ۔ اس کے نور سے چاردانگ عالم کو منور کرو۔ وتدبروہ فیہ لعلکم تفلحون۔ اور اس پر تدبر کرو، غور و فکر کرو، اس سے تمہاری فلاح وابستہ ہے۔ اس سے حقیقی بھلائی ملے گی۔ گویا کہ اس سورہ مبارکہ میں جہاں ایک طرف مسلمانوں کو تکمیلی احکام دیدیئے گئے شریعت کے مختلف پہلوؤں کے اعتبار سے آخری ہدایات دے دی گئیں۔ وہیں اہل کتاب کے حوالے سے یہ بات بھی واضح کردی گئی کہ حامل شریعت ہونا اور حامل کتاب الٰہی ہونا ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ انہیں ادا کرنے کی فکر کرنی چاہیئے۔

ساتواں پارہ

وَاِذَا سَمِعُوْا

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ج ۔ قرآن مجید کا ساتواں پارہ وَاِذَا سَمِعُوْ کے نام سے موسوم ہے اس میں ابتداً سورہ مائدہ کی ۳۸ آیات شامل ہیں اور اس کے بعد سورہ انعام شروع ہوتی ہے۔ اس کی کل ایک سو پینسٹھ آیات میں سے ایک سو دس آیات اسی پارے میں وارد ہوئی ہیں۔ سورہ مائدہ کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ شریعت کی تکمیلی سورۃ ہے۔ چنانچہ اس میں شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تکمیلی احکام وارد ہوئے ہیں۔ جو حصہ اس ساتویں پارے میں شامل ہے اس میں بھی احرام کی حالت میں شکار کر لینے پر جو سزا یا کفارہ معین کیا گیا ہے اس کا بیان آیا، قسم توڑنے کے کفارے کا بیان ہوا اور شراب اور جوئے

کے بارے میں بھی آخری حرمت کا حکم نازل ہوا۔ اس شراب اور جوئے کے آخری حکم کی حرمت پر بعض مسلمانوں کو تشویش ہوئی کہ جو لوگ اس سے پہلے اس حرام چیز سے شغل کرتے رہے اور اسی حالت میں انہوں نے نمازیں بھی پڑھیں ان کی نمازوں کا کیا بنے گا۔ یہ تشویش گویا کہ بالکل اسی طرح کی تھی جس طرح کی تشویش مسلمانوں کو تحویل قبلہ کے بعد لاحق ہوئی تھی کہ سولہ سترہ مہینے تک ہم جو نمازیں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھتے رہے اب ان نمازوں کا کیا ہوگا۔ روح دین کے اعتبار سے اس ضمن میں بڑی اہم بات واضح کی گئی کہ دین میں اصل چیز تو تقویٰ ہے۔ خدا کا خوف، مسئولیت کا احساس، اللہ کے حضور میں حاضری اور اس کے سامنے پیش ہونے سے ڈرتے رہنا اور اس کے احکام کو توڑنے سے بچتے رہنا جن کو ہم تقویٰ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ دین کی اصل روح یہ ہے۔ اگر پہلے تکمیلی احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ اس وجہ سے مسلمانوں کی طرف سے بھی کوئی کمی ہوتی رہی تھی۔ تو اس سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ فرمایا گیا۔ : إِذَا مَا اتَّقَوْا وَّآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّأَحْسَنُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ؏ ۔ تقویٰ اگر ہے اور وہ روح تقویٰ انسان کو ایمان کے راستے پر گامزن رکھتی ہے۔ ایمان میں انسان بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اعمال میں بھی بتدریج ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مقام احسان پر فائز ہو جاتا ہے تو یہ روح تقویٰ وہ ہے جو انسان کو آخری منزل تک پہنچا سکتی ہے اور یہی مقامِ احسان ہے کہ جو اللہ کی پسندیدگی کا احسان ہے اللہ کو محسنین بہت پسند ہیں۔ اہل کتاب خطاب کے ضمن میں سورہ مائدہ کے اخیر میں ایک بڑی عجیب بات بیان ہوئی ہے کہ قیامت میں جب اُمتوں کا محاسبہ ہوگا تو ان کے ساتھ ہی ان انبیاءؑ رسل سے بھی پرسش ہوگی۔ یہ بات آگے چل کر سورہ اعراف میں بھی بہت واضح انداز میں بیان ہوگی۔ فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ۝ (ترجمہ) ان سے بھی پوچھیں گے کہ جن کی طرف ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا اور ہم پوچھیں گے

خود رسولوں سے بھی۔ چنانچہ قیامت میں اللہ تعالےٰ حضرت مسیح علیہ السلام
سے سوال فرمائیں گے۔ آیت۔ ءَ أَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ
إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ الخ آیت ۱۱۶ المائدہ (ترجمہ) اے عیسیٰ ابن مریم کیا
تم نے کہا تھا لوگوں سے کہ مجھے اور میری ماں کو بھی اللہ کے سوا معبود بنا لینا
اور حضرت مسیح علیہ السلام انتہائی لجاجت سے جواب دیں گے کہ اے اللہ میرے
لئے کیسے ممکن تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے حق نہیں ہے۔ اگر میں نے کہا
ہوتا تو وہ تیرے علم میں ہوتی۔ اس سے گویا کہ اشارہ کیا گیا! اس بات کی طرف
کہ امتوں کی گمراہیوں کی قیامت کے دن ایک شکل اس صورت میں بھی پیدا ہو
گی کہ ان کے انبیاء و رسل کو شرمندگی کا سامنا، اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں کرنا ہوگا۔
اس کے بعد قرآن حکیم میں سورہ انعام شروع ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں سب سے
پہلے سورۃ فاتحہ ہے۔ جو مکی ہے اس کے بعد چار طویل ترین مدنی سورتیں ہیں
اور اس کے بعد دو سورتیں مکی ہیں۔ سورہ انعام اور سورہ اعراف اور یہ ہر اعتبار
سے مکی سورتوں کے ایک انتہائی حسین و جمیل جوڑے کی صورت میں قرآن مجید میں
وارد ہوئی ہیں۔ ان دونوں میں مضامین کی ترتیب بہت عجیب ہے۔ دونوں میں
اصل خطاب کا رخ مشرکین عرب سے بالعموم اور قریش مکہ کی طرف بالخصوص ہے۔
ان کی گمراہیوں پر ان کے شرک پر دین ابراہیمی میں جو بدعات انہوں نے جاری کر
دی تھیں ان پر سختی کے ساتھ گرفت کی گئی ہے اور توحید کی تعلیم دی گئی ہے اور
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے البتہ سورہ انعام
میں اس کی ساری گفتگو کا دارومدار امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے الفاظ
میں التذکیر بالآء اللہ پر ہے۔ یعنی اللہ کی نعمتوں کے حوالے سے توحید کا بیان
اللہ کے احسانات آفاق و انفس میں اس کی توحید کی نشانیاں اس کی کمال صفات
کے شواہد جو ہر طرح ہر طرف موجود ہیں، ان کے حوالے سے اس شرک کی مذمت اور
توحید کی دعوت ہے اسی ضمن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بڑا تفصیل کے ساتھ

ذکر ہوا - واضح رہنا چاہیئے کہ بالعموم جس میں اہلِ عرب بالخصوص قریشِ مکہ اس بات کے مدعی تھے کہ وہ دینِ ابراہیمی پر ہیں - بلکہ وہ نسلاً بھی اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی سے وابستہ سمجھتے تھے - جہاں تک قریشِ مکہ کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ حضرتِ اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے تھے - چنانچہ اس سورہ مبارکہ میں حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کا ذکر دونوں اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے - اس پہلو سے بھی کہ وہ علی الاطلاق -

پوری نوعِ انسانی کے اعتبار سے بڑے اہم مقام و مرتبہ پر فائز ہیں -
علاّمہ اقبالؒ نے جو فرمایا ہے کہ

براہیمیؑ نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے ؎
ہوس چھپ چھپ کے سینے میں بنا لیتی ہے تصویریں

تو واقعہ یہ ہے کہ پوری نسلِ انسانی کی تاریخ میں توحید کے اعتبار سے امام الناس ابو الانبیاء اور خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بڑا بلند مقام ہے اس سُورہ مُبارکہ میں ان کی اس حجت کا ذکر ہے جس کا حوالہ خود اللہ تعالےٰ نے ان الفاظ میں دیا۔ آیت وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ط یہ ہماری وہ حجت ہے جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اس کی قوم کے مقابلے میں عطا فرمائی چونکہ ان کی قوم سورج کی پرستش کرتی تھی چاند اور ستاروں کی پرستش کرتی تھی بت پرست بھی تھی۔ بڑے بڑے ہیکل انہوں نے تعمیر کئے تھے - اور کثیر تعداد میں بُت انہوں نے رکھے ہوئے تھے - حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خاص طور پر ان آیات میں جو کہ سُورہ مبارکہ میں وارد ہوئی ہیں - ستارہ پرستی اور سُورج پرستی کی مذمت کی اور بڑے ہی دلنشین پیرائے میں اس بات کو کھول دیا کہ نہ سُورج میں کوئی الوہیت ہے اور نہ چاند میں تاروں میں یہ سب ڈوب جانے والے ہیں - ان میں سے کسی کو بھی نہ دوام ہے اور نہ تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان سے کیسے محبت کروں ان کو کیسے پوجوں جو بالآخر ڈوب جانے والے ہیں افناس کے بعد آتا ہے وہ نعرۂ توحید جو حضرت ابراہیم

علیہ السلام کی زبان پر وارد ہوا۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۔ میں نے تو ہر طرف سے یکسو ہو کر اپنا رُخ اس ہستی کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز اس کے ساتھ شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

آٹھواں پارہ

وَلَوْ اَنَّنَا

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَیْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ یَجْهَلُوْنَ ۔

قرآن مجید کا آٹھواں پارہ ولو اننا کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور اسی نام سے موسوم ہے۔ یہ پارہ دو برابر برابر حصّوں میں منقسم ہے۔ اس کے نصف اوّل میں سورۃ الانعام کی بقیہ پچپن (۵۵) آیات وارد ہوئی ہیں۔ اور نصف ثانی میں سورہ اعراف کی ۸۷ آیات ہیں سورہ الانعام کا جو حصہ اس پارہ میں وارد ہوا ہے اس میں ابتداءً رسول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔ آپ دلگیر نہ ہوں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تو اپنی شرافت طبع اور مروت کی بناء پر یہ احساس ہوتا تھا کہ ان لوگوں کے ایمان نہ لانے کا سبب کہیں میرے ابلاغ اور تبلیغ اور دعوت و نصیحت میں کسی اعتبار سے کوئی تقصیر تو نہیں اور دوسرے جیسا کہ اس سورہ مبارکہ کے آغاز میں بھی آیا کفار کی

طرف سے جب مطالبہ کیا گیا کہ ہمیں معجزات دکھائے جائیں ہم ایمان لے آئیں گے تو اس پر بہت سے مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال بر بنائے طبع بشری پیدا ہوا کہ کیوں نہ انہیں ان کی پسند کے معجزات دکھا ہی دیئے جائیں اور ان کے مطالبات پورے کر دیئے جائیں کیا عجب کہ وہ ایمان لے آئیں اور اگر ایمان نہ لائیں تب بھی کم از کم اُن پر حجت تو قائم ہو جائے اس پارے کے آغاز میں فرمایا کہ اس خیال میں کوئی حقیقت نہیں انہیں اگر تمام معجزات بھی دکھا دیئے جائیں وہ تمام چیزیں جن کا یہ مطالبہ کر رہے ہیں پوری کر دی جائیں پھر بھی یہ ماننے والے نہیں اس کے بعد مشرکین عرب اور قریش مکّہ کی ان بدعات کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا جو انہوں نے دین ابراہیمی میں اپنے دل سے گھڑ کر شامل کر لی تھیں چنانچہ کھانے پینے کی چیزوں میں ایک لمبا چوڑا ضابطہ انہوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر دین ابراہیمی کے نام سے نافذ کر دیا تھا۔ اس کی شدّت کے ساتھ مذمت کی گئی ہے اور آخر میں بڑی جامعیت کے ساتھ یہ بتایا گیا۔

۔ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ج دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ج وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ہ

آؤ میں تمہیں بتاؤں تمہارے ربّ نے کن چیزوں کو حرام کیا۔ دین ابراہیمی کے اصل اصول کونسے ہیں۔ شریعتِ آسمانی کے اصل اور بنیادی احکام کونسے ہیں یعنی یہ کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرو والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، چوری سے بچو، یتیموں کا مال ہڑپ کرنے سے باز آؤ، اسی طریقے سے فواحش سے بچو اور بھی جو بنیادی اخلاقی تعلیمات ہیں ان سب کو بڑی جامعیت کے ساتھ اس مقام پر ان سب لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا ہے کہ یہ ہے اصل دین۔

۔ اننی ھدانی الی صراط مستقیم ہ

میں حضورؐ سے کہلوایا گیا یہ میرا سیدھا راستہ ہے یہی اصل ملّتِ ابراہیمی ہے اور یہی وہ امور ہیں کہ جن کی طرف میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں آخر میں روح

دین کے اعتبار سے بڑی جامع بات ہے حضورؐ کو حکم ہوا کہ آپ یہ فرمادیں ۔

- إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ ج وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝

میری نماز میری قربانی میری زندگی اور میری موت یہ سب کچھ اللہ ہی کیلئے ہیں ۔ اللہ ہی کے لئے ہو جانا انسان کی زندگی اور موت کا انسان کے جینے اور مرنے کا انسان کی پسند اور ناپسند اس کا معیار واحد اللہ کی پسند ہے یہ ہے اصل دین اور یہ ہے دین کی اصل حقیقت اور اس کی اصل روح اس کے بعد سورۃ الاعراف کا آغاز ہوتا ہے یہ سورۃ مبارکہ قرآن مجید میں شاہ ولی اللہ دہلوی کی استعمال کردہ اصطلاح کے مطابق تسبین کی بڑی حسین و جمیل ایک مثال ہے یعنی نسل انسانی کی تاریخ کے اہم واقعات استشہاد جس میں انبیاء و رسل کے حالات و واقعات بڑی تفصیل کے ساتھ وارد ہوتے ہیں ۔ اس سورۃ مبارکہ کا اکثر و بیشتر حصہ تاریخ انسانی کے اہم واقعات پر مشتمل ہے پہلا رکوع بہت جامع ہے اور اس میں وہ آیت بھی وارد ہوئی ہے ۔

وَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ۝

ہم باز پرس کریں گے اور محاسبہ کریں گے اُن کا جن کی طرف ہم نے رسولوں کو بھیجا اور ہم پوچھیں گے اُن سے بھی جنہیں ہم نے رسول بنا کر بھیجا اس کے بعد کے دو رکوع میں قصہ آدم و ابلیس بیان ہوا ہے اور اس کے بعد دوسرے پہلو جو سورۃ بقرہ کے چوتھے رکوع میں بیان ہوئے ۔ یہ قصہ قرآن مجید میں ابتداً آیا مگر اس کے بعض پہلو تشنہ رہ گئے تھے اُن کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ گویا کہ نسل انسانی کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تمہارا ازلی اور ابدی دشمن شیطان رجیم وہی ہے جس نے تمہارے جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام اور تمہاری اماں حوا علیہا السلام کو جنت سے نکلوایا تھا اور اب بھی وہ درپے ہے کہ تمہیں دوبارہ اُسی

جنت میں داخل نہ ہونے دے اپنے اس دشمن کو پہچانو۔ ابتدا آفرینش یا یوں
کہیے کہ نسل انسانی کے آغاز کے ان واقعات کے بعد نسل انسانی کے اخروی انجام
کا ذکر ہوا چنانچہ تفصیل کے ساتھ بتایا گیا کہ نسلِ انسانی کس انجام کے ساتھ دو
چار ہونے والی ہے ان میں کچھ خوش قسمت لوگ وہ بھی پیدا ہوں گے جو اللہ کی
رحمت کے دامن میں جگہ پائیں گے اور جنت میں داخل ہوں گے۔

آیت۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا
وُسْعَهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ ان کا مقسوم
بنے گا اور کچھ بدقسمت لوگ وہ ہوں گے جو جہنم میں داخل کئے جائیں گے اور عذاب
شدید میں مبتلا کئے جائیں گے ساتھ ہی ذکر ہوا اصحاب کہف کا یہ حالات و
واقعات ہیں کہ جو گویا نسل انسانی کی تاریخ کے بالکل آخری دور کے واقعات
ہیں۔ اس کے بعد شروع ہوتا ہے انبیاء اور رسل کی تعریف کا سلسلہ حضرت نوح
علیہ السلام حضرت ہود علیہ السلام جو قوم عاد کی طرف بھیجے گئے۔ حضرت صالح علیہ
السلام جو قوم ثمود کی طرف مبعوث ہوئے۔ حضرت ہود علیہ السلام حضرت شعیب
علیہ السلام ان کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا کہ یہ سب دورِ انسانی کو حق کی طرف دعوت دیتے
تھے۔ توحید کی طرف بلانے کیلئے آئے بداعمالیوں سے فاحشات سے منکرات سے روکنے
کے لئے آئے لیکن انسان اپنی بدبختی میں اپنی سرکشی میں اپنے تکبر میں کفر اور انکار
پہ اڑا رہا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تمام قوموں پر ہلاکت کا عذاب نازل ہوا قوم نوح کو غرق
کیا گیا قوم عاد اور ثمود بھی اس طرح تباہی سے دوچار ہوئی قوم لوط پر آسمان سے
پتھروں کی بارش ہوئی اور ان کی بستیاں برباد کر دی گئیں۔ یہ تمام حالات واقعات
ایک ہی حقیقت کی طرف راہنمائی کر رہے ہیں کہ کامیابی اس دنیا میں بھی بالآخر
ان کے حصے میں آنے والی ہے جو خدائے واحد کے پرستار ہوں انبیاء و رسول کی
دعوت کو قبول کریں اور اس پر لبیک کہیں۔ نیکی اور صداقت راستبازی اور
راست روی کو اختیار کریں اور یہ بربادی مقدر بنتی ہے ان کا جو اس دنیا میں بھی
اس کے برعکس روش اختیار کریں اور آخرت میں تو وہ دردناک انجام سے

(جاری ہے)

لئے کہ یہ ایمان کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور خود آں حضورؐ کے فرمانِ مبارک کے مطابق کوئی شخص مومن نہیں قرار پا سکتا جب تک اُسے آں حضورؐ سے اپنے والدین، اپنی اولاد اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبت نہ ہو جائے۔ اسی طرح سورہ حجرات میں واشگاف الفاظ میں اہلِ ایمان کو متنبہ فرما دیا گیا کہ آنحضورؐ کی شان میں غیر ارادی طور پر ادنیٰ سی گستاخی بھی تمام اعمال کے اکارت جانے کا سبب بن سکتی ہے۔ بقول شاعر ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر | نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

آں حضورؐ سے ہمارے تعلق کی تیسری بنیاد اطاعت اور اتباع ہے یعنی نہ صرف آپؐ کے ہر حکم کی بے چون و چرا تعمیل، جو منطقی نتیجہ ہے ایمان اور تعظیم کا بلکہ آپؐ کے ان معمولات کی بھی حتی الامکان پیروی، جن کا آپؐ نے لفظاً حکم نہیں دیا، جو لازمی نتیجہ ہے عشق و محبت کا!

آنحضورؐ سے ہمارے تعلق کی آخری اور اہم ترین اساس ہے آپؐ کی نصرت و تائید یعنی آپؐ کے مشن یا مقصدِ بعثت کے بین الاقوامی یا عالمی مرحلے کی تکمیل کے لئے اپنا وقت، قوت، صلاحیت اور روپیہ پیسہ صرف کرنا تاکہ رسالتِ محمدیؐ کا پیغام چہار دانگ عالم اور ایک ایک فردِ نوعِ بشر تک پہنچ جائے اور اللہ کا دین کُل روئے ارضی پر غالب و نافذ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کام کی انجام دہی کا واحد ذریعہ ہے اللہ کی کتاب "قرآن مجید و فرقان حمید" کی تبلیغ اور اس کے علم و حکمت اور تعلیمات و ہدایات کی نشر و اشاعت۔ گویا اس نور کا اتباع جو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نازل کیا گیا۔ چنانچہ یہی باتیں نہایت جامعیت کے ساتھ وارد ہوئی ہیں سورہ اعراف کی آیت ۱۵۷ کے ان الفاظِ مبارکہ میں کہ :-

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

یعنی: پس جو لوگ ہمارے اس رسول نبی امی پر ایمان لائیں اور اُسؐ کی تعظیم کریں اور اُسؐ کی مدد کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو اُسؐ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی لوگ کامیاب اور فائز المرام ہوں گے!

اے اللہ ہمیں بھی ایسے لوگوں میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرما!!

آمین یا ربّ العالمین!!

مذاکرات قرآنی

۲۳ تا ۳۱ مارچ روزانہ شام کی نشستوں کا پروگرام حسب ذیل ہوگا

عصر تا مغرب مختلف سیاسی و قانونی، معاشی و اقتصادی اور سماجی و عمرانی موضوعات پر روزانہ ایک مقالہ پیش ہوگا اور اس پر بحث و گفتگو ہوگی۔

مغرب تا عشاء روزانہ قرآن مجید کے کسی مقام کا درس یا حکمت قرآنی کے کسی پہلو پر تقریر ہوگی اور اس پر بھی سوالات کا موقع دیا جائیگا۔

---

23 مارچ کو ساڑھے آٹھ بجے صبح قرآن اکیڈمی ہی میں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا

سالانہ اجلاس عام

منعقد ہوگا جس میں انجمن کے ناظم اعلیٰ محمد بشیر ملک انجمن کی سالانہ رپورٹ پیش کریں گے۔ ناظم مالیات شیخ محمد عقیل آمد و خرچ کا حساب پیش کریں گے اورصدر موسس ڈاکٹر اسرار احمد انجمن کے مقاصد اور پیش نظر منصوبوں پر روشنی ڈالینگے

نوٹ

جملہ پروگراموں میں خواتین کی شمولیت کے لئے پردے کا اہتمام ہوگا

محدود تعداد کی حد تک بیرون لاہور سے آنے والے حضرات کے قیام کا انتظام قرآن اکیڈمی میں کیا جا سکتا ہے - ایسے حضرات سے درخواست ہے کہ فوری طور پر اپنے ارادے سے دفتر انجمن کو مطلع فرمائیں۔

Regd. L. No. 7360

Monthly **MEESAQ** Lahore

Vol. 30	MARCH 1981	No. 3

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کے زیر اہتمام اس سال تین یا چار روزہ

کی بجائے انشاءاللہ العزیز

سوموار ۲۳ تا منگلوار ۳۱ مارچ ۱۹۸۱ء

۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور

میں روزانہ عصر تا مغرب اور مغرب تا عشاء دو اجلاس منعقد ہونگے اس سـ
بعض تفاصیل دوسری جانب ملاحظہ فرمائیں

ع صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے!

المعلن : ناظم اعلیٰ مرکزی انجمن خدام القرآن ـ لاہور

جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ - اپریل ۱۹۸۱ء

دو ماہ کے اس مشترکہ شمارے میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب جمعہ شامل ہے جو موصوف نے ۲ مارچ ۱۹۸۱ء کو مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں دیا تھا - جس میں ملک کے موجودہ حالات کے پیش نظر چند مفید اور اہم مشورے پیش کئے گئے تھے (مرتب)

: مدیر مسئول :

ڈاکٹر اسرار احمد

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

اشاعت : ۳۶-کے' ماڈل ٹاؤن - لاہور - فون : ۸۵۲۶۱۱ - ۸۵۲۶۸۳

وَ لَقَدْ اَخَذَ مِيثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْن

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد ۳۰ | جمادی الثانی و رجب المرجب ۱۴۰۱ھ | عدد

مشمولات

صفحہ

مرتب ——— (شیخ) جمیل الرحمٰن

ناشر : ڈاکٹر اسرار احمد ★ طابع : چودھری رشید احمد

مطبع : مکتبہ جدید پریس ۔ شارع فاطمہ جناح ۔ لاہور

جمیل الرحمٰن

عرضِ احوال

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

جمادی الثانی اور رجب المرجب ۱۴۰۱ھ مطابق اپریل و مئی ۱۹۸۱ء کا مشترکہ شمارہ پیش خدمت ہے۔ اس اشتراک کا سبب یہ ہے کہ منتخب مضامین اہم بھی تھے اور طویل بھی۔ ایک شمارے کی ضخامت ان کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی، لہٰذا ماہ رجب المرجب (مئی ۸۱ء) کا شمارہ بھی شامل کر کے اس شمارے کی ضخامت دوگنی کر دی گئی اس طرح اگلے ماہ کا شمارہ پیشگی قارئین کرام کو پہنچ رہا ہے۔ سابقہ شمارے کے ٹائٹل پر سہواً "جمادی الثانی" طبع ہو گیا تھا۔ ناظرین سے التماس ہے کہ وہ نوٹ فرمالیں کہ سابقہ شمارہ "جمادی الاوّل" (مارچ ۸۱ء) کا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کا ایک اہم خطاب اس شمارے میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا ایک فکر انگیز خطبہ ٹیپ سے منتقل کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ اس تقریر میں موصوف نے پاکستان کے سیاست دان اصحاب، علماء کرام اور دین کا کام کرنے والے حضرات کی خدمت میں چند مفید و اہم مشورے پیش کئے ہیں۔ ہماری کوشش ہوگی کہ یہ شمارہ ملک کی چند نمایاں شخصیتوں کی خدمت میں غور و فکر کے لئے ارسال کر دیا جائے — ہم قارئین میثاق سے گذارش کریں گے کہ وہ اس تقریر کا بالاستیعاب مطالعہ کر کے ان تجاویز اور مشوروں کے بارے میں اپنی آراء سے مطلع فرمائیں جن کو ان شاء اللہ "میثاق" میں پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

محاضراتِ قرآنی جیسا کہ سابقہ شمارے میں عرض کیا گیا تھا کہ امسال سالانہ "قرآن کانفرنس" کے بجائے ۲۳ تا ۳۱ مارچ ۸۱ء کو قرآن اکیڈمی میں علمی مجالس مذاکرہ منعقد ہوں گی۔ الحمد للہ والمنہ ان مجالس علمی کا انعقاد "محاضراتِ قرآنی" QURANI SEMINAR کے نام سے نو دن تک جامع قرآن قرآن اکیڈمی میں مسلسل جاری رہا۔ ہر روز دو نشستیں منعقد ہوئیں۔ پہلی بعد نمازِ عصر تا نمازِ مغرب اور دوسری بعد نمازِ مغرب تا عشاء — عموماً نمازِ عشاء تاخیر سے

باجماعت ادا کی گئی۔ ان مجالس میں ملک کے بہت سے علماء اور دانشوروں نے مختلف موضوعات پر قرآن حکیم کی روشنی میں مقالات پیش کئے اور تقاریر کیں۔ عموماً ہر مقالے اور تقریر کے بعد شرکاء مجالس کو سوالات کا موقع بھی دیا گیا۔

ہماری بڑی خوش نصیبی تھی کہ ان محاضرات میں پاکستانی علماء و دانشوران کے علاوہ پاک و ہند کے نامور عالم دین صاحبِ تصنیف و تالیف، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اسلامیات کے پروفیسر اور موقر و مشہور و معروف دینی ماہنامہ "برہان" دہلی (بھارت) کے مدیر جناب مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی مدظلہ العالی نے جو ان دنوں پاکستان تشریف لائے ہوئے تھے۔ چھ نشستوں میں شرکت فرمائی، چند کی صدارت کی اور ایک نشست میں "قرآن حکیم کی آیاتِ محکمات و متشابہات" کے موضوع پر نہایت فاضلانہ تقریر فرمائی۔ — مزید برآں ان محاضراتِ قرآنی میں شرکت کرنے اور مقالات پیش کرنے کے لئے کراچی سے ملک کے مشہور و معروف ماہر قانون و دستور جناب خالد۔ ایم اسحٰق صاحب، جناب مولانا محمد طاسین صاحب ناظم و مہتمم مجلس علمی کراچی اور جناب ڈاکٹر ابو سلیمان شاہجہانپوری مقتدرہ اردو۔ کراچی) نے شرکت فرمائی اور اپنے مقالات و خطابات سے ناظرین کو مستفید فرمایا۔ جناب احمد ظفر فاروقی صاحب (سیکرٹری الیکشن کمیشن حکومت پاکستان) اسلام آباد سے اپنا مقالہ پیش کرنے کے لئے تشریف لائے تھے۔

دیگر شرکاء علاوہ ازیں لاہور سے حسب ذیل حضرات سے ان محاضرات قرآنی میں صدارت فرمائی یا مقالات پیش کئے یا تقاریر کیں۔ نام حروف تہجی کے لحاظ سے لکھے گئے ہیں۔

۱۔ جناب ڈاکٹر ابصار احمد صاحب اعزازی ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی (شعبہ فلسفہ جامعہ پنجاب)
۲۔ جناب ڈاکٹر ابو بکر صاحب سابق صدر شعبہ حیاتیات۔ جامعہ پنجاب۔
۳۔ جناب حافظ احمد یار صاحب سابق صدر شعبہ اسلامیات جامعہ پنجاب
جناب مولانا اسحٰق بھٹی رفیق ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور
جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن
جناب ڈاکٹر الطاف جاوید صاحب
جناب ڈاکٹر امان اللہ صاحب صدر شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب

جناب ڈاکٹر برہان احمد صاحب فاروقی (سابق پروفیسر جامعہ پنجاب)
جناب ڈاکٹر بشیر احمد صاحب صدیقی (پروفیسر شعبہ اسلامیات جامعہ پنجاب)
جناب جعفر ہاشمی صاحب
جناب مولانا سید حامد میاں صاحب ناظم و مہتمم اعلیٰ جامعہ مدینہ لاہور
جناب حبیب اللہ قریشی آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس لاہور
جناب پروفیسر ذوالفقار علی صاحب صدر شعبۂ عربی جامعہ پنجاب
جناب پروفیسر رفیع اللہ شہاب (ٹیکسٹ بک بورڈ پنجاب)
جناب ڈاکٹر سلیم فارانی صاحب سابق شیخ الجامعہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور
جناب منیر الدین صاحب چغتائی۔ صدر شعبۂ علوم سیاسی جامعہ پنجاب
جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب صدر شعبہ فلسفہ جامعہ پنجاب
جناب مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب المدنی مدیر اعلیٰ ماہنامہ "المحدث" لاہور
جناب پروفیسر عبدالقیوم صاحب بٹ سابق صدر شعبہ عربی جامعہ پنجاب
جناب علامہ سید غلام شبیر صاحب بخاری سابق ڈائریکٹر نظامت تعلیمات پنجاب
جناب خواجہ غلام صادق صاحب سیدر نظامت ثانوی تعلیمات پنجاب
جناب ظہیر الاسلام فاروقی (تحریک پاکستان کے مشہور کارکن)
جناب ڈاکٹر محمد اسلم صاحب شعبہ تاریخ جامعہ پنجاب
جناب پروفیسر منظور احسن صاحب عباسی
جناب مولانا محمد حنیف صاحب ندوی رفیق ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور
جناب مولانا محمد طاہر القاسمی یونیورسٹی لاء کالج لاہور
جناب پروفیسر محمد عثمان صاحب پرنسپل گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن۔ لاہور
جناب پروفیسر مرزا محمد منور صاحب شعبۂ اقبالیات جامعہ پنجاب
جناب مولانا محمد متین صاحب ہاشمی دیال سنگھ کالج لائبریری۔ لاہور
جناب چودھری مظفر حسین صاحب آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس۔ لاہور
جناب پروفیسر یوسف سلیم صاحب چشتی (معروف دانشور اور تحریک پاکستان کے مشہور لیڈر)
جناب حافظ نذر احمد صاحب پرنسپل شبلی کالج لاہور۔

الغرض اس نو روزہ محاضراتِ قرآنی میں کل چھتیس حضرات نے اپنے قیمتی خیالات
بطور خطباتِ صدارت، مقالات اور تقاریر اظہار فرمایا — ان شاء اللہ مستقبل قریب
میں اس کی مفصل روداد اور پیش کردہ مقالات و تقاریر میثاق کی کسی خصوصی اشاعت
میں پیش کی جائیں گی۔ ——————— ان مقتدر اور اہلِ فکر و نظر
کے علاوہ علی گڑھ (بھارت)، سے جناب مولوی سلطان احمد اصلاحی رفیق ادارہ
تصنیف جماعتِ اسلامی ہند اور ٹورنٹو (کینیڈا)، سے ڈاکٹر نسیم الدین ڈائریکٹر
Consortium on Human Resource Development اور صدر انجمن خدام القرآن
ٹورنٹو (کینیڈا) کے مقالے بھی محاضرات کے آخری دن ڈاک سے موصول ہوئے جو ان
شاء اللہ میثاق کی خصوصی اشاعت میں شامل کئے جائیں گے۔

بحمد اللہ یہ مجالس ہر لحاظ سے مفید و کامیاب رہیں — ملک کے موقر انگریزی روزنامہ
پاکستان ٹائمز لاہور کے اسٹاپ رپورٹر کی جانب سے ان محاضرات قرآنی کے اختتام
کے بعد ان کی ایک تفصیلی رپورٹ ۴ر اپریل کے پرچے میں شائع ہوئی ہے جس میں اس
رائے کا اظہار کیا گیا ہے کہ "قرآن مجید کے موضوع پر یہ سیمینار افادیت اور فکر انگیزی
کے لحاظ سے فقید المثال تھا — اس سیمینار میں نو دن تک ملک کے نامور علماء، دین
اور دانشوروں نے قرآنی تعلیمات کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی — سوالات
وجوابات کا سلسلہ بھی جاری رہا جس کی وجہ سے اس کی افادیت دوچند ہو گئی"

انجمن کا سالانہ اجلاس

طے شدہ پروگرام کے مطابق ۲۳ر مارچ کو صبح
نو بجے قرآن اکیڈمی میں مرکزی انجمن خدام القرآن
لاہور کا نواں سالانہ اجلاس منعقد ہوا — انجمن کے دستور العمل کے مطابق مجلسِ
منتظمہ کا انتخاب ہر دوسرے سال ہوتا ہے اس لئے اس اجلاس کے ایجنڈے میں
انتخاب کی شق شامل نہیں تھی بایں ہمہ اراکین انجمن کی کثیر تعداد نے اس اجلاس میں
شرکت کی — اس اجلاس میں سال گذشتہ کے سالانہ اجلاس کی روئیداد
چودھری نصیر احمد ورک معتمد انجمن نے پیش کی جس کی توثیق کی گئی — جناب محمد بشیر
ملک صاحب ناظم اعلیٰ نے دو سال کی کارگزاریوں کی رپورٹ پیش کی جو اس شمارے
کے آخر میں بطور ضمیمہ شامل ہے بعدہ ۸۰ء کے مالیاتی سال کے حسابات شیخ

(بقیہ ص ۱۱۱ پر)

تذکرہ و تبصرہ

پاکستان کے موجودہ حالات اور ہمارے لئے لمحاتِ فکریہ

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک حالیہ خطابِ جمعہ

جیسا کہ قارئینِ میثاق کے علم میں ہے کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کافی عرصے سے مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں خطبۂ جمعہ اور امامت صلوٰۃِ جمعہ کا فرض انجام دے رہے ہیں۔ چنانچہ ۶ مارچ ۸۱ء کے جمعہ کو خطبۂ اوّل میں موصوف نے مملکت خداداد پاکستان کے موجودہ حالات کے متعلق جو اظہارِ خیال کیا تھا اور جو مشورے پیش کئے تھے ان کو ٹیپ سے منتقل کرکے "تذکرہ و تبصرہ" کے عنوان کے تحت استفادہ عام کے لئے پیش کیا جا رہا ہے

(ج۔ر۔ مرتب)

خطبہ مسنونہ اور درود و سلام کے بعد ڈاکٹر صاحب نے سورہ آل عمران کی حسب ذیل آیات کی تلاوت کی :-

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ○ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۚ وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ○ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ (۱۰۲ تا ۱۰۴)

تلاوت کے بعد ڈاکٹر صاحبِ موصوف نے فرمایا:۔

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ میں نے خطباتِ جمعہ میں کبھی ملک کی سیاست کو موضوع نہیں بنایا۔ اس لئے نہیں کہ میرے نزدیک سیاست کوئی شجر ممنوعہ ہے یا ہمارے دین کے دائرے سے باہر کی کوئی شے ہے۔ میں اس کا قائل ہوں کہ ہمارے دین میں سیاست بھی ہے، حکومت کے معاملات بھی ہیں اور یہ صرف کہنے کی بات نہیں ہے بلکہ ہمارا ایمان ہے کہ ہمارا دین انسانی زندگی کے تمام گوشوں سے بحث کرتا ہے چاہے وہ انفرادی زندگی سے متعلق ہوں چاہے اجتماعی زندگی سے ۔۔ پھر صرف بحث ہی نہیں کرتا بلکہ ان تمام گوشوں کو اپنے تحت لانا چاہتا ہے۔ مزید برآں "سیاست" کا لفظ بڑے ہی مقدس انداز میں حدیث شریف میں آیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ ۔۔ "بنی اسرائیل کا معاملہ یہ تھا کہ ان کی سیاست انبیاء کے ہاتھ میں تھی۔" آپ کو معلوم ہے کہ بنی اسرائیل میں نبوت کا تسلسل قائم رہا تھا اور ان کے ہاں ایک نبی کے بعد دوسرے نبی مبعوث ہوتے رہے تھے اور یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ پر ختم ہوا تھا جو بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے۔ ان کے ہاں معاملہ یہ تھا کہ اصل قیادت وسیادت اور نبی اکرمؐ کے ارشاد کے مطابق "سیاست" نبیوں کے ہاتھ ہی میں رہتی تھی۔ تو وہ چیز جو انبیاء کا موضوع رہی ہو، وہ اپنی ذات میں نجس اور حرام شے نہیں ہوسکتی، معاذ اللہ۔

خطباتِ جمعہ میں اس موضوع سے اجتناب اور صرف نظر کرنے کے دو اہم سبب رہے ہیں۔ پہلا یہ کہ ہمارے ہاں بدقسمتی سے 'سیاست' کے معنی صرف انتخابات اور حکومت کے معاملات قرار پاگئے ہیں۔ حالانکہ سیاست ایک بڑی وسیع اصطلاح ہے۔ اور کم از کم میرا تجزیہ اور میری آج ہی نہیں بلکہ طویل عرصے سے سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ پاکستان میں بسنے والی اُمتِ مسلمہ کی 'اصلاح کا جو عمل ہے، اس کا اصل میدان 'انتخابات' کا میدان نہیں ہے بلکہ 'دعوت و اصلاح' کا میدان ہے اور ان دونوں کاموں میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے بڑا فرق بلکہ بعض اعتبارات سے بڑا تضاد ہے۔ دعوت و اصلاح کے تقاضے کچھ اور ہوتے ہیں اور انتخابی سیاست کے تقاضے کچھ اور ہوتے ہیں جن کا اجمالی ذکر میں ان شاء اللہ آگے کروں گا۔ دوسرا یہ کہ خطبہ جمعہ کے بارے میں میں جانتا ہوں کہ اس کا اصل مقصد قرآن حکیم کے ذریعے سے تذکیر ہے۔ نبی اکرمؐ کے بارے میں مسلم شریف کی یہ حدیث میں متعدد بار

آپ کو سنا چکا ہوں کہ کَانَتْ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : یَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَیُذَکِّرُ النَّاسَ ۔ یعنی آں حضورؐ خطبہ جمعہ میں قرآن کی قرأت اور اس کے ذریعے تذکیر فرماتے تھے۔ یاد دہانی کراتے تھے، نصیحت فرماتے تھے تاکہ مشغولات دنیوی کی وجہ سے اگر جذباتِ ایمانی پر کوئی حجاب پڑ گیا ہو ۔ ان پر کچھ غبار آ گیا ہو ۔ وہ کچھ سرد پڑ گئے ہوں تو ان جذباتِ ایمانی کو ازسرِنو جلا حاصل ہو جائے ۔ غبار دور ہو اور حرارت ایمانی عود کر آئے ۔ اس تذکیر کا ذریعہ بفحوائے الفاظ قرآنی : ۔ فَذَکِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ؕ ربّ "اے نبی! بس آپ اس قرآن کے ذریعے سے ہر اس شخص کو یاد دہانی اور نصیحت (تذکیر) کرائیے جو میری پکڑ سے ڈرتا ہو" ۔ خود قرآن مجید ہے ۔

چنانچہ مَیں نے خطبۂ جمعہ کے لئے اپنا معمول قرأت قرآن اور تذکیر بالقرآن قرار دے رکھا ہے اور آپ کو معلوم ہی ہے کہ یہاں تقریر اور خطبہ علیٰحدہ علیحدہ نہیں بلکہ تقریر ہی خطبۂ اوّل ہوتا ہے اور اس خطبہ اوّل میں بفضلہٖ تعالیٰ میں نبی اکرمؐ کی سُنّت کا اتباع کرنے کی کوشش کرتا ہوں ۔ یعنی قرأتِ قرآن اور پھر اس کے ذریعے تذکیر، نصیحت اور یاد دہانی تاکہ ہم کو اپنے مسلمان ہونے کا شعور مسلسل حاصل ہوتا ہے اور ہم پر ہمارے وہ دینی فرائض واضح ہوتے رہیں جو ازرُوئے دین ہم پر عائد ہوتے ہیں۔ آپ کے علم میں ہے کہ ان ہی وہ اسباب کی بنا پر اُن موضوعات پر یہاں گفتگو نہیں ہوتی جو عام طور پر مساجد میں ہمارے مقررین و خطباء کو مواد فراہم کرتے ہیں ۔ (اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہ) لیکن اس وقت ہمارا ملک جن حالات سے دوچار ہے واقعتاً وہ حالات بعض اعتبارات سے اتنے اہم ہیں کہ ان پر گفتگو کرنا نہ صرف موجودہ ملکی صورت حال کا تقاضا ہے بلکہ ہمارے دین کے مصالح کے اعتبار و لحاظ سے بھی ضروری ہے ۔

اسی لئے میں نے آج اس موضوع پر گفتگو کرنے کا فیصلہ کیا ہے ۔

داخلی حالات میں صاف نظر آ رہا ہے کہ ہلچل شروع ہو گئی ہے ۔ اس کے آثار ملک کی فضا میں واضح طور پر نظر آنے لگے ہیں حالانکہ صورت یہ ہے کہ ہمارے پاس جو اطلاعات آتی ہیں ۔ وہ یک طرفہ ہوتی ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ قانوناً اور حکماً تو سینسر ہے لیکن ایک طرف سے یہ ہٹ گیا ہے ۔ اور ایک فریق کے لیڈروں کے اخبارات میں بیانات آنے شروع ہو گئے ہیں البتہ اِن کے ناموں کے ساتھ ان کی پارٹیوں کے ناموں کی "کالعدم" کے لفظ کے

اضافے کے ساتھ گردان ہوتی ہے ۔ ان بیانات ہی کے ذریعے ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ دوسری طرف کیا ہو رہا ہے ۔ ورنہ ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ ان بیانات میں جن نو یا سات پارٹیوں کے "اتحاد" کا ذکر اور مذمت ہوتی ہے اس اتحاد کے داعی کون لوگ ہیں ؟ کونسی پارٹیاں اس میں شامل ہیں اور اتحاد کی اصل بنیاد کیا ہے !!! اس اتحاد کی خبروں کا دوسرا ذریعہ ان ممالکِ غیر کی ریڈیو کی نشریات ہیں ۔ جن کا وطیرہ ہی پاکستان کے خلاف مہم چلانا ہے ۔ لیکن حکومت کے ذرائع ابلاغ اور ملکی اخبارات سے اس اتحاد (alliance) کے متعلق کچھ پتہ نہیں چلتا ۔ میرے نزدیک یہ صورتِ حال فی نفسہٖ درست نہیں ہے ۔ بلکہ مضر ہے ۔ اس سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اور لوگ تذبذب میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔ ہمارے بعض مخلص صحافی یہ لکھ رہے ہیں اور صحیح لکھ رہے ہیں کہ اس طرزِ عمل سے credibility ختم ہو جاتی ہے اور دوسری طرف کی خبروں میں دائیں بازو کے لیڈروں کے بیانات پر بھی اعتماد نہیں رہتا ۔ بہرصورت دوسرے نقطۂ نظر کے حاملین بھی اسی ملک کے شہری ہیں ۔ ان کا نقطۂ نظر کسی درجے میں تو براہِ راست ہمارے عوام کے سامنے آنے دیجئے ۔ البتہ مناسب پابندیاں لگائی جا سکتی ہیں ۔ مثلاً اسلام یعنی نظریۂ پاکستان کے خلاف باتوں، اشتعال انگیز بیانوں اور لاقانونیت اور انتشار پھیلانے والی خبروں اور پروپیگنڈے کو ضرور روکا جانا چاہئے ۔ لیکن ان کو اپنا نقطۂ نظر کسی نہ کسی مثبت انداز میں عوام کے سامنے پیش کرنے کی اجازت ہونی چاہئے ۔ پھر ان کے نقطۂ نظر پر محکم استدلال سے تنقید ہو ۔ اس کا ردّ ہو اور اس کے مضر پہلوؤں کو دلائل کے ساتھ واضح کیا جائے تو میرے خیال میں یہ عمل ہمارے عوام کے سیاسی شعور کی تربیت کا باعث ہوگا ۔ بہرحال یہ تو ایک ضمنی بات ہے جو برسبیلِ تذکرہ بیان ہو گئی ۔

مجھے اصل بات یہ عرض کرنی ہے کہ فی الوقت ہمارا ملک جس صورتِ حال سے دوچار ہے ۔ اس نے ہر محبِ وطن اور پاکستان کے ہر بہی خواہ کو تشویش میں مبتلا کر دیا ہے اور یہ تشویش فطری ہے ۔ ہمارا ایک ہوائی جہاز تخریب کاروں کے ہاتھوں اغوا ہو کر کابل پہنچ گیا ہے اور ہماری حکومت کا افغانستان کی اس انتظامیہ سے براہِ راست سابقہ پیش آ گیا ہے ۔ جس کو ہماری حکومت افغانستان کی جائز و مجاز حکومت تسلیم نہیں کرتی اور جو روسی استبداد کے سائے اور سرپرستی میں اپنے

حریت پسند اور ―――――― اور اسلام کے شیدائی

افغان بھائیوں کے خون سے ہولی کھیلی رہی ہے۔ اس اغوا شدہ جہاز اور یرغمالیوں کی بابت کیا صورت ہوئی ہے اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن اس واقعہ سے پورے ملک میں غم و غصے اور گہری تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے۔ بعض ناخوشگوار واقعات کی وجہ سے طلباء میں بھی بے چینی اور اضطراب ہے، کہیں کہیں تصادم بھی ہوا ہے ہماری اکثر یونیورسٹیاں اور کالج بند ہیں۔ اور اس طرح اکثر تعلیمی اداروں میں تعطل ہے۔ بعض دوسرے طبقات بھی بے اطمینانی اور خوف کی کیفیت سے دوچار ہیں۔

پھر اس ملک میں جو دائیں بازو (Rightists) کی جماعتیں کہلاتی ہیں۔ اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لیڈروں کی آپس ملاقاتیں اور کچھ گفتگوئیں ہو رہی ہیں اور بظاہر ایسا ہوتا ہے کہ یہ گفت و شنید کا سلسلہ حکومت کی اجازت سے شروع ہوا ہے تو میں اس ضمن میں کچھ مشورے پیش کرنا چاہتا ہوں اگرچہ میں جانتا ہوں کہ اس نقار خانے میں طوطی کی آواز کوئی سننے والا نہیں۔ لیکن پھر بھی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "الدِّینُ النَّصِیحَۃُ" کی تعمیل میں آج کی اس گفتگو میں چاہوں گا کہ اپنے فہم کے مطابق ملک و ملت کی خیر خواہی میں اپنے مشورے پیش کر دوں۔

جو حضرات میرے کام سے عرصے سے متعلق ہیں، ان کو یاد ہو گا کہ ایک مشورہ میں نے نومبر ۱۹۷۸ء کی منعقدہ سالانہ قرآن کانفرنس میں دیا تھا کہ ہمارے جو زعماء اس ملک میں دین کے نفاذ کے دل سے متمنی ہیں اور جن کو واقعی دین کا مستقبل عزیز ہے۔ خدا کے لئے وہ یہ طے کر لیں کہ ان کو الیکشن میں براہ راست حصہ لینے اور حکومت کا کوئی منصب حاصل کرنے کی کوشش کرنے سے کوئی سروکار رکھنا نہیں ہو گا۔ وہ تو نفاذِ دین کا مطالبہ اور تقاضا کریں لیکن حکومت کے مناصب اس کے عہدے اور وزارت سازی وغیرہ کے کاموں سے خود کو مستغنی کر لیں۔ ان کا یہ فیصلہ ان کے اخلاص کا ایک منہ بولا اور جیتا جاگتا ثبوت ہو گا اور اس بات کا مظہر ہو گا کہ اسلامی نظام کے قیام کے مطالبے کی پشت پر ان کے ایمان کا تقاضا ہے نہ کہ حصولِ اقتدار کی تمنا و آرزو۔

میں نے اس موقع پر جو کچھ عرض کیا تھا اسی کا آج پھر اعادہ کر رہا ہوں کہ ہمارے ہاں سیاست میں ایک وہ طبقہ موجود ہے جو "اسلام پسند" کہلاتا ہے۔ گو مجھے یہ اصطلاح

پسند نہیں ہے۔ اس کے لئے "اسلام دوست" کی اصطلاح کچھ غنیمت معلوم ہوتی ہے۔
بہرحال یہ طبقہ فی الواقع ہمارے سیاسی افق پر موجود ہے اور اس کی خاصی بھلی تعداد ہے جو
زبانی کلامی اسلام کو ملتنے والا ہے۔ بڑی حد تک شعائر اسلامی کا احترام اس کے
دلوں میں موجود ہے اگر وہ اس پر پوری طرح عمل پیرا نہ بھی ہوں تب بھی اپنی قومی روایات
کے درجے میں سہی اس طبقے کو اسلام سے ایک قلبی لگاؤ ہے اور اس کے دل میں بھی صرف
تمنا اور خواہش کے درجے ہی میں سہی یہ جذبہ موجود ہے کہ اسلام کو فی الواقع اس ملک
میں قوتِ نافذہ کا مقام حاصل ہو۔ اس طبقے کے فکر و عمل میں تضادات بھی موجود ہیں۔
دورخا پن بھی موجود ہے بایں ہمہ اس طبقے کا شمار دین دشمن عناصر میں نہیں کیا جا سکتا یہ
اسلام دوست ہی کہلانے کے مستحق ہیں۔ یہ طبقہ ہمارے ملک میں جیسا کہ میں نے عرض کیا،
کثیر تعداد میں موجود ہے۔ ملکی سیاست پر اسکا خاصا اثر بھی ہے۔ یہ طبقہ زیادہ تر ان عناصر
پر مشتمل ہے جو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے تحریک پاکستان میں پیش پیش رہا ہے۔ یا
اسی ذہن کا حامل ہے، کہ پاکستان کے قیام کا اصل مقصد اسلامی نظام کا نفاذ تھا۔

دوسرا طبقہ ان دینی وسیاسی زعماء کا ہے جو دین کے ساتھ حقیقی تعلق (
) رکھتے ہیں اور اس کا اظہار ان کی عملی زندگیوں سے بھی ہوتا ہے
اور ان کے متبعین کی اکثریت اسلامی نظام کے قیام و نفاذ کے معاملے میں مخلص
بھی ہے اور وہ محض اپنی قومی روایات یا توارث سے ملنے کی وجہ سے اسلام کے ساتھ
ذہنی و قلبی وابستگی نہیں رکھتی بلکہ وہ پورے شعور و ایقان کے ساتھ "اسلام"
ہی کو دنیا و آخرت کی فلاح و صلاح اور نجات کا واحد ذریعہ سمجھتی ہے۔

اس دوسرے طبقہ کے لئے میں پہلے بھی ۸۲ء کی قرآن کانفرنس میں مشورہ پیش کر
چکا ہوں اور آج پھر نہایت دردمندی اور اخلاص کے ساتھ ان کی خدمت میں
یہ عرض کرتا ہوں کہ خدارا آپ الیکشنی سیاست سے لاتعلق ہو کر پوری تندہی انہماک
اور یکسوئی کے ساتھ اپنی توانائیاں، اپنی صلاحیتیں اپنی قوتیں، اپنے اوقات
اور اپنے مال و منال دعوت و تبلیغ کے میدان میں صرف کریں اور عوام الناس کے
افکار و نظریات اور عقائد کی خالص اسلام اور توحید کی دعوت کے ذریعے تطہیر اور
سیرت کردار کی تعمیر ہی کو اپنا مقصود و مطلوب بنالیں تاکہ ایک طرف عوام الناس کی

معتد بہ اور اثر کن تعداد فکر اور عمل دونوں اعتبارات سے حقیقی مسلمان بن جائے دوسری طرف اس کی دینی حس اتنی بیدار ہو جائے کہ وہ کسی غیر اسلامی بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو اور حقیقی اسلام کا نفاذ ہی اس کا مقصود و مطلوب ہو۔

دعوت و تبلیغ کا یہ منہاج جتنا جتنا فروغ پائے گا۔ اسی لحاظ سے یہاں حقیقی اسلامی نظام کے قیام اور اس کے نفاذ اور خاص طور پر اس کے استحکام کی بنیادیں فراہم ہوتی چلی جائیں گی اور اس اصلاح یافتہ معاشرے کا دباؤ ان لوگوں کو مجبور کرے گا جن کے ہاتھوں میں اقتدار کی زمام کار ہوگی کہ وہ اس مملکت خداداد میں اسلام ہی کو نافذ کریں اور قائم رکھیں۔ اسی طرح ان شاء اللہ وہ مرحلہ بھی آسکے گا کہ بلا طلب و بلا کوشش زمام اقتدار بھی سنت اللہ کے مطابق مومنین صالحین کے ہاتھ میں آجائے بفحوائے وعدۂ الٰہی: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور ۵۵)

"اللہ نے وعدہ فرمایا ہے۔ تم سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے"۔ "اپنی جماعت یا پارٹی کے لئے یا کسی قومی اتحاد میں شامل ہو کر اس کے لئے حصول اقتدار کی جدوجہد کرنے اور الیکشن کے میدان میں اترنے کا ایک راستہ ہے۔ اور عوام الناس کی فکری و عملی تطہیر و تعمیر کی سعی و کوشش کو مقصود بنانے کا دوسرا راستہ۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ پہلا راستہ تحزب و اختلاف اور افتراق و انتشار کا راستہ ہے۔ دوسرا راستہ خدا ترسی اور فرض منصبی کے طور پر دعوت و تبلیغ نصح و خیر خواہی اور وفاداری کا راستہ ہے پھر ان دونوں راستوں کے تقاضے باہم دگیر متصادم اور متضاد ہوتے ہیں"۔ پہلے راستے پر گامزن ہونے والے دوسرے راستے کے کام اول تو صحیح طور پر انجام نہیں دے سکتے اور اگر وہ یہ کام کرتے بھی ہیں تو وہ کام حصول اقتدار کی کوشش کا ضمیمہ بن جاتا ہے اور اس طرح اس کے صحیح و مؤثر نتائج مرتب نہیں ہوتے۔ پھر میرے نزدیک دوسرا راستہ ہی وہ راستہ ہے جو ایک طرف توشۂ آخرت ثابت ہوگا اور رضائے الٰہی کے حصول کا باعث ہوگا اور دوسری طرف اپنی سیاسی کوششوں کے نتیجے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے خاص انعام کے طور پر تمکن فی الارض پر بھی منتج ہو سکے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد صحیح مسلم میں موجود ہے کہ:
اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ: قُلْنَا لِمَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ: لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِہِمْ۔ "نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین تو بس وفاداری اور خیر خواہی کا نام ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا: حضورؐ کس کی؟ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی اور مسلمانوں کے رہنماؤں کی اور عوام — سب — کی!"

پس معلوم ہوا کہ جو لوگ خلوص و اخلاص کے ساتھ دین کے ساتھ تعلق (commitment) رکھتے ہیں اور وہ دین کے لئے واقعتاً کچھ کرنا چاہتے ہیں، ان کیلئے لازم ہے کہ وہ نبی اکرمؐ کے اس قول مبارک کو سامنے رکھ کر اپنا لائحہ عمل مرتب کریں۔ ان کی انفرادی زندگی اسلام کا نمونہ ہو، ان کا عمل یہ شہادت دے کہ یہ واقعی اللہ کے بندے ہیں اور وہ اپنی جدوجہد کا ہدف دعوت و تبلیغ اور اصلاح اعمال کو بنائیں۔ تاکہ عوام الناس کی دین کے ساتھ وابستگی بڑھے ان میں ذہنی و فکری اور اعتقادی ہی نہیں بلکہ عملی و اخلاقی تبدیلی رونما ہو۔ ان کی زندگی بتائے کہ یہ واقعی اللہ کے بندے اور رسول کے امتی ہیں، پیروکار اور متبع ہیں اور ان کا مطلوب و مقصود نجات اخروی ہے۔ الیکشنی سیاست اور حصول اقتدار کی کشمکش کا میدان 'اسلام پسند' طبقے کے لئے جس کو میں 'اسلام دوست' کہنا زیادہ مناسب سمجھتا ہوں چھوڑ دیں اور خود انتخابی سیاست سے کنارہ کش ہو کر دین کا کام کریں اور اس طرح بالواسطہ اس طبقے پر خود بھی اثر انداز ہوں اور رائے عامہ کا دباؤ بھی ڈالیں کہ وہ صحیح اسلامی نظام کو اس ملک میں قائم و نافذ کریں۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں یہ مشورہ میں نومبر ۱۹۷۸ء میں قرآن کانفرنس میں بھی پیش کر چکا ہوں اور آج پھر اس کا اعادہ کر رہا ہوں۔

اب میں اس طبقے کے غور و فکر کے لئے جو 'اسلام پسند' یا 'اسلام دوست' کہلاتا ہے، کچھ مشورے پیش کروں گا۔ لیکن اس سے قبل میں چاہوں گا کہ آپ ایک طائرانہ نظر اپنے ملک کی سیاسی فضا پر ڈال لیں اور ایک سرسری سا جائزہ اس بات کا لے لیں کہ اس وقت سیاسی میدان میں کام کرنے والی جماعتوں اور پارٹیوں کی نوعیت و کیفیت

کیا ہے! ان کے موقف کیا کیا ہیں! ان کے مقاصد کیا ہیں! یہ تجزیہ میری بات کو سمجھنے کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

آپ میں سے کوئی ایسا فرد ہوگا جو اس حقیقت سے ناواقف ہو کہ ہمارے ملک میں سیاسی جماعتیں بے شمار ہیں۔ درجنوں کے حساب سے ہیں اور اس میں ہرگز مبالغہ نہیں ہے۔ پھر ان جماعتوں کی کیفیات و انواع بھی باہم دگر بہت مختلف ہیں۔ کچھ جماعتیں خالص سیاسی ہیں، کچھ خالص مذہبی اور کچھ نیم سیاسی و نیم دینی جماعتیں ہیں۔ ہمارے ملک میں اس وقت جو محاذ آرائی (Polarisation) ہو رہی ہے۔ اس میں سب سے پہلی تقسیم اس بنیاد پر ہے کہ چند جماعتیں اور پارٹیاں وہ ہیں جو اسلام کو اپنی جگہ ایک مکمل نظامِ زندگی تسلیم کرتی ہیں اور اس میں کسی بیرونی نظام کی پیوندکاری کو ضروری نہیں سمجھیں بلکہ اس کو غلط متصور کرتی ہیں۔ یہی وہ پارٹیاں ہیں جو پاکستان کے وجود میں آنے کو بھی صحیح سمجھتی ہیں اور ان کو دین کے نفاذ کے لئے پاکستان کی بقا اور اس کا استحکام بھی عزیز ہے۔ پھر یہ پارٹیاں اس اہم اور بنیادی بات کی مُنفرادر قائل ہیں کہ پاکستان اس مقصد کے لئے قائم ہوا تھا کہ اسکے ذریعے عہد جدید کی ایک مثالی اسلامی ریاست اور عہد حاضر کا ایک مثالی معاشرہ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ شہادت علی الناس کی جو ذمہ داری نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے پوری اُمتِ مسلمہ پر بحیثیت اُمّت مجموعی طور پر عائد کی گئی تھی۔ وہ ذمہ داری کم از کم پاکستان کے ذریعے اُمّت کے ایک حصے کی طرف سے ادا ہو سکے۔ چونکہ شہادت علی الناس کی ذمہ داری صرف انفرادی طور پر ادا نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے ایک اسلامی معاشرہ اور اسلامی ریاست کا قیام ازبس ضروری ہے۔ اگر دین ہوتا محض انفرادی اور اخلاقی تعلیمات پر مشتمل تو ایک فرد بھی اپنی انفرادی سیرت سے اس کی کامل گواہی دے سکتا تھا۔ لیکن اگر دین انسان کی پوری اجتماعی زندگی کا احاطہ کئے ہوئے ہو، جیسا کہ فی الواقع ہمارا دین کئے ہوئے ہے۔ تو اس کے حق ہونے کی شہادت ایک ایسے اجتماعی نظام، اجتماعی معاشرہ اور اسلامی ریاست کے ذریعے ہی دی جا سکتی ہے۔ جس میں مکمل طور پر ان برکات و حسنات کا ظہور ہو رہا ہو جو "دین الحق" یعنی اسلام میں اس کائنات کے رب، خالق، مالک اور حاکم نے رکھی ہیں۔ اور جو دین منزّل من اللہ ہے۔

پاکستان کے قیام کی صورت میں اس امر کا امکان نظر آیا تھا کہ اس آرزو، تمنا اور خواہش کی طرف کچھ پیش رفت ہو گی کہ دنیا کے سامنے اسلامی نظام کی برکات و حسنات کا ایک عملی نمونہ پیش (Practical Demonstration) کیا جا سکے۔ قیام پاکستان کے محرکات میں ذہناً یہ بات بھی شامل تھی کہ قیام پاکستان کے ذریعے عالم اسلام کے اتحاد (Pan-Islamism) کی طرف بھی ایک قدم ہو گا، جس سے ہندو قوم بڑی خائف تھی۔ گاندھی جی نے بھی ایک مرتبہ قائد اعظمؒ سے پوچھا تھا کہ آپ کے پاکستان کا مطلب Pan-Islamism تو نہیں ہے۔ یہ سوال ہی بتا رہا ہے کہ ان کو اس کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ تقریباً دو سال قبل بھارت میں ایک مشہور ہندو صحافی نے ایک مضمون لکھا تھا جس میں انہوں نے اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ "ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہندو تو صرف بھارت میں ہے جبکہ مسلمان پوری دنیا میں ہے، اس لئے بھارت کا پاکستان سے خائف رہنا حقیقی ہے"۔ اسی ضمن میں ایک اور دلچسپ اور عجیب بات آپ کو سناتا ہوں۔ چند سال قبل ایک بڑے ہندو صحافی نے لکھا تھا کہ "بھارت کے داخلی اور خارجی مسائل کا بہترین حل یہ ہے کہ تمام ہندو مسلمان ہو جائیں، تب ہی ہم ترقی کر سکیں گے خوش حالی ہمارے قدم چومے گی اور ہمارے لئے تمام مسلم ممالک سے روابط اور تجارت کے راستے کھل جائیں گے۔ اس طرح مشرق وسطیٰ کی وسیع مارکیٹ کی راہ میں پاکستان رکاوٹ (Barrier) نہیں بنے گا"۔ اس خیال کے پیچھے وہی بنیا پن کی ذہنیت کارفرما ہے کہ اصل قدر "دنیا" ہے اور حصول دنیا کے لئے دھرم بدلنا پڑے تو بھی کوئی ہرج نہیں ۔۔ یہ بات تو بطور جملہ معترضہ درمیان میں آ گئی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ کوئی دیانت دار شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ پاکستان کا قیام اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی توقعات اور آرزوؤں کی تکمیل کے لئے ہوا تھا۔

پھر مجھے معلوم ہے کہ ہمارے ہاں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو نظام اسلامی کے قیام سے قطعی مایوس ہو چکے ہیں۔ ان کا ذہن اس توقع سے خالی ہو چکا ہے کہ فی الواقع اس ملک میں اسلامی نظام آئے گا۔ ایسے بھی کچھ لوگ ہیں جن کی زبان و قلم پر یہ بات آنے لگی ہے کہ پاکستان کا قیام خواہ مخواہ ہوا ہے اس سے کوئی مستقل فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ "اسلامی نظام کا نفاذ جو تحریک پاکستان کی حقیقی منزل تھا" ہنوز

روزِ اوّل" کی کیفیت سے دوچار ہے۔ اس معاملہ میں جتنی تاخیر و تعویق ہوگی وہ اسی اوسطہ تناسب سے اس مایوسی کی کیفیت میں اضافہ کا باعث ہوگی اور کسی قوم کے کسی ایک طبقے کا مسلسل مایوسی سے دوچار رہتے چلے جانا قوم و ملک کے لئے انتہائی تشویش ناک ہے۔ اس طرح وحدتِ فکر کے قلعے میں مسلسل شگاف پڑتے رہنے کا احتمال قوی تر ہو جاتا ہے۔

بہرحال میں نے دو نمایاں تقسیموں کا ذکر کیا تھا، جس میں پہلی تقسیم داہنے بازو (Rightists) کی جماعتوں کا مختصر طور پر میں نے تجزیہ پیش کیا ہے۔ دوسری بڑی تقسیم ان جماعتوں کی ہے جو بائیں بازو (Leftists) کی پارٹیاں کہلاتی ہیں۔ ملک میں ان پارٹیوں کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ان پارٹیوں کی نگاہیں کہیں باہر ہیں۔ ان کے فکر میں غیر اسلامی نظریات نے ڈیرا جمایا ہوا ہے۔ ان کے متوسلین کی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل ہے کہ جن کا نام کے سوا اسلام سے کوئی واجبی سا تعلق بھی نہیں ہے بلکہ نظریہ و عقیدے کے لحاظ سے ان کو اسلام سے ایک طرح کا بیر ہے۔ کچھ واقعات و حالات کی وجہ سے ان کے نظریاتی اختلافات کی خلیج اور گہری ہوگئی ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ انتقامی جذبات ان پر شدت سے غالب ہیں اور یہ آگ ان کے دلوں میں روز افزوں ہے۔ پھر ہماری مغربی سرحد پر ہمارے ایک مسلم برادر ملک پر توسیع پسند سرخ سامراج کی تاخت و تاراج نے ان کے حوصلے بڑھا دیئے ہیں۔ یہ حقائق ہیں، ان سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ان ہی حالات کو دیکھتے ہوئے ہمارے صدرِ مملکت جب یہ کہہ سکتے ہیں کہ ملک میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو ٹینکوں کے منتظر ہیں اور بے چین ہیں کہ جارحانہ یورش کرنے والوں کے گلوں میں ہار ڈالیں، ہمارے ملک کی سب سے زیادہ ذمہ دار شخصیت ان خدشات کا اظہار کر رہی ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ امرِ واقعہ تو ہے۔

پس یہ دو نمایاں قسمیں ہمارے ملک میں موجود ہیں۔ اس تقسیم میں دوسری قسم کی تقسیم کو مزید تقویت پہنچانے والی چیز ہے "علاقائی (Regional) عصبیت و تعصب اور محاذ آرائی"، اس صورتِ حال سے فی الواقع ہمارا ملک اس وقت دوچار ہے۔ حقائق کو تسلیم کر کے اس کا حل تلاش کرنا دانشمندی کا تقاضا ہے اور ان سے آنکھیں بند کر لینا یا ان کا سرے سے انکار کر دینا ناعاقبت اندیشی ہے جو ملک کے مستقبل کے لئے

انتہائی مہلک ثابت ہو سکتی ہے ۔ میرا خیال ہے کہ اس دوسری قسم کا شاید ہی کوئی فرد یہاں موجود ہو اگر ہو تو میری درخواست ہے کہ وہ میری اس گفتگو کو توجہ سے سنیں اور اس پر سنجیدگی سے غور کریں ۔ اس موقع پر میں اپنی اس رائے کا بھی اظہار کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں اس بات کا قائل ہوں کہ اس نقطۂ نظر کے افراد کو بھی قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنی بات کہنے کا حق ہونا چاہیئے ۔ قانونی حدود سے باہر کوئی غلط بات کہیں تو ان کو روکیئے ، ٹوکیئے اور اگر ضرورت لاحق ہو تو ان کے خلاف عدالتی کارروائی کیجئے ۔ لیکن ان کو منظر (SEEN) سے بالکل ہٹا دینا درست نہیں ۔ یہ طرزِ عمل فوری طور پر تو کچھ مفید ہوتا ہے ، نتیجے کے اعتبار سے مفید نہیں ہوتا ۔ اس طرح افواہوں کے پھیلنے کا امکان زیادہ ہو جاتا ہے ۔ ان کو اپنی بات (openly) کہنے اور پھر دوسروں کو اس پر ردّ و قدح (CRITICIZE) کرنا چاہیئے ۔ بہر حال اس وقت میرے اصل مخاطب وہ نہیں ہیں ۔ بھلا میں ان کو کیا مشورہ دوں گا ۔ ان کے نظریات کچھ اور ہیں ۔ ان کی نگاہیں کہیں اور ہیں ۔ ان کی سوچ کچھ اور ہے ۔ ان کے عزائم کچھ اور ہیں ۔ مشورہ تو وہاں دیا جاتا ہے جہاں کوئی قدرِ مشترک موجود ہو ، وہاں تو بات کرنے کا کوئی فائدہ ہوتا ہے ۔ لہٰذا اس وقت میرے اصل مخاطب پہلی قسم یعنی دائیں بازو کی جماعتوں کے لوگ ہیں ۔ ان کی خدمت میں ، میں کچھ معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں اس امید پر کہ آج کے اس مجمع میں سے جو حضرات اس طبقے سے کوئی ربط و تعلق رکھتے ہوں تو وہ ان معروضات کو اس حلقے کے ذمہ دار اور صاحب فکر حضرات تک پہنچا کر تعاون کریں گے ۔

جو کچھ میں ان کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں ، اِسے مشورہ کہہ لیجئے ۔ اپیل کہہ لیجیے ۔ میری آرزو اور تمنا کہہ لیجئے ۔ میری مخلصانہ دردمندانہ رائے کہہ لیجئے ۔ بہرحال میں اس توقع پر یہ بات کہہ رہا ہوں کہ اپنے فہم کے مطابق صحیح مشورہ دینا میں اپنی دینی اور قومی ذمہ داری خیال کرتا ہوں اور ان شاء اللہ یہ عمل ضائع نہیں ہوگا اگر لوگوں نے قبول کر لیا تو فھُوَ المطلوب ۔ اگر ردّ کر دیا تو بھی میں اخلاص و حُسنِ نیّت کے اجر سے محروم نہیں رہوں گا ۔ قولِ حسن اور قولِ سدید کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ بالکل رائیگاں نہیں جاتا اور اگر اس کے ساتھ محنت ہو کوشش ہو اور عمل صالح بھی ہو تو بات اوپر اٹھتی ہے

يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ط

ہو سکتا ہے کہ آپ میں سے کسی صاحب کے ذریعے یہ باتیں وزیرِ اعلیٰ ـــــ

پیش نظر ہیں ایک نے بردست رکاوٹ ہیں بلکہ انتہائی تباہ کن ہیں - آج پھر ملک میں جو محاذ آرائی کا سلسلہ شروع ہوتا نظر آرہا ہے تو اس مرحلے پر ان جماعتوں کو اس بات پر سنجیدگی سے غور و فکر اور موثر عملی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے کہ کس طرح ان جماعتوں کی تعداد کو کم اور اختلافات و تفرقے کو ختم کیا جا سکتا ہے - میں نے اس پہلو پر غور کیا ہے اور اسی غور و فکر کا حاصل میں آج پیش کر رہا ہوں -

میرے نزدیک انتہائی ضروری ہے کہ ان دائیں بازو کی جماعتوں کو شعوری اور ذہنی اعتبار سے یہ تقسیم کر لینی اور یہ بات طے کر لینی چاہیئے کہ اسلام اور پاکستان کی بقا اور استحکام کے لئے کرنے کے دو کام ، اور " دو میدان " ہیں - ایک میدان ہے " سیاست یعنی انتخابات اور حکومت کا - اور دوسرا میدان ہے دعوت و اصلاح کا - پہلے تو یہ طے کیا جائے کہ کون کس میدان میں کام کرنا چاہتا ہے - یہ گڈ مڈ والا معاملہ انتہائی تباہ کن ہے - میں پورے یقین کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اگر آنے والے مرحلے میں ان دائیں بازو (اسلام پسند) جماعتوں نے شکست کھائی تو وہ شکست سابقہ شکست سے کہیں زیادہ ہولناک اور تباہ کن ہوگی اب معاملہ محض انتخابی شکست تک محدود نہیں رہے گا اب انتقامی جذبات ہیں - ایک سپر پاور ہمارے دروازے پر آکر بیٹھ گئی ہے - کچھ لوگوں کا اگر یہ خیال ہے کہ شاید انڈونیشیا والا معاملہ یہاں ہو جائے گا اور جیسے وہاں ایک خاص نظریئے کے لوگوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا گیا تھا ایسے ہی یہاں بھی ہو سکتا ہے تو وہ اس خیال خام کو ذہن سے نکال دیں اول تو یہ فعل ہی سرے سے غلط ہے دوسرے یہاں معاملہ بہت مختلف ہے - روس کے اپنے مفادات ہیں جن کے لئے وہ ہر مناسب موقع (opportunity) کا منتظر ہے اب وہ ہم سے براہ راست متعلق ہے - اس کی توپیں اس شاہراہ کی طرف لگی ہوئی ہیں جن پر ہمیں بڑا اعتماد اور انحصار ہے افغانستان کے صوبے واخان کو اس نے پوری طرح قابو یافتہ کر کے وہاں اپنے جو مورچے قائم کئے ہیں اس کی وجہ یہی ہے - پس حالات میں بڑا فرق ہے اب اگر " اسلام پسند " جماعتوں کو شکست ہوئی تو وہ بہت ہی خوفناک تباہی پر منتج ہوگی - اور صرف انسانی جان و مال کے اتلاف ہی پر معاملہ ختم نہیں ہوگا بلکہ ہمارا ملک پاکستان جس مقصد کے لئے وجود میں آیا ہے اور جو امیدیں اس سے وابستہ ہیں اس اعتبار سے

معاملہ بہت نیچے چلا جائے گا۔ لہٰذا جس کے لئے بھی ممکن ہے اور شخص بھی اس طبقے کے کسی ذمہ دار شخص تک رسائی رکھتا ہے، اس کا دینی اور قومی فریضہ ہے کہ وہ ان کی خوشامد کرے۔ ان کے سامنے اگر ضرورت ہو تو گڑگڑائے کہ خدارا اختلافات اور تفرقے کی خلیج کو پاٹنے کی مخلصانہ کوششیں کیجئے۔ یہ جماعتوں کی کثرت اور ان کی باہمی رسہ کشی پاکستان کے مستقبل کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔

بظاہر جو فضا میں سکون نظر آ رہا ہے تو اس کی وجہ سیاسی سرگرمیوں پر موجود پابندی ہے ورنہ بڑے دکھ سے عرض کرتا ہوں کہ صورتِ واقعہ یہ ہے یہ جماعتیں ایک دوسرے سے انتہائی خار کھاتی ہیں۔ ان کے زعماء میں سے اکثر کے دل ایک دوسرے کی کدورت سے بھرے ہوئے ہیں۔ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتّٰى ط والی کیفیت ہے کہ 'تم سمجھتے ہو کہ یہ متحد ہیں حالانکہ ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں'، اندر سے یہ ایک دوسرے کو اڑنگے لگا رہے ہیں، ایک دوسرے کی ٹانگیں گھسیٹ رہے ہیں۔ ماضی میں یہ لوگ عوام کے سامنے آ کر ایک ساتھ اسٹیج پر بیٹھتے تھے لیکن اندرونی حال یہ تھا کہ ایک دوسرے کو زک دینے کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ یہ محض قیاس و گمان نہیں ہے بلکہ یہ تمام افسوسناک حالات اخبارات کے ذریعے ملک کے سامنے آ چکے ہیں۔ اس صورتِ حال کو واقعتاً ختم کرنے ہی میں عافیت ہے۔ ورنہ ہمارے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ اس سے آگے ایک اور اقدام ضروری ہے وہ یہ کہ واضح طور پر وہ متعین ہو جائے کہ کس کو کس میدان میں کام کرنا ہے۔ میں نے ابتدا میں عرض کیا تھا کہ ہمارے ملک میں دین کا کام کرنے کے دو میدان ہیں۔ ایک انتخابات میں حصہ لے کر ایوانِ اقتدار میں کثرت سے پہنچنے کی سعی و کوشش کا میدان اور دوسرا دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے لوگوں کے افکار کی تطہیر اور سیرت و کردار کی تعمیر کی جد و جہد کا میدان۔ اصلاحِ معاشرہ کا عظیم الشان کام ایک رائے یہ ہے کہ جب تک حکومت کی اصلاح نہیں ہوگی، اس وقت تک اس ملک میں نہ اسلامی نظام کے قیام کی طرف صحیح طور پر پیش رفت ہوگی اور نہ ہی معاشرے کی اصلاح ہو سکے گی۔ مجھے اس سے اختلاف ہو بھی، تب بھی میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ اس نظریے اور رائے میں خلوص ہو سکتا ہے اور یہ عمل کسی نہ کسی درجہ میں شاید مفید مطلب بھی ہو سکے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس رائے کا محرک محض اقتدار پسندی

بی ہو اس میں خلوص و اخلاص ہو سکتا ہے۔ یہ رائے دیانت پر بھی مبنی ہو سکتی ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ کل کا کل معاشرہ بگڑا ہوا ہے۔ باستثنائے چند یہاں ہر شخص ذاتی مفادات کا غلام بنا ہوا ہے۔ ہر شخص چور ہے۔ خائن ہے تناقض و منافقت کے روگ میں مبتلا ہے۔ یہاں چراغ لے کر ان لوگوں کو ڈھونڈنا پڑے گا جو دیانت دار اور امانت دار ہوں۔ مجھے بتائیے کہ یہاں وہ کون لوگ ہیں جن کے پاس کوئی منصب ہو اور وہ اس سے ناجائز انتفاع نہ کر رہے ہوں! وہ کون لوگ ہیں جن کے پاس کوئی اختیار ہو اور وہ اس کو ناجائز طور پر استعمال نہ کر رہے ہوں! حکومت کے وہ کون سے عمال اور اہل کار ہیں جو رشوت کی لعنت میں گرفتار نہ ہوں! ۔ وہ کون سے صنعت کار، تجار، زمیندار اور مزدور و کاشت کار ہیں جو اپنے اپنے دائرہ عمل میں دیانت و امانت کے ساتھ اپنے اپنے فرائض انجام دے رہے ہوں! کتنے لوگ ہیں جو کھانے پینے اور ادویہ میں ملاوٹ نہ کر رہے ہوں! کتنے لوگ ہیں جو ڈیوٹی، انکم ٹیکس، چنگی وغیرہ بچانے کے لئے دھاندلی نہ کرتے ہوں! ۔ کچھ لوگ ہیں جو ان برائیوں سے خود کو بچائے ہوئے ہیں، ابھی یہ معاشرہ خیر سے بالکل محروم نہیں ہوا۔ لیکن اس کا تناسب آٹے میں نمک کے تناسب سے بھی کم ہے۔ معلوم ہوا کہ پورے معاشرے میں بگاڑ ہے۔ آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔ لہٰذا حکومت کی اصلاح بھی صحیح معنوں میں اسی وقت ممکن ہوگی جب معاشرے کے معتدبہ حصے کی اصلاح ہوگی چونکہ کسی ملک کا اقتدار اور حکومت اسی معاشرے کی اقدار کا پرتو اور عکس ہوتی ہے۔ کچھ لوگ یہ دوسری رائے رکھتے ہیں اور میری بھی رائے یہی ہے لہٰذا جو لوگ پہلی رائے رکھتے ہوں کہ ان کو یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ یہ رائے بھی دیانت و اخلاص پر مبنی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ پہلی رائے بھی مبنی بر خلوص و دیانت ہو سکتی ہے کہ مقدم کام حکومت کی اصلاح ہے جب تک اس کی اصلاح نہیں ہوگی۔ کچھ نہیں ہو سکے گا۔ چونکہ اسی کے ہاتھ میں ہر قسم کے وسائل و ذرائع ہوتے ہیں۔ نظام تعلیم، نظام عدلیہ، نظام مالیات اور ذرائع ابلاغ عامہ سب اس کے قابو میں ہوتے ہیں۔ ان کو ہاتھ میں لے کر معاشرے کی اصلاح کا کام موثر طور پر کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح دیانتاً یہ رائے بھی ہو سکتی ہے کہ حکومت کی اصلاح بھی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک معاشرے کے معتدبہ عنصر کی اصلاح نہ ہو۔ مقدم کام دعوت و اصلاح کا

کا میدان ہے۔ ہمارا معاشرہ فکر و نظر اور اخلاق کردار کے لحاظ سے جس حال میں ہے
اس میں ممکن ہی نہیں کہ زمام کار صالحین کے ہاتھ میں آسکے اور اگر بخت اتفاق سے آبھی جائے
تو حکومت کی مشینری جن کارپردازان پر مشتمل ہے، وہ حکومت کی پالیسیوں کو جب چاہیں
اور جس طرح چاہیں ناکام بنا سکتے ہیں۔ لہٰذا اوّلین اہمیت اس کی ہے کہ اسلام کی دعوت
و تبلیغ کے ذریعے بڑے وسیع پیمانے پر تطہیر افکار اور تعمیر سیرت و اخلاق کی جد و جہد ہو۔
ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور ایمان بالرسالت کی بنیادیں قلوب و اذہان میں جاگزیں
اور پختہ ہوں اور حقیقی تقویٰ پیدا ہو۔ یہ ہے کام کی پہلی منزل اور پہلا میدان!

اب کیا ہونا چاہیئے! یہ بڑا اہم سوال ہے! اس کا جو صحیح اور مناسب حل میری
سمجھ میں آیا ہے، وہ میں پوری دردمندی کے ساتھ پیش کر دیتا ہوں۔ میری رائے میں
یہ طے ہو جانا ضروری ہے کہ کون سی جماعت کس میدان میں کام کرنے کو ترجیح دیتی ہے۔
بہت سی جماعتوں کے مقاصد گڈمڈ قسم کے ہیں۔ کوئی صرف کسی خاص فقہی یا کلامی
عقیدے کی بنا پر یا تعبیر یا راجح و مرجوح اور افضل و مفضول کے اختلافات کی بنیاد پر علیحدہ
جماعت ہے۔ ایک خاص نوعیت کے عقائد رکھنے والا ہی اس جماعت سے وابستہ ہو سکتا
ہے پھر وہ جماعت سیاست میں بھی حصہ لے رہی ہے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ ایسی
جماعت سیاست کے میدان میں بھی اپنے خاص فقہی مسلک کو پیش نظر رکھ کر کام کرتی
ہے۔ ہر موقع پر اپنے خاص مسلک کے تحفظ و تشخص کی کوشش ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے
کہ دوسرے مسالک کے حاملین سے تصادم ہوتا ہے اور اختلافات کی خلیج اور وسیع ہوتی ہے
انتشار اور بڑھتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ یہ دو جُداجُدا میدان (Fields) طے
ہو جائیں۔ جس جماعت کو اپنے فقہی مسلک کا تحفظ کرنا ہے وہ اپنے حلقہ اثر میں یہ کام کرے
عوام الناس میں وہ صرف دعوت و تبلیغ کا ہدف اصلاح اعمال و اخلاق کو بنائے اور قرآن و
سنت کی روشنی میں لوگوں کو حقیقی مسلمان بننے کی تلقین کرے۔ دلائل سے لوگوں کو قائل
کرنے کی کوشش کرے۔ اپنے مسلک اور دعوتی کام کو سیاسی تفوق کے لئے استعمال
نہ کرے اور نہ ہی مناظرہ والی کیفیت ہو بلکہ دعوتی اور علمی انداز میں کام ہو۔ ایسی جماعتوں
پر لازم ہو کہ وہ سیاسی اور خاص طور پر انتخابی سیاسی میدان میں بحیثیت جماعت کوئی حصہ
نہیں لیں گی۔ سیاسی جماعت صرف ایک ہوگی۔ اچھی طرح جان لیجئے کہ اس طرح کی فقہی

وکلامی مسائل کی بنیاد پر جو جماعتیں بھی انتخابی سیاست میں حصہ لیں گی اور دوسرے مسالک
کی جماعتوں کے مقابلے میں سیاسی میدان میں محاذ آرا ہوں گی تو اس ملک کو تباہی سے
بچانا تقریباً ناممکن ہوگا - اس قسم کی نیم مذہبی اور نیم سیاسی جماعتیں چار پانچ نہیں اگر
سمٹ سمٹا کر صرف دو بھی رہیں تب بھی مسئلہ حل نہیں ہوگا - خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہ بھی
انتہائی خطرے کی بات ہے - دوسرا طبقہ جو فی الوقت پیش منظر میں موجود نہیں ہے لیکن فی الواقع
وہ موجود ہے - پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط ہے - اس کے اثرات کی جڑیں بہت گہری ہیں -
ہمارے معاشرے کے تمام مفاد پرست لوگ اس کی پشت پر ہیں - اب اس گروہ پر انتقامی
خدمات بھی غالب ہیں - بیرونی امداد اور آشیرواد بھی اس کو بآسانی حاصل ہوسکتی ہے بلکہ
ممکن ہے کہ اب بھی حاصل ہو - پھر یہ گروہ سیاسی ہتھکنڈوں سے بھی بخوبی واقف ہے -
اپنے مقصد کے حصول کے لئے صحیح و غلط ، جائز و ناجائز کا کوئی معیار اس کے سامنے نہیں
ہے - اخلاق کی ہر قدر سے یہ گروہ تہی دست ہے - پھر اس طبقے کے بہت سے لوگ سات سال
تک حکومت کے کلیدی عہدوں پر فائز رہے ہیں - اور خدا ہی جانتا ہے کہ کتنے آستین کے
سانپ اب بھی حکومت کی صفوں میں موجود ہیں اور ان لوگوں کو نہ اسلام سے محبت ہے نہ ملک
سے - لہٰذا اگر دائیں بازو کی جماعتیں زیادہ نہیں بلکہ صرف دو بھی انتخابات میں ایک دوسرے
کے خلاف صف آرا ہوئیں تو بھی یہ طبقہ ان جماعتوں کے اندرونی اختلافات کو خوب ہوا دے
گا اور ان کو آپس میں لڑا کر اپنے لئے کامیابی کی راہ نکال لے گا -

اس نازک صورتِ حال سے بچنے کی واحد صورت یہی ہے کہ سیاست کے میدان میں
صرف ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے - جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں جو صلاحیت ہے جو
استعداد ہے اس کو وہ سیاست کے میدان میں ملک اور دین کی زیادہ بہتر اور موثر خدمت
میں لگا سکتے ہیں ، وہ اس میدان میں بلا تکلف کام کریں - لیکن وہ ایک واحد سیاسی جماعت
کے پلیٹ فارم پر جمع ہوں اور اس کے نظم کے تحت کام کریں - میں نام نہیں لیتا کہ وہ واحد
سیاسی جماعت کونسی ہو ! بہرحال ایک واحد جماعت لازمی ہے جس میں یہ پابندی ضروری ہو
کہ اس میں وہی لوگ شامل ہوسکیں گے جو اسلام پسند یا اسلام دوست ہوں - اس
جماعت میں علماء بھی شامل ہوں - چاہے پارٹی کی قیادت ان کے ہاتھ میں نہ ہو - آخر قیام
پاکستان کے وقت بھی تو ایک ہی سیاسی پارٹی تھی - جس کی قیادت علماء کے ہاتھ میں

نہیں تھی۔ بلکہ جدید تعلیم یافتہ اسلام دوست سیاست دانوں کے ہاتھ میں تھی۔ اگرچہ اُس وقت
کے اور اس دور کے سیاست دانوں کے کردار میں زمین و آسمان کا فرق واقع ہو چکا ہے۔
ہم نے بڑا زمین و آسمان کا فرق دیکھا ہے۔ قائد اعظم اور نام نہاد قائد عوام کے مابین۔
معاملہ گو بڑا مختلف ہو چکا ہے۔ بہرحال اُس وقت قیادت علماء کے ہاتھوں میں ہونے کے
بجائے ان لوگوں کے ہاتھوں میں تھی جو اسلام پسند تھے۔ گو ان میں سے بہت سوں کا اسلام کے
ساتھ عملی تعلق کافی کمزور تھا۔ اس حقیقت کو آج بھی تسلیم کیجئے خواہ مخواہ اپنے آپ کو دھوکہ دینے
کا حاصل کچھ نہیں۔ جب اس ملک کے عوام کی فکری اور اخلاقی تربیت کی طرف توجہ دی ہی
نہیں گئی۔ اور اگر دی گئی تو بہت کم۔ اس میدان میں جو جماعتیں اور جو لوگ یہ کام کر سکتے
تھے وہ سیاسی کھیل میں لگے رہے اور ووٹروں کی خوشنودی کے پیشِ نظر عوام الناس کی دینی
اعتقادی عملی اور اخلاقی اصلاح کے کاموں سے غضِ بصر کرنے پر مجبور ہوتے۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا
کہ تاحال ہمارے عوام میں فکر و نظر اور سیرت و اخلاق کے لحاظ سے کوئی نمایاں اور
بنیادی تبدیلی ہمارے معاشرے میں نہیں آئی ہے بلکہ معاملہ نیچے ہی گیا ہے۔ پس سیاسی
قیادت علماء کے ہاتھ میں آجانے کا فی الحال دُور دُور امکان نہیں ہے۔ سیاسی قیادت
تو فی الوقت اسی قسم کے لوگوں کے ہاتھوں میں آئے گی جو سیاسی کہلاتے ہیں۔ اس
حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔ جب معاشرے کی اصلاح کا کام انجام نہیں دیا گیا تو
یہ کیسے ممکن ہے کہ اس معاشرے سے وہ قیادت اُبھر سکے جو نظری طور پر ہی نہیں بلکہ
عملی طور پر بھی اسلامی سیرت و کردار کا مکمل نمونہ ہو، یہ خواہش و تمنا اپنی جگہ بہت مبارک
ہے لیکن محض آرزو اور تمنا سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے تو پہلے معاشرے کو تبدیل
کرنے کے لئے مسلسل و پیہم جدوجہد کرنی ہو گی۔ سیاسی میدان میں صرف ایک ہی
جماعت ایک ہی پارٹی از بس ضروری ہے ورنہ انتشار رہے گا اور شکست یقینی ہو گی۔
جیسا کہ ہمیں تجربہ ہو چکا ہے۔ اگر کچھ لوگوں کو واقعتاً اس ملک کا مستقبل عزیز ہے اور جو اس
ملک کو اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے بچانا چاہتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہوں کہ اس کے لئے
سیاسی میدان میں کام کرنا ضروری ہے تو ان کے لئے لازم ہے کہ وہ اس امر کی ہر ممکن
کوشش کریں کہ اسلام اور پاکستان سے حقیقی وابستگی رکھنے والے تمام لوگوں کی ایک
احد سیاسی جماعت ہو، ایک پلیٹ فارم اور ایک جھنڈا ہو۔ اور انتخابی میدان میں بھی

ایک پارٹی دوسرے نقطۂ نظر رکھنے والوں سے انتخابی مقابلہ کرے۔

اس ضمن میں یہ بھی عرض کردوں کہ اس مقصد کے لئے جماعتوں کا کوئی "متحدہ محاذ" ہرگز مفیدِ مطلب نہیں ہوگا۔ کوئی کتنی احتیاط ملحوظ رکھے تحزب اور جماعتی عصبیت بہر نوع باقی اور قائم رہتی ہے اور موقع بموقع گل کھلاتی رہی ہے۔ پہلے مرحلے ہی میں اپنی اپنی جماعتوں کی تناسب نمائندگی کا مسئلہ متنازعہ فیہ بنتا ہے۔ پھر ہر جماعت شعوری اور غیر شعوری طور پر اس متحدہ محاذ، کو اپنی جماعت کا Image بنانے کے لئے استعمال کرتی ہے۔ قدم قدم پر جماعتی مفادات اور تحفظات آڑے آتے ہیں۔ پھر انتخاب کے مرحلے پر اسمبلیوں کی نشستوں کے لئے نمائندگی کے تناسب پر کھینچ تان ہوتی ہے۔ یہ مراحل طے بھی ہو جائیں تو ہر وقت یہ اندیشہ لاحق اور یہ خطرہ سر پر منڈلاتا رہتا ہے کہ انتخاب کے بعد اسمبلی میں ان نمائندگان کا جو مختلف سیاسی جماعتوں سے تعلق رکھتے ہیں کردار کیا ہوگا؟ کوئی کسی وقت علیٰحدہ نہ ہو جائے اور علیحدہ نہ بھی ہو تو توازن (Balance) قائم رکھنے کے لئے بے جا دباؤ نہ ڈالے۔ فرانس جیسے سیاسی شعور کے لحاظ سے کہیں ترقی یافتہ ملک میں "متحدہ محاذ" والا یہ تجربہ کئی بار ناکام ہو چکا ہے۔ ترکی میں بھی یہی صورتِ حال پیش آچکی ہے اور ابھی حال ہی میں بھارت میں "جنتا پارٹی" کے نام سے مختلف پارٹیوں کا جو 'متحدہ محاذ' بنا تھا اور اس نے اسمبلی میں اکثریت بھی حاصل کر لی تھی، بُری طرح ناکام ہوا۔ لہٰذا ہمارے ملک کے سیاسی شعور کے معیار کو دیکھتے ہوئے یہ احتمال قوی تر ہے کہ اس قسم کا "اتحاد" زیادہ دیر تک باقی نہیں رہ سکے گا اور اسمبلی میں جا کر مختلف عوامل اس "اتحاد" کی شکست و ریخت کا باعث بن جائیں گے۔ اس لئے واضح و موثر اکثریت حاصل کرنے اور ایک مضبوط حکومت بنانے کے لئے ضروری ہے کہ دائیں بازو سے تعلق رکھنے والے تمام سیاست دان اور علماءؔ ایک ہی جماعت کے نظم اور منشور کی پابند ہوں۔

اب رہا ان حضرات کا معاملہ جو اس بات کو ترجیح دیں کہ ہم کو دعوت و تبلیغ اور اصلاح کے میدان میں کام کرنا ہے اور لوگوں کو فکری و نظری اور عملی طور پر اسلام پر کاربند رہنے کی تربیت دینی ہے۔ اجتماعی شعور کو اسلام کی حقانیت کا مقر بنانا ہے۔ ان میں تعلق باللہ قائم کرنا ہے۔ ان کو محاسبۂ اُخروی سے خبردار کرنا ہے۔ ایمان بالرسالت

کے لوازم سے ان کو آگاہ کرنا ہے۔ تو ان لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ انتخابی سیاست سے ہاتھ اٹھالیں اور طے کر لیں کہ انتخابی سیاست کا میدان اور ایوان اقتدار میں شرکت ان کے لئے شجر ممنوعہ ہے وہ ہر ہنگامی و وقتی ترغیبات سے اپنا دامن بچائیں گے پوری یکسوئی کے ساتھ دعوت و اصلاح کے کام میں اپنی توانائیاں، صلاحیتیں، اوقات اور وسائل صرف کریں گے۔ ان کے کام میں اس بات کا ادنیٰ شائبہ بھی نظر نہ آئے گا جس سے یہ شک پیدا ہو کہ یہ کام انتخابی میدان میں اپنے تشخص یا اپنی جماعت کی ساکھ قائم کرنے کے لئے انجام دیا جا رہا ہے۔ ان کے عمل پیہم سے یہ ظاہر ہو کہ ان کا مطلوب و مقصود رضائے الٰہی کے سوا اور کچھ نہیں۔ حسب ضرورت یہ لوگ حکومت کو فکری و نظری رہنمائی دینے اور نصح و خیر خواہی کے جذبے اور فرض کے تحت مفید مشورے دینے کو اپنی دینی ذمہ داری سمجھیں۔ اس نہج پر کام کرنے کی بدولت یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اصلاح معاشرہ کے تناسب کے مطابق ان شاء اللہ حکومت کے معاملات کی بھی بتدریج و مسلسل اصلاح ہوتی چلی جائے گی۔

اس ضمن میں، میں یہ نہیں کہتا کہ دعوت و اصلاح کے لئے بھی کوئی ایک جماعت بن جائے چونکہ میرے نزدیک یہ بڑا ہی مشکل کام ہے۔ یہ عقائد اور فقہی مسائل میں اختلافات کا معاملہ ہے۔ یہ جلد اور بہ آسانی بدلنے اور ختم ہونے والے نہیں۔ سیاست کے میدان اور حکومت کے معاملات میں فقہی اور کلامی مسائل سے زیادہ اہم معاملہ اسلام اور پاکستان کے نظریے کے ساتھ وابستگی کا ہے لہٰذا اس کام کے لئے ایک واحد جماعت کا قیام ممکن بھی ہے اور سہل بھی۔ دعوت و اصلاح کے میدان میں فقہی و کلامی اختلافات سے سابقہ پیش آئے گا۔ مجھے یہ بات پسند ہو یا ناپسند، امر واقعہ میں تو اختلافات موجود ہیں۔ مختلف فقہی مکاتیب فکر ہمارے ہاں عملاً موجود ہیں ان کا ایک جماعت میں ضم ہونا بہت مشکل ہے البتہ ضروری ہے کہ اس میدان میں کام کرنے کا صحیح نہج یہ ہونا چاہیے کہ فقہی، فروعی، جزوی اور کلامی نوعیت کے اختلافات میں شدت و مخالفت سے اجتناب کیا جائے۔ اختلاف اور مخالفت میں بڑا فرق ہے۔ معاملہ اختلاف تک رہے تو کوئی مضائقہ نہیں تعبیر و رائے کا اختلاف تو صحابہ کرامؓ اور تابعین میں بھی تھا۔ بایں ہمہ وہ باہم شیر و شکر تھے ایک دوسرے کی مخالفت کا کیا

سوال ا بھرا فہام و تفہیم اور تعلم و تعلیم سے ان اختلافات کو کس حد تک کم سے کم کیا جا سکتا ہے۔ اس میدان میں کام کرنے والوں کے سامنے خدا ترسی کے ساتھ یہ اصول رہنا چاہیئے کہ اس قسم کے اختلافات کو بھی صرف اپنے حلقوں میں بیان کیا جائے گا۔ عوامی سطح پر ان کو بیان کرنے اور بحث و مناظرہ کے انداز سے پرہیز کیا جائے گا۔ عوامی سطح پر لوگوں کو حقیقی اور عملی طور پر مسلمان بننے کی دعوت دی جائے گی۔ ان کو فرائض دینی ادا کرنے کی ترغیب دی جائے گی۔ ان کے اذہان سے تشکیک و ریب کے کانٹے نکالے جائیں گے۔ ان کے قلوب میں ایمان کی شمع روشن اور محاسبہ اُخروی کا یقین پیدا کیا جائے گا مسلمان ہونے کی حیثیت سے جو ذمہ داریاں از روئے قرآن و سنت ان پر عائد ہوتی ہیں' ان کو واضح کیا جائے گا۔ وہ نکات اور مسائل بے شمار ہیں جن میں تمام مسالک اور مکاتیب فکر کے متعلقین میں مکمل اتفاق ہے" لہٰذا ان متفق علیہ نکات و مسائل کو اپنی سعی و جہد کا مرکز و محور قرار دینا خدمت دین ہے۔ جب حال یہ ہو کہ ہمارے مسلم معاشرے میں جمعہ کی نماز کی ادائیگی بھی ہماری آبادی کا بمشکل پانچ فیصد حصہ ادا کرتا ہو۔ وہاں دعوت و اصلاح کے اصل موضوعات، دعوتِ تجدیدِ ایمان دعوتِ توبۃ النصوح اور دعوتِ تجدید عہد و میثاق ہونے چاہئیں نہ کہ فقہی اختلافات کی نشر و اشاعت، ایمان اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع آخر یہ موضوعات ہی تو ہمارے دین کی اساسات ہیں۔ عوامی سطح پر دعوت و اصلاح کا نہج یہی ہونا چاہیئے۔ اسی طرح امت میں یکجہتی اور اتحاد پیدا ہوگا۔ ہماری نوجوان نسل اور نئے تعلیم یافتہ لوگ ان فقہی اختلافات کے بحث و مناظرے سے اتنے بیزار ہو چکے ہیں کہ ان کی بیزاری نفس دین سے بیزاری بلکہ بغاوت کی سرحدوں تک پہنچ چکی ہے۔ اس کا بھی علاج یہی ہے کہ ایک دوسرے پر چھینٹے اُڑانے سے بچا جائے اور دعوت و اصلاح کا مرکز و محور کتاب و سنت کو بنایا جائے۔ اس کی اساس یہ ہو کہ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ ان شاء اللہ اسی طرز عمل سے تعاون اور اشتراک اور باہمی روا داری کی فضا پیدا ہوتی چلی جائے گی۔

حالات کی سنگینی اس امر کی متقاضی ہے کہ ہمارے سیاسی اور دینی رہنما و زعماء مل جُل کر بیٹھیں اور آنے والے خطرات کا تدارک اور مداوا کرنے کی عملی تدابیر اختیار کریں۔

آپ حضرات میں سے جو لوگ بھی اثر انداز ہو سکتے ہوں وہ ان حضرات پر اپنا اثر استعمال کریں۔ اس میں اپیل یہ ہو کہ دیکھئے بنیوں کا بھی دستور ہے کہ ساری جاتی دیکھیئے تو آدھی دیجئے بانٹ، اگر یہ خطرہ نظر آتا ہے کہ یہ ملک ہاتھ سے چلا جائے گا اور یہاں اسلام کا مستقبل بالکل تاریک ہو جائے گا۔ تو خدارا اس خطرے سے بچنے کی عملی تدابیر اختیار کیجئے۔ آپ حضرات نے اخبارات میں حال ہی میں پڑھا ہو گا کہ ہمارے پڑوسی ملک افغانستان سے مختلف طبقات کے لوگوں کو روس لے جایا جا رہا ہے جہاں سے وہ ٹریننگ لے کر آ رہے ہیں۔ معاشیات جاننے والے وہاں سے اشتراکی معاشیات کی تربیت حاصل کر کے آ رہے ہیں۔ مدرسوں اور کالجوں کے اساتذہ کی کھیپ کی کھیپ روس سے وہ تکنیک اور طریقے (Technique and Method) سیکھ کر آ رہی ہے جس سے پوری نئی نسل کی ایسی Brain Washing ہو گی کہ ان کا اسلام سے تعلق قائم رہنا تو در کنار وہ اس سے بالکل باغی ہو جائیں گے۔ ترکستان میں یہ سب کچھ ہو چکا ہے۔ آج تقریباً دو کروڑ کی مسلمان قوم، بڑی جوشیلی اور گرم خون رکھنے والی قوم، بڑی حریت پسند قوم، جس نے کبھی کسی دوسری قوم کی غلامی قبول نہیں کی۔ اسلام سے قلبی تعلق اور محبت رکھنے والی قوم روسی سامراج کے خونی شکنجے میں بری طرح جکڑی ہوئی ہے۔ اس کا مسلسل خون بہہ رہا ہے اور ہماری آنکھوں کے سامنے پوری قوم کی قلبِ ماہیت کی کوشش ہو رہی ہے اور یہ بات جان لیجئے کہ نظام تعلیم میں جدید نفسیات کو جس قدر کامیابی سے روس نے استعمال کیا ہے کسی نے نہیں کیا۔ نفسیاتی طور پر تعلیم کے ذریعے اذہان کو ایک خاص رُخ پر موڑنے اور یکسر بدلنے کے جو ہتھکنڈے روس کے پاس ہیں۔ کسی کے پاس نہیں۔ وہ مصیبت کسی بھی وقت ہم پر بھی نازل ہو سکتی ہے لہٰذا آپ حضرات میں سے جس کی بھی موجود جماعتوں کے ذمہ داروں تک رسائی ہے وہ ان کو اس بات کا قائل کرنے کی کوشش کریں کہ موجودہ حالات کے پیش نظر اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ہمارے اختلافات میں اعتدال آئے، ہمارے اختلافات میں شدت کم سے کم تر ہو اور ہماری دفاعی قوت مضبوط سے مضبوط تر ہو۔ دفاعی قوت صرف فوج اور اسلحہ کا نام نہیں ہے بلکہ ملک میں مکمل ذہنی و فکری اور عملی ہم آہنگی بھی دفاعی قوت میں شامل ہوتی ہے لہٰذا ایسا اتحاد ضروری ہے کہ جس کے ذریعے قوم ایک بنیانِ مرصوص بن جائے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ تمام فقہی اختلافات کو پسِ پشت ڈال دیا جائے یا ان کو ختم کر دیا جائے - یہ ممکن نہیں ہے - اس کا ایک طویل تاریخی پس منظر ہے - ہر ایک کے پاس کتاب وسنت سے دلائل ہیں - یہ فقہی مسائل انہی دونوں ماخذ سے مستنبط ہیں - یہ اپنی جگہ قائم رہیں، اس میں کوئی حرج نہیں - لیکن ان کو صحیح مقام اور حدود میں رکھنا چاہیئے۔ ان کی مخالفت اور تردید کے لئے مستقل سوچ بنا کر اپنی توانائیاں اسی کام میں لگانا دین کی خدمت نہیں ہے - اس خدمت کا اصل ہدف ہے اسلام وایمان کی دعوت، تقویٰ وبر کی دعوت، فرائض کی ادائیگی کی دعوت، اعمال صالح کی دعوت، معروفات کے اختیار اور منکرات کو ترک کرنے کی دعوت - الغرض پوری زندگی کو اللہ کی بندگی میں دینے کی دعوت اور تلقین - یعنی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً کی دعوت!

آج ہمارے معاشرہ اس کا شدید محتاج ہے کہ اُس کو جھنجوڑا جائے - اس میں آخرت کا خوف پیدا کیا جائے اس میں توبہ کی ایک عمومی تحریک برپا کی جائے کہ اللہ کے بندو! باز آؤ معصیت اور نافرمانیوں سے باز آؤ حرام خوریوں سے، باز آؤ ہیرا پھیریوں سے، باز آؤ رشوت دینے اور رشوت خوری سے، باز آؤ ملاوٹ سے ذخیرہ اندوزی سے، باز آؤ سودی کاروبار سے، کم تولنے اور کم ناپنے سے اپنی تمام بداعمالیوں اور بےعملیوں سے توبہ کر کے اپنے ایمان کی تجدید کرو - اپنے رب کے سامنے از سرِ نو عہد کرو کہ اے اللہ ہم تیرے مخلص بندے بن کر خود بھی انفرادی طور پر دین کے مطابق زندگی بسر کریں گے اور اس ملک کو بھی اجتماعی طور پر ایک مثالی اسلامی ریاست بنائیں گے - آپ کو یاد ہوگا کہ چند سال قبل ملک گیر پیمانے پر، یہاں ایک "یوم میثاق" منایا گیا تھا - لیکن حاصل کیا ہوا؟ دن منانے آسان ہیں لیکن فی الواقع قلوب واذہان کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اصلاح قبول کرنے پر راغب کرنا مشکل اور کٹھن کام ہے - اس کے لئے تو ہمہ جہتی اور ہمہ وقتی مخلصانہ سعی ومحنت کی ضرورت ہے - اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ہمارے علماء اور وہ لوگ جو فی الواقع دین سے محبت کرتے اور معاشرے کی اصلاح کا ولولہ رکھتے ہیں، وہ کمر ہمت کسیں، اٹھیں اور توبہ کی منادی کریں کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ

"اے ایمان والو! اللہ سے توبہ کرو۔ خالص توبہ، بعید نہیں کہ اس توبہ کی بدولت اللہ تم سے تمہاری برائیاں دور کردے" اور ان کی پکار یہ ہو کہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا "اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو نارِ جہنم سے"۔ خدا کی نافرمانی سے بچو اور توبہ کرو۔ توبہ کا یہ عمل اگر عوام و خواص میں ایک ہمہ گیر اور اجتماعی سطح پر نہیں ہوتا تو جان لیجئے کہ اس دنیا میں بھی عذاب الٰہی سے سابقہ پیش آکر رہے گا اور آخرت میں بھی ۔۔۔ اجتماعی توبہ سے عذابِ خداوندی ٹل جاتا ہے۔ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ قوم یونسؑ پر عذاب الٰہی کے آثار شروع ہو گئے تھے لیکن ان کی اجتماعی توبہ سے یہ ٹل گیا تھا۔ پس اجتماعی توبہ کی یہ برکت ہے۔ آج داخلی و خارجی طور پر ہم جن حالات سے دوچار ہیں یہ دراصل عذابِ الٰہی کے آثار ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ہم اس سے غافل ہیں اور اگر یہ تغافل اسی طرح جاری رہا تو عذاب الٰہی سے محفوظ رہنا ممکن نہیں۔ اس وقت ہم اجتماعی توبہ کے محتاج ہیں، یہی چیز ہم کو اللہ کی پکڑ سے بچا سکتی ہے۔ بقول جگر مراد آبادی ؒ:

چمن کے مالی اگر بنا لیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی

لیکن اس کے لئے ضروری ہوگا کہ جو لوگ اس میدان میں کام کر رہے ہیں، وہ فقہی و کلامی اختلافات کو ہوا دینے اور اچھالنے کے بجائے لوگوں میں ایمان، تقویٰ، اخلاق اور کردار کی اصلاح کی جو صحیح تعلیمات ہیں ان کی تبلیغ و تلقین پر اپنی توجہات اور توانائیاں مرتکز کریں۔ اس کام کی برکت سے عذاب الٰہی بھی ان شاء اللہ ٹل جائے گا اور اختلافات بھی کم ہوتے چلے جائیں گے۔ غور کیجئے کہ ان اختلافات کی نوعیت ہے کیا؟ کوئی رفع یدین کرتا ہے کوئی نہیں کرتا، کوئی آمین زور سے کہتا ہے کوئی آہستہ، کوئی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا قائل ہے کوئی نہیں۔ یہ جزوی اختلافات ہیں۔ ان سے کوئی بڑا فرق واقع نہیں ہوتا۔ دونوں مسالک کے لئے احادیث بھی موجود ہیں اور آثار صحابہؓ بھی۔ اب ان مسائل کی تائید یا تردید پر تمام توجہات مرکوز کرنا کونسی خدمتِ دین ہے! جبکہ حال یہ ہے کہ ہماری پچانوے فی صد آبادی سرے سے نماز کی ادائیگی سے غافل ہے۔ کرنے کا کام یہ ہے کہ نمازیوں کو نماز ادا کرنے کی ترغیب دی جائے۔ ان کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا جائے۔ ان میں فرائض کی ادائیگی کا شوق

پیدا کیا جائے ان کی سیرت و کردار اور اخلاق و معاملات کی اصلاح کی کوشش کی جائے جو لوگ نماز کے پابند ہیں ان کے سامنے اختلافی مسائل کا بیان مفید مطلب ہونے کے بجائے ان کے ذہنی خلجان اور الجھن کا باعث ہوتا ہے اور ان کی اکثریت اس سے اُپراتی ہے ۔ ان کو بھی صحیح معنوں میں اللہ کے بندے بننے کی دعوت دینا ہی اصل خدمت دین ہوگی ۔ غور کیجئے کہ ہمارے عوام الناس اللہ کے نام لیوا ، آخرت کے ماننے والے اور نبی اکرمؐ کے امتی ہیں ۔ مشرکانہ اور مبتدعانہ اوہام اور اسلام کی صحیح تعلیمات سے ناواقفیت کی وجہ سے عقیدہ توحید میں جو رخنہ آگیا ہے اور جو بگاڑ پیدا ہوگیا ہے۔ اس کی اصلاح کی صورت دین کی صحیح تعلیمات کی نشر و اشاعت ہے ۔ آخر سب زبان سے توحید کے ماننے والے ہیں ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ توحید کی مثبت دعوت و تبلیغ پر اپنی توجہات مرکوز کی جائیں چونکہ یہی حقیقی خدمتِ دین ہے اس کے برخلاف اختلافی مسائل ہی کو موضوع بنا کر انہی پر اپنی توجہات کو مرکوز رکھنا اور اس کو تبلیغ دین سمجھنا نہ دین کے ساتھ وفاداری ہے ۔ اور نہ عامۃ المسلمین کی نصح و خیر خواہی ۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ملک کی تمام دینی جماعتیں بھی ایک جماعت میں مدغم ہو جائیں ۔ یہ ممکن العمل نہیں ہے ۔ یہ کام تو سیاسی میدان میں کیا جانا ضروری ہے ۔ اُس میدان میں یہ کام ناممکنات میں سے نہیں ہے اس کا انحصار مخلصانہ سعی و کوشش اور چند بڑی سیاسی شخصیتوں کے ایثار پر ہے ۔ میں آج کی اس تقریر کے بارے میں سوچ رہا تھا تو یہ بات بھی ذہن میں آئی تھی کہ یہ دینی جماعتیں علیحدہ علیحدہ ہیں لیکن کاش ان کا کوئی "اتحاد" عمل میں آسکے ۔ ۱۹۷۷ء میں انتخابات کے لئے "قومی اتحاد" بنا تھا کاش دعوت و اصلاح اور احیائے اسلام کے لئے کوئی "اسلامی اتحاد" وجود میں آجائے ۔ اگر اسلام اور پاکستان کی حقیقی خدمت کرنی ہے قطع نظر اس سے کہ سیاسی چودھراہٹ ملتی ہے یا نہیں ملتی تو کوئی روکاٹ نہیں ہے کہ ایسا "اتحاد" قائم نہ ہو سکے ۔ یہ اتحاد ایک طرف دعوت و اصلاح کا کام کر سکتا ہے دوسری طرف حکومتِ وقت کے لئے خیر خواہانہ مشیر اور محتسب کا فرض انجام دے سکتا ہے ۔

سیاسی میدان سیادت و اقتدار کی جنگ کا میدان ہے ۔ یہ تحزب ، تعصب اور حریفانہ طرزِ عمل کی راہ ہے ۔ یہ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے اور نیچا دکھانے کا راستہ ہے ۔

اس راہ میں دلوں میں کدورتیں اور تلخیاں بڑھتی ہیں۔ اس راہ میں ووٹروں کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے اس لئے ان کے غلط افکار و اعمال اور معاملات پر مداہنت اختیار کرنا لازمی ہے اس راہ پر چلنے والے اپنی حریف جماعتوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کا موجب ہوتے ہیں جبکہ دعوت و اصلاح خیر خواہی اور نصح کی راہ ہے۔ دلوں کو جیتنے اور باہمی الفت و مؤدت اور اخوت پیدا کرنے کی راہ ہے۔

میں اپنی اس درد مندانہ معروضات کو ختم کرنے سے قبل چاہوں گا کہ میں نے آج کی اس گفتگو کے آغاز میں سورہ آل عمران جن آیات کی تلاوت کی تھی ان آیات سے دعوت و اصلاح کے کام کے لئے ہمیں جو رہنمائی ملتی ہے اس کا ایک لائحہ عمل آپکے سامنے آجائے تاکہ آپکو اسے اپنے حلقہ ہائے اثر تک پہنچانے میں مدد مل سکے۔ ان آیات میں سب سے پہلے تقویٰ اختیار کرنے دعوت دی گئی ہے فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ ۔ اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیساکہ اس کا تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے۔" ہمارے دین کی اصطلاحات میں "تقویٰ" بہت جامع ترین اصطلاح ہے۔ اتنا وقت نہیں ہے کہ میں اس کی شرح کرسکوں۔ اجمالاً یہ سمجھ لیجئے کہ تقویٰ اس طرزعمل کا نام ہے کہ ایک بندہ مومن اللہ کے غضب اور سزا کے خوف اور اس کے انعام، نگاہِ کرم اور نظر ترحم کے شوق سے نافرمانی و معصیت کے ہر عمل سے بچتا ہوا دین کے تقاضوں اور مطالبوں کو ادا کرنے کی فکر کرے۔ آیت کا اگلا حصہ اسی تقویٰ کی زندگی کی شرح ہے کہ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ "تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم اللہ کے فرمانبردار ہو۔" یعنی زندگی کا کوئی لمحہ بھی شعوری طور پر اللہ کے حکم کی خلاف ورزی میں نہ گزرے۔ لہٰذا دعوت و اصلاح کا پہلا نکتہ تو ہوگا اسی تقویٰ کی دعوت، تطہیر افکار و اعمال کی دعوت، اخلاق کی درستگی اور تمام منکرات سے اجتناب کی دعوت۔ مسلمان کی حیثیت سے جینے اور مرنے کی دعوت۔ دعوت و اصلاح کا دوسرا نکتہ ہوگا وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ "اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامو اور تفرقے میں نہ پڑو"۔ اللہ کی رسی سے مراد "قرآن مجید" ہے اس میں کسی نوع کا اختلاف نہیں ہے۔ یہ کتاب الٰہی اتحاد کی اوّلین اور مضبوط ترین بنیاد ہے یہی اَلْعُرْوَةُ الْوُثْقٰی ہے۔ اسی کا وصف لَا انْفِصَامَ لَهَا ہے اسی کو مضبوطی

سے مقابلے اور تفرقے سے بچنے کا آیت کے اس حصے میں حکم دیا گیا ہے۔ تفرقہ اتحاد اور وحدتِ اُمّت کو پارہ پارہ کرنے والا عمل ہے۔ اختلاف اور تفرقے میں بڑا فرق ہے جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ اختلافات دین کے دائرے میں رہیں، کوئی مضائقہ نہیں، لیکن رائے اور تعبیر کے اختلاف کی بنیاد پر باقاعدہ علیحدہ علیحدہ فرقے بنا لینا دینی نقطۂ نظر سے بالکل غلط ہے۔ اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ "اور آپس میں جھگڑو نہیں اس سے تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی"۔ یہ حکم صحابہ کرامؓ کو دیا گیا تھا جبکہ ان کے درمیان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس موجود تھے اور ان کو متنبّہ کیا گیا تھا کہ حضورؐ کے وجودِ مسعود کے باوجود تنازعات تم کو کمزور کرنے اور تمہاری ہوا خیزی کا باعث ہوں گے یہ سنت الٰہی ہے۔ یہ ہدایت دائمی ہے۔ اب آپ خود ہی سوچ لیجئے کہ تنازعات اور تفرقہ بازی اُمّت کے لئے کتنی ہلاکت آفرین ہو سکتی ہے اور فی الواقع ہو رہی ہے۔

اس تفرقہ بازی کا علاج بھی خود اللہ تعالیٰ نے اعتصام بالقرآن بتا دیا ہے۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اس نعمت اور احسان کا ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید اور ایمان و اسلام نے اُن قبیلوں کو باہمی شیر و شکر اور بھائی بھائی بنا دیا جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور اس طرح تباہی کی آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے اس تباہی سے ان کو بچا لیا۔ فرمایا: وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا ؕ قرآن حکیم کا اعجاز یہی ہے کہ اس کے وقتی احکام میں ابدالآباد تک کے لئے ہدایات موجود ہوتی ہیں۔ چنانچہ غور کیجئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ مبارکہ ہمارے ہی لئے نازل کئے گئے ہیں۔ ہمارے حالات کی اصلاح کے لئے ان آیات کا نزول ہوا ہے اور ان میں ہمارے لئے پوری رہنمائی موجود ہے۔ ہم تفرقے اور انتشار کے تباہ کن اور ہلاکت خیز گڑھے کے کنارے فی الواقع کھڑے ہیں، ہم تباہی اور بربادی سے بچائے جا سکتے ہیں اور ہم پر اللہ کی اس نعمت کا ظہور ہو سکتا ہے کہ ہمارے دلوں میں ایک دوسرے سے الفت، مودّت اور اخوّت پیدا ہو جائے۔ لیکن اس کی شرط ہم کو پوری کرنی ہوگی اور وہ یہ کہ ہم تقویٰ، اسلام اور

اعتصام بالقرآن کو اپنا لائحہ عمل اور مقصود و مطلوب بنالیں۔ آخرت میں اللہ کی رضا کا حصول ہمارا نصب العین بن جائے ہم تفرقے سے بچیں اور متقی مسلمان کی طرح زندگی بسر کرنے کی پوری کوشش کریں۔ آگے فرمایا: كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ "اس طرح اللہ تمہارے سامنے اپنی نشانیاں واضح کرتا ہے شاید کہ ان نشانیوں سے تمہیں اپنی فلاح کا راستہ سیدھا نظر آجائے"۔ ان آیاتِ مبارکہ اور ہدایاتِ الٰہی کی روشنی میں بھی یہ بات بڑی واضح ہو کر ہمارے سامنے آتی ہے کہ انتہائی ضروری ہے کہ تجدید ایمان، توبہ۔ تجدید عہد اور اصلاح اعمال کی دعوت اس ملک میں وسیع پیمانے پر اُٹھے جس کے کارکن خود بھی جاگیں اور لوگوں کو بھی جگائیں کہ اللہ کے بندو! ہوش میں آؤ کہاں جارہے ہو! تم مدہوش ہو، تم کو اپنے چھوٹے چھوٹے مفادات کی فکر ہے، فروعی اور جزوی مسائل کے خلاف تم ایک دوسرے سے دست بگریباں ہو جب کہ حال یہ ہے کہ وہ پورا جہاز ڈوبنے کو ہے جس میں تم سب سوار ہو۔ تم آپس کے جھگڑوں میں لگے ہوتے ہو کہ کون نیچی منزل میں ہے کون اونچی منزل میں ۔۔ تم کو اس جہاز کی سلامتی کی فکر ہی نہیں ہے جو ڈوبنے والا ہے۔ اس آنے والی تباہی کو سمجھو تو شاید آنکھیں کھل جائیں، کچھ لوگ بیدار ہو جائیں اور اپنی اصلاح پر آمادہ ہو جائیں۔ لیکن اس کے لئے محنت اور قوت صرف کرنی ضروری ہے ۔ اگلی آیت میں ایسی جماعت کی ضرورت بیان کرکے اس کے مقاصد کی طرف واضح رہنمائی اور ہدایت دی گئی ہے، فرمایا: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ "تم میں سے ایک جماعت تو ایسی ضرور ہونی چاہیئے جو لوگوں کو نیکی اور خیر کی طرف بلانے والی ہو، جو بھلائی کا حکم دے اور برائیوں سے روکے ۔ جو لوگ اجتماعی طور پر دعوت کا یہ کام کریں گے، وہی فلاح پائیں گے"۔ اس آیتِ مبارکہ میں حکم دیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں ایک جماعت تو ایسی ہونی ضروری ہے جس کی تاسیس کسی فقہی مسلک کے اختلاف پر نہ ہو بلکہ جس کا مقصدِ وجود دعوت الی الخیر ہو۔ جس کی بنیاد قیام انتخابی سیاست نہ ہو اور جس کو نہ اقتدار مطلوب ہو نہ حکومت اس جماعت کو اس دنیا میں کسی بدلے اور اجر کی خواہش نہ ہو۔ اس کی کوئی دنیوی غرض اس کے کام میں شامل نہ ہو، نہ سیادت نہ قیادت، نہ لیڈری نہ وزارت نہ سفارت۔ دنیا کا کوئی مفاد

اور کوئی منصب اور کوئی غرض اس دعوتی کام سے وابستہ نہ ہو - الغرض اس جماعت کا مقصدِ وجود دعیات اس ہدایتِ ربانی کے مطابق دعوت الی الخیر، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سوا اور کچھ نہ ہو - اس جماعت کے وابستگان بس یہی تین کام کریں ان کے سوا کسی چوتھے کام کے خیال کو اپنے ذہن میں گزرنے بھی نہ دیں - وہ علی رؤس الاشہاد اعلان کر دیں کہ ہمیں انتخابی سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہوگا - ہمیں اس طرف جانا ہی نہیں ہے - ہمارے نزدیک تو یہ پھندے ہیں بقول علامہ اقبالؒ ؎

الیکشن، ممبری، کرسی، صدارت بنائے خوب آزادی نے پھندے

جو لوگ انتخابی سیاست کے چکر اور پھندے سے اپنا دامن بچا کر ہمہ تن اور پوری یکسوئی کے ساتھ دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سہ نکاتی قرآنی منشور میں مصروف ہو جائیں گے ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نوید جانفزا ہے کہ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ہ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔

اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جب کسی امت میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے تو بگڑے ہوئے معاشرے میں تین طرح کے طبقات ہو جایا کرتے ہیں - ایک طبقہ وہ ہوتا ہے جو بگاڑ میں بہت آگے نکل جاتا ہے - دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہوتا ہے جو بگاڑ سے خود تو بچے ہوئے ہوتے ہیں لیکن دوسروں کو روکتے نہیں ان کو نصیحت کرنے میں تغافل شعاری اختیار کرتے ہیں - تیسرا طبقہ وہ ہوتا ہے جو خود بھی بگاڑ سے مجتنب رہتا ہے اور لوگوں کو روکنے کے لئے وعظ و نصیحت کرتا ہے اور اصلاحِ احوال کی سعی و کوشش میں لگا رہتا ہے تو اللہ کی سنت یہ ہے کہ یہ تیسرا طبقہ عذاب الٰہی سے بچا لیا جاتا ہے اور اگر دنیا میں وہ کہیں اس کی لپیٹ میں آ بھی جائے تو آخرت میں وہ فلاح و فوز سے سرفراز کیا جاتا ہے اور آخرت کی کامیابی اس کے قدم چومتی ہے -

پس ہم آج جس صورتِ حال سے دوچار ہیں اور جو آنے والے واقعات کا واضح طور پر پیشگی پتہ دے رہی ہے - اس کا تقاضا یہ ہے کہ سیاسی میدان میں دائیں بازو یعنی اسلام پسند اور اسلام دوست سیاسی حضرات کی ایک واحد سیاسی جماعت ہو- اور جو لوگ یا جماعتیں اپنا مقصود و مطلوب دعوت و تبلیغ اور اصلاح معاشرہ کو بنانا چاہیں وہ انتخابی سیاست سے کنارا کش ہو کر دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی

عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی میں لگ جائیں۔ تفرقے سے اپنا دامن بچائیں۔ مختلف مسالک کے اختلافات میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کریں۔ ان مسائل کے حق میں یا تردید میں اپنی توانائیاں، اپنی صلاحیتیں اور اپنی محنتیں لگانے کے بجائے دعوت الی الخیر میں لگائیں اور فروعی مسائل کے اختلافات کو اپنی حدود میں رکھیں۔ ورنہ اس بات کا خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے کہ آنے والے دور میں اختلافات پر بحث و نظر تو ایک طرف اس ملک میں جو اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا، اسلام کا نام لینا ہی ناممکن بنا دیا جائے گا۔ آخر بخارا، بلخ، سمرقند اور تاشقند میں جو کبھی دینی علوم اور اسلامی تہذیب کے گہوارے تھے یہ صورتِ حال رونما ہو چکی ہے۔ آج ہمارا پڑوسی مسلم ملک افغانستان اس ابتلا میں گرفتار ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنی شامتِ اعمال کی وجہ سے یہ دن ہم کو دیکھنا پڑ جائے۔ یہ دن آیا تو نہ یہ چھوٹے چھوٹے اور فروعی اختلافات ہمارے کام آسکیں گے اور نہ ہی ہمارے حقیر سے ذاتی مفادات، ہماری یہ بلڈنگیں، یہ کاروبار، یہ کارخانے ہمیں محفوظ رکھنے میں مددگار ثابت ہوں گے۔ یہ سب دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ ؏

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

وہ وقت سامنے نظر آ رہا ہے۔ دین و ملک کی بھلائی اور خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ کچھ لوگ اس عزم سے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں کہ ہمارا مرنا جینا اور ہماری محنت و کوشش صرف دعوتِ تبلیغ اور اصلاحِ معاشرہ کی جدوجہد کے لئے وقف ہوگی۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو مجھے جاننے والے جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے وہ اب جان لیں کہ میں تو عرصہ پندرہ سولہ سال سے اسی کام میں لگا ہوں۔ اسی دعوت الی اللہ اور دعوتِ رجوع الی القرآن کے تقاضے کی ادائیگی کی خاطر یہاں تقریر اور خطبہ جمعہ کے لئے حاضر ہوتا ہوں۔ ورنہ میرا یہ کوئی پیشہ نہیں۔ درسِ قرآن کا سلسلہ بھی اسی دعوت کے لئے جاری کیا ہے۔ تجدیدِ ایمان ہو، اصلاحِ اعمال ہو، دعوتِ توبہ اور تجدیدِ عہد ہو وہ موثر ہوگی اسی قرآن مجید سے ہوگی۔ یہی سرچشمہ و منبعِ ہدایت ہے۔ اسلامی اتحاد قائم ہوگا اسی کی بنیاد پر ہو سکے گا چونکہ قرآن ہی حبل اللہ ہے اسی کام کے لئے میں نے ۱۹۷۲ء میں انجمن خدام القرآن قائم کی تھی تاکہ اس کے ذریعے علوم و حکمتِ قرآن کی وسیع پیمانے پر نشر و اشاعت ہو سکے۔ اسی کے لئے میں نے ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی قائم کی ہے جس

کے مقاصد اولی دعوت تجدید ایمان - توبہ اور تجدید عہد ہیں - جس کے نظام العمل میں طے کر دیا گیا ہے کہ الیکشن میں تنظیم کبھی حصہ نہیں لے گی نہ اس کی رفقاء اس میدان میں کوئی کام کریں گے - دعوت و اصلاح کا کام بڑا عظیم کام ہے - اس میدان میں کام کرنے کے لئے ہزاروں نہیں لاکھوں افراد چاہئیں جو اسی میں کھپ جائیں، جن کا لائحہ عمل یہ ہو کہ یَدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف و ینھون عن المنکر یہ بنیادی کام دراصل انہی لوگوں اور جماعتوں کے لئے مفید ترین اور انتہائی مؤثر ہوگا - جو سیاست کے میدان میں اسلام کا کام کر رہے ہوں گے - اسی نہج سے کامیابی کی توقعات وابستہ کی جا سکتی ہیں، ورنہ جس طرح اب تک کی تمام کوششیں لاحاصل رہی ہیں، اسی طرح آئندہ کی محنتیں اور کوششیں نسیاً منسیاً ہو جائیں گی - جن حضرات کے دل کو میری بات نے اپیل کیا ہو، اب انکی دینی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کو آگے پہنچائیں - سیاسی زعماء کے پاس جائیں ان کو ایک سیاسی جماعت بنانے کی ضرورت کا قائل کریں - علماء اور ان حضرات کی خدمت میں حاضری دیں جو دین کے کام کو عزیز تر سمجھتے ہیں اور ان سے دردمندانہ اپیل کریں کہ وہ انتخابی سیاست سے کنارہ کش ہو کر اپنی تمام توجہات اور مساعی کا ہدف دعوت و تبلیغ اور اصلاح معاشرہ کو بنائیں - وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ -

بَارَكَ اللّٰهُ لِیْ وَلَكُمْ فِی الْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ وَنَفَعَنِیْ وَاِیَّاكُمْ بِالْاٰیٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِیْمِ اِنَّهٗ تَعَالٰی جَوَادٌ كَرِیْمٌ مَلِكٌ بَرٌّ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ط -

اطلاعِ عام

عبدالرحمٰن کلرک مرکزی انجمن خدام القرآن - لاہور، کے خلاف " چارج شیٹ " ہو چکا ہے اور ماہ مارچ ۲۳ - تاریخ سے ہی وہ بلا اجازت اور خلافِ ضابطہ دفتر سے غیر حاضر ہے - اور اُس کے خلاف " محکمانہ تحقیقات " زیرِ تحقیق ہیں - اس لئے تمام حضرات مطلع رہیں کہ وہ اب انجمن کا ملازم نہیں رہا - لہٰذا انجمن یا اُس کے ذیلی اداروں کے لئے اُس سے کوئی لین دین نہ کیا جائے -

ناظم اعلیٰ :- مرکزی انجمن خدام القرآن - لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شمالی امریکہ کے حالیہ دعوتی دورے کے تاثرات و مشاہدات

از : ڈاکٹر اسرار احمد

اسباب و علل کی اس دُنیا میں سُنّت الٰہی یہ کارفرما نظر آتی ہے کہ جو کام بھی خلوص و اخلاص اور سعی و محنت سے کیا جاتا ہے وہ بار آور ہوتا ہے چنانچہ الحمدللہ والمنّہ دعوتِ رجوع الی القرآن اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک کا تعارف اور اثر و رسوخ جہاں پاکستان میں وسیع تر ہو رہا ہے وہاں بفضلہ تعالیٰ دعوت و تحریک بیرون ممالک میں بھی متعارف ہو رہی ہے اور اس کے متعارفین متاثرین و مویدین کا ایک منظم و فعال حلقہ امریکہ اور کینیڈا کے دو تین نمایاں شہروں میں مستقل طور پر قائم ہو گیا ہے - ان مقامات پر تعارف کا ایک ذریعہ تو مرکزی انجمن کی مطبوعات ہیں جو بیشتر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے پمفلٹوں پر مشتمل ہیں لیکن دوسرا مؤثر ذریعہ موصوف کے دُروس قرآن حکیم اور مختلف خطابات کے ٹیپ اور کیسٹ ہیں جو ایسے حضرات کی وساطت سے وہاں پہنچے جو حصول تعلیم، کاروبار اور ملازمت کے لئے یا مستقل طور پر نقل وطن کر کے وہاں مقیم ہیں - چنانچہ اِن ہی مخلصین کی دعوت پر ڈاکٹر صاحب پہلی مرتبہ دعوتی دورے پر جولائی ۷۸ء میں اور دوسری مرتبہ ۲۲ اگست ۸۰ء کو امریکہ اور کینیڈا تشریف لے گئے۔ دوسرے دورے سے ۱۶ اکتوبر ۸۰ء کو موصوف کی مراجعت ہوئی اور ۲۴ اکتوبر ۸۰ء کے جمعہ کو مسجد شہداء میں ڈاکٹر صاحب نے "پندرھویں صدی ہجری کے آغاز" کے موضوع پر تقریر کے ساتھ ساتھ اس حالیہ دعوتی دورے کے تاثرات و مشاہدات بھی بیان کئے - اس خطاب کا پہلا حصہ 'میثاق' کے جنوری / فروری ۸۱ء کے مشترکہ شمارے میں شائع ہو چکا ہے - اب دوسرا حصہ قارئین میثاق کی

ـــــــــ "پندرھویں صدی کے آغاز" کے موضوع پر تقریر کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے فرمایا:-"

اب میں چند باتیں امریکہ اور کینیڈا کے حالیہ دعوتی دورے کے متعلق عرض کرنا چاہوں گا جہاں سے میں اس مرتبہ تقریباً چون دن بسر کر کے ۱۶ اکتوبر کو واپس آیا ہوں۔ میں براعظم شمالی امریکہ کے سفر پر پہلی مرتبہ گزشتہ سال جولائی ۷۹ء میں گیا تھا۔ واپسی پر میں نے اس سفر کی مختصر روداد لکھی تھی جس کی پہلی قسط غالباً جنوری ۱۹۸۰ء کے میثاق میں شائع ہوئی تھی دوسری قسط لکھنے کی عدیم الفرصتی کے باعث نوبت ہی نہیں آئی کہ اگست میں دوسرا دورہ شروع ہو گیا۔ میں نے پچھلے دورے کی روداد سفر کی پہلی قسط میں ذکر کیا تھا کہ سیر و سفر کا ذوق و شوق میری گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔ اور اللہ کا فضل ہے کہ مجھے اس کے بے شمار مواقع ملتے رہے ہیں چنانچہ میں بلا تکلف عرض کرتا ہوں کہ پہلے دورے کے موقع پر میرے ذہن پر امریکہ (جو نئی دنیا کہلاتا ہے) کی تہذیب تمدن کے قریبی مشاہدے و مطالعے کا ذوق و شوق دعوتی کام پر غالب تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ سفر صحیح معلومات کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں عبر و بصائر کے حصول کیلئے سیروا فی الارض فرمایا گیا ہے۔ میں نے گذشتہ جمعہ کو مسجد دار السلام میں اپنی تقریر میں عرض کیا تھا کہ عربی زبان میں "س۔ف۔ر" کا سہ حرفی مادہ بڑا عجیب ہے۔ اسی سے سَفَرٌ بنتا ہے۔ جس کے معنی امام راغب نے "کشف الغطاء" بیان کئے ہیں۔ یعنی پردے ہٹیں اور اصل حقائق منکشف ہوں۔ زمین میں گھومنے پھرنے کو سفر اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے ذریعے مشاہدات کا موقع ملتا ہے۔ معلومات کا دائرہ وسیع ہوتا ہے، بسا اوقات نئے حقائق کا انکشاف ہوتا ہے اور عبر و بصائر حاصل ہوتے ہیں۔ پھر اسی مادے سے سِفر بنتا ہے۔ جس کے معنی "کتاب" ہوتے ہیں اور اس کی جمع اَسْفَار آتی ہے۔ جیسے سورہ جمعہ میں آیا "مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ

لہ جن لوگوں کو حامل تورات بنایا گیا تھا۔ مگر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا، ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں۔

اَسْفَرَ اَسْتَنَاسُ اَطِّے کتاب بھی چونکہ لاعلمی کے پردوں کو چاک کرکے معلومات کے دائرے کو دسیع کرنے کا سبب بنتی ہے لہٰذا سفر کہلاتی ہے۔ صبح کے روشن ہونے کے لئے بھی اسی مادّے سے فعل اَسْفَرَ آتا ہے۔ جیسے سُورہ المدثر میں فرمایا "وَالصُّبْحِ اِذَا اَسْفَرَ" چونکہ صبح اندھیرے کے پردے کو چاک کرتی اور ماحول کو روشن کرتی ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ امریکہ کے گذشتہ اور موجودہ سال کے دوروں میں مجھے بہت سی نئی معلومات حاصل ہوئیں۔ عربی کی ایک پُرانی کہاوت ہے کہ لَیْسَ الْخَبَرُ کَالْمُعَایَنَۃ فارسی میں محاورہ ہے "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" تو واقعہ یہ ہے کہ دُور بیٹھ کر محض "سمع" کی بنیاد پر امریکہ کے بارے میں ذہن میں جو تصوّرات قائم تھے ان میں سے بعض میں دونوں دوروں کے نتیجے میں تبدیلی آئی ہے۔

امریکہ کی خوشحالی

میں پہلے دورے کے بعد کسی موقع پر اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے یہ عرض کرچکا ہوں کہ امریکہ جانے سے قبل امریکہ کی خوشحالی کا جو کتابی علم حاصل تھا امریکہ کو میں نے اُس سے دس گنا سے بھی زیادہ خوشحال پایا۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے خزانے کی بے شمار دنیوی نعمتوں سے اس خطۂ زمین کو نوازا ہے۔ دنیوی لحاظ سے کسی ایسی نعمت کا تصوّر نہیں کیا جاسکتا جس سے یہ سرزمین مالا مال نہ ہو۔ یہاں بلند و بالا اور برف پوش پہاڑ بھی ہیں اور صحرا و ریگستان بھی۔ یہاں بڑے بڑے دریا بھی ہیں اور متعدد بڑی اور چھوٹی جھیلیں بھی اور آبشار بھی۔ یہاں وسیع ترین مسطح میدانوں کا سلسلہ بھی موجود ہے جن میں اکثر و بیشتر انتہائی شاداب اور زرخیز ہیں۔ جہاں ہر قسم کی اجناس و فواکہات کی کثیر پیداوار ہوتی ہے جس میں سائنٹفک طریقوں سے اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ اجناس کی اتنی بہتات ہوتی ہے کہ نہ صرف اپنے ملک کی ضرورت کے لئے کفایت کرتی ہے بلکہ بہت سے دوسرے ملکوں کو قیمتاً یا بطور امداد دینے کے بعد بھی لاکھوں ٹن غلّہ بچ رہتا ہے جو مختلف طریقوں سے ہر سال ضائع کردیا جاتا ہے۔ یہاں معدنیات کی بھی کثرت ہے۔ لوہا، سونا، چاندی، تانبا اور دوسری اقسام کی دھاتوں کے بڑے بڑے ذخائر موجود ہیں۔ ساتھ ہی کوئلہ، تیل اور دوسرے کیمیکلز کے بھی وافر ذخائر موجود ہیں یہاں مویشیوں کی انتہائی بہتات

ہے اور ان کی افزائش کے سائنٹفک طریقے رائج ہیں۔ غرض کہ ہر چیز کی بہتات ہے اور دولت وخوش حالی کی ریل پیل ہے۔ وہاں تقریباً ہر گھر میں ہر فرد کے لئے نہ صرف کار موجود ہے بلکہ صورتِ حال ایسی نظر آتی ہے کہ اگر کسی گھر میں چار افراد ہیں تو پانچ کاریں موجود ہیں۔ فلک بوس، عمارتوں کا صحیح اور کامل اطلاق میرے نزدیک امریکہ کی عمارتوں پر ہی ہو سکتا ہے۔ صنعت تجارت، ٹیکنالوجی اور آتشی انرجی کے لحاظ سے بھی دنیا کا کوئی دوسرا ملک شاید ہی امریکہ سے ٹکر لے سکے۔

اخلاقی حالت | دولت کی بے نہایت اور بے تحاشہ فراوانی کی وجہ سے جو اخلاقی مفاسد کسی معاشرے میں پیدا ہوتے ہیں، امریکہ بھی ان کی لپیٹ میں آیا ہوا ہے اور وہاں کی عظیم ترین اکثریت مذہبی و رُوحانی اخلاقیات کے اعتبار سے تہی دست اور دیوالیہ نظر آتی ہے۔ حیا سوز مناظر وہاں کے معمولات میں شامل ہیں، عریانی عام ہے۔ عصمت وعفت اور پاکدامنی وہاں سرے سے کوئی قدر ہی نہیں ہے۔ بایں ہمہ اس معاشرے میں تہذیب جدید کی ہوسناکی اور رُوحانی اقدار کی محرومی کے باوصف بہت سے انسانی اخلاقیات مشرقی ممالک کے مقابلے میں کہیں زیادہ پائیدار ہیں۔ وہاں انفرادی زندگی میں دنیوی جدوجہد کی لگن، مستعدی اور فرض شناسی اور۔ اجتماعی زندگی میں شائستگی اور سلیقہ مندی موجود ہے۔ تحقیق وجستجو اور ایجاد واختراع کا انہاک نہ صرف موجود ہے بلکہ عروج پر ہے اپنے ملک کے اجتماعی مفادات، ملکی سلامتی واستحکام سے گہری دلچسپی اور وابستگی موجود ہے۔ تمدنی شعور واحساس (CIVIC SENCE) بھی موجود ہے اور قانون کا احترام بھی۔ پھر میرا تاثر یہ ہے کہ امریکی انگریزوں کی طرح احساس برتری کے شکار نہیں ہیں۔ وہ دوسروں سے الگ تھلگ رہنے کے عادی نہیں بلکہ بہت جلد بے تکلف ہو جاتے ہیں۔ ان کے رویے میں بے اعتنائی نہیں ہوتی۔ البتہ وہ امریکہ کے نیگروز کے معاملے میں ضرورت سے زیادہ سخت ہیں۔ اس کے بھی بہت سے اسباب ہیں۔ جن کا تجزیہ اس مختصر وقت میں ممکن نہیں۔

مذہبی حالت | اسی طرح امریکہ جانے سے قبل میرا تصور یہ تھا کہ امریکی معاشرہ یورپ اور برطانیہ کے مقابلے میں مذہب سے کہیں زیادہ لاتعلق اور دُور ہوگا۔ لیکن مشاہدے نے اس تصور کو غلط ثابت کر دیا۔ میں نے لندن میں دیکھا تھا کہ اتوار کو جو عیسائیوں کے

مذہب میں متبرک اور عبادت کا دن سمجھا جاتا ہے اور اس روز صبح کو وعظ و دُعا کے لئے گرجاؤں میں جانا عیسائیت کا اہم ترین شعار ہے لیکن اُس دن لندن میں بڑے نامی گرامی گرجا بھی خالی ہوتے ہیں۔ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ لندن میں ہر بڑے گرجے کی یہی کیفیت ہے کہ دس پندرہ افراد سے زیادہ حاضری نہیں ہوتی۔ چھوٹے گرجوں کے حال کا اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لندن میں ہر سال گرجاؤں کی کچھ نہ کچھ عمارتیں فروخت ہوتی رہتی ہیں۔ بعض گرجے تو مختلف مسلم اداروں نے خرید کر انہیں اپنا مرکز بنا لیا ہے اور بعض تجارتی مقاصد کی عمارتوں میں منتقل ہو گئے ہیں۔ علاوہ ازیں عیسائیوں کے مذہبی تہوار کرسمس یعنی ۲۵ ردسمبر کو بھی لندن کے گرجوں کا تقریباً یہی حال ہوتا ہے حالانکہ عیسائی دنیا میں کرسمس کا مقام و حیثیت سب کو معلوم ہے ۱۹۷۳ء میں وہاں کے سب سے بڑے گرجا میں مجھے میرے بھائی لے گئے تو وہاں ستر اسّی سے زیادہ لوگ نہیں تھے۔ امریکہ میں میری معلومات کی حد تک معاملہ اس کے برعکس ہے۔ وہاں مذہب کی طرف اچھا خاصا رجحان پایا جاتا ہے۔ اخلاق یا خشگی کے باوجود وہاں کے گرجا یورپ اور برطانیہ کے مقابلے میں بہت زیادہ آباد نظر آتے ہیں۔ امریکہ میں ٹی وی کے ذریعے ان کے اپنے مذہب کے مطابق نہایت اعلیٰ اور معیاری پروگرام پیش ہوتے رہتے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ ان کے ہاں اپنے مذہب کی تعلیم کا ایک موثر نظام موجود ہے۔ وہاں عیسائیت کی دعوت، تبلیغ اور تعلیم کے لئے بڑے زورِ بیان رکھنے والے واعظ اور خطیب موجود ہیں جو انتہائی موثر طرزِ خطابت کی وجہ سے کافی مقبول اور مشہور و معروف ہیں۔ مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ ان واعظین کے مواعظ و خطابات کا بڑے وسیع عریض ہالوں (HALLS) میں انتظام کیا جاتا ہے۔ جن میں داخلے کے لئے معقول رقم کے ٹکٹ رکھے جاتے ہیں اور لوگ جوق در جوق ٹکٹ خرید کر یہ مواعظ سننے کے لئے جمع ہوتے ہیں اور نہایت وقار اور شائستگی کے ساتھ پوری بات سنتے ہیں اور کافی تاثر لے کر اٹھتے ہیں۔ سامعین کی زبانوں پر ان مواعظ کے لئے انتہائی تحسین و تعریف کے کلمات ہوتے ہیں۔ مجھے جب یہ معلومات حاصل ہوئیں تو میرا ذہن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے اس ارشادِ گرامی کی طرف منتقل ہوا کہ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً وَاِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا ۔ " بلاشبہ بعض شعر حکمت سے پُر ہوتے ہیں اور بلاشبہ بعض بیان جادو کا اثر رکھتے ہیں ۔

مذہبی تعصب نہیں ہے میں نے ان دوروں میں ایک خاص بات یہ بھی نوٹ کی کہ وہاں مذہبی تعصب نہیں ہے ۔ بلکہ دوسرے مذاہب کے مطالعے اور اس کے سمجھنے کا رجحان موجود ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آزادیٔ اظہارِ رائے اور حرّیتِ فکر ان کے ہاں بڑی اعلیٰ قدر سمجھی جاتی ہے ۔ یہ ان کے معاشرے کا (CATCH WORD) ہے ۔ وہاں یہ خوبی موجود ہے کہ وہ تمام مذاہب کی بات سننے کے لئے تیار ہیں ۔ قبول کریں یا نہ کریں اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے ۔ اس کا انحصار اس پر ہے کہ آپ اپنی بات کس اسلوب اور کس محکم استدلال کے ساتھ کہتے ہیں ۔ کتنے منظم اور سلیقے اور پُر تاثیر انداز سے پیش کرتے ہیں ۔ آپ کے پیغام اور دعوت کی پشت پر آپ کی سیرت و کردار اور آپکے اعمال و افعال کی قوت کتنی ہے ! کامیابی کے عوامل (FACTORS) دوسرے ہیں ۔ لیکن وہاں کسی مذہب کی دعوت و پیغام پیش کرنے پر کوئی قدغن نہیں ہے ۔ وہاں ریڈیو اور ٹیلی ویژن اسٹیشن حکومت کی گرفت سے بالکل آزاد ہیں ۔ ریڈیو اور ٹی وی کے بے شمار نجی ادارے موجود ہیں ۔ ان کے ذریعہ جو چاہے مقررہ وقت کی معینہ قیمت ادا کرکے اپنا پروگرام پیش کرسکتا ہے ۔ میں نے وہاں چند ٹیلی ویژن پروگرام دیکھے ہیں ۔ یہودیوں کے بھی ، عیسائیوں کے بھی اور کالے مسلمانوں کے بھی[1]

ظہورِ مسیح کا انتظار یہودی اپنے پروگراموں میں مختلف اسالیب و انداز بڑی شدّ و مدّ اور دلائل کے ساتھ یہ کہہ رہے ہیں کہ " مسیح کے ظہور کا وقت آگیا ہے ۔ " (THE MESSIHA IS COMING) یہ اس وقت یہودیوں کا خاص موضوع (MAIN THEME) ہے کہ ظہورِ مسیح کا وقت دور نہیں ہے ۔ یہی موضوع

---

[1] معلوم ہوا ہے کہ ریڈیو پر وقت لے کر ڈاکٹر صاحب کے دروسِ قرآن حکیم کے کئی کیسٹ نشر کرنے کا وہاں کے کارکنان انتظام کرچکے ہیں ۔ (مرتب)

عیسائیوں نے دوسرے انداز سے اپنایا ہوا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ "بادشاہ (مراد ہیں حضرت مسیحؑ) آرہا ہے" (THE KING IS COMING) اسی کے STICKER ان کی کاروں پر لگے ہوئے ہوتے ہیں گویا کہ یہودی اور عیسائی دونوں ہی ظہورِ مسیح کے قائل اور منتظر ہیں۔ ہمارے دینِ اسلام میں تو "نزول مسیح" کا عقیدہ مسلمہ عقائد میں شامل ہے ہی ۔۔ اصل بات یہ ہے کہ یہودیت، عیسائیت اور اسلام "تینوں مذاہب "ابراہیمی مذاہب" کہلاتے ہیں۔ ان کے بنیاد نبوت و رسالت اور وحی آسمانی پر قائم ہے۔ یعنی ان کا اصل منبع علم (SOURCE OF KNOWLEDGE) ایک ہی ہے۔ لہٰذا ان مذاہب کی کتب سماوی میں مطابقت اور قدرِ مشترک ہونی لازمی ہے۔ جو خرابی پیدا ہوئی وہ یہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی اپنی آسمانی کتب میں لفظی اور معنوی دونوں اقسام کی تحریفات کر دی ہیں حضرت مسیح علیہ السلام اور نبی آخر زماں، رسول کامل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیاں تورات اور یہودیوں کے دوسرے آسمانی صحیفوں میں موجود تھیں ان ظالموں نے ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی پیش گوئیاں یا تو حذف کر دیں یا ان میں تحریف کر دی اور جب حضرت مسیحؑ مبعوث ہوئے تو ان بدبختوں نے ان کی رسالت پر ایمان لانے سے انکار کر دیا اور آں جنابؑ کے انصار و اعوان بننے کے بجائے ان کے دشمن بن گئے اور ان کور چشموں نے اپنی دانست میں آں جنابؑ کو صلیب پر چڑھوا کر ہی دم لیا۔ چنانچہ یہ یہودی "ظہورِ مسیح" کے منتظر ہیں ۔ پھر یہ یہودی حسد اور نسلی تعصب کی بنا پر، نبی اکرمؐ کو پہچاننے کے باوجود دولت ایمان سے محروم رہے۔

ہمارے عقیدے کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کا ورود مسعود ہو چکا ہے اور آں جنابؑ کو اللہ تعالیٰ نے صحیح و سلامت اور زندہ یعنی پورے جسد انسانی کے ساتھ آسمان پر اٹھا لیا بمطابق بفحوائے الفاظ قرآنی: وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ اور وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا - اور بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ (النساء) اور إِذْ قَالَ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ (آل عمران)

ہمارے مسلمہ عقائد کے مطابق ان ہی حضرت مسیحؑ کا نزول ہوگا اور آں جنابؑ زندہ و سلامت بنفسِ نفیس آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ سید المرسلین خاتم النبیین

۵ لیکن آں جناب کا یہ نزول اور دنیا میں یہ ورود ثانی

جنابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کی حیثیت سے ہوگا - وہ یہودیوں کے نجات دہندہ کی حیثیت سے تشریف نہیں لائیں گے بلکہ وہ عذابِ الٰہی کا کوڑا بن کر ان یہودیوں کی پیٹھ پر برسیں گے ان کے ہاتھوں ہی یہودیوں کو عذاب استیصال کا مزا چکھایا جائے گا جو ان قوموں کے باب میں اللہ تعالیٰ کی سنت رہی ہے جن کی طرف رسولوں کی براہ راست بعثت ہوتی ہے اور وہ رسول کے انکار کی پاداش میں ہلاک کر دی جاتی ہیں جیسے قوم نوحؑ، قوم لوطؑ قوم صالحؑ اور قوم شعیبؑ عذابِ استیصال کے ذریعے ہلاک و برباد کر دی گئیں - دوسری طرف عیسائی بھی ظہورِ مسیح کے منتظر ہیں ان کا بھی خاص موضوع (MAIN THEME) یہی ہے کہ THE KING IS COMING

یعنی آسمانی بادشاہت آنے والی ہے! وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو شخص مصلوب کیا گیا تھا وہ نعوذ باللہ بذاتِ خود حضرت مسیحؑ تھے - صلیب دیتے جانے کے بعد ان کی نعش ایک غار میں قبر میں رکھی گئی تھی لیکن وہ زندہ ہو گئے اور زندہ ہو کر اپنے بعض حوارین سے ملے بھی پھر ان ہی کی آنکھوں کے سامنے ان کو زندہ ان کے جسد کے ساتھ آسمان پر اٹھا لیا گیا - وہ یعنی مسیح دوبارہ نازل ہوں گے اور دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ بن جائے گی اور جس طرح آسمان پر باپ کی مرضی پوری ہوتی ہے اُسی طرح بیٹے کی مرضی زمین پر پوری ہوگی - اسی کو وہ آسمانی بادشاہت قرار دیتے ہیں - یہودی حضرت مسیحؑ اور نبی اکرمؐ کی بعثت کے منتظر تھے اس کا ثبوت موجودہ تحریف شدہ اناجیل اربعہ سے بھی ملتا ہے - متی، لوقا، مرقس اور یوحنا ان چاروں میں یہ بات موجود ہے کہ حضرت مسیح کی بعثت سے متصلاً قبل جب حضرتِ یحییٰ علیہ السلام نے جو حضرت عیسیٰؑ سے چھ مہینے بڑے تھے، انہوںؑ نے یہودیوں کو اصلاح حال کی دعوت اور توبہ کی منادی دینی شروع کی تو انؑ سے یہودی علماء نے آکر پوچھا "کیا تم مسیح ہو؟" یعنی یہودی مسیح کے منتظر تھے - حضرت یحییٰؑ نے نفی میں جواب دیا تو انہوں نے دوسرا سوال یہ کیا کہ "کیا تم ایلیاہ ہو؟" - حضرت الیاسؑ کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ کہیں روپوش ہو گئے تھے - اس پر بھی آں جنابؑ نے نفی میں جواب دیا - پھر انہوں نے تیسرا سوال یہ کیا کہ "کیا تم وہ نبی ہو؟" یہاں صرف اسم ضمیر "وہ" استعمال ہوا ہے - یعنی تشریف

لانے والی یہ شخصیتِ مبارکہ اتنی معروف تھی کہ صرف اسمِ ضمیر ہی سے ذہن ان کی جانب منتقل ہو جاتا تھا۔ حضرت یحییٰؑ نے اس کا بھی نفی میں جواب دیا۔ یہ "وہ نبی" کون ہیں؟ تو یہ ہیں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن وائے افسوس کہ جب "وہ نبی" مبعوث ہوتے اور ان کا ظہور قدسی ہوا تو یہودیوں کے ساتھ عیسائی بھی دولت ایمان سے محروم رہ گئے۔ حالانکہ یہ بات صراحت کے ساتھ ان اناجیل میں آج بھی موجود ہے جن پر وہ ایمان رکھتے ہیں۔

آزادئ اظہار خیال کی ایک اور مثال

میں یہ بات کہہ رہا تھا کہ امریکہ میں تعصب نہیں ہے اور اظہار رائے وخیال کی پوری آزادی ہے۔ اسی گفتگو میں ضمن طور پر ظہور مسیح یا نزول مسیح کا مسئلہ زیر بحث آگیا۔ امریکہ میں کتنی لچک ہے اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگائیے کہ وہاں یہودی فلم ساز حضرت مسیح کی زندگی پر SON OF THE MAN کے نام سے فلم بناتے ہیں۔ سوچئے کہ اس ملک میں جہاں عیسائیوں کی پچاسی فیصد سے بھی زیادہ آبادی ہے جس کا عقیدہ ہے کہ مسیح ابن اللہ (SON OF GOD) ہیں وہاں یہودی SON OF THE MAN کے نام سے حضرت مسیح پر فلم بناتے ہیں جو چلتی ہے۔ لیکن کوئی شور وغوغا نہیں۔ ٹھیک ہے ان کا نقطۂ نظر (VIEW) سننے کے لئے تیار ہیں لیکن اپنا جو عقیدہ ہے وہ بھی برقرار ہے۔ یہ ہے امریکہ میں آزادی اظہار رائے اور حریت فکر کا عالم۔

قوم پرستی (نیشلزم) نہیں ہے

امریکہ کے سلسلے میں ایک اور اچھی بات مشاہدے میں یہ آئی کہ وہاں کوئی مضبوط قومی عصبیت اور تعصب (STRONG NATIONALISM) نہیں ہے۔ وہاں اگر نیشلزم ایک نسل یا ایک زبان بولنے والوں کی بنیاد پر ہوتا تو یہ بھی کسی دعوت کے لئے بہت بڑی رکاوٹ (HURDLE) بن جاتا۔ لیکن امریکہ یک قوم، ایک نسل اور ایک زبان بولنے والوں کا ملک ہے ہی نہیں۔ وہ پورا ملک نقل وطن کرنے والوں (IMMIGRANTS) پر مشتمل ہے۔ وہاں حال یہ ہے کہ

کوئی آج سے تین چار سو یا ایک دو سو سال قبل ترک وطن کر کے وہاں آباد ہوا اور کوئی پچاس، چالیس، تیس یا اس سے بھی کم مدت قبل وہاں آیا ہے۔ اس سے زیادہ فرق کچھ نہیں ہے۔ پھر آنے والے بھی کسی ایک ہی ملک سے نہیں آئے بلکہ کوئی کسی ایک ملک سے آیا تو دوسرا کسی دوسرے ملک سے۔ اسی لئے وہاں انگریزی زبان بولنے والے بھی ہیں اسپینی اور فرنچ زبان بولنے والے بھی۔ اس لحاظ سے امریکہ کی سوسائٹی ایک COSMOPOLITAN سوسائٹی ہے۔ لہذا وہاں کوئی ایسا نسلی، قومی اور لسانی تعصب نہیں ہے جو کسی معاشرے میں دعوت و تبلیغ کے لئے ایک ایسی فصیل بن جاتا ہے جس میں شگاف پیدا کرنا آسان کام نہیں۔

دعوت دین کے مواقع

دریں حالات میرا گہرا تاثر یہ ہے کہ امریکہ میں دعوت و تبلیغ کے بڑے مواقع ہیں لیکن اظہار واقعہ کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ اس کے ساتھ ہی میرا یہ بھی تاثر ہے کہ بدقسمتی سے وہاں تا حال دعوت و تبلیغ دین کا کوئی ایسا منظم ادارہ موجود نہیں ہے جو خالصتاً صحیح نہج پر یہ کام انجام دے رہا ہو۔ وہاں فی الوقت جو مسلم ادارے موجود ہیں، ان کے روابط کسی نہ کسی طور پر اپنے ملکوں کی مختلف نیم سیاسی نیم مذہبی تنظیموں اور جماعتوں سے یا حکمرانوں سے قائم ہیں۔ لہذا وہاں بھی تحزب موجود ہے اور باہمی تعاون واشتراک کا فقدان ہے اور اگر ہے بھی تو بہت کمزور ہے۔ پھر جو لوگ پاکستان یا ہندوستان سے نقل مکانی کر کے وہاں کی شہریت حاصل کر کے وہاں آباد ہیں یا جو لوگ عارضی طور پر حصول تعلیم یا ملازمت کے لئے وہاں گئے ہیں ان میں اکثریت کا مقصود صرف پیسہ کمانا اور خود کو مالی حیثیت سے مضبوط بنانا ہے۔ ایسے حضرات کے حالات کا میں نے جو مشاہدہ کیا ہے۔ اور اس ضمن میں میرے جو تاثرات ہیں ان کو میں حسب موقع آگے بیان کروں گا۔ اس مرحلے پر میں چاہتا ہوں کہ امریکہ کے کالوں (نیگروز) کا کچھ ذکر کر دوں۔

امریکہ کے کالے

امریکہ میں جو مقامی (LOCALS) لوگ ہیں، ان میں گوری نسل کے لوگوں میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد آٹے میں نمک کی حیثیت سے بھی کم تر ہے۔ البتہ نیگروز میں جو BLACKS کہلاتے

ہیں اور جو امریکہ کی کل آبادی کا تقریباً ۱۲ سے لے کر ۱۵ فیصد تک حصہ ہیں اسلام نے نفوذ کیا ہے اور نیگروز میں سے تقریباً ۱۲ - ۱۵ فیصد افراد اپنے خیال میں اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ان میں بھی زیادہ تر تعداد ان لوگوں کی ہے جو اپنے معاشرے میں کسی بلند اور قابل لحاظ حیثیت کے حامل نہیں ہیں۔ پھر میرا تجزیہ یہ ہے کہ ان کی اسلام کی طرف پیش رفت میں اسلام کی حقیقی تعلیم سے تاثر کم اور گوروں کے خلاف نفرت اور انتقام کا جذبہ زیادہ غالب ہے ان کے انداز فکر میں مثبت جذبہ کم اور عداوت کا عنصر شدید ہے۔ اسی نفرت و عداوت کے جذبے نے ان کالوں کو گوروں کے مذہب سے بھی بڑی حد تک متنفر کر دیا ہے۔ گوروں کے مقابلے میں ان میں اب اپنے کالے ہونے پر شرمندہ ہونے کے بجائے فخر کا جذبہ روز افزوں ہے اور اب ان کا دعویٰ یہ ہے کہ نسل و رنگ کے اعتبار سے ہم کالے گوروں سے کہیں زیادہ افضل ہیں۔ کالوں کا اپنی رنگت اور نسل پر افتخار کے جذبے کی یہ کیفیت جب میرے علم میں آئی تو مجھ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک کی حکمت مزید منکشف ہوئی جو آں حضورؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ:

لیس لعربی علیٰ عجمیٍ فضلٌ ولا لعجمیٍ علیٰ عربیٍ فضلٌ ولا لاَسود علیٰ أبیضٍ فضلٌ ولا لاَبیض علیٰ اسودٍ فضلٌ الّا بالتقویٰ۔	نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر فضیلت ہے اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی گورے کو کالے پر فضیلت ہے۔ بنائے فضیلت صرف تقویٰ ہے۔

عام طور پر گورے کا کالے کے مقابل فخر تو سمجھ میں آتا تھا، لیکن کوئی کالا گورے کے مقابلے میں فخر و غرور میں مبتلا ہو، یہ بات فہم و ادراک کی گرفت میں نہیں آتی تھی۔ لیکن امریکہ کے نیگروز (NEGROES) کے اپنی نسل و رنگ پر افتخار و غرور کا حال معلوم کر کے ان آیاتِ البینہ پر مزید شرح صدر حاصل ہوا کہ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ یعنی حجۃ الوداع میں آنحضورؐ نے جو ارشاد فرمایا وہ الہامی (وحی غیر متلو) تھا۔

کالے مسلمان

ان نیگروں کے اسلام کی طرف رجحان کی داستان بھی بڑی عجیب و غریب ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس میں تلاش حق کا مثبت عنصر کم بلکہ معدوم کے درجے میں تھا البتہ گوروں کے ظلم و تعدی کے سبب ان کا ردِ عمل اتنا شدید تر تھا کہ جس نے ان کو گوروں کے مذہب سے بھی متنفر کر دیا تھا۔ یہ صورتِ حال تھی کہ جس میں ایلجا نامی ایک نیگرو نے اپنے نام کو ایلجا سے علی جاہ محمد میں تبدیل کیا اور ویسے تو اس نے مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا لیکن درحقیقت اس میں بہت سی گمراہیاں جمع ہو گئی تھیں۔ بلکہ گمراہی تو ایک ہلکا لفظ ہے۔ وہ کفر و ضلالت کی اس حد تک پہنچ گیا تھا جسے ضَلَّ ضَلَالاً بَعِيدًا ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ وہ نبوت ہی کا نہیں بلکہ الوہیت تک کا دعویدار تھا۔ وہ خود کو خدا کا اوتار بھی کہتا تھا۔ اس نے مسلم دنیا کی ہمدردیاں حاصل کرنے اور ان سے روابط قائم کرنے کے لئے خود کو مسلم کہلانے کا ڈھونگ رچایا تھا۔ اور اپنے پیروں کو وہ کالے مسلمان (BLACK MUSLIM) کہلاتا تھا لیکن درحقیقت وہ ایک نئے اور پر اسرار قسم کے مذہب کا بانی تھا۔ جس میں اسلامی عقائد اور عبادات و شعائر کا دور دور پتہ نہیں تھا۔ وہ خود اور اُس کے پیرو نماز تک کے نام سے ناواقف تھے۔ انہوں نے جن مقامات کو مسجد قرار دیا تھا، وہ دراصل مسجدیں نہیں تھیں بلکہ ان کے کلب اور اڈے تھے جہاں کرسیاں بچھی ہوتی تھیں اور وہ مختلف اوقات میں وہاں جمع ہوتے تھے اور اپنے مذموم خیالات کی ترویج کے منصوبوں پر غور کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت جب چاہتی ہے شر میں سے خیر پیدا فرما دیتی ہے۔ کالے چونکہ افریقی النسل تھے اس لئے فطری طور پر ان میں اپنے قدیم وطن سے ایک تعلقِ خاطر تھا جس کے نتیجے میں علی جاہ کے پیروؤں میں سے بعض لوگوں کے وہاں کے لوگوں سے روابط پیدا ہوئے اور چونکہ شمالی افریقہ کی آبادی میں مسلمانوں کی عظیم اکثریت ہے جن میں بحمد اللہ صحیح العقیدہ مسلمانوں کا غالب عنصر ہے۔ اور وسطی و جنوبی افریقہ میں مختلف مسلم ممالک کے تبلیغی اداروں کی وجہ سے اسلام پھیل رہا ہے لہٰذا ان روابط کے ذریعے علی جاہ کے پیروں کو صحیح اسلام کے سمجھنے کے مواقع میسر آئے اور جب امریکہ کے ان کالوں نے اسلام اور مسلمانوں کو قریب سے دیکھا تو اثر بھی قبول کیا اور بہت سے لوگوں نے باقاعدہ صحیح اسلام کو اختیار بھی کیا۔

جس میں مالکم ایکس کی ایک نمایاں شخصیت تھی۔ جس نے حجاز کا بھی دورہ کیا تھا اور وہ صحیح معنوں میں حلقہ بگوش اسلام ہوگیا تھا۔ وہ بہت ہی جاذب نظر پُروقار اور پُراثر شخصیت تھا۔ اس لئے اس کا امکان تھا کہ اس کی دعوت و تبلیغ اور سعی و جہد سے امریکی نیگروز میں صحیح اسلام نفوذ کرے گا لہٰذا اس کو راہ سے ہٹا دیا گیا اور سازشوں نے اس کو قتل کرا دیا۔ ابھی تک یہ عقدہ نہیں کھل سکا کہ اس کے پیچھے علی جاہ کے لوگوں کا ہاتھ تھا یا امریکہ کے عیسائیوں میں سے کسی متعصب گروہ کا۔

بلالی مسلمان

علی جاہ کے انتقال کے بعد ان کے ایک بیٹے والس محمد کے ہاتھ میں اپنے فرقے کی قیادت آئی۔ والس محمد ایک صاحب علم شخصیت ہیں، انہوں نے مشرق وسطیٰ کا کئی بار دورہ بھی کیا ہے اور جامع الازھر قاہرہ سے علمی استفادہ بھی کیا ہے۔ باپ کی زندگی ہی میں ان کا میلان و رجحان صحیح اسلامی تعلیمات کی طرف منعطف ہو چکا تھا۔ جس کی وجہ سے باپ ان سے ناخوش بھی تھا۔ لیکن چونکہ والس محمد اپنے فرقے میں مقبول و محبوب تھے اس لئے قیادت ان کے ہاتھ میں آئی۔ پچھلے سال تک ان کا نام والس محمد تھا۔ اس سال جب میں وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنا نام والس محمد سے وارث الدین محمد رکھ لیا ہے اور اپنے معتقدین کے لئے جنہوں نے اپنا نام 'کالے مسلمان' (BLACK MUSLIMS) رکھ چھوڑا تھا اب ان کے لئے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی نسبت سے بلالی مسلمان نام تجویز کیا گیا ہے۔ چنانچہ اب یہ لوگ خود کو 'بلالی مسلمان' کہلواتے ہیں۔ وارث الدین محمد پر سعودی عرب نے بھی خاصی محنت کی ہے۔ ان کو سرکاری مہمان (STATE GUEST) کی حیثیت سے حجاز میں کچھ عرصے رکھا ہے اور وہاں ان کو صحیح اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے کی سعی بلیغ کی ہے۔ مزید برآں چند سالوں سے سعودی حکومت اس کمیونٹی کے افراد کو تقریباً تین تین سو کی تعداد میں ہر سال اپنے خرچ پر حج پر بلاتی ہے، اپنا مہمان رکھتی ہے اور ان کو اسلام کی صحیح تعلیمات سے واقفیت بہم پہنچانے کی حتی الامکان کوشش کرتی ہے۔

خوشگوار تبدیلی

ان تمام عوامل نے مل کر الحمدللہ ان میں ایک خوشگوار تبدیلی پیدا کی ہے۔ شکاگو میں ان کا مرکز ہے اور امریکہ کے

متعدد شہروں میں ان کے ذیلی مراکز قائم ہیں - یہی مراکز ان کی مساجد بھی ہیں - اور جماعت کی مذہبی اور اجتماعی سرگرمیوں کے سنٹر بھی - اب ان میں باقاعدہ پنج وقتہ نماز باجماعت کا اہتمام ہوتا ہے - اب نقشے بدلے ہوئے ہیں - عقیدے اور عمل کے لحاظ سے ان کا رخ صحیح اسلام کی طرف مڑ رہا ہے - ان بلالیوں نے تبلیغ کا ایک باقاعدہ اور مضبوط نظم قائم کیا ہوا ہے - ان کی طرف سے ہر ہفتہ ٹیلی ویژن پر اپنی دعوت پیش کرنے کا انتظام ہوتا ہے - اس ضمن میں ہر ہفتے ان کو بڑی معقول رقم ٹی - وی والوں کو ادا کرنی ہوتی ہے - وارث الدین محمد ٹی وی پر "محمد بات کرتے ہیں" (MUHAMMAD IS SPEAKING) کے عنوان سے تقریر کرتے ہیں - ان کا "بلالین نیوز" کے نام سے ایک ہفتہ وار رسالہ بھی شائع ہوتا ہے - ان لوگوں میں اور نمایاں تبدیلی یہ بھی آئی ہے کہ پہلے یہ دنیا کے تمام گوروں کے خلاف نفرت میں مبتلا تھے چونکہ ان کی اپنی تعریف کے مطابق حبشیوں اور نیگروں کے علاوہ دوسرے تمام لوگ "گورے" کے ذیل آتے تھے - اب اس نفرت میں کمی آ رہی ہے اور ان کے نزدیک "امریکی گورے" ہی قابل نفرت ہیں۔

بلالیوں کے ایک ذیلی مرکز کا دورہ

پچھلے سال بھی اور اس سال بھی میں نے ان کے بالٹی مور کے ذیلی مرکز کو دیکھا تھا - وہاں اجتماع جمعہ سے انگریزی میں خطاب بھی کیا تھا اور نماز جمعہ بھی پڑھائی تھی انگریزی میں درس قرآن بھی دیا تھا - آئندہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا اور امریکہ جانا ہوا تو شکاگو میں ان کے مرکز جانے اور وارث الدین محمد سے ملاقات کرنے کا بھی ارادہ ہے۔

دوسرے کالے مسلمان

وارث الدین محمد کے معتقدین یعنی "بلالی مسلمان" کے علاوہ ایک چھوٹی سی جماعت ان کالے مسلمانوں کی بھی ہے جنہوں نے صحیح اسلام کو باقاعدہ طور پر قبول کیا ہے - ان کے حالات بہت اچھے ہیں اور ان کا دینی جذبہ اور اسلامی عقائد و اعمال سے ان کی گہری وابستگی بہت سے مشرقی ممالک کے نسلی مسلمانوں کے مقابلے میں کہیں بہتر ہے - یہ لوگ بلالی مسلمانوں کو صحیح مسلمان نہیں سمجھتے اور علی جاہ کے اصل افکار کے پیش نظر ان کا یہ سمجھنا بالکل

درست ہے۔ لیکن اب جبکہ وارث الدین محمد کے عقائد اور افکار و نظریات میں نمایاں تبدیلی آچکی ہے وہ خود بھی صحیح اسلام سے قریب ہو رہے ہیں اور اپنے معتقدین کو بھی اس راہ پر لانے کی کوشش کر رہے ہیں تو اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ان دونوں فریقوں میں مفاہمت ہو جائے۔ یہ مفاہمت امریکہ میں نیگروز میں اسلام کے فروغ کے لئے ان شاءاللہ مفید ثابت ہوگی۔

ان نومسلموں کی دینی حس

میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ امریکہ کے نیگرو مسلمانوں میں اسلامی عقائد و اعمال سے وابستگی اور تعلق ہمارے مشرقی ممالک کے نسلی مسلمانوں کے مقابلے میں کہیں بہتر ہے۔ اس بات کا صحیح اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ ان نیگرو مسلمانوں میں جن میں 'بلالی' بھی شامل ہیں۔ امریکہ جیسے ملک میں جہاں بے حجابی اور نیم عریانی ہی نہیں بلکہ کامل عریانی عین تہذیب ہے، اپنی خواتین کو مستور رکھنے کا پورا اہتمام ہے۔ چہرے کا پردہ نہیں ہے لیکن باقی جو ستر ہے وہ پورا ڈھکا ہوتا ہے اور ان کی خواتین اپنے لباس کے اوپر ایک OVER _ ALL قسم کا کوٹ پہنتی ہیں۔ ان کے مقابلے میں پاکستانی خواتین میں سے کچھ تو بالکلیہ امریکی تہذیب و تمدن کے رنگ میں رنگ گئی ہیں۔ ان کے لباس اور امریکی عورت کے لباس میں سرِمو فرق نہیں ہے۔ بقیہ خواتین میں سے بھی عظیم اکثریت کا یہ حال یہ ہے کہ وہ ساڑھیاں اور بلاوز پہنے بازاروں میں گھومتی ہیں جس میں ان کی کمریں بھی ننگی اور پیٹ بھی ننگے ہوتے ہیں۔ اور ان کے پستان کسے کساتے اور ابل پڑنے کو تیار ۔ جو خواتین کرتا یا قمیص اور شلوار استعمال کرتی ہیں تو ان کا بالائی لباس اتنا تنگ ہوتا ہے کہ تمام نشیب و فراز واضح ہوتے ہیں اور گلا کھلا اور پستان نیم عریاں ۔ استغفراللہ یہ نمونہ ہے جو اسلامی مملکت کہلانے والے پاکستان کی مسلمان خواتین وہاں پیش کرتی ہیں۔ پھر غضب یہ ہے کہ یہ خواتین اسی لباس میں مساجد میں بھی پہنچتی ہیں۔ ثم استغفراللہ میں نے اپنی طبیعت پر جبر کر کے اس شرمناک صورتِ حال کا تذکرہ کیا ہے چونکہ جب تک تصویر کا حقیقی اور صحیح رُخ پیش نہ کیا جائے بات کی اہمیت واضح نہیں ہوتی ۔ وہاں کے نومسلم انتہائی دکھ کے ساتھ ان باتوں پر اعتراض اور نکیر کرتے ہیں اور درست کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ

"تم کیسے مسلمان ہو؟ تمہاری عورتیں اپنے لباس سے قطعی مسلمان خواتین نظر نہیں آتیں ان کے اور ہندو خواتین کے پہناوے میں ہمیں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ جن خاندانوں کی یہ خواتین ہیں ان کے متعلق ہمیں بتایا جاتا ہے کہ وہ پشتنی مسلمان ہیں، ان میں کوئی سید زادہ ہے تو کوئی پیرزادہ۔ لیکن ان میں سے اکثر و بیشتر کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے ظاہر اور رہن سہن سے کسی طور پر بھی مسلمان دکھائی نہیں دیتے"۔ یہ ہے ان کا شدید ردعمل۔ جو میرے علم میں آیا۔ گویا ہمارے لوگوں کی عظیم اکثریت اپنے اس طرزِ عمل سے وہاں کے نومسلموں کو بدظن کرنے کا باعث بن رہی ہے اور تبلیغ و فروغ اسلام کے بجائے اس راہ کا سنگ گراں ثابت ہو رہی ہے۔ اللہ تعالےٰ توفیق دے کہ ہمارے بھائی اس روش کی اصلاح کریں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ دنیا میں بھی رسوا ہو رہے ہیں اور آخرت میں بھی ان کے نصیب میں رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔

اَللّٰھُمَّ نَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔

یہودیوں کی مذہبی حالت

یہودی دنیا کے جس خطے میں بھی جا کر آباد ہوئے ہیں وہاں انہوں نے خود کو بالکل گم نہیں کیا بلکہ بہت بڑی حد تک انہوں نے اپنا تشخص برقرار رکھا ہے۔ اُن میں جن لوگوں پر اپنے مذہب کا شدید غلبہ ہے جو ORTHODOX یہودی کہلاتے ہیں وہ اپنی وضع قطع اور رہن سہن میں اپنے مذہبی اور قومی شعائر اور روایات کی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔ مجھے امریکہ کے جن شہروں میں جانے کا اتفاق ہوا وہاں میں نے ایسے یہودی دیکھے جن کو دیکھ کر یہ گمان ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان چلا آ رہا ہے وہی شرع کے مطابق ڈاڑھی، اُسی طرح کا انداز۔ وہ لمبا کوٹ پہنتے ہیں، ان کی پتلون بھی ڈھیلی ڈھالی اور ٹخنوں سے خاصی اونچی ہوتی ہے۔ گویا وہاں اگر کوئی مسلمان اپنے شعائر کو اختیار کرنا چاہے تو جس نہج پر وہ اپنا لباس بنائے گا۔ ہوبہو پابندِ مذہب یہودی وہاں ایسا ہی لباس پہنتے ہیں۔ خنزیر اسلامی شریعت کی طرح موسوی شریعت میں بھی حرام ہے یہی معاملہ 'ذبیحہ' کا ہے۔ یعنی جو جانور اسلامی طریق پر ذبح نہ ہوا ہو اس کا گوشت حرام ہے۔ یہود بھی 'ذبیحہ' کو لازم سمجھتے ہیں۔ لیکن انتہائی دُکھ کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ یورپ اور امریکہ جانے والے

ہمارے مسلمان بھائیوں میں سے بہت سے اس معاملے میں مجرمانہ حد تک بے پروائی برتتے ہیں۔ لیکن اس معاملے میں یہودیوں کی مذہبی حس قابل رشک ہے۔ چنانچہ امریکہ اور یورپ میں یہودیوں کی کوشش سے ان کے لئے ذبیحہ کا انتظام موجود ہے۔ امریکہ، برطانیہ اور یورپ کے اکثر ممالک میں آپ کو بہ آسانی کوشر میٹ یعنی یہودیوں کا ذبیحہ مل جائے گا۔ میں تو حیران ہوا ہوں کہ آپ کسی بھی ہوائی کمپنی کی سروس کے جہاز سے سفر کریں اور آڈر دیں کہ مجھے ذبیحہ (کوشر میٹ) چاہیئے تو آپ کو AIR TIGHT پیکٹ میں یہ کھانا مل جائے گا اور ہر پیکٹ پر یہ سرٹیفکیٹ موجود ہوگا کہ "یہ کوشر میٹ ہے۔" اس میں جو برتن ہیں وہ پہلی مرتبہ استعمال ہوئے ہیں، اس کھانے کو خنزیر کی کوئی ہوا بھی نہیں لگی ہے اور اس میں نباتاتی چکنائی استعمال ہوتی ہے؛ یہ ہے یہودیوں کے غلبے اور اثر کا عالم! انتہائی اقلیت میں ہوتے ہوئے بھی انہوں نے اپنے مذہب کی باتیں منوالی ہیں۔

امریکی معاشرے پر یہودیوں کے اثرات

امریکہ میں یہودیوں کی کل تعداد وہاں کی آبادی کے لحاظ سے زیادہ سے زیادہ پانچ فیصد ہے۔ لیکن چونکہ یہ ایک منظم قوم ہے اور اس میں اپنی تاریخ کے دورِ قدیم کے عروج کی تجدید و احیاء کا جذبہ بھی انتہائی شدید ہے۔ سرزمینِ فلسطین پر "اسرائیل" کے نام سے ان کی ایک ریاست قائم ہو جانے کی وجہ سے ان کے حوصلے بھی بلند ہیں۔ پھر ذہنی اعتبار سے یہ قوم بڑی فطین، تعلیم یافتہ بلکہ انتہائی کیاد و عیار اور سازشی قوم ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس کی گھٹی اور ذہنیت میں بنیا پن بھی رچا بسا ہے لہذا دولت و سرمایہ کے لحاظ سے بھی یہ قوم ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ لہٰذا اتنی قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود امریکی معاشرے میں یہودیوں کی گرفت (HOLD) بہت مضبوط ہے اور اس وقت امریکہ کو یہودی قوم کے لئے درحقیقت ایک بنیاد (BASE) کا مقام حاصل ہے، جہاں سے اس قوم کے سازشی ذہن کی کرشمہ سازیوں کی ترویج اور ان کے عزائم کی تکمیل ہو رہی ہے۔ اور جیسا کہ میں اپنی تقریر کے اس حصے میں جو پندرھویں صدی کے آغاز سے متعلق تھا عرض کر چکا ہوں

کہ آج دنیا جس عریانی، فحاشی، جنسی بے راہ روی اور قمار بازی کی لعنتوں گرفتار ہے اس میں بہت بڑا حصہ یہودی دانشوروں اور سرمایہ کاروں کا ہے۔ یورپ کے متعدد ممالک اور خاص طور پر امریکہ میں ذرائع ابلاغ یعنی اخبارات و رسائل، لٹریچر کی نشر و اشاعت، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور فلمی صنعت پر زیادہ تر یہودیوں کا قبضہ ہے۔ یہی کیفیت بڑی بڑی صنعتوں اور بینک کاری کی ہے، جس کے مراکز امریکہ ہی میں نہیں بلکہ یورپ، ایشیا اور افریقہ تک وسیع ہیں دنیا میں عالمگیر وسعت اور شہرت رکھنے والے صنعتی و تجارتی اداروں اور بینکوں میں گنتی کے ایسے ادارے اور بینک ہوں گے جہاں یہودیوں کا سرمایہ لگا ہوا نہ ہو۔ یا کلیدی آسامیوں (KEY POSTS) پر وہ فائز نہ ہوں۔ امریکہ میں ان کے نفوذ کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی سرمایہ کاری کی وجہ سے ایوانِ حکومت پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ حکومت میں کئی اہم کلیدی مناصب ان کے پاس ہیں۔ سود خوری ان یہود کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ اقساط پر مکان اور دیگر سامان جس میں کاریں، فرج، ٹیلی ویژن فرنیچر، قالین ہی نہیں بلکہ ہر قسم کی گھریلو چیزیں شامل ہیں فروخت کرنے کے جتنے ادارے امریکہ میں کام کر رہے ہیں۔ ان میں سے اکثر یہودیوں کے کنٹرول میں ہیں اور بعض میں انہوں نے سرمایہ کاری کی ہوئی ہے۔ ذرائع ابلاغ پر قابض ہونے کی وجہ سے یہودی فکر عالمی رائے پر کافی اثر انداز ہوتا ہے۔ غرض کہ یہودی اپنی ذہانت و فطانت اور سرمایہ کاری کی وجہ سے امریکہ کی دونوں سیاسی پارٹیوں (ریپبلکن اور ڈیموکریٹک) میں موثر رسوخ و نفوذ رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ان پارٹیوں میں سے جو پارٹی بھی برسرِ اقتدار آتی ہے، وہ امریکہ ہی میں نہیں پوری دنیا میں یہودیوں کے مفادات کی محافظت کو پیشِ نظر رکھتی ہے اور ان کی پشت پناہ بنی رہتی ہے۔ لیکن ہر عمل کا ایک ردِّ عمل بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ امریکہ کے عوام کے ایک باشعور حلقے میں یہودیوں کے اس اثر، رسوخ اور نفوذ کے خلاف ایک ردِّ عمل پیدا ہو چکا ہے۔ جس کے کچھ شواہد میرے علم میں آتے ہیں۔ جن کو اختصار کے ساتھ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ (جاری ہے)

اسلام کی پندرھویں صدی

موقر دینی ماہنامہ الفرقان لکھنؤ (بھارت) کے شمارے میں مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی خلف حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کے قلم سے مندرجہ بالا عنوان پر جو مضمون شائع ہوا تھا وہ قارئین میثاق کے استفادہ کے لیے پیش ہے (مرتب)

سنہ ہجری اسلامی نے سو سال کا سفر اور طے کر لیا - اب وہ پندرھویں صدی میں گامزن ہے اور چودھویں صدی کا ورق اُلٹ گیا -

ان الفاظ یا ان جیسے الفاظ کو بولنے یا لکھنے سے یہ بات از خود ظاہر ہو رہی ہے کہ ہجری صدی کی یہ تبدیلی کوئی پہلی بار نہیں ہو رہی ہے بلکہ یہ واقعہ اس سے پہلے تیرہ مرتبہ اور ہو چکا ہے - کیا ان تیرہ میں سے ایک مرتبہ بھی یہ غلغلہ کبھی بلند ہوا کہ صدی بدل رہی ہے، اسلامی تاریخ نے ہجرت نبوی کے یادگار سفر سے سو سال آگے کا سفر اور طے کر لیا - اس لئے لوگ جشن منائیں اور جشن کے رسوم و آداب عمل میں لائیں ؟

تیرہ صدیوں کی پوری تاریخ پر نظر ڈالئے - پہلی صدی جب تکمیل کو پہنچ کر دوسری کے لئے راہ کھول رہی تھی تو یہ وقت عالم اسلام کے لئے بے حد فرحت و سرور اور شکر و مسرت کا وقت تھا - خلافت راشدہ کی تابناک وایمان افروز یادوں پر ملوکانہ خلافت کے اطوار نے جو دل گرفتہ و رنجور کرنے والے سائے ڈال دیے تھے، عین پہلی صدی کے اختتام (۹۹ھ) میں اس تاریک مطلع پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کی خلافت کی شکل میں، خلافت راشدہ کی تابانیاں پھر سے نمودار ہوئیں اور دوسری صدی ہجری کا آغاز ہوتے ہوتے دنیائے اسلام اس "آفتاب تازہ" کی تابانیوں سے ایک بار پھر جگمگا اٹھی ـــ یہ وقت تھا کہ لوگ جشن مناتے، فرحت و سرور کے مراسم ادا کرتے اور قومی پیمانے پر شکر و مسرت کی تقریبات بپا ہوتیں - مگر . . . مگر ہماری تاریخ کی کوئی روایت نہیں بتاتی کہ ایسا ہوا اور دوسری صدی کے اس شاندار اور انتہائی قابل شکر آغاز پر کچھ قومی تقریبات عمل میں آئی ہوں -

کیا اُس دَور کے لوگ ناشکرے تھے، استغفراللہ، ہمیں اُن سے کیا نسبت ؟

یہ تابعین کا دور تھا، بعض صحابہ بھی حیات تھے۔ ہم اندازہ بھی نہیں کر سکتے کہ یہ وقت اُن کے لئے بالعموم کتنا فرحت انگیز اور شکر خیز تھا۔ اور کیسے کیسے سجدہ ہائے شکر انہوں نے اپنی خلوتوں میں ادا کیئے ہوں گے۔

اسی طرح صدی بہ صدی نظر ڈالتے چلے جایئے، کئی موقعے صدیوں کے آغاز و اختتام کے ایسے ملیں گے جب واقعی لوگوں کو حق تھا کہ مسرت و انبساط کے مظاہر اپنائیں اور دنیا کو جتائیں کہ اسلام ابدی ہے، اس کے گلشن میں خزاں کا عمل کبھی دائمی نہ ہو سکے گا، یہ وقتی اور آنی جانی ہے۔ اس کی اصل فطرت میں بہار ہے، نمو ہے اور یہ فطرت اسی طرح سدا ظہور کرتی رہے گی لیکن دوسری صدی کی طرح یہ تمام موقعے بھی ہمیں کسی جشن آرائی کے تذکرے سے خالی ملتے ہیں۔

پھر یہ کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے پہلی دفعہ ایک نئی صدی شروع ہونے کا عمل اسلامی تاریخ میں ہو رہا ہے۔ اور یہ بھی — کہ گویا کچھ ایسے عظیم کارنامے اُمت نے گزرنے والی (چودھویں) صدی میں انجام دیئے ہیں جن کے نتیجے میں وہ اب شروع ہونے والی (پندرھویں) صدی کو اپنی اور (اسلام کی صدی سمجھ لینے میں حق بجانب اور احساس فخر سے بے قابو ہے۔

کون نامراد وہ مسلمان ہو گا جو آرزو نہ کرے اور امید نہ رکھے کہ ہر آنے والا دن ہر آنے والا ماہ وسال اسلام کا، اس کی ملت کا دن اور ماہ وسال ہو۔ مگر ہم ہیں کہاں؟ یہ بھی تو دیکھنے کی بات ہے۔ کون سے وہ کارنامے ہم سے ظہور میں آئے ہیں جن سے چودھویں صدی ہمیں دعائیں دیتی ہوئی گئی ہے اور پندرھویں کے متعلق ہم سر اونچا کر کے کہنے کے حقدار ہیں کہ جو کچھ کسر رہ گئی ہے وہ اس میں پوری کر دی جائے گی؟

بے شک چودھویں صدی کے وسط تک ہم جس قعر مذلت میں گرفتار تھے، جس طرح غیروں کی غلامی کا قلادہ عام طور سے ہماری گردنوں میں پڑا ہوا تھا، اور غیروں سے مرعوبیت اور خود فراموشی کی جو کیفیت ہمارے اوپر مسلط تھی صدی کے آخری نصف سے یہ تمام باتیں ختم ہونا شروع ہو گئیں۔

ہمارے غلام ملک آزادی پاتے چلے گئے، ذلت کی بہت سی صورتیں ختم ہو گئیں، مرعوبیت سے گردن چھوٹنے لگی اور خود کو سمجھنے کا جوہر بھی از سر نو جلا پانے لگا۔

لیکن ذرا دیر کے لئے سنجیدہ تجزیہ سے کام لیا جائے تو نظر آئے گا کہ ہم جو غلامی سے آزادی کی فضا میں آئے تو یہ اُس عالمی لہر کا نتیجہ تھا جو (COLONIALISM) سامراج شکست و ریخت سے پوری دنیا میں پیدا ہوئی۔ اسی نے ہماری خودشناسی کو جھنجھوڑ کر مرعوبیت سے نکالا اور ذلّت پر عملاً راضی ہو جانے کی حالت دور کی۔ اسی ذیل میں ہمارے یہاں اسلامی نشاۃ ثانیہ کی تحریکیں اٹھیں اور مسلم عوام و خواص کی ایک بڑی تعداد کو اُنھوں نے اپنے گرد جمع کر لیا۔ اسلام کو ایک زندہ اور خود کفیل دین اور نظامِ زندگی کے طور پر پیش کرنے کا بہت سی جگہوں پر بہت بلند آہنگ کام ہوا۔ اور اسے تمام غیر اسلامی عناصر سے پاک کر کے مکمل طور سے ساری دنیا میں غالب کر دینے کی جد و جہد ہوتی نظر آنے لگی۔ مگر ساری دنیا تو کیا اسلامی دنیا پر بھی غالب کیا چیز ہوتی ہم وہی شخصی اور قومی نخوت و انانیت جو تمام نو آزاد ممالک میں آزادی کے ساتھ ساتھ بروئے کار آئی۔

فضا اسلام کا نام لینے کی بن گئی تھی اس لئے عام طور پر ارباب اقتدار نے نام اسلام ہی کا آگے رکھا۔ مگر عملاً اسلام کے ساتھ برائے نام واسطے سے لیکر صریح اسلام دشمنی تک اُن کا کردار بنی ہوئی پائی گئی۔ کہیں (بادشاہتوں میں) خاندانی اقتدار کو اصل مطمحِ نظر رکھ کر اسلام کے اس حصّے کو اپنا شعار ٹھیرا لیا گیا جس کو خاندانی اقتدار کے لئے بےضرر ہی نہیں بلکہ مددگار سمجھا گیا۔ کہیں صرف اسلامیت اور اسلام سے وفاداری کے ابلہ فریب اظہار ہی پر اکتفا کیا گیا۔ اور کہیں اسلام کے نام کے ساتھ وہ نظامِ زندگی اور طرزِ زندگی رائج کرنے کی دیوانہ وار کوشش کی گئی جس کو اسلام سے بس ایک ضد کی نسبت تھی، دنیا میں پھیلے ہوتے ملحدانہ اور مادہ پرستانہ (بلکہ کافرانہ) افکار کو اسلام ہی کے نام سے اپنے ملکوں اور دوسرے اسلامی ملکوں میں ٹھونسنے کی مجنونانہ سعی ان لوگوں نے کی۔ یہ عموماً وہ تھے جو اپنے ملک کا نظامِ کہنہ اُلٹ کر انقلابی انداز میں برسرِ اقتدار آئے تھے — اور پھر حالات کی اس رفتار کے نتیجے میں یہ المناک صورتِ حال بھی دیکھنے میں آگئی کہ جو لوگ اسلام، صرف اسلام اور کامل اسلام کا علم لیکر چل رہے تھے — چاہے وہ کسی ملک کے بھی ہوں — وہ "ایں ہم غنیمت است" کے فلسفے کی پناہ لیتے ہوئے اسلامی دنیا کے اُن ارباب اقتدار کی گود میں بیٹھے ہوتے نظر آنے لگے جن کی

رسمی یا جزوی "اسلامیت" سے وہ قطعاً راضی نہ تھے اور نہ اُن کے اسلامی فکر میں ان کے لئے کسی رعایت کی گنجائش تھی ——— یہ ہماری صورت حال ہے جس میں جانے والی صدی ہمیں چھوڑ کر گئی ہے۔

صدی کے بالکل آخری سرے پر ایک زبردست "اسلامی انقلاب" کا دھماکہ ایران میں ہوا۔ دنیا کے ہر خطہ کے "علمبرداران اسلامی انقلاب" کی مرجھاتی ہوئی اُمیدیں اس سرے سے اُس سرے تک جاگ اُٹھیں۔ ایسا لگا جیسے اُن کی بے بسی پر قدرت کا ہاتھ براہ راست حرکت میں آگیا، بے بسی کے دن رخصت ہوتے اور اسلامی انقلاب اور اسلامی نظام کا سورج پوری آب و تاب کے ساتھ باطل کے اندھیروں کو شکست دینے کے لئے آ نکلا۔ مگر وائے محرومی کہ ابھی جانے والی صدی کے دن پورے نہیں ہو پائے تھے کہ اوّل تو اس "اسلامی انقلاب" نے خود ہی کچھ مایوسی سی پیدا کرنا شروع کر دی اور اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ اسلامی تحریکوں کے یہ علمبردار جن "غنیمت" قسم کے مسلم حکمرانوں سے وابستگی اختیار کئے ہوئے تھے وہ سب کے سب اس "اسلامی انقلاب" سے خوفزدہ ہونے کی وجہ سے عراق کی اُس بعثی حکومت کی پشت پر آ کھڑے ہوتے جس نے ایران کے اس "اسلامی انقلاب" کو تہس نہس کرنے کے ارادے سے صدی کے بالکل آخری مہینے میں پوری طاقت سے ہلّہ بول دیا تھا۔ اور اب تک اُس کا سلسلہ جاری ہے۔

اس طرح کی اور کئی قابل ذکر باتوں کو چھوڑتے ہوئے، یہ ہے وہ صورت حال جس میں چھوڑ کر ہمیں چودھویں صدی رخصت ہوئی ہے اور پندرھویں صدی نے ہمیں جس میں پایا ہے۔

کیا حالات کا نقشہ ہمیں حق دیتا ہے کہ اس نئی صدی کو اسلام کی اور مسلمانوں کی صدی قرار دیتے ہوئے ہم جشن طرب، افتخار کی تقریبات سجائیں۔ اور تیرہ صدیوں کی پچھلی تاریخ میں، باوجود ایسے مواقع ہونے اور استحقاق کی واقعی بنیادیں موجود ہونے کے، جو کبھی نہیں ہوا اسے اس انداز سے کرنے کھڑے ہو جائیں جیسے فی الواقع ہمیں یہ کرنا ہی چاہیئے۔

حقیقت یہ ہے کہ صدی کی اس تبدیلی پر ہمیں اگر کچھ کرنا ہی چاہیئے تو وہ بس یہ

ہے کہ اپنے پچھلے اعمالنامہ کا جائزہ لیں۔ غلطیوں اور کمزوریوں پر اللہ سے استغفار کریں، اپنی آنکھوں سے مطلوبہ نتائج دیکھ لینے کی بے صبری میں شارٹ کٹ اور وقتی ضرورت کی خود فریبی میں جو کھلی بے راہ رویاں ہم سے ہوتی ہیں اُن سے آئندہ کے لئے تائب ہوں اور اسی طرح یہ بھی دیکھیں کہ دعوت اسلامی کی ہماری فکر میں ایسی کوئی غلطی تو نہ تھی جو سارے اخلاص، بڑی قربانیوں، اعلیٰ درجہ کی توانائیوں کے صرف اور ایک طویل سلسلۂ جدوجہد کے باوجود بعید غیر متوقع نتائج کا باعث بن گئی ہو — یہ کام ہے جس کے لئے جلسے منعقد ہوں۔ اجتماعات ہوں، سمپوزیم اور سیمینار رہوں!

چودھویں صدی کے بارے میں ایک عامیانہ شہرت برابر رہی ہے کہ یہ شاید دنیا کی آخری صدی ہوگی۔ اور غیر مسلموں کی تعبیر کے مطابق اسلام کی آخری صدی بہت ہی قرین قیاس ہے کہ اس شہرت عام کو اور خیال خام کو خاص طور سے اس جشن آرائی کی کامیابی کا ضامن سمجھا گیا ہو۔ اور اگر تجسس کیا جائے تو عوام کی اس سے دلچسپی کے پیچھے یہ بات ضرور نکل آئے گی۔

ایک مدت کے بعد چودھویں صدی میں ایسے غیر معمولی مواقع اللہ تعالیٰ نے عالم اسلام کو عطا فرمائے کہ وہ پھر سے سچی اسلامیت اختیار کرتے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کی بڑی ناقدری ہم نے کی اور اس کی سزا ملنا شروع ہوگئی — بات اب بھی ہاتھ سے نہیں گئی ہے، لیکن اس کے لئے پورے طور پر اسلام کو اپنانا ہوگا، رسمی اور نمائشی باتوں سے کچھ ہونے والا نہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِسلام

اور

حقوقِ اَطفال

چوتھی قسط ، از قلم : غازی عزیز (علی گڑھ) حال مقیم سعودی عرب

منہ بولے بیٹے ، بیٹیوں اور غیر شرعی اطفال کے متعلق خصوصی احکامات

جن لوگوں کی اولاد نہیں ہوتی وہ دوسروں کے بچے گود لے کر پرورش کرتے ہیں تاکہ اُن کے بعد اُن کی وارثت وخاندانی عزت وشہرت کا کوئی جانشین رہے نیز اُن کی خواہش کی تسکین بھی ہوتی رہے ۔ ایسے بچے اپنے اصل والدین کے نام سے منسوب کئے جانے کے بجائے پالنے والے شخص کے نام سے منسوب کئے جاتے ہیں ۔ ان کو متبنیٰ یا لے پالک یا منہ بولا یا گود لیا ہوا کہا جاتا ہے ۔ اسلام سے قبل شرفائے عرب اولاد کی محرومیت کو دور کرنے کے لئے بچوں کو گود لے لیتے تھے ، آج بھی یہ رواج دنیا کے بعض گوشوں میں اسی طرح رائج ہے ۔ اسلام نے متبنیٰ کرنے کو ممنوع قرار دیا چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :-

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ "ترجمہ :- اور نہ اس نے تمہارے منہ

اَبْنَآءَكُمْ ۚ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ج۔ (الاحزاب - ۴ و ۵)	بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا بنایا ہے یہ تو وہ باتیں ہیں جو تم لوگ اپنے منہ سے نکال دیتے ہو مگر اللہ وہ بات کہتا ہے جو مبنی بر حقیقت ہے اور وہی صحیح طریقے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔"

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد یہ بات حرام قرار دے دی گئی کہ کوئی شخص اپنے حقیقی باپ کے سوا کسی اور کی طرف اپنا نسب منسوب کرے۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من ادعیٰ الیٰ غیر ابیه وهو یعلم انه غیر ابیه فالجنة علیه حرام (بخاری، مسلم، ابو داؤد)	"ترجمہ: جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا کسی اور کا بیٹا کہا درانحالیکہ وہ جانتا ہو کہ وہ شخص اس کا باپ نہیں ہے اس پر جنت حرام ہے۔"

اس مضمون کی بعض دوسری روایات بھی احادیث میں ملتی ہیں جن میں اس فعل کو سخت گناہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم کے اس صریح حکم کی تعمیل میں اوّلاً جو اصلاح نافذ ہوئی وہ یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ کو زید بن محمدؐ کہنے کے بجائے اُن کے حقیقی باپ کی طرف منسوب کرتے ہوئے زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔ جیساکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: زید بن حارثہ کو پہلے سب لوگ زید بن محمدؐ کہتے تھے۔ یہ آیت (الاحزاب - ۴، ۵) نازل ہونے کے بعد انہیں زید بن حارثہ کہنے لگے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی)

"غیر شرعی اطفال" سے یہاں ہماری مراد "ولد الزنا" ہے۔ خاندان کی سلامتی و پختگی اور معاشرہ کی فلاح و پاکیزگی کی خاطر اسلام زنا کے مرتکب ہونے والوں کے لئے شدید تحذیر اور عقوبت زاجرہ[له] تجویز کرتا ہے لیکن اس جرم کے ثمر یعنی ولد الزنا کی بقاء اور اس کی پرورش

له اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا "ترجمہ: زانیہ عورت اور زانی مرد

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے لئے خصوصی احکامات بیان کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ قانون بنایا تھا کہ ناجائز بچوں کی (اُن بچوں کی جن کے ماں باپ کا سراغ نہ ملے) پرورش اور نگہداشت کی ذمہ دار حکومت ہے۔ اور وہ سرکاری خزانے سے اُن کی تعلیم و تربیت کے مصارف ادا کرے گی تاکہ ماں باپ کے پاپ کا خمیازہ اُن کی معصوم اولاد کو نہ بھگتنا پڑے۔ HAMMUDAH ABDALATI اس بارے میں لکھتے ہیں کہ "ایسی صورت میں جب کہ بچہ کا کوئی وارث یا رشتہ دار موجود نہ ہو تو وہ بچہ تمام مسلم معاشرہ کی اجتماعی ذمہ داری بن جاتا ہے۔ اس حکم میں حکام و عوام دونوں مساوی طور پہ شامل ہیں" (اسلام اِن فوکس باب ۱۲ صفحہ ۱۲۱ مطبوعہ مغربی جرمنی) آج بیسویں صدی عیسوی میں یورپ اور امریکہ جیسے ترقی یافتہ ممالک کو بھی ایسا ہی قانون وضع کرنا پڑا جیسا کہ حضرت عمرؓ کے اپنے دورِ خلافت میں قائم کیا تھا یہ چیز ایک بار پھر قوانینِ اسلامی کے عملی نفاذ کی ضرورت و حقیقت واضح کرتی ہے۔ حدیث شریف میں ایک واقعہ غامدیہ، جو قبیلہ غامد (جہینہ کی ایک شاخ) کی ایک عورت تھی، کے متعلق ملتا ہے جس میں اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آکر چار مرتبہ اقرار کیا کہ وہ زنا کی مرتکب ہوئی ہے اور اُسے ناجائز حمل ہے۔ آپ نے اُس سے پہلے اقرار پر فرمایا: ویحک ارجعی فاستغفری الی اللہ وتوبی الیہ (اری جلی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۸)

كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (النور-۲)	دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔"
ایک حدیث میں حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں:- فکان مما انزل اللہ تعالیٰ آیۃ الرجم رجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجمنا بعدہ فالرجم فی کتاب اللہ حق علی من زنی اذا احصن من الرجال والنساء .... الخ (بخاری و مسلم)	"ترجمہ: اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے (کتاب) نازل فرمائی تھی اس میں سے آیت سنگساری (بھی) تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگسار کیا اور آپ کے بعد ہم نے سنگسار کیا۔ سنگساری اللہ کی کتاب میں مردوں اور عورتوں میں سے اس شخص پر ثابت ہے جس نے محصن ہو کر زنا کیا ہو۔ .... الخ

جا، اللہ سے معافی مانگ اور توبہ کر، مگر اُس نے کہا: یا رسُول اللہ کیا مجھے ماعز کی طرح ٹالنا چاہتے ہیں، میں زنا سے حاملہ ہوں۔ اس کو چونکہ زنا کے کیساتھ حمل بھی تھا اس لئے آپ نے زیادہ جرح نہ فرمائی اور کہا، اچھا نہیں مانتی تو جا، وضع حمل کے بعد آنا۔ وضع حمل کے بعد وہ بچے کو لے کر آئی اور کہا اب مجھے پاک کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا، جا اور اس کو دودھ پلا۔ بچہ کے دودھ چھوٹنے کے بعد آیئو۔ پھر وہ دودھ چھڑانے کے بعد آئی اور ساتھ روٹی روٹی کا ایک ٹکڑا بھی لیتی آئی۔ بچے کو روٹی کا ٹکڑا کھلا کر رسُول اللہ کو دکھایا۔۔۔۔۔ اور کہا یا رسُول اللہ اب اس کا دودھ چھوٹ گیا ہے۔ دیکھئے یہ روٹی کھانے لگا ہے۔ تب آپ نے بچے کو پرورش کے لئے ایک شخص کے حوالے کیا اور غامدیہ کو رجم کئے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ اس واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام زنا جیسے گناہ کبیرہ سے پیدا ہونے والے بچہ کے ساتھ کوئی معاندانہ انداز اختیار نہیں کرتا بلکہ اُس کی حفاظت و بقا اور پرورش کے لئے پورے مواقع فراہم کرتا ہے۔

اسلام غیر شرعی بچہ کا مقام معاشرہ میں گراتا نہیں اور نہ ہی اُس کے اور عام مسلمانوں کے درمیان کسی قسم کی تفریق پیدا کرتا ہے بلکہ اُنہیں بھی دوسروں کے مساوی اور اُن کا بھائی بتاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

فَإِن لَّمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ (الاحزاب۔۵)

"ترجمہ:۔ پس اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں۔"

الماوردی (المتوفی ۴۵۰ھ) نے لقیط (یعنی کسی پڑے ہوئے یا لاوارث بچہ) کی کفالت کا ذکر امر بالمعروف کے واجبات المحتسب میں کیا ہے اور اس کا شمار حقوق اللہ تعالےٰ اور حقوق الآدمیین کے درمیان مشترکاً کیا ہے۔ ویسے بھی کسی لقیط کی کفالت کرنا انسانًا، قانونًا، اخلاقًا اور طفلاً ضروری ہے۔ جو شخص کسی لقیط یا لاوارث کو اُس کی کفالت کے لئے لیتا ہے اُس کے متعلق الماوردی فرماتے ہیں: ومن أخذ لقيطاً وقصر في كفالته أمره أن يقوم بحقوق التقاطه من التزام كفالته، أو تسليمه إلى من يلتزمها ويقوم بها۔" (الاحکام السلطانیہ ص۲۴۷ طبع ثانی القاہرہ سنہ ۱۳۸۶ھ بمطابق سنہ ۱۹۶۶ء)

کسی ناجائز یا غیر شرعی بچہ کو "حرامی" یا "لقیط" جیسے ناپسندیدہ الفاظ سے پکار کر اس کی دل شکنی نہیں کرنی چاہیئے - جوں جوں یہ بچہ بڑا ہوتا جائے اس کے جملہ قانونی حقوق کا تحفظ کرنا بھی ضروری ہے - اُس کے اور دوسرے بچوں کے درمیان کسی قسم کا فرق پیدا نہ ہونے دینا چاہیئے بلکہ مساوات اور عدل کی راہ اختیار کرنی چاہیئے مزید اُس کو اُس کے نامعلوم والدین کے گناہ کی لوٹ سمجھ کر اُس سے نفرت نہیں کرنی چاہیئے - ان تمام باتوں کی اسلام میں سخت مذمت وممانعت بیان کی گئی ہے -

پانچویں صدی ہجری کے مجتہدِ کبیر امام ابن حزم ناجائز بچوں کے متعلق تصریح فرماتے ہیں :-

وشهادة ولد الزنا جائزة في الزنا وغيره ويلي القضاء وهو كغيره من المسلمين ...... ولا نص في التفريق بينه وبين غيره وهو قول أبي حنيفة والشافعي وأحمد وإسحٰق وأبي سليمان وهو قول الحسن والشعبي وعطاء بن أبي رباح والزهري وروي عن ابن عباس وروي عن نافع: لا تجوز شهادته وقال مالك والليث يقبل في كل شيئ إلا في الزنا - وهذا فرق لا نعرفه احد قبلهما قال الله تعالىٰ (فإن لم تعلموا

"ترجمہ: ولدالزنا کی شہادت زنا اور اس کے علاوہ بھی جائز ہے - وہ قاضی بھی رہ سکتا ہے - وہ دوسرے مسلمانوں کے ہی مثل ہے - ..... اُس کے اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان فرق کرنے کی کوئی نص (صریح حکم) موجود نہیں ہے - اس کو کہا امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد، اسحٰق، ابوسلیمان رحمہم اللہ نے اور یہ بیان کیا حسن وشعبی وعطاء بن ابی رباح اور زہری نے اور یہ روایت کیا ابن عباس سے - اور نافع سے مروی ہے کہ اس کی شہادت جائز نہیں ہے - اور بیان کیا مالک و لیث نے کہ اس کی شہادت قابل قبول ہے سوائے زنا کے اور یہ وہ فرق ہے جسکو ہم ان سے پہلے کسی کے

أباءهم فاخوانكم في الدين .....) وإذا كانوا إخواننا في الدين فلهم مالنا وعليهم ما علينا۔ (المحلی لامام ابن حزم)

متعلق نہیں جانتے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے (پس اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں ....) اور جب وہ ہمارے دینی بھائی ہیں تو جو چیز ان کے لئے جائز ہے وہ ہمارے لئے بھی ہے اور جو ہمارے لئے ہے وہ ان کے لئے بھی اسی طرح ہے۔"

اولاد کی تعلیم و تربیت

راقم الحروف کے والد محترم (جناب مولانا محمد امین الاثری صاحب) اپنی گرانقدر تالیف "تحفۂ حدیث" میں اولاد کی تعلیم و تربیت کے زیر عنوان اس طرح رقمطراز ہیں :۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ وَلِدَ لَہٗ وَلَدٌ فَلْیُحْسِنْ اِسْمَہٗ وَاَدَبَہٗ فَاِذَا بَلَغَ فَلْیُزَوِّجْہُ فَاِنْ بَلَغَ وَلَمْ یُزَوِّجْہُ فَاَصَابَ اِثْمًا فَاِنَّمَا اِثْمُہٗ عَلٰی اَبِیْہِ (بیہقی)

"ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی کے اولاد ہو اس کو چاہیئے کہ بچہ کا بہتر سے بہتر نام رکھے اور اس کی بہترین تعلیم و تربیت کا انتظام کرے اور جب وہ بالغ ہو جائے اُس کی شادی کا انتظام کرے اگر اس نے جلدی شادی نہیں کی اور وہ کوئی گناہ کر بیٹھا تو اُسکی بازپرس اُس کے باپ سے ہوگی"

اولاد کیا ہے ؟ انسانی نسل کی بقاء اور مستقبل کی آبرو کا نام ہے۔ اس دُنیا میں یہی وہ قیمتی لال ہے جس کی صحیح تربیت اور عمدہ پرورش مقصود ہے۔ اور ہمیشہ سے انسانوں کی توجہ و کوشش کا اوّلین مصرف رہی ہے۔ کیونکہ دنیا کے مستقبل کی آبرو اس کی اصلاح اور فساد کا دار و مدار انہی پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دلائی (ہے[1]) ....."

---

[1] کیونکہ یہ ماں باپ کی غلط تربیت کا نتیجہ ہی ہوتا ہے کہ ایک بچہ جو پیدائشی طور مسلمان

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

"۔۔۔۔ ان کو بہتر سے بہتر تعلیم دو کیونکہ بچے صاف اور سفید کاغذ کی طرح ہوتے ہیں۔ ان میں وہی نقش و نگار ابھریں گے جو والدین ان میں ابھارنے کی اور بھرنے کی کوشش کریں گے۔ حکم ہے کہ ان کو علم و عمل کے پاکیزہ اصول اور آداب بتائے جائیں، ان کی پوری دیکھ بھال کی جائے، لغزش پر ان کو سنبھالا جائے، بھول اور غلطی پر ان کی رہنمائی کی جائے اور غفلت اور سستی پر انہیں حکیمانہ انداز میں متنبہ کیا جائے۔ یہی نہیں بلکہ خدا سے ان کے سعادت مند اور نیک ہونے کی دعائیں بھی کیجائیں [۱]۔

(بقیہ حاشیہ صـ۵۳) ہوتا ہے، بڑا ہونے پر ایک عیسائی یا یہودی یا کافر بن جاتا ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر بچہ اسلام کے ساتھ پیدا ہوتا ہے یہ اُس کے والدین ہی ہوتے ہیں جو اُس کو ایک یہودی یا ایک عیسائی بنا دیتے ہیں" (صحیح بخاری: ۲۳ : ۷۹)

[۱] قرآن کریم میں ایک مومن کی دعا اس طرح بیان فرمائی گئی ہے:۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ○ (الفرقان-۷۴)

" ترجمہ:- اور وہ لوگ جو دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہمیں متقی لوگوں کا امام بنا دے"

اور

قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ (الاحقاف-۱۵)

" ترجمہ: اس نے کہا اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائیں اور ایسا نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو اور میری اولاد کو بھی نیک بنا کر مجھے سکھ دے۔ میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور تابع فرمان (مسلم) بندوں میں سے ہوں"

اولاد کی تعلیم و تربیت سے اچھے اخلاق اور کردار کا بڑھنا مقصود ہے ۔ جوانی میں
س مقصود کے متاثر ہونے کا ہر وقت خطرہ اور ہر ہر قدم پر اندیشہ ہوتا ہے ۔ اس نازک
رحلہ میں بھی اسلام نے اخلاق کی حفاظت کے لئے کوئی کسر نہیں چھوڑی ۔ اسلام زنا اور بیحیائی
کے تمام کاموں کو حرام قرار دیتا ہے اور برائی کو انتہائی نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتا
ہے وہ جنسی خواہش کی تسکین کے لئے نکاح کا قاعدہ مقرر کرتا ہے اور اپنے اوپر ایمان لانے
الے کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اسی قانون کے تحت اپنے فطری تقاضوں کو پورا کریں ۔ اسکی
ہمیت و نزاکت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے "۔ وہ قانون کے تحت زندگی گزارنے
الوں کو ایمان میں کامل قرار دیتا ہے اور جو لوگ اس قانون کے تحت زندگی گزارنے
کے لائق تو ہیں لیکن اس پر ابھی عمل نہیں کر سکے ان کو ایمان میں ناقص بتاتا ہے ۔ اولاد
کے پرستوں کو ہدایت ہے کہ وہ اولاد میں جوں ہی نکاح کی اہلیت محسوس کریں جلد از
بلدان کے لئے ازدواج کا بندوبست کریں ۔ اگر خدانخواستہ وہ اپنی سستی اور غفلت
ی سے انتظام نہ کر سکیں لڑکا اور لڑکی کسی غلط کاری کا شکار ہو جائیں تو نہ صرف وہ
مجرم قرار پائیں گے بلکہ ان کے سرپرستوں پر بھی فرد جرم لگے گی اور ان کے ساتھ یہ بھی
پکڑے جائیں گے "۔ (تحفہ حدیث صفحہ ۱۳۸)

ولاد کی پرورش و تربیت میں والدین کا کردار

ایک انسان کو زندگی میں صرف
سی صورت میں کامیاب اور زندگی سے ہم آہنگ کہا جا سکتا ہے جب کہ وہ اپنے
نقیبتی اعمال اور وظائف حیات کے لئے سرگرم عمل ہو ۔ چونکہ انسانی تعلقات کی ابتداء
ماندان سے ہوتی ہے اور پورے خاندان کی فلاح اولاد کی صحیح پرورش و تربیت پر منحصر
ہوتی ہے ، اس لئے ضروری ہے کہ یہاں مختصر طور پر والدین کے اعمال و وظائف کا جائزہ
لیا جائے ۔ " خاندان دراصل اس مجموعہ کو کہتے ہیں جو شوہر ، بیوی اور بچوں پر مشتمل ہوتا ہے
س کے لئے اسلامی قاعدہ یہ ہے کہ روزی کمانا[1] اور خاندان کی ضروریات مہیا کرنا اور

---

[1] اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ "ترجمہ : مرد عورتوں پر قوام ہیں "
(النساء - ۳۴)

اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرنا مرد کا فرض ہے[1] اور عورت کا فرض یہ ہے کہ مرد جو کچھ کما کر لائے اس سے وہ گھر کا انتظام کرے[2]، شوہر اور بچوں کو زیادہ سے زیادہ آسائش بہم پہنچائے اور بچوں کی تربیت کرے۔" (دینیات سید مودودی ص۱۲۴ - ص۱۲۵ مطبوعہ مغربی جرمنی)

اکثر غریب ممالک میں دیکھا گیا ہے کہ والدین انتہائی قلیل و حقیر مالی منفعت کیلئے بچوں کو کم سنی میں ہی فیکٹریوں (مصانع) میں بھیج کر اُن کی صحت اُن کی نشوونما، ان کے مستقبل اور اُن کی عمر کو تباہ کرتے ہیں[3]۔ جو عمر ان کے کھیلنے کودنے، اُن کے اعضائے جسمانی کی نشوونما

---

1. الرَّجلُ راعٍ علیٰ اھلہٖ و ھو مسئولٌ۔ (بخاری باب قوا انفسکم و اھلیکم نارًا کتاب النکاح)
"ترجمہ: مرد اپنے بیوی بچوں پر حکمران ہے اور اپنی رعیّت میں اپنے عمل پر وہ خدا تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے۔"

2. المرأۃ راعیۃ علیٰ بیت زوجھا وھی مسئولۃ (بخاری باب قوا انفسکم و اھلیکم نارًا کتاب النکاح)
"ترجمہ:۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی حکمران ہے اور وہی اپنی حکومت کے دائرہ میں اپنے عمل کے لئے جوابدہ ہے۔"

3. ۱۹۷۹ء میں انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن (I.L.O) نے افریقہ، لیٹن امریکہ، ایشیاء اور جنوبی یورپ کے دس[10] ممالک میں اطفال کے ذریعہ کی جانے والی مزدوری کی تفتیش کی۔ اس تفتیش و تحقیق کے بعد جو رپورٹ پیش کی گئی اس میں کہا گیا تھا:۔ "۱۹۷۳ء کے (I.L.O) کنونشن میں مزدوری کی کم سے کم عمر پندرہ[15] سال مقرر کی گئی تھی اس وقت پندرہ[15] ممالک میں اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ۱۵ سال سے کم مزدوروں کی تعداد پچپن ملین (یعنی پانچ کروڑ پچاس لاکھ) سے زیادہ ہے۔ چونکہ زیادہ تر بچے غیر قانونی طریقے پر کام کر رہے ہیں اس لئے اُن کی اصل تعداد اس تخمینہ سے کہیں زیادہ تصوّر کی جاتی ہے۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ اکثر حالات میں جو بچے مزدوری کرتے ہیں وہ یا تو نظر انداز حد تک خفیف اُجرت پاتے ہیں یا پھر مفت ہی کام کرتے ہیں۔ رپورٹ میں کچھ خوفناک و قابلِ رحم مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔ مثلاً ہندوستان کے ماچس کے کئی مصانع میں بیس ہزار سے زیادہ بچے ملازمت کرتے ہیں جن میں ۵ سال جیسے کم عمر بھی شامل ہیں۔ یہ بچے سولہ[16] گھنٹے یومیہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دوران کی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کی ہوتی ہے وہ مشینوں اور کارخانوں کی زہریلی

(بقیہ حاشیہ ص۲۵۵) پُرمشقت ڈیوٹی کرتے ہیں جو رات تین۳ بجے سے شروع ہوتی ہے ۔
کولمبیا میں تین ملین (بیس۲۰ لاکھ) بچے کام کرتے ہیں جن میں سے اکثر ایسے ہیں جو تازہ ہوا کی کمی
کے ماحول اور پُرخطر کوئلے کی کانوں میں کام کرنے پر مجبور ہیں ۔ تائیوان کے کھلونے بنانے والے
۱۱ سے ۱۵ سالہ بچوں کو ترجیح دیتے ہیں ۔ اور ہانگ کانگ کے جیبی کیلکولیٹر بنانے والے چودہ۱۴
سال سے کم نازک انگلیوں والی لڑکیوں کو ترجیح دیتے ہیں ۔ ایسی بہت سی لڑکیاں کام کے
دوران حادثات میں اپنی انگلیوں سے محروم ہو چکی ہیں ۔ مراکش کی اکثر قالین کی ملوں
میں تیرہ۱۳ سال سے کم لڑکیاں بلا اُجرت کام اس لئے کرتی ہیں کہ اُن کو مفت تربیت
دی جارہی ہے ۔ چونکہ مراکش کا ملکی قانون تیرہ۱۳ سال یا اس سے زیادہ عمر کے ملازم کو اُجرت
کا حق بخشتا ہے اِس لئے عام طور پر قالین کی ملوں والے اس عمر کے پہنچنے سے قبل ہی
ہٹا کر اُن کی جگہ دوسری کم عمر لڑکیوں کو رکھ لیتے ہیں ۔

یورپ کے کچھ بہت زیادہ ترقی یافتہ ممالک بھی بچوں سے مزدوری کرا کر اُن کا
استحصال کرتے ہیں ۔ اٹلی کے جوتا بنانے والے گھریلو مصانع (کوٹیج انڈسٹریز) بچوں سے
فاقہ کشی کی حد تک قلیل اُجرت پر کام لیتے ہیں ۔ یونان میں بچوں کی ملازمت میں بیس۲۰ فیصد
اضافہ ہوا ۔ مستقبل میں اس تعداد میں مزید اضافہ کی توقع کی جاتی ہے ۔" (انگریزی مجلہ
"ٹائم" مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۷۹ء ج ۱۱۴ شمارہ ۱۱ ص۱۷)

نظامِ اشتراکیت میں بھی بچوں کا استحصال ایک مسلّمہ حقیقت ہے چنانچہ جناب
خورشید احمد صاحب اس پر اس طرح تبصرہ فرماتے ہیں ۔

"بچوں کی محنت گو قانوناً ممنوع ہے ۔ اور یہ ممانعت زار کے زمانے سے ہے ۔
۱۸۸۱ اور ۱۸۸۵ء کے قوانین کے ذریعے بچوں کی محنت کو روک دیا گیا تھا لیکن
پیداوار کو بڑھانے اور منصوبے کو پورا کرنے کے لئے اس سے بھی گریز نہیں کیا جاتا ۔
نوجوانوں کے لئے سرکاری ترجمان "KOMSOMOLSKAYA PRAVDA"
نے اپنی ۱۴ اگست ۱۹۳۵ء کی اشاعت میں اس کا اعتراف کیا کہ بارہ۱۲ اور چودہ۱۴ سال کے
بچے بارہ۱۲ اور سولہ۱۶ گھنٹے یومیہ تک کھیتوں پر کام کرتے ہیں ۔ پرچے میں اس نوعیت کے متعدد

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فضا میں گذر جاتی ہے۔ اسلام ان معصوموں پر کیے جانے والے اس طرح کے کسی ظلم کو قطعی پسند نہیں کرتا بلکہ سرپرستوں کو ہدایت کرتا ہے کہ اپنی اولاد کو حسب استطاعت بہتر کھانا، اچھا لباس، عمدہ رہائش اور بہتر علم و ہنر کے مواقع فراہم کریں۔ معاش و دیگر ضروریاتِ زندگی تمام فکروں سے انہیں آزاد رکھیں۔ اور اپنی خودغرضی یا مفاد کیلئے کسی طرح اُن کو استعمال نہ کریں۔

بلاشبہ اسلام میں اولاد کی اچھی پرورش و تربیت مطلوب ہے اسی باعث اسلام اس امر کا تقاضہ کرتا ہے کہ شادی کے وقت ایسی بیوی کا انتخاب کرو جو دین و شریعت، اخلاق و آداب سے اچھی طرح واقف اور باوصف و اعلیٰ کردار کی حامل ہوتا کہ اولاد کی پرورش و تربیت میں اپنے اعمالِ حسنہ و خوبیٔ اخلاق و بلندیٔ اوصاف و کردار سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکے نہ کہ وراثت میں اپنے جسمانی و اخلاقی امراض اپنے بچوں میں منتقل کردے۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے: "تخیروا لنطفکم فان العرق دساس" اور "فاظفر بذات الدین تربت یداک"

بچوں کی تربیت و پرورش کے متعلق والدین کا ایک غلط رویہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے یعنی یہ کہ وہ اپنے چھوٹے سے بچے کو ایک ننھا سا آمرِ مطلق بنا کر رکھتے ہیں جو صرف حکم دینا اور اطاعت کرانا جانتا ہے۔ اُن کی محبت اتنی اندھی ہوتی ہے کہ اپنے بچے کے لا یعنی مطالبات اور خواہشات پر وہ کوئی معقول پابندی لگا ہی نہیں سکتے بلکہ اس کی ہر فضول اور نامعقول خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس حد سے بڑھے ہوئے لاڈ پیار کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا بچہ جب جوان ہوتا ہے تو وہ اپنی خواہشاتِ نفس کا بے بس

بقیہ حاشیہ ص۶۹) واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ ایسی مثالیں بھی دی گئی ہیں جن میں بارہ ۱۲ بارہ ۱۲ سال کے بچوں نے تین۳ تین۳ دن لگاتار کام کیا ہے اور پھر بے ہوش پڑ گئے ہیں۔ روسی اخبارات کے حوالے سے اس قسم کی متعدد مثالیں رانیا گورڈن نے اپنی کتاب "WORKERS BEFORE AND AFTER LENIN" میں بھی نقل کی ہیں۔ (سوشلزم یا اسلام مؤلفہ خورشید احمد ص۸۸ و ص۸۹)

ؔ (اذا جاءکم من ترضون خلقه ودینه فزوجوه۔ (حدیث)

غلام ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ بلا چوں وچرا اس کے ہر حکم کو بجا لائیں۔ لیکن عملی زندگی میں جب اُس کی یہ خواہش پوری نہیں ہوتی تو وہ جھنجھلا جاتا ہے اور اپنی اس جھنجھلاہٹ کا بدلہ اپنے اِردگرد کے لوگوں، مردوں عورتوں اور بچوں سے لیتا ہے۔ اور انہیں اپنے غصّہ کا نشانہ بناتا ہے۔ اس لئے بچہ کی تربیت کے دوران اس غلط رویہ سے گریز کرنا چاہیئے۔

بعض متموّل گھرانوں میں بچوں کو "آیا" کے حوالہ کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ اُن کی پرورش و تربیت کے فرائض انجام دیں۔ اس طرح ماں باپ ان کی نگہداشت اور پرورش کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر آزادانہ اپنے مشاغل و تفریحات میں معروف ہو جاتے ہیں اور کبھی مڑ کر بھی نہیں دیکھتے کہ کس طرح اُن کی پرورش ہو رہی ہے یا اُن کے بچے کس روش پر چل رہے ہیں۔ اُن کو اتنی فرصت ہی کہا ہوتی ہے کہ اِن نونہالوں کی کچھ فکر کریں۔ بچہ کے اس غیر فطری اندازِ پرورش نے معاشرہ پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بچے ماں باپ کی محبت اور اُن کے فرائض و حقوق سے قطعاً ناآشنا ہوتے ہیں۔ اسی باعث بڑے ہونے پر نہ اُن کی نگاہ میں والدین کی کوئی عزت و توقعت ہوتی ہے نہ اُن کے لئے تکریم و احترام۔ امریکہ و یورپ جیسے ترقی یافتہ ممالک کے نوجوانوں میں آج جو بے راہ روی، بد اخلاقی و جرائم پائے جاتے ہیں وہ انہی آیا کی ناقص پرورش و تربیت اور والدین کی غفلت و بُعد کا نتیجہ ہیں۔ آیا سے کسی بچہ کی پرورش و تربیت کے لئے ویسا ایثار و قربانی، ویسا خلوص اور ویسی خود فراموشی ہرگز متوقع نہیں جو ایک ماں کی شان ہے۔ مشہور قول ہے کہ بچہ کی ابتدائی اور مؤثر ترین درسگاہ ماں کی گود ہوتی ہے لیکن جن بچوں کی قسمت میں آیا کی پرورش ہوتی ہے وہ اس درسگاہ کے فیضان سے محرُوم رہتے ہیں۔

ظاہر ہے کوئی بھی معقول انسان انسانیت کی ماں کی حقیقت سے عورت کے کردار کی عظمت کا انکار نہیں کر سکتا۔ اس کی تربیت ہی سے دنیا کو اچھے اور صالح شہری نصیب ہوتے ہیں۔ ماں سے محرُوم انسانی نسلیں اور انہیں ماں کی اس محبت و شفقت کا نہ ملنا جو نفسِ انسانی کی برائیوں کا مداوا بنتا ہے انسانیت کے لئے ایک بہت بڑے خطرے کا لازمہ ہے۔ ماں کی یہ محبت انسانیت کو صرف ان ماؤں کی گود ہی میں مل سکتی ہے جنہوں نے اپنا سب کچھ اِس مقدّس فریضہ کی بجا آوری کے لئے وقف کر رکھا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ ماں

کی مامتا، اس کے پاکیزہ جذبات، عملی کردار، مصائب و شدائد کے ہجوم میں اس کا صبر و استقامت، ہمدردی اور کارکردگی کا یہ نقطۂ کمال اس مخصوص طبعی مزاج کی غیر موجودگی میں ممکن ہی نہیں ہے جو عورت کو اپنے اصل وظائف ـــــ حمل اور رضاعت ـــــ پرورش و تعلیم اور تربیت ـــــ انجام دینے کے قابل بناتا ہے۔ اور جس کی وجہ سے اس کے نفسی ذہنی اور اعصابی نظام کی ایک مخصوص صورت بنتی ہے۔ عورت کی یہ ذہنی، نفسی، عصبی اور طبعی خصوصیات پہلو بہ پہلو پائی جاتی ہیں اور یہ نہ صرف ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں بلکہ ان میں باہم ربط اور ہم آہنگی بھی ملتی ہے۔ اس لئے سوائے انتہائی استثنائی صورتوں کے یہ ممکن ہی نہیں کہ ان میں سے کوئی خصوصیت دوسری خصوصیات کی عدم موجودگی میں پائی جائے۔

جذبات کی لطافت وجدان کی نزاکت اور زود حسی سے جو ایک عورت کی خصوصیات ہیں ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کا خمیر بنیادی طور پر عقل سے نہیں بلکہ جذبات سے اٹھایا گیا ہے۔ اس کی یہی جذباتیت مامتا کی زندہ اور دائمی صفات کا سرچشمہ ہے۔ کیونکہ بچے کی پرورش کے لئے جن صلاحیتوں کی ضرورت ہے وہ عقلی نہیں ہیں بلکہ اس کے لئے تیز و تند جذبات کی ضرورت ہے جو عورت کو ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچنے ہی نہیں دیتے اور اس کو بچے کی ضروریات کے تقاضے پر فوراً اور بلا کسی تاخیر اور سستی کے لبیک کہنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ ماں کے اوپر بچہ کے یہ تمام حقوق مسلّم ہیں لہٰذا اُس کو بلا عذر کسی آیا کے حوالہ کرنا اس کے حقوق کو پامال کرنے کے مترادف ہے۔ زندگی میں عورت کا صحیح کردار ہے۔ یہ کردار اس کے وظائف حیات کی انجام دہی میں اُس کی مدد کرتا ہے اور اُس کے تخلیقی مقصد کے حصول کو ممکن بناتا ہے۔ اسی باعث پروفیسر سیرل جوڈ (PROF. CYRIL JOAD) یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ: "اگر قدرے معیارِ زندگی پست کرنے سے عورتیں محض اپنی گرہستی اور بچوں کی نگہداشت کے لئے وقف ہوں تو مجھے یقین ہے کہ دنیا ایک خوشگوار جگہ بن جائے گی۔" (دریافتی مورخہ یکم دسمبر ۱۹۵۲ء[1]) (جاری ہے)

---

[1] مزید تفصیل کے لئے کتاب "شبہات حول الاسلام" مؤلفہ محمد قطب، "پردہ" مؤلفہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ملاحظہ فرمائیں۔

بلاسود بینکاری پر رپورٹ

از : اسلامی نظریاتی کونسل

خدا خدا کر کے اسلامی نظریاتی کونسل کی جانب سے بلاسود بینکاری پر اس کی مرتب شدہ رپورٹ سائکلو اسٹائل صورت میں شائع ہو چکی ہے جس کی ایک کاپی ہمیں بھی موصول ہوئی تھی اور ساتھ ہی لکھا گیا تھا کہ اگر ممکن ہو تو اس کے چیدہ چیدہ حصے شائع کر دیئے جائیں۔ ملک کے اقتصادی و معاشی بالخصوص بینک کاری کے نظام کو سود کی لعنت سے پاک کرنا انتہائی کٹھن کام ہے۔ اس رپورٹ میں جو لائحہ عمل تجویز کیا گیا ہے اس پر خالص اسلامی نقطہ نظر سے کلام کی بڑی گنجائش ہے۔ اس میں متعدد خامیاں ہیں۔ تاہم اس اقدام سے یہ امید ہو چلی ہے کہ کونسل ملک کے ان علمائے کرام اور ماہران معاشیات کی آراء سے ہر ممکن استفادے کی کوشش کرے گی جو اسلامی فقہ اور موجودہ اقتصادی نظام پر گہری بصیرت رکھتے ہیں۔ اس رپورٹ کا "حرف آغاز" اور "تعارف" میثاق میں شائع کیا جا رہا ہے۔ جس سے اس مسئلہ کی اہمیت اور وسعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے توقع ہے کہ کونسل اس رپورٹ پر مطمئن ہو کر بیٹھ نہیں رہے گی بلکہ اس سلسلہ تحقیق اور غور و فکر کے کام کو مسلسل آگے بڑھاتی رہے گی (مدیر)

حرفِ آغاز

تحریم ربوٰ کے بارے میں قرآن مجید کے قطعی اور انتہائی سخت احکام کے پیش نظر ہر اسلامی حکومت کا یہ بنیادی فریضہ ہے کہ وہ اپنی حیات اقتصادی کے ہر دائرے اور معاشی زندگی کے ہر پہلو سے ربوٰ کے لین دین کو اس کی ہر شکل و صورت میں بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکے۔

آئین پاکستان ۱۹۷۳ء کے آرٹیکل نمبر ۲۲۷ میں یہ بات طے کر دی گئی ہے کہ اس وقت ملک میں جو قوانین نافذ و رائج ہیں انہیں بدل کر قرآن مجید اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و تعلیمات کے مطابق ایسے قوانین وضع اور جاری کئے جائیں گے جو

ہماری تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی روایات سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ جدید دور کے ہر آن تغیر پذیر مادی تقاضے بھی بحسن وخوبی پورے کرتے ہوں۔ اور آرٹیکل نمبر ۳۱ میں کہا گیا ہے کہ ملک کے اندر حکومت کی جانب سے ایسے سازگار حالات پیدا کیے جانے چاہئیں اور ایسے تعمیری اقدامات بروئے کار آنے چاہئیں جو اہل پاکستان کو یہ موقع مہیا کریں کہ وہ اپنی زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی دائروں میں اپنا طرز عمل اسلام کے بنیادی اصولوں اور آفاقی تصورات کے مطابق تبدیل کر سکیں۔

اُمت مسلمہ کے تمام مکاتب فکر کا اس رائے پر اجماع ہے کہ قرآن مجید کی اصطلاح ربٰو سود کی ہر شکل وصورت اور نوعیت پر حاوی ہے۔ چنانچہ پیداواری مقاصد کے لئے دیئے گئے قرضوں پر سود لینا بھی ایسا ہی حرام ہے جیسا گھریلو مصارف کے قرضوں پر۔ یہی وجہ ہے کہ آئین پاکستان کے آرٹیکل نمبر ۳۸ میں، جو حکمت عملی کے بنیادی اصولوں سے تعلق رکھتا ہے، اس بات کو ریاست کی منصبی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے کہ وہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے، ملک کی اقتصادیات کو سود کے لین دین سے بالکل پاک کر دے۔

لیکن یہ حقیقت بڑی افسوس ناک ہے کہ مسئلے کی اس اہمیت کے باوجود قیام پاکستان کے بعد تیس سال تک استیصال سود کے لئے کوئی قابل ذکر کوشش نہیں کی گئی۔ اس سلسلے میں اوّلین عملی اقدام کا شرف صدر مملکت جنرل محمد ضیا الحق کو حاصل ہوا۔ انہوں نے ۱۹۷۷ء میں حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لیتے ہی جہاں اور بہت سے اصلاحی اقدامات کیے وہاں انسداد سود کے لئے خصوصیت سے، ۲۹ ستمبر ۱۹۷۷ کو، اسلامی نظریاتی کونسل سے کہا کہ وہ قرآن وسنت کے پیش کردہ معاشی اصولوں کی روشنی میں ایک ایسا اقتصادی ڈھانچا تیار کرے جو سود کی آمیزش سے پاک ہونے کے ساتھ ساتھ پاکستان کی ترقی پذیر معیشت کے لئے موجب استحکام اور باعث ترقی وترفع ہو۔ صدر محترم نے ۱۲- ربیع الاوّل ۱۳۹۹ ہجری کو قوم سے خطاب کرتے ہوئے اس کام کے لئے تین سال کی مدت مقرر کی اور اعلان فرما دیا کہ اس کے بعد قومی معاشیات سے سود کا لین دین بالکل ختم کر دیا جائے گا۔

انسداد سود کے مسئلے سے صدر محترم کی دلچسپی صرف اسی حد تک نہ رہی بلکہ وہ اس سلسلے میں کونسل کے کام اور اس کی رفتار ترقی سے مسلسل آگاہی حاصل کرتے رہے

انہوں نے کونسل کی پیش کردہ سفارشات نافذ کرنے کے لئے بروقت ضروری احکامات صادر فرماتے ۔ چنانچہ کونسل کی تجویز کے مطابق ملک میں زکواۃ وعشر کا نظام رائج ہو چکا ہے اور حکومت کے قائم کردہ مختلف مالی اداروں مثلاً این آئی ٹی، آئی سی پی اور ایچ بی ایف سی کے لین دین سے سود کا عنصر بالکل ختم کر دیا گیا ہے ۔

ملک کے اقتصادی اور مالی نظام کو سُود سے پاک کر کے اسے اسلامی احکام و تعلیمات کے مطابق از سر نو مرتب و منظم کرنے کا جو اہم فریضہ اسلامی نظریاتی کونسل کے سپرد ہوا تھا اسے بحُسن وخوبی انجام دینے کے لئے ضروری تھا کہ کونسل کو علمائے دین کے علاوہ جدید اقتصادیات کے ماہروں اور تجربہ کار بنک کاروں کا تعاون بھی حاصل ہو۔ چنانچہ کونسل نے نومبر ۷۷ ۱۹ء میں ملک کے نامور ماہرین اقتصادیات و بنک کاری پر مشتمل ایک پینل قائم کیا جس نے اپنی رپورٹ فروری ۱۹۸۰ء میں کونسل کے سامنے پیش کی۔ کونسل کے متعدد اجلاسوں میں اس رپورٹ کے تمام پہلوؤں کا دقت نظر سے تفصیلی جائزہ لیا گیا اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی مناسب اصلاح و ترمیم کے علاوہ ضروری حذف و اضافہ سے بھی کام لیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ کونسل کی پیش کردہ رپورٹ ہر پہلو سے شرعی احکام کے مطابق اور اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ ہو۔ اس طرح مکمل غور و خوض اور نوک پلک سنوارنے کے بعد کونسل کے اجلاس ۱۵- جون ۱۹۸۰ء منعقدہ کراچی میں اس رپورٹ کو آخری شکل دی گئی ۔

جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا گیا، استیصال سود سے متعلق کونسل کی زیر نظر رپورٹ اپنے موضوع پر دنیا میں سب سے پہلی کوشش ہے جس کی تیاری میں نہ صرف صاحب بصیرت علمائے دین بلکہ جدید اقتصادیات و بنک کاری کے پیچیدہ علمی اور فنی مسائل کا گہرا شعور و ادراک رکھنے والے اہل نظر حضرات کا وسیع تجربہ بھی شامل ہے ۔

الحمدللہ آج کونسل کو یہ سعادت حاصل ہو رہی ہے کہ وہ اپنی اس اہم تاریخی دستاویز کو پورے عجز اور انکسار کے ساتھ پاکستان کے بالغ نظر عوام کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے اپنے خالق و مالک کے حضور گہرے جذبات تشکر و امتنان کے ساتھ سجدہ ریز ہو کر صرف اسی کی توفیق و تائید سے یہ مشکل کام تکمیل پذیر ہو سکا ۔

استیصال سود کے موضوع پر کونسل کی زیر نظر رپورٹ "تعارف" کے علاوہ پانچ ابواب اور ایک اختتامیہ پر مشتمل ہے جس میں کونسل کے اخذ کردہ نتائج اور اس کی سفارشات کا

خلاصہ پیش کیا گیا ہے ۔

رپورٹ کے تعارفی باب میں اس امر پر بحث کی گئی ہے کہ وہ کون سے عقلی ونق
دلائل اور حکمتیں ہیں جن کی بنیاد پر اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے ۔ اور اس کا پہلا
جس کا عنوان "مسائل، مشکلات اور ان کے حل کے طریقے" ہے، اس بحث پر مشتمل ۔
کہ ملکی اقتصادیات کو نفع نقصان میں شرکت کی بنیاد پر کس طرح استوار کیا جا سکتا
وہ کون سی عملی مشکلات ہیں جو اس راہ میں حائل ہو سکتی ہیں ۔ نیز یہ کہ اس ذر
کے علاوہ اور کونسی ایسی صورتیں ہو سکتی ہیں ۔ جن کے ذریعے سودی نظام کو تبدیل کیا جا
اس باب میں ان اقدامات اور تحفظات پر بھی گفتگو کی گئی ہے جن میں نئے نظام کی کا
کے لئے ہماری معاشی زندگی میں بروئے کار آنا چاہیئے ۔

دوسرے باب میں بڑی تفصیل کے ساتھ ان طریقوں پر بحث کی گئی ہے ۔ جن کے
تجارتی بنکوں کے لین دین سے سود کا عنصر ختم کیا جا سکتا ہے ۔ اور اسی باب میں بنکو
رہنمائی کے لئے وہ اصول درج کئے گئے ہیں جن کی روشنی میں ان کے لئے یہ ممکن ہوگا
زندگی کے مختلف شعبوں مثلاً صنعت، تجارت، زراعت، تعمیرات اور نقل وحمل وغیر
میں اپنی سرمایہ کاری اور مالی لین دین کو سود سے پاک بنیادوں پر از سر نو استوار کر سکی

بنکوں میں رکھی جانے والی امانات کے لئے کونسل نے ایک نیا نظام تجویز کیا
جس کے تحت، بچت کھاتوں اور میعادی امانتوں پر، ایک عبوری دور کے بعد کسی
شرح سے سود کے بجائے بنک کی آمدنی میں سے حصہ ملے گا جس کی مقدار بنک کو حاصل
والی آمدنی کے مطابق کبھی زیادہ اور کبھی کم ہوگی لیکن ان شاء اللہ کھاتہ داروں کو
کے مقابلے میں زیادہ نفع حاصل ہوگا ۔

تیسرے باب میں خصوصی نوعیت کے مالیاتی اداروں کے لین دین سے خاتمہ سود
وسائل و ذرائع پر گفتگو کی گئی ہے ۔ اور چوتھا باب سود سے پاک اقتصادی نظام
مرکزی بنک کاری اور زری پالیسی کے مختلف مسائل زیر بحث لاتا ہے ۔ اس با
میں سفارش کی گئی ہے کہ سود سے پاک نظام میں وسائل پیداوار کی تخصیص وتعی
کے عمل کو منضبط کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سٹیٹ بنک کی جانب سے تجارتی بنکوں او
مالیاتی اداروں کو جو امدادی رقمیں مہیا کی جائیں ان کے منافع میں شرکت کی شر

مقرر کرنے کا اختیار سٹیٹ بنک کو حاصل ہو۔ اس طرح تجارتی بنک اور مالیاتی ادارے دیگر ضرورت مندوں کو جو مالی امداد دیں اس کی شرح منافع کی تعیین کا حق بھی سٹیٹ بنک ہی کو ملنا چاہیئے۔

رپورٹ کے آخری باب میں سرکاری لین دین سے استیصال سود کے مسائل زیر غور آتے ہیں۔ اس میں کہا گیا ہے کہ ملک سے سودی نظام ختم ہو جانے کے بعد حکومت کے لئے یہ ممکن نہ ہو گا کہ وہ مالیاتی اداروں یا عوام سے سود کی بنیاد پر قرضے حاصل کرے۔ لہذا حکومت کو اپنی مالی ضروریات پوری کرنے کے لئے بیشتر صورتوں میں سٹیٹ بنک سے بغیر سود کے قرضے لینے پڑیں گے۔ چنانچہ ایسے اقدامات کئے جانے چاہئیں جن کے ذریعے مرکزی بنک کے سرمائے کی ملکی اقتصادیات میں آمیزش اور گردش کو مناسب حدود کے اندر رکھا جا سکے۔

جہاں تک بیرونی امداد کا تعلق ہے، حکومت کے لئے فی الحال اس کے سوا چارہ نہیں کہ وہ سود کی بنیاد پر غیر ممالک سے قرضے لیتی رہے۔ تاہم کونسل کی رائے ہے کہ ملکی اقتصادیات کو ایسی بنیادوں پر استوار کیا جانا چاہیئے کہ ہر قسم کی بیرونی مالی امداد خصوصًا سودی قرضوں پر انحصار کو رفتہ رفتہ کم کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ مسلم ممالک کے درمیان اقتصادی تعاون میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کے لئے بھرپور کوششیں بروئے کار آنی چاہئیں تاکہ نفع نقصان میں شرکت یا سود سے پاک دوسری تعمیری بنیادوں پر کاروباری سرگرمیوں میں وسعت کے ذریعے سرمائے کی گردش اور نقل و حرکت کے عمل کو بیش از بیش پھیلایا جا سکے۔ اگر مسلم ممالک کے درمیان اس قسم کے ترقی پذیر اقتصادی تعاون کی مطلوبہ سطح حاصل کر لی گئی تو امید ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ امداد دینے والے غیر مسلم ممالک اور بین الاقوامی مالیاتی ادارے بھی مسلم ممالک کے ساتھ لین دین کے ایسے طریقے اپنا لیں گے جو احکام شریعت سے مطابقت رکھتے ہوں۔

کونسل کی تجویز ہے کہ حکومت کو اس رپورٹ کی روشنی میں، دسمبر ۱۹۸۰ء کے آخر تک، ایک ایسا عملی نقشۂ کار تیار کرنا چاہیئے جس کے ذریعے ملک میں سودی لین دین کو ختم کر کے نیا نظام جاری کیا جا سکے۔ مزید برآں ایسے ورکنگ گروپ تشکیل دیئے جانے چاہئیں جو بنکوں اور مالی امور سے متعلق جملہ قوانین اور قواعد و ضوابط میں ضروری تبدیلیوں

اور اصلاح و ترامیم کی سفارش کر سکیں تاکہ مجوزہ نظام عمدگی اور پوری کامیابی کے ساتھ نافذ کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ بنکوں کی انتظامیہ اور عملے کے ارکان کو سرمایہ کاری اور لین دین کے نئے طریقوں سے آگاہ کرنے نیز انہیں نئے نظام کی کامیابی کے لئے مشنری جوش و جذبہ بروئے کار لانے پر ابھارنے کے لئے ضروری اقدامات کئے جانے لازمی ہیں۔

رپورٹ میں اُمید ظاہر کی گئی ہے کہ حکومت پاکستان استیصال سود سے متعلق کونسل کی پیش کردہ اس رپورٹ کو قومی پالیسی کے ایک لازمی عنصر کی حیثیت سے قبول کرے گی اور اس کے عملی نفاذ کے لئے بلا تاخیر تمام ضروری اقدامات بروئے کار لائے جائیں گے۔

اگرچہ کونسل کی رائے یہ ہے کہ اسلام کے اقتصادی نظام میں سودی لین دین کا مثالی نعم البدل نفع نقصان میں شرکت یا قرض حسنہ کی بنیاد پر سرمایہ کی فراہمی ہے، لیکن ان مشکلات کے پیش نظر جو ان مثالی طریقوں کے فوری اور سختی کے ساتھ رواج سے ہماری اقتصادی زندگی کے بعض دوائر میں پیش آسکتی ہیں، کونسل نے ماہرین اقتصادیات و بنک کاری کی اس تجویز سے اتفاق کیا ہے کہ سود سے پاک مجوزہ نظام بنک کاری میں بعض دوسرے طریقے مثلاً پٹہ داری، ملکیتی کرایہ داری، بیع موجل، سرمایہ کاری بذریعہ نیلام کاری اور عمومی شرح منافع پر، اس واضح شرط کے ساتھ سرمایہ کاری کہ حقیقی نفع نقصان معلوم ہو جانے پر لین دین بیباق کیا جائے گا، بھی زیر استعمال رہیں گے۔ تاہم کونسل نے اس خطرے کے پیش نظر کہ مبادا یہ دوسرے طریقے سودی لین دین کے از سر نو رواج کیلئے چور دروازے کے طور پر استعمال ہوں اس امر پر زور دیا ہے کہ یہ فیصلہ پالیسی کے طور پر ہو جانا چاہیئے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نفع نقصان میں شرکت یا قرض حسنہ کی صورت میں سرمایہ کاری کے رواج کو بتدریج وسعت دی جائے گی اور یہ تمام دوسرے متبادل طریقے بالآخر ختم کر دیئے جائیں گے۔

کونسل نے اس امر کی جانب بھی اشارہ کیا ہے کہ ملک کے اقتصادی نظام سے سودی لین دین کا خاتمہ اسلام کے مجموعی نظام اقدار کا بس ایک حصہ ہے اور صرف اس اقدام سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ ہمارا پورا معاشی ڈھانچا اسلامی تصورات کی بنیادوں پر استوار ہو جائے گا۔ لہٰذا یہ امر لازمی ہے کہ تعمیر اخلاق و کردار اور زندگی کی جھوٹی قدروں کے استیصال جیسے اصلاحی اقدامات کی ضرورت و اہمیت عوام پر واضح کی جائے۔

کونسل نے ملک کے مجموعی نظام محاصل کا از سر نو تنقیدی جائزہ لینے کے علاوہ حسابات کی جانچ پڑتال کے مروّجہ طریقوں کی مکمل اصلاح کی بھی تجویز پیش کی ہے ۔تاکہ سود سے پاک نظام بنک کاری یقینی طور پر کامیاب ہو سکے ۔

کونسل ان مشکلات سے اچھی طرح آگاہ ہے جو بین الاقوامی تجارت اور بیرونی امدادی رقوم کے لین دین سے سود کا عنصر ختم کرنے کے سلسلے میں پیش آسکتی ہیں ۔ چنانچہ اس نے سفارش کی ہے کہ ابتدائی طور پر ہمارا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ اندرون ملک تجارتی لین دین سود سے پاک ہو جائے ۔ اس سلسلے میں کونسل نے تین مرحلوں پر مشتمل ایک عملی نقشہ کار تجویز کیا ہے جس کی غرض و غایت دسمبر ۱۹۸۱ء تک اندرون ملک تجارتی لین دین سے استیصال کرنا ہے ۔کونسل نے ماڈل بنکوں کے قیام یا موجودہ تجارتی بنکوں میں سود سے پاک علیحدہ کاؤنٹر کھولنے کی شدید مخالفت کی ہے کیونکہ اس کی رائے میں اس طرح کے اقدامات سودی نظام کی بقا و دوام میں ممد و معاون ثابت ہوں گے اور ملک میں سود سے پاک نظام بنک کاری کے قیام کی تمام کوششیں ناکام ہو کر رہ جائیں گی ۔

نہ دُنیا میں کوئی چیز مکمل ہے نہ یہاں کسی علمی کوشش کو حرف آخر کا درجہ دیا جا سکتا ہے ،خصوصاً مغرب کے مادّہ پرست معاشرے میں ارتقا یافتہ جدید مالی اقتصادی تصوّرات اور عملی طور طریقوں کو،جو ، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ،ایک وسیع اور انتہائی پیچیدہ نظام کی شکل اختیار کر چکے ہیں ، اِن کی صدیوں سے قائم مضبوط بنیادوں سے ہٹا کر اسلامی احکام و ضوابط کی روشنی میں از سر نو مرتب کرنا ایک ایسا مشکل فریضہ تھا جسے اپنے ذمہ لے لینا ہی جرأت رندانہ کا متقاضی تھا ۔الحمدللہ کونسل نے یہ فریضہ اپنی بساط کے مطابق بہترین صورت میں انجام دیا ۔ اگر یہ رپورٹ اسلامی ممالک ،خصوصاً پاکستان کے اقتصادی نظام کو سودی عناصر سے پاک کرنے کی راہیں ہموار کر سکی تو سمجھا جائے گا ،کونسل کی کوششیں رائیگاں نہیں گئیں ۔

(جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمن)

چیئرمین

اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

تعارف

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک کسی ملک کی اقتصادیات میں سودی لین دین کا رواج موجود ہے، وہاں اسلامی نظامِ زندگی قائم نہیں ہوسکتا - قرآن مجید کی آیات اور احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں سود کی مذمت جن الفاظ اور جس شد ومد کے ساتھ کی گئی ہے، اس سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام کی نظر میں سود اتنی بڑی اقتصادی اور معاشرتی بُرائی ہے کہ اسے کسی صورت میں برداشت نہیں کیا جاسکتا - چونکہ پاکستان ایک نظریاتی ریاست ہے اور دستور میں بھی یہ بات طے کر دی گئی ہے کہ سود کا خاتمہ ریاست کی ذمہ داری ہوگی، اس لئے یہ امر ابتدا ہی سے مملکت خداداد پاکستان کی ریاستی پالیسی کا ایک اہم اور لاینفک جزو رہا ہے کہ وہ ملکی اقتصادیات سے استیصال سود کے لئے ضروری اقدامات بروئے کار لائے - چنانچہ اس سلسلے میں اسلامی نظریاتی کونسل سے متعدد بار یہ کہا گیا کہ وہ قرآن وسنت کی روشنی میں، ربوٰا کا صحیح مفہوم واضح کرے اور یہ بتائے کہ اسلامی قانون کے ان بنیادی مآخذ میں سود کے متعلق جو احکام اور ہدایات وارد ہوئی ہیں اِن کا حقیقی مقصود و مدعا کیا ہے ؟ ان استفسارات کے جواب میں کونسل نے ہمیشہ اس نقطۂ نظر کا اظہار کیا کہ ربوٰا کی اصطلاح سود کی ہر قسم اور نوع پر حاوی ہے - خواہ وہ سود گھریلو اشیائے صرف کی خریداری کے لئے دیئے گئے قرضوں پر لیا گیا ہو یا پیداواری مقاصد کے لئے دیئے گئے کاروباری قرضوں پر، - اور خواہ وہ سود ذاتی نوعیت کے ہوں یا تجارتی نوعیت کے - اور خواہ قرض لینے والا کوئی فرد ہو، یا ادارہ یا حکومت، اور خواہ سود کی شرح کم ہو یا زیادہ - لیکن افسوس ہے موجودہ حکومت کے قیام سے پہلے اس قسم کے رسمی استفسارات کے سوا استیصال سود کے لئے کوئی قابل ذکر کوشش نہیں کی گئی -

ملکی اقتصادیات سے استیصال سود کے سلسلے میں عملی اقدام کا شرف صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کو حاصل ہوا - موصوف نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لینے کے بعد نہ صرف یہ کہ اسلامی نظریاتی کونسل کو ہدایت کی کہ وہ ملک میں سود سے پاک اقتصادی

نظام کا خاکہ تیار کرے بلکہ یہ اعلان بھی کر دیا کہ تین سال کے بعد پاکستان میں سود کا لینا اور دینا قطعاً ممنوع ہوگا۔ مزید برآں تحدید وقت سے متعلق صدر محترم کے اس اعلان کو آئین پاکستان میں اس ترمیم کے ذریعے آئینی حیثیت دے دی گئی جس میں کہا گیا ہے کہ مالی امور سے تعلق رکھنے والے قوانین آئندہ صرف تین سال تک شرعی عدالتوں کے اختیارات سماعت سے باہر رہیں گے۔

اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی تشکیل نو کے فوراً بعد اقتصادیات اور بنک کاری کے ماہروں پر مشتمل ایک پینل قائم کیا تاکہ وہ اسلامی احکام و تعلیمات کی روشنی میں ملک کے اقتصادی نظام کی ترتیب و تنظیم جدید کے لئے ضروری خاکہ تیار کرے۔ اس پینل کے سپرد جو کام کئے گئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ وہ استیصال سود کے مسئلے کے تکنیکی اور فنی پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ لے کر یہ بتائے کہ وہ کون سے طریقے اور ذریعے ہیں جن سے کام لے کر ملک کے نظام بنک کاری کو شریعت اسلامی کے مطابق از سر نو منظم کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ پینل نے مسئلے کے تمام پہلوؤں کا دقت نظر سے جائزہ لے کر اپنی سفارشات مرتب کیں اور کونسل کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کی جس میں ایسی قابل عمل تجاویز شامل تھیں جن کے ذریعے ملکی اقتصادیات سے سود کا عنصر اس حد تک ختم کیا جا سکتا تھا جس حد تک بحالات موجودہ ممکن ہے۔ اس کے علاوہ ان سفارشات میں وہ بڑے بڑے خطوط بھی واضح کر دیئے گئے تھے جن پر نئے نظام کی عمارت استوار ہونی چاہیئے۔ کونسل کی زیر نظر رپورٹ بڑی حد تک پینل کی انہیں سفارشات پر مبنی ہے۔ تاہم جہاں ضرورت محسوس ہوئی کونسل نے احکام شریعت اسلامیہ کے مطابق پینل کی سفارشات میں مناسب ترمیم و اصلاح اور حذف و اضافہ سے بھی کام لیا ہے۔ کونسل کو پوری امید ہے کہ صدر پاکستان اور ان کے رفقاء کار زیر نظر رپورٹ کو قومی پالیسی کے ایک لازمی حصے کی حیثیت سے قبول فرمائیں گے۔ اور اس کا عملی نفاذ کر کے بلا تاخیر تمام ضروری اقدامات بروئے کار لائے جائیں گے۔

۲۔ اس رپورٹ کی تیاری اور ترتیب و تالیف میں ماہرین معاشیات و بنک کار کے پینل نے جو وقیع خدمات انجام دی ہیں، کونسل بصمیم قلب ان کا اعتراف کرتی ہے اور پینل کی انتھک کوششوں، مقصد سے اس کے اخلاص، اس کی اعلیٰ ترین ذہنی صلاحیتوں

اور فنی مہارت کو خراج تحسین پیش کرتی ہے جس کے باعث پینل کے لئے یہ ممکن ہوا کہ اس نے سوا دو سال کے نتیجۃً مختصر عرصے میں اسلام کے نظام اقتصادیات پر تین قابل قدر رپورٹیں پیش کیں۔

پینل کی پہلی رپورٹ، جو عبوری تھی، منتخب مالی اداروں کے لین دین سے استیصال سود کے طریقوں پر مشتمل تھی۔ یہ دونوں رپورٹیں کونسل کے تبصرے اور مشوروں کے ساتھ پہلے ہی حکومت کی خدمت میں پیش کی جا چکی ہیں۔ پینل کی تیسری رپورٹ جو اس وقت قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے، اس کی ان کوششوں کی معراج کو ظاہر کرتی ہے جن کی ابتدا اس کام سے ہوئی جو پینل نے عبوری رپورٹ پر کیا۔ اس رپورٹ میں بڑی جامعیت کے ساتھ ان تمام مسائل پر بحث کی گئی ہے جو بحیثیت مجموعی ملک کی پوری اقتصادیات سے سود کا عنصر ختم کرنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس رپورٹ میں خاص تفصیل کے ساتھ ان اقدامات کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو حصول مقصد کے لئے ضروری ہیں۔ کونسل کی رائے میں پینل کی یہ رپورٹ ایک ایسی تاریخی دستاویز ہے جس میں نہ صرف یہ کہ اندرون ملک استیصال سود کی عملی بنیادیں فراہم کر دی گئی ہیں بلکہ اُمید ہے بیرونی ممالک کے لئے بھی اس موضوع پر مزید تحقیق و جستجو اور حکمت عملی کی تیاری میں ایک پُرزور محرک اور رہنمائی کا عمدہ ذریعہ ثابت ہو گی۔ اس دستاویز کے موضوع کی وسعت اور اس میں اختیار کئے گئے فنی طریق کار کی خوبیوں کے پیش نظر یہ کہنا بجا ہو گا کہ عصر حاضر کے عالم اسلام میں یہ سب سے پہلا رسالہ ہے جس کی تیاری اور تصنیف میں اقتصادیات اور بنک کاری کے ماہرین نے حصہ لیا جو نہ صرف یہ کہ معاشی امور اور مالی معاملات کا وسیع عملی تجربہ رکھتے تھے بلکہ انہیں اس اہم اور انتہائی مشکل کام کے عملی اور نظری پہلوؤں کا بھی واضح شعور اور گہری بصیرت حاصل تھی جو ان کے سپرد کیا گیا تھا۔

اب جب کہ الحمدللہ ملکی اقتصادیات سے استیصال سود کے سلسلے میں بنیادی کام مکمل ہو چکا ہے، حکومت کو چاہیئے کہ وہ مختلف ورکنگ گروپ قائم کرے جو نئے نظام کی جملہ تفصیلات طے کرنے کے علاوہ حکومت کو یہ مشورہ دیں کہ وہ کون سی تبدیلیاں ہیں جو مالیات اور بنک کاری سے متعلقہ قوانین میں بروئے کار آنی چاہئیں۔ اس کے علاوہ مطلوبہ تبدیلیوں کے مؤثر نفاذ کے لئے نئے قوانین کے مسودوں اور ایکٹ

جامع اور قابل عمل نقشۂ کار کی تیاری کا فریضہ بھی انہی کے سپرد ہونا چاہیئے ۔ان گروپوں کو اپنے کام کا آغاز اس امر کے حقیقی احساس کے ساتھ کرنا چاہیئے کہ ایک تو یہ کام وقت کی اہم اور فوری ضرورت ہے اور دوسرے ہماری قومی ذمہ داری ہے ۔

(۳) کونسل کو پینل کی اس رائے سے پورا اتفاق ہے کہ قومی اقتصادیات سے سودی عناصر کا خاتمہ اسلام کے نظام افدار کا بس ایک حصّہ ہے اور صرف اس اقدام سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ ہمارا پورا معاشی نظام اور اقتصادی ڈھانچا اسلامی افکار و تصورات کے مطابق ڈھل جائے گا ۔علاوہ ازیں اس سمت میں قدم بڑھاتے ہوئے یہ حقیقت ہماری نظروں سے اوجھل نہ ہونی چاہیئے کہ سود سے پاک نظام بنک کاری صرف اس صورت میں کامیاب اور مثمر آور ہوسکتا ہے جب اس کے نفاذ کے ساتھ ساتھ اس امر کے لئے بھی بہترین کوششیں بروئے کار لائی جائیں کہ لوگوں میں خدا خوفی ، دیانتداری ، احساس ذمہ داری ، حبّ الوطنی اور اعتبار کے قابل ہونا جیسی لازمی اخلاقی خوبیاں اجاگر ہوں ۔افسوس ہے اسلامی قوانین رائج کرتے وقت معاملے کے اس پہلو پر اتنی توجہ نہ دی جاسکی جس کا یہ مستحق تھا ۔کونسل نے اس سے پہلے ، جس وقت قوانین حدود اور نظام زکوٰۃ کے سلسلے میں اپنی سفارشات پیش کی تھیں ، اس وقت بھی تعمیر اخلاق اور زندگی کی جھوٹی قدروں کے استیصال جیسے اصلاحی اقدامات کی اہمیت پر زور دیا تھا ۔ لیکن اب جب کہ ملک میں سود سے پاک نظام بنک کاری رائج ہو رہا ہے ۔

ایسے اصلاحی اقدامات کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے ۔لہٰذا کونسل ایک مرتبہ پھر پورے زور کے ساتھ اپنی اس سفارش کا اعادہ کرتی ہے کہ عوام کو نئے نظام کی تفصیلات سے آگاہ کرنے اور اس کی افادیت ان کے ذہن نشین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ذرائع ابلاغ عامہ کے ذریعے پہلے سے طے شدہ نقشے کے مطابق ایک بھرپور تبلیغی مہم چلائی جائے تاکہ انہیں نئے نظام کی مادّی اور اخلاقی خوبیاں معلوم ہوں اور یہ کہ وہ کون سے دنیاوی اور اُخروی فوائد و برکات ہیں جو انہیں اس تبدیلی کی صورت میں حاصل ہوں گے ۔ علاوہ ازیں انہیں یہ بھی جاننا چاہیئے کہ نئے نظام کی کامیابی کیلئے انہیں کیا کرنا ہے اور اس سلسلے میں ان پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ۔اس مہم کا مقصد صرف یہ نہ ہونا چاہیئے کہ عوام مجوزہ نظام کے مطلب و مفہوم اور غرض و غایت سے

آگاہ ہوں بلکہ انہیں اس بات کے لئے آمادہ کیا جانا چاہیئے کہ وہ اس تبدیلی کے پیش کردہ چیلنج کو پورے اخلاص، خوش دلی اور مشنری جوش وجذبہ کے ساتھ قبول کریں۔

۴۔ کونسل اس امر پر زور دینا چاہتی ہے کہ بنک کاری کے لئے نئے نظام کو کامیاب کرنے کے لئے یہ امر انتہائی ضروری ہے کہ حکومت ملک کے پورے نظام محاصل کا از سر نو مکمل جائزہ لے اور خاص طور پر انکم ٹیکس کے طریق کار کو آسان بنائے۔ کونسل نے نظام زکواۃ کے نفاذ کی سفارش کرتے وقت بھی اس اقدام کی ضرورت کا اظہار کیا تھا۔ اور لکھا تھا کہ جب تک انکم ٹیکس کے نظام اور اس کی تشخیص کے طریق کار کو سادہ اور آسان نہ بنایا جائے گا زکواۃ کی صحیح صورت میں وصولی ممکن نہ ہوگی۔ افسوس ہے کونسل کی اس سفارش پر ابھی تک عمل درآمد نہیں ہو سکا۔ کونسل اپنی زیر نظر رپورٹ پیش کرتے ہوئے اس سلسلے میں ایک مرتبہ پھر اپنی گہری تشویش کا اظہار کرنا چاہتی ہے، خصوصاً اس لئے کہ انکم ٹیکس کے نظام کی مکمل اصلاح سود سے پاک نظام بنک کاری کی کامیابی کے لئے ایک لازمی شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی وجہ یہ حقیقت ہے کہ نئے نظام میں بنکوں کی آمدنی کا انحصار بڑی حد تک ان کاروباری اداروں کے منافعوں پر ہوگا جو بنکوں سے مالی امداد لیں گے۔ لہٰذا اگر انکم ٹیکس کا موجودہ نظام جوں کا توں رہا تو کاروباری ادارے بھی پہلے کی طرح بدعنوانیوں کے مرتکب ہوتے رہیں گے۔ وہ اپنے منافعے چھپائیں گے اور دوہرے تہرے حسابات رکھیں گے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان اداروں کے منافع میں سے بنکوں کا جائز حصہ انہیں نہ ملے گا جس سے بنکوں کی آمدنی متاثر ہوگی۔

(۵) جہاں تک سود سے پاک بنک کاری نظام کے عملی پہلوؤں کا تعلق ہے کونسل اس امر کو ابتدا ہی میں واضح کر دینا ضروری سمجھتی ہے کہ اسلام کے اقتصادی نظام میں سود کا مثالی متبادل حل نفع نقصان میں شرکت یا قرض حسنہ کی صورت میں سرمائے کی فراہمی ہے۔ اگرچہ اس رپورٹ میں پیش کردہ سفارشات بڑی حد تک نفع نقصان میں شرکت کے اصول پر مبنی ہیں، لیکن بعض سفارشات میں کچھ دوسرے متبادل طریقے مثلاً پٹہ داری، ملکیتی کرایہ داری، بیع موجل، سرمایہ کاری بذریعہ نیلام کاری بھی اپنائے گئے ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان دنوں ہمارا معاشرہ اخلاق و کردار کی جس سطح پر ہے، اس کے پیش نظر نفع نقصان میں شرکت کے اصول کو پورے طور پر نافذ کرنے میں بعض عملی

مشکلات پیش آسکتی ہیں۔ تاہم کونسل نے ان متبادل طریقوں میں جہاں ضرورت محسوس کی مناسب تبدیلیاں کیں تاکہ انکے ذریعے سودی لین دین کے امکان کو ختم کیا جاسکے۔ علاوہ ازیں اس امر کی جانب بھی اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ اگرچہ یہ متبادل طریقے جس صورت میں یہ زیر نظر رپورٹ میں پیش کئے گئے ہیں، سود کے عنصر سے پاک ہیں، تاہم اسلام کے مثالی اقتصادی نظام کے نقطۂ نظر سے یہ صرف "دوسرا بہترین حل" سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ اس کے علاوہ یہ خطرہ بھی موجود ہے کہ یہ طریقے بالآخر سودی لین دین اور اس سے متعلقہ برائیوں کے از سرنو رواج کے لئے چور دروازے کے طور پر استعمال ہونے لگیں۔

لہٰذا یہ امر ضروری ہے کہ ان طریقوں کا استعمال کم سے کم حد تک صرف ان صورتوں اور خاص حالات میں کیا جائے جہاں اس کے سوا چارہ نہ ہو اور اس بات کی ہرگز اجازت نہ دی جائے کہ یہ طریقے سرمایہ کاری کے عام معمول کی حیثیت اختیار کرلیں۔ لہٰذا کونسل سفارش کرتی ہے کہ اس امر کا فیصلہ بنیادی پالیسی کے طور پر ہو جانا چاہیئے کہ جوں جوں وقت گزرے گا نفع نقصان میں شرکت اور قرض حسنہ کی صورت میں فراہمی سرمایہ کے اصول کو زیادہ سے زیادہ عمل میں لایا جائے گا اور سرمایہ کاری کے یہ دوسرے طریقے بالکل ختم کر دیئے جائیں گے۔

کونسل کی رائے میں اس وقت دو عوامل ایسے ہیں جو نفع نقصان میں شرکت کے اصول کو وسیع پیمانے پر اپنائے جانے کے خلاف برسرکار ہیں یعنی ایک تو معاشرے میں غیر اخلاقی طریقوں کا وسیع پیمانے پر رواج اور دوسرے جہالت لہٰذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں ایک مثالی اسلامی نظام قائم ہو تو ہمارے لئے ناگزیر ہے کہ ہم ان دونوں عوامل کے استیصال کے لئے بھرپور جدوجہد کریں۔ قرآن مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دیانت داری، لین دین کی صفائی اور حصول علم کی اہمیت پر بے حد زور دیا گیا ہے۔ قرآن مجید مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ قرض کی صورت میں جو لین دین کریں اسے لکھ لیا کریں۔ اللہ تعالےٰ کا یہ حکم لین دین میں کھرے پن کی ضمانت مہیا کرتا ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنی تمام صلاحیتیں اور وسائل عوام میں دیانتداری کا احساس بیدار کرنے اور ملک سے جہالت کی تاریکیاں ختم کرنے میں صرف کرنے چاہئیں۔ جب ہمارا معاشرہ دیانتداری کی مطلوبہ سطح حاصل کرلے گا اور تعلیم کی روشنی عام ہو جائے گی تو مندرجہ بالا متبادل طریقے خود

بحود غیر ضروری قرار پا جائیں گے اور تمام مالی ادارے نفع نقصان میں شرکت یا قرضِ حسنہ کی بنیاد پر سرمایہ کاری کریں گے۔

۶ - آج کل کسی ملک کا نظام بنک کاری اس کی معاشیات میں انتہائی اہم کردار ادا کرتا ہے لہذا پاکستان کے بنکنگ سسٹم کو اسلامی اصولوں پر استوار کرنے کے لئے یہ بات ناگزیر ہے کہ ایسے تمام قوانین، اور قواعد و ضوابط میں ضروری تبدیلیاں بروئے کار لائی جائیں جو کسی بھی حیثیت سے ہمارے بنکوں کی کارکردگی پر اثر انداز ہوتے ہوں - لہذا مال کی خرید و فروخت، رہن، کرایہ، پٹہ، وکالت، قرض، تولیت، شراکت اور خیانت وغیرہ سے متعلق تمام قوانین میں ایسی تبدیلیاں کی جانی چاہئیں کہ وہ اسلامی شریعت کے مطابق ہو جائیں - چنانچہ کونسل سفارش کرتی ہے کہ استیصال سود کی مہم شروع کرنے کے ساتھ ساتھ ان قوانین میں اصلاح و ترمیم کا عمل بھی بروئے کار آنا چاہیئے -

(بقیہ صت ۱۷۱)

۲۹ - جلباب (سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۵۹) سے کیا مراد ہے اور قرون اولی میں اس کی کیا شکل رائج تھی ؟

۳۰ - کیا آجکل کا مروجہ برقع حجاب کے احکامات کے مطابق ہے -

۳۱ - اگر سوال نمبر ۳۰ کا جواب نفی میں ہو تو آپ اس کی جگہ کیا استعمال کرتے ہیں ؟

۳۲ - پردے کے احکامات کب نازل ہوئے کن کن سورتوں میں ہیں اور ان میں کیا ترتیب اور ربط ہے ؟

۳۳ - کیا ٹیلی ویژن پر مسلمان مرد نامحرم خواتین کو اور مسلمان خواتین نامحرم مردوں کو دیکھ سکتی ہیں ؟

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً

(پہنچاؤ میری جانب سے چاہے ایک ہی آیت ہو)

ڈاکٹر اسرار احمد

تیسری قسط

تعارفِ الکتاب

نواں پارہ

قَالَ الْمَلَأُ

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِن قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ ۝

قرآن مجید کا نواں پارہ "قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ" کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔ اور اسی نام سے موسوم ہے۔ اس کے بعد سورۃ انفال کی چالیس آیات سورۃ اعراف کی ابتدا میں وہی مضمون جو سابقہ پارے میں جاری تھا۔ یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر اور اس کے بعد بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر شروع ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات واقعات فرعون کے ساتھ ان کی کشمکش مصر میں جن شدائد و مسائل سے وہ اور بنی اسرائیل دوچار رہتے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ فرعون کے انتہائی شدید عذاب اور اس کی طرف سے شدید مصیبت سے دوچار کیا جا رہا تھا۔ ان حالات و واقعات کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا۔ ساتھ ہی یہ واقعہ بھی بیان ہوا کہ فرعون کے عذاب سے نجات پانے کے فوراً بعد یہ بدبخت قوم وہ ہے جو شرک میں مبتلا ہوگئی۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے کوہ طور پر طلب فرمایا۔ تاکہ انہیں تورات عطا کی جائے۔ ان کے پیچھے بنی اسرائیل بچھڑے کی پرستش میں مبتلا ہوگئے۔ گویا انجیل ہی کے الفاظ کے مطابق یہ وہ قوم تھی جس نے پہلی ہی شب میں بیوفائی کی اس پر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام

واپس آئے تو انہوں نے انتہائی ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شدید سزا بھی اس قوم کو ملی اور بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ستر سرکردہ افراد کولے کر اجتماعی توبہ کے لئے حاضر ہوئے اس موقعہ پر جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے استغفار فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا کہ جہاں تک میری رحمت کا تعلق ہے وہ اگرچہ عام ہے لیکن تمام اہل ایمان کے لئے اور ان لوگوں کیلئے جن سے اگر گناہ سرزد ہو جائے تو وہ توبہ کریں۔ رجوع کریں۔ ان کے لئے بھی میری رحمت ہے۔ لیکن میری رحمت کا خاص حصہ ان کو ملنے والا ہے جو نبی اُمّیؐ پر ایمان لائیں گے۔ اس ضمن میں چند بڑے جامع اصول سامنے آتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ ....

وہ لوگ جو ہمارے اس نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے، ان کا احترام کریں گے، ان کا ادب کریں گے، ان کے مسلک کی پیروی کریں گے، فرائض رسالت کی ادائیگی میں ان کے دست و بازو بنیں گے، اپنے مشن کی تکمیل میں مددگار بنیں گے اور اس نور کا اتباع کریں گے، جو ہم اس کے ساتھ نازل کریں گے۔ (یعنی قرآن مجید) یہ لوگ ہوں گے جو حقیقی فلاح سے دوچار ہوں گے۔

ان الفاظ میں ہم مسلمانوں کے لئے بھی بڑی راہنمائی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ حقوق ہیں جو ہم میں سے ہر فرد پر عاید ہوتے ہیں آپ پر ایمان، آپ کی پیروی، آپ کا ادب آپ کے مشن کی تکمیل کے لئے جان و مال کا کھپانا وہ دین جو آپ لے کر آئے تھے، جس کے بارے میں مولانا حالی نے بڑے دردانگیز پیرائے میں کہا کہ:۔

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے!

اس دین کو دنیا میں غالب کرنا ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ بعثت ہے ۔ اس کے لئے جان و مال کھپانا اور اس قرآن مجید کا اتباع کرنا ۔ اللہ کی اس مضبوط رسی کو پوری مضبوطی کے ساتھ تھام لینا ، یہ ہیں امتِ مسلمہ میں

سے ہر فرد و بشر کے فرائض جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے ضمن میں اس پر عاید ہوتے ہیں ۔ جیسا کہ عرض کیا گیا تھا ۔ کہ سورۃ اعراف اکثر و بیشتر تاریخ انسانی کے اہم واقعات پر مشتمل ہے اور انسان سے جو عہد ازل میں لیا گیا تھا ۔

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی ج

کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ۔ اور سب نے اقرار کیا تھا ۔ بلیٰ (ہاں) اس عہد کا بھی ذکر ہوا ساتھ ہی تاریخ بنی اسرائیل کی ایک بڑی اہم شخصیت بلعم بن باعور کا بھی ذکر ہوا ہے جسے اللہ نے بہت سا علم عطا کیا تھا ۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۔ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ج ط

اور ہم چاہتے تو اسے اور بلندی عطا فرماتے اور رفعت و شان عطا فرماتے لیکن جو بدقسمت زمینی خواہشات اور سفلی شہوات ہی کی طرف ہو کر رہ گیا اس کی مثال کتے کی ہے اس کے بعد سورۃ انفال کا آغاز ہوتا ہے ۔ یہ سورۃ مبارکہ مدنی ہے اور پوری کی پوری سن دو ہجری میں غزوہ بدر کے فوراً بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس سورۃ مبارکہ میں ہمارے دین کے دو بنیادی حقوق کو بڑے شرح و سدر کے ساتھ بیان کیا گیا یعنی ایک ایمان دوسرے جہاد چنانچہ آغاز ہی میں مومنین صادقین کے اوصاف کا ذکر ہوا ۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ۔

مومن تو بس وہ ہے کہ جب اللہ کا نام لیا جائے تو اُن کے دل لرز اُٹھے آیت :۔ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ

يَتَوَكَّلُوْنَ ج الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ط

اور جب انہیں ہماری آیات پڑھ کر سنائی جائیں تو اُن کے ایمان یقین میں اضافہ ہو اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہوں اور وہ نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے ہمارے لئے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۔

جن لوگوں میں یہ اوصاف ہیں وہ درحقیقت مومنین ہیں اس کے فوراً بعد غزوۂ بدر کا ذکر شروع ہو گیا ہے یہ انتہائی عظیم اور اہم معرکہ جس سے کفر کو کھلی شکست ہوئی اور اسلام کو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے ایک عظیم فتح عطا فرمائی اس کا تفصیلاً ذکر ہوا۔ جن حالات میں یہ جنگ واقع ہوئی بالکل کوئی نسبت نہیں تھی مسلمانوں کے اور کفار کے مابین اس کے باوجود یہ تین سو تیرہ اور بے سروسامان اور وہ ایک ہزار اور کیل کانٹے سے لیس اللہ تعالےٰ نے فتح مبین عطا فرمائی کفار کے ستر سردار زمین بدر پہ کٹے ہوئے کھجور کی مانند پڑے ہوئے تھے۔ فرمایا گیا مسلمانو! اس مغالطے میں نہ رہنا کہ یہ فتح تم نے اپنے زورِ بازو سے حاصل کی ہے آیت۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ص

تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے کیا۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى اور اے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے جو کنکریوں کی مٹھی بھر کر کفار کی طرف پھینکی تھی وہ آپ نے نہیں ہم نے پھینکی تھی گویا کہ یہ فتح و نصرت تائید خداوندی سے ہی حاصل ہوئی تھی اور اسی کے لئے تم آئندہ بھی اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے اُمیدوار رہ سکتے ہو۔

وَاعْلَمُوْٓا

قرآن حکیم کا دسواں پارہ وَاعْلَمُوْٓا کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔
اور اسی نام سے موسوم ہے۔ اس میں اوّلاً سورۃ الانفال کی بقیہ ۴۵ آیات
شامل ہیں۔ اور اس کے بعد سورۃ التوبہ کا آغاز ہوتا ہے۔ جس کی ۹۳ آیات
اس پارے میں شامل ہیں۔ سورۃ الانفال میں قتال فی سبیل اللہ کا جو مضمون
پچھلے پارے سے چلا آرہا تھا۔ اس کا ہدف مقرر کیا گیا تھا ان الفاظ مبارکہ
سے وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ
کفار سے جنگ جاری رکھو۔ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین کل کا کل
صرف اللہ کے لئے ہو جائے۔ یعنی انسانی زندگی اپنی تمام تفصیلات سمیت
اللہ کی اطاعت کے تحت آجائے۔ اس پارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سے فرمایا گیا کہ آپ اہل ایمان کو قتال کی تحریص دلائیں انہیں ترغیب دیں۔
يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ۔
اے نبی اہل ایمان کو قتال پر راضی فرمایئے انہیں جہاد فی سبیل اللہ پر ابھاریئے۔
اس سورۃ کے اختتام پر ایمان حقیقی کی تعریف کا دوسرا جزو آیا۔
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ
الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ
اور وہ لوگ کہ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں
اور جہاد کیا اور وہ لوگ کہ جنہوں نے انہیں پناہ دی اور ان کی مدد کی یہ ہیں
اصل مومن اور حقیقی مومن۔ گویا کہ ایک حقیقی مومن کی جامع اور مانع تعریف اس
سورۃ مبارکہ میں دو حصوں میں ہو کر آئی پہلے حصے میں ایمان کے داخلی ثمرات
ایمان کی قلبی کیفیات عبادات کے ساتھ شغف اللہ پر توکل اور دوسرے حصے

میں جہاد فی سبیل اللہ ہجرت اور قتل فی سبیل اللہ ان دونوں کو جمع کیا جائے تو ایک بندۂ مومن کی پوری تصویر مکمل ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد سورۃ التوبہ کا آغاز ہوتا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ براءۃ بھی ہے۔ اس لئے کہ اس کا آغاز ہی اس لفظ سے ہوتا ہے۔ اور گویا کہ اس کی ابتدا ہی میں وہ آیات وارد ہوئی ہیں کہ جن کے ذریعے مشرکین عرب سے اعلان براءۃ کر دیا گیا۔ یہ درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کا تکمیلی مرحلہ ہے اندرون ملک عرب کی حد تک اسی سورۃ مبارکہ میں وہ عظیم آیت وارد ہوئی ہے۔ هُوَ الَّذِيٓ أَرْسَلَ رَسُولَهُۥ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُۥ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِۦ ط وہی ہے اللہ جس نے بھیجا اپنے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بالہدیٰ یعنی قرآن مجید اور دین حق دے کر تاکہ غالب کر اس کو پورے کے پورے دین پر یہ اللہ کے دین کا غلبہ اقامت دین اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ یہ ہے بعثت محمدی کی اصل غرض و غایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مشن کو جزیرہ نمائے عرب کی حد تک بہ نفس نفیس مکمل فرمایا۔ چنانچہ آپ کی ۲۳ سالہ محنت و مشقت اور جدوجہد کا جو تکمیلی مرحلہ ہے اندرون ملک عرب کی حد تک اس کا ذکر بھی ہے اس سورۃ مبارکہ میں چنانچہ غزوہ حنین کا ذکر بھی ہے کہ جو فتح مکہ کے بعد گویا مشرکین عرب کی طرف سے آخری (RESISTA NGE) تھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اور جس کے بعد پورے جزیرہ نمائے عرب میں کوئی طاقت ایسی باقی نہ رہی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں مزاحم ہو سکتی ہو۔ چنانچہ اگلے ہی سال ۹ھ میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قافلہ حج کو روانہ فرما چکے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت میں، اس سورۃ مبارکہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت علیؓ کو بھیجا جنہوں نے آپ کے ذاتی نمائندے کی حیثیت سے اجتماع حج میں ان آیات کو پڑھ کر سنایا۔ اعلان کر دیا کہ عشرہ کے خاتمے کے بعد جزیرہ نمائے

عرب کے مشرکین کا قتل عام شروع ہو جائے گا۔ جب یہ محترم مہینہ ختم ہو جائے تو مشرکین کو ختم کرو۔ جہاں کہیں پاؤ۔ یہ درحقیقت اسی سُنت اللہ کی تکمیل تھی کہ رسُولوں کے انکار کے بعد جن قوموں کی طرف رسولوں کو بھیجا جاتا ہے ان کے ساتھ رعایت نہیں کی جاتی۔ عذاب نازل ہوتا ہے کبھی وہ آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ کبھی وہ ان کے قدموں کے تلے زمین سے پھٹ کر نکلتا ہے۔ کبھی وہ اہل ایمان کی تلواروں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے ساتھ ہی اس سورۃ مبارکہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی دعوت یا بالفاظ دیگر انقلاب محمّدی علی صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کا جو بین الاقوامی اسلامی دور ہے اس کے آغاز کا ذکر ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے صلح حدیبیہ کے فوراً بعد اطراف و جوانب عرب میں جو ملوک وسلاطین تھے سب کو دعوتی خطوط بھیجے تھے۔ ان دعوتی خطوط میں سے ایک خط جو حضرت حارث ابن عمیر لے گئے تھے رئیس شام کے نام تھا حضرت حارث بن عمیر کو اس رئیس شام نے قتل کر دیا۔ چنانچہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قصاص کے لئے ایک فوج بھیجی۔ یہ تین ہزار کا لشکر تھا۔ جن کا مقابلہ شرفی بن عمر کی ایک لاکھ فوج سے ہوا۔ یہ جنگ موتہ کہلاتی ہے۔ جو جمادی الاوّل ۸ھ میں واقع ہوئی۔ اگرچہ اس میں کوئی مقابلہ نہ تھا تین ہزار کا ایک لاکھ سے لیکن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ بڑی ہی حکمت کے ساتھ مسلمان فوج کو کفار کے نرغے سے نکال لائے لیکن اس کے بعد حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تبوک کا سفر اختیار فرمایا۔ تین ہزار جانثاروں کے ساتھ آپ شام کی سرحد تک پہنچے اور بیس دن تک آپ نے وہاں قیام فرمایا۔ ہرقل اگرچہ قریب ہی موجود تھا۔ اور اس کے پاس لاکھوں کی فوج موجود تھی۔ لیکن وہ مقابلے پر نہ آسکا۔ اور پورے علاقے میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا رُعب و دبدبہ قائم ہوگیا۔ الغرض اس سفر تبوک کے ذریعے جس کی تفصیلات سورۃ التوبہ میں وارد ہوئی ہیں، دعوتِ انقلاب اسلامی حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بین الاقوامی دور کا آغاز ہوگیا۔

گیارہ پارہ

یَعۡتَذِرُوۡنَ

قرآن مجید کا گیارہواں پارہ یَعۡتَذِرُوۡنَ کے نام سے موسوم ہے اس میں اوّلاً سورۃ توبہ کی بقیہ ۳۶ آیات شامل ہیں پھر پوری سورۃ یونس اور آخر میں سورۃ ہود کی صرف پانچ آیات۔ سورۃ توبہ کے بارے میں پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ رجب ۹ھ میں غزوہ تبوک کے موقعہ پر نازل ہوئی۔ بعض آیات آغازِ سفر سے قبل نازل ہوئیں۔ کچھ دورانِ سفر نازل ہوئیں۔ اور کچھ واپسی پر۔ یہ غزوہ واقعہ یہ ہے کہ انتہائی نامساعد حالات میں پیش آیا۔ ایک تو وقت کی عظیم ترین عسکری قوت یعنی سلطنت روم سے ٹکراؤ تھا۔ پھر انتہائی سخت گرمی کا موسم تھا۔ قحط کا عالم تھا۔ مسلمانوں کے ایمان کے لئے ایک بہت بڑی آزمائش بن گئی۔ اور منافقین کے نفاق کا پردہ چاک ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورۃ مبارکہ میں منافقین کے بارے میں بڑی سخت ترین بات وارد ہوچکی ہے حضورؐ سے فرمایا گیا کہ " اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ " اے نبی آپ ان کے لئے خواہ استغفار فرمائیں خواہ نہ فرمائیں اگر آپ ان کے لئے ستر دفعہ استغفار کریں گے تب بھی اللہ ان کو معاف نہیں فرمائے گا۔"

اس سورۃ مبارکہ کا جو حصہ اس پارہ میں شامل ہے۔ اس میں منافقین کے بالکل برعکس اہل ایمان کے طرزِ عمل کی تعبیر ان مبارک الفاظ میں کی گئی۔ اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰى مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَــنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَيَقۡتُلُوۡنَ وَيُقۡتَلُوۡنَ ۟

اللہ تعالےٰ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور مال جنّت کے عوض خرید لی ہیں وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ اور قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔

یعنی اہل ایمان اللہ کے لئے اس کے دین کی سربلندی کے لئے نہ اپنی جان سے دریغ کرتے ہیں۔ اور نہ اپنے مال سے اس لئے کہ وہ تو پہلے ہی اللہ کے ہاتھ اپنی جانیں اور مال فروخت کر چکے ہیں۔ اب ان کے پاس یہ جان اور مال اللہ کی امانت ہے۔ کہ جب بھی اللہ چاہے اور اس کے دین کا تقاضا ہو۔ اسے حاضر کر دیں اور اللہ کی جناب میں سرخرو ہو جائیں اور سبکدوش ہو جائیں۔ اس سورۃ مبارکہ کے اختتام پر ایک بڑی عظیم آیت وارد ہوئی ہے۔ جس میں اللہ تعالےٰ نے بعثتِ محمدی کی شکل میں اُمتِ مسلمہ پر جو احسان عظیم فرمایا ہے۔ اس کا ذکر ہوا۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

اے مسلمانوں تمہارے پاس آ گئے ہیں ہمارے رسولؐ جو تم ہی میں سے ہیں۔ جن پر بہت شاق گذرتی ہے ہر وہ چیز جو تمہارے لئے باعثِ تکلیف ہو۔ اور جو تمہارے لئے ہر خیر اور بھلائی کے خواہاں ہیں۔ اور تمہارے حق میں رؤفٌ رحیم ہیں۔ سورۃ توبہ کے بعد گیارہویں پارے میں سورۃ یونس اور اس کے بعد سورۃ ہود وارد ہوئی ہیں۔ یہ دو مکی سورتیں بھی ایک انتہائی حسین وجمیل جوڑے کی صورت میں ہیں۔ اور ان کے مابین بھی وہی نسبت ہے۔ جو پہلے سورۃ انعام اور الاعراف میں تھی۔

سورۃ یونس میں زیادہ تر آفاق و انفس کی شہادتوں میں سے توحید اور نبی اکرم پر ایمان کی دعوت دی گئی۔ جبکہ سورۃ ہود میں زیادہ زور انبیاء و رسُل کے حالات واقعات اور جن اُمتوں اور قوموں کی طرف رسول بھیجے گئے ان کے انکار کی پاداش میں ان پر جو عذاب ہلاکت نازل ہوا۔ اس کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ سورۃ ہود کے بارے میں نبی اکرمؐ نے فرمایا۔ مجھے سورۃ ہود اور اس کی ہم مضمون سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے اس لئے کہ ان سورتوں میں بالکل انداز ایسا ہے۔ کہ جیسے اللہ تعالےٰ کی طرف سے اہل عرب کو آخری وارننگ دی جا رہی ہو۔ اور

اب بھی اگر وہ ایمان نہ لائے۔ تو گویا کہ عذاب الٰہی کا بند بالکل ٹوٹنے والا ہے۔
اس صورت حال کی وجہ سے نبی اکرمؐ سخت صدمہ سے دوچار تھے۔ ان دونوں سورتوں
میں قرآن مجید پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ دونوں کا آغاز ہوا اس بات کی وضاحت سے
کہ یہ قرآن مجید کمال حکمت کی حامل کتاب ہے۔ سورۃ یونس میں فرمایا۔ الٓرٰ
تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ سورۃ ہود کا
آغاز ہوا۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے۔ جس کی آیات پہلے محکم کی گئیں ان کی تفسیر کی
گئی اس ہستی کی طرف سے جو حکیم بھی ہے اور خبیر بھی۔ اس کے بعد ان دونوں سورتوں
میں قرآن حکیم کے بارے میں کفار کو چیلنج کر دیا گیا کہ اگر تمہارا یہ گمان ہے۔ کہ یہ ہمارے
رسول نے خود اپنی طرف سے گھڑ کر تصنیف کر لی ہیں۔ تم بھی ایسی کچھ سورتیں
تصنیف کر کے لے آؤ چنانچہ سورۃ ہود میں فرمایا۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ
وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

"کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ قرآن کو خود محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصنیف
فرمالیا ہے۔ تو ان سے کہیے کہ قرآن جیسی دس سورتیں تم بھی تصنیف کر کے لے آؤ"
یہ چیلنج سورۃ یونس میں اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ جہاں دس سورتوں کی بجائے یہ
فرمایا گیا کہ اس جیسی ایک ہی سورت تصنیف کر کے لے آؤ۔" فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ
مِّثْلِهٖ" ساتھ ہی یہ بات بھی واضح کر دی کہ مشرکین اور کفار کو اصل عداوت
و دشمنی قرآن مجید سے ہے جیسے کہ اس سے پہلے سورۃ انعام میں بھی یہ الفاظ وارد
ہو چکے ہیں کہ اے نبی آپ غمگین نہ ہوں۔ یہ کفار آپ کو جھوٹا نہیں کہہ رہے ہیں
بلکہ یہ تو اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں۔ یہاں بھی فرمایا گیا کہ ان کا مطالبہ
یہ ہے۔ اِئْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ۔ کہ اے محمدؐ اس قرآن
کے سوا کوئی اور قرآن لے کر آؤ یا اس میں کچھ ترمیم کر لو۔ ارشاد ہوا کہ جواب
میں فرمائیے اے نبی۔ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۗئِ نَفْسِيْ ۚ

میرے لئے بالکل ممکن نہیں ہے کہ میں اپنے جی سے اس میں ترمیم کرسکوں۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ میں تو خود پابند ہوں اس کا جو میری طرف وحی کیا جارہا ہے
چنانچہ اس حکم پر یونس کا اختتام بھی ہوتا ہے۔

وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْکَ وَاصْبِرْ حَتّٰی یَحْکُمَ اللّٰہُ ج وَھُوَ خَیْرُ الْحٰکِمِیْنَ ہ

اے نبی اتباع کیجئے پیروی کیجئے مضبوطی سے تھامے رکھئے اس کو کہ جو آپ کی طرف وحی کیا جارہا ہے اور صبر کیجئے انتظار فرمایئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم سنادے اور وہ تمام حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہے سب سے بڑھ کر عدل اور انصاف سے کام لینے والا ہے۔

سورۃ یونس میں ایک اور اہم مضمون جو وارد ہوا وہ ایمانِ حقیقی کے ثمرات سے متعلق ہے۔ وہ مومن حقیقی جو اللہ کا ولی، اللہ کا دوست، اللہ کا ساتھی بن جاتا ہے۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ج

یعنی وہ کہ جو ایمان لاتے اور جنہوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی۔ معلوم ہوا کہ ولایتِ الٰہی درحقیقت ایمان حقیقی اور تقویٰ ہی کا نام ہے اور اس کا حاصل یہ ہے۔

لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ط

ان کے لئے بشارتیں ہی بشارتیں ہیں۔ خوشخبریاں ہی خوشخبریاں ہیں۔ دُنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی۔ یہی وہ مضمون ہے جو قرآن مجید میں ایک اور مقام پر آیا ہے یہ ایمان حقیقی کے ثمرات ہیں۔ کہ انسان اس دنیا میں بھی خوف اور غم سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ اور آخرت میں بھی اسے ان دونوں چیزوں سے نجات مل جاتی ہے۔

سوالنامہ برائے پردہ

عالم اسلام خصوصاً پاکستان میں بے پردگی کا جو سیلاب آیا ہوا ہے اس نے ہر دینی شعور اور حس رکھنے والے مسلمان کو مضطرب کیا ہوا ہے۔ بعض اذہان میں عہد حاضر کے تقاضوں کے پیش نظر پردے کے بارے میں چند اشکالات بھی ہیں جن کو ایک مشاورت میں سامنے رکھ کر ایک جامع سوالنامہ مرتب کر کے ماہ نومبر ۸۰ء سے قبل تقریباً ۳۵ مقتدر علماء کرام اور دینی اداروں کو استصواب کے لئے ارسال کیا گیا تھا۔ تا حال صرف جامعہ مدینہ لاہور کے دارالافتاء سے اس کا ایک مجمل جواب موصول ہوا ہے۔ مزید جوابات کا انتظار ہے۔ قارئین میثاق میں سے جو اہل علم اس پر قلم اٹھانا چاہیں ان کو دعوت ہے کہ وہ ان مسائل پر دینی روشنی میں خیالات کا اظہار فرمائیں۔ ہمارے پاس جب اس مسئلہ پر کچھ مواد جمع ہو جائے گا تو اُسے شائع کر دیا جائے گا۔ جوابات کے لئے اس سوالنامے کے نمبر کا حوالہ دیا جائے گا لہٰذا جو حضرات اس مسئلہ سے خصوصی دلچسپی رکھتے ہوں اُن سے اس شمارے کو حفاظت سے رکھنے کی درخواست ہے (مرتب)

۱۔ کیا بالغ عورت اپنے گھر میں ایسے لباس میں رہ سکتی ہے۔ جس میں سے چہرے ہتھیلیاں ٹخنے سے نیچے پیر کے حصے کے علاوہ جسم کا کوئی اور حصہ ظاہر ہو۔ ہاں کی صورت میں وضاحت کیجئے۔

۲۔ کیا عورت کے بال بھی ستر میں شامل ہیں اور ڈھانپنا لازمی ہے؟

۳۔ کیا عورت اس لباس میں گھر سے باہر بھی نکل سکتی ہے۔ جس میں وہ بالعموم اپنے گھر میں ہوتی ہے۔

۴۔ کیا گھر سے باہر نکلتے وقت عورت کو اپنے جسم اور لباس کو کسی اضافی چادر یا برقع وغیرہ سے ڈھانپنا لازمی ہے۔

۵۔ کیا باہر نکلنے کے لئے عورت کا چہرہ بھی لازمی ڈھانپنا چاہیئے۔؟

۶ - اگر سوال نمبر ۵ کا جواب نفی میں ہو تو آیا بناؤ سنگھار (MAKE-UP) کے ساتھ بھی چہرے کو ڈھانپے بغیر باہر نکلا جا سکتا ہے - ؟

۷ - کیا محرم صرف وہی لوگ ہیں جن کا ذکر سورہ نور آیت نمبر ۳۱ میں ہے ؟

۸ - آیت مذکورہ بالا میں لفظ آبائن آیا ہے کیا اس کا اطلاق والد اور دادا کے چچا اور ماموں پر بھی ہوتا ہے -

۹ - کیا آبائن کا اطلاق خالو پر نہیں ہوتا اور وہ غیر محرم ہے ؟

۱۰ - اسی آیت مذکورہ میں اباء بعولتھن کا ذکر ملتا ہے یعنی عورت کے لئے شوہر کے والد اور دادا محرم ہیں کیا اس کا اطلاق شوہر کے چچا ماموں اور خالو پر بھی ہوتا ہے ؟

۱۱ - سوال نمبر ۱۰ کا جواب اگر ہاں میں ہو تو کیا اس پر قیاس کر کے بیوی کی ماں دادی چچی پھوپھی اور خالہ کے لئے اس کا شوہر محرم ہوگا ؟

۱۲ - کیا بھائی چچا ماموں بھانجے بھتیجے وغیرہ جو محرم قرار دیئے گئے ہیں اس کا اطلاق صرف سگے رشتہ داروں پر ہوتا ہے -

۱۳ - کیا چچا زاد ماموں زاد پھوپھی زاد اور خالو زاد بھائی بہن اور ان کی اولاد محرم ہے ؟

۱۴ - دیور اور جیٹھ کا غیر محرم ہونا تو ثابت ہے پھر ایسے چھوٹے چھوٹے گھروں میں جہاں پورا کنبہ ایک ساتھ رہتا ہو اور ان کے لئے یہ ممکن نہ ہو سکے کہ سب الگ الگ مکان میں رہ سکیں ایک دوسرے کا سامنا ہو جانا ممکن ہے بلکہ الیسا نہ ہونا ناممکن ہے اس سلسلے میں آپ کیا تجویز کرتے ہیں یا کیا حکم لگاتے ہیں -

۱۵ - کیا غیر محرم بالغ مرد یا نوکر محرم کی غیر موجودگی میں گھر میں آ سکتا ہے -

۱۶ - اگر غیر محرم افراد گھر میں آئیں تو عورت اپنے محرم کی موجودگی میں ان کے سامنے آ سکتی ہے -

۱۷ - اور عورت ان کے ساتھ بیٹھ سکتی ہے اگر ہاں تو کس لباس میں ؟

۱۸ - عورت پر پردے کے احکام کا اطلاق کس عمر سے شروع ہوتا ہے ؟

۱۹ - اگر کسی کے بھائی کی عمر اس کی شادی کے وقت ایسی رہی ہو کہ اس کے بھائی کی بیوی نے گود میں کھلایا ہو تو بالغ ہو جانے کے بعد کیا اس دیور کا معاملہ بھی

عام دیوروں کی طرح ہوگا۔

۲۰۔ اگر کسی عورت کی شادی کے وقت اسکی بہن کی عمر ایسی ہی ہو کہ اس کے شوہر نے سالی کو گود میں کھلایا ہو تو کیا یہ سالی بھی سن بلوغت کو پہنچ جانے کے بعد اس کے لئے ایسے غیر محرم ہوگی جیسے دوسری سالیاں؟

۲۱۔ کیا عورت غیر محرم کے ساتھ گھر سے باہر جا سکتی ہے؟

۲۲۔ اگر سوال نمبر ۲۱ کا جواب ہاں میں ہو تو یہ کن امور میں ممکن ہے؟

۱۔ سفر
بذریعہ ہوائی جہاز
بذریعہ بحری جہاز
بذریعہ ریل گاڑی
بذریعہ کار

۲۔ خرید فروخت کے لئے بازار جانا (۳)، پکنک (۴) تقریب میں شرکت کے لئے جانا۔

۲۳۔ ہنگامی حالات کون کون سے ہیں اور ان میں پردہ میں استثنیٰ کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

۲۴۔ اکثر سنے میں آتا ہے کہ مسلمان عورتیں جنگوں میں شریک ہوا کرتی تھیں اور زخمیوں کی تیمارداری اور مرہم پٹی کا کام ان کے سپرد ہوتا تھا یہ کہاں تک صحیح ہے۔

۲۵۔ کیا نرسنگ کا پیشہ مسلمان عورتیں کر سکتی ہیں بالخصوص جہاں انہیں ہسپتالوں میں غیر محرم کی مرہم پٹی اور تیمارداری کرنی ہوتی ہے؟

۲۶۔ حج کے موقع پر بالعموم اور طواف کے وقت بالخصوص پردے کی کیا صورت ہے؟

۲۷۔ کیا آپ قرآن کے اس حکم کو جس میں فرمایا گیا ہے کہ واذا سألتموھن متاعًا فسئلوھن من وراءِ حجاب آیت نمبر ۵۳ سورۃ الاحزاب) صرف امہات المومنین (ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے مخصوص سمجھتے ہیں؟

۲۸۔ غضِّ بصر سورۃ نور آیت نمبر ۳۰) سے کیا مراد ہے یہ محرم اور غیر محرم کیلئے یکساں ہے۔

(بقیہ صفحہ ۹۶ پر)

خطوط و آرا

● از جناب مولانا محمد منظور نعمانی ۔ مدیر ماہنامہ الفرقان ۔ لکھنؤ (بھارت)

(۱) محب مکرم محترم جناب قاضی عبدالقادر صاحب احسن اللہ تعالیٰ الیکم والینا

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عنایت نامہ مؤرخہ ۲۵ ۔ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ (یکم فروری ۱۹۸۱ء) موصول ہو کر موجب منت ہوا — ہمشیرہ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت کا اہتمام اور تعزیت کا دل سے شکر گزار ہوں ۔ جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء ۔

ڈاکٹر صاحب کے اور آپ کے علاقہ مدراس کے سفر اور خطابات کا حال معلوم کر کے دلی مسرت ہوئی اور حسرت بھی ۔

گرامی نامہ ہی سے آپ حضرات کی مولانا علی میاں سے بمبئی میں ملاقات کا حال معلوم ہوا ۔ مولانا ذکر کرنا غالباً بھول گئے ۔ بمبئی سے مولانا کی لکھنؤ واپسی کے بعد اتفاق سے بس ایک مختصر ملاقات ہو سکی ۔ وہ دوسرے ہی دن رائے بریلی تشریف لے گئے اور پھر ۳ ، فروری کو وہاں سے ہو کر حجازِ مقدس کے لئے روانہ ہو گئے —

آپ کا مجھ پر ایک اور بھی قرض ہے ۔ کئی ہفتے ہوئے (لفافہ کی لکھنؤ کی ڈاک کی مہر سے معلوم ہوا کہ قریباً ڈیڑھ مہینہ ہو گیا) پردہ کے مسئلہ سے متعلق آپ کا ایک بہت طویل سوالنامہ آیا تھا ۔ میں خود تو اس حال میں نہیں تھا اور نہیں ہوں کہ محنت کر کے اس کا جواب لکھ سکوں ، یہ سوچتا رہا کہ کس کے سپرد کروں ۔ پھر ذہن میں ایک بات آئی لیکن آپ کو لکھنے کی نوبت ابھی تک نہیں آئی تھی ۔ اب عرض کرتا ہوں میرا مشورہ یہ ہے کہ کسی ایسے صاحب سے اس کا تفصیلی اور تحقیقی جواب لکھوائیے جو اس کے اہل ہوں ۔ (میرا خیال ہے کہ مولانا محمد تقی عثمانی (کراچی) اور غالباً مولانا سمیع الحق صاحب (اکوڑہ خٹک) بھی وہ ہو سکتے ہیں) پھر وہی جواب اُن حضرات کو تصدیق کے لئے بھیج دیا جائے جن کی تصدیق و توثیق کی آپ ضرورت سمجھیں ۔

ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں سلام اخلاص و محبت ۔

دعاؤں کا محتاج وطالب اور دعاگو ہوں ۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

۱۲ - فروری ۱۹۸۱ء محمد منظور نعمانی بقلم عتیق

— اس مکتوب کے آخر میں مولانا مدظلہ نے اپنے قلم سے حسب ذیل اضافہ فرمایا :۔

(۱) "میثاق" میں ڈاکٹر صاحب کا وہ "خطبہ جمعہ" پڑھکر جو صدر ضیاء الحق صاحب کے سامنے دیا گیا تھا (جس میں زنانہ ہاکی ٹیم کا بھی تذکرہ تھا) دل سے دعا نکلی کثّر اللہ اَمْثَالَهُمْ فِيْنَا - افسوس ہے لوگ نظام، قانون کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں - اصل مقصد تو معاشرے میں ایمان اور ایمان والی زندگی کا ہے۔

(۲) میں نے ڈاکٹر صاحب سے عرض کیا تھا کہ آپ کی کتاب[1] کی اشاعت کے بعد سے جو کچھ ہوا ہے (جس نے کتاب کے لفظ لفظ کی تصدیق کردی ہے) وہ بھی اس طرح قلمبند ہوجانا چاہیے - میرے نزدیک یہ بڑی دینی خدمت ہے - ڈاکٹر صاحب نے غالباً بتلایا تھا کہ آپ یہ کام کررہے ہیں - کیا یہ کام ہورہا ہے ؟ اللہ تعالیٰ آپ سے یہ کام لے لے -

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ط والسلام

(۳) مخلص مکرم ومحترم جناب قاضی عبدالقادر صاحب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

گرامی نامہ مورخہ ۹ - فروری وقت پر موصول ہوگیا تھا اُس سے غالباً ایک ہی دن پہلے میں آپ کی خدمت میں عریضہ لکھ چکا تھا - اس میں پردہ کے مسئلہ سے متعلق جناب کے سوالنامے کے بارے میں بھی اپنا یہ مشورہ عرض کیا تھا کہ بہتر صورت یہ ہوگی کہ دین کے کسی صاحب علم اور صاحب قلم سے اس کا تفصیلی جواب لکھوایا جائے - پھر جن حضرات کی تصدیق وتوثیق کرانی ہو ان کے پاس اُس کی کاپی بھیج دی جائے - میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ اس کام کے لئے میرا خیال ہو مولانا تقی عثمانی صاحب یا مولوی سمیع الحق صاحب اور مولانا طٰسین صاحب بھی شاید موزوں ہوں — اس وقت خاص طور سے یہ عرض کرنا ہے کہ ربیع الاول، ربیع الثانی کے میثاق میں صفحہ ۴۹ سے صفحہ ۶۷ تک ڈاکٹر صاحب کی تقریر کا جو حاصل شائع کیا گیا ہے - میرا خیال یہ ہے کہ یہی وہاں کے مسئلہ کا حل ہے اب تو وہاں تحریک شروع ہوگئی میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے مشورہ کو اصولی طور پر اپنا کر وہ تحریک کو فیل کرسکتے ہیں - میری رائے ہے کہ اس کے لئے ڈاکٹر صاحب

---

[1] "تحریک جماعت اسلامی - ایک تحقیقی مطالعہ" مراد ہے (مرتب)

نجی ملاقاتیں کریں یا دوسرے صحیح الخیال با اثر لوگ یہ کام کریں۔ اس وقت یہ سطریں خاص طور سے ڈاکٹر صاحب کو یہی پیغام پہنچانے کے لئے لکھ رہا ہوں۔ امید ہے کہ یہ اشارہ کافی ہوگا۔ دُعا گو اور دُعاؤں کا محتاج ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں سلام مسنون۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ محمد منظور نعمانی (۲۳ر۲ر۸۱ء)

● از: مولانا محمد تقی امینی صاحب۔ ناظم شعبۂ سنی دینیات۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (بھارت)

محترم ومکرم ڈاکٹر صاحب زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ دعوت نامہ[1] مل گیا تھا۔ جواب میں تاخیر ہوئی معذرت چاہتا ہوں ۱۷ فروری کو بچی سلمہا کی شادی تھی اگرچہ بہت سادی تھی پھر بھی بچی کی تھی۔ سفر کا معاملہ ابتک پہلے ہی جیسا ہے احباب سے ملنے کا بہت جی چاہتا ہے خدا کرے جلد وہ دن آئے کہ آپ حضرات سے ملکر دل کو طمانیت وسکون حاصل ہو۔ آمین۔

قرآن حکیم کے سلسلہ میں آپکی خدمات "میثاق" کے ذریعہ معلوم ہوتی رہتی ہیں جو قابل رشک ہیں اللہ ان کو قبول فرمائے آمین کسی کی اس سے زیادہ اور کیا خوش نصیبی ہوسکتی ہے کہ شب و روز وہ اللہ کے کلام کی تشریح وتوضیح اور اس کو اللہ کے بندوں تک پہنچانے میں لگا رہے اس کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہ رہ جائے۔

ذکر جمالش فکر وصالش ہیچ دگر من کار ندارم

آپ مجھ ناچیز کے لئے بھی دعا فرمادیں کہ وہ اپنے "کلام" کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے اور قبول فرمائے آمین۔ آجکل "حول الدستور القرآنی" لکھ رہا ہوں اور پھر "الدستور القرآنی" لکھنے کا ارادہ ہے۔ درخواست ہے کہ تکمیل کی دعا فرمادیں۔ محترم قاضی صاحب کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ سیمینار کی کامیابی کے لئے دُعا کر رہا ہوں خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہوں۔ والسلام۔ محمد تقی امینی۔

---

[1] وہ دعوت نامہ مراد ہے جو محاضرات قرآنی (سیمینار) میں شرکت کیلئے ارسال کیا گیا تھا۔ جس کا انعقاد ۲۷ مارچ تا ۳۱ مارچ ۸۱ء قرآن اکیڈمی میں ہو رہا ہے (مرتب)

● از: ڈاکٹر ایس نذیر محمد - ایم - بی - بی ایس - مدراس (بھارت)

محترم جناب قاضی عبدالقادر صاحب ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ ، مزاج گرامی
مدراس میں ڈاکٹر صاحب اور آپ کا قیام مختصر رہا - ڈاکٹر صاحب کی تقاریر نے
جو معرکۃ الآرا اور نہایت ہی فکر پرور اور بصیرت افروز رہیں اہل مدراس پر اپنا گہرا اثر اور
نقش چھوڑا ہے - ان کی تشنگی جوں کی توں رہ گئی ہے وہ چاہتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب کے
بارانِ خطبات سے سیراب ہوں - لیکن افسوس ہے کہ یہ تمنا پوری نہ ہو سکی - مرکزی میلاد
کمیٹی مدراس اور مسلمانانِ مدراس ڈاکٹر صاحب کے بے حد شکر گزار اور رہین منت ہیں
کہ آپ نے باوجود بے شمار مصروفیتوں کے اتنا لمبا سفر کر کے مدراس آنے اور سیرت النبی
کے اجلاس کو مخاطب کرنے کی زحمت گوارا فرمائی - ہماری دعا ہے کہ اللہ جل شانہ، ڈاکٹر صاحب
کی دینی خدمات کے صلہ میں ثواب دارین عطا فرمائے اور آپ کا سایہ برصغیر کے مسلمانوں
پر تادیر قائم رکھے تاکہ وہ ان کے مواعظِ حسنہ سے مستفیض ہو کر صراطِ مستقیم پر چلنے پر
قابل بن جائیں - آمین !

ہم تمام کی جانب سے ڈاکٹر صاحب مدظلہ العالی کو سلام کہئے گا -
نیز التماس ہے کہ ڈاکٹر صاحب اور آپ اس ناچیز کو دعائے خیر میں یاد رکھیں -

طالب دعا - ڈاکٹر نذیر محمد -

● از جناب مولوی محمد عبدالجلیل خطیب باقوی - (ناظم تنظیم جمعیۃ العلماء دہلی
برائے جنوبی ہند) - مدراس (بھارت)

مکرمی محترمی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب زید مجدکم

سلام مسنون - مزاج گرامی عزیز محترم قاضی صاحب زاد لطفہ کی طرف
سے آپ کا پیغام پہنچا میں حد درجہ شرمندہ ہوں کہ مجھ سے آپ کا تعاون نہ ہو سکا - آپ
نے وہاں کے اندر یا دہ پیدا کر کے ہمت افزائی فرمائی آپ کے بیانات ماشاء اللہ اپنی نوعیت
اور موضوع کے لحاظ سے ہر جگہ بہت مفید رہے تشنگی باقی رہ گئی - جماعت اسلامی والوں
نے آپ سے جو انٹرویو لیا ہے - اس کی تفصیل تو معلوم نہ ہو سکی البتہ اتنا سننے میں آیا کہ ان
کی طرف سے کہ آپ بالکلیہ جماعت کی اساسی حیثیت کے مخالف نہیں ہیں آپ کی

کتاب میں نے دیکھی مولانا منظور صاحب نے بھی آپ کی کتاب کا حوالہ اپنی کتاب میں دیا ہے اور مولانا وحید الدین خاں نے بھی اگر اس صنف کی آپ نے بھی تنقید مولانا مودودی مرحوم اور جماعتِ اسلامی پر کی ہے تو اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے، پھر اپنے وانیم باڑی کے خطاب میں حضرت شیخ الہندؒ کو ان کی خدمات کے اعتراف پر چودھویں صدی کا مجدد ثابت کیا اور مولانا آزاد مرحوم کی خدمات کا اعتراف کیا اور جمیعۃ العلماء ہند کو ملت کی ایک فعّال جماعت ثابت کیا مولانا سید حامد میاں صاحب مدظلہٗ نے اپنے خط میں آپ کی مدح فرمائی ان باتوں سے آپ پر اعتماد بڑھ گیا۔ میثاق خدا کرے ہم تک پہنچنے کی راہ پیدا ہو سکے۔ عزیز محترم قاضی صاحب کی خدمت میں شکریہ کے ساتھ سلام عرض فرمائیں احباب کارکنان رفقاء کو سلام

دُعا کا طالب محمد عبد الجلیل عفی عنہ (۱۲ فروری ۱۹۸۱ء)

● از جناب زبیر عمر صدیقی۔ مکہ مکرمہ (سعودی عرب)

(۱) مکرم محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب دامت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

سب سے پہلے عزیزم ڈاکٹر عارف رشید کی تقریب مسنونہ بسلسلہ عقد نکاح کی مبارکباد قبول فرمائیں۔ آپ کا تو عصرانہ کا دعوت نامہ بھی دعوتی پمفلٹ ہے۔ خدا آپ کی دینی عزیمت اور استقامت میں مزید اضافہ فرمائے۔ یقیناً یہ بھی جہاد کی کیفیت کا حامل ہے۔ اللہ سے دُعا ہے کہ جس دینی جذبہ سے آپ نے یہ رشتہ عزیزم عارف میاں کا کیا ہے۔ اس کو ویسی ہی رحمتوں اور برکتوں سے خداوند تعالیٰ نوازیں۔ آمین۔

اس بار حج پر آپ کی آمد کا منتظر رہا۔ لیکن اس بار آپ ہماری وادی غیر ذی زرع کو SKIP کر گئے۔ ظاہر ہے نئی دنیا کی زرخیزی کی کیفیت یہاں نہیں۔ بڑی سنگلاخ زمین رہی ہے ہمیشہ سے۔ اہل مکہ کا رویہ داعیانِ حق کے معاملہ میں گرم جوشیوں سے پُر شاید کبھی نہیں رہا۔ یہاں شعب علی ہے۔ اور تنعیم ہے جہاں سے گزرتے ہوئے جناب خبیبؓ کا خیال آتا ہے۔ جناب بلالؓ بھی اسی زمین کی گرم ریت پر لٹائے گئے تھے۔ غیاث صاحب نے میثاق کے لئے اشتراک کیا تھا۔ لیکن پتہ نہیں ان کو پرچہ کیوں نہ

پہنچا - آپ ان سے میثاق کے تبادلے میں کریسنٹ، ضرور منگائیں - ممکن ہے کہ ٹورانٹو میں یہ پرچہ آپ کی نظر سے گزرا ہو - اس کے وہاں پروگرام کی خبریں اس میں آئی تھیں - اس میں عالمی تجزیوں سے متعلق بعض چیزیں مفید آرہی ہیں - آپ کی نظر میں گزرنا اس کا ضروری ہے۔

کیا آپ نے شیخ عبدالواحد یحیٰی کی کچھ چیزیں دیکھی ہیں - یہ صاحب فرانسیسی نژاد مسلمان ہیں اور اپنے گینوں (RENE GENON) کے نام سے مغرب و مشرق کے علمی حلقوں میں معروف ہیں - مجھے ان سے اس سال واقفیت ہوئی - اور اس طرح مغرب کے نو مسلموں میں بعض غیر معمولی شخصیتوں کا تعارف ہوا - ایک صاحب ہیں - FRITHJOF SHOUN سوئس مسلمان - انہوں نے ایک کتاب Understanding of Islam تصنیف کی ہے اتنی پر مغز مختصر کتاب شائد ہی کوئی ہو - انگریزی شاعر T.S. ELIOT نے کہا کہ اس سے بہتر کسی شخص سے میں واقف نہیں ہوں جس نے مذہب کے فلسفہ پر لکھا ہو - یہ کتاب Union Paper book کے سلسلہ میں ملتی ہے - لیکن شائد بازار میں دستیاب نہ ہو۔

تجدید ایمان کے سلسلے میں آپ جو علمی و فکری سطح پر قرآن فہمی کی راہ ہموار کر رہے ہیں اس سلسلے پر ان مصنفوں سے آپ کو بہت مدد ملے گی - اس لئے کہ اس میں انتہائی اعلیٰ علمی اور فلسفیانہ سطح پر بات کی گئی ہے - میں ابھی ان کتابوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں - اگر یہ کتابیں آپ کو کسی لائبریری سے دستیاب نہ ہوسکیں تو سراج منیر صاحب کا تعاون حاصل کریں - ان کا تعارف، قاضی صاحب کے خط میں کرا چکا ہوں۔

اپنے خطباتِ مدراس، کی اشاعت کا ضرور اہتمام فرمائیے - اس کے مطالعہ کی آرزو رہے گی - جس منبر سے آپ نے یہ تقاریر کی ہیں اس کی وجہ سے بھی اس کی اہمیت ہے۔

دوستوں بزرگوں کی خدمت میں سلام - عزیزم عارف رشید اور عاکف میاں کو میرا سلام و دُعا کہئے۔

والسلام علیکم ورحمۃ، آپ کا بھائی مخلص زبیر

(۲۱) مکرمی و محترمی بھائی قاضی عبدالقادر صاحب وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ
سب سے پہلے بچی کی شادی کی مبارک باد قبول فرمائیں ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ جس جذبہ اور ہمت سے آپنے ان تقاریب میں دینی روح کا خیال رکھا ہے خدا اس کو قبول فرمائے ۔ اور دوسروں کو بھی اس کی تقلید کرنے کی توفیق دے ۔

میثاق بڑی تاخیر سے ملا اس کا انتظار رہتا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب کی مصروفیات کی تفصیل پڑھ کر دل امنگوں اور آرزوں سے بھر جاتا ہے ۔ مدراس کے خطبے یقیناً بڑی اہمیت کے افادیت کے حامل ہوں گے ۔ ان کے مطالعہ کی آرزو ہے ۔ اس خبر سے بہت خوشی ہوئی ۔ خدا ڈاکٹر صاحب کو اسی ہمت اور سلیقے سے کام کرنے کی مزید توفیق عطا فرمائے ۔

آپنے اپنے خط میں میری خاموشی کا گلہ کیا ہے ۔ اور آگے بڑھنے کی دعوت دی ہے ۔ یقین کیجیئے کہ آپ یاد دہانی نہ بھی کرائیں تو یہ خیال دل سے نہیں نکلتا کہ آخر کب تک اس گو مگو کی کیفیت میں مبتلا رہنا ہے ۔ صرف کم ہمتی کی ہی بات ہے ۔ دراصل اس ارض مقدس کے قیام نے بھی کمزور کر کے رکھ دیا ہے ۔ خدا کے گھر کے سائے میں اتنی عجیب کیفیات اور مشاہدات ہوئے ہیں کہ ذہن spepticc سا ہو کر رہ گیا ہے ۔ یہ گویا صوفیا والی "قبض" کی کیفیت ہے ۔ 'بسط' کا مرحلہ آہی نہیں پاتا ۔ مسلسل دعا کرتا ہوں کہ خدایا رہنمائی فرما اور دل کو یکسو کر دے اور کسی ایسی مشغولیت میں لگا دے جس میں تزی رضا ہو ۔

ڈاکٹر صاحب سے معمولی نوعیت کے اختلاف کا مسئلہ نہیں ہے ۔ اتفاق کامل تو کسی دو افراد کے درمیان فکری سطح پر ناممکن سی بات ہے ۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ کس نوعیت کی شمولیت میری کارآمد ہے ۔ ڈاکٹر صاحب داعی ہیں اور باقی سب ساتھی سامعین ساتھی ہیں ۔ ان کا قرب میسر آتا تو میری بھی کچھ اصلاح اور تربیت ہوتی   پھر بھی آپ کو شاید علم نہ ہو کہ یہاں کے احوال و ظروف کی خاص نوعیت کے باوجود لوگ ڈاکٹر صاحب کی دعوت و تحریک کے بارے میں مجھ سے ہی رجوع کرنے لگے ہیں ۔ کوئی ان سے برہم ہوتا ہے تو اپنی برہمی مجھ پر اتارتا ہے ۔ اور کوئی ان کے بارے کچھ معلوم کرنا چاہتا ہے تو مجھ سے رجوع کرتا ہے ۔ میں بھی موقع و محل کی مناسبت سے بات کرتا رہتا ہوں جو کچھ مواد میرے

پاس ہے لوگوں کو دے دیتا ہوں قرآن کے حقوق کے عربی انگریزی نسخے عرب دوستوں کو بھی پڑھائے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ مدہم سے سُروں میں ہوتا ہے۔ مالی تعاون البتہ مہلت پاتے ہی کرنے کی سعی کروں گا۔ جونہی اس قرض کا بوجھ اترا ہوا پڑا ہے۔ اس باب میں پیش قدمی کروں گا۔ البتہ مجھے احساس ہے کہ سب کچھ بنیادی نہیں ہے۔ جو تعاون اور اشتراک آپ چاہتے ہیں وہ یہاں سے ممکن نہیں ہے۔ اب میرا ارادہ ہے کہ جونہی قرض کے بارے سبکدوش ہوں یہاں سے رخت سفر باندھوں۔ وطن عزیز میں ابھی تک کچھ بندوبست نہیں" وسیلہ معاش کا۔ دُعا فرمایئے کہ وہاں کسی کالج میں یا کسی ایسے ادارہ میں کچھ سلسلے بن جائے جہاں لکھنے پڑھنے کا کام ہو تو آ جاؤں اور پھر یقیناً میرے لئے فیصلہ کن مرحلہ ہوگا کہ کس طرح پیشقدمی کروں۔ انجمن سے نہیں بلکہ فی الواقع تنظیم سے ہی مجھ کو بھی اصل دلچسپی ہے۔

فی الحال یہاں بیٹھ کر کچھ صورت حال طور پر یوں بن گئی ہے کہ جس درجہ میں بھی ممکن ہو ہر شخص اور بزرگ سے طالبانہ عقیدت کی وابستگی کے ساتھ تعاون کرتا ہوں اگر اس کے کسی کام سے اخلاصِ فی عمل کی کوئی خوشبو محسوس ہو۔ اس مقام پر رہنے کا تقاضا یہی نظر آتا ہے

تازہ شمارے میں ڈاکٹر صاحب نے حالات کا جو تجزیہ کیا ہے وہ فکر انگیز ہے لیکن اس کے تمام اجزاء سے اتفاق کرنا ممکن نہیں۔ بعض امور پر ان سے گفتگو کرنے کو جی چاہتا تھا۔ یہاں سے خط و کتابت کے ذریعے یہ بھی ممکن نہیں۔

فقہی اختلافات کے سلسلے کی تاریخ کے تعلق سے ڈاکٹر صاحب نے اہم علماء کے متفقہ نکات کا گفتگو میں ذکر نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ ذہن منتقل نہ ہوا ہو۔ یا تلخیص تیار کرنے میں درج ہونے سے رہ گیا ہو۔ اس پر تبصرہ ضروری تھا۔

آپ کا ایک پرچہ — جو مجھے ملتا ہے میرے احباب میں گردش کرتا ہے اور اس کے بعد ہر طرح کے ردعمل سے سابقہ پیش آتا ہے۔ اُمید ہے کہ آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ ڈاکٹر صاحب کے مدراس اور امریکہ کے دورے کی تفصیل کا انتظار رہے گا۔ اگلا شمارہ وقت پر ملنا چاہیئے — تمام رفقاء کو سلام مسنون عرض کیجیئے۔ اور دُعاؤں میں مجھے یاد رکھیئے۔ آپکے خط کے لئے بہت شکرگزار ہوں۔ والسلام آپ کا بھائی زبیر

● از جناب ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنّی - ایبٹ آباد - پاکستان -

محترمی، السلام علیکم :- "میثاق" ماہ ربیع الاوّل و آخر کے شمارہ میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تقریر زیرِ عنوان "پندرھویں صدی ہجری کا آغاز" پڑھی۔ یہ تقریر ہر لحاظ سے آثارِ قیامت پر احادیث نبوی کی بہترین، مدلّل اور موثر تفسیر ہے اور عبرو بصائر کا ایک خزینہ ہے - لیکن اس تقریر میں سعودی حکومت پر تنقید بہ الفاظ "اس کا نظام حکومت اسلام کے شورائی نظام سے تہی دست ہے اور وہاں ایک خاندان کی بادشاہت کا نظام چل رہا ہے" بے جا معلوم ہوتی ہے۔ حالانکہ سب مسلمان ممالک میں سے اس وقت سعودی حکومت ہی میں اسلامی نظام شریعت چل رہا ہے -

ایسا معلوم ہوتا ہے - کہ تقریر کی روا روی میں یہ فقرہ ڈاکٹر صاحب کی زبان سے غیر شعوری طور پر نکل گیا - اگر اس تقریر کی کتابت کے بعد اُن کو نظرِ ثانی کا موقع مل جاتا تو وہ اس فقرہ کو ضرور قلم زد کر دیتے -

جہاں تک ایک خاندان کی حکومت کا تعلق ہے - تو یہ بات - قرآن کریم کے نزدیک قابل اعتراض نہیں - حضرت داؤد علیہ السلام و حضرت سلیمان علیہ السلام (باپ بیٹا) کی حکومت ایک خاندان کی حکومت تھی - یہی نہیں بلکہ حکومت اور نبوّت بیک وقت ایک خاندان میں رہی لیکن قرآن نے اُن دونوں کو توصیف فرمائی -

رہی مغربی طرز جمہوریت کی بات تو یہ نہ خلفائے راشدین کے عہد میں نظر آئی - اور نہ ہی مابعد کسی اسلامی سلطنت میں زیر عمل رہی - اس وقت شورائیت، اہل حل و عقد کے مشورہ پر منحصر رہی - جو عمل اور نتیجہ کے لحاظ سے بہترین جمہوریت تھی - نہ کہ موجودہ مغربی طرز حکومت (کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی نمے آید) جس کے نتائج سے اہل مغرب اب خود ہی نالاں ہیں اور صدارتی نظام کی طرف مائل ہو رہے ہیں -

والسلام (ڈاکٹر) شیر بہادر ۲۲، فروری ۱۹۸۱ء

(بقیہ عرضِ احوال)

محمد عقیل صاحب ناظم مالیات کی جانب سے پیش ہو کر منظور کئے گئے۔ بعدہٗ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہٗ مؤسس نے "پاکستان کا مستقبل" کے موضوع پر مفصل خطاب کیا جو تقریباً دو گھنٹے جاری رہا۔ جس میں موصوف نے فرمایا کہ ہمارے ملک کے مستقبل کا انحصار اس ملک میں اسلام کے نفاذ سے وابستہ ہے چونکہ اس کی قیام کی وجۂ جواز صرف "اسلام" ہے۔ دوسرے مسلم ممالک اپنے یہاں اگر اسلام کو بطورِ نظامِ حیات جاری نہ کریں تو وہ خدا کے ہاں تو مجرم ہوں گے لیکن ملک قائم رہے گا۔ اس کے برخلاف ہم نے پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ سے اغماض برتا تو اس کی سلامتی و بقا کو سخت خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ اور خدا ہی جانتا ہے کہ یہاں کس قسم کے حالات پیدا ہوں گے اور علاقائی عصبیت کا کس قسم کا عفریت سر اٹھائے گا۔ ڈاکٹر صاحب نے ان لوگوں سے جن کو اسلام اور پاکستان عزیز ہے پُرزور اپیل کی کہ خود بھی صحیح مسلمان بننے کی فکر کریں اور دعوتِ تجدید ایمان۔ توبہ اور تجدید عہد کے علمبردار بنیں۔ اس اجلاس میں اراکین انجمن کے علاوہ کثیر تعداد میں دیگر اصحاب نے بھی شرکت کی۔

جامع قرآن میں نماز جمعہ کا آغاز

قرآن اکیڈمی میں جس جگہ مسجد کی تعمیر منصوبے میں شامل تھی اس کے Basement کے ایک کمرے میں تو جنوری ۱۹۸۳ء ہی سے پنج وقتہ نماز باجماعت شروع ہو گئی تھی۔ الحمد للہ قرآن اکیڈمی کی جامع مسجد کی تعمیر مکمل ہو گئی ہے کچھ معمولی کام باقی ہے۔ اس جامع مسجد کا نام "جامعِ قرآن" طے کیا گیا ہے۔ جمعہ ۲۷ مارچ سے الحمد للہ والمنۃ اس جامع قرآن میں نماز جمعہ کی ادائیگی کا بھی آغاز ہو گیا ہے۔ اس پہلے جمعہ میں خطبہ اور امامت کے فرائض ملک کے مقتدر عالم دین مولانا عبدالغفار حسن عمرپوری مدظلہٗ نے انجام دیئے۔ مولانا موصوف مدینہ یونیورسٹی مدینہ منورہ میں استاذ الحدیث ہیں اور فی الحال جامع تعلیماتِ اسلامیہ فیصل آباد میں درس حدیث کا مہتم بالشان کام انجام دے رہے ہیں۔

خطبہ جمعہ میں مولانا موصوف نے احکام و حکمت جمعہ پر روشنی ڈالی اور رجم کی سزا کے متعلق شرعی عدالت نے جو موقف اختیار کیا ہے اس پر تنقید کی اور فرمایا کہ احادیث صحیحہ اور تعامل و تواتر اُمت سے یہ بات ثابت ہے کہ رجم تعزیر نہیں بلکہ

حدِ شرعی ہے۔ اس مسئلہ پر کسی بھی فقہی مسلک میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ ان مسائل میں سے ہے جو "متفق" علیہ ہیں۔

خطبہ جمعہ سے قبل دس بجے سے بارہ بجے تک ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے سورہ جمعہ کے پہلے رکوع کا درس دیا۔ اور بتایا کہ درحقیقت تذکیر بالقرآن کے مسلسل عمل کے لئے دین میں جمعہ کا نظام رکھا گیا ہے۔ مسلم شریف میں مروی ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ میں قرآن کی قرات فرماتے تھے اور لوگوں کو تذکیر فرماتے تھے۔ اس طرح کارِ رسالت کے چہار گانہ عمل کا نظام تلاوتِ آیات، تزکیہ۔ تعلیم کتاب (احکام) اور تعلیم حکمت کا خطبہ جمعہ کے ذریعے امت کے لئے ہمیش ہمیش کیلئے مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس پہلے جمعہ میں بفضلہٖ تعالےٰ ساڑھے چھ سو سے بھی زائد اصحاب شریک ہوئے۔ خواتین کی بھی خاصی تعداد نے شرکت کی، جن کے لئے طہارت اور وضو گاہ اور ادائیگی نماز کے لئے جامع قرآن میں بالکل علیٰحدہ وسیع جگہ کا انتظام کیا گیا ہے۔

تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع

محاضراتِ قرآنی کی نو روزہ مصروفیات اور امیر تنظیم اسلامی کی خرابی صحت کے پیش نظر تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع کی تاریخوں میں جو ۳ تا ۶ اپریل منعقد ہونے والا تھا توسیع کر دی گئی تھی۔ اب ان شاء اللہ یہ اجتماع یکم تا ۴، مئی ۸۱ قرآن اکیڈمی میں ہوگا۔ یکم مئی ۸۱ کو بعد نمازِ مغرب اس اجتماع کا آغاز امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خطاب عام سے ہوگا۔ جس میں موصوف تنظیم اسلامی کی دعوت پیش کریں گے۔ توقع ہے کہ تمام رفقائے تنظیم اس سالانہ اجتماع میں شرکت کا پورا پورا اہتمام کریں گے۔

الہدیٰ

قارئین میثاق کے لئے یہ اطلاع یقیناً موجب مسرت ہوگی کہ ان شاء اللہ ۳۰ اپریل (جمعرات) سے پاکستان ٹی وی "الہدیٰ" کے نام سے درس قرآن کا ایک پروگرام شروع کرے گا جس میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اپنے مرتب کردہ قرآنی منتخب نصاب کا آغاز کریں گے۔ جس کا پہلا درس "سورہ والعصر" ہے اور جس کی غایت یہ ہے کہ قرآن حکیم کے مختلف مقامات سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آجائے کہ نجاتِ اُخروی کے ناگزیر لوازم و شرائط کیا ہیں اور قرآن ایک بندہ مومن میں فکر و عمل دونوں اعتبارات سے کونسے اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ پیدا کرنا چاہتا ہے

فہرست تصانیف

ڈاکٹر اسرار احمد

کتاب	قیمت
★ تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ	۶/-
★ مطالبات دین	۶/-
★ اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام	۱/-
★ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت ۔	۳/-
★ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں	۲/
★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (اردو)	۳/-
★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (عربی)	۱۴/-
★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (انگریزی)	۵/-
★ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ اوّل	۵/-
★ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ دوم	۵/-
★ قرآن اور امن عالم	-/۷۵
★ راہ نجات: سورۃ والعصر کی روشنی میں	۲/-
★ علامہ اقبال اور ہم	۲/
★ عظمت صوم	۲/
★ دعوت الی اللہ	۱/-
★ آیت الکرسی	-/۳۰
★ قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ: الفاتحہ تا الکہف	۷/-
★ شہید مظلوم (شہادت حضرت عثمانؓ)	۳/-

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کی

دو سالہ رپورٹ

مشتمل بر

کارگزاری انجمن دوران سال ۷۹ء، ۸۰ء

از قلم

محمد بشیر ملک

ناظم اعلیٰ

جو

انجمن کے سالانہ اجلاسِ عام

منعقدہ ۲۳ - مارچ ۱۹۸۱ء میں پیش کی گئی

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

تصانیف : امام حمید الدین فراہیؒ

و مجموعۂ تفاسیر فراہیؒ		ہدیہ -/۴۰ روپے
و اقسام القرآن	اردو ترجمہ الامعان فی اقسام القرآن	۳/۷۵ " "
و ذبیح کون ہے؟	اردو ترجمہ القول الصحیح فی من ہو الذبیح	۴/۵۰ " "

مترجم مولانا امین احسن اصلاحی

تصانیف: مولانا امین احسن اصلاحی

سلسلۂ تدبر قرآن :-

و مبادیٔ تدبر قرآن :	تدبر قرآن کے اصول وقواعد پر اہم دستاویز	ہدیہ -/۱۴ روپے
و مقدمۂ تدبر قرآن و تفاسیر	آیت بسم اللہ و سورۂ فاتحہ	" -/۳ "
و تدبر قرآن جلد اوّل	مشتمل بر مقدمہ و تفسیر از ابتداء تا سورۂ آل عمران	" -/۵۰ "
و تدبر قرآن جلد دوم	مشتمل بر تفسیر سورۂ نساء تا سورۂ اعراف	" -/۵۰ "
و تدبر قرآن جلد سوم	مشتمل بر تفسیر سورۂ انفال تا سورۂ بنی اسرائیل	" -/۵۰ "
و تدبر قرآن جلد چہارم	مشتمل بر تفسیر سورۂ کہف تا سورۂ قصص	" -/۵۰ "
— حقیقت دین	مشتمل بر حقیقت شرک حقیقت توحید حقیقت تقویٰ حقیقت نماز	" -/۲۴ "
— دعوت دین اور اس کا طریق کار		" -/۱۰ "
— اقامت دین کے لئے انبیاء کرام کا طریق کار		" ۱/۲۵
— قرآن اور پردہ		" -/۱ "
— اسلامی قانون کی تدوین		" -/۵ "
— اسلامی ریاست		" -/۲۰ "
— پاکستانی عورت دوراہے پر		" -/۱۰ "

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ ونؤمن بہٖ و نتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہ

اما بعد :- اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معزز اراکین انجمن - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

۱ - جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ مرکزی انجمن خدام القرآن مارچ ۷۲ء میں معرض وجود میں آئی تھی اور چونکہ انجمن کے قواعد وضوابط کی رو سے ایک سالانہ اجلاس عام ہر سال ماہ مارچ یا اپریل میں منعقد کیا جانا ضروری ہے - الحمد للہ کہ یہ اجلاس ہر سال منعقد ہوتے رہے اور بحمد للہ آج مرکزی انجمن کا نواں سالانہ اجلاس عام ہو رہا ہے -

۲ - حضرات انجمن کی کارگزاری کی سالانہ رپورٹیں جیسے جیسے تیار ہوئیں انجمن کے سالانہ اجلاس میں پیش کر دی گئیں - مارچ ۷۲ء اور دسمبر ۷۶ء کے درمیانی عرصہ کی پانچ سالہ رپوٹ انجمن کے پانچویں سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۰ اپریل ۷۷ء میں پیش کی گئی - اس کے بعد سال ۷۷ء اور ۷۸ء کی دو سالہ رپورٹ انجمن کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۲۷ - اپریل ۷۹ء میں پیش ہوئی اور اب موجودہ رپورٹ جو آپ کی خدمت میں آج ۲۳ مارچ ۸۱ء کو پیش کی جا رہی ہے سال ۷۹ء اور ۸۰ء

کی مشترکہ رپورٹ ہے ۔

ہیئت تنظیمی

۳ ۔ عرصہ زیر رپورٹ میں انجمن کے مختلف حلقہ ہائے رکنیت میں کمی تو نہیں ہوئی ۔ لیکن رکنیت کے تین حلقوں یعنی محسنین، مستقل ارکان، اور عام ارکان میں خاطر خواہ اضافہ بھی نہیں ہو سکا ۔

مؤسسین جن کی تعداد دسمبر ۷۸ء میں انیس (۱۹) تھی عرصہ زیر رپورٹ ۷۹ ۱۹ء اور ۱۹۸۰ء میں الحمد للہ سب مؤسسین بقید حیات رہے اور ان کی تعداد میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ۔

محسنین کی تعداد دسمبر ۷۸ء میں اٹھارہ (۱۸) تھی جو ۷۹ء میں ۲۱ ہو گئی اور ۸۰ء کے اختتام پر ۲۷ تک بڑھ گئی ،

مستقل ارکان جو دسمبر ۷۸ء میں ۲۷ تھے سال ۷۹ ۱۹ء میں ان کی تعداد میں کوئی اضافہ نہیں ہوا ۔ البتہ ۱۹۸۰ء کے اختتام پر ان کی تعداد ۳۴ ہو گئی ۔ اسی طرح عام ارکان کی تعداد جو دسمبر ۷۸ء میں ۱۱۶ تھی ۔ ۷۹ء میں ۱۳۲ اور ۱۹۸۰ء میں ۱۴۶ ہو گئی ۔ یہ صورت حال نیچے دیئے ہوئے نقشے سے ملاحظہ سے بیک نظر سامنے آجاتی ہے ۔

حلقہ ہائے رکنیت	دسمبر ۷۸	۷۹	۱۹۸۰ء	اضافہ ۷۹	اضافہ ۱۹۸۰ء
مؤسسین	۱۹	۱۹	۱۹	–	–
محسنین	۱۸	۲۱	۲۷	۳	۶
مستقل ارکان	۲۷	۲۷	۳۴	–	۷
عام ارکان	۱۱۶	۱۳۲	۱۴۶	۱۶	۱۴

۴ ۔ یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ پہلے اجلاس عام کے موقع پر جو ۲۹ ۔ اپریل ۷۳ء کو منعقد ہوا مؤسسین کی تعداد ۲۰، محسنین کی تعداد ۳ مستقل ارکان کی تعداد ۲۵ اور عام ارکان کی تعداد ۷۹ تھی ۔ اس طرح انجمن کی تاسیس کے بعد سے ۱۹۸۰ء کے آخر تک یعنی گذشتہ ۸ سالوں میں جو مختلف حلقہ ہائے رکنیت میں کمی / بیشی ہوئی نیچے دیئے ہوئے نقشے میں درج کر دی گئی ہے ۔ اس کے مطابق مؤسسین کی تعداد میں ایک

رکن کی کمی ہوئی جو قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ۔ محسنین کی تعداد میں ۲۴ کا اضافہ ہوا۔
مستقل ارکان میں ۲۹ کا اضافہ ہوا۔ اور عام ارکان کی تعداد میں ۶۷ کا اضافہ ہوا ۔

حلقہ رکنیت	تعداد اپریل ۱۹۷۳ء	تعداد دسمبر ۱۹۸۰ء		
مؤسسین	۲۰	۱۹	۱	کمی
محسنین	۳	۲۷	۲۴	اضافہ
مستقل ارکان	۵	۳۴	۲۹	اضافہ
عام ارکان	۷۹	۱۴۶	۶۷	اضافہ

حضرات ، انجمن کے قواعد و ضوابط کی رو سے انجمن کی ہیئت انتظامیہ ایک صدر اور ایک مجلس منتظمہ پر مشتمل ہے ۔ مجلس منتظمہ اپریل ۸۰ء تک بارہ ارکان پر مشتمل تھی جس میں دس ارکان منتخب اور دو ارکان صدر مؤسس کے نامزد کردہ تھے ۔ لیکن مجلس منتظمہ نے اپنے ماہانہ اجلاس میں جو ۱۶ مارچ ۸۰ء کو منعقد ہوا ایک ترمیم کے ذریعے جس کی مرکزی ریویو بورڈ سے بھی منظوری حاصل کر لی گئی مجلس منتظمہ کے ارکان کی تعداد ۱۲ سے بڑھا کر چودہ کر دی ۔ اور یہ بھی طے کیا کہ چھ ارکان کو مؤسسین اور محسنین ملکر منتخب کیا کریں گے ۔ اور دو کو مستقل ارکان اور چار کو عام ارکان منتخب کریں گے ۔ جب کہ دو نامزد ارکان صدر مؤسس حسب سابق منتخب کیا کریں گے ۔ اس طرح جہاں مجلس منتظمہ کے ارکان کی تعداد ۱۲ سے ۱۴ ہو گئی ۔ وہاں مؤسسین اور محسنین کو ملا کر دو انتخابی حلقوں کی بجائے ایک حلقہ بنا دیا گیا ۔

۶ ۔ مجلس منتظمہ کا انتخاب قواعد و ضوابط کی رو سے ہر دو سال بعد خفیہ رائے دہی کے ذریعے سالانہ اجلاس عام کے موقعہ پر ہوتا ہے ۔ ۱۹۷۸ء کے انتخاب کے نتیجے میں اپریل ۸۰ء تک جو مجلس منتظمہ صدر مؤسس کی معاونت کر رہی تھی ۔ اس کے ارکان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں ۔

مؤسسین میں سے (۱) میاں محمد رشید صاحب
(۲) چوہدری نصیر احمد ورک صاحب
(۳) قمر سعید قریشی صاحب
(۴) شیخ محمد عقیل صاحب

مُحسنین میں سے	(۵) اظہار احمد قریشی صاحب
	(۶) قاضی عبدالقادر صاحب
مستقل ارکان میں سے	(۷) ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ صاحب
	(۸) محمد بشیر ملک
عام ارکان میں سے	(۹) چوہدری محمد حبیب اللہ صاحب
	(۱۰) حاجی محمد یوسف صاحب
نامزد ارکان	(۱۱) ڈاکٹر ظہیر احمد صاحب
	(۱۲) شیخ محمد یونس صاحب

۱۹۷۸ء میں انتخاب کے فوراً بعد صدر مؤسس نے منتخب ارکان میں سے مندرجہ ذیل ممبران کو انجمن کے مختلف شعبوں کی نگرانی کے لئے نامزد کیا تھا۔

۱ -	ناظم اعلیٰ	محمد بشیر ملک
۲ -	معتمد	چوہدری نصیر احمد ورک صاحب
۳ -	ناظم بیت المال	میاں محمد رشید صاحب
۴ -	محاسب	حاجی محمد یوسف صاحب
۵ -	ناظم مکتبہ ونشرواشاعت	قمر سعید قریشی صاحب

اگست ۷۹ء میں ناظم اعلیٰ کی علالت کے پیش نظر شیخ محمد عقیل صاحب کو ناظم اعلیٰ کے فرائض سونپ دیئے گئے اور شیخ صاحب موصوف آئندہ انتخاب تک یہ فرائض ادا کرتے رہے۔

۷ - ۱۹۷۸ء کے بعد ۱۹۸۰ء انتخاب کا سال تھا - اس لئے سالانہ اجلاس عام کے موقع پر جو ۲۲- اپریل ۸۰ء کو قرآن اکیڈمی میں منعقد ہوا - مجلس منتظمہ کا انتخاب بھی کرایا گیا - اس موقعہ پر راقم الحروف اللہ تبارک وتعالیٰ کی مہربانی سے صحتیاب ہو چکا تھا - صدر مؤسس نے ناظم انتخاب کے فرائض میرے سپرد کر دیئے یہ انتخاب ترمیم شدہ قواعد کے مطابق کرایا گیا - جس کے نتیجے میں مندرجہ ذیل اراکین انجمن سال ۸۰ء - ۱۹۸۱ء کے لئے مجلس منتظمہ کے رکن قرار پائے۔

حلقہ مؤسسین اور محسنین میں سے	(۱) شیخ محمد عقیل صاحب
	(۲) ڈاکٹر ظہیر احمد صاحب
	(۳) ملک فضل حسین صاحب
	(۴) قمر سعید قریشی صاحب
	(۵) قاضی عبدالقادر صاحب
	(۶) چوہدری نصیر احمد ورک صاحب
مستقل ارکان میں سے	(۷) ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ صاحب
	(۸) محمد بشیر ملک
عام ارکان میں سے	(۹) چوہدری حبیب اللہ صاحب
	(۱۰) الطاف حسین صاحب
	(۱۱) پروفیسر اختر الحسن بھٹی صاحب
	(۱۲) شیخ محمد اشرف صاحب

مندرجہ ذیل دو حضرات کو صدر مؤسس نے نامزد کیا -

(۱۳) میاں محمد رشید صاحب

(۱۴) میاں ظہور الحق صاحب

مندرجہ بالا انتخاب کے بعد مجلس منتظمہ کے ماہانہ اجلاس منعقدہ ۲۶ اپریل ۸۰ء میں صدر مؤسس نے مختلف شعبوں کی نگرانی کے لئے مندرجہ ذیل اعزازی ناظمین مقرر کئے

(۱) ناظم اعلیٰ	محمد بشیر ملک
(۲) معتمد	چوہدری نصیر احمد ورک صاحب
(۳) ناظم بیت المال	شیخ محمد عقیل صاحب
(۴) محاسب	شیخ محمد اشرف صاحب
(۵) ناظم مکتبہ ونشر واشاعت	قاضی عبدالقادر صاحب

۸ ۔ سال ۱۹۷۹ء اور ۱۹۸۰ء کی منتخب مجالس منتظمہ اپنے اپنے عہدہ مدت کی دوران انجمن کے روزمرہ کے کام کو بہتر طریقہ پر انجام دینے کے لئے اور انجمن کے

مقاصد کے حصول کے لئے صدر موسسس کی معاونت کرتی رہیں۔ قواعد و ضوابط کے مطابق ماہانہ اجلاس باقاعدگی سے ہوتے رہے جن میں انجمن کو درپیش مسائل اور انتظامی معاملات زیر غور آتے رہے۔ اور ان کے متعلق مفید مشورے دیئے گئے۔ سال ۷۹ء، ۱۹۸۰ء میں مجلس منتظمہ کے علی الترتیب گیارہ اور سترہ اجلاس ہوئے۔ ۷۹ء میں ایک اجلاس کورم پورا نہ ہونے کی وجہ سے منعقد نہ ہو سکا۔ اور سال ۸۰ء میں ماہانہ اجلاسوں کے علاوہ پانچ خصوصی اجلاس منعقد کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

حضرات، انجمن کی ہیئت تنظیمی کے متعلق مندرجہ بالا گذارشات کے بعد اب انجمن کی دیگر سرگرمیوں کے بارے میں گذشتہ دو سالوں کی رپورٹ پیش خدمت ہے۔

قرآن اکیڈمی

مرکزی انجمن خدام القرآن کے اغراض و مقاصد میں ایک اہم مقصد جیسا کہ آپ حضرات کے علم میں ہے ایک ایسی قرآن اکیڈمی کا قیام ہے جو قرآن مجید کے فلسفہ و حکمت کو وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر پیش کر سکے۔ انجمن کے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تعمیر کا آغاز ۱۳ جنوری ۷۶ء کو کیا گیا تھا اور اس کے متعلق سابقہ سالانہ رپورٹوں میں بھی معلومات فراہم کی جا چکی ہیں۔ سال ۷۸ء کی رپورٹ میں اس خیال کا اظہار کیا گیا تھا کہ قرآن اکیڈمی کی تعمیر کا کام ان شاء اللہ العزیز سال ۷۹ء میں مکمل ہو جائے گا۔ مگر ظاہر ہے کہ ہم صرف سعی و جہد ہی کر سکتے ہیں۔ اتمام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ہماری پوری کوشش کے باوجود ۷۹ء تک قرآن اکیڈمی کی تکمیل نہ ہو سکی اور تعمیر کا کام اللہ کا شکر ہے کہ اب کہیں جا کر آخری منازل طے کر رہا ہے اور اس وقت بھی چمک دمک اور نوک پلک درست کرنے کا کام ابھی باقی ہے۔

۱۱۔ قرآن اکیڈمی کی عمارت جس میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے دفاتر بھی ہیں چھ کنال کے پلاٹ ۳۶/کے ماڈل ٹاؤن لاہور پر تعمیر کی گئی ہے۔ قرآن اکیڈمی کی تعمیر کے مختلف مراحل کے متعلق سابقہ سالانہ رپورٹوں میں بھی بحث کی جا چکی ہے۔ ان کے بعد تعمیر جاری رہی اور جو حصے اب تک معرض وجود میں آچکے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱ - رہائشی بلاک جو آٹھ کوارٹروں پر مشتمل ہے - چار کوارٹر پہلی منزل پر ہیں اور چار کوارٹر دوسری منزل پر - ہر کوارٹر میں تین کمرے سٹور - باورچی خانہ - غسل خانہ - اور کمروں کے درمیان نشست گاہ ہے - پہلی منزل کے کوارٹروں کے پیچھے صحن ہے اور بالائی منزل میں چھت پر جانے کے لئے سیڑھیاں مہیا کر دی گئی ہیں اور چھت پر ایک برساتی بھی تعمیر کر دی گئی ہے - ہر کوارٹر میں پانی ، گیس اور بجلی کی سہولت موجود ہے۔

۲ - نچلے درجہ کے عملے کے لئے تین سنگل روم کوارٹر تعمیر کئے ہیں اور ہر ایک میں ایک کمرہ ایک برآمدہ ، ایک غسل خانہ اور صحن موجود ہے - ان کوارٹروں میں بھی پانی ، بجلی اور گیس کی سہولت موجود ہے -

۳ - قرآن اکیڈمی کے طلباء کے لئے دو منزلہ ہاسٹل تعمیر کیا گیا ہے جسے دارالمقامہ کا نام دیا گیا ہے - ہر منزل میں پانچ کیوبیکل اور تین ڈارمیٹریاں ہیں - اس ہاسٹل کی پہلی منزل میں سردست انجمن کے صدر دفاتر کو جگہ دی گئی ہے - اور دوسری منزل میں معہد ثانوی جس کا ذکر آگے آئے گا کے طلباء کو رکھا گیا ہے - ہاسٹل پر مزید چار منزلیں تعمیر کرنے کی گنجائش موجود ہے -

۴ - تدریس کے لئے دو کلاس روم اور ایک ہال تہہ خانے میں تعمیر کئے گئے ہیں -

۵ - تہہ خانے کے اوپر ایک مسجد ہال تعمیر کیا گیا ہے جسے جامع قرآن کا نام دیا گیا ہے مسجد ہال کے اطراف میں دائیں اور بائیں جانب خواتین کے لئے ہال اور ایک اسٹیج کی تعمیر کی گئی ہے - جو مسجد ہی کا حصہ ہیں - مسجد کے آگے صحن ہے اور صحن کی دائیں جانب وضو کرنے کی جگہ اور چار غسل خانے ہیں - خواتین کے لئے اپنے ہال تک پہنچنے کے لئے الگ گزرگاہ بنائی گئی ہے - اور وضو کرنے کی جگہ اور دو غسل خانے مہیا کئے گئے ہیں

۶ - ہاسٹل کے طلباء کے لئے ایک باورچی خانہ اور متعدد غسل خانے اور طہارت خانے الگ الگ تعمیر کئے گئے ہیں -

۱۲ - ۲۱ - اپریل ۷۷ ۱۹ء کے سالانہ اجلاس میں جو پانچ سالہ رپورٹ پیش کی گئی تھی اس میں اندازہ لگایا گیا تھا کہ قرآن اکیڈمی کے پورے منصوبے کی تکمیل پر اندازاً پندرہ لاکھ روپے صرف ہوں گے - ۱۹۸۰ء کی بیلنس شیٹ کے مطابق دسمبر

۸۰ء تک اس منصوبے پر ۹۹۷، ۳، ۱۶ روپے خرچ ہو چکے ہیں اور کچھ کام ابھی باقی ہے۔

۱۲ - جہاں تک قرآن اکیڈمی میں علمی اور تدریسی سرگرمیوں کا تعلق ہے قرآن اکیڈمی کے قیام کا مقصد تو یہ ہے کہ یہ عمومی دعوت و تبلیغ کا ایک ایسا ادارہ بن جائے جو ایک طرف تو عوام کو تجدید ایمان اور اصلاح اعمال کی دعوت دے اور دوسری طرف ایسے ذہین نوجوان تلاش کرے جو پیش نظر علمی کام کے لئے زندگیاں وقف کرنے کو تیار ہوں۔

حضرات، جہاں تک تو عوام کو تجدید ایمان اور اصلاح اعمال کی دعوت دینے کا تعلق ہے اس ضمن میں جو کام کیا گیا ہے اس کی تفصیلات تبلیغی سرگرمیوں کے عنوان کے تحت اسی رپورٹ کے اگلے صفحات میں درج کر دی گئی ہیں۔ لیکن جہاں تک پیش نظر کام کے لئے نوجوانوں کی تلاش کا تعلق ہے میں چند سُنہری الفاظ اور خوبصورت محاورات کا سہارا لے کر اس رپورٹ کے صفحات کو مزین کرنا نہیں چاہتا بلکہ حالات و حقائق پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ آپ کے گوش گذار یہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہم نا اُمید ہرگز نہیں ہیں گھونسلے تیار کر دیئے گئے ہیں پرندے جب بھی آ کر بسیرا کر لیں وہ اپنی نشوونما کا بندوبست موجود پائیں گے۔ اس ضمن میں انجمن کی طرف سے جو کوششیں کی گئی ہیں وہ آپ حضرات کے سامنے ہیں۔ اور جنہیں میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

حضرات، آپ کو معلوم ہے کہ ایک صاحب خیر نے قرآن اکیڈمی کے قیام سے پہلے چھ کنال کا ایک پلاٹ ماڈل ٹاؤن کے ای بلاک میں انجمن کے نام کر دیا تھا۔ لیکن جامعہ پنجاب کے نوجوان طلباء سے قریبی رابطہ کی غرض سے اس پلاٹ کو فروخت کر دیا گیا اور اس کے عوض اس رقبے کا ایک پلاٹ ماڈل ٹاؤن کے بلاک کے میں خرید لیا گیا جس پر قرآن اکیڈمی تعمیر کی گئی ہے۔ یہ پلاٹ جامعہ پنجاب کے ہاسٹلوں سے صرف نصف میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں جونہی دو کمرے ایک ہال تدریس کے لئے اور ہاسٹل کی پہلی منزل تعمیر ہو گئی انجمن کی طرف سے مشتہر کر دی گئی کہ یونیورسٹی اور کالجوں میں زیر تعلیم جو نوجوان قرآن اکیڈمی میں رہائش رکھنے کے خواہشمند ہوں انہیں رہائش پانی اور بجلی کی سہولتیں بغیر کسی معاوضہ کے

دی جائیں گی۔ شرط صرف یہ رکھی گئی کہ ایسے طلباء کو حکمت قرآنی، عربی اور حدیث سیکھنے کے لئے ایک گھنٹہ روزانہ قبل از نماز مغرب اور ایک گھنٹہ بعد از نماز مغرب اس مقصد کے لئے وقف کرنا ہوگا۔ ضروری کوائف حاصل کرنے کے لئے ایک فارم داخلہ وضع کیا گیا تدریس کے لئے معلم کا بندوبست کیا گیا۔ صدر مؤسس نے بھی تدریس کے معاملہ میں ذاتی دلچسپی لی اور سولہ لڑکوں پر مشتمل ایک کلاس کا اجراء ہو گیا۔ کچھ عرصہ تک تو یہ کلاس پروگرام کے مطابق جاری رہی لیکن پھر یہ حقیقت سامنے آئی کہ کلاس کے بیشتر طالب علم الا ماشاءاللہ اکثر ایسے تھے جو رہائش کے مسئلے سے دوچار تھے اور انہوں نے دینی تعلیم کی بجائے قرآن اکیڈمی میں اقامتی سہولتوں کی خاطر ادھر رجوع کیا تھا۔ اس لئے جوں جوں ان کا اکیڈمی سے باہر رہائش کا مسئلہ حل ہوتا گیا انہوں نے کالج اور یونیورسٹی کے ہاسٹلوں میں اپنے ہمجولیوں کے ہمراہ رہنا زیادہ پسند کیا۔ ان طلباء میں ایسے بھی تھے جنہیں مستحق گردانتے ہوئے انجمن کی طرف سے رہائش کے علاوہ طعام کے اخراجات میں بھی امداد دی گئی تھی۔ مگر جونہی ان کی دنیوی تعلیم پوری ہوئی وہ اپنے گھروں کو چلے گئے۔ طلباء اس طرح آتے اور جاتے رہے۔ یہاں تک کہ کلاس کی باقاعدگی ختم ہو گئی۔ اور اس وقت صورت حال یہ ہے کہ کالج اور یونیورسٹی کی سطح کے صرف تین چار طالب علم اکیڈمی کے ہاسٹل میں اقامت پذیر ہیں۔

۱۴۔ **معہد ثانوی** اپریل ۸۰ء میں انجمن کی طرف سے ایک نئی تعلیمی اسکیم کے تحت مڈل پاس یا اس کے مساوی تعلیم کے حامل طلباء سے قرآن اکیڈمی میں ایک اقامتی درسگاہ کے آغاز کا اعلان کیا گیا اس اسکیم کے مطابق طلباء کو اصلاً دو زبانیں پختہ طور پر پڑھائی جانے کا اہتمام تھا۔ یعنی عربی اور انگریزی اور ان کے علاوہ میٹرک کے لازمی مضامین یعنی اسلامیات اُردو، مطالعہ پاکستان اور اختیاری مضامین میں سے جنرل سائنس اور جنرل ریاضی لازمی طور پر اور اسلامیات اور شہریت (سوکس) میں سے کوئی ایک مضمون پڑھایا جانا شامل تھا۔ اور دو سال میں پرائیویٹ میٹرک کا امتحان دلوانے کا بندوبست تھا اور اگلے سال ادیب عربی کا امتحان دلوایا جانا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اس طرح ایک اضافی سال

کے صرف سے دینی اور دنیوی دونوں میدانوں میں اعلٰے تعلیم کا راستہ کھل جائے گا۔
اور اگر اللہ کو منظور ہوا تو اس اسکیم کو آگے بڑھا کر ایک جانب بی۔اے اور دوسری جانب فاضل عربی کے امتحانات دلوا دیئے جائیں گے۔ ساتھ ہی اس درسگاہ کے طلبا کی دینی اور اخلاقی تربیت کا بھرپور اہتمام اسکیم کا جزو لاینفک تھا تاکہ طلباء میں نہ صرف صحیح اسلامی اخلاق پیدا ہوں بلکہ اعلائے کلمۃ اللہ کی سعی کا جذبہ اور حصول مرتبہ شہادت کا شوق پیدا ہو اور ان ہی میں سے ایک طرف اعلٰے معیار کے محقق اور مصنفین پیدا ہو سکیں تو دوسری طرف دعوت و تحریک اسلامی کو مخلص کارکن مہیا ہو جائیں۔

اس اقامتی درسگاہ میں قیام و طعام کا بندوبست بھی ضروری تھا۔ لہذا طلباء کے لئے اڑھائی صد روپیہ ماہنامہ کی ادائیگی دو صد برائے طعام اور پچاس روپے بطور فیس ضروری قرار دی گئی۔ البتہ باصلاحیت اور ذہین طلباء کو جن کے والدین خرچ برداشت نہ کر سکتے ہوں انجمن کی طرف سے ان کو کل یا نصف کے برابر وظیفہ دینے کی گنجائش اسکیم میں رکھی گئی۔

اس اسکیم کے تحت ۱۶ طلباء نے داخلے کی درخواست کی جن میں چودہ رہائشی اور دو غیر رہائشی تھے اور چونکہ یہ تعداد بہت کم تھی اس لئے بغیر ٹیسٹ لئے ان سب کو داخل کر لیا گیا۔ اور ۱۵ مئی ۱۹۸۰ء سے مجوزہ درسگاہ کا آغاز کر دیا گیا۔ اس طرح افتتاحی کلاس میں جہاں چند اچھے طلباء بھی شامل ہوئے وہاں ایسے طلباء بھی داخل ہو گئے جن کا تعلیمی اور ذہنی معیار اوّل الذکر طلباء سے بہت نیچے تھا۔ ایسے کچھ طلباء رفتہ رفتہ درسگاہ سے کنارہ کش ہو گئے اور اس وقت طلباء کی تعداد کم ہو کر دس رہائشی اور ایک غیر رہائشی رہ گئی ہے۔

اس درسگاہ پر جسے معہد ثانوی کا نام دیا گیا ۱۵ مئی ۸۰ء سے دسمبر ۸۰ء تک جو اخراجات ہو چکے ہیں ان کی تفصیل تو آپ کو اس رپورٹ سے منسلک انجمن کے اکاؤنٹ کے گوشواروں میں ملے گی۔ مگر کل رقم جو انجمن نے معہد ثانوی کے اخراجات پورے کرنے کے لئے زکواۃ فنڈ سے صرف کی وہ ۲۱۲۶۸ روپے ہے۔ اس ضمن میں یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ تین مستحق طلباء کے ماہانہ اخراجات

کا ذمہ انجمن کے وابستگان میں سے دو حضرات نے لیا ہوا ہے۔ اور وہ مقررہ رقم انجمن کو ادا کر رہے ہیں۔

۱۵۔ ایک نئی اسکیم: قرآن اکیڈمی کے نصب العین کی طرف پیشقدمی کرتے ہوئے ایک تیسری اسکیم کا ابتدائی خاکہ صدر مؤسس نے مجلس منتظمہ کے ماہانہ اجلاس منعقدہ ۱۵۔ اگست ۱۹۸۰ء میں پیش کیا تھا۔ تجویز یہ تھی کہ آئندہ سال سے ایم اے یا ایم ایس سی پاس طلباء کے لئے جو قرآنی تعلیم میں خصوصی دلچسپی رکھتے ہوں دو سالہ تربیتی کورس منعقد کیا جائے۔ جس کے دوران شرکاء کو پانچ صد روپیہ ماہانہ وظیفہ بھی دیا جائے۔ مزید یہ کہ اس کورس میں پی ایچ ڈی حضرات کو بھی دعوت شمولیت دی جائے، بشرطیکہ وہ ہمہ وقت قرآن اکیڈمی کے پروگرام کے مطابق شرکت کر سکیں۔ یہ تجویز منظور کی گئی اور اس کا اعلان بھی کر دیا گیا مگر افسوس کہ اس اسکیم پر لبیک کہنے والا کوئی نہ ملا۔ اس تجویز پر مجلس منتظمہ نے اپنے اجلاس مؤرخہ ۱۲۔ دسمبر ۸۰ء میں دوبارہ غور کیا اور غور و فکر کے بعد مجلس منتظمہ کی غالب اکثریت اسی حق میں پائی گئی کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان جو ایم اے یا ایم ایس سی پاس کرنے کے بعد اپنی زندگیاں حکمت قرآن سمجھنے اور اس کی نشر و اشاعت کے لئے وقف کرنے پر آمادہ ہوں ایسے زیر تربیت طلباء کو ماہانہ وظیفہ پانچ صد کی بجائے ساڑھے سات سو دیا جائے۔ لیکن اس بارے میں حتمی فیصلہ آئندہ ماہانہ اجلاس تک التوا میں رکھا گیا۔ اور آئندہ اجلاس میں جب یہ تجویز پھر زیر غور آئی تو فیصلہ یہ کیا گیا کہ اس پروگرام کی تفصیلات آئندہ سالانہ اجلاس کے موقع پر وابستگان انجمن کے عمومی اجلاس میں طے کی جائیں۔ مجھے امید ہے کہ جناب معتمد چوہدری نصیر احمد ورک صاحب آج اس تجویز کو حتمی فیصلے کے لئے آپ کے سامنے رکھیں گے۔

تبلیغی سرگرمیاں

۱۶۔ قرآن اکیڈمی کی تعمیر اور منصوبے کا جائزہ پیش کرنے کے بعد اب میں عرصہ زیر رپورٹ کے دوران مرکزی انجمن خدام القرآن کی تبلیغی سرگرمیوں کے متعلق ایک

مختصر رپورٹ آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

حضرات، جیساکہ آپ کے علم میں ہے انجمن کے دعوتی اور تبلیغی پروگرام کا مرکزی کردار انجمن کے صدر مؤسس کی ذات گرامی ہے۔ وہی اپنی تحریک کے محرک اور داعی ہیں ان کے اعوان وانصار میں سے بحمد اللہ کچھ نوجوان ان کے راستے پر گامزن ہونے کی سعی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ارادوں اور کوششوں کو کامیاب فرمائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ آٹھ سال سے انجمن کی تبلیغی سرگرمیاں اسی ایک محور کے گرد گھوم رہی ہیں نتیجتہً ڈاکٹر صاحب کی صحت پر ناخوشگوار اثرات کا مرتب ہونا ایک قدرتی بات تھی اور دو ایک دفعہ تو ایسا بھی ہوا کہ ان کو بحالی صحت کی خاطر سلسلہ درس بند کردینا پڑا۔ بہرحال جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہے۔ ڈاکٹر صاحب سے سرگرم عمل رہنے کی اُمید قائم ہے۔

۱۷۔ درس کی مستقل نشستیں تو لاہور ہی میں ہیں جہاں مسجد شہداء میں سلسلے وار درس قرآن جاری ہے اور ہر جمعہ کو صبح دس بجے سے قریباً ساڑھے گیارہ بجے تک درس دینے کا اہتمام ہے۔ پھر اس روز مسجد دارالسلام باغ جناح میں اجتماع جمعہ سے خطاب کیا جاتا ہے اور یہاں بھی تذکیر بالقرآن کا سلسلہ ایک عرصے سے جاری ہے۔ ملکی ریڈیو اور ٹیلیویژن کے ذریعے بھی جب کبھی ان محکموں کی انتظامیہ کی طرف سے دعوت موصول ہوئی قرآن حکیم کا پیغام عوام الناس تک پہنچایا گیا۔ انجمن کے اپنے جریدے ماہانہ میثاق کے ذریعے تبلیغ ہوتی رہی۔ اس کے علاوہ لاہور اور بیرون لاہور سے جب بھی کسی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے کی طرف سے دعوت ملی اس کو غنیمت جان کر بلا تامل قبول کیا گیا۔ بیرون ملک کینیڈا اور امریکہ سے کچھ احباب کی طرف سے دعوت ملی تو سال ۷۹ء اور ۸۰ء میں ان ممالک کا سفر اختیار کیا گیا۔ اس طرح اندرون ملک اور بیرون ملک جو تبلیغی کام کیا گیا اس کے متعلق ایک اجمالی رپورٹ آئندہ سطور میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۸۔ سال ۷۹ء میں عید میلاد النبی سرکاری طور پر باقاعدہ جشن کے طور پر منائی گئی اور سرکاری اور نیم سرکاری اداروں میں سیرت النبیؐ کے اجتماعات منعقد ہوئے تو ابلاغ و تبلیغ کے اعتبار سے ان کی اہمیت کے پیش نظر ڈاکٹر صاحب نے بھی ان اجتماعات میں حصہ لیا اور ۲۹ جنوری ۷۹ء سے لے کر ۷ مارچ تک ۳۸ دنوں میں

۳۸ تقریریں سیرت النبیؐ کے موضوع پر کیں جن میں سے ۱۹ لاہور میں اور ۱۹ بیرون لاہور کی گئیں اور اس عرصہ کے دوران درس قرآن اور خطبات جمعہ کے معمولات میں بھی کوئی فرق نہ آیا ان ایام میں مصروفیت کا یہ عالم رہا جو میں ایک مثال سے واضح کرنا چاہتا ہوں - جمعہ ۹ فروری کو ڈاکٹر صاحب نے پہلے مسجد شہداء میں معمول کے مطابق دو گھنٹے درس قرآن دیا پھر مسجد دارالسلام میں خطبہ جمعہ دیا اور نماز پڑھائی پھر تین بجے سہ پہر پاکستان اسکاوٹ گروپ کے اجتماع میں تقریباً پون گھنٹہ تقریر کی پھر سیدھے فیصل آباد روانہ ہو گئے جہاں بعد نماز عشاء لگ بھگ دو گھنٹے کی تقریر یونیورسٹی کے سینٹ ہال میں ہوئی پھر راتوں رات وہاں سے لاہور واپس آ گئے - حضرات! یہ ایک واقعہ میں نے مثال کے طور پر تحریر کیا ہے ورنہ دوران سال اس قسم کی اور بھی مثالی مصروفیات ہیں، جو بیان کی جا سکتی ہیں - ایسی مصروفیات ڈاکٹر صاحب کی صحت پر اثر انداز ہوتی رہیں - مگر محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے طبیعت میں ایک شدید رد عمل کے باوجود انہوں نے ماڈل ٹاؤن کی جامع مسجد ای بلاک، مسجد مزنگ؟ میاں - جامع مسجد شاہ جمال کالونی - جامع مسجد پونچھ ہاؤس کالونی - مسجد المدینہ انفنٹری روڈ، مصطفےٰ آباد اور مسجد ڈ بلداراں ڈھولنوال سرکاری محکموں میں دفتر اڈیٹر جنرل پاکستان دفتر کمشنر، انکم ٹیکس - دفتر اے پی پی - ریلوے ہیڈ کوارٹر آفس دفتر ایس ای واپڈا - پی سی ایس آئی اور فوجی جوانوں کا ایک اجتماع پاک اسکاؤٹس گروپ دفتر لائف انشورنس - تعلیمی اداروں میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج - ایچی سن کالج پاک مدرسہ برائے طالبات اچھرہ - گورنمنٹ گرلز کالج برائے خواتین - ماڈل ٹاؤن لاہور میں سیرت النبیؐ پر تقاریر کیں -

۱۹ - اسی طرح کراچی میں آٹھ تقریریں کی گئیں جن میں سے آخری تقریر تو ایک ایسے اجتماع میں تھی جو جلسہ عام کا منظر پیش کر رہا تھا جس میں دو ڈھائی ہزار افراد شریک تھے - اس طرح حیدر آباد - سکھر ملتان - فیصل آباد اور اسلام آباد کے اجتماعات میں تقاریر کی گئیں - یہ سب تقاریر ربیع الاوّل میں سیرت النبیؐ کے موضوع پر ہوئیں - اگر میں عرصہ زیر رپورٹ یعنی سال ۷۹ - ۱۹۸۰ء میں کی جانے والی تمام تقریروں کا ذکر کرنے لگوں تو یہ ایک لامتناہی سلسلہ بن جائے گا - اور رپورٹ کی غیر ضروری طوالت کا

باعث بنے گا۔ تقریر کے ذریعہ تبلیغ و ابلاغ قرآن کے لئے جو کچھ ہوا اس کا آپ مندرجہ بالا اجمالی رپورٹ سے اندازہ کر سکتے ہیں اور یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی تائید و نصرت سے ممکن ہو سکا۔ فلہ الحمد والمنہ۔

تبلیغ بذریعہ ریڈیو اور ٹی وی

۲۰۔ جنوری ۷۹ء میں ہر جمعہ کی صبح کو ریڈیو پاکستان سے سورہ الاعراف کی آخری گیارہ آیات کی تشریح پر مشتمل چار تقریریں نشر کی گئیں۔ اس طرح فروری ۷۹ء میں بھی سورہ الانفال کی ابتدائی دس آیات کی تشریح پر مشتمل چار تقریریں ہر جمعہ کی صبح کو نشر ہوئی اور پھر اس سورہ مبارکہ کی آیات ۱۱ تا ۱۸ پر مشتمل تین تقاریر ماہ مارچ میں پہلے تین جمعوں کی صبح ریڈیو پاکستان سے نشر ہوئیں: بعدازاں دو تقریریں مزید نشر کی گئیں جن میں سورہ انفعال کی آیات ۲۰ تا ۲۳ کی تشریح کی گئی پھر سورہ یونس کی آیات ۱ تا ۷ کی تشریح پر مشتمل ۲ تقریریں نشر کی گئیں۔ ان نشری تقاریر کا سلسلہ عرصہ زیر رپورٹ کے دوران جاری رہا۔ ان میں سے بعض نشری تقریریں انجمن کے ماہانہ جریدہ "میثاق" میں طبع کر کے قارئین کی نظر کر دی گئی ہیں۔

۲۱۔ ابلاغ قرآن کے لئے جیسا کہ اوپر تحریر کیا جا چکا ہے۔ ٹیلیویژن کو بھی استعمال کیا گیا اور اس ضمن میں پاکستان ٹیلیویژن کارپوریشن اور حکومت نے جب بھی موقع فراہم کیا اسے بخوشی قبول کرتے ہوئے اور غنیمت جان کر اپنے مقصد کے حصول کے لئے تقاریر ٹیلی کاسٹ کرائی گئیں "الکتاب" کے عنوان سے سال ۷۸ء کے رمضان المبارک میں روزانہ ایک پارہ کا خلاصہ پیش کیا گیا تھا۔ یہی پروگرام ۷۹ء کے رمضان المبارک میں دہرایا گیا۔ پھر سال ۱۹۸۰ء کے رمضان المبارک میں "الف۔ لام۔ میم" کے عنوان سے روزانہ حروف مقطعات والی سورتوں کا خلاصہ بیان کیا گیا۔

علاوہ ازیں اپریل ۷۹ء میں پاکستان ٹیلیویژن لاہور کے پروگرام "نظام زندگی" کے تحت "اسلام میں اقلیتوں کا مقام" کے موضوع پر ایک تقریر ریکارڈ کرائی گئی اور ۸۰ء میں پروگرام "ام الکتاب" کے لئے تین تقاریر ریکارڈ کرائی گئی جو پاکستان ٹیلی ویژن لاہور نے نشر کیں یہ چند ایک مثالیں ہیں جو آپ کی اطلاع کے لئے یہاں درج کر دی گئیں ہیں۔ ورنہ ٹی وی کے کئی اور پروگرام بھی ہیں جن میں ڈاکٹر صاحب نے انجمن

کے مقصد کے فروغ کے لئے تقریریں کیں اور مذاکرات میں حصہ لیا۔

بیرونِ ممالک تبلیغی دورے

۲۱ - سال ۷۹ء اور ۸۰ء کے دوران اللہ تعالیٰ نے بیرونی ممالک میں تبلیغ کے لئے مواقع فراہم کئے۔ ڈاکٹر صاحب کے دروس کے تذکرے امریکہ۔ کینیڈا۔ اور بعض دیگر ممالک میں کچھ عرصہ سے ہو رہے تھے۔ لیکن تعارف کا ایک موثر ذریعہ ڈاکٹر صاحب کے دروس کے کیسٹ تھے جو لوگ ڈاکٹر صاحب کے درسوں میں شریک ہوتے رہے وہ جب ملازمت یا کاروبار کے سلسلے میں بیرون ممالک گئے تو ان میں سے بعض حضرات دروس کے کیسٹ بھی ساتھ لے گئے ان حضرات کی وساطت سے بیرونی ممالک میں مطالعہ قرآن کے لئے حلقے بھی قائم ہوئے جہاں ڈاکٹر صاحب کے دروس کے کیسٹ سنے گئے اور رفتہ رفتہ دروس قرآن کے لئے حلقوں کی طرف سے دعوت نامہ آنے شروع ہو گئے ۱۹۷۹ء میں امریکہ اور کینیڈا میں قائم اسلامی اداروں کی طرف سے دعوت نامے موصول ہونے پر دورے کا ایک پروگرام مرتب کیا گیا۔ بالٹی مور (امریکہ) میں نماز عید الفطر کی امامت اور اجتماع کو خطاب کرنے کا پروگرام بنا پھر اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کے سالانہ اجلاس جو امریکہ کے شہر ڈیلاس میں ۳۰ر اگست کو ہو رہا تھا مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کرنے اور انگریزی زبان میں پیپر پڑھنے کی دعوت ملی۔ علاوہ ازیں کینیڈا کے شہر ٹرانٹو میں دو ہفتوں کے دوران منتخب قرآنی نصاب کا درس بھی پروگرام میں شامل تھا اس پروگرام کے دوران جو ۲ اگست ۷۹ء سے لیکر ۲۔ اکتوبر کو ختم ہوا۔ بالٹی مور۔ ڈلاس۔ شکاگو۔ ٹرانٹو کے علاوہ کئی دوسرے مقامات پر بھی درس کی محفلیں ہوئیں۔ ۷۹ء کے دورہ کے دوران ڈاکٹر صاحب کے دروس قرآن کا یہ اثر ہوا کہ سال ۸۰ء میں دوبارہ دورے کی دعوت وہیں مل گئی جس کے نتیجے میں ۲۲ر اگست ۸۰ء سے شروع ہو کر لگ بھگ دو ماہ کینیڈا اور امریکہ کا پھر دورہ کیا گیا۔ ٹرانٹو میں دو ہفتے مسلسل درس قرآن اور خطاب عام کا سلسلہ جاری رہا۔ یہیں سے دو دنوں کے لئے اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن آف نارتھ امریکہ کے سالانہ کنونشن میں شرکت کی جو اس دفعہ نیاگرا سٹی کے ہوٹل شرٹن میں منعقد ہوا۔ یہاں ڈاکٹر صاحب نے "پندرھویں صدی ہجری کے چیلنج۔

خطرات اور توقعات" کے عنوان پر مقالہ پڑھا - اس سال مسلسل گیارہ دن شکاگو میں قیام رہا - جہاں روزانہ درس قرآن کے علاوہ بہت اجتماعات میں خطاب کیا گیا - اس دورے کی تفصیلات بھی ماہنامہ میثاق میں چھپ چکی ہیں - سال ۸۰ء کے دورے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ٹرانٹو اور شکاگو دونوں شہروں میں ذیلی انجمن خدام القرآن کا قیام عمل میں آچکا ہے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان انجمنوں کے مؤسسین کو استقامت اور ہمت عطا فرمائے اور یہ انجمن فعال بن کر کینیڈا اور امریکہ میں دین خداوندی کو پھیلانے کا ایک مؤثر ذریعہ بن سکیں -

۲۲ - ۱۹۸۰ء کے دورہ کینیڈا اور امریکہ کے متصلاً قبل اسلام آباد میں حکومت پاکستان کے زیر اہتمام علماء کنونشن منعقد ہوا تھا - جس میں ڈاکٹر صاحب کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی اور کنونشن سے چار روز قبل ۱۷- اگست کو مجوزہ کنونشن کے ضمن میں جو خصوصی مشاورتی اجلاس منعقد ہوا تھا - اس میں بھی محترم صدر پاکستان کی خواہش کے مطابق ڈاکٹر صاحب نے شرکت کی -

۲۳ - مارچ ۱۹۸۰ء میں جشن دیوبند منعقد ہوا جس میں شرکت کی دعوت ملنے پر ڈاکٹر صاحب دیوبند تشریف لے گئے - اس سے قبل ماہ فروری ۸۰ء میں ڈاکٹر صاحب نے علی گڑھ اور لکھنو کا سفر اختیار کیا اور اس سفر کے دوران حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ اور مولانا محمد منظور نعمانی صاحب سے ملاقاتیں ہوئیں ان دونوں اسفار کی تفصیلات میثاق میں شائع ہو چکی ہیں - یہاں اگر انہیں دھرایا جائے تو غیر ضروری طوالت کے مترادف ہوگا -

شعبۂ نشر و اشاعت

۲۴ - دعوت تبلیغ کا ایک مؤثر ذریعہ نشر و اشاعت ہے - انجمن کے اس شعبے میں مرکزی انجمن کا ایک کتب خانہ عرصہ زیر رپورٹ میں بفضل تعالیٰ مسلسل کام کرتا رہا اور انجمن کا ماہانہ جریدہ میثاق بھی اپنی روایتوں کو برقرار رکھتے ہوئے ایک علمی اور دعوتی حیثیت سے جاری ہوتا رہا - میں پہلے میثاق کے متعلق کچھ عرض کرونگا اور بعدہ مکتبہ کی کارگزاری آپ کی خدمت میں پیش کی جائے گی -

۲۵ - عرصہ زیر رپورٹ یعنی جنوری ۷۹ء سے لے کر دسمبر ۸۰ء کے دوران میثاق

کی اٹھائیسویں اور انتیسویں جلدیں شائع ہوئی - جنوری فروری ۷۹ء اور مئی، جون کے شمارے ایک ساتھ شائع کرنے پڑے لیکن مارچ، اپریل اور جولائی تا دسمبر ۷۹ء میثاق ہر ماہ باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا - سال ۸۰ء میں ان وجوہات کی بنا پر جو میثاق میں بیان ہوتی رہی یہ رسالہ صرف سات بار شائع ہو سکا - فروری - اپریل اگست اکتوبر - اور دسمبر میں دو - دو ماہ کا شمارہ یکجا کرکے شائع کرنا پڑا اور اس طرح ۷۹ء میں کل دس اور ۸۰ء میں کل سات شمارے شائع ہوسکے - مگر قارئین میثاق نے محسوس کیا ہوگا کہ باقامت کہتر اور با قیمت بہتر کے مصداق ان شماروں میں جو مضامین قارئین کی نظر کئے گئے وہ قدر و قیمت کے اعتبار سے بیش بہا موتیوں سے کم نہ تھے -

ڈاکٹر صاحب کی نشری تقاریر اور تحریروں کے علاوہ قرآن کانفرنسوں میں بلند پایہ دانشوروں اور علمائے کرام نے جو مقالے پڑھے وہ میثاق میں شائع کئے گئے - علاوہ ازیں جید علماء اہل علم حضرات مثلاً مولانا سید وصی مظہر ندوی - مولانا سید حامد میاں - پروفیسر حافظ احمد یار - پروفیسر یوسف سلیم چشتی - محترم غازی عزیر صاحب (علی گڑھ) مولانا عبدالغفار حسن صاحب - محمد یونس جنجوعہ - حکیم فیض عالم صدیقی - پروفیسر رفیع اللہ شہاب حافظ منظور احمد - ڈاکٹر اختر الواسع کے تحریر کردہ مقالہ جات و مضامین شائع کئے گئے -

۲۶ - مکتبہ انجمن کے مطبوعات کی فہرست تو الگ چھپی ہوئی موجود ہے اس میں جو اضافہ کیا گیا وہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی چند کتب کے انگریزی تراجم ہیں جس کے انگریزی ٹائیٹل مندرجہ ذیل ہیں -

1- The obligations Muslims owe to the Quran.

2- The way to Salvation in the Right of Sura AL-Asar.

3- Islamic Renaissance the Real Task Ahead

4- The Quran and World Peace.
5- Rise and Decline of Muslim Ummah.

علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحب کی کتاب مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق کا عربی ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔

۲۷ - ۱۹۷۹ء اور ۱۹۸۰ء میں مکتبہ کی جن کتابوں کے مزید ایڈیشن چھاپنے پڑے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱ -	عظمت صوم اگست ۷۹ء	۲۰۰۰	دوبارہ
۲ -	قرآن مجید کے حقوق اردو جولائی ۷۹ء	۵۰۰۰	بار پنجم
۳ -	قرآن مجید کے حقوق انگریزی جولائی ۷۹ء	۲۰۰۰	دوبارہ

۱۹۸۰ء

۱ -	نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں جولائی ۸۰ء	۵۰۰۰	بار چہارم
۲ -	اسلام کی نشاۃ ثانیہ اردو جون ۸۰ء	۲۰۰۰	دوبارہ
۳ -	دعوت الی اللہ جولائی ۸۰ء	۳۰۰۰	بار سوئم
۴ -	مبادی تدبر قرآن جولائی ۸۰ء	۱۱۰۰	دوبارہ
۵ -	حقیقت دین جولائی ۸۰ء	۱۱۰۰	دوبارہ
۶ -	علامہ اقبال اور ہم جولائی ۸۰ء	۲۰۰۰	دوبارہ

سالانہ قرآن کانفرنسیں

۲۸ - مرکزی انجمن خدام القرآن نے رجوع الی القرآن اور اپنی دینی سرگرمیوں کے لئے آج سے آٹھ سال قبل سالانہ قرآن کانفرنسوں کا انعقاد شروع کیا تھا اور ان کے ذریعے مسلمانوں کے مختلف مکاتیب فکر کے علماء کے لئے ایک پلیٹ فارم مہیا کیا - ۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا قیام عمل میں آیا اور دسمبر ۷۳ء میں پہلی قرآن کانفرنس ٹاؤن ہال (جسے اب جناح ہال کا نام دیا گیا ہے) لاہور میں منعقد کی گئی - اس کے بعد اللہ تعالے کی تائید و نصرت سے ہر سال

قرآن کانفرنس منعقد ہوتی رہی ۔ عرصہ زیر رپورٹ یعنی سال ۷۹ء میں چھٹی سالانہ قرآن کانفرنس ۲۲ تا ۲۴ مارچ ۷۹ء کراچی انسٹی ٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن کے آڈیٹوریم میں منعقد ہوئی ۔ اس کانفرنس کے کل پانچ اجلاس ہوئے ۔ ملک کے جید علماء اور قانون دان حضرات ماہرین تعلیم اور عدلیہ کے معزز حضرات نے شرکت فرمائی ۔ ان میں جسٹس شیخ ظہور الحق ، جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن ۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب مرحوم مولانا ظفر احمد انصاری مولانا محمد طاسین ۔ مولانا محمد ناظم ندوی ۔ مولانا محمد تقی عثمانی ، پروفیسر اظہر علی صدیقی ۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی ۔ پروفیسر محمد اسلم اور انجمن کے صدر موسس ڈاکٹر اسرار احمد اور دیگر نامور حضرات نے شرکت کی اور اپنے مقالات اور تقاریر میں قانونی ۔ سیاسی مسائل اور حکمت و فلسفہ قرآن معاشی و معاشرتی مسائل پر روشنی ڈالی ۔ اسی طرح ۱۹۸۰ء میں ساتویں سالانہ قرآن کانفرنس ۱۸ تا ۲۱ اپریل لاہور میں منعقد کی گئی ۔ اس کانفرنس کی کل آٹھ اجلاس ہوئے ۔ ۱۹-۱۰ اپریل کو صرف دو اجلاس جناح ہال میں ہوئے اور بقیہ اجلاس قرآن اکیڈمی میں کئے گئے ۔ اس کانفرنس میں بھی تقاریر اور مقالجات کے لئے جو عنوان تجاویز کئے گئے وہ بھی قرآن حکیم ہی سے متعلق تھے ۔ مثلاً معاشی و اقتصادی مسائل اور قرآن حکیم" قومی و ملی مسائل اور قرآن حکیم" قرآن اور سائنس" فلسفہ و حکمت کے مسائل اور قرآن حکیم" ۔ اس کانفرنس کا آخری اجلاس اپنی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے علامہ اقبال مرحوم اور قرآن حکیم کے موضوع پر منعقد کیا گیا ۔ جس میں جناب مرزا منور صاحب ۔ جناب اختر الواسع صاحب علی گڑھ ، جناب عبدالغفار شکیل صاحب (علی گڑھ) نے مقالے پڑھے اور تقاریر کیں ۔

۲۹ ۔ معزز اراکین انجمن ، اب آخر میں میں مرکزی انجمن خدام القرآن کے شعبہ مالیات کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جیساکہ آپ کو معلوم ہے انجمن کے قواعد و ضوابط کی رو سے انجمن کی آمدنی اور خرچ کا باقاعدہ حساب رکھا جاتا ہے ۔ جسے انجمن کے اعزازی محاسب دوران سال آڈٹ کرتے رہتے ہیں ۔ پھر جملہ حسابات کی سالانہ جانچ پڑتال حکومت کے منظور شدہ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ سے کروانی لازمی ہوتی ہے ۔ ہر سال بیلنس شیٹ ۔ آمدنی اور خرچ کا اکاؤنٹ انجمن کے ذیلی ادارے ۔ معہد ثانوی اور مکتبہ کا اکاؤنٹ

بھی تیار ہوتے ہیں - اور یہ تمام اکاؤنٹ آڈٹ کے بعد ہر سال مرکزی ریونیو بورڈ کو ارسال کر دیئے جاتے ہیں - ۱۹۸۰ء کے اختتام پر انجمن کے اکاؤنٹ کے تمام گوشوارے مرکزی ریونیو بورڈ کو ارسال کئے جا چکے ہیں اور ان کی نقول دفتر انجمن میں محفوظ ہیں ان گوشواروں کے مندرجات کو یہاں دہرانے کے لئے چونکہ کافی وقت درکار ہوگا اس لئے میں نے صرف آمد و خرچ کی نمایاں رقوم نیچے درج کر دی اور آپ کے گوش گزار بھی کئے دیتا ہوں -

	۱۹۷۹ء	۱۹۸۰ء
کل آمدن	۵,۲۳,۸۹۷/۰۸	۶,۳۳,۳۵۹/۸۰
کل خرچ	۵,۱۵,۱۱۷/۸۶	۶,۲۱,۷۹۹/۴۴

آمدن میں جو نمایاں رقوم شامل ہیں ان کی تقسیم اس طرح ہے :-

	۱۹۷۹ء	۱۹۸۰ء
نئے محسنین اور مستقل ارکان سے ابتدائی زر تعاون اور ممبران سے ماہانہ زر تعاون اور عطیہ جات	۴,۶۸,۵۲۰/۲۵	۵,۴۶,۷۹۱/۰۹
متفرق آمدن مثلاً کرایہ کوارٹرز - بل گیس - بجلی پرائیویٹ استعمال ٹیلیفون ٹرانسپورٹ وغیرہ	۲۹,۳۱۳/۹۶	۳۸,۷۸۰/۷۰
مکتبہ انجمن سے ایڈوانس کی وصولی	۸,۷۹۸/۷۱	۷,۲۰۷/۵۹
معہد ثانوی - طلباء کی فیس وغیرہ		۱۰,۴۹۵/۰۰

اس طرح اخراجات میں شامل نمایاں رقوم کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے -

	۱۹۷۹ء	۱۹۸۰ء
ٹیلیفون بل	۶,۱۰۵/۸۲	۱۰,۷۳۷/۳۳
پبلسٹی	۱۰,۹۵۷/۴۰	۱۰,۷۱۱/۶۰
تنخواہ عملہ	۴۰,۳۸۵/۵۴	۵۱,۶۵۹/۰۸
چھٹی / ساتویں سالانہ قرآن کانفرنس	۱۵,۹۲۶/۷۶	۱۲,۴۷۰/۹۰
قرآن اکیڈمی کی تعمیر کیلئے ایڈوانس	۳,۵۶,۵۰۰/۰۰	۲,۳۰,۱۰۷/۸۸
آلات لاؤڈ سپیکر سسٹم برائے مسجد		۵۹,۸۲۵/۷۰
سوزوکی وین		۳۲,۰۰۰/۰۰
کراچی سب آفس کے لئے ایک مزید کمرہ		۶۹,۰۰۰/۰۰
معہد ثانوی		۳۰,۰۲۶/۷۷

فہرست مطبوعات (مسلسل)

تصانیف:- ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

- اسلام کی نشاۃ ثانیہ - کرنے کا اصل کام ‏ -/۱ روپے
- نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں ‏ -/۲ ″
- مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق ، اردو -/۳ روپے ، عربی ‏ -/۴ ″
- راہِ نجات - سورۃ والعصر کی روشنی میں ، ادنیٰ -/۱ ، اعلیٰ ‏ -/۲ ″
- علامہ اقبال اور ہم ‏ -/۲ ″
- عظمتِ صوم ‏ -/۱ ″
- دعوت الی اللہ ‏ -/۱ ″
- قرآن اور امنِ عالم ‏ ۰/۷۵ ″
- نبی اکرمؐ کا مقصدِ بعثت
- مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب
- قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ (الفاتحہ تا الکہف)
- نشر القرآن

تصنیف: ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

- اسلامی تحقیق کا مفہوم مدعا اور طریق کار ‏ ۱/۵۰ روپے

تالیف: پروفیسر یوسف سلیم چشتی

- اسلامی تصوف میں غیر اسلامی ، نظریات کی آمیزش ‏ -/۵ ″

تصنیف: سید غلام محمد رضوی

- یتیم پوتے کا حق وراثت ‏ -/۵ ″

OUR ENGLISH LITERATURE

By : DR. ISRAR AHMAD

- The Obligations Muslims Owe to the Quran.
- The Way to Salvation—in the Light of Surah al-'Asr.
- Islamic Renaissance—The Real Task Ahead.
- Quran and World Peace.
- Two Periods of Rise and Decline of the Muslim Ummah.
- Our Obligations to the Holy Prophet (p.b.u.h.). (Under Preparation)
- The Purpose Behind Mohammad's (p.b.u.h.) Prophethood. (Under Preparation)

تحریک رجوع الی القرآن کا علمبردار

دعوت تجدید ایمان ، توبہ اور تجدید عہد کا نقیب

زیرِ ادارت :

امیر تنظیم اسلامی

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

فی شمارہ دو روپے   سالانہ زر اعانت بیس روپے

Regd. L. No. 7360
MONTHLY MEESAQ LAHORE
Vol. 30 | APRIL 1981 | No.
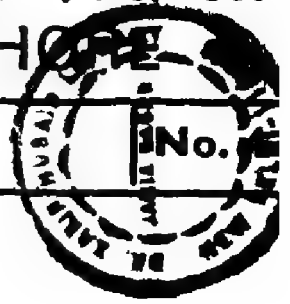
ان شاء اللہ العزیز

کا چھٹا سالانہ اجتماع

قرآن اکیڈمی ۳۶/K ماڈل ٹاؤن،

لاہور میں یکم تا ۳ مئی ۱۹۸۱ء منعقد ہوگا

رفقاء کو تاکید کی جاتی ہے کہ جمعہ یکم مئی کو قبل از دوپہر لازماً پہنچ جائیں ۔ اسی روز شام کو نماز مغرب کے فوراً بعد قرآن اکیڈمی کی جامع مسجد جامع قرآن میں امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

تنظیم اسلامی کا پیغام مسلمانان پاکستان کے نام

کے عنوان سے خطاب فرمائیں گے ۔

●

المعلن : قاضی عبدالقادر، قیم تنظیم اسلامی
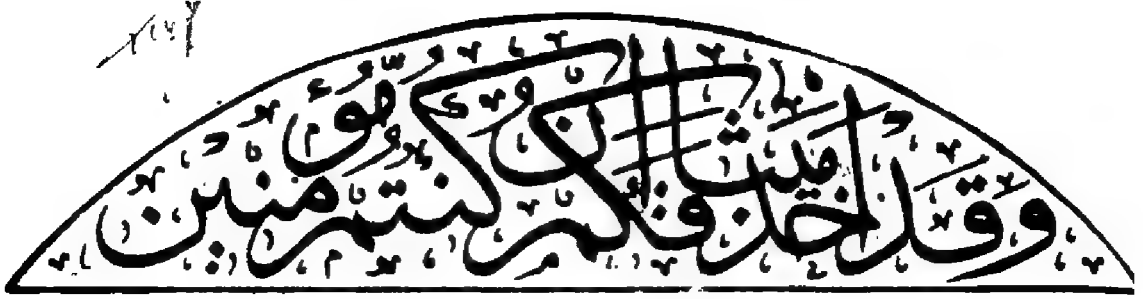
شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ - جون ۱۹۸۱ء

اس شمارے میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے شمالی امریکہ کے دورے کے تاثرات و مشاہدات کی آخری قسط اور جنوبی ہند کے دورے کے ''رپورتاژ'' کی پہلی قسط شامل ہے - (مرتب)

: مدیر مسئول :

ڈاکٹر اسرار احمد

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن - لاہور - ۱۴ - فون: ۸۵۲۶۱۱ - ۸۵۲۶۸۳

ولقد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین

جلد ۳۰ | شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ - مطابق جون ۱۹۸۱ء | عدد ۶

مشمولات

مرتب ———— (شیخ) جمیل الرحمان

ناشر: ڈاکٹر اسرار احمد ★ طابع: چودھری رشید احمد

مطبع: مکتبہ جدید پریس ۔ شارع فاطمہ جناح ۔ لاہور

جمیل الرحمٰن

عرضِ احوال

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہِ الکریم

گذشتہ شمارہ جمادی الثانی و رجب المرجب ۱۴۰۱ھ مطابق اپریل و مئی ۱۹۸۱ء کے مشترکہ شمارے پر مشتمل تھا۔ شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ مطابق جون ۸۱ء کا شمارہ پیشِ خدمت ہے۔ اس شمارے میں "اسلام اور حقوق اطفال" اور "تعارف الکتاب" کی اقساط شامل نہیں ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ "امریکہ کے دورے کے تاثرات و مشاہدات" کی آخری قسط کافی طویل ہوگئی تھی نیز فروری ۸۱ء میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے جنوبی ہند کے دورے کے "رپورتاژ" کی پہلی قسط بھی طویل تھی۔ یہ دونوں مضامین ضروری تھے لہٰذا شاملِ اشاعت ہیں۔ ۱۱۳ — ۱۴۳ ر

شمالی امریکہ کا دورا

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب تیسری بار ~~۲۱-۲۲ اگست~~ کی درمیانی شب کو شمالی امریکہ کے دعوتی دورے پر تشریف لے گئے ہیں۔ جیسا کہ ناظرین میثاق کو علم ہے کہ الحمد للہ امریکہ کے مشہور شہر شکاگو اور کینیڈا کے شہر ٹورنٹو میں مرکزی انجمن خدام القرآن کی ذیلی انجمنیں اور تنظیم اسلامی کی مقامی تنظیمیں ڈاکٹر صاحب موصوف کے گذشتہ سال کے دورے پر قائم ہوگئی تھیں۔ موجودہ دورہ ان ہی انجمنوں اور تنظیموں کے اشتراک و تعاون سے منظم کیا گیا ہے۔ شکاگو اور ٹورنٹو میں تو دروس قرآن حکیم اور خطاباتِ عام کا انتظام ہوگا ہی — توقع ہے کہ ان شاء اللہ امسال چند دوسرے نمایاں شہروں میں بھی یہ انتظامات ہوں گے اور کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کی بدولت امسال شمالی امریکہ میں انجمنیں اور تنظیم اسلامی کی چند دیگر ذیلی شاخیں قائم ہوجائیں — دعا ہے کہ اس براعظم میں دعوتِ رجوع الی القرآن اور اعلائے کلمۃ اللہ کے جو پودے لگے ہیں اور جو بیج بکھیرے گئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی آبیاری فرمائے اور یہ پودے تن آور درخت بنیں اور دعوت و اعجاز قرآنی کی بدولت اس خطہ زمین کے بسنے والے دینِ حق اسلام سے صحیح طور پر متعارف ہوں اور اس سے ان کے اذہان و قلوب متاثر و مسخر ہوسکیں۔

وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ — توقع ہے کہ ان شاء اللہ العزیز (بقیہ ص ۲۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شمالی امریکہ کے حالیہ دعوتی دورے کے تاثرات و مشاہدات

(خطاب کی دوسری قسط)

ڈاکٹر اسرار احمد

یہودیوں کے خلاف ردّعمل

امریکہ کے نیگروں کی اکثریت میں چاہے وہ عیسائی ہوں چاہے مسلمان عام طور پر یہ احساس بڑی شدت سے ابھر رہا ہے کہ چند لاکھ یہودیوں کی وجہ سے امریکی حکومت نے بارہ کروڑ عربوں کی نفرت مول لے رکھی ہے۔ پھر یہ نفرت عربوں تک محدود نہیں بلکہ دنیا کے ہر خطے میں بسنے والے عام مسلمانوں کے دلوں میں حکومتِ امریکہ کی یہود نوازی اور "اسرائیل" کی سرپرستی کی وجہ سے اس کے خلاف نفرت کے جذبات بڑھ رہے ہیں۔ لہٰذا اس پالیسی میں تبدیلی آنی چاہیے۔ پھر امریکہ کے گورے باشعور طبقے میں بھی آہستہ آہستہ شد و مد کے ساتھ یہی احساس جڑ پکڑتا جا رہا ہے۔ گو ابھی اس طرز پر سوچنے والوں کی تعداد قلیل ہے۔ تاہم وہاں بعض معروف اہل قلم کی نہایت مدلل اور مبسوط ضخیم کتابیں ان موضوعات پر مارکیٹ میں آ رہی ہیں اور پھیل رہی ہیں۔ امریکی معاشرہ سیاسی طور پر کافی باشعور ہے۔ وہ اپنے نفع نقصان کو مقدم رکھتا ہے۔ یہ مصنفین مستحکم دلائل سے امریکی معاشرے کو اس امر کا قائل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ امریکی حکومت کی یہود نوازی اور اسرائیل کی بے جا حمایت بڑے گھاٹے کا سودا ہے۔ پھر امریکہ میں اپنے مذہب عیسائیت کی طرف بھی رجحان و میلان پیدا ہو چلا ہے۔ ان کی مذہبی کتابوں میں بڑی تفصیل اور اسناد کے ساتھ اس ظالمانہ طرزِ عمل کے حالات مذکور ہیں جو یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ روا رکھے تھے۔ ان کتابوں میں صراحت کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت مسیحؑ کو ان کے عقیدے کے مطابق مصلوب

کئے جانے میں پوری سازش اور عمل دخل یہودی علماء ہی کا تھا۔ کیسے ممکن ہے کہ وہ ان باتوں کا اثر قبول نہ کریں! یہ صحیح ہے کہ امریکہ کی حکومت پر یہودیوں کا کافی اثر و رسوخ ہے اور ذرائع ابلاغ عامّہ کے ذریعے انہوں نے امریکی رائے عامّہ کو بڑی حد تک متاثر کر رکھا ہے۔ لیکن تاہم! اس کا امکان بہر حال موجود ہے کہ چند سالوں کے اندر اندر امریکہ میں بھی وہی صورتِ حال پیدا ہو جائے جو ہٹلر کے دورِ حکومت میں جرمنی میں ہوئی تھی کہ وہاں دس سالوں کے اندر اندر چھ لاکھ سے زائد یہودی بڑے پیمانہ انداز میں قتل کئے گئے اس طور پر کہ ان کی لاشوں کو بھی جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ کیا عجب! یہی صورتِ حال چند سالوں بعد امریکہ میں بھی پیدا ہو جائے۔!!

یہودیوں کے بارے میں قرآن کا فیصلہ

آپ جانتے ہیں کہ اس بات پر پوری اُمت کا اجماع ہے کہ سورہ فاتحہ میں "اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ" سے مراد یہود ہیں یہ اجماعِ اُمت قرآن مجید ہی کی بنیاد پر ہوا ہے۔ جس کے متعلق یہ اصول تسلیم کیا گیا ہے کہ "اَلْقُرْاٰنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا"۔ چنانچہ مغضوب علیہم کی تفسیر کئی مقام پر خود قرآن نے یہی کی ہے کہ اس سے مراد یہود ہیں۔ سورۃ بقرہ میں یہود کے بعض جرائم کا ذکر کر کے فرمایا: وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ط (آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ) ان پر ذلت و خواری اور پستی و نکبت مسلّط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے"۔ (آیت ۶۱)۔ آگے ان یہود کے متعلق آیت ۹۰ میں فرمایا: فَبَاءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ط "پس یہ (یہود اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے) غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے ہیں"۔ مغضوب عَلَيْهِم ہونے کی پاداش میں اللہ تعالےٰ نے قرآن حکیم میں ان کے لئے جس سزا کے فیصلے کا اعلان فرمایا ہے۔ اس سلسلے کی چند اہم آیات میں آپ کو سناتا ہوں۔ سورہ مائدہ کی آیت ۴۱ کے آخر میں فرمایا: لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ہ "ان (یہود) کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں سخت سزا" سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۱۲ میں

یہود کے لئے اس سزا کے فیصلے کا اعلان فرمایا گیا: ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۔ یہ (یہود) جہاں بھی ہوں ان پر ذلت تھوپ دی گئی ہے بس اگر کہیں اللہ کے ذمے یا انسانوں کے ذمے میں پناہ مل گئی (تو یہ اور بات ہے) یہ اللہ کے غضب میں گھر چکے ہیں اور ان پر پست ہمتی اور مغلوبیت مسلط کر دی گئی ہے ۔ کم و بیش تقریباً ڈھائی ہزار سالہ تاریخ گواہ ہے کہ اس پورے دور میں یہود دنیا میں ذلت و مسکنت کا نشان عبرت بنے رہے ہیں ۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بعثت کے وقت ارض شام میں یہودیوں کی جو دو ریاستیں موجود تھیں وہ رومیوں کے زیر نگیں تھیں ۔ ان کی وہی حیثیت تھی جو انگریزی حکومت کے دور میں ہندوستان میں حیدر آباد یا اسی پائے کی چند دوسری ریاستوں کو حاصل تھی ۔ بعدۂ جب رومیوں نے عیسائیت قبول کی تو یہ ریاستیں بھی ختم ہو گئیں اور عیسائی دنیا میں ان پر زندگی تنگ ہو گئی اور غلاموں سے بھی زیادہ بدتر حالات سے یہ دوچار ہوئے ۔ ظہور اسلام کے بعد ان کو اگر امان اور سکون و اطمینان سے زندگی بسر کرنے کے مواقع ملے تو وہ اسلامی مملکت میں ملے ۔ جس کو قرآن مجید نے بحبل من اللہ سے تعبیر کیا ہے ۔

یہودیوں کا مستقبل

اس زمانے میں یہود کی جو نام نہاد ریاست "اسرائیل" ارض فلسطین میں قائم ہے تو وہ بھی درحقیقت اپنے بل بوتے پر نہیں بلکہ برطانیہ کی مدد سے قائم ہوئی اور فی الوقت خاص طور پر امریکہ کے سہارے پر کھڑی ہے ۔ ۱۹۷۳ء کی مصر و اسرائیل کی جنگ میں اگر امریکہ مسلح مداخلت نہ کرتا تو اس کا امکان موجود تھا کہ "اسرائیل" کا نام دنیا کے نقشے سے محو ہو جاتا ۔ یہ تعبیر ہے بحبل من الناس کی ــــ لیکن جیسا کہ میں اپنی تقریر کے ابتدائی حصے میں بیان کر چکا ہوں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کے حق میں عذاب استیصال کی سنۃ اللہ کے پورے ہونے کا وقت قریب ہے ۔ دنیا کے گوشے گوشے سے کھنچ کھنچ کر یہودی ارض فلسطین میں جمع ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نزول ہوگا اور

ان کی زیرِ قیادت یہودیوں کو عذابِ استیصال کا مزا چکھایا جائے گا اور ان شاء اللہ ان کی یہ مجتمعہ قوت یک لخت ختم ہو جائے گی اور ان کا دنیا میں نام و نشان ہی باقی رہ جائے گا جیسے دوسری معذب اقوام (عاد و ثمود وغیرھا) کا نام یا ان کے تمدن کے کچھ کھنڈرات سامانِ عبرت کے طور پر باقی ہیں ۔

یہودیوں پر ابدی لعنت میں آج کی اس تقریر کے لئے سورہ اعراف کی آیت (نمبر ۱۶۷) نوٹ کر کے لایا تھا ۔ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ "اور یاد کرو جب کہ تیرے رب نے فیصلہ کیا اور اس کا اعلان کیا کہ وہ قیامت تک برابر ان (بنی اسرائیل) پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بد ترین عذاب کا مزا چکھاتے رہیں گے ۔ بے شک آپ کا رب جلد اور سخت سزا دینے والا ہے ۔ بے شک وہ بخشنے والا اور مہربان ہے ۔" اللہ تعالےٰ کے اس فیصلے کی عملی شہادت تاریخ میں موجود ہے ۔ بنو خذ نصرا ور ٹائٹس رومی کے ہاتھوں ان کو جس ہلاکت خیزیوں سے سابقہ پیش آیا ہے اس کی لرزہ خیز داستان تاریخ میں آپ کو مل جائے گی ۔ پھر بازنطینی سلطنت اور ہسپانوی عیسائی حکومت کے ہاتھوں ان کی مسلسل جو درگت بنتی رہی ہے، تاریخ کے اوراق اس کے گواہ ہیں ۔ جرمنی میں پہلی جنگ عظیم کے بعد خصوصًا ہٹلر کے دورِ حکومت میں ان پر جو کچھ بیتی ہے ۔ وہ دُور کی نہیں بلکہ ہمارے دَور ہی کی بات ہے جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ ان کو وقفے وقفے سے جو امان ملتی رہی ہے وہ یا تو بحبل من اللہ ملی ہے یا بحبل من الناس ۔ یہ عارضی امن ان کے اس انجام بد کو نہیں ٹال سکے گا ۔ جو ان کا مقدر ہو چکا ہے اور ارضِ مقدس میں ان کا اجتماع آخری عذاب کی تکمیل کا پیش خیمہ ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ آخری انجام سے قبل ان کو خود امریکہ ہی میں خود اپنے بہی خواہوں ہی کے ہاتھوں ایک مزید عذاب کا مزا چکھنا پڑے

ہمارے لئے عبر و بصائر جامع ترمذی میں حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَیَاْتِیَنَّ عَلٰی اُمَّتِیْ کَمَا اَتٰی عَلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ...
" میری امت پر بھی وہ تمام احوال وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر ہوئے، بالکل ایسے جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے سے مشابہ ہوتا ہے"، تو واقعہ یہ ہے کہ جس طرح یہود اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے دنیا میں ذلیل و خوار رہے ہیں۔ آج اسی طرح ہم بھی ان ہی کرتوتوں کی بدولت جو یہودیوں کی خصلت و عادت بن چکی ہے دنیا میں سامان عبرت بنے ہوئے ہیں۔ ہم بھی اللہ کی نافرمانیوں اور معصیتوں کے ارتکاب میں یہودیوں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ اور اپنی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے راندۂ درگاہ رب العزت ہوتے اور ہم بھی ان کے طرز عمل کی تقلید کرتے ہوئے اسی مقام ذلت و مسکنت تک پہنچ چکے ہیں۔ حد یہ ہے کہ اپنی بدعملیوں کی وجہ سے ہمیں یہ روز بد دیکھنا پڑا کہ "بیت المقدس" ہم سے اس مغضوب علیہم قوم کے ہاتھوں چھن گیا اور ۱۹۶۷ء سے یہ آج تک اُسی کے قبضے میں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ صادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی کے مطابق مستقبل میں یہودی قوم کو عذاب استیصال کا نوالہ بننا ہوگا اور اسلام کو عروج حاصل ہوگا۔ لیکن سوال اس وقت دنیا میں میں بسنے والے تقریباً ایک ارب مسلمانوں کے انجام کا ہے۔ جن کا حال یہ ہے کہ خدا پرستی کے بجائے دنیا پرستی ان کا مطمح نظر اور نصب العین بن چکی ہے اور وہ اپنے کردار، سیرت اور اخلاق کے اعتبار سے یہودیوں کی پیروی کر رہے ہیں بلکہ میرا تاثر تو یہ ہے کہ یہودیوں کو اس وقت اپنے مذہب اور اپنی نشأۃ ثانیہ سے جو قلبی تعلق ہے، ہمارا بحیثیت اُمت اپنے دین سے تعلق ان کے پاسنگ بھی نہیں ہے۔ الا ماشاء اللہ — وہ متحد ہو رہے ہیں، ان میں، بکمال ایثار و قربانی کا جذبہ ابھر رہا ہے۔ لیکن ہم ہیں کہ افتراق و انتشار اور تفرقہ بازی کا شکار ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا مسلم ملک ہو جہاں ہم دین کے احیاء اور اس کی نشأۃ ثانیہ اور اس کی دعوت و تبلیغ کے لئے متحد نظر آتے ہوں۔ خود امریکہ میں یہ حال ہے کہ وہاں دعوت و تبلیغ کا کوئی متحد پلیٹ فارم نہیں۔ بہت سے ادارے ہیں لیکن ان میں اشتراک (CO-ORDINATION) کے بجائے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے رجحانات موجود ہیں۔ بَغْیًاۢ بَیْنَھُمْ والی سی کیفیت ہے۔

حق اور روحانیت کی پیاس

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کا فرمانِ مبارک ہے کہ " ہر انسان فطرتِ
اسلام پر پیدا ہوتا ہے - یہ تو اس کے والدین ہوتے ہیں جو اُسے یہودی، نصرانی
اور مجوسی بنا دیتے ہیں" - یعنی والدین کی تربیت، ماحول کی گرفت، تعلیم کے اثرات
اور قومی و نسلی تعصّبات اس فطرت سلیمہ کو مسخ کرنے کا سبب بنتے ہیں اور
اللہ تعالےٰ نے انسان کے قلب اور اس کی فطرت میں اپنی معرفت کی جو چنگاری رکھی
ہے، وہ یا بالکل بجھ جاتی ہے یا باطل نظریات کی راکھ تلے دب جاتی ہے - لیکن اگر
صحیح نہج اور سنتِ رسولؐ کے مطابق دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا جائے تو
اللہ تعالےٰ لوگوں کے قلوب کو قبولِ حق کی توفیق عطا کرتا ہے - آج پوری دُنیا
مادّہ پرستانہ باطل نظریات و افکار اور خدا ناآشنا تہذیب و تمدن کے بوجھ تلے
کراہ رہی اور سسک رہی ہے - آج اس کی روح کی پیاس جاگ رہی ہے - ضرورت
اس بات کی تھی کہ ہم اپنے سلفِ صالحین کے نقشِ قدم کی پیروی کرتے اور
بے نفسی کے ساتھ اور حکمت قرآنی کے مطابق دین کی دعوت و تبلیغ کا فرض انجام
دیتے اور پھر ان داعیان و مبلغین کی دعوت و تبلیغ کی پشت پر ان کے اعلیٰ کردار
و اخلاق کی قوت بھی ہوتی تو یورپ اور امریکہ میں اس دینِ حق کو قبول کرنے کے
مواقع موجود ہیں وہاں یہ دعوت جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی چونکہ یہ عین انسانی فطرت
کے مطابق ہے - لیکن ہم اس ذمہ داری کو ادا کرنے سے تغافل اختیار کئے ہوئے ہیں
امریکہ میں بدھ مت اور ہندومت کے ماننے والوں نے وہاں اپنے آشرم بنائے
ہیں اور ان آشرموں کے ذریعے اپنے دھرم کی تبلیغ کرنے والے اپنے قول کی زندہ
تصویر بنے ہوئے ہیں - ان کی زندگیاں سادگی کا مظہر اور دنیوی عیش و آرام سے
مبرّا نظر آتی ہیں ان میں کسر و انکسار ہے - دنیا سے بے رغبتی ہے - لہٰذا امریکی اس
طرف لپک رہے ہیں - یہ صرف اس وجہ سے کہ ان کی روح پیاسی ہے - جس کی
تشنگی دُور کرنے کا کچھ نہ کچھ امکان ان فلسفوں میں ان کو نظر آتا ہے - حالانکہ
واقعہ یہ ہے رُوح کی تشنگی کو سیراب کرنے کا حقیقی و فطری راستہ صرف دینِ اسلام
ہے - جو رُوح کی تشنگی بجھانے کے ساتھ انسان کو ایک اعلیٰ کردار و اخلاق کا عملی

پیکر بناتا ہے۔ لیکن وائے حسرتا! ہم آج خود ہی دین کی حقیقی تعلیم سے نابلد ہیں اور محض موروثی اسلام پر مطمئن ہیں (الا ماشاء اللہ) ہم خود ہی آج اسلام کی دعوت و تبلیغ کے محتاج ہیں۔ بھلا دوسروں کو دعوت دینے کا کیا سوال! تاہم جو لوگ نقل وطن کر کے یا ملازمت وکاروبار یا حصول تعلیم کے لئے امریکہ گئے ہیں وہ اپنے کردار و اخلاق کے لحاظ سے واقعی مسلمان ہوتے۔ یا جو ادارے وہاں اشاعت اسلام کے لئے قائم ہیں، ان کے متنظمین اسلام کی دعوت و تبلیغ کا بہتر نہج اختیار کرتے تو آج امریکہ میں اسلام کی اشاعت بہت بڑے پیمانے پر نظر آتی۔ اس کا مطلب یہ نکالیے گا کہ وہاں دعوت و تبلیغ کا سرے سے کوئی کام نہیں ہو رہا۔ کام ہو رہا ہے لیکن اس میں اصلاح کی شدید ضرورت ہے۔ اور سب سے زیادہ اس امر کی ضرورت ہے کہ وہاں دعوت و تبلیغ کے کام کرنے والے تمام اداروں اور اشخاص میں اشتراکیت و تعاون اور اتحاد (CO-ORDINATION) ہو۔ وہاں اداروں کے ساتھ کسی سیاسی جماعت کے نظریات یا کسی فقہی مسلک سے وابستگی کے جو لاحقے لگے ہوئے ہیں، وہ دعوت و تبلیغ کی راہ کے سنگ گراں ہیں۔ وہاں تو دعوت و تبلیغ کا وہ اسلوب اور نہج ہونا چاہیئے جس کی طرف قرآن حکیم رہنمائی کرتا ہے۔

قرآنی ہدایات

اہل کتاب کو حکیمانہ طریقے پر دعوت دینے کے لئے قرآن نے ہمیں ہدایات دی ہیں۔ اتنا موقع نہیں کہ میں ان تمام ہدایات کو کما حقہ، بیان کر سکوں۔ صرف ایک حوالے پر اکتفا کروں گا۔ سورہ آل عمران میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا: قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا ٱللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِۦ شَيْـًٔا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ ۚ "اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب، اس چیز کی طرف آؤ ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں مشترک ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اور نہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں۔ اور نہ ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا رب ٹھہرائے۔" (آیت ۶۴) یہ طریقہ حکیمانہ بھی ہے اور موثر بھی۔ اعتقادی طور پر

توحید کا عقیدہ ہمارے اور اہل کتاب کے درمیان مشترک حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے ۔ تورات میں دیگر تحریفات ہوئی ہیں لیکن اس کے باوجود نہایت قطعیت کے ساتھ توحید کی تعلیم اب بھی واضح طور پر اس میں موجود ہے ۔ البتہ انجیل کا معاملہ گڑبڑ ہے ۔ اس میں بہت سی تحریفات کے ساتھ ساتھ توحید کے چشمہ صافی کو بھی گدلا کر دیا گیا ہے ۔ بایں ہمہ اب بھی اناجیل اربعہ میں ایسی آیات موجود ہیں جو خالص توحید کی طرف رہنمائی کرتی ہیں مثلاً مرقس میں مذکور ہے "یسوع نے (کسی سائل کو) جواب دیا کہ اوّل (بات) یہ ہے کہ اے اسرائیل سن ! خداوند ہمارا خدا ایک ہی ہے " ۔ تثلیث اور کفّارے کا عقیدہ عقل کے بھی خلاف ہے ۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ بڑی دلسوزی اور حکمت و موعظت کے ساتھ اسلام کی دعوت توحید امریکی معاشرے میں پیش کی جائے ۔ قرآن حکیم میں اشارات موجود ہیں کہ " اے مسلمانو ! تم ان کو اپنے قریب پاؤ گے جو خود کو نصاریٰ کہتے ہیں " افسوس کہ یورپ میں ہمارے دین کی تبلیغ نہیں ہوئی اس کا نتیجہ ہم آج بھگت رہے ہیں ۔ پھر چونکہ یورپ ترکمانِ عثمانی کی فوجی یورش کی زد میں رہا تھا اور ان کے ہاتھوں ہزیمتیں اٹھائی تھیں تو قدرتی طور پر ان کے دلوں میں فاتحین کے دین کے خلاف بھی تعصبات و مخالفت جڑ پکڑ گئے تھے ۔ امریکہ میں یہ صورت حال نہیں ہے ۔ وہاں کام کا بڑا میدان ہے ۔

کام کا میدان

امریکی معاشرے کے مشاہدے اور اس کے نفسیاتی جائزے سے یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ اس معاشرے میں انسان مشین بن کر رہ گیا ہے ۔ مشین میں نہ دل ہوتا ہے نہ حسیات ہوتی ہیں ۔ اسی لئے وہاں کا انسان لطیف انسانی جذبات سے محروم ہوتا چلا جا رہا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں رحمی رشتے بھی محبت و شفقت سے یکسر محروم ہیں (الا ماشاء اللہ) بوڑھے والدین کو ان کی اپنی حقیقی اولاد بھی پوچھتی تک نہیں ۔ دوسرے رشتوں کا کیا سوال ! اسی وجہ سے وہاں بڑے بڑے شہروں میں بوڑھوں کے ہوسٹل قائم ہیں ۔ وہاں خاندان اور اس سے متعلقہ روابط اور محبتیں اب ایک داستان پارینہ بن چکی ہیں ۔ ان حالات میں شعوری اور غیر شعوری طور پر وہاں ایک ایسے

نظامِ حیات کی پیاس پیدا ہو رہی ہے جو معتدل و متوازن ہو۔ جس میں رُوح کی تسکین کا بھی کما حقہ سامان ہو اور انسانی تہذیب و تمدن کے تمام داعیات کی جائز تسکین کا بھی۔ جس میں انسان کو ایک اعلیٰ اور با اخلاق انسان بنانے کی صلاحیت ہو۔ جس میں حق ہو، انصاف ہو، عدل ہو، قسط ہو۔ فرائض و حقوق کا منصفانہ امتزاج ہو۔ جس میں عبادات ہی کا نہیں عمرانیات کے تمام شعبوں کے لئے بھی عادلانہ و منصفانہ نظام ہو۔ جو ایسا نظام ہو جو عقل و فہم اور قلب و نظر کو مطمئن اور قائل کرنے والا ہو۔ یہ نظام موجود ہے منزّل من اللہ ہے۔ یہ ہے ہمارا دین اسلام۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ چند درویش صفت لوگ جو ہر لحاظ سے اسلامی تعلیمات کا عملی پیکر ہوں۔ وہاں جا کر مستقل ڈیرہ لگالیں۔ وہاں دونوں طبقوں، گوروں اور کالوں میں کام کا میدان موجود ہے۔

اہم ترین ضرورت آج امریکہ میں اسی بات کی ضرورت ہے۔ کہ کچھ درویش صفت اللہ کے بندے دعوت و تبلیغ کے لئے خود کو وقف کر دیں اور وہاں جا کر بیٹھ جائیں۔ مجھے اس وقت بار بار حضرت معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ یاد آ رہے ہیں۔ جو کفر کے گڑھ میں آئے اور جم کر بیٹھ گئے۔ اس عزم کے ساتھ کہ اب ان کا جینا مرنا اسی کفرستان کے ساتھ وابستہ ہے۔ انؒ کی زندگی کے شب روز ان غیر مسلموں کے سامنے ہیں۔ وہ سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ انؒ کے مشاغل کیا ہیں۔ انؒ کا ذریعہ معاش کیا ہے۔ انؒ کے مقاصد کیا ہیں۔ یہ یہاں روپیہ تو کمانے نہیں آئے کہ یہاں سے کما کما کر اپنے گھر والوں کو بھیج رہے ہوں۔ اپنا معیار زندگی بہتر بنانے کی دھن تو ان پر مسلّط نہیں ہے۔ یہ یہاں کسی دنیوی غرض کے لئے تو نہیں آئے!! اس کے برعکس جب انہوں نے دیکھا کہ یہ شخصؒ انسان دوست ہے، لوگوں سے محبت کرنے والا ہے۔ ان کا ہمدرد و خیر خواہ ہے۔ اپنے وطن سے دور یہاں اس لئے آیا ہے کہ اس پر لوگوں کی آخرت سنوارنے کی دھن مسلّط ہے۔ درویش اور عابد و زاہد ہے۔ بے غرض ہے اور صرف اپنے معبود کی رضا کا طالب ہے تو ظلمت کدہ ہند میں خواجہ اجمیریؒ کی اس قولی و عملی تبلیغ کے جو نتائج نکلے وہ آج ہمارے

سامنے ہیں ــــــ برصغیر پاک و ہند میں آج اسلام کی جو روشنی نظر آ رہی ہے وہ خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اور ان جیسے سینکڑوں اُن صوفیاء کرام رح کی مساعی جلیلہ کا ثمرہ ہے جو خالصتاً دعوت و تبلیغ دین کے لئے برصغیر پاک و ہند میں آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے اور ایک جگہ مستقل اور جم کر بیٹھ گئے ۔ جن کی زندگیاں ان کی دعوت کی علمبردار اور منہ بولتی تصویریں تھیں ــــ اس کے برعکس ہمارا دعوت و تبلیغ کا نظام انتہائی ناقص اور شدید اصلاح کا محتاج ہے ۔ ہمارا یہ طریقہ کہ ہمارے مبلّغین وہاں گئے دو مہینے صرف کئے اور چلے آئے یا یہ کہ ہمارے تبلیغی بھائی جماعتیں لے کر گئے چلّہ کاٹا پانچ چھ شہروں کا چکّر لگایا اور واپس چلے آئے ۔ یہ طریقہ زیادہ مفید مطلب نہیں، یہ اور بات ہے کہ ہم اپنے آپ کو خوش اور مطمئن کر لیتے ہیں کہ ہم نے بڑا کام کیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس طرح وقت، قوت، صلاحیت اور دولت کا جو مجموعی سرمایہ صرف ہوتا ہے ۔ اس کے لحاظ سے میری رائے یہ ہے کہ مفید نتائج نکلنے کا تناسب انتہائی قلیل ہے ۔ میرے نزدیک صحیح طریقہ وہی ہے جس پر عمل پیرا ہوتے برصغیر پاک و ہند میں ہمارے صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین ۔ میں یہ نہیں کہتا کہ محض گشت کے لئے آمد و رفت کا یہ سلسلہ خیر سے بالکل خالی ہے ۔ راہ میں پڑا ہوا کوئی پتھر اور روڑا ہٹا دینا بھی نیکی کا کام ہے ۔ اسی طرح یہ سلسلہ بھی کوئی نہ کوئی مفید اثر چھوڑتا ہے ۔ لیکن وقت اور حالات اور ہمارے سلف صالحین کا طریقہ اس امر کا مقتضی ہے کہ امریکہ میں ایسے دعوتی اور تبلیغی مراکز قائم ہوں، جیسے ہمارے صوفیاء کرام رح نے برصغیر پاک و ہند میں قائم کئے تھے ۔ اسی طریقے سے ان شاء اللہ نہایت ہی مفید اور مستحکم نتائج برآمد ہوں گے ــ اس کا ایک موثر و مفید ثمرہ تو یہ حاصل ہو گا کہ وہاں جو مسلمان (IMMIGRANTS) مہاجرین آباد ہیں ۔ ان میں مسلسل دعوتی کام ہو سکے گا ان کا اپنے دین سے تعلق قائم رہے گا اور وہ اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھ سکیں گے ۔ ان کی اولاد پر بھی اس کے اچھے نتائج مترتب ہوں گے اور دوسرا مفید نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہاں کے باشندوں گوروں میں بھی اور کالوں میں بھی براہ راست اور

ان مسلمان مہاجرین کے توسط سے دعوت و تبلیغ کے بہتر اور مسلسل مواقع حاصل ہوں گے جو مستقبل کے لئے ایک سرمایہ (Assets) ثابت ہوں گے۔

چند ناگوار مشاہدات

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ امریکہ نقل مکان کرنے والوں کا ملک ہے۔ اس نقل مکانی کا سلسلہ تاحال جاری ہے۔ دنیا کے مختلف حصوں سے لوگ امریکہ اور کناڈا جاکر مستقل طور پر آباد ہو رہے ہیں۔ جن میں مسلمانوں کی بھی اچھی بھلی تعداد ہے۔ ان مسلمانوں میں وہ بھی ہیں جو تقریباً پچاس ساٹھ سال قبل ہجرت کر کے وہاں آباد ہوئے۔ ان میں زیادہ تر لوگ عرب اور ترکی سے آئے تھے۔ پھر مسلمانوں میں وہ لوگ ہیں جو قیام پاکستان کے بعد مختلف اسباب کی وجہ سے بھارت اور پاکستان سے نقل مکانی کر کے وہاں آباد ہوئے۔ میں بڑے دکھ کے ساتھ اپنے اس مشاہدے اور تاثر کا اظہار کرتا ہوں کہ ان پہلے یا بعد میں یا حال میں نقل مکانی کر کے وہاں آباد ہونے والے مسلمانوں کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ وہ وہاں کے کالے مسلمانوں کے ساتھ بے اعتنائی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ خود بھی اصل امریکنوں کے نزدیک کالے ہیں۔ لیکن ان کا حال یہ ہے کہ ان کو کالے مسلمانوں سے میل جول پسند نہیں۔ ان کے ساتھ بیٹھنا گوارا نہیں۔ ان کے ساتھ نفرت کا سا برتاؤ ہے۔ جیسے رنگت کی بنیاد پر متعصب ذہنیت کے امریکن روا رکھتے ہیں۔ یہ طرزِ عمل انتہائی نقصان دہ ہے۔ اس کا ردِ عمل کالے مقامی مسلمانوں میں موجود ہے۔ ان کے ایک ردِ عمل کا میں پہلے بھی اجمالاً ذکر کر چکا ہوں جو مہاجر مسلمانوں کی خواتین کے بے حجابی کو دیکھ کر ان میں نظر آتا ہے۔ ایک ردِ عمل اس بے اعتنائی کی وجہ سے بھی وہاں کے مقامی کالوں میں نظر آتا ہے وہ برملا کہتے ہیں کہ یہ کیسے مسلمان ہیں جو ہم کو اچھوت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ہم ان کے دینی بھائی ہیں۔ میرے علم میں جب یہ بات آئی کہ ان کالے نومسلموں نے جب اسلام قبول کیا تو اس کے لئے ان کو بڑی قربانیاں دینی پڑیں تو مجھے مہاجر مسلمانوں کے رد یے سے کافی دلی صدمہ پہنچا۔ ایسی ایسی مثالیں میرے سننے میں آئیں جس سے قرنِ اول کی یاد دل میں تازہ ہو گئی۔ جن نیگرو نوجوانوں نے اسلام قبول

کیا تو ان کے عیسائی والدین نے ان کو گھروں سے نکال دیا۔ ایسے نوجوان بھی تھے، جن کو طویل عرصے تک گھروں میں بند رکھا گیا اور ان کو بھوکا پیاسا رکھنے کی سزا دی گئی۔ جسمانی اذیتیں بھی دی گئیں۔ کچھ نوجوان نومسلموں کو قتل بھی کیا گیا۔ لیکن ان تمام مظالم و مصائب کو ان نومسلموں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور اسلام پر جمے رہے۔ مجھے بتایا گیا کہ ان نیگرو نومسلموں پر ان کے اپنے بھائی بندوں کے علاوہ سفید فام امریکیوں نے بھی جور و ستم کے طرح طرح سے پہاڑ توڑے ہیں۔ لیکن ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی۔ کوئی بھی اس دین سے نہیں پھرا جس کو انہوں نے قبول کیا تھا۔ البتہ چند ایسے واقعات بھی ہوئے کہ ان نومسلموں میں سے کچھ جوشیلے نوجوانوں نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا۔ لیکن ایسا شاذ ہی ہوا ہے۔ اس صورتِ حال کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہمارے مہاجر مسلمان بھائی آگے بڑھ کر ان نومسلموں کو گلے لگاتے، ان کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتے۔ ان کو اپنی سوسائٹی میں جذب کرنے کی کوشش کرتے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ وہاں اس اہم ضرورت کی طرف کوئی خصوصی توجہ نہیں دی گئی اگر کماحقہٗ اس طرف توجہ دی جاتی تو اس کے بہت خوشگوار اثرات وہاں کی نیگرو آبادی پر پڑے اور ان کو محسوس ہوتا کہ اگر ہم اسلام لانے کی وجہ سے اپنی سوسائٹی سے کٹیں گے تو دوسری سوسائٹی موجود ہے جو ہمارا خیر مقدم کرے گی اور ہم کو خوش آمدید کہے گی۔ اس طرح ان نیگروؤں میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد اُس سے کہیں زیادہ ہوتی جو آج موجود ہے — مجھے جہاں بھی تقاریر کا موقع ملا ہے، میں نے اس طرف توجہ دلائی ہے اور اُن سے استدعا کی ہے کہ ان میں اور نیگرو نومسلموں میں جو بُعد اور بے تعلقی ہے اس کو ختم کرنے کی فکر کیجئے۔ یہ کام بھی ان شاء اللہ اشاعتِ اسلام میں ممد و معاون ثابت ہوگا۔

مہاجر مسلمانوں کے مختلف طبقات

مشرق سے یورپ جانے والوں میں گذشتہ جنگِ عظیم دوم سے قبل جاکر آباد ہونے والوں میں اعلیٰ سوسائٹی اور تعلیم یافتہ افراد کی اکثریت تھی۔ لیکن جب ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء کی جنگ کے نتیجے میں یورپ خاص طور پر برطانیہ

میں محنت کشوں اور مزدوروں کا قحط پڑا جبکہ ان کو اپنی فیکٹریوں اور اپنی صنعتوں کو از سر نو بحال کرنے کی ضرورت لاحق تھی تو انہوں نے مشرق سے آنے والے محنت کشوں کی پذیرائی کی چونکہ ان کو محنت کشوں کی ضرورت تھی اور مشرق کے لوگ ان کو مقامی مزدوروں کے مقابلے میں سستی اور کم اُجرت پر ملنے لگے تھے۔ چنانچہ مختلف ممالک سے مزدور طبقے کے لوگ یورپ کے مختلف ممالک میں پہنچنے لگے پھر ان کے قرابت داروں میں سے بھی ہر طرح کے لوگ وہاں پہنچ گئے اور اس طرح تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ کی کوئی قید نہیں رہی۔ لیکن امریکہ کا معاملہ مختلف ہے۔ وہاں مشرقی ممالک سے نقل مکانی کرنے والے تعلیم یافتہ لوگ یا مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کا ذوق و شوق رکھنے والے افراد ہی پہنچے ہیں اور پہنچ رہے ہیں ان میں مسلم بھی ہیں اور غیر مسلم بھی۔ میرے مشاہدے کے مطابق وہاں منتقل نو آباد مسلمان تین نمایاں طبقات میں منقسم ہیں۔

پہلا طبقہ : یہ طبقہ ان مہاجرین (IMMIGRANTS) پر مشتمل ہے جو خود یا ان کے آباؤ اجداد آج سے تقریباً چالیس اور ساٹھ سال عرصے قبل کے زمانے میں نقل مکانی کر کے وہاں آباد ہوئے۔ ان میں زیادہ تعداد مشرق وسطیٰ اور ترکی کے مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ یہ تعلیم یافتہ اور متموّل افراد تھے۔ لیکن اب اس طبقے کی عظیم ترین اکثریت امریکی معاشرے اور اس کی تہذیب میں جذب ہو چکی ہے۔ اب ان کا حال یہ ہے کہ ان کا اسلام سے برائے نام بھی تعلق باقی نہیں ہے ان میں اور ایک امریکی میں آپ کو کوئی فرق و امتیاز نظر نہیں آئے گا۔ بے حیائی اور عریانی اور اسی نوع کے دوسرے تمام مذموم افعال جو خدا ناآشنا اور آخرت سے غافل لوگوں کے لئے "پسندیدہ اور مہذب" افعال کا درجہ رکھتے ہیں، ان میں، یہ لوگ بالکلیہ ملوث نظر آتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ ان کے ہاں اسلامی نام تک تبدیل ہو گئے ہیں۔ اب یوسف کا نام جوزف ہے، یعقوب کا جیکب ہے اور اسحٰق کا آئزک سے تبدیل کر لیا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کی اولاد کو سرے سے معلوم ہی نہیں کہ "اسلام" کسے کہتے ہیں! ۔ ان سے اسلام کے متعلق کچھ گفتگو کیجئے تو بس وہ اتنا کہیں گے۔ کہ O, yes

"ہاں ہاں! my father is (or was) a Muslim
میرا باپ مسلم ہے یا تھا"۔ اس سے زیادہ وہ اسلام کے متعلق کچھ نہیں جانتے
اور نہ جاننے کی کوئی خواہش ان میں نظر آتی ہے۔ ان لوگوں کے اس طرزِ عمل
کی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ وہ جب امریکہ پہنچے توان کی تعداد ایک تو بہت کم تھی
پھر کسی ایک شہر میں مقیم ہونے کی بجائے وہ امریکہ جیسے وسیع وعریض ملک
میں منتشر ہوکر آباد ہوئے اُن کے لئے اس معاشرے کے دباؤ کا مقابلہ کرنا آسان
نہ تھا۔ لہٰذ وہ چاروناچار اس معاشرے میں جذب ہوگئے اور اس رنگ میں
پوری طرح رنگ گئے اور اس طرح اپنی دنیا بنانے کی خاطر آخرت کے خسارے
قبول کرلیا۔ کَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۙ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۙ

دوسرا طبقہ : یہ طبقہ اُن افراد پر مشتمل ہے جو قیامِ پاکستان کے بعد
ہندوستان اور پاکستان کے حالات کو اپنے مستقبل کے لئے سازگار نہ پاکر نقل
مکانی کرکے امریکہ میں مستقل طور پہ جاکر آباد ہوئے ہیں۔ میرے نزدیک یہ بڑا قیمتی
طبقہ ہے جو وہاں گیا ہے۔ علمی وذہنی اور اسلامی فکر کے لحاظ سے ہمارا بیش بہا
سرمایہ وہاں منتقل ہوگیا ہے۔ ان کے نقل مکانی سے پاکستان کے Brain Trust
کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے اور اس معیار کے لوگوں کی منتقلی سے مسلسل پہنچ
رہا ہے۔ اس بات کی میں آگے کچھ شرح کردوں گا۔ اس طبقے میں وہ لوگ خاص
طور پہ قابلِ ذکر ہیں جن میں سے اکثر لوگ تقسیمِ ہند کے موقع پہ یا اس کے بعد
چار پانچ سال کے عرصے میں پاکستان آنے کے بجائے ہندوستان ہی سے براہِ راست
یورپ یا امریکہ نقل مکانی کرگئے۔ ان میں سے بھی زیادہ تر لوگوں نے امریکہ کا
رُخ کیا۔ ان میں اکثریت حیدرآباد دکن، جنوبی ہند، صوبہ بہار اور مشرقی یوپی
کے ان اضلاع کے لوگوں کی ہے جو صوبہ بہار سے ملحق ہیں۔ یہ وہ علاقے ہیں جہاں
کے مسلمانوں میں تعلیم کا اوسط دوسرے علاقوں سے بہتر تھا۔ جہاں ذہانت
وفطانت بھی زیادہ تھی اور دین ومذہب سے تعلق بھی مقابلتاً گہرا اور مضبوط تھا۔
حیدرآباد دکن کے لوگ صاحبِ ثروت بھی تھے۔ ان کی اپنی تہذیب تھی جس
پر اسلامی رنگ غالب تھا۔ ان کی یونیورسٹیوں میں سائنس اور ٹیکنالوجی

کی تعلیم بھی اردو میں ہوتی تھی - وہاں اردو میں دینی معلومات کا بڑا قیمتی سرمایہ
موجود تھا - ڈاکٹر حمید اللہ صاحب مدظلہ العالی اسی حیدر آباد دکن کے رہنے والے
ہیں جو عرصہ دراز سے مستقل طور پر پیرس میں مقیم ہیں اور علمی سطح پر دین کیلئے
بڑا اعلیٰ وارفع کام کر رہے ہیں وہ اپنے علم وفضل کی وجہ سے پورے عالم اسلام اور
خاص طور پر یورپ میں مشہور ومعروف ہیں - اس دور میں جو چوٹی کے اہل علم ہندوستان میں
پیدا ہوئے، ان میں میرے نزدیک ڈاکٹر حمید اللہ کا نام نامی بہت سے اعتبارات سے
بہت اونچا ہے - ڈاکٹر میر ولی الدین مرحوم ومغفور بھی اللہ تعالیٰ ان کے مرقد کو
نور سے بھرے اسی حیدر آباد دکن کے رہنے والے تھے جن کی قرآن مجید اور اسلامی
تصوف و فلسفے پر انگریزی زبان میں چھوٹی چھوٹی کتابیں یورپ میں قبول عام
حاصل کر رہی ہیں - صوبہ بہار اور اس سے ملحق مشرقی یوپی کے اضلاع بھی بڑے
مردم خیز علاقے رہے ہیں - اسلامی منطق اور فلسفے کے چوٹی کے لوگ اسی علاقے
سے تعلق رکھنے والے تھے - عظیم آباد (پٹنہ) اور اعظم گڑھ ہمارے دینی علم کے
لحاظ سے ہماری تاریخ میں نمایاں حیثیت کا مقام رکھتے ہیں - چنانچہ امریکہ میں
بھارت سے براہ راست نقل مکانی کرنے والوں میں حیدر آباد اور صوبہ بہار اور اس سے
ملحق علاقوں سے تعلق رکھنے والوں کی اچھی خاصی تعداد ہے - ان کے اندر اپنے
دین سے گہرا شغف تاحال قائم ہے - ان میں کام کرنے کی لگن اور جذبہ بھی موجود
ہے - اسی طبقہ میں ان لوگوں کو بھی شامل سمجھئے جو پاکستان آئے - زیادہ تر کراچی
میں آباد ہوئے جن کو مہاجرین کہا جاتا تھا - ان کے ذہین و فطین افراد نے جلد
ہی محسوس کر لیا کہ ہمارا پاکستان میں کوئی مستقبل نہیں ہے - خاص طور پر پچھلے جو
دس گیارہ سال گزرے ہیں - اس میں علاقائی قومیت اور عصبیت نے جو سر ابھارا
ہے - اس کو سامنے رکھئے - اسی عصبیت کی وجہ سے پاکستان دولخت ہوا اور
مشرقی پاکستان "بنگلہ دیش" بن گیا - یہ علاقائی قومیت اور عصبیت پاکستانی
اُمتِ مسلمہ کے اتحاد اور وحدت کے لئے سم قاتل ہے - بھٹو صاحب کے دور
میں یہ فتنہ مزید ابھرا اور باقاعدہ تحریکیں اُٹھنے لگیں اور نعرے لگنے شروع ہوئے
کہ سندھ سندھیوں کا، پنجاب پنجابیوں کا - بلوچستان بلوچیوں کا اور سرحد

پختونوں کا، جب 'Son of the Soil' کا یہ تصور ابھرا اور جڑ پکڑنے لگا تو مہاجرین کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ذہین طبقے کو اپنا مستقبل یہاں تاریک اور غیر محفوظ نظر آنے لگا اور حالات نے ان لوگوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ہم "پناہ گیر" ہیں 'Son of the Soil' تو نہیں ہیں۔ جب پچاس ساٹھ سال قبل پنجاب سے آکر سندھ میں بسنے والے ابھی تک غیر مقامی متصور ہوتے ہیں تو ہم تو شاید یہاں سو سال تک بھی "مقامی" نہ بن سکیں گے اور مہاجر بلکہ صحیح معنوں میں "پناہ گیر" ہی رہیں گے ۔ یہ نہ سمجھئے کہ علاقائی عصبیت کے عفریت کا خاتمہ ہو چکا ہے ۔ یہ زیر زمین موجود ہے اور فی الوقت مارشل لاء کے خوف سے دبا بیٹھا ہے ۔ ان اسباب کی بنا پر ان مہاجرین نے یہاں سے نقل مکانی ہی میں عافیت سمجھی اور اس طبقے کی اچھی خاصی تعداد یہاں سے نقل مکانی کر گئی اور ان میں سے بھی زیادہ تر افراد نے امریکہ اور کناڈا کا رخ کیا۔ مشرقی پنجاب سے جو لوگ پاکستان آکر پنجاب یا کسی دوسرے علاقے میں آباد ہوئے۔ ان میں یہ جذبات پیدا نہیں ہوتے چونکہ وہ پہلے بھی پنجابی تھے اور اب بھی پنجاب ہی میں آکر بس گئے تھے۔ دوسرے علاقوں میں گئے تو ضرورت پڑنے پر علاقائی تحفظ ان کو پنجاب میں حاصل ہو سکتا ہے۔ ان کے ساتھ، مغائرت کا کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے جو ان کے لئے کسی خاص تشویش کا باعث ہو۔ اس لئے پاکستان سے جن لوگوں نے نقل مکانی کی ہے ان میں ان ہی علاقوں کے لوگوں کی اکثریت ہے جو ہندوستان کے حصے میں آئے اور جہاں سے دراصل تحریک پاکستان کو اصل قیادت اور مضبوط قوت مہیا ہوئی تھی ۔ میرا امریکہ اور کناڈا میں اصل رابطہ اسی طبقے کے لوگوں سے رہا ہے ۔ میرا گہرا تاثر یہ ہے کہ یہ طبقہ نہایت ہی قیمتی سرمایہ ہے ۔ اس طبقے کی اکثریت میں دین سے تعلق و شغف برقرار ہے ۔ ان کو اپنی نئی نسل کے مستقبل کی فکر ہلکان کئے دے رہی ہے پچاس ساٹھ سال قبل آنے والے مہاجرین کی اولاد جس طرح امریکی معاشرے اور امریکی تہذیب میں رنگ چکی ہے اور اپنا اسلامی تشخص گم کر چکی ہے ۔ ان لوگوں کو بھی اپنی اولاد کا یہی انجام بہ تصور کی آنکھوں سے نظر آ رہا ہے ۔

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ (الحدیث)

تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دروس قرآن اور خطابات پر مشتمل

نشر القرآن کیسٹ سیریز

نمبر شمار	موضوع	کوڈ نمبر	قیمت روپے
۱	سیرتُ النبیؐ ۱۰ تقاریر کا سیٹ (۹۰-سی کے گیارہ کیسٹ)	۱ - ۱۱	۳۳۰/-
۲	نظریۂ ارتقاء اور قرآن حکیم (۹۰ سی)	۱۲	۳۰/-
۳	حقیقت انسان اور حقیقت روح انسانی (۶۰-سی دو کیسٹ)	۱۳-۱۴	۵۰/-
۴	نیکی کا حقیقی تصوّر (۹۰ سی)	۱۵	۳۰/-
۵	عظمت قرآن حکیم (۹۰ سی)	۱۶	۳۰/-
۶	تاریخ اُمّت مسلمہ (بموقع یوم اقبال) (۶۰-سی)	۱۷	۲۵/-
۷	قرآن کا تصوّر حیات انسانی (۶۰ - سی)	۱۸	۲۵/-
۸	تنظیم کی اہمیت اسوۂ محمّدیؐ کی روشنی میں (۶۰ - سی)	۱۹	۲۵/-
۹	پردہ کے احکام (سورۃ احزاب کی روشنی میں (۹۰-سی)	۲۰	۳۰/-
۱۰	اسلام کا معاشی نظام (۶۰-سی دو کیسٹ)	۲۱-۲۲	۵۰/-
۱۱	سیرتِ مطہرہ کا پیغام (۱۲ ربیع الاوّل) (۶۰-سی، ۹۰-سی)	۲۳-۲۴	۵۵/-
۱۲	تفسیر آیۂ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (۶۰ - سی)	۲۵	۲۵/-
۱۳	سورۃ الفاتحہ (۶۰ - سی دو کیسٹ)	۲۶-۲۷	۵۰/-

نمبر شمار	موضوع	کوڈ نمبر	قیمت روپے
۱۴	درس سورۃ بقرہ (پہلے دو رکوع) (۶۰-سی چار کیسٹ)	۲۸-۳۱	۱۰۰/-
۱۵	خلافت راشدہ کی شرعی اور تاریخی حیثیت ۶۰/۹۰ سی دو کیسٹ	۳۲-۳۳	۵۵/-
۱۶	درس سورۃ الحج (آخری رکوع) ۹۰ سی دو کیسٹ	۳۴-۳۵	۶۰/-
۱۷	درس سورۃ بقرہ (دوسرا تیسرا رکوع) ۶۰-سی چار کیسٹ	۳۶-۳۹	۱۰۰/-
۱۸	شہادت حسینؓ کا اصل پس منظر (۶۰-سی دو کیسٹ)	۴۰-۴۱	۵۰/-
۱۹	سورۃ الشوریٰ مکمل مصری قرآت (۹۰-سی سات کیسٹ)	۴۲-۴۸	۲۱۰/-
۲۰	سورۃ الحجرات (مکمل) (۹۰-سی تین کیسٹ)	۴۹-۵۱	۹۰/-
۲۱	درس قرآن سورۃ صف والجمعہ (۹۰-سی دو کیسٹ)	۵۲-۵۳	۶۰/-
۲۲	سیرت نبویؐ کا عملی پہلو (۹۰-سی دو کیسٹ)	۵۴-۵۵	۶۰/-
۲۳	سورۃ مریم (مکمل) (۹۰-سی پانچ کیسٹ)	۵۶-۶۰	۱۵۰/-
۲۴	سورۃ المنافقون (۹۰-سی دو کیسٹ)	۶۱-۶۲	۶۰/-
۲۵	خطاب بموقع تقریب نکاح مسنونہ (۶۰-سی)	۶۳	۲۵/-
۲۶	قرآن کا فلسفۂ شہادت (۹۰-سی)	۶۴	۳۰/-
۲۷	خطاب جمعہ (تاریخ اُمت مسلمہ (۶۰-سی)	۶۵	۲۵/-

نوٹ: قرآن حکیم کا منتخب نصاب زیر ریکارڈنگ ہے • تمام کیسٹ جاپان سے درآمد شدہ استعمال کئے گئے ہیں • کاروباری حضرات مزید تفصیلات کے لئے رجوع فرمائیں • خرچہ ڈاک (رجسٹرڈ پارسل) بذمہ خریدار ہوگا • بذریعہ ڈاک طلب فرمانے والے حضرات آرڈر کے ساتھ کوڈ نمبر کا حوالہ ضرور دیں نیز رقم پیشگی ارسال فرمائیں • بذریعہ وی-پی طلب فرمانے والے حضرات نصف رقم پیشگی ارسال فرمائیں

نشر القرآن، کیسٹ سیریز لاہور

تنظیم اسلامی ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

فون
۸۵۲۶۱۱
۸۵۲۶۸۳

تیسرا طبقہ:- یہ اُن پاکستانی مسلمانوں پر مشتمل ہے جو اصلاً تو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے امریکہ یا کینیڈا گئے تھے۔ جن میں مقامی بھی ہیں اور مہاجرین بھی اور مقامیوں میں پنجاب کے لوگ زیادہ ہیں۔ لیکن جن کو امریکی معاشرہ اتنا دل آویز معلوم ہوا کہ وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ انہوں نے جب محسوس کیا کہ ان کے پاس جو تعلیمی ڈگریاں ہیں ان کی امریکہ میں جو قدر و قیمت ہے اور ان کے عوض یہاں جو آسائشیں ان کو میسر آ سکتی ہیں ان کا پاکستان میں میسر آنا ناممکن نہیں تو مشکل تر ضرور ہے ــ اس لئے کہ اول تو پاکستان میں قابلیت و صلاحیت کی قدر کم، اثر و رسوخ اور سفارش کی پہنچ اور اس کا اثر زیادہ ہے۔ دوسرے اس لئے کہ اگر کہیں کوئی اچھی ملازمت مل بھی جائے تو جو سہولتیں جو آرام جو سکون اور جو تلذذ امریکی معاشرے میں حاصل ہے وہ پاکستان میں کہاں میسر! لہٰذا انہوں نے وہیں مستقل آباد ہونے کا فیصلہ کر لیا اور مختلف اچھی ملازمتوں پر فائز ہو گئے۔ کم و بیش ایسا ہی کچھ ان لوگوں کا حال ہے جو عارضی طور پر تجارت کے لئے گئے تھے لیکن اب انہوں نے مستقل طور پر وہاں اپنے کاروبار جما لئے ہیں ــ اس تیسرے طبقے میں پہلے طبقے کی خصوصیات کے حامل لوگ بھی ہیں یعنی جو فکر و نظر اور عمل و اخلاق کے لحاظ سے تیزی کے ساتھ امریکی معاشرے میں جذب ہوتے چلے جا رہے ہیں اور جن کا یہ حال نظر آ رہا ہے کہ اندیشہ ہے کہ جلد ہی وہ اپنے مسلمان اور پاکستانی ہونے کا شعور کھو دیں گے۔ اسی طبقے کی خواتین کی روش کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ جن سے نیگرو مسلم سخت بیزار ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو تیزی سے "کالے امریکی" بنتے چلے جا رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کی روش اور حالت پر لسان القوم اکبر الٰہ آبادی مرحوم کا یہ شعر بالکل راست آتا ہے کہ ؎

ہم تو سمجھتے تھے لائے گی فراغت تعلیم　　کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

ان لوگوں کے ساتھ الحاد اس طرح چپک کر رہ گیا ہے کہ وہ جہاں بھی جائیں گے۔ وہ ان کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی رحم فرمائے ــــ اس تیسرے طبقے میں دوسرے طبقے کی خصوصیات کے حامل لوگ بھی ہیں یعنی جنہوں نے معاشی طور پر دلفریب خوشگوار حال و مستقبل کی ترغیب میں آ کر وہاں مستقل

آباد ہونے کا فیصلہ تو کر لیا اور تا حال وہ اپنا اسلامی تشخص بھی برقرار رکھے ہوئے ہیں لیکن اُن کو بھی اپنی اولاد کے مستقبل کی فکر لاحق ہے اور ان کو بھی وہ انجام نظر آرہا ہے جس کی عکاسی میں پہلے طبقے کے ذکر میں کر چکا ہوں ۔

اصل مسئلہ

دوسرے طبقے کے افراد اور تیسرے طبقے کے موخرالذکر گروہ کا اصل مسئلہ یہی ہے ۔ انہوں نے متاہل زندگی اختیار کی ہے ۔ صاحبِ اولاد ہو گئے ہیں اور ڈر رہے ہیں کہ امریکہ جیسے بے دین ، بے حیا اور رُوحانی اخلاقیات و اقدار سے عاری و خالی معاشرے میں ہماری اولاد کا کیا بنے گا! جن کے معصوم دل و دماغ پر نقشِ اوّل امریکہ کی خدا ناآشنا تہذیب و تمدن اور فکر و عمل کا ثبت ہو رہا ہے ۔ ہم تو کچھ نہ کچھ نماز روزے کا اہتمام کر لیتے ہیں اور عیدین کو بطور دینی تہوار منا لیتے ہیں اور اسی طرح اپنا کسی نہ کسی حد تک اسلامی تشخص برقرار رکھے ہوئے ہیں لیکن اپنی نسلوں کے سروں پر دینی ارتداد کا —— خطرہ منڈلاتے دیکھ رہے ہیں ۔ شکاگو میں پنجاب کے کھوکھر خاندان کے ایک صاحب سے مستقل رابطہ رہا ۔ بڑے نیک طینت ، مخلص اور فعال کارکن ہیں ۔ وہ بڑے درد اور دکھ لیکن تیقن کے ساتھ کہا کرتے ہیں کہ " ہماری ایک نسل تو شاید امریکہ کی اس ملحدانہ اور اخلاق باختہ نظریات و تہذیب سے کچھ نہ کچھ بچ جائے لیکن میں پورے یقین اور دعوے سے کہتا ہوں کہ ہماری دوسری نسل کو یاد بھی نہیں رہے گا کہ ہم مسلمان تھے اور ہمارا مسلمان خاندان سے تعلّق تھا "۔ اسی قسم کے خطرات و خدشات اور خوف میں وہاں وہ لوگ مبتلا ہیں ۔ جن کو کسی نہ کسی درجے میں دین عزیز ہے اور جو اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھتے ہوئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد الحاد کے سیلاب میں بہنے نہ پائے وہاں نجی مجلسوں اور گفتگوؤں میں یہی مسائل اکثر زیرِ بحث رہے اور اکثر حضرات نے ان ہی خیالات کا اظہار کیا جس کا کھوکھر صاحب کرتے رہے تھے ۔

احساس خوف

ان نجی مجلسوں اور گفتگوؤں میں ، میں نے ان حضرات سے عرض کیا کہ آپ میں دین کی دعوت و تبلیغ کے کام کا جو جذبہ نظر آرہا ہے ۔ اس میں دراصل غالب عنصر اپنی اولاد کے مستقبل کے خوف کا شامل ہے

گویا آپ حضرات میں کام کے جذبے کا اصل محرک احساسِ خوف (Fear complex) ہے۔ پہلے تو اس کی تصحیح کر لیجئے۔ دین کی دعوت و تبلیغ، تواصی بالحق، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، غلبۂ دین حق کی سعی وجہد ہمارا دینی فرض ہے۔ اس کا اصل محرک احساسِ فرض کی ادائیگی ہونا چاہیئے۔ یہ حسنِ نیت ان شاء اللہ باعثِ برکت و اجر ہوگا۔ ویسے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی عاقبت و آخرت سنوارنے کی فکر بھی مستحسن اور ہمارے دین کا عین تقاضا اور مطالبہ ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا۔ آپ کی یہ سوچ اپنے احساسِ فرض کے تحت ہونی چاہیئے کہ ہم پر تواصی بالحق کا جو فریضہ عائد کیا گیا ہے اسی کے ذیل میں ہمارے گھر والے الاقرب فالاقرب میں آتے ہیں۔
میں نے ان حضرات سے عرض کیا کہ پاکستان میں ہم جو کام کر رہے ہیں اس کے لحاظ سے مجھے یہاں کام کی فضا بہتر اور مواقع زیادہ نظر آتے ہیں۔ وہ کہنے لگے، یہ کیسے! میں نے عرض کیا کہ ہمیں پاکستان میں لوگوں کو بہت زیادہ جھنجھوڑنا پڑتا ہے کہ خدا کے لئے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو اور دین کی دعوت و تبلیغ میں لگ جاؤ۔ اس کے باوجود وہاں کی عظیم ترین اکثریت ٹس سے مس نہیں ہوتی، جو جس حال میں ہے، مگن اور مطمئن ہے۔ پھر جن لوگوں میں ٹھوس کام کا کچھ داعیہ بیدار ہوتا ہے تو ہمیں ان کو بتانا پڑتا ہے کہ کام کیا کرو! یہاں آپ میں کام کا جذبہ ہے، آمادگی ہے پھر آپ کے لئے کام کا بڑا میدان ہے۔ غیر مسلموں میں دین کے کام کے مواقع ہیں۔ پھر اپنے بچوں کی اسلامی طرز پر تربیت کا میدان ہے۔ میں نے مزید عرض کیا کہ آپ کو جو خوف کا احساس Fear complex ہے اس کو بھی غنیمت سمجھئے اور اس کو باقی رکھنے کی کوشش کیجئے۔ بعض اوقات یہ جذبہ بھی بڑے بڑے معرکے سر کرا دیتا ہے۔ پاکستان کے قیام میں اس خوف کے عنصر کو بھی بڑا اہم موثر دخل تھا۔ وہاں ہندو کا خوف تھا جو عددی اعتبار سے ہم سے تین گناہ زیادہ تھا پھر تعلیم اور ہنر کے میدان میں وہ مسلمانوں سے بہت آگے تھا۔ پھر وہ تقریباً سات سو سال مسلمانوں کے زیرِ نگیں رہا تھا۔ اس میں ایک انتقامی جذبہ بھی

موجود تھا العزمن ہر میدان میں وہ مسلمانوں سے بہت آگے تھا۔ لہذا خطرہ تھا کہ ہندو ہم کو اپنی تہذیب میں ضم نہ کرے۔ اس خوف کے احساس نے بھی تحریک پاکستان کو قوت بخشی۔ چنانچہ احساس خوف بھی دنیا میں بڑے بڑے کاموں کی انجام دہی میں معاون و ممد ہوتا ہے۔

تربیت کی عملی صورت

میں نے ان کو توجہ دلائی کہ اگر آپ واقعی اپنے اہل و عیال میں مسلمان ہونے کا شعور باقی اور قائم رکھنا چاہتے ہیں تو محض نصیحت سے کام نہیں چلے گا بلکہ آپ کو عملی نمونہ بنا ہوگا۔ پاکستان میں اپنے ماحول میں آپ کو یہ امید ہوتی کہ چلو میں اگر نماز نہیں پڑھتا، روزے نہیں رکھتا۔ قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرتا تو ان بچوں کے دادا، نانا، ماموں، خالو اور ایسے ہی دوسرے قریبی رشتہ دار تو نماز پڑھتے ہیں ہر محلے میں مساجد موجود ہیں جہاں سے ہر روز پانچ وقت حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح کی ندا بلند ہوتی ہے۔ ماحول کے ان اثرات کا بچے کچھ نہ کچھ اثر قبول کریں گے۔ لیکن یہاں کوئی دادا، نانا اور اس نوع کے عزیز و اقارب نہیں۔ ماحول قطعی ناساز گار بلکہ قطعی مخالف۔ لہذا آپ کے کہنے سے آپ کے بچے نماز نہیں پڑھیں گے اور دوسرے اسلامی شعائر کا اہتمام نہیں کریں گے۔ جب تک آپ خود نماز کی اور دوسرے شعائر اسلامی کی ادائیگی کا اہتمام نہیں کریں گے۔ آپ اگر زبانی کلامی نصیحت کریں گے تو یہاں آپ کی اولاد خاموش نہیں رہ سکے گی۔ وہ الٹی آپ پر تنقید کرے گی اور جب آپ سے یہ کہے گی کہ Dady, You don't say Prayer why do you ask me to say Prayer? تو آپ بغلیں جھانکنے لگیں گے اور پھر آپ کا منہ نہیں پڑے گا کہ بچوں کو نماز کے لئے کہہ سکیں۔ آپ کو لازماً خود نماز پڑھنی ہو گی اور اپنے بچوں کے لئے نمونہ بننا ہوگا۔ اس کے بغیر آپ کے لئے نئی نسل میں اسلامی شعور باقی اور قائم رکھنا ممکن ہی نہیں۔ ان حضرات نے بڑے صبر و سکون کے ساتھ میری یہ باتیں سنیں اور ان باتوں کو تسلیم کیا۔ یہ بڑی اچھی علامت ہے جس کا میں وہاں مشاہدہ کر کے آیا ہوں کہ آنے والے خطرات کا انہیں پورا احساس ہے اور اس کے تدارک کے لئے وہ بیتاب ہیں اور اس کے لئے احتیاطی تدابیر

سوچ بھی رہے ہیں اور عمل بھی کر رہے ہیں ۔

انتباہ انہی تمام گفتگوؤں میں، میں نے ان کو متنبہ کیا کہ آپ خاص طور پر اپنی بچیوں کی فکر کیجئے ۔ آپ ان بچیوں کو اسکولوں میں بھیج کر کیسے اطمینان کی نیند سوتے ہیں! جس معاشرے میں عریانی ایک تہذیبی قدر بن چکی ہے ۔ جہاں Sex پر کوئی قدغن نہ ہو ۔ جہاں سوسائٹی میں مادر پدر آزادی ہو ۔ جہاں اسکولوں میں مخلوط تعلیم ہو ۔ جہاں اسکول کے یونیفارم اختیار کرنے کی پابندی ہو اور جہاں اگر کوئی لڑکی شلوار قمیص پہن کر چلی جائے تو اس کو اسکول میں داخل ہونے کی اجازت نہ ملے اور استہزا اور مذاق کا نشانہ بن جائے ۔ جہاں شلوار کیا پینٹ بھی چاہے چست پہنی ہو لیکن اگر پوری پہنی ہو تو لڑکی نکو بن جائے۔ ایسے ماحول میں لڑکیوں کے معاملہ بڑا نازک ہے ۔ آپ کو سب سے زیادہ فکر ان بچیوں کے مستقبل کے بارے میں کرنی چاہیئے ۔ چونکہ آئندہ نسل کو انہی کی آغوش میں پرورش پانی

اضطراب ہے مجھے اندازہ ہوا کہ ان لوگوں کو اس کا پہلے ہی سے شدت کے ساتھ احساس تھا اور ان میں اس مسئلہ کے بارے میں شدید اضطراب ہے ۔ چنانچہ وہ لوگ ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں ۔ اکثر لوگوں میں آپس میں اچھے روابط ہیں COMMUNITY LEVEL پر کام ہو رہا ہے ۔ ان کی بے شمار انجمنیں ہیں جن کے اچھے خاصے مصارف ہیں جو یہ لوگ مل جل کر برداشت کر رہے ہیں یہ انجمنیں چرچ اور دوسری عمارات خرید رہے ہیں اور انہیں مسجدیں اور دینی کام کے مراکز بنا رہے ہیں ۔ وہاں اکثر مقامات پر سنڈے اسکول کا ایک نظام جاری ہے جہاں لوگ بچوں کو لے کر جاتے ہیں ۔ وہاں بچوں اور بڑوں کے لئے علیحدہ علیحدہ دینی تعلیم کا انتظام ہے ۔ درس قرآن کی ہفتہ وار مجالس کے انعقاد کا انتظام ہے ۔ لوگ اس میں پابندی اور ذوق و شوق کے ساتھ شرکت کرتے ہیں ۔ غرض کہ ایک مسلسل حرکت موجود ہے ۔ عموماً سب ہی لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور آسودہ حال ہیں ۔ بیدار ہیں اور بیدار رہنا چاہتے ہیں ۔ یہ بہت ہی خوش آئند بات ہے کہ وہ ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ ان میں کام کا جذبہ ہے اسلام کا درد ہے اور وہ خود بھی اپنا اسلامی تشخص قائم

رکھنے کے لئے بیتاب اور اپنی اولاد کو بھی مسلمان ہی رہنے کے انتہائی آرزومند ہیں - یہ بے چینی بہت قیمتی ہے اور یہ جتنی بڑھے گی اتنی ہی ان میں کام کی لگن کو قائم رکھنے میں ممد و معاون ہوگی - یہ بے چینی ہی ہے کہ جو ان کو ہر دینی کام میں تعاون کرنے اور ہر دینی بات کو قبول کرنے کے لئے ابھارتی ہے - اگر یہ بے چینی ختم ہوگئی تو گویا اُن کے دل میں اسلام و ایمان کی جو دھیمی سی چنگاری ہے وہ بجھ گئی پھر ان کا یہ حال ہو جائے گا جسے علامہ اقبال مرحوم نے یوں ادا کیا ہے

؎ وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا — کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

ایک نہایت مبارک بات

برصغیر ہند و پاک میں دین کی صحیح و حقیقی دعوت کی اشاعت میں جامد قسم کی مختلف فقہی مسالک کے ساتھ وابستگی ایک رکاوٹ بنتی ہے - یہاں فقہی اختلافات نے شدید نوعیت کی فرقہ واریت اختیار کی ہوئی ہے - یہاں عموماً کیفیت یہ ہے کہ لوگوں کی عظیم اکثریت کسی دعوت کو اس کی Face Value پر نہیں جانچتی بلکہ یہ دیکھتی ہے کہ کس مسلک کے پیرو کی طرف سے یہ دعوت پیش کی جا رہی ہے - پاکستان میں تو حق بات کہنا انتہائی مشکل ہے ذرا کہہ کر دیکھئے نہ معلوم کتنی مسجدوں میں آپ کا داخلہ بند اور کتنے دارالعلوموں سے آپ کے خلاف فتوے جاری ہو جائیں گے - یہاں یہ پوچھا جائے گا کہ کس دارالعلوم کا فارغ التحصیل ہے - سند ہے یا نہیں - پیر والا ہے - یا بے پیرا ہے - یہ بڑی مبارک اور خوش آئند بات ہے کہ فقہی فرقہ واریت یہ دیوبندیت اور بریلویت کی چپقلش ابھی امریکہ میں نہیں پہنچی ہے - جب تک یہ برطانیہ میں نہیں پہنچی تھی تو وہاں مثبت انداز میں دین کا اچھا بھلا کام ہو رہا تھا - لیکن جب یہ فرقہ واریت وہاں پہنچی تو فساد، افتراق اور تفرقے کا بیج بو آئی - برطانیہ میں بہت سے مقامات پر اسی فرقہ وارانہ مخالفتوں اور جھگڑوں کی وجہ سے کچھ مساجد میں تالے پڑ گئے - خون ریز فسادات اور خنجر چلنے کی بھی نوبت آئی - مقدمات قائم ہوئے اور اس طرح وہاں اسلام کا جو ایک عمدہ Image قائم ہو رہا تھا اس کو اسی فرقہ واریت نے سخت صدمہ پہنچایا - برطانیہ میں مزدور طبقے کے لوگ کثرت

سے پیچھے ہوتے ہیں۔ یہ وہ طبقہ ہے، جس کا عملی طور پر تو اسلام سے کوئی مضبوط تعلق نہیں ہوتا حتیٰ کہ نہ نماز کی ادائیگی کا اہتمام ہوتا ہے نہ روزہ رکھنے کا لیکن فرقہ دارانہ اختلافات میں یہ اپنے علماء کی پکار پر لڑنے بھڑنے بلکہ جان تک دینے کے لئے ہر وقت تیار۔ ان کے اسی اندھے جذبے کو مفاد پرست لوگ استعمال (EXPLIOT) کرتے ہیں اور بدترین منافرت پھیلاتے ہیں لیکن الحمدللہ ثم الحمدللہ امریکہ کے مسلمان تاحال اس آفت سے محفوظ ہیں۔ کب وہاں یہ تفرقے کا بیج پڑ جائے جو شیطان کا حقیقی اسلام کی دعوت و تبلیغ کی راہ میں روڑا اٹکانے کا سب سے موثر ہتھیار ہے، اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بہرحال یہ صورتِ حال بہت مبارک، خوش آئند اور حقیقی دین کے کام کے لئے سازگار ہے۔

ایک قابلِ غور بات

امریکہ اور کینیڈا میں برصغیر پاک و ہند سے گئے ہوئے بہت سے حضرات سے میرا رابطہ قائم ہوا اور مختلف مجالس میں تبادلۂ خیال کا موقع بھی ملا تو ان ملاقاتوں سے ایک گہرا تاثر میرے دل میں پیدا ہوا وہ یہ کہ بہترین علمی، ذہنی اور انتظامی صلاحیتیں رکھنے والے حضرات اپنے ملک کو خیرباد کہہ کر دیارِ غیر میں آ کر مستقل طور پر آباد ہو گئے ہیں اور ہمارا ملک ان کی صلاحیتوں سے محروم ہو گیا ہے۔ یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ ہم نے جس مقصد کے لئے پاکستان قائم کیا تھا، اس کو ہم نے پس پشت ڈال دیا اور تاحال ڈالے رکھا ہے، یعنی ایک صحیح اسلامی نظام کا قیام و نفاذ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جس ملک کو "پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الٰہ الا اللہ" کے مطالبے اور نعرے پر قائم کیا گیا تھا۔ اُسی مطالبے اور نعرے کو ہم نے طاقِ نسیاں پر رکھ دیا اس کی اس دنیا میں یہ سزا مل رہی ہے کہ بہت سے فتنوں نے سر اٹھایا اور اٹھا رہے ہیں اور اسلام کی منزل دُور سے دُور ہوتی چلی آ رہی ہے۔ اسی صورتِ حال سے مایوس ہو کر ہمارے معاشرے کے Intellegentia کا معتدبہ حصہ ترکِ وطن کر گیا۔ اور کر رہا ہے۔ اب ان کی صلاحیتوں، توانائیوں اور قوتوں سے خدا ناآشنا اور طاغوتی نظام فائدہ اٹھا رہا ہے۔ شاید آپ کو اندازہ نہیں کہ ہمارے معاشرے کے کھن کا بہت بڑا حصہ Export ہو چکا ہے۔ ہمارے بہترین انجینئرز

بہترین ڈاکٹرز، بہترین ماہران تعلیم، بہترین ماہران معاشیات، و عمرانیات اور سیاسیات، بہترین سائنس داں اور فلاسفر امریکہ، کناڈا اور یورپ کے دوسرے ممالک میں مستقل طور پر جاکر آباد ہو گئے ہیں - یہ ایک بہت بڑا قومی و ملی نقصان اور المیہ ہے - امریکہ دنیوی لحاظ سے خوش بخت ملک ہے - اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانے کی جن بے شمار دنیوی نعمتوں سے اس خطہ زمین کو نوازا ہے، اس کا ذکر میں بالکل ابتدا میں کر چکا ہوں - مزید براں اس ملک کے رہنے والوں کو اپنے ملک کی ترقی کے لئے باہر والوں سے بڑی مدد ملی ہے - آج سے تقریباً دو تین سو سال پہلے زبردستی براعظم افریقہ سے وہاں کے باشندے غلام بنا کر امریکہ لائے جاتے رہے ہیں جن سے سفید فام امریکیوں نے جانوروں کی طرح اپنی ملک کی ترقی کے لئے کام لیا ہے - یہ سلسلہ تقریباً ڈیڑھ صدی قبل تک جاری رہا - امریکہ کی زرعی ترقی، کان کنی، تیل کے کنوؤں کی دریافت پھر صنعتی ترقی میں ان افریقی غلاموں کا خون پسینہ شامل ہے - یہی افریقی جو نیگرو اور کالوں کے نام سے اب گو امریکہ کے باشندے شمار ہوتے ہیں لیکن جو حقوق سفید فام امریکیوں کو حاصل ہیں ان میں سے اکثر حقوق سے یہ تاحال محروم ہیں - یہ لوگ صدیوں قبل زبردستی اور غلام بنا کر لائے جاتے تھے اور ان کی محنت کا تمام ثمرہ سفید فام حاصل کرتے تھے - اب زبردستی اور غلام بنا کر لوگوں کو امریکہ لے جانے کا تو دستور نہیں - لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ مشرقی ممالک بالخصوص برصغیر پاک و ہند کا ذہنی اور انتظامی لحاظ سے بہترین سرمایہ (' TALENT ') اپنی خوشی سے وہاں جاکر آباد ہو رہا ہے اور وہاں ——— ایک نوع کی — خود اختیاری معاشی غلامی میں مبتلا ہے - سفید فام امریکی پہلے افریقی حقیقی غلاموں سے اپنی ملک کی ترقی کے لئے بالجبر کام لیتے رہے ہے - آج مشرقی اپنی رضا سے امریکہ میں چند معاشی آسائشوں کی خاطر اس کی دنیوی ترقی کی مشین کے کل پرزے بنے ہوئے ہیں اور ایک طرح کی خود اختیاری معاشی غلامی میں گرفتار ہیں - ان کی تمام صلاحیتیں اور قوتیں اسی ملک کی ترقی و بہبود کے لئے وقف ہیں — اس پر اس کا بھی اضافہ کر لیجئے کہ جن مسلم ممالک کو اللہ تعالیٰ نے سیال سونے (تیل) سے

نوازا ہے - ہماری بدبختی کہ اس سے بھی بھرپور مادی فائدہ امریکہ ہی حاصل کر
رہا ہے - فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ — ہماری بہترین ذہنی
و فکری اور انتظامی صلاحیتیں ہی ایکسپورٹ نہیں ہوتیں اور ہو رہی ہیں بلکہ
ہمارے ملک کا محنت کش طبقہ اور خاص طور پر SKILLE LABOUR بھی بڑے
پیمانے پر Export ہو رہا ہے - اس لحاظ سے بھی ہمارا ملک نقصان اٹھا رہا ہے،
لیکن ہم خوش ہیں کہ ان کے ذریعے ملک کو زرِ مبادلہ حاصل ہو رہا ہے جس سے ملک
کی معیشت مستحکم ہو رہی ہے - لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ اس زرِ مبادلہ کا کتنا قلیل حصہ حکومت کو مل
رہا ہے اور کتنا کثیر حصہ ملک میں سامانِ تعیش کی درآمد اور اسمگلنگ کی پشت پناہی
میں صرف ہو رہا ہے ! - اور پھر یہ کہ ان کو بیرونی ممالک بالخصوص سعودی عرب
اور خلیج کی ریاستوں میں کتنی حقارت سے دیکھا جاتا ہے - میرا تاثر یہ ہے کہ اس
قسم کے حالات دراصل اس امر کی نشان دہی کر رہے ہیں کہ ہم اپنی شامتِ اعمال
کی پاداش میں مختلف نوع کے عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو گئے ہیں - اور اب ہماری
حقیقی اور اجتماعی توبہ ہی بگڑی کو بنا سکتی ہے اور ہم عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ
یَّرْحَمَکُمْ کی نوید کے مستحق بن سکتے ہیں -

درسِ قرآن اور تقاریر

گذشتہ سال ۱۹۸۰ء کے شروع میں مجھے کناڈا اور امریکہ کے دورے کی دعوت ملی تھی -
اس سے قبل بھی مجھے ______ اس نوع کی دعوتیں یورپ کے بعض ممالک
اور شمالی امریکہ سے ملتی رہتی تھیں - لیکن میں نے ان کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا -
لیکن شمالی امریکہ سے بڑی پُرزور دعوت آئی - انجمن کی مجلسِ منتظمہ اور خاص طور
پر میرے رفیق قاضی عبدالقادر صاحب ناظم تنظیم اسلامی نے اصرار کیا کہ اس دعوت
کو ضرور قبول کرنا چاہیئے - قاضی صاحب ہی نے خط و کتابت کے ذریعے تمام انتظامات
کئے اور میں پہلی مرتبہ ۲۱ — ۲۲ اگست ۱۹۸۰ء کی درمیانی شب کو کراچی سے شمالی
امریکہ کے دعوتی دورے پر روانہ ہوا — وہاں بڑا مورچہ تو کینیڈا کے شہر ٹورنٹو
میں لگا جہاں بارہ روز تک روزانہ قرآنی منتخب نصاب کا درس ہوا اور
تقاریر ہوئیں - روزانہ ڈھائی سو کے لگ بھگ حاضری ہوتی تھی - جس میں
نہایت اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ پابندی سے شریک ہوتے رہتے تھے جن میں کئی حضرات

وہ تھے جو تعلیمی لحاظ سے مجھ سے کہیں بلند طارفع تھے ۔ پی ۔ ایچ ۔ ڈی ۔ اور ڈاکٹر آف سائنس کی ڈگریاں رکھنے والے لوگ تھے ایسے لوگ آپ کو یہاں دروس میں نظر نہیں آئیں گے ۔ یہاں یہ لوگ تو اپنے حال میں مگن اور مطمئن ہیں ۔ یہی عالم دوسرے دورے کے موقع پر دیکھنے میں آیا ۔ جس کے لئے میں ۲۲ ۔ ۲۳ ۔ اگست ۸۰ء کی شب کو کراچی ہی سے روانہ ہوا تھا ۔ پچھلے دورے میں بالٹی مور میں عید الفطر کی نماز پڑھائی اور چند مواقع پر اجتماعات جمعہ اور دیگر اجتماعات کو انگریزی میں خطاب کیا ۔ کچھ دروسِ قرآن انگریزی میں بھی دیئے ۔ گزشتہ سال بھی اور امسال بھی اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن آف نارتھ امریکہ کے کنونشن میں شرکت کا اتفاق ہوا ۔ اس سال کنونشن کے آخری اجلاس میں ، میں نے " پندرہویں صدی ہجری کے چیلنج ۔ خطرات اور توقعات " کے عنوان سے انگریزی میں ایک مقالہ پڑھا ۔ (جو روزنامہ مسلم اسلام آباد اور ہفت روزہ "RADIANCE" دہلی (بھارت) میں شائع بھی ہو چکا ہے) جس کے چند اہم نکات میں آج آپ کے سامنے بھی پیش کر چکا ہوں ۔ اس دوسرے دورے میں اس بار بھی ایک بڑا مورچہ ٹورنٹو (کینیڈا) ہی میں لگا ۔ جہاں میں نے قرآنی منتخب نصاب کے بقیہ حصوں کا درس دیا وہاں مکمل نصاب کے بحمداللہ کیسٹ تیار ہو گئے ہیں ۔ جس کے ذریعے ان شاء اللہ امریکہ میں قرآن کی دعوت کی وسیع تر حلقوں میں اشاعت ہو گی اور دعوت قرآنی کی محکم اساس قائم ہو جائے گی ۔ خطابات عام کا سلسلہ بھی جاری رہا ۔ اس حالیہ دورے میں دوسرا بڑا مورچہ شکاگو (امریکہ) میں رہا ۔ جہاں گیارہ روز کے دوران روزانہ درس قرآن کے علاوہ چند اجتماعات میں شمولیت اور خطاب کا بھی موقع ملا ۔ گزشتہ سال کے دورے میں شکاگو اور ڈیلاس (امریکہ) میں صرف دو یا تین دروس ہوتے تھے ۔ شکاگو میں اس مرتبہ روزانہ

حاضری ٹورنٹو سے بھی بڑھ گئی ۔ سیرت النبیؐ کے موضوع پر منعقدہ ایک جلسے میں تو حاضری چھ سات صد سے بھی متجاوز تھی ۔ یہ جلسہ شکاگو کے ایک وسیع و عریض مرکز تقریبات میں منعقد ہوا تھا ۔ شکاگو میں اس بار سورہ حدید کا

تسلسل کے ساتھ درس ہوا جس کے ریڈیو ٹیپ تیار کر لئے گئے تھے جو لگ بھگ اٹھارہ گھنٹوں پر پھیلے ہوئے ہیں - اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ چاہے تو دعوتِ قرآنی کے اس "ذروۃ السنام" کے درس کے یہ ٹیپ بعض لوگوں میں دینی ذمہ داریوں کا شعور بیدار کرنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں - وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ؕ

دعوتِ قرآنی کا اعجاز

میں پچھلے سال جب شمالی امریکہ پہنچا تو حیران رہ گیا - مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اُس براعظم میں مقیم برصغیر پاک و ہند کے رہنے والے مسلمانوں میں "دعوت رجوع الی القرآن" اور "تحریک تجدید ایمان - توبہ - تجدید عہد" کا اتنا وسیع تعارف موجود ہو گا - نہ معلوم وہاں کون کون سے شہروں میں میرے دروس کے ٹیپ پہنچ چکے ہیں - یہ صرف دعوتِ قرآنی کا اعجاز ہے جس کا مجھے وہاں مشاہدہ ہوا - ورنہ من آنم کہ من دانم شمالی امریکہ میں، میں جہاں بھی گیا، اجنبی تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی اس کتاب عزیز کے طفیل میری توقعات سے بڑھ کر ہی نہیں بلکہ اس کے برعکس وہاں میرا خیر مقدم ہوا میں نے لوگوں میں دعوتِ قرآنی کے بڑے اچھے اور خوشگوار اثرات دیکھے - جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ان دروس میں نہایت اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات پابندی سے شریک ہوتے رہے اور بڑی بڑی دور سے روزانہ آتے رہے - وہاں کی زندگی بڑی مصروف زندگی ہے پھر بڑے وسیع و عریض شہر ہیں - یہ تو ممکن نہ تھا کہ کسی شہر میں مختلف مقامات پر درس کا انتظام ہوتا - اس لئے ایک مرکزی مقام پر انتظام ہوا کرتا تھا - لیکن معلوم ہوا کہ ان میں شرکت کرنے والوں میں بہت سے وہ لوگ ہیں جو پینتیس ۳۵ اور چالیس ۴۰ میل کے فاصلوں سے پابندی سے شریک ہوتے رہے ہیں - اس مرتبہ میں مانٹریال (کناڈا) گیا تو معلوم ہوا کہ وہاں کیسٹوں کے ذریعے کافی وسیع حلقے میں دعوت پھیل چکی ہے - ایک صاحب سے ملاقات ہوئی دورانِ گفتگو میں کہنے لگے "آپ کی یہ بات فلاں درس میں ہے" پھر گفتگو آگے بڑھی اور میں نے کوئی بات کہی تو پھر انہوں نے کہا کہ وہاں یہ بات بڑی وضاحت سے آپکے فلاں درس میں بیان ہوئی ہے، میں نے

کہا کہ ماشاء اللہ آپ کی یادداشت بہت اچھی ہے ۔ کہنے لگے کہ پچھلے سال آپ نے جو ٹورنٹو میں درس دیتے تھے، میں ان میں باقاعدگی سے شریک رہا ہوں اور ان دروس کے کیسٹوں کا مکمل سیٹ میرے پاس موجود ہے ۔ ہر درس کو چھ سات سات مرتبہ سنا ہے اور دوسروں کو بھی سنائے ہیں ۔ چند اور لوگ بھی ملے جن کو پچھلے دروس کی باتیں ازبر ہیں ۔ اور وہ اپنے طور پر کیسٹوں کے ذریعے دعوت پھیلا رہے ہیں ۔

کام کے مواقع

میں دوران تقریر میں کئی بار عرض کر چکا ہوں اب پھر اس کا اعادہ کر رہا ہوں کہ شمالی امریکہ میں دین کی دعوت و تبلیغ کے کام کے بڑے مواقع ہیں ۔ وہاں پیاس موجود ہے ۔ مہاجرین میں بھی اور امریکی باشندوں میں بھی خاص طور پر نیگروؤں میں ۔ پھر یہ کہ وہاں کے دردمند اور مخلص مسلمانوں میں صحیح دعوت کو قبول کرنے کی استعداد بھی موجود ہے ۔ البتہ اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ قرآن حکیم کی مثبت دعوت پیش کی جائے ۔ فقہی بحثوں اور وقتی و ہنگامی سیاسی اختلافات سے متعلق گفتگوؤں سے پرہیز کیا جائے ۔ دعوت کا اصل موضوع "دعوتِ عبادت رب" ہو ۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ۔ اور اس دعوت کو قرآن کے محکم استدلال کے ساتھ پیش کیا جائے ۔ چونکہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اللہ ہی ہر شے کا فاطر ہے لہٰذا انسانی فطرت اُسی کی بات جلد قبول کرے گی ۔ پھر دعوت میں "حکمت" کو پیش نظر رکھا جائے جس کے لئے قرآن ہمیں یہ رہنمائی دیتا ہے کہ: اُدْعُ اِلٰى سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ "اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیجئے حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کیجئے تو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو"۔ وہاں یہ سہولت ہے کہ کھلا اور آزاد معاشرہ ہے ۔ پڑھے لکھے اور غور و فکر کرنے والوں کا بہت اچھا تناسب ہے ۔ ذرائع ابلاغ پر کوئی قدغن نہیں ۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر ان کی معینہ وقت کی مقررہ قیمت ادا کیجئے اور اپنی دعوت پیش کیجئے ۔ وہاں ہر نقطۂ نظر کی بات سننے پر

لوگ آمادہ ہیں - یہودیت ان ذرائع ابلاغ سے بڑا فائدہ اٹھا رہی ہے - ہندو
مت اور بدھ مت نے بھی وہاں اپنے لئے اچھی خاصی گنجائش پیدا کرلی ہے اس
لئے کہ وہ بڑے منظم اور سائنٹفک انداز سے ان ذرائع ابلاغ کو استعمال کر رہے ہیں
اور ان کے رشی مُنی وہاں چند بڑے بڑے شہروں میں آشرم بنا کر اور جم کر بیٹھ
گئے ہیں اور سادگی کو انہوں نے اپنا شعار بنا رکھا ہے -- اسی طرح اسلام کی
دعوت کے مواقع بھی وہاں موجود ہیں بشرطیکہ آپ سنانے کے لئے آمادہ ہوں اور
آپ میں سلیقے اور استدلال کے ساتھ دعوت پیش کرنے کی صلاحیت ہو - آپ خود
غور کیجئے کہ جب خالص باطل وہاں پھیل سکتا ہے تو حق کے قبول کرنے کے وہاں
کتنے روشن امکانات موجود ہو سکتے ہیں - ضرورت ایسے افراد کی ہے جو دعوت
وتبلیغ دعوتِ حق ہی کے لئے زندگیاں وقف کردیں - اور وہاں جاکر ڈیرہ لگا دیں۔

شدید تقاضا

مجھ سے وہاں تقریباً ہر مقام پر یہ کہا گیا کہ جس طرح
تم قرآن حکیم کے مطالب اور اس کی تعلیمات کے تقاضے
سمجھاتے ہو - جس طرح تم درس دیتے ہو اس طرح تو ہمیں کسی نے قرآن پڑھایا
ہی نہیں - اس طور سے تو ہمارا اس کتاب ہدایت قرآن سے تعارف ہوا ہی
نہیں -- دس بارہ دن کے دورے پر تم ہم کو کتنا قرآن پڑھا اور سمجھا دوگے۔
ہمیں کوئی ایسا آدمی دو جو تمہارا تربیت یافتہ ہو اور تمہاری طرح تفہیم القرآن
کا اہل ہو - ہم ایسے شخص کو سر آنکھوں پر بٹھائیں گے اور ہر طرح اس کی خدمت
کریں گے -- وہاں ایک جگہ سے نہیں کئی مقامات سے یہ مطالبے ہوتے ہیں
اور شدت سے ہوئے ہیں - لیکن میں کیا کروں ! مجھے ابھی تک ایسے نوجوان
نہیں ملے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک اور نوید جانفزا
کے مطابق اپنی زندگیاں قرآن حکیم کی تعلیم وتعلم اور دعوت وتبلیغ کے لئے
وقف کردیں کہ :- خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ "تم
میں بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں"- اور یہ کہ : مَنْ
قَالَ بِهِ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهِ أُجِرَ وَمَنْ حَكَمَ بِهِ عَدَلَ
وَمَنْ دَعَا إِلَيْهِ هُدِيَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ " جس نے قرآن کے

موافق بات کہی اُس نے سچی بات کہی، اور جس نے قرآن پر عمل کیا، وہ مستحقِ اجرو
ثواب ہوا، اور جس نے قرآن کے مطابق فیصلہ کیا، اُس نے عدل و انصاف کیا
اور جس نے قرآن کی دعوت دی اُس کو صراطِ مستقیم ہدایت نصیب ہو گئی"
میں آپ کو ایک طویل حدیث کا آخری حصہ سنایا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ
سے مروی ہے۔ جس میں قرآن حکیم کی عظمت و شان بیان ہوتی ہے۔ اس حدیث
کے بالکل آخری ٹکڑے — وَمَنْ دَعَا اِلَيْهِ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيمٍ میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کی دعوت کا کام کرنے
والے کے لئے کتنی عظیم بشارت دی ہے کہ اس مہتم بالشان کام سے کسی اور
کو کوئی فائدہ حاصل ہو یا نہ ہو، اس کام کرنے والے کو ان شاء اللہ صراطِ مستقیم
کی ہدایت مل جائے گی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ —
مجھ سے ہی کہا گیا کہ "تم مستقلاً یہاں آ جاؤ۔ یہاں دعوتِ قرآنی کے لئے
مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں میں کام کے روشن مواقع موجود ہیں۔ یہاں غیر
مسلم ایک ایسے عادلانہ نظام کے پیاسے ہیں جس میں روحانیت بھی ہو اور
متمدن زندگی گزارنے کے پاکیزہ اصول و ضوابط بھی ہوں۔ یہاں اگر بیٹھ کر
قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ
اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا کے اصول پر دین کی دعوت پیش کرو۔ ان
شاء اللہ۔ یہاں بڑے حوصلہ افزا نتائج نکلیں گے۔ پاکستان تو بانجھ ہو چکا ہے۔
وہاں اس قرآنی دعوت پر لبیک کہنے والے مشکل ہی سے ملیں گے"۔ واقعہ یہ
ہے کہ یہاں کے ماحول سے میں خود بھی کبھی کبھی مایوس ہو جاتا ہوں کہ یہاں
کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہاں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔ یہ قوم واقعی مرچکی ہے۔
میں آپ کو واقعہ سناؤں، ایک امریکن نوجوان نے اسلام قبول کیا ہے۔ عبداللہ
مصطفےٰ اس کا نام ہے۔ چھ سات سال سے لاہور آتا جاتا رہا ہے۔ تقویٰ،
دینداری اور نیکی کا جو ہمارا تصور ہے، اس میں وہ مجھ سے دس گنا آگے ہے۔
وہ اکثر قرآن اکیڈمی میں بھی قیام کرتا ہے۔ میں نے نہیں دیکھا کہ کوئی دن بھی
ایسا گزرا ہو کہ وہ روزے سے نہ ہو اور نہ میں نے یہ دیکھا کہ کوئی رات اس نے

بغیر تہجد کے گزاری ہو۔ وہ شاہ علاؤ الدین صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہے جو سلسلہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ ہیں۔ اور ان کے زیر ہدایت سلوک کی منزلیں طے کر رہا ہے۔ وہ عالم اسلام میں بہت گھوما پھرا ہے۔ اب سے چار پانچ ماہ قبل جب وہ میرے ساتھ آ کر ٹھہرا تو اس نے مجھ سے سوال کیا ہے When are you leaving this country? (تم اس ملک کو کب چھوڑ رہے ہو؟) میں نے کہا کیوں! کہنے لگا "میں عالم اسلام میں گھوما ہوا ہوں، اور پاکستان کو بھی میں نے بہت اچھی طرح دیکھا بھالا ہے۔

اس نے بہت اصرار سے کہا "خدا کے لئے تم کویت ہی چلے جاؤ۔ ترکی چلے جاؤ۔ کہیں اور چلے جاؤ۔ اور وہیں جا کر بیٹھ جاؤ اور کام کرو۔ نتیجہ نکلے گا۔ تم یہاں پتھروں سے سر پھوڑ رہے ہو۔ یہاں کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا" یہ تھی اس کی دیانتدارانہ رائے اور یہ تھا اس کا بے لاگ تبصرہ ۔ میں نے اس سے کہا "نہیں، میں نے کتاب و سنت سے جو کچھ سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس جگہ کسی شخص کو پیدا کرتا ہے تو یہ اس کا اختیار ہے اور اس کی حکمت ہے لہٰذا اس کا دائرہ کار وہی جگہ ہے جہاں اُسے پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے مجھے تو یہیں کام کرنا ہے۔ مجھے اس سے غرض نہیں کہ پتھر ہیں یا ابھی ان میں گداز موجود ہے۔

میرے تجربات

اس پتھر کے لفظ سے میرا ذہن قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف منتقل ہوا ہے۔ جس میں یہودیوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ (البقرہ ۷۴) "اے یہود! اللہ کی واضح نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی، آخر کار تمہارے دل سخت ہو گئے، پتھروں کی طرح بلکہ سختی

میں ان سے بھی بڑھے ہوئے ہیں" واقعہ یہ ہے کہ کسی وقت میرے اوپر بھی یہاں کے
حالات دیکھ مایوسی کا اس درجے غلبہ ہوتا ہے کہ میں سوچنے لگتا ہوں کہ یہاں
لوگ پتھروں سے بھی گزر چکے ہیں - سب کچھ سُنیں گے، لیکن ٹس سے مس
نہیں ہوں گے - زبانی کلامی تحسین ہوگی - درس میں توحید پر مفصل گفتگو
ہوگئی تو سامعین میں جو اہلِ حدیث مسلک کے ہیں، وہ اسے اپنے کھاتے میں
ڈالیں گے اور خوش ہو جائیں گے - اگر روحانیت، تزکیہ نفس اور اولیاٗ اللہ
کا کچھ ذکر آگیا تو اس مسلک کے لوگ سر دھنیں گے - اس سے آگے کی بات نہ وہ
سنیں گے اور نہ مانیں گے اور نہ یہ - کوئی سنجیدگی سے نہیں سوچے گا کہ ان کو کس
کام کی دعوت دی جا رہی ہے! ان کے دینی فرائض کیا ہیں ان کو اللہ کی عدالت
میں کن کن امور کا جواب دینا ہے! - پھر جو لوگ آگے بڑھتے ہیں تو ان کے
متعلق اپنا تجربہ بیان کر رہا ہوں کہ ان میں سے اکثر کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے
عہد اور وعدے پر پورے نہیں اترتے - تو یہ ہے ہمارے معاشرے کا حال -
مجھے اس معاشرے کا بڑا تلخ تجربہ ہے - پندرہ سال سے میں اس شہر میں
پکار پکار کر اور چیخ چیخ کر دعوت دے رہا ہوں (اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلاً
وَّنَهَارًا) کہ چند باصلاحیت لوگ آگے آئیں اپنے دنیوی کیریر (Career)
تج کر مستقل طور پر تعلیم و تعلّمِ قرآن کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور
اس طرح آخرت کے لئے اپنا توشہ (کیریر) بنائیں - مجھے ابھی تک تو کوئی
ایسا شخص نہیں ملا - الحمدللہ میرے اعوان و انصار ہیں - ساتھی ہیں - لیکن سب
جز وقتی ہیں - تا حال کسی نے بھی اپنے آپ کو اسی کام کے لئے بالکلیہ وقف
کرنے کی پیش کش نہیں کی ہے - امریکہ اور کینیڈا میں لوگ مجھ سے ایسے
مردانِ کار مانگ رہے ہیں جو دعوتِ قرآنی کا وہاں بیٹھ کر مستقل کام کریں -
خود یہاں پاکستان میں دس بیس اور سو پچاس نہیں بلکہ ہزاروں لوگ درکار
ہیں جو ہمہ وقتی طور پر دعوتِ قرآنی اور توبہ کی منادی میں کھپ جائیں شاید
اس طرح اس ملک کی بگڑی سنور جائے - لیکن میں کیا کروں! یہ میرے
بس میں نہیں - میں ایسے لوگ کہاں سے لاؤں؟

میرا طرزِ عمل

تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کر رہا ہوں کہ الحمد للہ ثم الحمد للہ میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنی زندگی اسی کام کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ کسی اور کام کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔ ان پندرہ سالوں کے درمیان میں نے تین حکومتیں (صدر ایوب، جنرل یحییٰ اور بھٹو کی حکومتیں) دیکھی ہیں۔ چوتھی حکومت کے دور سے گزر رہا ہوں۔ ہر دور میں نہ معلوم کتنے لوگوں نے بہتی گنگا ؤں میں ہاتھ دھوئے ہیں۔ کچھ تو ایسے "صاحبِ کمال" لوگ ہیں کہ وہ ہر حکومت کے منظورِ نظر رہتے ہیں۔ ان ادوار میں مجھے بھی بڑی بڑی پیشکشیں ہوئی ہیں۔ بڑی بڑی ترغیبات کے جال مجھ پر پھینکے گئے ہیں۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ پورے شعور کے ساتھ میں نے ان سے اپنا دامن بچایا ہے۔ جاہ و حشمت اور مال و منال کے مواقع حاصل ہونا بہت سخت آزمائش ہے۔ امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ نے تشدد اور ظلم کی ہر آزمائش کو خندہ پیشانی سے انگیز کیا۔ اُف تک نہیں کی لیکن جب حکومتِ وقت کی مہربانیاں شروع ہوئیں۔ اشرفیوں کے خوان خدمت میں پیش کئے گئے تو رو پڑے اور بے اختیار پکار اٹھے کہ "اے اللہ! مجھے اس آزمائش میں نہ ڈال یہ بڑی سخت آزمائش ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس مخلص مومن بندے کی دعا قبول کی اور اُسے اپنے پاس بلا لیا۔ الحمد للہ و المنۃ اپنے خالق و مالک کی توفیق ہی مجھے حاصل ہے کہ میں ان ترغیبات سے بچا رہا ہوں اور دعوتِ قرآنی اور دعوتِ تجدیدِ ایمان ہی میں لگا رہا ہوں۔ اس بات کی شہادت ارضِ لاہور دے گی اور وہ اصحاب دیں گے جو عرصۂ دراز سے مجھے بہت قریب سے دیکھ رہے ہیں جو مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ میرے روز و شب جن کے سامنے ہیں مجھے اعتراف ہے کہ مجھ میں بہت سے نقائص ہوں گے اور ہیں، اس کے لئے مجھ پر تنقید کیجئے اصلاح کے مشورے دیجئے۔ میں ان شاء اللہ ان پر عمل کی کوشش کروں گا۔ لیکن خدارا اس بات کا جواب دیجئے کہ میں نے پندرہ سال اس ملک خاص طور پر آپ کے اس شہر لاہور میں دعوتِ قرآنی کی نشر و اشاعت کے علاوہ کوئی اور کام کیا ہے؟ وقتی اور

ہنگامی تحریکیں اٹھی ہیں - مجھ پر بڑے دباؤ ڈالے گئے ہیں - پھبتیاں چست کی گئی ہیں - الزامات تراشے گئے ہیں - لیکن بفضلہٖ تعالٰی دعوتہ میں کسی چیز سے متاثر ہو کر اس راستے سے بال بھر بھی نہیں ہٹا جو مجھ پر از روئے کتاب و سُنت منکشف ہوا ہے - میرے نزدیک اُمّتِ مسلمہ جن فتنوں میں گھری ہوئی ہے اس کا کوئی وقتی اور ہنگامی کام مداوا نہیں کرسکتا - اس کا صرف ایک ہی مخرج ہے اور وہ ہے اعتصام اور تمسک بالکتاب اللہ - حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے بذریعہ وحی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعے امت کو بتایا کہ ہر فتنے اور ہر آزمائش کا اگر کوئی مخرج ہے، کوئی شافی علاج ہے تو وہ ہے کتابُ اللہ — یہی کہا علامہ اقبال مرحوم نے

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی — شکوہ سنج گردشِ دوراں شدی
اے تو چوں شبنم بر زمین افتندۂ — در بغل داری کتابِ زندۂ

اور یہ کہ ؎

گر تو می خواہی مسلماں زیستن — نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

یہی بات اسارت مالٹا کی واپسی کے بعد وقت کے چند علماء کے اجتماع میں سن ۱۹۲۰ء یا ۱۹۲۱ء میں فرمائی تھی شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے کہ "میں نے مالٹا کی اسیری کے دوران جتنا سوچا - یہی سمجھ میں آیا کہ ہمارے سارے زوال و اضمحلال کے سبب دو ہیں - ایک قرآن کو ترک کر دینا اور ایک ہمارے آپس کے اختلاف اور خانہ جنگی ۔" مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے ان دو کو بھی ایک بنا دیا - ان کا فرمانا یہ تھا کہ "ہمارے اختلافات کا اصل سبب بھی یہی ہے کہ ہم قرآن مجید کو چھوڑ چکے ہیں ۔" چنانچہ الحمد اللہ والمنۃ میں نے اسی دعوت قرآنی کے لئے اپنی صلاحیتیں، اپنی توانائیاں اور اپنے اوقات وقف کئے ہوئے ہیں اور مجھے واثق امید ہے کہ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ -

ایک حوصلہ افزاء بات | پچھلے سال (۱۹۷۹ء) جب میں شمالی

امریکہ گیا تھا تو وہاں کے اصحاب کا اصرار تھا کہ میں آئندہ ہر سال باقاعدگی سے ڈیڑھ دو ماہ کے لئے آتا رہوں - میں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ میری آئندہ آمد مشروط ہوگی - اگر دعوتِ قرآنی اور غلبہ دین کی سعی کے لئے مستقل نظم قائم نہیں ہوتا تو میری آمد و رفت کا کوئی فائدہ نہیں - وقتی اور ہنگامی جوش و خروش اور سرگرمیاں مفیدِ مطلب نہیں ہوں گی - ٹھوس نتائج کیلئے ٹھوس اقدامات کی ضرورت ہے - امسال جب دوبارہ گیا تو الحمد اللہ ٹورنٹو (کناڈا) اور شکاگو (امریکہ) دونوں مقامات پر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی ذیلی انجمنیں اور تنظیم اسلامی کی شاخیں قائم ہوگئیں - دعا کیجئے کہ سرزمینِ شمالی امریکہ میں یہ انجمنیں اور تنظیمیں قرآنِ حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ سطح پر نشر و اشاعت اور لوگوں میں اعلائے کلمۃ اللہ کا جذبہ صادق پیدا کرنے کی صحیح خطوط پر سعی و کوشش کریں - آپ کو معلوم ہے کہ تنظیم اسلامی میں شمولیت "سمع و طاعت اور ہجرت و جہاد" کی بیعت سے ہوتی ہے - وہاں اعلیٰ تعلیم یافتہ اصحاب نے بلا تکلف بیعت کا نظم قبول کر لیا چونکہ وہ مطمئن ہو گئے تھے کہ بیعت کی اصطلاح بھی قرآن و سنت کی اور طریقہ بھی اس کے مطابق اور یہ کہ ہمارے سلفِ صالحین بھی اس پر کاربند رہے تھے - یہاں بیعت کا نام گالی بن چکا ہے - بیعت کا لفظ بول کر دیکھئے - اچھے اچھے دین کا علم رکھنے والے چونک جاتے ہیں - وہ بھی جو خود "بیعت ارشاد" کے مقرّ اور قائل ہیں - لیکن سمع و طاعت اور ہجرت و جہاد کی بیعت پر قیل و قال کریں گے - عام لوگوں کا تو کہنا ہی کیا! ان کے کان کھڑے ہونے کوئی تعجب کی بات نہیں ان کا یہ کہنا اچنبھے کی بات نہیں کہ اس زمانے میں کیا دقیانوسی بات لے کر اٹھا ہے ع اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں! - پھر واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اس اصطلاح کو بدنام بھی بہت کیا ہے - لیکن خدارا مجھے بتائیے کہ ہم نے دین کی کس اصطلاح اور شعار کو بخشا ہے - اکثر و بیشتر بدنام ہیں لیکن کیا اس بنیاد پر ہم ان کو چھوڑ دیں گے - ؟ نہیں ہرگز نہیں - شمالی امریکہ میں لوگوں نے بیعت

کے نظام کو قبول کرنے میں کوئی حجاب محسوس نہیں کیا۔ وہاں دعوتِ قرآنی کی یہ تاثیر اور اعجاز قرآنی کے یہ عملی مظاہرے بھی دیکھنے میں آئے کہ ایک صاحب نے جو بنک سے سود پر لی ہوئی رقم سے پانچ پٹرول پمپ چلا رہے تھے انہوں نے فوراً تین پمپ بند کر دیئے اور صرف دو پر اکتفا کر لی۔ جو وہ اپنے ذاتی سرمایہ سے چلا سکتے ہیں۔ دوسرے مقام پر ایک صاحب نے اپنے مکان کو جو انہوں نے "بنک کے پاس رہن" کے اصول پر سودی قرضے پر لیا تھا فروخت کر دیا اور اس میں ان کو اچھا خاصا مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ انہوں نے بتایا کہ ان کی والدہ ان کے اس اقدام پر بیٹھی روتی رہیں اور ان کے حلقہ تعارف کے لوگ ان کو سمجھاتے رہے کہ کیا پاگل ہو گئے ہو۔ یہ کونسا "مولوی" آگیا ہے جو تم کو الٹی سیدھی پٹی پڑھا گیا ہے۔ ہم نے بہت سے مولویوں سے دریافت کیا ہے۔ وہ اس طریقے کو ٹھیک کہتے ہیں۔ یہ دو مثالیں میں نے آپ کے سامنے پیش کی ہیں۔ وہاں قرآنی دعوت کے یہ اثرات ہوئے ہیں کہ بہت سے لوگ اس فکر میں ہیں کہ اپنے مکان بیچ کر اُس سودی چنگل سے جو یہودی کیا دوں کا وضع کردہ ہے جلد رستگاری حاصل کر لیں۔

میرے عزائم

اس میں کوئی شک نہیں کہ شمالی امریکہ میں دعوت کے بڑے مواقع ہیں مسلموں میں بھی اور غیر مسلموں میں بھی۔ لیکن میرا فیصلہ ہے کہ مجھے تو یہیں پاکستان میں رہ کر کام کرنا ہے۔ ہم سعی وجہد کے مکلف ہیں ہماری کوششوں کا نتیجہ خیز ہونا خالصتاً مشیتِ الٰہی کے تابع ہے۔ البتہ شمالی امریکہ میں دعوتِ قرآنی اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے جو بیج پڑ گئے ہیں ان کی آبیاری کے لئے ہر امکانی تعاون کرنا ہمارا فرض ہے۔

ہم اس کام کی نگرانی بھی کریں گے اور ان کو مفید مشورے بھی دیں گے اب میرے سامنے نقشہ کار یہ ہے کہ ہم اس بات پر خصوصی توجہ دیں گے کہ یہاں ایسے مردانِ کار تلاش کریں اور ان کو تیار کریں کہ جو دعوتِ قرآنی اور دعوت اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے وہاں جائیں اور وہاں بیٹھ رہیں۔ اپنے اسلاف کی سُنت پر عمل کریں اور اسی کام کیلئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔

میری پکار

غور کیجئے کہ تاریخ میں ایک وہ وقت بھی آیا تھا۔ میں جو بات کہنے جا رہا ہوں۔ بلا تشبیہ عرض کر رہا ہوں۔ صرف افہام و تفہیم کے لئے کہیں مغالطہ نہ ہو جائے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ تو تاریخ میں وہ وقت بھی آیا تھا کہ مدینہ والوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ہمیں کوئی قرآن پڑھانے والا دیجئے۔ اور قرعہ فال ایک نوجوان حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ وارضاہ کے نام پڑا۔ — اور وہاں ابھی ہجرت کر کے سرورِ عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک مدینہ پہنچے بھی نہیں تھے کہ اس قرآن مجید کی تعلیم سے مدینہ میں اسلام مضبوط جڑیں پکڑ چکا تھا اور شاید ہی کوئی ایسا گھر بچا ہو جس میں کوئی نہ کوئی فرد مشرف باسلام نہ ہو گیا ہو۔ جس کو ایمان کی دولت میسر نہ آئی ہو۔ آج میری پکار ہے۔ شمالی امریکہ میں مجھ سے تقاضے کئے گئے ہیں کہ ہمیں ایسے اشخاص دو جو اس طرح قرآن مجید پڑھا سکیں جس طرح تم پڑھاتے ہو۔ اب میں آپ کو دعوت دے رہا ہوں۔ کون ہیں وہ باصلاحیت لوگ! اور کون ہیں وہ باصلاحیت نوجوان! جو میری اس پکار اور دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ میرے ساتھی الحمدللہ موجود ہیں۔ وہ جس صلاحیت کے ہیں وہ اللہ کی دین ہیں۔ اس کا عطیہ ہیں۔ بہت غنیمت ہیں یہ لوگ جو خالصتہً للہ فی اللہ میرے کام میں میرے دست و بازو بنے ہوئے ہیں۔ میں ان کو دیکھتا ہوں تو خدا کا شکر ادا کرتا ہوں اور بے اختیار کہتا ہوں کہ ع کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی اور یہ بھی کہ

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں — یہاں اب میرے رازداں اور بھی ہیں

لیکن مجھے ضرورت ہے تو ایسے باصلاحیت نوجوانوں کی جو ہمہ تن اس کام کے لئے خود کو وقف کر دیں اور خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ اور وَمَنْ دَعَا إِلَيْهِ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ کی بشارت کے مصداق بنیں۔ کون ہیں جو میری اس پکار پر لبیک کہتے ہیں۔ میں ناامید نہیں لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ میری بڑی ڈھارس ہے میں یہ سارا کام

آخرت کے لئے کر رہا ہوں اور مجھے توقع ہے کہ وہ غفور الرحیم مجھے اپنی رحمت کے دامن میں جگہ دے گا۔ میں آج کی گفتگو اسی پر ختم کر رہا ہوں۔

اَقُوْلُ قَوْلِیْ ھٰذَا وَاسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ ؕ

(بقیہ عرض احوال)

ڈاکٹر صاحب جون کے آخر تک واپس تشریف لے آئیں گے اور رمضان المبارک میں لاہور ہی میں موجود رہیں گے۔

رمضان المبارک کے متوقع پروگرام

جیسا کہ گذشتہ کسی شمارے میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ الحمد للہ والمنۃ قرآن اکیڈمی کی جامع مسجد "جامع قرآن" کی تعمیر پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے اور ۲۷ مارچ ۸۱ء سے باقاعدگی سے نماز جمعہ کی ادائیگی کا بھی آغاز ہو گیا ہے۔ توقع ہے کہ اس آنے والے رمضان المبارک میں قرآن اکیڈمی اور جامع قرآن" میں خوب رونق رہے گی۔ نماز تراویح کا تو ان شاء اللہ العزیز انتظام ہو گا ہی ۔۔۔ توقع ہے کہ نماز تہجد کی باجماعت ادائیگی کا بھی اہتمام ہو ۔۔۔ اس کا بھی امکان ہے کہ گذشتہ چند ماہ قبل شروع سے قرآن مجید کے جس درس کا آغاز ہوا تھا جس میں سورۃ البقرہ کے چوتھے رکوع تک کا مطالعہ ہوا تھا۔ رمضان المبارک میں اس درس کی بھی تجدید ہو جائے ۔ مزید براں ان شاء اللہ رمضان المبارک ہی میں مسجد شہداء کے درس قرآن کے سلسلہ میں قرآن مجید کے دل "سورۃ یٰسین" کا درس بھی شروع ہو گا۔

درس قرآن و خطبۂ جمعہ

الحمد للہ ڈاکٹر صاحب کی عدم موجودگی میں مسجد شہداء میں ہفتہ وار درسِ قرآن حکیم اور مسجد دار السلام باغ جناح میں خطبہ جمعہ کا سلسلہ باقاعدگی سے جاری رہا۔ یہ کام ڈاکٹر صاحب اپنے رفیق کار جناب ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کے سپرد کر گئے تھے۔ موصوف کی مستقل رہائش فیصل آباد میں ہے۔ وہ وہاں سے تشریف لا کر ہر جمعہ کو ان خدمات کو باقاعدگی سے انجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ

جنوبی ہند میں پندرہ دن

ایک رپورتاژ

از قلم :۔ قاضی عبدالقادر

عجیب معاملہ تھا، پونے نو بجے شب کی فلائٹ سے کراچی جانا تھا پونے آٹھ بجے بلایا گیا تھا، اس وقت آٹھ بجے ہیں، پندرہ منٹ ہی تو تاخیر ہوئی ہے لیکن کاؤنٹر بند ہے، لاہور ایرپورٹ کے ہال میں داخل ہوتے ہی میں حیران سا رہ گیا — عارف میاں ساتھ تھے مجھے چھوڑنے آئے تھے وہ بھی حیران تھے، کاؤنٹر کے قریب مسافروں کا ہجوم تھا، جتنے لوگ اتنی باتیں، کوئی کہہ رہا تھا کہ فلائٹ کینسل ہو گئی، کسی کا کہنا تھا کہ تاخیر سے جائے گی ۔ کاؤنٹر پر PIA کے ایک کارکن آئے، ان سے پوچھا، انہیں بھی کچھ ٹھیک معلوم نہ تھا یا الٰہی! ماجرا کیا ہے ؟ — پھر پتہ چلا کہ تین بجے سہ پہر کی فلائٹ بھی ابھی نہیں گئی، اُس کے مسافر بھی ہال میں موجود ہیں — اگر فلائٹ گئی تو پہلے وہ جائیں گے، پھر کہیں ہمارا نمبر آئے گا - اتفاق سے ایرپورٹ پر تنظیم اسلامی کراچی کے ہمارے ایک رفیق سلیم صاحب مل گئے - جو PIA میں ملازم ہیں۔ اور لاہور تربیتی اجتماع میں شرکت کے لئے آئے تھے، فارغ ہو کر اپنے گھر سیالکوٹ چلے گئے تھے اور کراچی جانے کے لئے ابھی ابھی سیالکوٹ سے پہنچے تھے اُن کی سیٹ کنفرم نہیں تھی چانس پر تھے — اُن سے پتہ چلا کہ کراچی میں PIA کے ایک طیارہ نے CRUSH LANDING کی ہے، کیونکہ اُس کے پہیے نہیں کھل سکے تھے — الحمد للہ مسافر سب خیریت سے رہے، جہاز کو کچھ نقصان پہنچا ہے - اس وجہ سے پروازوں کا سارا نظام درہم برہم ہے — میں سوچنے لگا کہ آج صبح کے اخبار میں ہی تو یہ

خبر پڑھی تھی کہ راولپنڈی سے لاہور آنے والے طیارہ کو لاہور ایرپورٹ
پر اُترنے میں مشکلات پیش آئیں، اُس کے پہیئے نہیں کھل رہے تھے، کریش
لینڈنگ کے انتظامات ہو ہی رہے تھے کہ اچانک پہیئے کھل گئے اور وہ خیریت
سے اُتر گیا — یہ آخر PIA کے ساتھ ہو کیا رہا ہے؟ — دو دنوں میں متواتر
ایک جیسے دو واقعات — اور اگر ہمارے طیارہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو
گیا تو پھر! — بدن میں ایک جھرجھری سی آگئی جیسے موت سامنے خلا میں
گھور رہی ہو — واقعہ یہ ہے کہ ہوائی سفر سب سے زیادہ RISKY
ہے اور آدمی اس میں موت سے بہت قریب ہوتا ہے لیکن افسوس کہ
لوگ پھر بھی موت سے غافل رہتے ہیں جیسے موت دوسروں کے لئے ہے
اُن کے لئے نہیں — میں دِل کا ویسے بھی کچھ کمزور واقع ہوا ہوں لیکن یہ
خیال تسلی دیتا ہے کہ جو کچھ ہونے والا ہے اُس کا خوف نہ کر کیونکہ جو کچھ
ہوگا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوگا اور جو کچھ گذر گیا ہے اُس کا غم نہ کر کیونکہ
جو کچھ ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اِذن سے ہوا ہے اس لئے ایک مسلمان
کے لئے نہ خوف ہے نہ غم — میں انہی خیالات میں گم تھا کہ خیال آیا کہ
عارف میاں کا کل امتحان ہے اور انہیں اب رات کو مطالعہ کرنا ہے،
میں بلاوجہ ان کو روکے ہوئے ہوں۔ چنانچہ میں نے اُن سے جانے کیلئے
کہا اور وہ ہماری بے بسی پر مسکراتے ہوئے رخصت ہوگئے — اب میں
تھا اور سلیم صاحب اور فلائٹ کی Uncertainty کا مسئلہ — ذہن کا بوجھ
ہلکا کرنے کے لئے ہم تینوں ریستوران میں جا بیٹھے، کھانا کھایا گرم گرم چائے
پی اور یوں سلیم صاحب کی میزبانی کا لطف اٹھا ہی رہے تھے کہ اعلان ہوا
کہ تین بجے سہ پہر والی فلائٹ کے مسافر لاؤنج میں آجائیں، فلائٹ تیار
ہے — ہماری جان میں جان آئی کہ چلو اب ہماری بھی باری آ ہی جائے گی
— کاؤنٹر پہ جا کر پتہ چلا کہ پونے نو بجے اور گیارہ بجے والی دونوں
فلائٹوں کو ایک فلائٹ میں تبدیل کر دیا گیا ہے اور یہ فلائٹ گیارہ بجے
جائے گی۔ سلیم صاحب چانس پر تھے وہ اپنا "کام" بنانے چلے گئے اور

میں لاؤنج میں جا بیٹھا — خدا خدا کر کے ساڑھے گیارہ بجے جہاز پر "قدم رنجہ فرماتے" کا حکم ملا اور ہم اپنے "رنجیدہ قدموں" کے ساتھ اپنی نشست پر جا بیٹھے — کیا دیکھتا ہوں کہ سلیم صاحب بھی آگئے، اُن کا "کام" بن گیا تھا، میرے برابر کی نشست خالی تھی جہاں وہ بیٹھ گئے — پونے بارہ بجے طیارہ میں حرکت پیدا ہوئی، سفر آرام سے گذرا، راستہ بھر سلیم صاحب سے تنظیم کے مسائل اور ان کے ذاتی حالات پر گفتگو ہوتی رہی — سوا بجے ہم کراچی کے ہوائی اڈہ پر تھے جہاں پریمیر ٹوبیکو انڈسٹریز کے برھان غنی صاحب گاڑی لئے ہمارے منتظر تھے۔

دراصل میرا یہ سفر اس سفر کا ایک حصّہ تھا جو مجھے محترم امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ مدراس (بھارت) کے لئے کرنا تھا — مدراس کے اس سفر کی شانِ نزول یہ ہے کہ پریمیر ٹوبیکو انڈسٹریز کے چیئرمین جناب عبدالصمد صاحب ہر سال کراچی میں اپنے بنگلہ کے وسیع لان میں سیرت النبیؐ پر ایک جلسہ منعقد کراتے ہیں جس میں عام طور پر مولانا احتشام الحق تھانویؒ کو تقریر کی دعوت دی جاتی تھی مولانا کے انتقال کے بعد سوال پیدا ہوا کہ کس کو بُلایا جائے۔ کراچی پورٹ ٹرسٹ کے چیئرمین جناب ایڈمرل ایم۔ آئی ارشد نے انہیں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو دعوت دینے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ اُن کی دعوت پر پچھلے سال ڈاکٹر صاحب نے اُن کے ہاں خطاب فرمایا یہ SELECTED GATHERING ہوتی ہے جس میں شہر کا ELITE طبقہ مدعو ہوتا ہے۔ جلسہ کے بعد پُر تکلف عشائیہ کا اہتمام ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر وہاں پر بہت زیادہ پسند کی گئی۔ اس اجتماع میں جناب عبدالصمد کے ایک کزن جناب ڈاکٹر نذیر محمد بھی موجود تھے جو مدراس سے آئے ہوئے تھے وہ بھی ڈاکٹر صاحب کی تقریر سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ ڈاکٹر نذیر محمد صاحب میلاد کمیٹی مدارس کے سیکرٹری ہیں جو مدراس میں تقریباً گذشتہ نصف صدی سے ہر سال ربیع الاوّل کے مہینہ میں سیرت النبیؐ پر شاندار اجتماعات کا اہتمام کرتی رہی ہے جس میں

ملک و بیرونِ ملک کے علماء کو خطاب کرنے کے لئے دعوت دی جاتی ہے ۔ چنانچہ پچھلے سال مولانا احتشام الحق تھانوی صاحبؒ کو دعوت دی گئی تھی اور مولانا کا وہیں پر ہی حرکتِ قلب بند ہونے سے انتقال ہو گیا تھا ۔ اللّٰھم اغفرلہٗ وارحمہ ۔

ڈاکٹر نذیر احمد صاحب نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو مدراس آنے کی دعوت دی جو ڈاکٹر صاحب نے منظور فرمالی ۔ ادھر ربیع الاوّل ہی کے مہینہ میں عبد الصمد صاحب کے صاحبزادے کی مدراس میں شادی ہونی طے پائی ۔ چنانچہ عبد الصمد صاحب نے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور اس خاکسار کو شادی میں شرکت کی دعوت دی ۔ جو شکریہ کے ساتھ قبول کرلی گئی ۔ موصوف نے لاہور سے مدراس اور واپسی کا ہوائی جہاز کا ٹکٹ بھی بھجوا دیا تاکہ شادی میں شرکت بھی ہو جائے اور سیرت النبیؐ کے جلسوں کو ڈاکٹر صاحب خطاب بھی کر سکیں ۔

فلائٹ کی "گو گو پریشن" کی وجہ سے برھان غنی صاحب کو بھی ایرپورٹ کے چکر لگانے کی شدید زحمت اور کوفت ہوئی ــ آج ہی انہیں کار کے ایک حادثہ سے بھی دوچار ہونا پڑا جس کی وجہ سے اُن کی ایک ٹانگ میں چوٹ آئی اور انہیں کھڑا ہونا تک مشکل ہو رہا تھا ــ لیکن آفرین ہے اُن پر کہ اس کے باوجود بھی وہ رات کے ایک بجے اس خاکسار کے لئے ایرپورٹ پر موجود تھے ۔ میں شرمندہ تھا اُن سے عرض بھی کیا کہ آپ زحمت نہ فرماتے لیکن اُن کا جواب ایک دلآویز مسکراہٹ تھی جیسے انہیں کچھ ہوا ہی نہ ہو ــ اللہ تعالےٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے ۔ آمین ! ــ اس طرح کوئی ڈیڑھ بجے میں گھر پہنچ گیا ۔ عارف میاں نے کراچی فون کرکے گھر والوں کو بتا دیا تھا کہ فلائٹ میں بہت تاخیر ہو جائے گی اس وجہ سے کوئی فکر نہ کریں ۔ اس لئے گھر والوں کو اطمینان تھا ۔

ڈاکٹر صاحب کو لاہور سے آج رات کراچی پہنچنا تھا ــ اُن کے ساتھ بھی تقریباً وہی کچھ پیش آیا جو کل میرے ساتھ پیش آیا تھا ــ PIA کی پرواز کا نظام ابھی تک درہم برہم تھا ۔ انہیں پونے نو بجے شب کی فلائٹ سے

روانہ ہونا تھا جس میں تاخیر بڑھتی چلی جارہی تھی چنانچہ موصوف نے کوشش کر کے اُس سے پہلے کی یعنی سہ پہر تین بجے کی فلائٹ کا بورڈنگ کارڈ حاصل کر لیا جو رات ساڑھے گیارہ بجے روانہ ہوئی اور ایک بجے کراچی پہنچی - پونے نو بجے شب والی فلائٹ جس میں در اصل ڈاکٹر صاحب کی نشست تھی وہ دوسرے روز صبح آٹھ بجے کراچی پہنچی جب کہ اسی روز صبح سات بجے کی فلائٹ سے ہمیں بمبئی روانہ ہونا تھا - اگر ڈاکٹر صاحب اس فلائٹ سے آتے تو بمبئی کی فلائٹ MISS کر جاتے -

پریمیر ٹوبیکو انڈسٹریز کی کار میں ڈاکٹر صاحب کو لینے میں ایئر پورٹ پہنچا - گھر واپسی ڈیڑھ بجے شب ہوئی - بمبئی کی فلائٹ کا وقت صبح سات بجے تھا - دو گھنٹہ قبل یعنی پانچ بجے ایرپورٹ بُلایا گیا تھا جس کا مطلب تھا گھر سے ساڑھے چار بجے ایرپورٹ کو روانگی - کُل تین گھنٹے ہمارے پاس تھے - اس میں سونے کا تو سوال ہی نہیں تھا - صرف "آنکھیں جھپکانے" کا وقت تھا چنانچہ کوشش کر کے جھپکالی گئیں - کوشش اس بات کی کی گئی کہ معاملہ "جھپکنے" تک ہی محدود رہے - نیند کی آغوش میں نہ پہنچ جائیں جو اپنے بازو واکئے ہر لحظہ ہمیں اپنے آغوش میں لینے کی دعوت دے رہی تھی - دل کچھ اُس کی طرف مائل تو ہونے لگا تھا لیکن ؏

کبھی کبھی تو جنوں ہوشیار ہوتا ہے — ضمیر نے احتجاج کیا عقل نے مشورہ دیا کہ کمبخت کے خلاف شرعی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا جائے - دلِ ضمیر اور عقل کی اس "کشتم کشتا" نے جلد ہی بستر سے اٹھا : یا ڈاکٹر صاحب کو اٹھانے جا ہی رہا تھا کہ گھڑی دیکھی ، ایں ! ابھی تو صرف ایک گھنٹہ گزرا ہے ، اُلٹے پاؤں واپس آگیا — اور پھر میں تھا اور بستر اور خراٹے - جو ڈاکٹر صاحب کے کمرہ سے آرہے تھے خراٹوں کا زیر و بم ، اُن کا آہنگ — کافی دیر میں انہی میں کھویا رہا — ڈاکٹر صاحب فرمایا کرتے ہیں کہ خراٹے لینا بھی تو سنت ہے اللہ تعالےٰ کا کرم ہے کہ اُس نے مجھے اس نعمت سے بھی محروم نہیں کیا -

مدراس میں احباب کو تقسیم کرنے کے لئے میں نے ڈاکٹر صاحب کے اردو اور انگریزی کتابچوں کے کچھ سیٹ لاہور سے ساتھ لے لئے تھے جو ایک کارٹن میں پیک کئے ہوئے تھے۔ خیال آیا کہ کسٹم پر جگہ جگہ کارٹن کو بار بار کھولنا بند کرنا پڑے گا اس لئے کارٹن کو کھول کر کتابوں کو اپنے دیگر سامان کے ساتھ رکھا، نئے سرے سے سامان کی پیکنگ کی گئی ــــ اس سے فارغ ہو کر جلد جلد ہلکا سا ناشتہ کر کے ہم ائیرپورٹ روانہ ہو گئے۔

پانچ بجے ایرپورٹ پہنچنا تھا لیکن پانچ تو گھر پر ہی بجنے والے تھے ائیرپورٹ کا راستہ نصف سے زائد طے ہو چکا کہ میرا ذہن سناٹے میں آگیا ــــ اوہ! میرے سوٹ کیس کی چابیاں گھر پر رہ گئی تھیں ــــ ہمیں ویسے ہی تاخیر ہو چکی تھی ــــ اُف! اب کیا ہوگا؟ ــــ چابیاں لینے واپس جائیں تو اور زیادہ تاخیر ہوتی ہے۔ نہ لینے جائیں تو کراچی اور بمبئی دونوں جگہ کسٹم والے اسے کھلوائیں گے اگر تالے توڑتا ہوں تو سوٹ کیس غیر محفوظ ہو جائے گا کیونکہ اسے ہوائی جہاز والوں کے سپرد کرنا ہے ــــ چہرہ پر ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا ــــ خیالات اور کار دونوں کی رفتار تیز تھی اور دونوں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے ــــ اب ڈاکٹر صاحب سے کہوں تو کیسے کہوں ــــ ہمت نہیں پڑ رہی تھی اور مجھ غریب پر جو بیت رہی تھی ڈاکٹر صاحب اس سے قطعی بے خبر تھے۔ جسم کی پوری طاقت کو مجتمع کر کے آواز نکالی "ڈاکٹر صاحب" جو ظاہر ہے بہت آہستہ نکلی ــــ "جی" جواب ملا ــــ اب آگے کچھ کہنے کی تاب نہ تھی ہمت جواب دے رہی تھی۔ ڈاکٹر صاحب میری پریشانی کو کچھ بھانپ گئے۔ "کہیئے" "کیا بات ہے" ۔ "ڈاکٹر صاحب ــــ سوٹ کیس کی ــــ چابیاں ــــــــ گھر رہ گئیں" میں نے جیسے تیسے فقرہ پورا کر ہی دیا۔ اور اُس کے بعد گاڑی نے واپسی کا رُخ بدلا ڈرائیور کو حکم ملا کہ رفتار اور تیز کر دو۔ گھر پہنچا، خبیب سلمہ چابیاں لئے پریشان کھڑا تھا کہ کیا کرے! اتنے میں ہم پہنچے ــــ چابیاں لیں اور پھر واپس ایرپورٹ۔ وہاں جب پہنچے تو گھڑی کی سوئیاں پونے چھ پر تھیں۔ جلد جلد ایرپورٹ کی عمارت میں داخل

ہوئے - باہر دفتر کے ایک ساتھی رحمٰن صاحب مل گئے جو اپنے بیٹے زبیر کے
ایک دوست ہدایت اللہ کو رخصت کرنے ایر پورٹ آئے تھے - جنہیں بمبئی ہوتے
ہوئے میسور جانا تھا -

ہمیں بتایا گیا تھا کہ ایر پورٹ پر پریمیئر ٹوبیکو انڈسٹریز کے کوئی صاحب
موجود ہوں گے جو کسٹم وغیرہ کی FORMALITIE میں ہماری مدد کریں گے
برھان غنی صاحب کو آنا تھا لیکن وہ اپنی ٹانگ کی تکلیف کی وجہ سے نہ آسکے
تھے — مجھے بیرون ملک ہوائی سفر کا کوئی تجربہ نہ تھا کہ کیا کچھ کرنا ہوتا ہے!
— ڈاکٹر صاحب بیرون ملک جب بھی تشریف لے گئے ہیں ایر پورٹ
پر تمام کار روائیاں Formalities دوسروں نے کر کے دی ہیں اس
لئے اُن کو بھی کوئی ذاتی تجربہ نہ تھا - یہاں پر ہر کام کے لئے قطاریں لگی ہوئی
تھیں، کوئی بتانے والا نہ تھا کہ کیا کام کہاں پر ہوگا، بمبئی جانے والے مسافروں
کی قطار کون سی ہے — عجیب نفسا نفسی کا عالم تھا — سامان کو لئے کبھی
اِدھر کبھی اُدھر — تاخیر ہمیں پہلے — سے ہوگئی تھی بہرحال میں نے ڈاکٹر
صاحب کو ایک جگہ کھڑا کیا اور ایک قطار میں لگ گیا بورڈنگ کارڈ حاصل
کیا اور سامان ہوائی کمپنی کے سپرد کیا - امیگریشن کے لئے دوسری قطار میں
کھڑا ہونا پڑا - دھکم پیل کا عجب عالم تھا — کچھ لوگ تھے جو سفارش وغیرہ
کے ذریعہ اپنا کام بغیر قطار میں کھڑے کرا رہے تھے جن کی وجہ سے قطار میں
کھڑے ہوئے لوگوں کا نمبر دیر میں آتا تھا - جہاز کی روانگی کا وقت لمحہ بہ لمحہ قریب
آرہا تھا اور قطار چیونٹی کی طرح رینگ رہی تھی - ایسے موقعہ پر میرے سر میں
درد شروع ہو جاتا ہے — جسم کا رواں رواں سراپا احتجاج بن جاتا ہے -
غصہ بھی آتا ہے اور افسوس بھی ہوتا ہے — پیسہ اور سفارش ان دو چیزوں
نے قوم کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے — ہماری پوری بیورو کریسی کو تباہ کر کے
رکھ دیا ہے پیسہ ہو یا سفارش — ہر کام ہو سکتا ہے، بگڑا کام بن سکتا ہے -
اب قطار خاصی آگے بڑھ چکی تھی اور میرا نمبر آنے والا تھا کہ ایک صاحب
قطار کے بغیر آگئے اور امیگریشن افسر اُن کا کام کرنے لگا - میں نے اُس سے کہا

کہ ہم اتنی دیر سے قطار میں کھڑے ہیں اور تم اس طرح بغیر قطار کے لوگوں کو نبٹا رہے ہو پھر قطار میں کھڑے ہونے سے فائدہ! اُس نے جو جواب دیا وہ اس محکمہ کے لوگوں (الاّ ماشاء اللہ) کی رعونت اور بدتمیزی کا شاہکار تھا - کہنے لگا "خاموش کھڑے رہو، زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں"۔ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی - ہمارے ٹیکسوں کے پیسوں سے پلنے والا ہم سے اس طرح بات کرے - جی میں آیا کہ اسی وقت اسے بے نقط سنا دوں، چاہے پھر کچھ بھی ہو جائے لیکن پھر ایک خیال یہ بھی آیا کہ ڈاکٹر صاحب جو قریب ہی کھڑے تھے اگر انہوں نے یہ صورت حال دیکھی اور انہیں جلال آگیا تو فلائٹ تو رہی ایک طرف پورا ایئرپورٹ ہل کر رہ جائے گا ۔۔ اسی لئے ہوش جوش پر غالب آگیا، مصلحت اسی میں سمجھی کہ صبر کیا جائے اور خاموش رہا جائے جیسے تیسے اپنا کام کرایا اور کسٹم کے ہفت خواں سے گذر کر لاؤنج میں داخل ہوئے -

انگریز چلا گیا لیکن یہ کالے انگریزوں کی بیوروکریسی اس قوم کے سر پر مسلّط ہے - نالائقی، بدتمیزی، رعونت اور کرپشن کا ہر محکمہ میں دور دورہ ہے - کہیں پر بھی کوئی کام بغیر سفارش یا مٹھی گرم کئے نہیں ہوتا جن لوگوں کو قوم کا خادم ہونا چاہیئے تھا وہ قوم کے مخدوم بنے ہوئے ہیں اور قوم کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکنے میں فخر محسوس کرتے ہیں - کرپشن کو روکنے کیلئے انٹی کرپشن محکمہ موجود ہے جو خود کرپشن میں مبتلا ہے - اب انٹی کرپشن محکمہ کے کرپشن کو روکنے کے لئے ایک اور انٹی انٹی کرپشن محکمہ ہو اور پھر اس کی کرپشن روکنے کے لئے ایک اور ۔ ایک اور - ایک اور - اور اس طرح یہ سلسلہ ختم نہیں ہو سکے گا ۔ جب تک کہ لوگوں کے قلب میں ایمانیات کے عمل کی آبیاری نہ ہو - جب تک اُن میں یہ یقین پیدا نہ ہو کہ انہیں مر کر ایک بار اور جی اٹھنا ہے اور اس دنیا میں کئے گئے اپنے ایک ایک عمل کا جواب دینا ہے - جہاں نیک عمل کی جزاء اور برائیوں کی سزا ملے گی اور اس سے کوئی نہ بچ سکے گا، دُنیا میں پیسہ اور سفارش سے چھوٹ سکتے ہیں

لیکن وہاں یہ نہیں چلے گا۔ بُرے کاموں کی سزا مِل کر رہے گی ـــــ اگر آج یہ یقین پیدا ہو جائے تو مجال ہے کہ برائیاں سر اٹھا سکیں، کرپشن اپنے جھنڈے گاڑ سکے لیکن افسوس کہ "اسلام" کا نام تو بہت لیا جاتا ہے لیکن اس اصل کام کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہا۔ اس ملک میں اسلام کو ایک سیاسی نعرہ تو بنا دیا گیا ہے لیکن اسلام اپنے برپا کرنے والوں سے جن Pre-requisites ابتدائی تیاریوں کا مطالبہ کرتا ہے وہ ناپید ہیں یا ناپید کر دیئے گئے ہیں اس لیے کہ "اس میں لگتی ہے محنت زیادہ" ـــــ اور اس کا نتیجہ ہے کہ اسلام کے جتنے بلند بانگ نعرے لگ رہے ہیں اتنا ہی ہم پستی میں گرتے چلے جا رہے ہیں ـــــــ ضرورت ہے تجدید ایمان کی تحریک کی، توبہ کی منادی کی تجدید عہد کے توثیق کی ـــــ "اسلامی سیاست" کے بازاروں میں رجل رشید ہے جو سُنے ـــــ !!

کسٹم امگریشن وغیرہ کی منازلِ ہفت خواں طے کرنے کے بعد جب ہم لاؤنج میں پہنچے تو کچھ سکون کا سانس لیا۔ لاؤنج مسافروں سے بھرا ہوا تھا۔ ہم بھی ایک کونے میں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ عبدالصمد صاحب کے سیکرٹری رفعت صاحب نے کہا تھا کہ ایرپورٹ پہ نہ صرف اُن کی کمپنی کی جانب سے مختلف کاموں میں ہماری مدد کرنے کے لئے کچھ لوگ موجود ہوں گے (جو کہ موجود نہ تھے۔) بلکہ انہوں نے دو حضرات کے نام بھی بتائے تھے جو عبدالصمد صاحب کے مدعوئین میں سے تھے اور انہیں بھی اسی فلائٹ سے بمبئی ہوتے ہوئے مدراس پہنچنا تھا۔ رفعت صاحب ایک روز قبل مدراس روانہ ہو چکے تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ اِن دو حضرات سے ملاقات کر لینا۔ سفر میں ساتھ رہے گا اور یہ حضرات ڈاکٹر صاحب کا ہر طرح کا خیال رکھیں گے ـــــ ڈاکٹر صاحب کو ایک کرسی پہ بٹھا کر میں نے لاؤنج میں ان حضرات کو دیکھنا شروع کیا۔ میں صرف نام سے واقف تھا صورت آشنا نہ تھا۔ اس وجہ سے دقّت ہوئی۔ میں نے سوچا کہ شاید ڈاڑھی اور شیروانی کی وجہ سے یہ حضرات مجھ کو پہچان کر مجھ سے ڈاکٹر صاحب کے بارے میں معلوم کریں۔ لیکن لاؤنج میں مجمع اس قدر تھا کہ یہ ممکن نہ ہو سکا۔ اور پھر شیروانی اور داڑھی والا یہاں میں اکیلا

تو نہ تھا۔ چاروں طرف نظر مار کر جب میں اپنی سیٹ پر واپس آیا تو دُور سے دیکھا کہ ایک ادھیڑ عمر کی محترمہ بیٹھی ڈاکٹر صاحب سے مصروف گفتگو ہیں۔ ٹیلی ویژن کی وجہ سے وہ ڈاکٹر صاحب کو پہچان گئیں اور کچھ دینی مسائل پر تبادلۂ خیال کے لئے ڈاکٹر صاحب کے پاس بیٹھ گئیں۔ ایسے موقع پر ڈاکٹر صاحب کو الجھن تو ہوتی ہی ہوگی لیکن کیا کریں کوئی مسئلہ پوچھنے بیٹھ جائے تو جائے رفتن نہ پائے ماندن والی کیفیت ہوتی ہے اور جواب دینا ہی پڑتا ہے — کچھ یہی کیفیت اس وقت ڈاکٹر صاحب کی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد جہاز میں سوار ہونے کا اعلان ہوا اور ہم اپنا دستی سامان لے کر جہاز کی جانب روانہ ہوگئے۔ یہ PIA کی ایربس تھی۔ ڈاکٹر صاحب کھڑکی کے قریب کی نشست پسند کرتے ہیں چنانچہ وہ اس پر تشریف فرما ہوئے اور میں اُن کے برابر کی نشست پر۔ پرواز کا وقت صبح سات بجے تھا لیکن کچھ تاخیر ہوگئی تھی — ڈاکٹر صاحب کے ساتھ سفر و حضر دونوں ہی مفید رہتے ہیں اور سفر خاص طور پر کہ اس میں سکون سے مختلف مسائل پر بات چیت کا موقع مل جاتا ہے اور میں اس وقت کا پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ ایربس بمبئی کی جانب محوِ پرواز تھی اور ہم گفتگو میں مصروف۔ ڈیڑھ گھنٹہ کا وقت پلک جھپکتے جیسے گذر گیا۔ راستہ میں بتایا گیا کہ ہم اپنی گھڑیوں کا وقت ہندوستان کے اسٹینڈرڈ ٹائم کے مطابق کرلیں یعنی نصف گھنٹہ پیچھے — میں نے تو اپنی گھڑی کا وقت ہندوستان کے وقت کے مطابق کرلیا لیکن ڈاکٹر صاحب نے نہیں کیا فرمانے لگے کہ میں اپنی گھڑی کا وقت پاکستانی وقت کے مطابق ہی رکھوں گا — مجھے پہلے تو ڈاکٹر صاحب کی "پاکستانیت" پر رشک آیا لیکن یہ اُن سے بعد میں معلوم ہوا کہ چونکہ اُن کی گھڑی DIGITAL ہے اور اس میں وقت کے آگے پیچھے کرنے کی تکنیک سے ڈاکٹر صاحب پوری طرح واقف نہیں اس لئے . . . . اب آگے میں کیا کہوں کہیں بے ادبی نہ ہو جائے۔ بہرحال ان چیزوں میں موصوف اپنے بڑے صاحبزادے عارف رشید سلمٰہ کے محتاج ہیں — اب بات آہی گئی ہے تو سن لیجئے آپ سے کیا پردہ کہ ڈاکٹر صاحب کار کی ڈرائیونگ تو بہت عمدہ

کرتے ہیں — بہت عمدہ ہی نہیں بلکہ بہت ہی عمدہ (اس بہت ہی عمدہ میں Rash ڈرائیونگ بھی شامل ہے!) لیکن کار کی Mechanisim سے ذرہ برابر واقف نہیں، حد تو یہ ہے کہ زندگی میں آج تک کار کا ٹائر تک تبدیل نہیں کیا۔ اگر ٹائر پنکچر ہو جائے تو گاڑی سڑک کے ایک طرف کھڑی کر کے گھر فون کر کے کسی بچے کو بلا لیں گے یا یونہی واپس چلے آئیں گے اور اپنے صاحبزادوں عارف رشید سلمہٗ یا عاکف سعید سلمہٗ سے فرمائیں گے کہ گاڑی فلاں جگہ کھڑی ہے، جاؤ وہاں سے لے آؤ۔ صاحبزادے سمجھ جائیں گے کہ ٹائر پنکچر ہو گیا ہے۔

پی۔ آئی۔ اے۔ بھی خوب ہے۔ بعض لوگ اس پر اس لئے ناک بھوں چڑھاتے ہیں کہ قومی سرکاری زبان اُردو ہے اور نام رکھا ہے ہوائی کمپنی کا انگریزی میں۔ اور وہ بھی پی۔ آئی۔ اے۔ یعنی اُردو میں پی آئیے۔ جیسے کھا آئیے۔ ہمارے ہاں کے ایک مشہور ادیب نے اپنے ایک تصوراتی ملک "اقبالستان" کی ہوائی کمپنی کا نام رکھا تھا "بالِ جبریل"۔ "اقبالستان" کے لئے کچھ اور نام بھی انہوں نے تجویز کئے تھے۔ منہ کا مزہ بدلنے کے لئے آپ بھی سن ہی لیجئے۔ ریڈیو اسٹیشن کا نام "ارمغانِ حجاز" جماعتی و ثقافتی زندگی میں رہنمائی کرنے والے محکمہ کا نام "اسرار و رموز" مملکت کے صدر مقام کا نام "خودی آباد" اور حکومت کے سربراہ کا لقب "صاحبِ جنوں" — کہئے طبیعت خوش ہو گئی!

۱۰ جنوری کی یہ سہانی صبح تھی کہ ہم بمبئی کے انٹرنیشنل ایرپورٹ کی شاندار عمارت میں داخل ہوتے۔ کراچی ایرپورٹ پر جو بدنظمی ہم نے دیکھی یہاں اس کا نام و نشان نہ تھا۔ ہر بات میں نظم تھا ہر چیز میں ترتیب تھی۔ EMBAR- KATION CAR طیارہ میں ہی تقسیم کر دیئے تھے جو ہم نے وہیں پُر کر لئے تھے ہوائی اڈہ کے ہال کے دروازہ پر ہمیں فارم دیتے گئے جو ہمیں پُر کر کے دینے تھے۔ فارم تقسیم کرنے والے کارکن ہی مسافروں کی رہنمائی کر رہے تھے کہ انہیں کس کاؤنٹر پر جانا ہے۔ میں نے اپنے اور ڈاکٹر صاحب کے فارم جلدی جلدی پُر کئے۔ اتنے میں ایک مسافر خاتون آ گئیں کہ ان کا فارم پُر کر دیں۔ اُن کا فارم پُر کیا۔ پھر دوسری پھر تیسری۔ اب آخر کس کو منع کیا جاتے۔ ہم تو ہوائی اڈہ کی عمارت میں اسی وجہ سے جلدی

داخل ہوتے کہ رسمی کارروائیوں سے جلد نبٹ جائیں گے لیکن یہاں تو ہم فارم بھرنے والے منشی بن کر بیٹھ گئے آخر کو میں تو قطار میں لگ گیا اور یہ "خدمتِ خلق" ڈاکٹر صاحب نے سنبھال لی -

ایک لڑکا کھڑا تھا جو ہر مسافر سے پوچھتا تھا کہ بادام پستہ چلغوزہ کچھ ہے - ہم سے بھی پوچھا - ہمارے پاس کہاں تھا - امیگریشن سے فارغ ہو کر کسٹم کی طرف چل دیئے - ہر مسافر کو پرچی مل جاتی تھی جس پہ نمبر لکھا ہوتا تھا کہ فلاں کاؤنٹر پہ جانا ہے - چنانچہ ہم اپنی پرچی کے مطابق سامان لے کر متعلقہ کاونٹر پہ پہنچے - کسٹم انسپکٹر نے ایک نظر ڈاکٹر صاحب کو اور مجھے دیکھا - پوچھا کچھ ہے - ہم نے کہا کچھ نہیں - کپڑے اور استعمال کی چیزیں ہیں - اُس نے بغیر سامان کھلوائے لے جانے کی اجازت دیدی - اس طرح ہم جلد فارغ ہو کر باہر آگئے -

اب ہم ایک نئے مرحلے سے دو چار ہوئے - رفعت صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ انہوں نے انتظام کر دیا ہے - بمبئی ایرپورٹ پر ہمیں Receive کرنے کوئی نہ کوئی ضرور آئے گا - انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ مدراس جانے والے دو حضرات جو ہمارے ہم سفر ہیں ہماری ہر طرح کی مدد کریں گے - ڈاکٹر صاحب کا تو لاہور سے مدراس اور واپسی کا مکمل ٹکٹ تھا لیکن میرا ٹکٹ لاہور سے بمبئی اور واپسی کا ملا تھا بمبئی / مدراس / بمبئی سیکٹر کا نہیں تھا - اس کے لئے رفعت صاحب نے کہا تھا کہ جو صاحب ہمیں لینے بمبئی ایرپورٹ پر آئیں گے وہی یہ ٹکٹ بھی دیدیں گے — ہم یہ سوچتے ہوئے ایرپورٹ بلڈنگ کے باہر نکلے کہ بس گیٹ سے باہر نکلتے ہی "سلام علیکم" "وعلیکم السلام" ہو جائے گی لیکن کوئی دُور دُور تک نظر نہ آیا - کھڑے کھڑے تھوڑی دیر انتظار بھی کیا کہ شاید تاخیر ہو گئی ہو بس پہنچنے والے ہی ہوں اور آتے ہی معذرت کریں گے اور سامان اپنی گاڑی میں رکھتے ہوئے ہم سے کہیں گے کہ، غریب خانہ پر تشریف لے چلئے - نصف گھنٹہ گذر گیا، ایک ایک شخص کے سامنے گیا کہ شاید کون پہچان لے اور کہے "اخاہ آپ ہیں جنہیں میں اتنی دیر سے ڈھونڈھ رہا تھا" لیکن وائے حسرت ایسا کہنے والا کوئی نہ ملا — وہ دو صاحبان جنہیں کہا گیا تھا کہ ہمارے ہم سفر ہیں اور ہمارا خیال رکھیں گے ان کے

روئے زیبا کو دیکھنے سے بھی ہم ترس گئے تھے ــــ اب میں تھا اور ڈاکٹر صاحب، دونوں
خاموش کھڑے تھے، کبھی میں اُن کو دیکھ لیتا تھا کبھی وہ مجھے، عجیب سی بے چارگی
تھی ۔ مسافر اپنی اپنی منزل کو جا چکے تھے، بہت سے ٹیکسی والے ہمارے پاس آتے
کہ کدھر جانا ہے اب کوئی بتلائے کہ ہم تبلائیں کیا ــــ اتنے میں دیکھا کہ ایک صاحب اور
بھی کھڑے ہیں، یونہی کچھ دُعا سلام سی ہوگئی ۔ پوچھا کدھر کا ارادہ ہے کہنے لگے مدراس
کا ۔ ہم نے کہا ہم بھی مدراس جا رہے ہیں ۔ معلوم ہوا کہ پریمیر ٹوبیکو انڈسٹریز کے
گوجر خان کے ایجنٹ ہیں نام ان کا شیخ رفیق ہے ۔ مدراس میں عبدالصمد صاحب
کے صاحبزادے کی شادی میں شرکت کریں گے بعد ازاں ہانگ کانگ جانے کا ارادہ ہے ۔
واضح رہے کہ یہ صاحب ان دو صاحبان میں سے نہیں تھے جن کا ہم سے ذکر کیا گیا تھا
ــــ بہر حال دو نہ شد سہ شد ۔ اُن کے بارے میں بھی معلوم ہوا کہ انہیں مدراس
کا ہوائی جہاز کا ٹکٹ لینا ہے ۔ مجھے بھی ٹکٹ کی ضرورت تھی کہ وعدہ کے مطابق
یہاں پر کوئی صاحب ابھی تک ٹکٹ لے کر نہیں آئے تھے ــ رفیق صاحب سے مشورہ
کے بعد طے ہوا کہ Domestic ایر پورٹ (سانتا کروز) چلا جائے ۔ جو
جو انٹرنیشنل ایر پورٹ سے کئی میل دُور ہے ٹیکسی پکڑی اور وہاں پہنچے ۔ معلوم
کرنے پر پتہ چلا کہ مدراس کے لئے سیٹ دو تین روز کے بعد مل سکے گی ۔ رش بہت
زیادہ ہے ڈاکٹر صاحب کی آج شام کی سیٹ کنفرم تھی ۔ ہم نے بہت کوشش کی
کہ آج کی سیٹ مل جائے لیکن کام نہ بنا ۔ اب کیا کیا جائے ؟ سامان کو کہاں کہاں
ساتھ لئے پھریں ــ میں کچھ پریشان جلد ہی ہو جاتا ہوں ۔ ایک بار تو دل میں یہ
خیال آیا کہ ڈاکٹر صاحب کو کہہ دوں کہ آپ شام کی پرواز سے مدراس چلے جائیے ۔
میرے پاس بمبئی سے کراچی واپسی کا ٹکٹ تو ہے میں واپس کراچی چلا جاتا ہوں
ــــ پھر مشورہ ہوا کہ رفیق صاحب اور میں کیوں نہ ریل کے ذریعے مدراس چلے
جائیں ۔ ۳۶ گھنٹہ کا سفر تھا ہم اس کے لئے تیار تھے ۔ ڈاکٹر صاحب فرمانے لگے
کہ میں بھی کیوں ہوائی جہاز سے جاؤں، چلو میں بھی تمہارے ساتھ ریل کے ذریعہ
ہی چلتا ہوں ــ مجھے احساس ہوا کہ ڈاکٹر صاحب یہ میری وجہ سے کہہ رہے ہیں کہ
میں تنہائی محسوس نہ کروں انہیں میرا کتنا خیال تھا ! ــــ ابھی یہ باتیں ہو ہی

رہی تھیں کہ ذہن کے کسی گوشہ میں ایک خیال بجلی کی طرح کوندا — میں نے عرض کیا ڈاکٹر صاحب ہمارے ویزا میں تین مقامات میں سے ایک مقام بمبئی بھی ہے اور عبدالصمد صاحب نے یہاں پر اپنے ایک دوست کا پتہ لکھوایا ہے - کیوں نہ شہر میں اُن کے پاس چلا جائے، شاید وہ ہماری کچھ مدد کریں — ڈاکٹر صاحب یکدم تیار ہوگئے جیسے کہہ رہے ہوں کہ یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا تھا — فوراً ہم نے ٹیکسی پکڑی، ٹیکسی ڈرائیور کو پتہ بتایا اور شہر کی طرف رواں دواں ہوگئے — ٹیکسی ڈرائیور ایک سردار جی تھے - پتہ نہایت آسان تھا، سڑک کا نام بھی مشہور تھا لیکن سردار جی کو جگہ ہی نہیں مل رہی تھی - نہ جانے کیوں؟ کیا تو ٹیکسی کا کرایہ بڑھانے کو وہ یہ حرکت فرما رہے تھے یا شاید اُس وقت بارہ بجے کا وقت قریب آرہا تھا اس لئے وہ کسی اور کیفیت میں مبتلا ہوں گے — اگر دوسری بات ہے تو بہرحال یہ ان کی مجبوری تھی اور اس کا الاؤنس انہیں دیا جانا چاہیئے -

ٹیکسیوں کے میٹر یہاں پر ایک روپیہ میل کے حساب سے چلتے ہیں - لیکن ہر ٹیکسی ڈرائیور کے پاس ایک ریٹ کارڈ ہوتا ہے اُس پر ۲/۴۵ روپے کے حساب سے ہر میل کا چارٹ دیا ہوا ہوتا ہے - دس میل کے فاصلہ پر میٹر تو دس روپے بتائے گا لیکن چارٹ میں دس کے سامنے ۲۴/۵۰ لکھے ہوں گے جو ادا کرنے ہوتے ہیں - دراصل پہلے یہاں کرایہ ایک روپیہ میل تھا - اس میں برابر اضافہ ہوتا رہا اب ہر بار میٹر تبدیل کرانے کی بجائے نئے ریٹ کارڈ دیدیئے جاتے تھے تاکہ اس کے مطابق کرایہ وصول کیا جائے - کافی پھرنے پھرانے کے بعد اور کئی جگہ معلوم کرنے کے بعد ہم منزل مقصود پر پہنچے - یہ دراصل عبدالصمد صاحب کے ایک دوست حاجی عبدالرحیم کا **Popular Sola Hat works** کے نام سے ایک دفتر تھا جو کرافورڈ مارکیٹ کے عین سامنے کی عمارت میں واقع ہے - خوشی ہوئی کہ چلو دفتر تو ملا اب مشکل آسان ہو جائے گی - ٹیکسی سے سامان اتار کر اور اُس کا حساب چکا کر ڈاکٹر صاحب اور رفیق صاحب تو فٹ پاتھ پر کھڑے رہے اور میں پہلی منزل پر اُن کے دفتر میں گیا - جو صاحب سامنے بیٹھے تھے غالباً دفتر کے مینجر تھے انہوں نے بتایا کہ حاجی صاحب تو بنگلور گئے ہیں - یہ کہہ کر وہ پھر

اپنے کام میں مصروف ہوگئے جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ میں نے کہا کہ ہم کراچی سے آئے ہیں مدراس جانا ہے۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ ایرپورٹ پر کوئی صاحب آئیں گے اور مدراس کا میرا ہوائی جہاز کا ٹکٹ دیں گے ٹکٹ آپکے پاس تو نہیں ہے؟ کہنے لگے نہیں۔ میں نے کہا زحمت نہ ہو تو میں اپنے ساتھیوں کو نیچے سے بلالوں۔ اور یہ سُنے بغیر کہ وہ ہاں کہتے ہیں یا نہیں، میں تیر کی طرح نیچے گیا۔ ساری صورتحال ڈاکٹر صاحب کو بتائی۔ طے ہوا کہ سامان تو ہم اُوپر رکھ دیں اسے کہا کہانئے پھر یا ادھر ادھر کیا کرنا چاہیئے۔ چنانچہ سامان لے کر ہم اُوپر پہنچ گئے۔ ایک کونے میں سامان رکھا۔ میں نے اُن صاحب سے کہا کہ یہاں پر عبدالصمد صاحب کا کوئی اور دوست بھی ایسا ہوسکتا ہے جن کے پاس میرا ٹکٹ ہو۔ کہنے لگے کہ دراصل ہمارے اُن سے تجارتی تعلقات کم ہیں۔ ایک فرم اور ہے جن کے ہاں اُن کا مال زیادہ آتا ہے اُن سے معلوم کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر انہوں نے فون کیا — آخر قدرت کو مجھ پر رحم آہی گیا۔ پتہ چلا کہ ٹکٹ موجود ہے اور اُن کے پاس ہے — تنِ مردہ میں جیسے جان آگئی ہو یا ع جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آجائے — بہرحال اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ رفیق صاحب کی حالت قابلِ رحم تھی۔ وہ یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ میں ریلوے کی برتھ کی کوشش کرتا ہوں — ایسا نہ ہو کہ پھر وہ بھی نہ ملے۔

کرافورڈ مارکیٹ کے قریب ہی محمد علی روڈ پر John Barrel کے نام سے جوتوں کی ایک بڑی دوکان ہے۔ میرا ٹکٹ وہیں پر تھا۔ میں نے پہلا کام تو یہ کیا کہ وہاں جاکر اپنا ٹکٹ حاصل کیا۔ آج شام کی پرواز سے سیٹ کنفرم تھی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ واپس آکر ڈاکٹر صاحب اور میں کھانا کھانے چلے گئے — سامنے ہی ایک ہوٹل تھا۔ اس میں بہت رش تھا۔ ہم بھی جاکر بیٹھ گئے۔ سوچا کیا منگایا جائے۔ بھوک بھی شدت سے لگ رہی تھی۔ لوگوں کو دیکھا کہ اُن کے سامنے تھال آرہے ہیں۔ ہم نے بھی دو تھال کا آرڈر دیا۔ ہوٹل کا انتظام نہایت عمدہ تھا۔ ہر کام کے لئے الگ لڑکے مقرر تھے۔ جو مستعدی سے اپنا کام سرانجام دے رہے تھے۔ ہر میز کے گرد چار نشستیں تھیں۔ کچھ لڑکے صرف پانی کے لئے تھے۔ ہر میز پر ہر وقت چار گلاس بھرے

ہوئے موجود رہتے تھے - کچھ لڑکے صفائی کے لئے - اِدھر لوگ کھانا کھا کر اٹھے اُدھر صفائی والے لڑکوں نے آکر برتن اٹھا کر میز صاف کی - آرڈر کی تعمیل کیلئے الگ لڑکے تھے - اِدھر آرڈر دیا - اُدھر حاضر - کیا مجال کہ ذرا دیر ہو جائے - ہوٹل کے انتظامات دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی - معلوم ہوا کہ کسی ہندو کا ہوٹل ہے اب یہاں پر ہوٹلوں میں ہندو مسلمان کی کوئی تمیز نہیں ہے — تھال ہمارے سامنے آ گئے - کچھ پوریاں تھیں اور پانچ چھ چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں مختلف سبزیاں، دالیں رائتہ اور میٹھا وغیرہ تھا - اچار اور چٹنی الگ - اِدھر پوریاں ختم ہوئیں اُدھر چاولوں کی پلیٹ لا کر رکھ دی گئی - جو لوگ چاول نہیں کھاتے وہ اس کی جگہ مزید پوریاں لے سکتے ہیں — خوب سیر ہو کر کھانا کھایا چائے پی حساب چکایا اور باہر آ گئے - ایک بات یہ دیکھی کہ برتن اٹھاتے وقت بیرا اتھال میں خالی پیالیوں اور چمچوں کی تعداد گن لیتا ہے ہو سکتا ہے کہ کبھی کوئی صاحب ایک آدھ پیالی یا چمچہ جیب میں ڈال کر لے گئے ہوں — قریب ہی مسجد تھی جہاں جا کر ظہر اور عصر کی ملا کر نماز ادا کی — اور وہیں دس پندرہ منٹ آرام کیا —

ہماری روانگی رات کو ساڑھے آٹھ کی فلائٹ سے تھی اس وقت کوئی تین بجے تھے سوچا کہ اب اس وقت کا مصرف نکالا جائے - ڈاکٹر صاحب کے پاس یوسف پٹیل صاحب کا پتہ تھا جن سے اُن کی دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں ملاقات ہوئی تھی - شمس پیرزادہ صاحب (سابق امیر جماعت اسلامی بمبئی) کا بھی پتہ تھا - سوچا پہلے یوسف پٹیل صاحب سے مل لیا جائے پتہ معلوم کرتے کرتے مین بازار میں اُن کے گھر پہنچے جو زیادہ دُور نہ تھا - وہ گھر پر موجود تھے - چائے سے تواضع کی - بہت محبت سے پیش آئے - ان سے معلوم ہوا کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب آج کل بمبئی آئے ہوئے ہیں - ڈاکٹر صاحب کو یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی - اُن سے ملاقات کا بہت اشتیاق تھا - کیا معلوم تھا کہ بمبئی ہی میں ملاقات ہو جائے گی - یوسف پٹیل صاحب کے ساتھ ٹیکسی میں مولانا علی میاں صاحب کی قیام گاہ پہنچے - موصوف نہایت شفقت و محبت سے پیش آئے - ڈاکٹر صاحب

کو آتے دیکھ کر حیران سے رہ گئے - فرمانے لگے ڈاکٹر صاحب میں واقعی آپکو دیکھ رہا ہوں یا خواب دیکھ رہا ہوں - ڈاکٹر صاحب کو محبت سے اپنے قریب بٹھایا پاکستان کے حالات معلوم کیئے، مختلف مسائل پر بات چیت کی - اس خاکسار سے بھی نہایت شفقت سے پیش آئے - مولانا علی میاں صاحب کی محفل سے دل اٹھنے کو تو نہیں چاہتا تھا لیکن چونکہ ہمیں ایرپورٹ پہنچنا تھا اس لئے اُن سے اجازت طلب کی - مولانا علی میاں صاحب کے پاس دس بارہ حضرات بیٹھے ہوئے تھے - یہیں پر نورالدین آزاد صاحب اور الحاج اکبر خان صاحب سے بھی ملاقات ہوئی جنہوں نے وعدہ لیا کہ واپسی پر ڈاکٹر صاحب چند روز بمبئی میں قیام فرمائیں تاکہ اُن سے مستفید ہوا جا سکے - اب اتنا وقت تو نہ تھا کہ شمس پیرزادہ صاحب سے بھی ملاقات کی جا سکتی اس لئے دفتر سے اپنا سامان لے کر اور یوسف پٹیل صاحب کو خدا حافظ کہہ کر ہم ایرپورٹ پہنچ گئے -

یہ بمبئی کا Domestic Air Port تھا - بورڈنگ کارڈ حاصل کیا - مدراس کے لئے پرواز تیار تھی - انڈین ایر لائنز کارپوریشن کی ایربس نمبر ۱۰۳ میں ہم نے اپنی نشست سنبھالی آٹھ بج کر چالیس منٹ پر طیارہ نے پرواز کی اور کوئی ڈیڑھ گھنٹہ بعد یعنی سوا دس بجے ہم مدراس کے ہوائی اڈہ پر تھے - واضح رہے کہ ایکسپریس ٹرین سے یہی سفر چھتیس گھنٹے میں طے ہوتا ہے -

لاؤنج میں آنے کے بعد ہم نے باہر نگاہ دوڑائی کہ کوئی شناسا نظر آجائے - ہمیں یہاں تو کراچی اور بمبئی ایرپورٹ جیسی اُمید نہ تھی لیکن کوئی بھی ایسا نظر نہ آیا جو ڈاکٹر صاحب یا میری طرف دیکھ کر ہاتھ کا اشارہ کر دیتا - اب یہاں بھی کوئی نہیں آیا تو ہم کہاں جائیں گے دل کو تسلی ہوئی کہ پتہ تو ہمارے پاس موجود ہے - ٹیکسی کر کے پہنچ جائیں گے — میں سامان کے انتظار میں تھا - ڈاکٹر صاحب کی طرف نگاہ اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ کچھ لوگوں نے ڈاکٹر صاحب کو جا لیا ہے - عبدالصمد صاحب، ڈاکٹر نذیر محمد صاحب اور اُن کے چند دوسرے دوست و احباب قطار اندر قطار وہاں موجود تھے - رفعت صاحب جو رات ہی کراچی سے یہاں پہنچے تھے وہ بھی آئے ہوئے تھے - ڈاکٹر صاحب

نے عبدالصمد صاحب سے فرمایا بھی کہ آپ شادی کی تیاریوں میں مصروف ہوں گے ۔ گھر پر بہت سے مہمان آئے ہوئے ہوں گے ۔ آپکے یہاں آنے کی کیوں زحمت فرمائی، دوسرے احباب کے ساتھ ہم پہنچ ہی جاتے ــــ لیکن وہ سراپا تواضع و انکساری کا مظہر تھے۔ جیسے کہہ رہے ہوں کہ ڈاکٹر صاحب ہمارے شہر کی دہلیز پر قدم رکھیں اور میں استقبال کے لئے نہ آؤں ـــ !! مدراس کے ایرپورٹ پہ ہماری اُن دو حضرات سے بھی ملاقات ہوئی جن کے دیدار کو کراچی اور بمبئی ایرپورٹ پر آنکھیں ترس رہی تھیں ــــ اُن میں ایک صاحب تھے کراچی کی ایک بڑی ایڈورٹائزنگ فرم SASA کے منیجنگ ڈائریکٹر شہزادہ صاحب اور دوسرے تھے کراچی کے مشہور پرنٹنگ پریس الائٹ پبلشرز کے مالک جناب احمد جمیل مرزا ۔

مدراس جتنا بڑا شہر ہم نے سنا تھا اسی لحاظ سے ہمارا اندازہ تھا کہ ایرپورٹ بھی ہوگا لیکن ایرپورٹ دیکھ کر شدید مایوسی ہوئی ۔ ایرپورٹ کا ہال بہت چھوٹا تھا ۔ بمبئی اور کراچی کے ایرپورٹ سے اس کی نسبت ایسے تھی جیسے شہر اور قصبہ کی ۔ اس سے تو لاہور کا ایرپورٹ کہیں بڑا ہے ۔

ایرپورٹ سے ہم سیدھے تاج ہوٹل پہنچے جہاں پر مہمانوں کے لئے طعام وغیرہ کا انتظام تھا ۔ یہ دراصل ایک طرح کا شادی ہال ہے مہمانوں کے طعام کے انتظامات یہیں پر رکھے گئے تھے ــــ مہمان کثیر تعداد میں آئے تھے ۔ مکانوں میں جتنی گنجائش تھی قریبی رشتہ دار وہاں ٹھیرائے گئے ۔ دوسروں کے لئے مختلف ہوٹلوں میں کمروں کا ریزرویشن کرایا گیا تھا ۔ ہمارے لئے مدراس کے ایک اعلیٰ ہوٹل Atlantic Hotel کے ایرکنڈیشنر ڈی لکس کمرہ میں ٹھیرانے کا انتظام کیا گیا تھا ۔ تاج ہوٹل سے کھانا کھاکر ہم فارغ ہوئے تو ہمیں اٹلانٹک ہوٹل پہنچادیا گیا ۔ ہمارا کمرہ پانچویں منزل پر تھا ۔ جب ہم نے کمرہ میں پہنچے تو بارہ بج چکے تھے ـــ اور ۱۱ جنوری شروع ہو چکی تھی ـــ

صبح سو کر اٹھے ۔ کمرہ ہی میں نماز باجماعت ادا کی ۔ پانچویں منزل کے کمرہ کی بالکونی سے جب شہر کی جانب نگاہ ڈالی تو منظر نہایت حسین نظر آیا ۔ یہاں پر بمبئی اور کراچی جیسی اونچی اونچی عمارات نہیں ہیں ۔ ناشتہ کے لئے

بیرے کو بلایا۔ اُس سے ناشتہ کے بارے میں معلوم کیا کہ کیا کچھ ہے۔ اب جو اُس نے بتایا وہ ہماری سمجھ سے بالاتر تھا۔ یہاں پر ٹامل زبان بولی جاتی ہے۔ اور ہم اس سے ناواقف ۔ زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم خیر سے بیرا انگریزی تھوڑا بہت سمجھ لیتا تھا چنانچہ اُس سے کہا جو ہے سو لے آؤ۔ ساتھ میں کافی کو کہہ دیا۔ کافی تو ہم سمجھ گئے لیکن باقی چیزیں نہیں سمجھ سکے کہ یہ کیا ہیں کیوں ہیں اور کیسے ہیں۔ سب مدراسی کھانے تھے۔ ہوٹل Vegetarian تھا اس لئے کھانے بھی اسی طرح کے تھے۔ ناشتہ میں جو چیزیں تھیں اُن کا تلفظ کچھ یوں یاد رہ گیا اٹلی۔ ڈوسا۔ سب چیزیں پھیکی پھیکی سی تھیں اب آئی تھیں تو کھالی گئیں لیکن ہم جیسے مصالحہ دار کھانا کھانے والوں کو کچھ مزہ نہیں آیا میٹھا منگایا تو گلاب جامن لے آیا۔ بہرحال کافی پی اور خدا کا شکر ادا کیا۔

دس بجے امپریل ہوٹل میں عبدالصمد صاحب کے صاحبزادے امتیاز صاحب کا نکاح تھا۔ ڈاکٹر نذیر محمد صاحب کے ساتھ ہم امپریل ہوٹل پہنچے۔ کافی وسیع پنڈال تھا۔ سامنے اسٹیج پر کرسیاں بچھی ہوتی تھیں جن پر دولہا اور اُس کے قریبی اعزّاء اور دولہن کے اعزّاء خاندان کے بڑے اور چند سربرآوردہ حضرات تشریف فرما تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی نشست بھی اسٹیج پر تھی۔

مکان حضرت قطب ویلور کے سجّادہ نشین حضرت مولانا ابوالنصر قطب الدّین سیّد شاہ محمّد باقر صاحب نے نکاح پڑھایا۔ نکاح سے قبل ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اسلام کے معاشرتی نظام میں نکاح کی اہمیت پر مختصر تقریر فرمائی جو بہت پسند کی گئی۔ بہت سے حضرات کا کہنا تھا کہ ایسی باتیں تو انہوں نے زندگی میں پہلی بار سُنی ہیں۔ کچھ غیر مسلم بھی تھے۔ وہ بھی ڈاکٹر صاحب کی تقریر سے متاثر تھے شادی کے ہنگامہ میں ڈاکٹر صاحب نے مختصر تقریر کی جو نصف گھنٹہ سے بھی کم تھی لیکن نہایت جچی تلی اور موثر۔ مدراس میں بارش کا یہ پہلا چھینٹا تھا۔ نکاح کے بعد لوگ ڈاکٹر صاحب سے نہایت تپاک سے ملے۔ ہر کوئی اُن کی تقریر کی تعریف کر رہا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کی تقریر سے قبل ڈاکٹر نذیر محمد صاحب نے ڈاکٹر صاحب کا تفصیل

سے تعارف بھی کرادیا۔

نکاح کے بعد کھانے کا اہتمام تھا۔ کھانے سے قبل اور بعد بھی بہت سے حضرات ڈاکٹر صاحب سے گفتگو کرتے رہے۔

دوپہر سے شام تک ہم اپنے ہوٹل میں رہے اور آرام کرتے رہے۔ رات کا کھانا تاج ہوٹل میں کھایا یہاں پر بھی لوگ ڈاکٹر صاحب سے مختلف مسائل پر گفتگو کرتے رہے۔

رات گئے ہم واپس اپنے ہوٹل آگئے۔ اور صبح تک چین کی نیند سوئے۔

۱۲ر جنوری ۸۱ء ناشتہ میں آج پھر وہی مسئلہ درپیش تھا۔ آج ہم نے ٹوسٹ جام اور بٹر منگوایا۔ کافی پی اور آرام کیا۔ سی آئی ڈی۔ آفس میں ہمیں اپنی مدراس آمد کی رپورٹ لکھوانی تھی۔ چنانچہ ہمارے پاسپورٹ اور ویزے ڈاکٹر نذیر محمد صاحب نے اپنے ایک رفیق کار عظیم صاحب کو دیدئے جنہوں نے CID آفس جاکر رپورٹ درج کروادی۔

ہندوستانی سفارتخانہ ہندوستان میں تین جگہوں سے زیادہ کا ویزا نہیں دیتا شاید یہی معاملہ پاکستان کے لئے بھی ہے۔ دنیا کے تمام ممالک میں ویزا پورے ملک کے لئے ہوتا ہے کہ جہاں چاہو جاؤ لیکن ہندوستان و پاکستان کیلئے ہی یہ مخصوص ہے کہ یہاں ویزا ملک کی بنیاد پر نہیں بلکہ شہروں کی بنیاد پر دیا جاتا ہے اور تین مقامات سے زیادہ کا ویزا نہیں ملتا۔ عبدالصمد صاحب نے ہمارے لئے جو تین مقامات لکھوائے وہ مدراس بمبئی اور آمبور تھے۔ آمبور مدراس سے کوئی ایک سو میل کے فاصلہ پر مسلمانوں کا ایک بڑا قصبہ ہے۔

دس بجے کے قریب ایک نوجوان باسط صاحب جو پرسوں رات ہمیں ہوٹل میں داخل کر کے گئے تھے۔ تشریف لائے۔ آتے ہی کہنے لگے کہ تیار ہو جاؤ۔ ہم نے پوچھا کہاں کیلئے؟ کہنے لگے کہ مدراس کے اہم مقامات کی سیر کرانا ہے۔ نیچے ویگن کھڑی ہے کراچی سے آئے ہوئے اور لوگ بھی موجود ہیں۔ ہم جلدی سے تیار ہو کر اُن کے ساتھ چل دیئے۔ ویگن میں کراچی کے رفعت صاحب چوہدری صاحب اور رحمٰن صاحب (ان سب کا تعلق

پرمیر ٹوبیکو انڈسٹریز سے ہے) سے ملاقات ہوئی - سب سے پہلے مدراس کا میوزیم دیکھا - پھر اسٹرلنگ روڈ ہوتے ہوتے ایک یادگار سے گذرے معلوم ہوا کہ یہ یہاں کے مشہور شاعر ٹریولر کاٹون کی یادگار ہے - پوڑم باکم پل سے گذرے۔ وجے ہسپتال کی شاندار عمارت دیکھی - عثمان روڈ، ماؤنٹ روڈ ہوتے ہوئے چڑیا گھر (zoo) دیکھنے گئے - راستہ میں ایک بازار میں رُکے جہاں ہمارے ساتھی معلوم ہوا کہ یہاں کی ایک دوکان میں ساڑھیاں دیکھنے گئے بہت مشہور دوکان ہے بتایا گیا کہ اُس کی روزانہ کی فروخت لاکھوں روپے کی ہوتی ہے۔ ہم گاڑی میں بیٹھے رہے - اور لوگ بغیر کچھ خریدے خالی ہاتھ گاڑی میں واپس آگئے - راستہ میں ایک جگہ رُک کر کچے ناریل تڑوا کر جی بھر کر اس کا پانی پیا۔

اس کے بعد ہمارے دوست باسط صاحب ہمیں Woodland Drive Inn ریسٹورینٹ لے گئے - جہاں انہوں نے ہماری بہت ہی خاطر تواضع کی - اس ہوٹل میں قسم قسم کے جتنے بھی مدراسی کھانے تھے ایک ایک کرکے سب ہی منگوا لیے گئے اُن کا اصرار ہوتا تھا کہ کھاؤ اور خوب کھاؤ -

ان میں بعض کھانے تو واقعی بہت لذیذ تھے - میرا اندازہ ہے کہ درجن بھر سے زیادہ کھانے منگوائے گئے ہوں گے ہم بارہ افراد تھے - بل جب آیا تو کل ایک سو چھ روپے کا تھا ہم حیران تھے - میرا خیال تھا ڈھائی تین سو روپے سے کم کا بل نہیں ہوگا - جو کھانے یاد رہ گئے وہ یہ ہیں : لونڈا - دوسا چولا بٹورا - مصالحہ ڈوسا اور بریڈ پیس مصالحہ وغیرہ — باسط صاحب ڈرائیور کو اکثر یہ فقرہ کہتے تھے "نیرا پونگو"، "نیرا پونگو" ہم حیران تھے کہ یہ کیا لفظ ہے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ تامل میں اس کا مطلب ہے "سیدھا چلو"۔ دو ایک الفاظ اور یاد رہ گئے - "اینگوا" یعنی آؤ - "سورسا پٹیا" یعنی کھانا لاؤ - اس طرح اپنے مطلب کے کچھ الفاظ ہم نے سیکھ لئے

— کھانے سے فارغ ہو کر ڈرائیور کو حکم ہوا کہ ساحل سمندر MARINA BEACH چلے - وہاں کا منظر ہمیں بہت پسند آیا - ساحل سمندر کے کنارے مدراس یونیورسٹی کی عمارتیں تھیں اور ساحل سمندر پر خوبصورت تفریح گاہیں بنی ہوئی تھیں - معلوم ہوا کہ مدراس کا ساحل انڈو پاکستان کا سب سے

خوبصورت ساحل ہے — یہاں کا منظر دیکھ کر ڈاکٹر صاحب بھی بہت متاثر تھے کہنے لگے کہ اب معلوم ہوتا ہے کہ مدراس میں آئے ہیں — یہاں پر بُت (Statue) یوں تو عام ہیں کہ ہر چوراہے پر کسی نہ کسی کا بُت ملے گا کیونکہ ہندو قوم میں Hero worship کا مادّہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہے لیکن ساحلِ سمندر پر پر تھوڑی دُور پر بُت بنے ہوئے ہیں جو ہندوؤں کی مشہور شخصیتوں کے ہیں - ساحل سمندر ہی کے کنارے ANNA SQUARE ہے - بہت ہی خوبصورت بنایا ہے - انّا یہاں کا ہیرو ہے - ٹامل ناڈو کی تحریک کا بانی وہی تھا - ٹامل ناڈو کا الگ صوبہ اُس نے بنوایا تھا - اور اُس کے بعد یہاں کا وزیر اعظم مقرر ہوا تھا - سنا ہے ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکساں مقبول تھا - یہ اُسی کی یادگار کے طور پر بنا ہوا ہے - اُس کی یادگار پر جوتے اتار کر جانا ہوتا ہے باسط صاحب نے بتایا کہ ساحل سمندر کا حسین منظر تو رات کا ہوتا ہے — اپنے قیام مدراس کے دوران کئی بار ارادہ کیا کہ رات کو وہاں کا منظر دیکھا جائے مگر مصروفیات کی وجہ سے اس کا موقعہ نہ مل سکا - اور یہ حسرت باقی رہ گئی !

سیر سپاٹے کے بعد کوئی چار بجے ہم اپنے ہوٹل واپس پہنچے تھکن کافی تھی - آتے ہی بستر پر گر گئے -

رات کو امتیاز صاحب کا ولیمہ تھا - مغرب کے قریب ڈاکٹر نذیر محمد صاحب ہمیں لینے آگئے - انہیں ڈاکٹر صاحب سے بڑی محبت ہے - پریکٹس کے اوقات تک میں یہاں آجاتے ہیں - اُن کا بس [illegible] ڈاکٹر صاحب کے پاس [illegible] تک نہیں -

(جاری ہے)

اعتذار

گذشتہ شمارے کے صفحہ ۹۹ پر غلطی رہ گئی - سوال ۸ اور ۹ میں سورہ نور کی آیت ۳۱ کے جس لفظ کا حوالہ دیا گیا ہے وہ "اَبَآءِ بُعُولَتِهِنَّ" ہے غلطی سے آبائن ، لکھا گیا ہے - اللہ تعالیٰ اس غلطی پر معاف فرمائے - ناظرین سے درخواست ہے کہ وہ اس کو درست کرلیں -

فہرست تصانیف

ڈاکٹر اسرار احمد

کتاب	قیمت
★ تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ	۶/- روپے
★ مطالبات دین	۶/- "
★ اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام	۱/- "
★ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت	۲/- "
★ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں	۲/- "
★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (اردو)	۳/- "
★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (عربی)	۴/- "
★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (انگریزی)	۵/- "
★ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ اول ★ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ دوم } یکجا	۸/- "
★ قرآن اور امن عالم	-/۷۵ "
★ راہ نجات: سورۃ والعصر کی روشنی میں	۲/- "
★ علامہ اقبال اور ہم	۲/- "
★ عظمت صوم	۱/- "
★ دعوت الی اللہ	۱/- "
★ آیۃ الکرسی	-/۳۰ "
★ قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ: الفاتحہ تا الکہف	۷/- "
★ شہید مظلوم (شہادت حضرت عثمانؓ)	۳/- "

(بقیہ مکتوب امریکہ)

طبیعت پر کافی بوجھ ہوتا ہے - یہاں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ ابھی تک یہاں جتنے Religious Speakers آئے ہیں ڈاکٹر صاحب کی انگریزی کی تقریر اُن سب سے بہتر رہی ہے -

M. S. A. یہاں کے مسلمانوں کی سب سے بڑی تنظیم ہے اس کے کنونشن میں بھی شرکت کا اتفاق ہوا - ڈاکٹر صاحب کی اس میں باقاعدہ تو کوئی تقریر نہیں تھی البتہ ایک روز فجر کے بعد سورہ آل عمران کی تین آیات کا درس دیا جس کا بہت اچھا تاثر رہا -

اِس مرتبہ ڈاکٹر صاحب نے یہاں Black Muslims کے رہنماؤں سے بھی ملاقاتیں کیں - سب سے بڑا گروپ Bilalians کا ہے جس کا لیڈر علیجاہ محمد کا بیٹا امام وارث دین محمد ہے - اپنے باپ کے برعکس اس کے عقائد بہت حد تک درست ہیں اور یہ بتدریج اپنے گروہ کی اصلاح کررہا ہے - یہاں درس کے حلقہ کے ایک صاحب کے توسط سے ان سے ڈاکٹر صاحب کی بڑے اچھے ماحول میں ملاقات ہوئی - اس کے بعد امام صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو اپنے مرکز میں درس کے لئے مدعو کیا حالانکہ یہ لوگ عموماً کسی دوسرے فرقہ کے آدمی کو اپنے مرکز میں تقریر کیلئے مدعو نہیں کیا کرتے - ڈاکٹر صاحب نے ملاقات کے وقت انہیں اپنے دو کتابچے ("قرآن مجید کے حقوق" اور "راہ نجات" کے انگریزی تراجم مطالعہ کیلئے دئے تھے - ڈاکٹر صاحب نے یہاں پر سورہ آل عمران کی چند آیات کا درس دیا - درس کے بعد امام صاحب نے اعلان کیا کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے دونوں کتابچے پڑھے ہیں اور اب وہ خود اپنے یہاں انہیں شائع کرائیں گے - اسے یہاں پر ہمارے حلقہ کے لوگوں نے بڑی کامیابی قرار دیا ہے - ایک دوسرا گروہ جو اگرچہ تعداد میں کم ہے لیکن بہت زیادہ Violent ہے اس کے امام شیخ عمر فاروقی سے بھی ڈاکٹر صاحب نے ذاتی ملاقات کی - یہ لوگ اپنے آپ کو حنفی مسلمان کہتے ہیں - شیخ صاحب نے بھی ڈاکٹر صاحب کا بہت اکرام کیا اور اپنے بہت سے کتابچے پڑھنے کیلئے دئے - Black Muslim میں کام کا وسیع میدان موجود ہے اور ان شاء اللہ اس دورہ کے خوشگوار نتائج نکلیں گے -

شکاگو میں ہمارا پروگرام اللہ کے فضل سے مکمل ہوچکا ہے کل ہم اِن شاء اللہ کیلی فورنیا کیلئے روانہ ہوجائیں گے اور ایک ہفتہ کے بعد شکاگو سے ہوتے ہوئے ٹورنٹو پہنچیں گے - جہاں سے لندن ہوتے ہوئے ڈاکٹر صاحب اِن شاء اللہ ۳۰ جون کی دوپہر کراچی اور پی-آئی-اے کی پرواز سے رات کو دس بجے لاہور پہنچ جائیں گے -

شکاگو - ۲ جون ۱۹۸۱ء عاکف سعید

Regd. L. No. 7360
MONTHLY "MEESAQ" LAHORE
Vol. 30 | JUNE 1981 | No. 6

چھنتے چھوٹے

مکتوب امریکہ

۱۱ اور ۱۲ مئی کی درمیانی شب کو ہم کراچی سے بذریعہ پی-آئی-اے عازم سفر ہوئے - ۱۲ مئی کی شام کو نیو یارک پہنچے - اُس وقت وہاں پر عصر کا وقت تھا - تین روز نیو یارک میں قیام کے بعد ۱۶ مئی کو شکاگو پہنچے - ہمارا قیام ڈاکٹر خورشید ملک صاحب کے یہاں ہے جو شکاگو کے مضافات میں (تقریباً تیس میل دور) رہتے ہیں یہ بڑی پرفضا جگہ ہے - ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی طبیعت کراچی میں خراب رہی - نیویارک میں بھی ٹھیک نہ تھی - شکاگو آنے کے بعد الحمدللہ بہت بہتر ہے - یہاں پر موصوف کے دروس و خطابات جاری ہیں - جس کی تفصیلی رپورٹ بعد میں دی جائے گی - ان شاء اللہ - کل ۲ جون کو یہاں (شکاگو میں) تنظیم اسلامی کا اجتماع ہوا جس میں عام Invitation تھی - کہ جو لوگ تنظیم میں شامل ہونا چاہیں یا تنظیم کے بارے میں مزید سوال و جواب کے ذریعہ افہام و تفہیم کرنا چاہیں وہ اس اجتماع میں شرکت کرسکتے تھے - چنانچہ اس دعوت کے جواب میں تیرہ چودہ افراد جمع ہوئے جن میں دو وہ بھی تھے جو پہلے سے تنظیم میں شامل تھے - دو گھنٹے کی نشست کے بعد مزید پانچ افراد نے بیعت کی اور اس طرح اللہ کے فضل سے شکاگو میں رفقائے تنظیم کی کل تعداد سات ہوگئی ہے - ایک ہفتہ بعد جب ہم کیلے فورنیا کے Visit کے بعد واپس شکاگو آئیں گے تو تنظیم کا ایک اجتماع اور ہوگا - اور توقع ہے کہ اس اجتماع میں مزید دو تین حضرات تنظیم میں شامل ہو جائیں گے - ان شاء اللہ - دو روز قبل یہاں انجمن خدام القرآن کا بھی اجلاس ہوا تھا بعض رکاوٹوں کے باعث ابھی تک انجمن کا تشکیلی ڈھانچہ وجود میں نہیں آیا تھا لیکن اس مرتبہ Founder Members کا تعین کر کے قواعد و ضوابط کو آخری شکل دیدی گئی ہے اور ان شاء اللہ جلد ہی الیکشن کے ذریعہ ورکنگ کمیٹی کی تشکیل ہوجائے گی - موسسین کی تعداد الحمدللہ پندرہ ہے -

یہ اطلاع آپکے لئے دلچسپ ہوگی کہ اس مرتبہ یہاں کے لوگوں کے اصرار پر ڈاکٹر صاحب نے درس انگریزی زبان میں دئے ہیں - شروع میں کچھ جھجک تھی لیکن اب الحمدللہ بہت اعتماد اور روانی سے درس دیتے ہیں - البتہ اس سے

(باقی ٹائٹل کے صفحہ ۳ پر)

وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مؤمنین

ماہنامہ لاہور

میثاق

رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ - جولائی ۱۹۸۱ء

مشمولات

مدیر مسئول:

ڈاکٹر اسرار احمد

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن - لاہور - ۱۴ - فون: ۸۵۲۶۱۱ - ۸۵۲۶۸۳

طابع : چودھری رشید احمد ● مطبع مکتبہ جدید پریس شارع فاطمہ جناح ۔ لاہور

جمیل الرحمٰن

عرض احوال

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ مطابق جولائی ۱۹۸۱ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔ گذشتہ شمارہ ۶ جون ۱۹۸۱ء کو سنسر، طباعت اور جلد بندی کے مراحل طے کرنے کے لئے تیار تھا۔ ان مراحل میں خلاف توقع کافی وقت لگ گیا اور رسالے کو ۲۲-۲۳ جون کو پوسٹ کرنے کی نوبت آئی۔ اب یہ شمارہ ۲۴ جون تک مکمل ہو کر طباعت کے مراحل سے گزرنے کے لئے تیار ہے۔ اب یہ کس تاریخ تک پوسٹ ہو سکے گا! اس کا متعلق صرف یہ عرض ہے کہ اللّٰہُ اَعْلَمُ۔

ڈاکٹر صاحب کی مراجعت اطلاع ملی ہے کہ ان شاء اللہ العزیز ڈاکٹر اسرار احمد صاحب شمالی امریکہ کے تیسرے دعوتی دورے سے ۳۰ جون کی شب کو لاہور تشریف لے آئیں گے گویا یہ پرچہ ناظرین کے ہاتھوں میں پہنچنے سے قبل ہی موصوف کی مراجعت ہو چکی ہوگی۔ واپسی کے بعد ان شاء اللہ معمولات کے مطابق ڈاکٹر صاحب کی مصروفیات شروع ہو جائیں گی بلکہ رمضان المبارک کی وجہ سے ان میں اضافہ ہی متوقع ہے۔ جس کی طرف گذشتہ شمارے میں اشارات کئے جا چکے ہیں۔

ماہ رمضان اور ہم اس ماہ مبارک کی آمد پر اس کے پروگرام، اس کی حکمت اور اس کی برکات و حسنات کے متعلق ذیل میں ہم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے کتابچے "عظمتِ صوم" کا ایک اہم اقتباس پیش کرتے ہیں۔ توقع ہے۔ کہ اس کا مطالعہ تذکیر یاددہانی اور افادیت کا باعث ہوگا۔ ان شاء اللہ العزیز۔ اقتباس حسب اقتباس حسب ذیل ہے:۔

"اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ رمضان المبارک کے پروگرام کی دو شقیں ہیں ایک دن کا روزہ اور دوسرے رات کا قیام اور اس میں قراءت و استماعِ قرآن! اور اگرچہ ان میں سے پہلی شق فرض کے درجے میں ہے اور دوسری بظاہر نفل کی، تاہم قرآنِ مجید اور احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام دونوں نے اشارۃً اور کنایۃً

واضح فرما دیا کہ یہ ہے رمضان المبارک کے پروگرام کا جزو لاینفک! (یہی وجہ ہے کہ احناف کے نزدیک نمازِ تراویح واجب کے درجے میں شمار ہوتی ہے) ———

چنانچہ قرآن نے وضاحت فرما دی کہ روزوں کے لئے ماہ رمضان معیّن ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ اس میں قرآنِ مجید نازل ہوا تھا: گویا یہ ہے ہی نزولِ قرآن کا سالانہ جشن!

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ	رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآنِ مجید نازل ہوا۔

اور احادیث نے تو بالکل ہی واضح کر دیا کہ رمضان مبارک میں 'صیام' اور 'قیام' لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں: چنانچہ:۔

۱ - امام بیہقیؒ نے رمضان المبارک کی فضیلت کے ضمن میں جو خطبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا 'شعب الایمان' میں نقل کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں:۔

جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ فَرِيْضَةً وَقِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا -	اللہ نے قرار دیا اس میں روزہ رکھنا فرض اور اس کا قیام اپنی مرضی پر۔

گویا قیام اللیل اگرچہ "تطوعًا" ہے تاہم اللہ کی جانب سے مجعول، بہر حال ہے!

۲ - بخاریؒ اور مسلمؒ دونوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ط	جس نے روزے رکھے رمضان میں ایمان و احتساب کے ساتھ بخش دیئے گئے اس کے تمام سابقہ گناہ - اور جس نے راتوں کو قیام کیا رمضان میں ایمان و احتساب کے ساتھ بخش دیئے گئے اس کے جملہ سابقہ گناہ -

۳ - امام بیہقی نے 'شعب الایمان' میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ و ابن العاص سے روایت کیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

اَلصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ	روزہ اور قرآن بندۂ مومن کے حق

لِلْعَبْدِ يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَیْ رَبِّ اِنِّیْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ فَيُشَفَّعَانِ ط

میں سفارش کریں گے ۔ روزہ کہے گا اے رب! میں نے اسے روکے رکھا دن میں کھانے اور خواہشات سے پس اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما اور قرآن کہے گا میں نے روکے رکھا اسے رات کو نیند سے پس اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما - تو دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی -

اور اب غور فرمائیے صَوْمِ رَمَضَان کی حکمتوں پر !

حقائق متذکرہ بالا کے پیش نظر صیام و قیام رمضان کی اصلی غایت و حکمت اور ان کا اصل ہدف و مقصود ایک جملے میں اس طرح سمویا جا سکتا ہے کہ :— ایکؔ طرف روزہ انسان کے جسدِ حیوانی کے ضعف و اضمحلال کا سبب بنے تاکہ رُوحِ انسانی کے پاؤں میں پڑی ہوئی بیڑیاں کچھ ہلکی ہوں اور بہیمیت کے بھاری بوجھ تلے دبی ہوئی اور سسکتی اور کراہتی ہوئی رُوح کو سانس لینے کا موقع ملے۔ —اور دُوسری طرف قیام اللیل میں کلامِ ربانی کا رُوح پرور نزول اس کے تغذیہ و تقویت کا سبب بنے —— تاکہ ایکؔ جانب اس پر کلامِ الٰہی کی عظمت کماحقہٗ منکشف ہو جائے اور وہ اچھی طرح محسوس کر لے کہ یہی اُس کی بھوک کو سیری اور پیاس کو آسودگی عطا کرنے کا ذریعہ اور اُس کے دُکھ کا علاج اور درد کا درماں ہے ! —— اور دُوسری جانب رُوحِ انسانی از سرِ نو قوی اور توانا ہو کر" اپنے مرکز کی طرف مائلِ پرواز" ہو گویا اس میں قرب الی اللہ کا داعیہ شدّت سے بیدار ہو جائے اور وہ مشغولِ دُعا و مُناجات ہو جو اصل رُوح ہے عبادت[1] کی اور لُبِّ لُباب ہے رشد و ہدایت کا !

---

[1] بمصداقِ احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسلام : " اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ " اور " اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ " " دُعا عبادت کا مغز ہے " اور " دُعا ہی اصل عبادت ہے "۔

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں صوم و رمضان سے متعلق آیات میں:-
اوّلاً ——— مجرد صوم کی مشروعیت اور اُس کے ابتدائی احکام کا ذکر ہوا اور اُس کی غرض و غایت بیان ہوئی "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" کے الفاظ میں اور
ثانیاً ——— صومِ رمضان کی فرضیت اور اُس کے تکمیلی احکام کا بیان ہوا اور اُس کے ثمرات و نتائج کا ذکر ہوا دو طرح پر:-
ایک ——— "وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ" کے الفاظ میں جو عبارت ہے انکشافِ عظمتِ نعمتِ قرآن اور اُس پر اللہ کی جناب میں ہدیۂ تکبیر و شکر پیش کرنے سے ——— اور
دُوسرے ——— "وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ .... لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ" کے الفاظ میں جو عبارت ہے انسان کے متوجہ الی اللہ و مُتلاشیٔ قربِ الٰہی اور مشغولِ دُعا اور محوِ مناجات ہونے سے جو اصل حاصل ہے عبادتِ رب کا!

الغرض! صیام و قیامِ رمضان کا اصل مقصود یہ ہے کہ رُوحِ انسانی بہیمیت کے غلبے اور تسلّط سے نجات پاکر گویا حیاتِ تازہ حاصل کرلے اور پوری شدّت و قوّت اور کمالِ ذوق و شوق[1] کے ساتھ اپنے رب کی جانب متوجہ ہوجائے!

---

[1] کافرِ ہندی ہوں میں دیکھ مرا ذوق و شوق
لب پہ درُود و سلام دِل میں درُود و سلام! (اقبالؔ)

رُوزہ کے بارے میں حدیث قدسی کے الفاظ

"فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ"

متفق علیہا ہیں، یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہیں:-

ترجمہ:- روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں خود ہی اس کی جزا دوں گا۔"

رمضان المبارک کا بہترین

تحفہ

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبولِ عام تالیف

"مسلمانوں پر

قرآن مجید کے حقوق"

خود پڑھیے اور دوستوں اور عزیزوں کو تحفۃً پیش کیجیے

رانِ ماہِ رمضان اہل وعیال اور اعزہ واقارب کے ساتھ اجتماعی مطالعہ کیجیے!

ٹ: اس کتابچے کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، فارسی ترجمہ زیرِ طباعت ہے۔

شائع کردہ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ فون: ۸۵۲۶۱۱

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ

جنوبی ہند میں پندرہ دن

ایک رپورتاژ

ازقلم :- قاضی عبدالقادر ؛ دوسری قسط

۱۳ / جنوری رمنگل

آج بھی صبح اسی سج دھج سے آئی جس طرح روزانہ آ
تھی - ہم تھے ہوٹل کی پانچویں منزل تھی، ہوٹل کا
تھا اور سامنے ناشتہ تھا جس میں وہی کچھ تھا جس سے روز سابقہ پیش آرہا
اللہ کا شکر ادا کیا جس نے ہمیں ان نعمتوں سے نوازا -
پچھلے دو روز ہم نے اچھی طرح آرام کیا تھا، خوب سوئے تھے میری طبیع
تو بہت ہشاش بشاش تھی لیکن رات سے ڈاکٹر صاحب کی طبیعت خراب تھی، ان
کے حلق میں INFECTION تھا میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا بھی کہ کسی ڈاکٹر
دکھا دیا جائے لیکن ڈاکٹر صاحب ٹال گئے - ڈاکٹر صاحب یوں بھی کسی کو زحمت
گوارا نہیں کرتے اور خاص طور پر یہاں تو انہیں بالکل گوارا نہ تھا لیکن میں ڈاکٹر
کی طبیعت کو دیکھ رہا تھا اور مجھے خدشہ تھا کہ فوری طور پر علاج معالجہ نہ ہوا تو
بڑھ بھی سکتا ہے اور ابھی تو ڈاکٹر صاحب کے پروگرام شروع ہی نہیں ہوئے جب
حال ہے آگے معاملہ کیسے چلے گا -! پردیس میں طبیعت کا زیادہ خراب ہونا ویسے
بھی تشویش کا باعث ہوتا ہے دوپہر کو جب ڈاکٹر نذیر محمد صاحب ملاقات کو تشر
لائے تو میں نے انہیں علیحدگی میں ڈاکٹر صاحب کی طبیعت کی خرابی کا بتایا، وہ
ڈاکٹر بھی ہیں اور میزبان بھی اس لئے انہیں تشویش ہونا فطری تھا - اُن کے ا
دوست ڈاکٹر عبیداللہ صاحب ENT اسپیشلسٹ ہیں - اس وقت ایک
تھا یہ اُن کے کلینک کے بند ہونے کا وقت تھا - ڈاکٹر نذیر محمد صاحب نے ڈاکٹر ص
کو فوراً ڈاکٹر عبیداللہ صاحب کے پاس چلنے کو کہا ڈاکٹر صاحب نے پہلے تو چلنے میں تأ
کیا لیکن پھر یہ سمجھ کر کہ میں "راز" افشا کر چکا ہوں اُن کے ساتھ ہو لئے دونو

ڈاکٹر جب پہنچے تو ڈاکٹر عبیداللہ صاحب اپنا کلینک بند کر کے کار میں بیٹھ کر جانے ہی والے تھے - بڑے تپاک سے ملے - دوبارہ اپنا کلینک کھولا اور ڈاکٹر صاحب کا تفصیلی معائنہ فرمایا اور دوائیں تجویز فرمادیں - ڈاکٹر نذیر محمد صاحب نے راستہ میں دوائیں خریدیں - جن کا ڈاکٹر صاحب نے فوری استعمال شروع کر دیا اور الحمدللہ کہ نمایاں فائدہ محسوس ہوا - ڈاکٹر عبیداللہ صاحب کا دین سے بہت لگاؤ ہے - صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں - پورے عرصہ ڈاکٹر صاحب کی تقریریں نہایت ذوق وشوق اور پابندی سے سنتے رہے -

جماعت اسلامی کی رُوداد حصہ اوّل میں مدراس کے مولانا صبغۃ اللہ بختیاری صاحب کا نام پڑھا تھا - موصوف جنوبی ہند کی نمایاں شخصیت اور جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن تھے - تقسیم ہند کے بعد آپ صوبہ مدراس ہی میں رہے ور بعض اختلافات کے باعث چند سال کے بعد جماعت سے مستعفی ہوگئے - پاکستان سے جب میں روانہ ہوا تھا تو اشتیاق تھا کہ مدراس میں مولانا کی زیارت نصیب ہوجائے گی - ۱۱ رجنوری کو امپیریل ہوٹل میں امتیاز صاحب کے نکاح کے موقعہ پر گڈیاتہ کے ایک اسکول کے اُردو کے استاد (جسے وہاں پر منشی کہتے ہیں) مولوی عبدالحمید حامد صاحب سے ملاقات ہوئی - باتوں باتوں میں مَیں نے اُن سے مولانا صبغۃ اللہ بختیاری صاحب کا ذکر کر دیا کہ اُن سے ملنے کی بہت خواہش ہے، اُن کا پتہ ہو تو بتائیں - کہنے لگے کہ وہ نکاح کی اس محفل میں شریک ہیں - یہیں کہیں ہوں گے - یں چونکہ اُنہیں پہچانتا نہیں تھا اس لئے حامد صاحب میرے ساتھ اِدھر اُدھر کافی گھومے پھرے لیکن مولانا نظر نہ آتے - خیال ہوا کہ واپس چلے گئے ہوں گے معلوم ہوا کہ موصوف یہاں سے تقریبًا سو میل دور ویلور کے مدرسہ باقیات الصالحات میں مدّرس ہیں —— اور پھر ایسا ہوا کہ رات امتیاز صاحب کے ولیمہ کے موقعہ پر تاج ہوٹل یں کیا دیکھتا ہوں کہ حامد صاحب مولانا کو لئے ہوئے میرے پاس چلے آرہے ہیں - یں دُور سے ہی پہچان گیا کہ ہونا ہو یہ مولانا صبغۃ اللہ بختیاری صاحب ہی ہیں - جب قریب آئے تو تعارف ہوا، انتہائی خلوص، محبت، شفقت اور گرمجوشی سے ملے - میں فورًا انہیں ڈاکٹر صاحب کے پاس لے گیا جو قریب ہی کی ایک کرسی پر لوگوں

لے ایک مقام کا نام ہے -

سے مصروف گفتگو تھے ڈاکٹر صاحب سے بھی یہ اُن کی پہلی ملاقات تھی لیکن "تحریک جماعت اسلامی' ایک تحقیقی مطالعہ" کے ذریعہ مولانا کو ڈاکٹر صاحب سے غائبانہ تعارف حاصل تھا مِل کر بہت خوش ہوئے۔ رات خاصی ہو گئی تھی اس لئے تھوڑی دیر کی گفتگو کے بعد یہ کہہ کر رخصت ہو گئے کہ تفصیلی ملاقات ان شاء اللہ پھر ہو گی۔

میں یہاں یہ بتاتا چلوں کہ ڈاکٹر صاحب جب کسی محفل میں تشریف فرما ہوتے تو ابتداء میں تو میں ڈاکٹر صاحب کے پہلو والی کرسی پر بیٹھتا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب کہ ڈاکٹر صاحب کی کچھ گفتگو ہو چکی ہوتی تو پھر میں قریب ہی کی کسی اور کرسی پر جا بیٹھتا۔ اب وہ لوگ جو ڈاکٹر صاحب سے گفتگو کے بعد ڈاکٹر صاحب کی ذات اور اُن کے دعوتی کام کے سلسلہ میں مزید کچھ معلوم کرنا چاہتے وہ وہاں سے اُٹھ کر میرے پاس آنا شروع ہو جاتے لوگوں کا ایک حلقہ ڈاکٹر صاحب کے گرد ہوتا اور دوسرا میرے ساتھ۔ موقعہ کی مناسبت سے میں لوگوں کے نام و پتے نوٹ کر لیتا بعض باتیں جو لوگ تکلّف کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب سے نہ پوچھ پاتے وہ مجھ سے آکر معلوم کر لیتے۔

ذکر ہو رہا تھا مولانا صبغۃ اللہ بختیاری صاحب کا رات اُن سے مختصر ملاقات رہی تھی۔ صبح گیارہ بجے کے قریب موصوف مع مولوی عبدالجمیل باقوی صاحب کے ہوٹل تشریف لے آئے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ تھوڑی دیر قبل باسط صاحب ہمارے ہوٹل گاڑی لے کر آ گئے اور مدراس کے مضافات میں کسی تفریحی جگہ چلنے کو کہا وہ سیر کا پروگرام گھر سے بنا کر آئے تھے۔ ہم اُن کے ساتھ جانے کے لئے لفٹ تک پہنچے ہی تھے کہ لفٹ کا دروازہ کھلا اور اُس میں سے دو عدد "مولانا صاحبان" ایک مولانا صبغۃ اللہ بختیاری صاحب اور دوسرے مولوی عبدالجمیل صاحب' برآمد ہوئے ہم نے باسط صاحب سے معذرت کی اور ان حضرات کو لے کر اپنے کمرہ میں آ گئے۔ اس لئے کہ مولانا صبغۃ اللہ بختیاری صاحب سے ایک ملاقات پر ایسی لاکھ تفریحیں قربان ؎

اے دوست! کسی ہمدمِ دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقاتِ مسیحا و خضر سے

مولوی عبدالجمیل صاحب ہمراہ تھے - اُن کی شخصیت بھی خوب ہے - عالمِ دین ہیں - جنوبی ہند میں جمعیت علماء ہند کے ناظم ہیں - دیو بندیت رگ وپے میں رچی بسی ہے - بہت محبت اور خلوص سے ملتے ہیں - جس سے محبت کرتے ہیں خوب کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ بھی ان سے اسی طرح محبت کرے - یہی حال نفرت کا بھی سمجھ لیجیئے - دل کے صاف ہیں - کسی کی بات اچھی لگے یا بُری بلاکم وکاست اپنا نقطۂ نگاہ بیان کر دیتے ہیں - ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے اور یہ میں نے علماء میں بہت کم پائی ہے کہ اگر اُن کی غلطی واضح کر دی جائے تو فوراً تسلیم کر لیتے ہیں - ڈاکٹر صاحب کے ساتھ گفتگو میں بار ہا ایسے مواقع آئے کہ ایک آدھ ہی جملے کے بعد ڈاکٹر صاحب کے آگے SURRENDER ہو گئے اور مَیں اُن کی عظمت کا قائل ہو گیا ——— رات ولیمہ کے موقعہ پر ڈاکٹر صاحب سے پہلی بار ملے اور نہایت ہی گرمجوشی سے ملے - کہنے لگے کہ ڈاکٹر صاحب کے بارے میں پہلے میرا تاثر یہ تھا کہ ان کا تعلق جماعت اسلامی سے ہے چنانچہ میں نے اپنے تمام شاگردوں اور دوست واحباب کو بتایا کہ ان سے بچ کر رہنا جماعت اسلامی کا آدمی ہے لیکن جب کسی نے (غالباً مولانا بختیاری مدّ نے) مجھے "جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ" کتاب دی اور اسے میں نے جستہ جستہ پڑھا اس کے علاوہ شیخ الہندؒ کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کے خیالات معلوم ہوتے تو مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس کے بعد میں ایک ایک کے پاس گیا اور کہا کہ بھائی یہ جماعت اسلامی کا آدمی نہیں ہے اپنا ہی آدمی ہے ، جاؤ جاکر اُن سے ملو - اُن کے یہ " اپنا ہی آدمی ہے " کہنے پر واقعہ یہ ہے کہ مجھے ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا جماعت اسلامی سے انہیں خدا واسطے کا بیر ہے - اپنے قیام مدراس کے دوران ڈاکٹر صاحب نے بکمالِ حکمت انہیں جماعت اسلامی کے ساتھ مخاصمت اور مخالفت ترک کرنے کی طرف توجہ دلائی - اس لئے کہ اختلاف تو کسی سے کیا جا سکتا ہے لیکن مخالفت اور مخاصمت پسندیدہ چیز نہیں -

مولانا بختیاری صاحب اور مولوی عبدالجمیل صاحب کے ساتھ یہ نشست کوئی ڈیڑھ گھنٹہ تک رہی - دونوں کے آپس میں بہت ہی بے تکلفانہ تعلقات ہیں - زیادہ وقت مولانا بختیاری صاحب ہی باتیں کرتے رہے - برصغیر ہند و پاک میں دعوتِ

اسلامی کے مسائل اور جماعت اسلامی کا ماضی و حال زیر گفتگو رہا۔ مولوی عبدالجمیل صاحب بار بار درمیان میں گفتگو کو سیاسی مسائل کی طرف لے جانا چاہتے تھے لیکن مولانا بختیاری صاحب انہیں ٹوک دیتے تھے۔ اور وہ ہر بار خاموش ہو جاتے تھے لیکن اُن کی سیمابی طبیعت انہیں سیاسی مسائل پر گفتگو کے لئے بے چین کئے دے رہی تھی جس کا اس نشست میں انہیں موقعہ نہیں مل سکا۔

آئندہ ملاقات کے وعدہ پر مولانا بختیاری صاحب رخصت ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب سے اُن کو اتنی محبت ہو گئی تھی کہ جب تک ڈاکٹر صاحب مدراس میں رہے وہ بھی مدراس ہی میں رہے اور ویلور نہیں گئے اور تقریبًا روز ہی ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے لئے تشریف لاتے رہے اُن کا طرزِ تکلم اتنا میٹھا اور پیارا ہوتا تھا کہ بس دل میں گھر کر جاتا تھا بظاہر صوفی معلوم ہوتے تھے۔ گیروے رنگ کے کپڑے اور سبز رنگ کا صافہ۔ لیکن ظاہری صوفی کے باطن میں فکر ابھی تک "تحریکی" تھی جس کو کھرچا نہیں جا سکا تھا۔ اکثر 'احسان' کے موضوع پر گفتگو فرماتے تھے اور اپنے سلسلہ کو "سلسلۂ احسانی" قرار دیتے تھے۔ مختلف ملاقاتوں میں ڈاکٹر صاحب نے کوشش کی کہ مولانا کا کسی نہ کسی حد تک جماعت اسلامی سے سلسلہ قائم ہو جائے۔ امیر جماعت اسلامی صوبہ ٹامل ناڈو سے بھی ڈاکٹر صاحب کی جب ملاقات ہوئی تو ڈاکٹر صاحب نے انہیں توجہ دلائی کہ وہ حضرات مولانا سے تعلقات بڑھائیں، انہیں اپنے سے قریب لائیں اور اُن کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائیں

یہ مَیں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ہم ٹھیرائے ہوٹل میں گئے تھے اس لئے کہ شادی کی وجہ سے ہمارے میزبانٌ کے گھروں پر اُن کے قریبی اعزاء و اقرباء قیام پذیر تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ مہمانوں کے رخصت ہونے کے بعد ہمیں گھر پر منتقل کریں گے۔ ساڑھے تین بجے سہ پہر محمد حیات صاحب تشریف لائے۔ اور ہوٹل سے ہمیں سیٹھ محمد امین صاحب کے ہاں لے گئے۔ جو ہمارے نئے میزبان قرار پاتے۔ سیٹھ محمد امین صاحب کا تعلق احمد آباد سے ہے مدراس میں چمڑے کی تجارت شروع کی اور یہیں ہو کر رہ گئے کرائے کے مکان میں رہتے ہیں۔ اُن کی بیگم مع بچوں کے اپنے میکے کراچی گئی ہوئی تھیں۔ گھر خالی تھا۔ میزبانی کے لئے انہوں نے پیشکش

ملے ایک شہر کا نام ہے۔

فرمائی جسے ڈاکٹر نذیر محمد صاحب نے قبول کر لیا - چند روز قبل قلب میں تکلیف کی کچھ شکایت ہو گئی تھی اس لئے ہوٹل ہمیں لینے نہ جا سکے جس کی ڈاکٹر صاحب سے بار بار معذرت کرتے رہے اور اپنے دوست ملنگ محمد حیات صاحب کو بھیج دیا جو خود بھی چمڑے کے بیو پاری ہیں -

بھارت میں چمڑا برآمد کرنے کا سب سے بڑا مرکز مدراس ہے امرتسر تک سے کھالیں یہاں پر آتی ہیں - یہ کاروبار تمام کا تمام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے - مدراس اور اس کے آس پاس مسلمانوں کی بڑی بڑی ٹینریاں ہیں جنہوں نے اس کاروبار میں بڑی ترقی کی ہے - لکھ پتی ہونا تو کوئی بات نہیں یہاں پر مسلمان کروڑ پتی تک ہیں - بیوپاریوں کی اکثریت دین دار اور فرائض دینی کے پابند ہے - خدمت خلق اور دینی کاموں میں دل کھول کر خرچ کرتے ہیں - ہندوستان کے کسی خطہ میں مسلمانوں پر کوئی بپتا آئے یہاں کے مسلمان فوراً اُن کی مالی اعانت کے لئے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیتے ہیں - دیوبند اور دیگر دینی اداروں کی مالی اعانت کا بہت بڑا انحصار یہاں کے مسلمان تاجروں کا جذبہ دینی ہے - دیوبند اور دیگر دینی مرکزوں کے علماء اور سفراء اکثر یہاں کے دورے کرتے رہتے ہیں - اور یہاں کے تجار اُن کی نہایت تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور بھرپور مالی امداد کے ساتھ رخصت کرتے ہیں - ان تاجروں میں جماعت اسلامی سے متاثرین کا بھی ایک چھوٹا سا حلقہ ہے لیکن اکثریت دیوبند، ندوہ اور دیگر دینی اداروں سے وابستہ ہے -

سیٹھ محمد امین احمد صاحب اور ملنگ محمد حیات صاحب جماعت اسلامی کے بارے میں دل میں نرم گوشہ رکھتے ہیں - دونوں نہایت خلیق اور ملنسار ہیں - سیٹھ محمد امین صاحب ہمارے بہترین میزبان ثابت ہوئے - ہماری ذرا ذرا سی ضرورت کا خیال رکھتے تھے ہماری نہایت ہی خاطر مدارات کرتے تھے اور ساتھ ہی معذرتیں بھی کرتے جاتے تھے کہ جیسے کچھ نہ کر سکے ہوں - اللہ تعالیٰ اُنہیں جزائے خیر دے - آمین! مجھ سے خاص طور پر پوچھا کرتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب کو کوئی تکلیف تو نہیں، انہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں! اُن کا نوکر کھانا بھی پکاتا تھا اور گھر کا دیگر کام بھی کرتا تھا وہ بھی دن رات ہماری خدمت میں لگا رہتا تھا- ہمارے

اُنے سے قبل انہیں دل کی تکلیف ہوگئی تھی جس کے لئے مکمل آرام ضروری تھا لیکن ہمارے قیام کے دوران ہر وقت ہماری خدمت کے لئے کمربستہ رہتے تھے حالانکہ ہم اُن سے بہت کہتے تھے کہ آپ آرام کریں لیکن اُن کا جواب صرف ایک ہی ہوتا تھا کہ مجھے دِل کی کوئی شکایت نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ افسوس ہے کہ میں آپ کی کوئی خدمت نہیں کر پا رہا ــــ اور اس طرح ہم شرمندہ ہوکر رہ جاتے تھے۔ اللہ تعالےٰ سے دُعا ہے کہ وہ انہیں صحتِ کاملہ عطا فرمائے۔ آمین! ان تمام کاموں میں ملنگ محمد حیات صاحب بھائی امین صاحب کے دستِ راست تھے۔ انہیں جب بھی ذرا موقعہ ملتا گھر پر آموجود ہوتے۔ اُن کا بس چلتا تو ہمارے پاس سے ذرا نہ ہلتے ــــ اُن کا ایک انداز مجھے اب تک یاد ہے کہ جب اپنی کار میں وہ ہمیں کہیں لے جاتے اور گاڑی سے ہم اُترتے تو میں گاڑی کے شیشے چڑھا دیا کرتا جس کی مجھے عادت ہے تاکہ صاحبِ کار کو تکلیف نہ ہو۔ اس پر وہ مسکراتے ہوئے بڑے ہی پیارے انداز میں مجھے " THANK YOU " کہتے۔ اُن کا یہ انداز مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔

مرکزی میلاد کمیٹی مدراس جس نے ڈاکٹر صاحب کو مدراس میں سیرت نبویؐ پر خطاب کرنے کی دعوت دی تھی اس کے زیرِ اہتمام ہر سال یکم ربیع الاوّل تا ۱۲ ربیع الاوّل روزانہ جلسوں کا اہتمام ہوا کرتا ہے۔ اس میں شروع کے پانچ روز تو کسی مقامی عالم دین کی تقاریر ہوتی ہیں اور آخری سات روز ملک یا بیرونِ ملک کی کسی اہم شخصیت کو دعوتِ خطاب دی جاتی ہے۔ چنانچہ اس سال یکم ربیع الاوّل تا ۵ ربیع الاوّل مطابق ۸ جنوری تا ۱۲ جنوری ایک مقامی عالم دین کی تقاریر ہوئیں۔ یہ جلسے شہر کی تاریخی جامع مسجد والا جاہی کے وسیع احاطہ میں رات کو دس بجے منعقد ہوتے تھے کیونکہ یہی وقت یہاں کے لوگوں کی شرکت کے لئے موزوں ہوتا تھا۔ ۱۳ جنوری تا ۱۹ جنوری (منگل تا پیر) ڈاکٹر صاحب کے خطابات ہوئے جن کی ترتیب حسب ذیل تھی:۔

۱۳۔ جنوری ۔ اسلام میں نبوّت و رسالت کا تصوّر

۱۴۔ جنوری ۔ ختم نبوّت اور تکمیلِ رسالت

۱۵ - جنوری - حیاتِ طیبہ کا مکّی دور

۱۶ - جنوری - اندرونِ ملکِ عرب مقاصدِ رسالت کی تکمیل

۱۷ - جنوری - رسالتِ محمدّی کا بین الاقوامی مرحلہ

۱۸ - جنوری - نبی اکرمؐ سے ہمارا تعلق

۱۹ - جنوری - نبی اکرمؐ کے مشن کی تکمیل اور ہمارا فرض -

مرکزی میلاد کمیٹی نے ان اجتماعات کی پبلسٹی کا اچھی طرح بندوبست کیا۔ سب سے پہلے ایک پوسٹر شائع کیا جس میں ایک مقامی عالم اور ڈاکٹر صاحب کے خطابات کی اطلاع تھی - اس کے بعد دوسرا پوسٹر نکالا جس میں ڈاکٹر صاحب کے ساتوں دنوں کے خطابات کی تفصیلات تھیں یہ دونوں پوسٹر جہازی سائز میں شائع کئے گئے - علماء کرام اور مولوی حضرات کی طرح ہم نے آجتک کبھی ڈاکٹر صاحب کے نام کے آگے پیچھے القابات کی گردان نہیں لگائی - لیکن یہاں جو پوسٹر شائع ہوئے اُن میں ان حضرات نے ڈاکٹر صاحب کا نام ہر جگہ اس طرح لکھا:
"خطیبِ پاکستان رئیس الواعظین الحاج مولانا ڈاکٹر اسرار احمد صاحب صدر مؤسس انجمن خدّام القرآن لاہور پاکستان" - میں نے ڈاکٹر نذیر محمد صاحب سے کہا بھی کہ بھائی یہ القابات لگانے کی کیا ضرورت تھی ڈاکٹر صاحب کا نام ہی کافی تھا - مسکرا کر کہنے لگے اس سے آپ کو کوئی مطلب نہیں یہ جلسہ کے منتظمین کا کام ہے - پھر کہنے لگے کہ اس میں بھی حکمت ہے - یہاں پر جب تک لمبے چوڑے القابات نہ لگائے جائیں لوگ تقریر سننے نہیں آتے ، ——— ان دو پوسٹروں کے علاوہ ۱۲ ربیع الاوّل کی تقریر کے سلسلہ میں ایک علیحدہ پوسٹر بھی شائع کیا گیا -

انگریزی کے کثیر الاشاعت روزنامے (THE DAILY HINDU) اور (DAILY INDIAN EXPRESS) میں روزانہ اعلانات شائع کرائے گئے - اُردو کے واحد روز نامہ "مسلمان" میں روزانہ بڑے بڑے اشتہارات شائع کئے گئے - جس میں روزانہ کے پروگراموں کی تفصیل شائع ہوتی تھی -

مسجد والاجاہی کے احاطہ میں آج رات کو ساڑھے دس بجے ڈاکٹر صاحب کی

پہلی تقریر "اسلام میں نبوّت ورسالت کا تصوّر" کے موضوع پر ہوئی۔ کافی وسیع پنڈال تھا۔ ہمارے ہاں کی طرح یہاں پر شامیانے نہیں لگائے جاتے بلکہ بانسوں اور چٹائیوں سے پنڈال بنایا جاتا ہے۔ اسٹیج کی جگہ پر پنڈال کی چھت اونچی بنائی جاتی ہے۔ جہاں کپڑا لگایا جاتا ہے۔ اسٹیج کی جگہ تخت پر تین کرسیاں تھیں۔ ایک صاحب صدر کے لئے، ایک مقرّر کے لئے اور ایک اسٹیج سیکرٹری کے لئے۔ جلسوں کی صدارت مرکزی میلاد کمیٹی کے صدر جناب الحاج سلیمان محمّد ابراہیم سیٹھ فرماتے تھے اور اسٹیج سیکرٹری کے فرائض کمیٹی کے جنرل سیکرٹری ڈاکٹر نذیر محمد صاحب ادا کرتے تھے۔ پنڈال لوگوں سے بھرا ہوا تھا دورانِ تقریر بارش بھی ہوگئی۔ پنڈال جگہ جگہ سے ٹپکنے لگا لوگ بھیگتے رہے لیکن صبر وسکون کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کی تقریر سنتے رہے۔ تقریر کے بعد سیٹھ سلیمان صاحب ہمیں ماؤنٹ روڈ پر واقع بلال ہوٹل لے گئے جہاں لذیذ چائے سے ہماری تواضع کی۔ رات کو ایک بجے سیٹھ امین صاحب اور حیات صاحب کے ساتھ ہم واپس گھر لوٹے۔

میلاد کمیٹی کے جائنٹ سیکرٹری محمد عظیم صاحب بہت شریف اور نیک نوجوان ہیں۔ سرکاری ملازم ہیں۔ ہم سے بہت محبت ہے۔ جہاں ملتے ہیں آنکھیں بچھاتے ہیں پہلا سوال یہی ہوتا ہے کہ "میرے لائق کوئی کام"۔ پولیس میں ہمارے پاسپورٹ وغیرہ کا اندراج انہوں نے ہی کرایا تھا۔ روزانہ جلسہ میں بڑی محبت سے مجھے ایک میٹھا پان ضرور پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ میں پان کا عادی نہیں لیکن کتھے اور چونے کے ساتھ ساتھ محبت اور خلوص کا لگایا ہوا ان کا پان میں بڑے شوق سے کھاتا ہوں ـــــ ایک زمانہ میں پان کا بڑا عادی تھا (تمباکو کا نہیں) ہر وقت منہ میں پان کا ایک بیڑہ ہوتا تھا۔ یہ ۱۹۵۸ء یا ۱۹۵۹ء کی بات تھی کہ ڈاکٹر صاحب نے ایک بار کہہ دیا کیا بات ہے پان بہت کھانے لگے ہو۔ اُن کا یہ فرمانا تھا کہ اُسی وقت سے پان کھانا چھوڑ دیا۔ کم از کم دو سال تک ایک پان بھی نہیں کھایا۔ دوست احباب پان پیش بھی کرتے اور کہتے میاں کھالو کبھی کبھار ایک آدھ کھانے میں کیا حرج ہے۔ کچھ میرا جی بھی للچاتا لیکن سوچتا کہ یہ کبھی کبھار کا معاملہ بڑھتے بڑھتے پھر عادت نہ بن جائے اس لئے اس سے دُور رہنے میں ہی

عافیت ہے۔ دو سال کے بعد ڈاکٹر صاحب کے ساتھ کہیں گیا ہوا تھا غالباً مظفرؔ صاحب کے ہاں۔ وہاں پر پان کی طشتری آئی۔ ڈاکٹر صاحب نے پان کھا کر طشتری میری طرف بڑھا دی۔ عرصۂ دراز کے بعد پہلا پان میں نے وہ کھایا اور اس کے بعد مہینوں میں کبھی ایک آدھ بار کسی کے گھر پر کھا لیتا ہوں اور بس۔ لیکن یہاں ہمارے دوست عظیم صاحب روزانہ ہی پان سے تواضع کرتے رہے۔ البتہ پان کو "عادت" میں نے آج تک نہیں بننے دیا۔ پان ہی پر کیا موقوف ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں کسی چیز کو عادت کے طور پر نہیں رہنے دیا۔ ایک آدھ عادت دیر تک چمٹی رہی لیکن اس کے خلاف سخت جدّوجہد کرکے اس سے گلو خلاصی میں کافی حد تک کامیاب رہا ہوں۔

آج صبح میں نے مولانا وحیدالدین خان صاحب مدیرؔ "الرسالہ" کو دہلی فون کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اُن سے گفتگو کی۔ مولانا نے فرمایا کہ وہ ایک سیمینار میں شرکت کے لئے بھوپال آرہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے انہیں بمبئی آنے کی دعوت دی تاکہ ملاقات کی جا سکے   مولانا نے فرمایا کہ وہ بھوپال آنے کے بعد اپنے بمبئی آنے کی اطلاع دیں گے۔

مدراس کی ٹیلی فون ڈائرکٹری میں جماعت اسلامی کے دفتر کا ٹیلی فون نمبر نکال کر میں نے دفتر جماعت فون کیا۔ ناظم دفتر محمد عتیق صاحب سے گفتگو ہوئی۔ معلوم ہوا کہ امیر حلقہ جناب اعجاز احمد اسلم صاحب باہر دورے پر گئے ہوتے ہیں۔ میں نے عتیق صاحب کو ملاقات کی دعوت دی۔ انہوں نے وقت کا تعین بھی کر لیا لیکن پھر کسی شدید مصروفیت کی بنا پر ٹیلی فون کرکے معذرت کر لی۔

جب سے میں مدراس آیا تھا میں نے علی گڑھ اپنے بہنوئی اور کانپور اپنے چھوٹے بھائی کو ٹرنک کال بُک کرانے کی روزانہ کوشش کی لیکن پورے قیام مدراس کے دوران دونوں جگہ کی لائن نہیں مل سکی۔ ٹیلی فون آپریٹر کو روزانہ نمبر دیا جاتا تھا مگر معلوم ہوتا تھا کہ لائن خراب ہے نہیں مل رہی۔ معلوم ہوا کہ وہاں پر ٹیلی فون کا یہی حال رہتا ہے۔ اس لحاظ سے ہمیں اپنے ملک کا ٹیلی فون

کا نظام بہت بہتر معلوم ہوا۔ لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ انڈیا نہایت وسیع و عریض ملک ہے اور جتنا بڑا ملک ہے اتنے ہی وہاں کے مسائل ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہم نے کچھ PRIORITIES منتخب کیں اور انڈیا نے کچھ اور ۔

۱۴ ؍ جنوری سیٹھ محمد امین صاحب اور محمد حیات صاحب آج دوپہر ہمیں حفیظ الرحمٰن صاحب کے گھر لے گئے۔ جنہوں نے ہمیں کھانے پر مدعو کیا تھا۔ حفیظ صاحب، حیات صاحب کے قریبی عزیز ہیں۔ چمڑے کے بہت بڑے تاجر اور ٹینری کے مالک ہیں۔ جماعت اسلامی کے ہمدردوں میں سے ہیں۔ ان کے بھائی عبید اللہ صاحب جو جماعت کے رکن ہیں وہ بھی موجود تھے۔ حفیظ صاحب اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ انتہائی ذہین ہیں۔ تجارت کے مسائل پر دینی نقطۂ نگاہ سے سوچنا اہل علم سے ان مسائل پر تبادلۂ خیال کرنا اور تجارت کو دینی اصول پر استوار کرنے کی کوشش ان کے محبوب مشاغل ہیں۔ سرکاری محکموں کے تحت قائم کردہ مختلف کمیٹیوں میں بھی وہ شامل ہیں۔ جہاں وہ مسلمانوں کی بہتر نمائندگی کرتے ہیں۔ اور حکومت انکے مشوروں کو اہمیت دیتی ہے۔ بڑی تجارتوں اور صنعتوں کو سود سے پاک رکھنے میں انہیں نہایت دقت اور مشکلات کا سامنا ہے۔ اُن کے سامنے یہ مسئلہ ایک THEORY کے طور پر نہیں ہے بلکہ انہیں عملی طور پر (PRACTICALLY) درپیش ہے۔ یہ اُن کا اپنا اور دیگر ہم پیشہ برادری کا مسئلہ ہے۔ انہیں بڑی بڑی تجارتیں اور صنعتیں بھی چلانی ہیں اور وہ سود سے بچنا بھی چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے خاصا مطالعہ کیا ہے۔ بہت کچھ سوچ بچار کیا ہے۔ علماء اور اہل علم سے ملاقاتیں بھی کی ہیں اور آج کی نشست میں بھی یہی مسئلہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ زیر گفتگو رہا۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کی گفتگو میں معاملہ کے بہت سے پہلو سامنے آئے۔ کچھ پہلو ڈاکٹر صاحب نے نہایت شرح و بسط کے ساتھ واضح فرمائے۔

حفیظ الرحمٰن صاحب نے مسئلہ کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ آج کی دنیا میں تجارت اور صنعت کا زیادہ تر دار و مدار بینک اور دیگر مالیاتی اداروں کے FINANCES. پر ہوتا ہے۔ کسی صنعت یا تجارت میں تاجر یا صنعت کار

کا اپنا پیسہ بہت کم ہوتا ہے زیادہ تر رقم بینکوں اور مالیاتی اداروں سے قرض حاصل کی ہوئی ہوتی ہے ۔ اس کی مثال انہوں نے یوں دی کہ فرض کیجیے ایک شخص اپنے پاس سے ۳۳ روپے INVEST کرتا ہے ۔ اس کی دگنی رقم یعنی ۶۷ روپے مالیاتی ادارے قرض دیدیتے ہیں ۔ مزید برآں اس کی دگنی رقم یعنی دوسو روپے بینک WORKING CAPITAL کے طور پر قرض دیدیتا ہے اب تین سو روپے کی تجارت یا صنعت میں ایک شخص کا اپنا حصہ صرف ۳۳ روپے ہوتا ہے ۔ یعنی کل رقم کا صرف دس فی صدی ۔

انڈیا کے ٹیکس کے نظام کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے ایک تاجر یا صنعت کار کے منافع کا تعین دو صورتوں میں کیا پہلی صورت جس میں وہ بینک اور مالیاتی اداروں سے رقم سود پر لیتا ہے اور دوسری صورت جب کہ وہ تمام رقم اپنے پاس سے لگاتا ہے اور کوئی رقم کہیں سے سود پر قرض نہیں لیتا ۔ ان دونوں صورتوں کے لئے انہوں نے جو مثالیں دیں بہتر ہوگا کہ وہ بھی پیش کر دی جائیں ۔

پہلی صورت :-

ایک شخص کا اپنا سرمایہ	3.3 لاکھ
مالیاتی اداروں سے قرض لیا	6.7 لاکھ
میزان	10.00 لاکھ
ورکنگ سرمایہ (بینک کا قرضہ)	۲0 لاکھ
فروخت (TURN OVER)	80 لاکھ
اندازاً منافع - فروخت کا چھ فی صد	4.8 لاکھ
مالیاتی اداروں کو سود کی ادائیگی	0.70 لاکھ
بینک کو سود کی ادائیگی	3.۲0 لاکھ
بقایا	0.90 لاکھ
ٹیکس کی ادائیگی	0.60 لاکھ
حتمی منافع (NET PROFIT)	0.30 لاکھ

یعنی اُس شخص کی اپنی INVEST کی ہوئی رقم کا دس فی صد۔

دوسری صورت

تجارت اور صنعت کی دوسری شکل یہ ہے کہ سُود کی لعنت سے بچنے کے لئے بینکوں یا مالیاتی اداروں سے کوئی قرض نہ لیا جاتے بلکہ تمام سرمایہ کاری اپنے ذرائع سے کی جائے۔ اس صورت میں ایک شخص کو تیس لاکھ روپے اپنے پاس سے یا اپنے ذرائع سے (سُود پر کوئی رقم لئے بغیر) لگانے ہوں گے تو پوزیشن یہ رہے گی۔

فروخت (TURN-OVER)	80.00	لاکھ
منافع (فروخت کا چھ فی صد)	4.8	لاکھ
ٹیکس کی ادائیگی	2.4	لاکھ
حتمی منافع (NET-PROFIT)	2.4	لاکھ

یعنی کُل لگائی ہوئی رقم کا آٹھ فی صد۔

حفیظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ پہلی صورت میں ایک شخص جب کہ سُود پر بینک اور مالیاتی اداروں سے قرض حاصل کرتا ہے۔ اپنی لگائی رقم [illegible] پر دس فی صد منافع حاصل کرتا ہے لیکن دوسری صورت میں جب کہ وہ سُود کی لعنت سے بچتے ہوئے بینکوں اور مالیاتی اداروں سے قرضہ لئے بغیر کاروبار کرتا ہے تو اپنے پاس سے دس گنا مزید رقم لگانے کے باوجود بھی کم منافع یعنی صرف آٹھ فی صد حاصل کرتا ہے۔ اس طرح ظاہر ہے کہ سرمایہ کا بہاؤ تو اسی طرف رہے گا جدھر منافع زیادہ ملتا ہو۔ اور ایک نسلی مسلمان کے لئے دوسری صورت میں کوئی کشش نہیں ہوگی۔ کشش اس صورت میں تو پیدا کی جا سکتی ہے اگر حکومت اسلامی ہو اور وہ ٹیکسوں اور بینک کے نظام میں ایسی اصلاحات کرے جن سے ایک تاجر اور صنعت کار کو دین پر چلنا آسان ہو لیکن یہاں بھارت میں تو اس کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

حفیظ الرحمٰن صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اگر نفع و نقصان میں شراکت کے اصول پر بھی تجارت اور صنعتوں کو چلایا جائے تب بھی ایک شخص کو اپنے سرمایہ پر نہایت ہی کم NEGLIGBLE منافع ملتا ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں سرمایہ

کا تناسب یہ ہوگا۔ تین سو کی تجارت میں ۳۳ روپے اُس شخص کے اپنے ہوں گے اور ۲۶۷ روپے بینک اور مالیاتی اداروں کے۔ یعنی تقریباً ایک اور نو کی نسبت ہوگی۔ اس طرح اُس شخص کو اپنے سرمایہ پر تین فی صد سے زیادہ منافع نہیں مل سکے گا۔ جو ظاہر ہے نہ ہونے کے برابر ہے۔

حفیظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ اگر ہم جائنٹ اسٹاک کمپنی بناتے ہیں تو اس صورت میں DIVIDEND دینے سے قبل ۶۰ سے ۶۵ فی صد رقم انکم ٹیکس کے طور پر چلی جاتی ہے۔ اگر ایک کمپنی اخراجات وغیرہ کی منہائی کے بعد بیس فی صد منافع حاصل کرتی ہے تو انکم ٹیکس کی ادائیگی کے بعد آٹھ فی صد سے زیادہ DIVIDEND نہیں دے سکتی۔ اور ۲۰ سے ۲۵ فی صد منافع بھی وہ کمپنیاں کماتی ہیں جو بہت پرانی اور WELL - ESTABLISHED ہیں اور جن کے پاس RESERVES کی وافر مقدار ہے۔

ڈاکٹر صاحب اور ہم حفیظ الرحمٰن صاحب کی گفتگو نہایت توجہ سے سن رہے تھے۔ یہ سب کچھ بیان کر کے حفیظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ ہم نے سود سے پاک تجارت اور صنعتیں چلانے کے لئے موجودہ ٹیکس کے نظام کے تحت ایک حل سوچا ہے جس میں سود کی لعنت سے بھی بچا جا سکتا ہے۔ اور معقول منافع بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور وسیع پیمانے پر کاروبار یا صنعت بھی چلائی جا سکتی ہے۔ اُن کے نزدیک اس کا حل یہ تھا۔

اوپر جو دو صورتیں درج کی گئی ہیں اُن میں تیس لاکھ کی رقم درکار تھی وہ اس طرح حاصل کی جائے چار پارٹنرشپ فرم قائم کی جائیں۔ ہر فرم میں پندرہ پارٹنرز ہوں اور ہر پارٹنر پچاس پچاس ہزار روپے فراہم کرے۔ چاروں پارٹنرشپ فرمیں آزاد ہوں لیکن کاروبار مشترکہ ہو اور اس کے لئے ایک COMMON منتظمہ ہو۔ اس سرمایہ پر منافع (RETURN) جیسا کہ اوپر کی مثالوں میں دیا ہوا ہے 4.8 لاکھ ہوگا جسے ۶۰ شرکاء میں تقسیم کر دیا جائے گا اور ہر شریک (PARTNER) کے حصّے میں آٹھ ہزار روپے آئیں گے جو انکم ٹیکس کی حد سے کم ہیں۔ اس طرح ہر شخص کو اپنے سرمایہ پر سولہ فی صد

منافع ملے گا جب کہ اُوپر دی ہوئی دو مثالوں یعنی پہلی اور دوسری صورت میں بالترتیب دس اور آٹھ فی صد منافع ملتا ہے۔

حفیظ الرحمٰن صاحب نے بتایا کہ انڈین پارٹنرشپ ایکٹ کے تحت شرکاء کی تعداد ۱۹ تک ہو سکتی ہے۔ پارٹنرشپ کا منافع اگر سپر ٹیکس کی حد میں آجاتے اور یہ ادا کرنا ہو تب بھی شرکاء (RARTNERS) کو معقول منافع اور پہلی درج شدہ دو صورتوں سے زیادہ ملتا ہے۔

حفیظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ ہم نے اپنے ملک کے حالات اور قوانین کے تحت اس طریقہ کو بہتر سمجھا ہے۔ تاکہ ایک طرف سُود کی لعنت سے بھی بچے رہیں اور دوسری طرف معقول منافع بھی حاصل ہوتا رہے۔ اس کے لئے انہوں نے "المیزان" کے نام سے ایک ادارہ کی تشکیل کی ہے جس کے تحت ملک کے مختلف حصوں میں اس طریقہ پر کاروبار چلایا جاتے گا۔ اللہ تعالےٰ حفیظ الرحمٰن صاحب اور اُن جیسی سوچ رکھنے والے دوسرے حضرات کو جزائے خیر دے اور کامیابی عطا فرمائے۔ آمین! ورنہ واقع یہ ہے کہ اچھے خاصے دیندار لوگ جن کے معتقدین کے نزدیک وہ اگر دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں، اپنی تجارتوں اور صنعتوں میں سُود کی آمیزش اُن کے ضمیر میں ذرا بھی خلش پیدا نہیں کرتی اور سُود اُن کے لئے ھنیئاً مریئاً بنا ہوا ہے ع، کہ ہم نے انقلابِ چرخ گرداں یوں بھی دیکھا ہے۔

حفیظ الرحمٰن صاحب جتنے نفیس آدمی ہیں اُنہی کے ذوق کے مطابق اُن کی خوبصورت کوٹھی ہے اور اتنا ہی لذیذ اُن کے ہاں کا کھانا تھا۔

کئی گھنٹے کے تبادلۂ خیال کے بعد ہم اپنی قیام گاہ پر واپس آتے۔ حفیظ الرحمٰن صاحب کو ہم نے ڈاکٹر صاحب کی کتابوں کا ایک سیٹ ہدیہ کیا۔ حفیظ الرحمٰن صاحب کے ہاں کھانے پر رحمت اللہ صاحب بھی مدعو تھے جو کراچی میں یونائیٹڈ بنک میں ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز ہیں اور امتیاز صاحب کی شادی میں شرکت کے لئے آئے ہوئے تھے۔

بعد نماز مغرب مسجد پیری میٹ میں ڈاکٹر صاحب کی تقریر تھی۔ پیری میٹ یہاں کا وہ علاقہ ہے جہاں پر چمڑے کے تمام کاروباری اداروں کے دفاتر ہیں۔ پورے انڈیا میں مدراس چمڑے کی سب سے بڑی منڈی ہے اور اس منڈی کا مرکز پیری میٹ

ہے کروڑوں اور اربوں روپے کا کاروبار یہاں پر ہوتا ہے ۔ جو سب کا سب مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے ۔ یہاں پر چمڑے کے کاروباری حضرات نے ایک خوبصورت مسجد بنوائی ہے جس میں آج ڈاکٹر صاحب کی تقریر تھی ۔ چمڑے کے ایک بڑے بیوپاری نذیر احمد صاحب اس مسجد کے سیکرٹری ہیں جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کو اس مسجد میں تقریر کے لئے مدعو فرمایا تھا ۔ ورنہ اس مسجد میں عام طور پر دینی مدرسوں اداروں اور خصوصاً دیوبند کے علماء کرام یہاں کے دورہ کے موقع پر خطاب کیا کرتے ہیں ۔ نذیر احمد صاحب نے ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے سلسلہ میں ایک پوسٹر بھی شائع کرایا ۔ مسجد کا ہال ، دالان اور صحن لوگوں سے بھرے ہوئے تھے ۔ سب سے پہلے مولوی عبدالجمیل باقوی صاحب نے ڈاکٹر صاحب کا اپنے مخصوص انداز میں تعارف کرایا مولانا صبغۃ اللہ بختیاری صاحب بھی موجود تھے ۔ ڈاکٹر صاحب تقریر کے موضوع کا آخری وقت تک فیصلہ نہ کر سکے تھے لیکن جب تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو تقریر کی اور خوب کی ۔ سوا گھنٹے کی تقریر لوگوں نے نہایت صبر و سکون کے ساتھ سُنی ، تقریر کا موضوع "پندرھویں صدی ہجری اور اُس کے ہم سے تقاضے" تھا ۔ لوگ تقریر سے بہت متاثر ہوئے ۔

عشاء کی نماز کے بعد ملنگ محمد حیات صاحب کے گھر پُر تکلف کھانا کھایا ۔ تھوڑی دیر آرام کیا اور پھر احاطہ مسجد والاجاہی چلے گئے جہاں آج ڈاکٹر صاحب کی دوسری تقریر ہوئی جس کا موضوع تھا : "ختم نبوت اور تکمیلِ رسالت" ۔ آج بھی بادل چھائے ہوئے تھے ۔ کل چونکہ بارش ہوگئی تھی اسلئے منتظمین نے آج کا جلسہ مسجد کے ہال میں رکھا ۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر کوئی بارہ بجے رات ختم ہوئی ۔

آج سہ پہر پیرپیر ٹوبیکو کمپنی کے چیرمین جناب عبدالصمد صاحب اپنے سیکرٹری رفعت صاحب کے ساتھ ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے لئے ہماری قیام گاہ پر تشریف لائے ۔ شادی کے مہمانوں کی وجہ سے اُن کو اتنی مصروفیت رہی تھی کہ پہلے آ نہیں سکے تھے ۔ بہت معذرت کر رہے تھے ۔ انہیں ڈاکٹر صاحب کا بڑا خیال رہتا تھا ۔ وہ اتنی سادہ طبیعت کے آدمی ہیں ، ان میں اتنی تواضع اور

منکسر المزاجی ہے اور ان کی باتوں میں اس بلا کی سادگی ہوتی ہے کہ انہیں دیکھ کر کوئی کہہ نہیں سکتا کہ یہی وہ شخص ہے جو پیپر ٹوبیکو کمپنی جیسے ادارہ کو نہ صرف چلا رہا ہے بلکہ ترقی کی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔

۱۵ر جنوری (جمعرات) صبح دس بجے مولانا سید صبغۃ اللہ شاہ بختیاری صاحب تشریف لائے اور ظہر تک ڈاکٹر صاحب سے مختلف مسائل پر تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔ حیدرآباد دکن میں موصوف کی نوجوانی کا دور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے ساتھ گزرا ہے اُس دَور کے مولانا بہت سے واقعات سُناتے رہے۔ مولانا مرحوم کے ساتھ شاہ صاحب کی بہت بے تکلفی رہی تھی۔ تحریکِ جماعت اسلامی میں عرصۂ دراز تک ساتھ کام کیا تقسیم برّصغیر کے بعد جماعت اسلامی ہند کی قیادت سے شاہ صاحب کے اختلافات پیدا ہو گئے اور انہوں نے رکنیت سے استعفیٰ دیدیا۔ جماعت اسلامی کی فکر اب بھی ان میں رچی بسی ہے۔ مولانا مودودی صاحب مرحوم و مغفور کے اب بھی انتہائی عقیدت مند ہیں اور ان کا نام نہایت ہی محبت اور احترام سے لیتے ہیں۔

میرے ساتھ گفتگو میں ایک دفعہ پشاور یونیورسٹی کے صدر شعبۂ عربی مولانا محمد اشرف صاحب کا نام بہت عقیدت کے ساتھ لیا۔ میں نے جب انہیں بتایا کہ میرا لڑکا اُسامہ اُن سے بیعت ہے تو بہت خوش ہوئے۔ زمانۂ قیام مدراس میں کئی بار مجھ سے کہا کہ اپنے بیٹے اُسامہ سے کہنا کہ ہمارا اسلام اپنے پیر صاحب تک پہنچا دے۔ مولانا محمد اشرف صاحب کے نام مجھے ایک خط بھی دیا جو میں نے انہیں لاہور سے حوالۂ ڈاک کر دیا۔

عصر کے بعد دو نوجوان تشریف لائے۔ چہرے پر چھوٹی سی خوبصورت داڑھی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کی تقاریر کے دوران کئی بار علیک سلیک ہوئی تھی لیکن تعارف نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ دو نوجوان اور اُن کے ساتھی مدراس میں ایک عربک اسٹڈی سرکل اور ایک لائبریری۔ صفّہ لائبریری کے نام سے چلا رہے ہیں۔ دینِ حق کے غلبہ اور قرآن مجید کی زبان عربی کے فروغ کے لئے بہت جوش و جذبہ سے کام کر رہے ہیں۔ ان میں ایک صاحب کا نام تھا سید کرامت اللہ بھمنی اور دوسرے

نوجوان بھتے رشید صاحب۔

یہ نوجوان دن میں مختلف تجارتی اداروں میں ملازمت کرتے ہیں اور شام و رات کے فارغ اوقات میں تعلیمی و تبلیغی کام کرتے ہیں۔ عربی اسٹڈی سرکل اور صفہ لائبریری کا قیام ۱۹۷۱ء میں عمل میں آیا تھا۔ عربی کورس کا پہلا گروپ (BATCH) جنوری ۱۹۷۲ء میں داخل ہوا شہر میں تین جگہ عربی پڑھانے کے مراکز قائم ہیں جن میں ایک سو سے زائد طلباء عربی کی تحصیل کر رہے ہیں۔ ایک سال کا کورس ہوتا ہے۔ اسٹڈی سرکل اور لائبریری غیر تجارتی بنیادوں پر چلائے جا رہے ہیں۔

صفہ لائبریری میں مختلف زبانوں میں بہت سی کتابیں ہیں جو لوگوں کو مطالعہ کے لئے جاری کی جاتی ہیں۔ دارالمطالعہ میں انڈیا کے علاوہ سعودی عرب، کویت، شام ملائشیا، جاپان، امریکہ، جنوبی افریقہ، ایران، مغربی جرمنی، پاکستان اور دوسرے بہت سے ملکوں سے اردو عربی اور انگریزی میں رسائل و جرائد آتے ہیں۔ دارالمطالعہ اور لائبریری عام لوگوں کے لئے کھلی رہتی ہے۔

عربک اسٹڈی سرکل اور صفہ لائبریری کی متحرک شخصیت سید کرامت اللہ بھمنی صاحب کی ہے جو ان اداروں کے سیکرٹری ہیں۔ انہوں نے مجھ سے شکایت کی کہ پاکستان سے رسائل و جرائد انہیں بہت کم ملتے ہیں۔ ہم اُن کا پتہ درج کئے دیتے ہیں اور پاکستان کے رسائل و جرائد کے ذمہ دار حضرات سے گذارش کرتے ہیں کہ دیار ہند میں خاموشی کے ساتھ تعمیری کام کرنے والے ان نوجوانوں کی مدد کی جائے اور انہیں اپنے رسائل و جرائد اعزازی طور پر جاری کر دیئے جائیں۔ ان کا پتہ یہ ہے۔

ARABIC STUDIES CIRCLE AND
SUFFAH LIBRARY
55, STRAHANS ROAD
MADRAS-600-012 (INDIA)

دینی و تعمیری موضوعات پر کتب ارسال کر کے بھی ان کی مدد اور حوصلہ افزائی کی جا سکتی ہے۔ دونوں نوجوان کافی دیر تک ڈاکٹر صاحب سے مصروفِ گفتگو رہے اپنے کام کا تعارف کرایا اور اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب سے مفید مشورے حاصل

وہ تو اچھے تن و توش والے تھے۔" یہ تو ایک مثال ہے دیگ کے اس ایک چاول سے آپ کو پوری دیگ کا پتہ چل جائے گا ـــــ ہائے ؎

متاعِ دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خونریز ہے ساقی

ان کی تقریر کا انقباض منتظمینِ جلسہ میں سے اکثر حضرات کے چہروں پر عیاں تھا بعد میں معلوم ہوا کہ مولوی عبدالجمیل صاحب اور دیگر حضرات نے تقریر کے بعد کسی مجلس میں مولانا موصوف کو توجہ بھی دلائی کہ آپ نے یہ کس قسم کی تقریر کی ہے۔!

جامع مسجد پیری میٹ میں نمازِ عشاء پڑھ کر اور کچھ دیر گھر پر آرام کر کے احاطہ مسجد والاجاہی پہنچے جہاں آج سیرتِ نبوی کے جلسہ میں ڈاکٹر صاحب کی تیسری تقریر تھی۔ آج کی تقریر کا موضوع تھا "حیاتِ طیبہ کا مکی دور" ـــــ جلسہ میں حاضرین کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی۔ اس لئے کہ جو لوگ تقریر سن کر جاتے تھے وہ اپنے احباب کو بھی ساتھ لے کر آتے تھے کیونکہ ڈاکٹر صاحب کی تقریر عام ڈگر سے ہٹ کر اُن کے لئے نہایت متاثر کن تھی۔ جلسہ میں تعلیم یافتہ حضرات کثیر تعداد میں موجود ہوتے تھے۔ آج چونکہ مطلع صاف تھا اس لئے جلسہ پنڈال میں ہوا۔ اور آخر تک تمام جلسے پنڈال ہی میں ہوتے رہے۔ رات حسبِ معمول تقریباً بارہ بجے گھر واپسی ہوئی۔

۱۶ / جنوری (جمعہ)

آج بھی ملاقات کے لئے لوگوں کا تانتا بندھا رہا۔ مولانا سید صبغۃ اللہ شاہ بختیاری صاحب، چمڑے کے بیوپاری اور مسجد پیری میٹ کے سیکرٹری نذیر احمد صاحب اور مولوی عبدالجمیل صاحب کے بھتیجے مولوی عبدالباقی صاحب (جو طباعت کا کام کرتے ہیں) ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ نذیر احمد صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے درخواست کی کہ وہ مسجد پیری میٹ میں خطبۂ جمعہ ارشاد فرمائیں جسے ڈاکٹر صاحب نے قبول فرمالیا۔

عربک اسٹڈی سرکل کے کرامت اللہ بھٹی صاحب اور رشید صاحب آج پھر ملاقات کے لئے تشریف لائے۔

عبدالصمد صاحب اور ڈاکٹر نذیر محمد صاحب ملاقات کے لئے تشریف لائے
ان کے ساتھ نذیر احمد صاحب اور عبدالباقی صاحب بھی تھے جو صبح بھی تشریف
لا چکے تھے - آنے کا مقصد یہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب کا آمبور، وانم باڑی اور ویلور
کا پروگرام طے کیا جائے یہ تینوں مقامات مدراس سے کوئی ایک سو میل دور
مشرق میں ہیں - یہاں پر مسلمانوں کی اکثریت ہے یا وہ خاص بڑی تعداد میں
ہیں - مدراس میں جو چمڑے کے تاجر حضرات ہیں اُن کی کثیر تعداد ان مقامات
کی رہنے والی ہے اور یہیں پر اُن کی بڑی بڑی TANNERIES
ہیں - عبدالصمد صاحب نے ہمارے ویزا کے تین مقامات میں سے ایک مقام آمبور
بھی لکھوایا ہوا تھا - طے یہ پایا کہ ہم لوگ کل صبح بذریعہ کار ان مقامات کے لئے
روانہ ہو جائیں گے اور پرسوں شام تک واپس آجائیں گے -

جامع مسجد پیری میٹ میں ڈاکٹر صاحب نے خطبۂ جمعہ ارشاد فرمایا جس میں
سورۃ جمعہ کی روشنی میں خطبۂ جمعہ کی اہمیت بیان کی - لوگوں نے برملا کہا کہ
دارالعلوم دیوبند اور دیگر دینی اداروں کے علماء کرام اپنے اداروں کی مالی اعانت
کے سلسلہ میں اکثر یہاں کے چکر لگاتے رہتے ہیں اور اس مسجد میں خطبۂ جمعہ بھی دیتے
ہیں - اکثر حضرات کی وہی گھسی پٹی تقریریں ہوتی ہیں - جن میں سیاسی مسائل
ہوتے ہیں، فقہی مسائل ہوتے ہیں - فرقہ وارانہ مسائل ہوتے ہیں اور نہیں
ہوتی تو دعوتِ قرآن — وہ ذکر جس کے لئے دین میں خطبۂ جمعہ کا التزام کیا گیا
ہے - لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ خطبۂ جمعہ کی اصل اہمیت تو اب ہمارے سامنے آئی ہے

جامع مسجد پیری میٹ کے سیکرٹری نذیر احمد صاحب نے ہمارے لئے ایک
پُرتکلف ظہرانہ کا اہتمام کیا ہوا تھا - جس میں بہت سے دیگر شرکاء کے علاوہ
مولانا سید صبغۃ اللہ شاہ بختیاری صاحب اور مولوی عبدالجمیل صاحب بھی موجود
تھے - کھانے کے دوران بھی لوگوں نے ڈاکٹر صاحب سے مفید گفتگو کی -

تقی الدین اسٹریٹ پر ڈاکٹر نذیر محمد صاحب کا کلینک ہے اور اس اسٹریٹ
پر ذرا آگے چل کر جماعت اسلامی حلقۂ تامل ناڈو کا دفتر بھی - ایک روز میں
دفتر جماعت کا چکر لگا آیا تھا - جہاں ناظم دفتر محمد عتیق صاحب سے ملاقات ہوئی - امیر حلقہ

ابھی تک دورہ پر تھے - محمد عتیق صاحب بہت اچھی طرح پیش آئے اور لذیذ چائے اور بسکٹوں سے خاطر تواضع کی - آج بعد نماز مغرب ڈاکٹر صاحب اور میں دفتر جماعت اسلامی گئے - محمد عتیق صاحب موجود تھے - امیر حلقہ ابھی تک صوبہ کے دورہ سے واپس نہیں آئے تھے - ہم نے ڈاکٹر صاحب کی اُردو اور انگریزی کتب کا ایک سیٹ دارالمطالعہ کے لئے پیش کیا - عتیق صاحب نے ڈاکٹر صاحب کا بہت اکرام کیا اور بڑی خاطر تواضع کی انڈیا اور خصوصاً صوبہ تامل ناڈو میں جماعت کے کام کے سلسلہ میں عتیق صاحب نے ہمیں تفصیلات سے آگاہ کیا - حیدر آباد دکن میں ہونے والے سالانہ اجتماع کی تیاریاں زوروں پر تھیں - اس وجہ سے امیر حلقہ کا دَورہ کچھ زیادہ طویل ہو گیا تھا - عتیق صاحب کے اخلاق سے ہم بہت متاثر ہوئے انہوں نے ہمیں محسوس تک نہ ہونے دیا کہ ہم کسی "غیر جگہ" ہیں -

احاطۂ مسجد والاجاہی میں سوا دس بجے ڈاکٹر صاحب کی تقریر شروع ہوئی۔ آج چوتھی تقریر تھی —— اس کا موضوع تھا! "اندرونِ ملکِ عرب مقاصد رسالت کی تکمیل"

ان تقریروں میں ڈاکٹر صاحب کو دُو مشکلات کا سامنا تھا - ایک تو یہ کہ یہاں پہ قاعدہ ہے کہ تقریر کے بعد ہر شخص مقرر سے مصافحہ بلکہ ہاتھ چومنے کی کوشش کرتا ہے - ظاہر ہے کہ ہمارے ڈاکٹر صاحب بڑے لمبے چوڑے القابات والے "مولانا صاحب" تو ہیں نہیں جو اپنے ہاتھوں پر بوسوں کی بارش سے پھولے نہیں سماتے - ڈاکٹر صاحب تو ان چیزوں سے دُور بھاگتے ہیں - دوسری مشکل یہ تھی کہ تقریر کے بعد بآوازِ بلند سلام کا پڑھنا یہاں پر لازمی (MUST) تھا جس سے مفر کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی اور جو اس سے بھاگا اُس پر وہابی کا ٹھپّہ لگ جاتا تھا - جامع مسجد پیری میٹ اس لحاظ سے بہتر تھی کہ وہ ان بدعات اور خرافات سے پاک تھی ڈاکٹر صاحب نے ان مشکلات کا ذکر ڈاکٹر نذیر محمد صاحب سے کیا ڈاکٹر نذیر محمد صاحب ہمارے ڈاکٹر صاحب کی مشکل کو سمجھ گئے اُن کا خود اپنا معاملہ "بَین بَین" تھا - ان دُو مشکلات کا حل یہ نکالا گیا کہ ڈاکٹر صاحب

کی تقریر کے بعد ڈاکٹر نذیر محمد صاحب یا کوئی اور صاحب مختصر سی تقریر کردیا کریں اور ڈاکٹر صاحب اپنی تقریر کے بعد اس دوسری تقریر کو صبر وسکون کے ساتھ سننے کی تلقین کرکے "موقعہ سے فائدہ اٹھالیا کریں"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس دوران ڈاکٹر صاحب آہستہ سے "کھسک" جاتے تھے۔ لیکن اسٹیج سے کار تک تیز تیز قدم سے پہنچتے پہنچتے بھی کچھ نہ کچھ لوگ اٹھ کر مصافحہ کرنے کی کوشش کر ہی ڈالتے تھے۔ شروع شروع میں تو کافی کانا پھوسی ہوتی رہی کہ یہ مولوی تو وہابی معلوم ہوتا ہے سلام نہ صرف یہ کہ پڑھتا نہیں بلکہ سلام کے وقت موجود بھی نہیں رہتا۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کی پُر اثر تقریر نے رفتہ رفتہ اس کانا پھوسی کے غبارہ سے ہوا نکال دی اور لوگ ان سب باتوں کے عادی سے ہوگئے — واضح رہے کہ جلسہ کی حاضری میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ روز بروز حاضری بڑھتی ہی رہی اور ان جلسوں میں وہ لوگ بھی رفتہ رفتہ آنا شروع ہوگئے جو اپنے مخصوص عقائد کی وجہ سے ان جلسوں میں آنے کا نام تک نہ لیتے تھے بلکہ لوگوں کو جانے سے روکتے تھے اور جو نہیں رکتا تھا اُس پر "بدعتی" کا ٹھپہ لگا دیتے تھے — افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے اکثر علماء فرقہ وارانہ سطح سے نیچے آنے کو تیار ہی نہیں ہوتے۔ اپنی ڈفلی اپنا راگ ہے۔ اُن کا کام بس یہ رہ گیا ہے کہ اپنے فرقہ کی مسجدوں میں اپنے فرقہ کی خوبیاں بیان کرو اور دوسرے فرقہ کے خلاف دھواں دھار تقریروں کی توپوں سے گولے داغو۔ اور لوگ خوش ہوجاتے ہیں کہ "واہ کیا کمال دکھایا ہے میرے مولوی نے" یہ توپیں تقریباً ہر فرقہ کی طرف سے ایک دوسرے کے خلاف داغی جاتی ہیں اور داغی جارہی ہیں مولوی بیچارہ اس کے لئے مجبور بھی ہے اس لئے کہ اُس کی تعلیم بھی اسی نہج کی ہوتی ہے اور اُس کا حلوہ مانڈا بھی اُسی سے چلتا ہے (اِلّا ماشاءاللہ) اس مقام پر ڈاکٹر صاحب کی تقریروں نے ہوا کا رُخ کچھ بدلا ہے۔ اتحاد بین المسلمین کا کچھ مظاہرہ ہوا ہے گلشن میں کچھ تو پھول کھلے ہیں۔ کاش کہ ان پھولوں کو پھر بادِ صرصر اُڑا کر نہ لے جائے — کاش کہ فرقہ واریت ڈوبے اور "اسلامیت" کا تشخص ابھرے۔ ہندوستان میں مسلمان جس صورتِ حال سے دوچار ہیں اُس میں تو یہ اور بھی ضروری ہے کہ وہاں اُن کے درمیان فقہی کلامی

اور اس نوع کے اختلافات ختم نہ بھی ہوں تو کم از کم ان میں اعتدال تو پیدا ہو تاکہ ایک اُمّتِ مسلمہ کا تصوّر اُبھرنے میں ممد ہو سکے ۔ شاعرِ مشرق نے کیا خوب کہا ہے ؂

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا دنیا میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

اور

یوں تو سیّد بھی ہو، مرزا بھی ہو افغان بھی ہو!
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو!

اسپین کی سرزمین سے جہاں ہم نے سینکڑوں سال نہایت شان و شوکت سے حکومت کی تھی ہم مٹا دیئے گئے ہم نسیاً منسیا ہو گئے ۔ جیسے کہ ہم وہاں کبھی تھے ہی نہیں ۔ بھارت میں بھی کبھی خاموشی سے اور کبھی منظرِ عام پر ہماری نسل کشی کی کوشش ہو رہی ہے ۔ اس صورت میں تو اتحاد بین المسلمین کی شدید ضرورت ہے ۔ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بننے کی ضرورت ہے — اگر یہ نہیں تو پھر کچھ نہیں ۔ اسپین کی مثال ہمارے سامنے ہے ۔

نہ سمجھو گے تو مِٹ جاؤ گے اے ہندی[1] مسلمانو!
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

ہے کوئی رجل رشید — جو ہماری اس بات پر کان دھرے !

——— (جاری ہے)

ضروری تصحیح :۔ جنوبی ہند کے دورہ کے رپورتاژ کی پہلی قسط میں صفحہ ۵۲ پر عبارت کی کتابت میں کچھ غلطی ہو گئی ہے ۔ اس کو اس طرح پڑھا جائے ۔

" ہمارے ہاں کے ایک مشہور ادیب نے اپنے تصوراتی ملک " اقبالستان " کی ہوائی کمپنی کا نام رکھا تھا " بالِ جبریل " ۔ " اقبالستان " کے لئے کچھ اور نام بھی انہوں نے تجویز کئے تھے ۔ منہ کا مزہ بدلنے کے لئے آپ بھی سن ہی لیجئے ۔ ریڈیو اسٹیشن کا نام " بانگِ درا " میوزیم کا نام " ارمغانِ حجاز " جامعتی و ثقافتی زندگی میں رہنمائی کرنے والے محکمہ کا نام " اسرار و رموز " ۔ مملکت کے صدر مقام کا نام " خودی آباد " اور حکومت کے سربراہ کا لقب " صاحبِ جنوں " — کہئے طبیعت خوش ہو گئی ! " (ق ۔ ع ۔ ع)

[1] تصرف کی معذرت کے ساتھ

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ (الحدیث)

تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دروس قرآن اور خطابات پر مشتمل

نشر القرآن کیسٹ سیریز

نمبر شمار	موضوع	کوڈ نمبر	قیمت روپے
۱	سیرت النبیؐ ۱۰ تقاریر کا سیٹ (۹۰-سی کے گیارہ کیسٹ)	۱ - ۱۱	-/۳۳۰
۲	نظریۂ ارتقاء اور قرآن حکیم (۹۰ سی)	۱۲	-/۳۰
۳	حقیقت انسان اور حقیقت روح انسانی (۶۰-سی دو کیسٹ)	۱۳-۱۴	-/۵۰
۴	نیکی کا حقیقی تصور (۹۰ سی)	۱۵	-/۳۰
۵	عظمت قرآن حکیم (۹۰ سی)	۱۶	-/۳۰
۶	تاریخ امت مسلمہ (بموقع یوم اقبال) (۶۰-سی)	۱۷	-/۲۵
۷	قرآن کا تصور حیات انسانی (۶۰ - سی)	۱۸	-/۲۵
۸	تنظیم کی اہمیت اسوۂ محمدی کی روشنی میں (۶۰ - سی)	۱۹	-/۲۵
۹	پردہ کے احکام (سورۂ احزاب کی روشنی میں (۹۰-سی)	۲۰	-/۳۰
۱۰	اسلام کا معاشی نظام (۶۰-سی دو کیسٹ)	۲۱-۲۲	-/۵۰
۱۱	سیرت مطہرہ کا پیغام (۱۲ ربیع الاول) (۶۰-سی، ۹۰-سی)	۲۳-۲۴	-/۵۵
۱۲	تفسیر آیۂ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (۶۰ - سی)	۲۵	-/۲۵
۱۳	سورۃ الفاتحہ (۶۰ - سی دو کیسٹ)	۲۶-۲۷	-/۵۰

نمبر شمار	موضوع	کوڈ نمبر	قیمت روپے
۱۴	درس سورۃ بقرہ (پہلے دو رکوع) (۶۰-سی چار کیسٹ)	۲۸-۳۱	۱۰۰/-
۱۵	خلافت راشدہ کی شرعی اور تاریخی حیثیت ۶۰/۹۰ سی دو کیسٹ	۳۲-۳۳	۵۵/-
۱۶	درس سورۃ الحج (آخری رکوع) ۹۰ سی دو کیسٹ	۳۴-۳۵	۶۰/-
۱۷	درس سورۃ بقرہ (دوسرا تیسرا رکوع) ۶۰-سی چار کیسٹ	۳۶-۳۹	۱۰۰/-
۱۸	شہادت حسینؓ کا اصل پس منظر (۶۰-سی دو کیسٹ)	۴۰-۴۱	۵۰/-
۱۹	سورۃ الشوریٰ مکمل مصری قرآت (۹۰-سی سات کیسٹ)	۴۲-۴۸	۲۱۰/-
۲۰	سورۃ الحجرات (مکمل) (۹۰-سی تین کیسٹ)	۴۹-۵۱	۹۰/-
۲۱	درس قرآن سورۃ صف و الجمعہ (۹۰-سی دو کیسٹ)	۵۲-۵۳	۶۰/-
۲۲	سیرت نبویؐ کا عملی پہلو (۹۰-سی دو کیسٹ)	۵۴-۵۵	۶۰/-
۲۳	سورۃ مریم (مکمل) (۹۰-سی پانچ کیسٹ)	۵۶-۶۰	۱۵۰/-
۲۴	سورۃ المنافقون (۹۰-سی دو کیسٹ)	۶۱-۶۲	۶۰/-
۲۵	خطاب بموقع تقریب نکاح مسنونہ (۶۰-سی.	۶۳	۲۵/-
۲۶	قرآن کا فلسفۂ شہادت (۹۰-سی)	۶۴	۳۰/-
۲۷	خطاب جمعہ (تاریخ اُمتِ مسلمہ (۶۰-سی)	۶۵	۲۵/-

نوٹ: قرآن حکیم کا منتخب نصاب زیر ریکارڈنگ ہے • تمام کیسٹ جاپان سے درآمد شدہ استعمال کیے گئے ہیں • کاروباری حضرات مزید تفصیلات کے لئے رجوع فرمائیں • خرچہ ڈاک (رجسٹرڈ پارسل) بذمہ خریدار ہوگا • بذریعہ ڈاک طلب فرمانے والے حضرات آرڈر کے ساتھ کوڈ نمبر کا حوالہ ضرور دیں نیز رقم پیشگی ارسال فرمائیں • بذریعہ وی-پی طلب فرمانے والے حضرات نصف رقم پیشگی ارسال فرمائیں

نشر القرآن، کیسٹ سیریز لاہور

تنظیم اسلامی ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون
۸۵۲۶۱۱
۸۵۲۶۸۲

ڈاکٹر اسرار احمد

چوتھی قسط

تعارفِ الکتاب

بارھواں پارہ

وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ

قرآن حکیم کا بارہواں پارہ وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور اسی نام سے موسوم ہے - اس کے نصف سے زاید پر سُورۃ ہود پھیلی ہوئی ہے - اور بقیہ حصے میں سُورۃ یوسف کا تقریباً نصف حصہ آ گیا ہے سُورۃ ہود کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اس کے وہ مضامین سورۃ اعراف کے مضامین سے بہت مشابہہ ہیں - یعنی اس کے اکثر حصے میں بھی اولوالعزم من الرسل یعنی ان چھا اولوالعزم رسُولوں کا ذکر ہے - جن کی قوموں نے ان کی دعوت سے انکار کیا - تو اللہ تعالےٰ نے ان کو ہلاک کر دیا - یعنی قوم عاد جن کی طرف حضرت نوح بھیجے گئے تھے - قوم ثمود جن کی طرف حضرت صالح مبعوث ہوتے - قوم لوط، اصحاب مدین جن کی طرف حضرت شعیب بھیجے گئے - اور آل فرعون جن کی طرف حضرت موسیٰ بھیجے گئے - ان قوموں کے حالات کا ذکر قرآن مجید میں جو بار بار آتا ہے، تو درحقیقت اہل عرب کو بالعموم اور قریشِ مکہ کو بالخصوص تنبیہہ کے لئے کہ اگر تم نے بھی وہی روش اختیار کی ہمارے رسول کے ساتھ تو تمہارا حشر اور انجام بھی وہی ہوگا - جو سابقہ امتوں اور قوموں کا ہو چکا ہے - حضرت نوح علیہ السلام کے حالات قرآن مجید میں سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ اسی سورۃ مبارکہ میں وارد ہوئے ہیں - اور ان کے احوال کے ضمن میں وہ دردناک نقشہ بھی پیش کر دیا گیا ہے کہ جب عذاب الٰہی نازل ہو گیا اور سیلاب اور طوفان آ گیا اور حضرت نوحؑ اور اہل ایمان کشتی میں سوار ہو گئے تو حضرت نوحؑ نے اپنے ایک بیٹے کو دیکھا کہ وہ بھی اسی سیلاب میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے - تو حضرت نوح نے پکارا -

يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

حضرت نوح نے اپنے بیٹے کو آواز دی کہ اے میرے بیٹے آؤ اور اس کشتی

میں سوار ہو جاؤ ۔ اور کافروں کا ساتھ نہ دو۔ اس بدبخت نے جواب دیا ۔

قَالَ سَاٰوِیۡۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعۡصِمُنِیۡ مِنَ الۡمَآءِ ؕ

اس کی نگاہ اسباب و وسائل پر تھی ۔ اس نے جواب دیا کہ میں عنقریب پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا جو مجھے اس پانی سے اس سیلاب سے بچالے گا ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے انتہائی دردناک پیرائے میں فرمایا ۔ قَالَ لَا عَاصِمَ الۡیَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ ۚ آج کے دن اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں ہے ۔ سوائے اس کے کہ اللہ ہی کسی پر رحم کھائے اسی اثنا میں ایک بڑی موج باپ اور بیٹے کے مابین حائل ہو گئی اور بیٹا غرق ہو گیا ۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں رشتہ داریوں کا معاملہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا ۔ اگر ایک جلیل القدر پیغمبر کا بیٹا بھی کفار کے ساتھ تھا ۔ تو انہی کے انجام کے ساتھ دوچار ہوا ۔ اور پیغمبر کی نگاہوں کے سامنے وہ بھی غرق ہونے والوں کے ساتھ غرق ہو گیا ۔ یہی بات ہے جو نبی اکرمؐ نے ایک بار اپنے انتہائی قریبی عزیزوں اور رشتہ داروں کو ایک جگہ جمع کر کے فرمائی ۔ اے فاطمہؓ ! محمدؐ کی بیٹی خود اپنے آپکو آگ سے بچانے کی فکر کرو ۔ کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے بارے میں کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا ۔

سورہ ہود کے بعد قرآن مجید میں سورۃ یوسف آتی ہے یہ سورۃ مبارکہ پورے قرآن مجید میں اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس پوری سورۃ میں ایک نبی کے حالات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے احوال ۔ حضرت یوسفؑ حضرت ابراہیمؑ کے پڑپوتے تھے ۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو حجاز میں آباد کیا بیت اللہ میں آباد کیا ۔ ان کے بیٹے حضرت یعقوب ہیں ۔ جن کا لقب اسرائیل ہے اور انہی سے بنی اسرائیل ایک عظیم قوم اور ایک بڑی امت دنیا میں چلی ۔ حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے ۔ دس بڑی بیوی سے اور دو چھوٹی بیوی سے ۔ یہ دو حضرت یوسف اور ان کے حقیقی

بھائی بنیامین تھے۔ حضرت یعقوب کو ان دونوں سے بہت پیار تھا۔ بڑے بیٹوں میں اس سے حسد اور رقابت کا مادہ پیدا ہوا انہوں نے حضرت یوسفؑ کا کانٹا اپنے راستے سے نکالنے کے لئے باہمی مشاورت سے حضرت یوسف کو ایک اندھے کنویں میں پھینک دیا۔ لیکن اللہ تعالےٰ کی قدرت اللہ تعالےٰ نے ان کی اس عداوت و دشمنی کو حضرت یوسفؑ کے دُنیاوی عروج کا زینہ بنا دیا۔ چنانچہ قافلے نے جو اس راستے سے گذر رہا تھا۔ جب ان کے پانی بھرنے والے نے اپنا ڈول اس کنویں میں پھینکا۔ تو حضرت یُوسفؑ اس کی رسّی پکڑ کر باہر آگئے۔ قافلے والوں نے انہیں غلام بنالیا اور بڑی جلدی سے کہ مبادی کوئی طلب دار یا دعوی دار آجائے فوراً گھر پہنچ کر انہیں اونے پونے داموں فروخت کرنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالےٰ کی حکمت دیکھئے کہ حضرت یُوسفؑ کا خریدار مصر میں اس وقت کا ایک بہت بڑا عہدیدار عزیز مصر تھا۔ اس نے حضرت یوسف کو خریدا اور اپنی بیوی کو خصوصی ہدایت دی کہ اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرو۔

ہوسکتا ہے کہ یہ ہمارے لئے مفید ثابت ہو اور کیا عجب کہ اسے ہم اپنا بیٹا ہی بنالیں۔ یہاں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ اپنے فیصلے پر عمل درآمد کے لئے مختار مطلق ہے۔

اکثر لوگوں کو اس کا فہم نہیں ہے۔ لوگ جس کا بُرا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کا بُرا چاہنے ہی سے اس کے حق میں کسی خیر کا فیصلہ صادر فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ خود نبی اکرمؐ نے اپنے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو خصوصی تلقین فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ کہ اس حقیقت کو ذہن نشین کرلے کہ اگر سب لوگ مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو نہ پہنچا سکیں گے۔ مگر بس اتنا کہ جتنا اللہ نے لکھ دیا ہو۔ اور تمام انسان مل کر تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں۔ تو نہیں پہنچا سکیں گے۔ مگر صرف اتنا کہ جتنا اللہ تعالےٰ نے لکھ دیا ہو۔ عجیب بات یہ ہے کہ عزیز مصر نے اپنی بیوی کو تلقین کچھ اور کی تھی۔ لیکن اسکی

نیت کسی اور طرف بھٹک گئی ۔ اس نے حضرت یوسفؑ کو گناہ کی دعوت دی ۔
حضرت یوسفؑ پر اللہ کا فضل ہوا کہ انہوں نے اس کی گناہ کی دعوت ٹھکرا دی ۔
لیکن وہ بد بخت اس سے تلملا کر رہ گئی اور اس نے حضرت یوسف سے عداوت
اور دشمنی کا سلسلہ شروع کر دیا ۔ جس کے نتیجے میں حضرت یوسف کو بالآخر جیل
میں ڈال دیا گیا ۔ لیکن انبیاء اور رسل اور اللہ کی طرف بلانے والوں کی یہ عجیب
سُنت کہ وہ ہر حال میں اپنے مشن کی طرف راستہ نکال لیتے ہیں چنانچہ حضرت
یوسفؑ نے جیل میں بھی دعوت توحید کا آغاز کر دیا ۔ اپنے جیل کے ساتھیوں سے
مخاطب ہو کر فرماتے ہیں ۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ
الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ؕ

میرے جیل کے ساتھیو کیا یہ بہت سے معبود بہتر ہیں یا صرف اللہ جو
سب پر چھایا ہوا ہے ۔ سب پر حاوی ہے ۔

اس کے بعد توحید کا وہ نعرہ مستانہ ان کی زبان پر آتا ہے ۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ

حکم کا اختیار سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں ۔ حاکمیت صرف اسی کے لئے ہے ۔
جیسا کہ علامہ اقبال نے فرمایا ۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے ؏
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری ؏

تو ارشاد فرماتے ہیں اپنے جیل کے ساتھیوں سے کہ حکم صرف اللہ کے لئے
ہے ۔ اور اس نے صرف یہ حکم دیا ہے ۔ کہ اسکی سوا کسی کی بندگی نہ کرو ۔ اسکے سوا
کسی کی پرستش نہ کرو ۔ یہی ہے دین قیم یہی ہے سیدھا دین ۔ یہی ہے دین حق
جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم رہنے والا ہے ۔ اللہ ہمیں بھی اس دین حق پر کاربند
ہونے کی توفیق عطا فرمائے ۔

تیرھواں پارہ

وَمَآ اُبَرِّئُ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

قرآن مجید کا تیرھواں پارہ "وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ" کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور اسی نام سے موسوم ہے۔ اس میں اوّلاً سورہ یوسف کا نصف شامل ہے اور اس کے بعد دو نسبتاً چھوٹی سورتیں یعنی سُورۃ رعد اور ابراہیم پوری پوری شامل ہیں اور آخر میں ایک آیت سُورۃ حجر کی شامل ہے۔

سورۃ یوسف کا جو حصّہ اس پارے میں آیا ہے۔ اس کا آغاز ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کی قدرت کے اس ظہور سے کہ جس کے نتیجے میں حضرت یُوسفؑ مصر کی جیل سے نکل کر حکومت مصر کے ایک انتہائی بااثر عہدے پر فائز ہوتے۔ اور اللہ تعالےٰ انہیں مصر میں تمکن اور غلبہ عطا فرمایا۔ اور اس کے ساتھ ہی بادشاہ کا وہ خواب جس کی تعبیر حضرت یوسف نے یہ بتائی تھی کہ سات سال تو بڑی خوشحالی کے آئیں گے۔ اور اس کے بعد سات سال ایک شدید قحط پڑنے والا ہے۔ تو جب اس قحط کا زمانہ آیا۔ اور یہ قحط صرف مصر میں نہیں تھا۔ بلکہ اس کے اطراف و جوانب میں بھی تھا۔ چنانچہ اس کے اثرات سرزمینِ فلسطین تک بھی پہنچے۔ جہاں حضرت یعقوبؑ کے دس بیٹے یعنی حضرت یوسفؑ کے سوتیلے بھائی مصر میں آئے تاکہ غلہ حاصل کریں۔ حضرت یوسفؑ نے بھائیوں کو پہچان لیا۔ لیکن ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ عزیزِ مصر کی صورت میں ہمارا وہی بھائی تخت پر بیٹھا ہے۔ جسے ہم نے اپنے ہاتھوں ایک اندھے کنویں میں پھینک دیا تھا۔ اس کے بعد جب وہ دوبارہ غلہ لینے کے لئے تو ان کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ ہو چکی تھی۔ حضرت یوسفؑ نے اصرار کر کے اپنے چھوٹے بھائی بنیامین کو بھی

بلالیا۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے پاس غلہ کی قیمت ادا کرنے کے لئے کچھ نہ تھا۔ اور انہوں نے انتہائی عاجزی کے ساتھ خیرات کی استدعا کی۔ اس پر حضرت یوسفؑ سے مزید ضبط نہ ہو سکا۔ اور انہوں نے اپنے آپ کو اپنے بھائیوں پر ظاہر کر دیا۔ یہ وہ وقت ہے جبکہ کوئی بھی دنیا دار انسان یا جس کے ظرف میں کسی قسم کی بھی کمی ہو۔ وہ اپنے بھائیوں کو یاد دلاتا۔ کہ تم نے مجھ پر کیا مظالم ڈھائے تھے۔ لیکن اللہ کے نبی اور رسول کا معاملہ بالکل جدا ہے۔ جب حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے کچھ معذرت پیش کرنے کی کوشش کی تو حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

آج کے دن تم پر کچھ عتاب (و ملامت) نہیں ہے۔ خدا تم کو معاف کرے اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔

لَا تَثْرِيْبَ ۔ آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تعالےٰ تمہیں معاف فرمائے یاد رہنا چاہیئے کہ یہی وہ الفاظ تھے جو تقریباً دو ڈھائی ہزار سال بعد مکے کی سرزمین میں حضورؐ کی زبان مبارک سے اس وقت نکلے جب آپ فاتح کی حیثیت سے مکے میں داخل ہوئے تھے۔ وہ لوگ آپ کے سامنے مفتوحین کی طرح کھڑے تھے۔ جنہوں نے آپکو مکے سے نکلنے پر مجبور کیا تھا۔ اور اس کے بعد بھی تقریباً آٹھ برس تک مدینے میں چین سے بیٹھنے نہ دیا تھا۔ آنحضورؐ نے اس وقت فرمایا۔ کہ میں بھی آج تم سے وہی بات کہوں گا۔ جو میرے بھائی یوسفؑ نے کہی تھی۔ لَا تثریب علیکم الیوم۔

آج میں تمہیں ملامت کا کوئی لفظ بھی نہیں کہنا چاہتا۔ جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو۔ حضرت یوسفؑ نے اس کے بعد اپنے بھائیوں کو کہہ کر اپنے والدین کو بھی مصر بلالیا۔ ان کے والدین اور سارے گیارہ بھائی تعظیماً ان

کے سامنے سجدے میں گر گئے تو گویا کہ حضرت یوسف کا وہ خواب جو کہ انہوں نے بچپن میں دیکھا تھا۔ وہ واقعہ بن کر سامنے آگیا۔ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اسی حقیقت کو واضح فرمایا ہے۔ کہ ظاہری حالات سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ انتہائی مایوس کن حالات میں بھی کامیابی کی صورتیں فرما سکتی ہے۔ آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلجوئی میں فرمایا گیا۔ کہ اے نبی آپ ان کفار کے افکار سے رنجیدہ نہ ہوں۔ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ٥

آپ کو ان کے ایمان کی خواہ کتنی ہی خواہش و تمنا ہو۔ ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ وہ اپنے کفر اور اپنے ارادہ انکار پر اڑ گئے ہیں۔ ایک اور بڑی عظیم حقیقت جو بیان فرمائی گئی اس سورۃ مبارکہ کے تقریباً اختتام پر وہ یہ ہے کہ دنیا میں انسانوں کا معاملہ عجیب ہے۔ کہ وہ اللہ کو مانتے تو ضرور ہیں۔ لیکن ان کی اکثریت اس کے ساتھ کسی نہ کسی قسم کا شرک بھی ضرور کرتی ہے۔

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ٥

لوگوں کی اکثریت اللہ کو مانتی تو ہے لیکن اسکے ساتھ کسی نہ کسی نوع کا شرک ضرور کرتی ہے۔ ساتھ ہی حضورؐ کو حکم دیا گیا۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ قف عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ط وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ٥

لوگو یہ میرا راستہ توحید کا راستہ ہے۔ خدا کی بندگی اور خدائے واحد کی پرستش کا راستہ ہے۔ میں اسی کی طرف تمہیں بلا رہا ہوں۔ اور علیٰ وجہ البصیرت بلا رہا ہوں اور میں بھی بلا رہا ہوں۔ اور وہ بھی جو میری پیروی کر رہے ہیں۔ جیسے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور دوسرے صحابہؓ۔

سورۃ یوسف کے بعد جیسا کہ میں نے عرض کیا۔ قرآن حکیم میں دو نسبتاً چھوٹی سورتیں یعنی سورۃ رعد اور سورۃ ابراہیم ہیں۔ سورۃ رعد میں سورۃ یونس اور

سُورۃ انعام کی طرح آفاق و انفس کے دلائل سے اور اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور معنوی نعمتوں کے حوالے سے توحید کی دعوت دی گئی ہے۔ آخرت کا اثبات کیا گیا ہے۔ نبوتِ محمدی کا اثبات کیا گیا ہے۔ ایک عجیب پیرایہ بیان اختیار کیا گیا۔ کہ یہ لوگ آخرت پر تعجب کرتے ہیں کہ کیسے جب ہم سب مر جائیں گے اور مٹی ہو کر مٹی میں مل جائیں گے تو ہمیں اٹھا لیا جائے گا۔ فرمایا۔

اِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ط

کہ اے مخالف اگر تمہیں تعجب کرنا ہی ہے۔ تو قابلِ تعجب ان کی بات ہے کہ وہ اللہ کی قدرت سے بعید سمجھتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے اگر تو انسان اللہ کا ہی انکار کر دے تو وہ بات دوسری ہے۔ لیکن اگر وہ اللہ کو مان لے اور یہ تسلیم کر لے کہ وہ ہر چیز کا مالک ہے۔ تو پھر آخرت پر اس کا تعجب کرنا یقیناً قابلِ تعجب ہے۔ سُورۃ ابراہیم کچھ دیگر انبیاء اور رُسل کا ذکر ہے لیکن قدرے تفصیل سے حضرت ابراہیمؑ کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ وہ امام الموحدین ہیں۔ توحید اور ایمان باللہ کے سلسلے میں اس سورۃ مبارکہ میں ایک جگہ بڑے عجیب الفاظ وارد ہوئے۔ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ "

" لوگو! کیا اللہ کے بارے میں کوئی شک لاحق ہو سکتا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے "۔ آخرت کے احوال کے ضمن میں فرمایا گیا وہ شیطان لعین جس کی پیروی کر رہے ہو۔ جس کے اغوا و اضلال کی وجہ سے تم گمراہ ہو اور میں بھٹک رہے ہو۔ قیامت کے دن وہ تم سے اظہارِ برأت کرے گا۔ اور یہ کہے گا۔ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ہ

مجھے ملامت نہ کرو۔ ملامت کرو اپنے آپ کو اپنے نفس کو کیونکہ میں نے تو تمہیں صرف گناہ کی دعوت دی تھی اس دعوت کو قبول کرنا یا نہ کرنا تو تمہارے اختیار میں تھا۔ مجھے تم پر کوئی اختیار حاصل نہیں تھا۔ تم نے اگر گناہ کی دعوت پر لبیک کہا۔ تو اصل مجرم تم خود ہو۔ اب تمہیں بھی اپنے کئے کی

اسلام اور
حقوق اطفال

از قلم :- غازی عزیر (علی گڑھ) حال مقیم سعودی عرب

پانچویں قسط

بچوں کو عقیدہ کی بنیادی تعلیم دینا

بچوں کو عقیدۂ توحید کی بنیادی تعلیم دینا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ اسلامی عقائد میں سب سے افضلیت اسی عقیدہ کو حاصل ہے۔ جناب ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی صاحب نے اپنے تبلیغی پمفلٹ "نجات کی صرف ایک ہی راہ ہے" کے زیر عنوان عقیدہ توحید کی بہت جامع تعلیم پیش کی جو ذیل میں ہدیۂ ناظرین ہے:-

"یاد رکھو! کہ عقیدہ کے اندر معمولی سے معمولی خرابی بھی ناقابلِ معافی جرم ہے۔ اس کے علاوہ اعمال کی ساری خرابیاں انشاء اللہ معاف ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "میں شرک کو ہرگز معاف نہ کروں گا، اس کے علاوہ ہر خرابی کو جس شخص کے لئے چاہوں گا معاف کر دوں گا[1]"۔ حدیثِ قدسی میں ہے کہ: "اگر کسی شخص نے ساری زمین گناہوں سے بھر دی ہو مگر شرک پر اس کی موت نہ آئی ہو تو اللہ تعالیٰ ان گناہوں کے برابر معافی کے ساتھ اس شخص سے ملاقات کرے گا"۔ (مسلم)

دنیا کی تاریخ میں جس قدر قومیں برباد ہوئی ہیں اُن کی اصلی خرابی شرک ہی تھی اور آج ہماری مسلم قوم بھی اسی چیز کی وجہ سے بربادی کے کنارے تک پہنچ گئی ہے۔ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُم مُّشْرِكِينَ ۔ (سورۃ روم - آیت ۴۲) "ترجمہ: اُن سے کہو کہ زمین پر چلو پھرو اور دیکھو کہ تم سے پہلے کتنی ہی بستیاں تھیں کہ آخر کار تہس نہس کر ڈالی گئیں (اُن کا جرم یہی تو تھا کہ) اُن کی اکثریت مشرک بن گئی تھی"۔ (سورۃ روم - آیت ۴۲)

خدا گواہ کہ ذلت و بربادی سے ہمکنار اس ملت کے لئے صرف ایک ہی راہ نجات

---

[1] إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ط (النساء - ۱۱۶)

ہے اور وہ یہ کہ اس کے سچّے فرزند اُٹھیں اور پکاریں کہ دنیا چند روزہ ہے، آخرت کی کامیابی کے حصول کی فکر کرو، شرک سے بچو، توحید پر قائم رہ کر سُنّتِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اپناؤ، صرف اسی طرح تمہاری بربادی آبادکاری میں اور ذلّت و رسوائی عزّت و سرفرازی میں بدل سکتی ہے۔ یہ کام اب بھی نہ کیا گیا تو پھر قصّہ پاک ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ٥ (الانعام - آیت ۸۲) " ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے اپنے ایمان میں شرک کی ملاوٹ نہیں کی اُنہیں کے لئے امن و سلامتی ہے اور وہی راہِ راست کو پا گئے۔ (اس آیت میں "ظلم" کے معنی "شرک" زبانِ نبوتؐ نے خود بیان فرماتے ہیں) (بخاری و مسلم)

آؤ! کلمہ " لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ " کو پوری طرح سمجھ کر شرک و بدعت سے بیزاری اور توحید و سُنّت کے ساتھ اپنی وابستگی کا اعلان کریں، پھر اللہ کا نام لے کر اس راہ میں قدم جمادیں۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر اور تمہارا بھی۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی اِلٰہ نہیں جو خالق و مالک کہلائے جانے کا مستحق ہو، جیسے عالم الغیب، حاضر و ناظر، مختارِ کل سمجھا جاتے، نفع و نقصان جس کی مٹھی میں ہو، دستگیری، حاجت روائی، مشکل کشائی، اور فریاد رسی جس کی صفت ہو، اٹھتے بیٹھتے جس کو پکارا جائے، جس سے غائبانہ خوف کھایا جائے، اُمّیدیں وابستہ کی جائیں جس پر توکل کیا جائے، واسطہ و وسیلہ کے بغیر جس سے دُعائیں مانگی جائیں، جس کے حضور رکوع و سجود ہو، جس کے نام کی نذر و نیاز کی جاتے، قانون سازی جس کا حق ہو، سب جس کے بندے اور محتاج ہوں، کسی کو اُس پر زور یا زبردستی کا یارانہ ہو۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے اقرار کے معنی یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم بشر، اور اللہ تعالےٰ کے آخری رسُولؐ ہیں۔ ان کے قول و عمل کے سامنے کسی کا قول و عمل ہرگز قابلِ قبول نہ ہوگا، اور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قول و عمل کی وہی تعبیر معتبر ٹھہرے گی جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے۔ قیامت تک سُنّتِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم زندگی کے ہر شعبہ میں سفرِ آخر ہے اور ہر قسم کی بدعت قابلِ رد، اس عقیدہ

کا مالک گناہگار سے گناہگار بندہ آخر کار جنّت کی بادشاہی میں پہنچ کر رہے گا (انشاء اللہ) اور اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والا جنّت کی خوشبو تک نہ پا سکے گا چاہے وہ دن میں ہزار نمازیں پڑھنے والا ہر روز تہجد ادا کرنے والا، ہمیشہ روزہ رکھنے والا صائم الدہر ہو"

بچّوں کو سنّتِ رسولؐ اور آثارِ صحابہؓ کی تعلیم دینا

بچوں کو توحید کی اس بنیادی تعلیم کے ساتھ اساس اسلام یعنی سنّت نبویؐ و آثار صحابہؓ کی تعلیم بھی دینی چاہیئے تاکہ وہ صحیح دین کو سمجھیں اور ان میں اسلامی فکر بیدار ہو۔ بلا شبہ اسلام کی اساس صرف انہی دو چیزوں پر قائم ہے (۱) قرآن کریم (۲) احادیث نبویؐ۔ بعض روایات میں ملتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑتا ہوں (ایک کتاب اللہ دوسرے اپنی سنّت) جب تک ان پر قائم رہو گے حق پر رہو گے" ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما: کتاب اللہ وسنۃ رسولہ" (رواہ مالک فی الموطا) اسلام کے ان دو کامل ترین ماخذ کے علاوہ اگر کسی تیسری چیز کو اسلامی ماخذ تسلیم کیا جائے اور وہ ماخذ کتاب اللہ و سنّت رسول کی تعلیمات کے علاوہ کوئی تیسری چیز پیش کرتا ہو تو یقیناً گمراہی و ضلالت ہوگا۔ بچوں کو یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ظاہری و باطنی اتباع[1] کے ساتھ آپ کے خلفاء راشدین کی اتباع اور اوّلین ہدایت یافتہ مہاجرین و انصار و صحابہ کرامؓ کے آثار کا لحاظ ہی در اصل شریعت و دین ہے۔ ابی نجیح العرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تمام مسلمانوں کو وصیّت فرمائی ہے۔

---

[1] .... وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا (النور-۵۴) "ترجمہ: اگر تم اس کی (رسول اللہ کی) اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤ گے"

اور

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر-۷) "ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں رسول دے اس کو پکڑ لو اور جس چیز سے روک دے (یعنی منع کردے) اس سے بچو۔"

فانہ من یعش منکم فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین، عضوا علیھا بالنواجذ و ایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ" وکل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

" ترجمہ: بلاشبہ وہ جو تم میں سے باقی رہتا ہے (بعد میرے) بہت سے اختلافات دیکھے گا۔ پس تم سب پر لازم ہے کہ میری سنّت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سُنّت کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ اور محدثات سے ہوشیار رہو کہ دین میں ہر نئی بات پیدا کرنا ایک بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنّم کو لیجانے والی ہے۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:۔

من أطاعنی فقد أطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن أطاع أمیری فقد أطاعنی ومن عصی أمیری فقد عصانی۔" (صحیح بخاری)

" ترجمہ:۔ جس نے میری اطاعت کی پس اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میرے ساتھ شدّت اختیار کی اُس نے اللہ کے ساتھ شدّت اختیار کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کیساتھ شدّت اختیار کی اس نے میرے ساتھ شدّت اختیار کی۔"

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے تمام اُمّت مسلمہ کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ میری اُمّت تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی لیکن اُن میں سے ایک فرقہ کے علاوہ (یعنی جو میری سُنّت اور میرے صحابی کی سنت پر عمل کرنے والے ہیں راہ حق پر ہوں گے) بقیہ سب دوزخی ہوں گے۔ ذیل میں حدیث ملاحظہ فرمائیں:

وقال صلے اللہ علیہ وسلّم ستفترق أمتی علی ثلاثۃ

" ترجمہ:۔ اور بیان فرمایا رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے کہ میری اُمّت

وسبعين فرقة، كلهم في النار إلا ملة واحدة. قالوا: من هي يارسول الله؟ قال ما انا عليه اليوم و أصحابي - (رواه أحمد و ابوداؤد وغيرهما)

بہتر فرقوں میں بٹ جائے گی یہ سب جہنمی ہوں گے، مگر ایک ملت۔ کسی نے پوچھا یہ (ایک ملت) کونسی ہے؟ آپ نے فرمایا جس چیز پر آج میں اور میرے صحابی ہیں (یہ جماعت بھی انہیں چیزوں پر عمل کرنے والی ہو گی)"

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے " ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم " (صحیح مسلم) ایک اور روایت میں ہے کہ " لو تركتم سنة نبيكم صلى الله عليه وسلم لكفرتم - "

بچوں کو اخلاق و آداب و حسن معاملہ و مساوات و اخوت کی تعلیم دینے کی ضرورت :-

بچوں کو اخلاق و آداب وحسن معاملہ و مساوات واخوت کی تعلیم دنیا بھی بہت ضروری ہے - یہ وہ صفات ہیں جن سے انسان کے کردار میں پختگی پیدا ہوتی ہے - اسلام میں ان تمام باتوں کی بہت تاکید بیان ہوئی ہے اور ان کا شمار شعب[1] الایمان میں کیا گیا ہے -

---

[1] ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الايمان بضع وسبعون شعبة أعلاها قول لا اله الا الله وادناها اماطة الأذى عن الطريق والحياء شعبة من الايمان - (متفق علیہ) - امام بیہقی نے " شعب الایمان " میں ستہتر چیزوں کا شمار کیا ہے اور ان کی شرح کئی جلدوں میں بیان کی ہے - الشیخ الامام ابوجعفر عمر القزوینی نے ان کو مختصراً اپنے ایک رسالہ " مختصر شعب الایمان " میں جمع کیا ہے - ذیل میں اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے -

(۱) الایمان باللہ، (۲) الایمان برسل اللہ، (۳) - الایمان بالملائکہ، (۴) - الایمان بالقرآن

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مکارمِ اخلاق کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں مثلاً :-

قیل ایُّ الایمان افضل یا رسول اللہ قال خُلقٌ حسنٌ (حدیث)

"ترجمہ:- کسی شخص نے سوال کیا: یا رسول اللہ کون سا ایمان سب سے افضل ہے آپ نے فرمایا اچھا اخلاق"

ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا:-

(بقیہ حاشیہ صـ۴۴) دیگر کتب آسمانی، (۵) الایمان بالقدر (خیر و شر کا اللہ کی طرف سے ہونا)، (۶) الایمان بالیوم الآخر (۷) الایمان بالبعث بعد الموت والجزاء (۸) - الایمان بحشر الناس (عذاب قبر)، (۹) - اس بات پر ایمان کہ دار المؤمنین جنت اور دار الکافرین جہنم ہے، (۱۰) الایمان بوجوب محبۃ اللہ، (۱۱) الایمان بوجوب الخوف من اللہ تع (۱۲) الایمان الرجاء من اللہ تع (۱۳) الایمان بوجوب التوکل علی اللہ تع و وجوب تفویض الأمر الیہ (۱۴) الایمان بوجوب محبۃ النبیؐ اور آپؐ کی اتباع و طاعت، (۱۵) الایمان بوجوب تعظیم و تبجیل و توقیر النبیؐ (۱۶) شحّ المرء بدینہ حتی یکون القذف فی النار أحب الیہ من الکفر (۱۷) صحیح علم کو حاصل کرنا جس سے باری تعالےٰ اور اس کے دین کی معرفت حاصل ہوتی ہو۔ (۱۸) علم نافع کو پھیلانا (یہ کتاب و سنت کا علم ہے) (۱۹) قرآن کریم کی تعظیم کرنا خود پڑھنا، دوسروں کو پڑھانا، اس کے احکام و حدود اور حلال و حرام کو حفظ کرنا، اس کے حفاظ کا احترام کرنا، (۲۰) احداث و نجاسات سے طہارت حاصل کرنا (۲۱) مردوں کا پانچ وقت باجماعت نماز پڑھنا (اللہ تعالےٰ نے فرمایا:- إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ - سورۃ التوبہ آیۃ ۱۸) اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا رأیتم الرجل یعتاد المسجد فاشھدوا لہ بالایمان (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن) (۲۲) اپنے مال میں سے زکوٰۃ نکال کر مستحقین کو دینا، (۲۳) روزہ (۲۴) حج (۲۵) - جہاد فی سبیل اللہ (مال سے یا جان سے) (۲۶) اللہ کی اطاعت کے لئے مسجد میں اعتکاف (۲۷) - فی سبیل اللہ کا مرابطۃ جو بلاد اسلامیہ کی حدود اور اخافۃ العدو کے لئے ضروری ہے (۲۸) الثبات للعدو وقت القتال و عدم فرار (۲۹) امام یا اس کے عامل کو مال غنیمت میں سے خمس ادا کرنا (۳۰) اللہ کے تقرب کے لئے عتق، (۳۱)

(بقیہ حاشیہ اگلے پر)

أكمل المؤمنين إيمانًا أحسنهم خلقًا (ترمذی)

"ترجمہ:- وہ شخص جس کا اخلاق سب سے زیادہ بلند و احسن ہو اس کا ایمان سب مومنوں میں کامل ترین ہے۔"

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۵) واجب کفارات کا ادا کرنا جو چار ہیں کفارۃ الیمین، کفارۃ الظاہرۃ، کفارۃ القتل، کفارۃ الجماع (جو روزہ کی حالت میں کیا جاتے) (۳۲) الایفاء بالعقود (یعنی اللہ نے کیا حلال کیا ہے اور کیا حرام کیا ہے اور کیا فرض کیا ہے اور قرآن میں کیا حد ہے) (۳۳) اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرنا اور اُس کے استعمال پر اُس کی ثناء کرنا (۳۴) حفظ اللسان (۳۵) امانات کی حفاظت کرنا اور اُن کے مالک کو ادا کر دینا (۳۶) تحریم قتل النفس (مگر حق و جنایات کے ساتھ) (۳۷) تحریم و حفظ الفروج اور غض الابصار (۳۸) حرام مالوں پر ہاتھ کاٹنا (اس میں چوری، رشوت، سود اور غش شامل ہیں) (۳۹) کھانے پینے میں تورع اور اجتناب کا وجوب (۴۰) ایسے لباس کی تحریم جو مسلمانوں کی شان و تہذیب کے مخالف ہوں (۴۱) ملاہی و ملاعب (جن کی شریعت میں اجازت نہ ہو) کی تحریم (۴۲) نفقہ میں اقتصاد اور مال کو باطل طریقہ سے کھانے کی حرمت (۴۳) غل، حسد، حقد اور اسی قسم کی چیزوں کو ترک کر دینا (۴۴) غیبت اور غیبت جیسی چیزوں کی تحریم (۴۵) ریاء کو ترک کرنا اور اللہ کے لئے نیت و عمل میں اخلاص پیدا کرنا (۴۶) اچھی چیزوں پر خوشی اور بُری چیزوں پر غم (۴۷) تمام گناہوں کا علاج توبہ ہے (۴۸) اللہ کے نام سے ذبح کرنا خواہ عقیقہ ہو یا اُضحیۃ (۴۹) اولی الأمر کی اطاعت کرنا (اس میں وہ امراء و علماء شامل ہیں جو معروف کا حکم کریں) (۵۰) اپنے عقائد و اعمال اخلاق اہل سنت والجماعت کے مطابق رکھنا (۵۱) انسانوں کے درمیان عدل کا حکم دینا (۵۲) معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا (۵۳) برّ اور تقویٰ پر تعاون کرنا (۵۴) حیاء (۵۵) والدین کے ساتھ برّ اور احسان کا سلوک رکھنا (۵۶) صلۃ الارحام والاقارب (۵۷) حسن الخلق اور تواضع (۵۸) اپنے مملوک کے ساتھ احسان (۵۹) ممالیک پر اس کے آقا کا حق (اس میں ممالیک پر آقا کی بیوی کا حکم ماننا بھی شامل ہے) (۶۰) بیوی اور بچوں کے حقوق (۶۱) اہل الدین میں مقاربت و مودت اور سلام کا آپس میں افشاء کرنا (۶۲) رد اسلام (۶۳) مریض کی

(بقیہ حاشیہ اگلے پر)

حضرت ابوذر مکارمِ اخلاق کے بارے میں فرماتے ہیں: لما بلغه مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال لأخیہ ارکب الی ھذا الوادی فاسمع من قوله فرجع فقال رأیته یأمر بمکارم الاخلاق (صحیح بخاری) اور آپ نے فرمایا: ان من أخیرکم أحسنکم خلقا (صحیح بخاری)

اسلام بچوں کو آداب سکھانے کا بھی تقاضا کرتا ہے۔ جیسے جیسے بچہ سمجھدار ہوتا جائے اُسے رہن سہن، اُٹھنے بیٹھنے اور بات چیت کرنے کے طور طریقے سکھانے چاہئیں۔ بچہ کی نشوونما کے دوران اُس میں مختلف عقلی وجسمانی تغیرات پیدا ہوتے ہیں۔ اسلام اِس دوران کے تمام مراحل و مدارج کے متعلقات و احکام بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ قرآن کریم میں ایک مقام پر بچہ کی زندگی میں پیدا ہونے والے ایک اہم تغیر کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ یعنی وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوتے ہوں۔ النور۳۱

اس آیت میں "الظهور علٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ" (یعنی عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف ہونا) کا فقرہ استعمال ہوا ہے جو واضح طور پر بچہ کی زندگی کے دو مختلف مراحل کے درمیان فصل و فرق بیان کرتا ہے۔ اس آیت سے مراد ایسے بچے ہیں جن میں ابھی صنفی احساسات بیدار نہ ہوتے ہوں۔ یہ تعریف زیادہ سے زیادہ دس (یا بارہ) برس کی عمر تک لڑکوں پر صادق آسکتی ہے۔ اس سے زیادہ عمر کے لڑکے اگرچہ نابالغ

(بقیہ حاشیہ ص۱۶) عیادت (۶۴) مردہ لوگوں کی نمازِ جنازہ پڑھنا اور پڑھانا (۶۵) تشمیت العاطس (۶۶) کفار اور مفسدین سے مباعدت (۶۷) پڑوسی کے ساتھ بھلائی (۶۸) اکرام الضیف (۶۹) جرائم کی پردہ پوشی (اس حالت میں کہ مجرم اس سے توبہ کرے) (۷۰) مصائب پر صبر (۷۱) لذت وشہوت پرستی سے کنارہ کشی اور زہد کا اختیار کرنا (۷۲) غیرت اور اختلاط مرد و زن سے بچنا (۷۳) لغو چیزوں سے اعراض (۷۴) چھوٹوں پر رحمت اور بڑوں کی توقیر (۷۵) اصلاح بین الناس (۷۶) جو چیز اپنے لئے پسند کرنے وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرے اور جس چیز کو خود بُرا جانے اسے اسے اپنے بھائی کے لئے بھی بُرا جانے (۷۷) الجود والسخاء والکرم (۷۸) اللہ تعالیٰ کا ذکر اپنے دل و زبان سے کرتا رہے اور اس پر قائم رہے۔

ہوں مگر ان میں صنفی احساسات بیدار ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اس تحقیق کے بعد بچہ کچھ اور خصوصی احکام کا مقتضی ہوتا ہے۔ اس "ظہوء" کے بعد بچہ ایسے دور میں داخل ہوتا ہے جب اُسے موعظت، علم و ادب سے روشناسی، نصائح و ہدایات، آداب شرعیہ سے واقفیت، طہارت و توحید و ایمان و نماز و روزہ کی تعلیم اور حلال و حرام میں فرق محسوس کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی بناء پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ بچہ کو عمر کے ساتویں سال سے نماز کی عادت ڈالو لیکن اگر دسویں سال میں ادائیگی نماز میں سہل کرے تو تادیباً سزا دو۔ آپؐ کے اِس فرمان نبویؐ سے بھی بچہ کی نشو و نما کے ہر دو مراحل اور اُن کے درمیان فرق واضح ہوتا ہے۔ بچہ کی تربیت سلوک و عادات سے متعلق کچھ آداب قرآن کریم میں اس طرح بیان کئے گئے ہیں:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ..... ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ	"ترجمہ:۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو لازم ہے کہ تمہارے مملوک اور تمہارے وہ بچے جو ابھی عقل کی حد کو نہیں پہنچے ہیں، تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں ..... یہ تین وقت تمہارے لئے پردے کے وقت ہیں۔ ان کے بعد وہ بلا اجازت آئیں تو نہ تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر تمہیں ایک دوسرے کے پاس بار بار آنا ہی ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ تمہارے لئے اپنے ارشادات کی توضیح کرتا ہے اور وہ علیم و حکیم ہے۔ اور جب تمہارے بچے عقل[1] کی حد کو پہنچ

[1] عقل کی حد کو پہنچنا یعنی بالغ ہو جانا۔ لڑکوں کے معاملے میں احتلام اور لڑکیوں کے معاملہ میں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اٰیٰتِہٖ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۝ (النور - ۵۸، ۵۹)

جائیں تو چاہیے کہ اسی طرح اجازت لے کر آیا کریں جس طرح اُن کے بڑے اجازت لیتے رہے ہیں - اس طرح اللہ اپنی آیات تمہارے سامنے کھولتا ہے اور وہ علیم و حکیم ہے -

سُورۂ عنکبوت میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے :-

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاھَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِہٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْھُمَا ؕ (العنکبوت : ۸)

" ترجمہ :- اور ہم نے انسان کو وصیّت کی ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرے لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو اُن کی بات ہرگز نہ مان " [1]

(بقیہ حاشیہ نمبر ۶) ، ایّام ماہواری کا آغاز علامتِ بلوغ ہے - لیکن جو لڑکے اور لڑکیاں کہ وجہ سے دیر تک ان جسمانی تغیرات سے خالی رہ جائیں اُن کے معاملے میں فقہائے اسلام کے در تھوڑا سا اختلاف ہے - امام شافعی، امام ابو یُوسف، امام محمد اور امام احمد رحمہم اللہ نزدیک اس صورت میں ۱۵ برس کے لڑکے اور لڑکی کو بالغ تصوّر کیا جائے گا - امام ابوحنی کا بھی ایک قول اسکی تائید میں ہے - لیکن ایک اور مشہور قول یہ ہے کہ اس صورت میں ۱۷ برس کی لڑکی اور ۱۸ برس کے لڑکے کو بالغ قرار دیا جائے گا - اِن دونوں قولوں کی بنیاد شرعی نص پر نہیں بلکہ محض فقیہانہ اجتہاد پر ہے چنانچہ ضروری نہیں کہ دنیا کے ہر خطہ میں ہمیشہ ۱۵ یا ۱۷ اور ۱۸ برس کی عمر ہی کو غیر محتلم لڑکوں اور غیر حائضہ لڑکیوں کی حد بلو مانا جائے - اس لئے بھی کہ دنیا کے مختلف خطّوں اور مختلف زمانوں میں انسانوں کی ج ساخت اور نشوونما کے حالات مختلف ہوکرتے ہیں -

[1] لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِی مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ (حدیث)

" ترجمہ :- خالق کی معصیّت میں مخلوق کی اطاعت لازم نہیں "

اسی طرح اگر مسلم حاکمِ وقت کوئی خلافِ شرع بات (معصیت الخالق) کا حکم دے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سورۂ لقمان میں بھی بچوں کی تربیت، سلوک سے متعلق کچھ آداب قرآن حکیم بیان ہوئے ہیں :-

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ

"ترجمہ :- اور یاد کرو جب لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا تو اس نے کہا" بیٹا خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے ـــــ اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے (اسی لئے ہم نے اس کو نصیحت کی کہ) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔ لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ

بقیہ حاشیہ ص۴۹) اُس کی اطاعت لازم نہیں۔ مشہور واقعہ ہے کہ خلیفۃ الرسولؐ نے زمام خلافت سنبھالنے کے بعد فرمایا تھا : اطیعونی ما اطعت اللہ ورسولہ فیکم فان عصیت فلا طاعۃ لی علیکم (سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص۶۶۱) بعض اور احادیث میں بھی یہی حکم ملتا ہے :- قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : السمع والطاعۃ علی المرء المسلم فیما احب وکرہ مالم یؤمر بمعصیۃ فلا سمع ولا طاعۃ (رواہ البخاری) اور لا طاعۃ فی معصیۃ انما الطاعۃ فی المعروف (رواہ البخاری) السمع والطاعۃ حق مالم یؤمر بمعصیۃ فلا سمع ولا طاعۃ (رواہ البخاری)

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ...... يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۗ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۚ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۚ وَاقْصِدْ فِىْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۗ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۚ (لقمان ۱۳ تا ۱۹)

تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو اُن کی بات ہرگز نہ مان ۔ دنیا میں اُن کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ مگر پیروی اُس شخص کے راستے کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے ۔ پھر تم سب کو پلٹنا میری ہی طرف ہے ۔ اُس وقت میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم کیسے عمل کرتے رہے ہو ۔۔۔۔ بیٹا نماز قائم کر، نیکی کا حکم دے، بدی سے منع کر اور جو مصیبت بھی پڑے اس پر صبر کر۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کی بڑی تاکید کی گئی ہے ۔ اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر نہ زمین میں اکڑ کر چل، اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا ۔ اپنی چال میں اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز ذرا پست رکھ کہ سب آوازوں میں زیادہ میری آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے ۔"

تربیت کنندگان پر لازم ہے کہ زیر تربیت بچوں کو والدین کے ساتھ محبت، اُن کی خدمت، اُن کی اطاعت و فرمانبرداری ۔ اُن کی عزت و تکریم اور اُن کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ رکھنے کے لئے تیار و آمادہ کریں ۔ مندرجہ بالا آیات سے اس امر کی اہمیت کا اندازہ ہو گیا ہوگا ۔ سُورۃ الاحقاف میں بھی خدا تعالیٰ والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کی تاکید فرماتا ہے ۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۗ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۗ

"ترجمہ :- ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرے ۔ اس کی ماں

وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ ۔

(الاحقاف - ۱۵)

"اُس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر ہی اُس کو جنا اور اُس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس ۳۰ مہینے لگ گئے یہاں تک کہ وہ اپنی پوری طاقت کو پہنچا۔"

سورۃ الاحقاف کی یہ آیت اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اگرچہ اولاد کو ماں اور باپ دونوں ہی کی خدمت کرنا چاہیئے لیکن ماں کا حق اپنی اہمیت میں اس بناء پر زیادہ ہے کہ وہ اولاد کے لئے زیادہ تکالیف برداشت کرتی ہے۔ یہی بات اُس حدیث[۱] سے معلوم ہوتی ہے جو تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد اور امام بخاری کی ادب المفرد میں وارد ہوئی ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کس کا حق خدمت مجھ پر زیادہ ہے؟ آپ نے فرمایا تیری ماں کا۔ انہوں نے پوچھا اُس کے بعد کون؟ فرمایا تیری ماں، انہوں نے پوچھا اس کے بعد کون؟ فرمایا کہ تیری ماں۔ انہوں نے پوچھا اس کے بعد کون؟ فرمایا تیرا باپ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ٹھیک ٹھیک اس آیت کی ترجمانی کرتا ہے کیونکہ اس میں بھی ماں کے تہرے حق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یعنی ۱۔ اُس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اُسے پیٹ میں رکھا ۲۔ مشقت اٹھا کر اُسے جنا ۳، پھر اُس کے دودھ چھڑانے میں تیس ۳۰ مہینے لگے۔ اولاد پر (والد باپ) کے جو فرائض و حقوق عائد ہوتے ہیں اُن میں سے چند اہم حقوق یہ ہیں جن کی احادیث نبویؐ میں بہت تاکید اور تصریح ملتی ہے:

انت و مالك لابيك (حدیث)

"ترجمہ:۔ تم اور تمہاری ملکیت و دولت سب تمہارے باپ کی ہے۔"

---

[۱] فقد جاء رجل وقال یا رسول اللّٰہ من أحق بحسن صحابتی؟ قال أمك قال ثم من قال امك، قال ثم من قال امك قال ثم من قال ابوك (رواه البخاری)

من ابرّ البرّ صلة الرجل اهل ودّ ابیه بعد ان یولیٰ۔ (مسلم)

"ترجمہ:- سب سے بڑی نیکیوں میں سے ایک نیکی انسان کا اپنے والد کے دوستوں کے ساتھ اُس کے انتقال کے بعد حسن سلوک ہے۔"

بچوں کو اپنے بڑوں کی عزت و تعظیم کرنا اور چھوٹوں سے شفقت و محبت کرنا بھی سکھانا چاہیئے۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:-

من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا۔ (حدیث)

"ترجمہ: جو اپنے فرد پر شفقت نہ کرے اور اپنے بزرگ کی توقیر نہ کرے وہ ہماری جماعت میں سے نہیں ہے۔"

والدین کی نافرمانی اور دل آزاری کرنا سخت منع ہے اور یہ بھی بڑی خطاؤں میں سے ایک بڑی خطا ہے کہ انسان اپنے والدین کو لعن کرے یا اپنے والدین کے لئے دُعا چھوڑ کر کسی غیر باپ کے لئے دُعا کرے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اِن من اکبر الکبائر ان یلعن الرجل والدیہ قیل یا رسُول اللہ وکیف یلعن الرجل والدیہ؟ قال یسب الرجل اَبا الرجل فیسب اَباہ و یسب امہ (صحیح بخاری) لعن اللہ من لعن والدیہ (رواہ مسلم)
اور لیس من رجل ادعی لغیر اَبیہ وھو یعلمہ الا کفر ومن ادعی قوما لیس لہ فیھم فلیتبوا مقدہ من النار (صحیح بخاری) اور فرمایا:
من اَعظم الفری اَن یدعی الرجل لغیر اَبیہ اَو یری عینیہ مالم تری اَو یقول علی رسُول اللہ مالم یقل (صحیح بخاری)

زیر پرورش اور موجودہ نسلوں میں مندرجہ ذیل اسلامی و اخلاقی صفات پیدا کرنے کے لئے عمل تربیت کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے والدین کو ضرور جدوجہد کرنی چاہیئے۔ استاذ کا ادب و احترام، عورت کی عفت مآبی، ازدواجی وفاداری، آقا کی نمک حلالی، نوجوانوں کی اخلاقی استقامت، شرفاء کا معاملہ و سلوک، دوستوں کے لئے ایثار و قربانی و ہمدردی، فرائض و حقوق کی ادائیگی، تعلقات و ملاقات و اوقات معمول و لباس و معاشرت میں کامل یکسانیت و وضعداری، دیانت داری، ایفائے عہد،

صبر و قناعت، فیاضی و رحمدلی، شجاعت، مساوات و اخوت، خدمت و اشاعتِ دین، خدمتِ خلق، خود اعتمادی، قوتِ فیصلہ، حق گوئی و حمایتِ حق، مظلوم اور کمزور کی مدد، پڑوسیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک[1]، مریض کی عیادت کرنا[2]، حق الضیف[3]، ترویج سلام مسنون[4]،

---

[1] واللّٰہ لا یؤمن واللّٰہ لا یؤمن واللّٰہ لا یؤمن قیل من یارسول اللّٰہ قال الذی لا یامن جارہٗ بوائقہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح) "ترجمہ: اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے۔ اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے۔ اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے کسی شخص نے پوچھا یا رسول اللہ کون مومن نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا:۔ وہ شخص جس کے پڑوسی اُس کی وجہ سے امن میں نہ ہوں"

[2] اطعموا الجائع وعودوا المریض وفکوا العانی، قال سفیان العانی الاسیر (بخاری) اور عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من عاد مریضا لم یحضر اجلہ فقال عندہ سبع مرات: أسأل اللّٰہ العظیم ربّ العرش العظیم أن یشفیک إلا عافاہ اللّٰہ (حدیث)

[3] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم: اذا نزلتم بقوم فأمر لکم بما ینبغی للضیف فاقبلوا فان لم یفعلوا فخذوا منھم حق الضیف (صحیح بخاری) اور فرمایا: من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الاٰخر فلا یؤذ جارہ ومن کان یؤمن باللّٰہ والیوم الاٰخر فلیکرم ضیفہ ومن کان یؤمن باللّٰہ والیوم الاٰخر فلیقل خیرا أو لیصمت (صحیح بخاری)

[4] لن تدخلوا الجنۃ حتّٰی تؤمنوا ولن تؤمنوا حتّٰی تحابّوا افلا ادلکم علٰی شیئ اذا فعلتموہ تحاببتم افشوا السلام بینکم (صحیح مسلم) یعنی (اے مسلمانو): تم اُس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ مومن نہ ہو، اور مومن اُس وقت تک نہیں بن سکتے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتا دوں جس کے کرنے سے تمہارے درمیان محبت پیدا ہو جائے (اور وہ یہ ہے کہ) سلام کو پھیلاؤ اپنے درمیان" بعض اور احادیث میں رسول اللہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

طہارت کا اختیار کرنا¹، عفو و درگزر، بُرائی کو بھلائی سے بدل دینا²، دنیاوی محبت اپنے اوپر غالب نہ آنے دینا³ اپنے لئے جو پسند کرنا وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرنا⁴،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴) صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے: تطعم الطعام و تقرأ السلام علی معرفت ومن لم تعرف (بخاری) لیسلم الراکب علی الماشی والماشی علی القاعد و القلیل علی الکثیر (بخاری) لیسلم الصغیر علی الکبیر و المار علی القاعد و القلیل علی الکثیر (بخاری) اور انسؓ جب ایک مرتبہ بچوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے ان کو سلام کیا اور کہا کہ رسول اللہ ایسا ہی کیا کرتے تھے: انہ مر علی صبیان فسلم علیھم و قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یفعلہ۔ (بخاری)

¹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے: الطھور شطر الایمان" (رواہ مسلم)

² من رای منکم منکرًا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلك أضعف الایمان (رواہ مسلم) یعنی تم میں سے جو کوئی کسی مُنکر (بُرائی) کو دیکھے اُسے چاہیئے کہ اپنے ہاتھوں سے اسے بھلائی سے بدل دے لیکن اگر ایسا کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو زبان کو استعمال کرکے بدلے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو تو دل سے اس کو برا جانے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔"

³ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو کندھے سے اٹھا کر فرمایا: کن فی الدنیا کانك غریبٌ او عابر سبیلٍ یعنی دنیا میں اس طرح رہو جیسے کہ ایک پردیسی یا ایک مسافر۔" اور إذا أمسیت فلا تنتظر الصباح و إذا أصبحت فلا تنتظر المساء وخذ من صحتك لمرضك ومن حیاتك لموتك (رواہ البخاری) یعنی شام کے وقت صبح تک زندہ رہنے کا انتظار نہ کر اور صبح کو شام تک زندہ رہنے کا انتظار نہ کر۔ اپنی صحت سے اپنی بیماری کو اور اپنی حیات سے اپنی موت کو لے۔"

⁴ لا یؤمن احد کم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ (رواہ بخاری و مسلم) یعنی تم میں سے کوئی اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جبتک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہو

رحم[1]، مصیبت پر صبر کرنا[2]، نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرنا[3]، مسلمانانہ شان پیدا کرنا[4]، عدل و انصاف قائم کرنا[5]، آداب مجلس کا لحاظ کرنا[6]، عصبیت و گروہ بندی کو منہدم کرنا[7]، امانت

---

[1] ارحموا من فی الارض یرحمکم من السماء (رواہ الترمذی و ابوداؤد) یعنی تم زمین پر بسنے والوں پر رحم کرو، تمہارے اوپر وہ رحم کرے گا جو آسمان پر رہنے والا ہے۔

[2] قرآن کریم میں بندہ کو حکم دیا گیا ہے وَاصْبِرْ مَآ اَصَابَکَ (لقمٰن-۱۷) یعنی "اور جو مصیبت بھی پڑے اس پر صبر کر۔" خدا تعالیٰ مزید فرماتا ہے: اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ؕ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ - (البقرہ-۱۵۶ و ۱۵۷) یعنی جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہتے ہیں کہ بلاشبہ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور بلاشبہ ہمیں اسی کی طرف لوٹنا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی صلوٰت اور رحمت ہے اور یہ وہی لوگ ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں۔" اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مصیبت کے وقت یہ کہتے ہوئے سنا: ما من عبدٍ تصیبہ مصیبۃٌ اور پھر فرمایا: اِنّا لِلّٰہ و اِنّآ اِلیہ راجعون، اَللّٰھمّ اَجرنی فی مصیبتی وأخلف لی خیرًا منہا اِلّا أجرہُ اللہ فی مصیبتہٖ، واَخلف لہ خیرًا منہا۔

[3] کوئی مسلم جب کسی نعمت کو پائے تو یہ کہنا مسنون ہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بنعمتہ تتمّ الصّالحات" ویسے بھی خدا تعالیٰ کا ہر حال میں شکر ادا کرنا چاہیئے: الحمد للہ علی کلِّ حالٍ۔

[4] المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ - (صحیح مسلم) "یعنی مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔" اور یا ایھا الناس کونوا عباد اللہ اخوانًا یعنی اے انسانو! تم اللہ کے بندے آپس میں سب بھائی بن جاؤ۔" اور رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلم نے خطبۃ الوداع میں فرمایا: اسمعوا قولی واعقلوہ - تعلمن أن کل مسلم أخ للمسلم و أن المسلمین اخوۃ فلا یحل لامرئ من أخیہ الا ما أعطاہ عن طیب نفس منہ فلا تظلمن انفسکم (خطبۃ الوداع) آپؐ نے مزید فرمایا: ولا یحل

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں خیانت نہ کرنا، بُغض و حَسَد و کینہ و دروغ گوئی و غیبت و فحاشی و فسق و فجور و معصیت سے پرہیز کرنا - وغیرہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ...) لمسلم أن یھجر أخاہ فوق ثلاثة أیام (بخاری) ولا یحل لرجل ان یھجر أخاہ فوق ثلاث لیال، یلتقیان فیعرض ھذا و یعرض ھذا وخیرھما الذی یبدأ بالسلام (بخاری) نھی أن یبیع بعضکم علی بیع بعض ولا یخطب الرجل علی خطبة أخیه حتی یترك الخاطب قبله أو یأذن له الخاطب (بخاری)

ھ قرآن کریم میں جگہ جگہ خدا تعالے فرماتا ہے: إِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (سورۃ المائدہ - ۸) یعنی عدل کرو کہ یہ تقویٰ کے قریب ترین شے ہے۔" یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰامِیْنَ بِالْقِسْطِ (النساء - ۱۳۵) یعنی اے تم جو ایمان لائے ہو عدل پر سختی کے ساتھ جمع رہو" وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ - ۲) یعنی تقویٰ اور بھلائی میں ایک دوسرے کی مدد کرو لیکن برائی اور عدوان میں ایک دوسرے کیساتھ تعاون نہ کرو" وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتَابَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحدید - ۲۵) یعنی اور ہم نے نازل کیا ہے اُن کے ساتھ کے ساتھ میزان اور کتاب تاکہ انسان عدل پر قائم رہ سکیں" اور یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰامِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ (المائدہ - ۸) یعنی اے تم جو ایمان لائے ہو! (ہمیشہ) اللہ کے لئے شاہد عدل قائم کرنے کے لئے کھڑے رہو - وغیرہ -

ؒ ان کنتم ثلاثة فلا یتناجی رجلان دون الآخر حتی تختلطوا بالناس أجل ان یحزنه (بخاری) وقد نھی صلی اللہ علیہ وسلم أن یقیم الرجل أخاہ من مقعدہ ویجلس فیه - (بخاری)

ؒ اصلاح و تقویت معاشرہ اور اتحاد بین المسلمین کے لئے اسلام وطنی و قومی تفاخر کو برداشت نہیں کرتا اور نہ ہی جغرافیائی تقسیم کا لحاظ اس کی نظر میں کوئی معنی رکھتا ہے - قوم پرستی، عصبیت اور گروہ بندی کو "حمیت جاہلیت" قرار دیتا اور اس سے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تربیت کے ان صالح و ارفع اصولوں کو اپنانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بلند شخصیت و

(بقیہ حاشیہ صـ۴۷ٔ) کنارہ کشی کا مطالبہ کرتا ہے۔ بچوں کو ان برائیوں سے بہت دور رکھنا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:۔

لیس منا من دعا الی عصبیۃ ولیس منا من قاتل علی عصبیہ و لیس منا من مات علی عصبیۃ" (ابوداؤد) یعنی وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو کسی جتھہ بندی کی دعوت دے، وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو کسی جتھہ بندی اور پاسداری کے لئے جنگ کرے، وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو جتھہ بندی کی حالت میں مرے۔" اور فرمایا:۔ من قاتل تحت رایۃ عمیۃ یغضب لعصبیۃ او یدعوا الی عصبیۃ او ینصر عصبیۃ فقتل فقتلتہ جاھلیۃ" (مسلم ونسائی) یعنی جو شخص کسی اندھا دھند جھنڈے کے نیچے کسی جتھہ بندی کے جوش حمایت میں یا کسی جتھہ بندی کی دعوت میں یا کسی جتھہ بندی کی امداد میں جنگ کرے گا اور مارا جائے گا تو اُس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ اور ومن قتل تحت رایۃ عمیۃ یغضب للعصبیۃ ویقاتل للعصبیۃ فلیس من امتی (مسلم) یعنی جو کسی اندھا دھند جھنڈے کے نیچے کسی پاسداری کے جوش میں یا پاسداری کی جنگ میں مارا جائے گا تو وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔" ایک مرتبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! بیشک اللہ نے تم سے جاہلیت کے عیب کو دُور فرما دیا اور آباء اجداد پر فخر کرنے کی رسم ختم کردی انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں نیک اور خدا ترس اور اللہ تعالےٰ کے یہاں شریف دوسرے بدعمل بدبخت اور اللہ تعالےٰ کے یہاں ذلیل وخوار۔" (ابن ابی حاتم) جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں تھے ایک مہاجر نے ایک انصاری کو کچھ کہہ دیا اور انصاری پکار اٹھا انصاریو! اور مہاجر پکار اٹھا مہاجرو! تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوڑو اس جتھے بندی کے نعروں کو یہ نجس ہے (صحیح بخاری) دور جاہلیت کی ان برائیوں کو اگر موجودہ اور آنے والی نسلوں سے دور کیا جا سکے تو بلاشبہ انسانی معاشرہ ایک بے خار گلدستہ ہوگا جس کا ہر پھول اور ہر پتی اس کے لئے باعث زینت ہوگی اور نوع انسانی کے تمام افراد ایک خاندان میں تبدیل ہو جائیں گے نہ کسی عرب کو کسی عجمی پر فضیلت ہوگی اور نہ کسی عجمی کو کسی

(بقیہ حاشیہ صـ۴۹ٔ پر)

بلند کردار و باعظمت نوجوان پیدا ہوتے ہیں جن سے ایک پائیدار صالح و مثالی معاشرہ ظہور میں آتا ہے ہمارے سامنے ایسے ہی تربیت یافتہ ایک مسلم بچہ کی دلیری و جرأت کی مثال موجود ہے: واقعہ یہ ہے کہ مسلمان بچوں میں سے ایک بچہ راستہ میں کھیل رہا تھا۔ اِدھر سے امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، جن کے جلال و عظمت سے بڑے بڑے لوگوں کے دلوں پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی، کا گزر ہوا۔ بچہ آپؓ سے خائف ہو کر وہاں سے بھاگا نہیں بلکہ وہیں کھڑا رہا اور حضرت عمرؓ سے مخاطب ہوا: "لم أكن مذنبًا فاخاف منك، ولم تكن الطريق ضيقة فأوسع لك ولم تكن جبارًا فأرهبك" یعنی میں نے کوئی بُرا کام نہیں کیا ہے کہ آپ سے خوف کروں اور نہ ہی یہ راستہ آپ کے لئے چھوٹا ہے جو ہٹ کر اسے وسیع کروں اور نہ ہی آپ جابر ہیں جو آپ سے ڈر کر بھاگ جاؤں۔

(جاری ہے)

(بقیہ حاشیہ صـ۸) عرب پر فوقیت، ہاں اگر کسی کو کسی شخص پر فضیلت ہوگی تو محض تقویٰ کی بناپر جیسا کہ آپؐ نے خطبۃ الوداع میں فرمایا تھا: ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم، لیس لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لاحمر على أبيض ولا لأبيض على أحمر فضل الا بالتقوى ۔"

ﻫ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الخازن المسلم الأمين الذي ينفذ وربما قال يعطي ما أمر به كاملا موفورا طيب به نفسه فيه فعه الى الذي أمر له به أحد المتصدقين (بخاری)، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت میں خیانت کو نفاق کی علامت بتایا ہے: أربع من كن فيه كان منافقا خالصا ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها، اذا أؤتمن خان، واذا حدث كذب، واذا عاهد غدر واذا خاصم فجر (بخاری) ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا: آية المنافق ثلاث اذا حدث كذب واذا وعد أخلف واذا أؤتمن خان (صحیح بخاری)

قرآن و معیارِ حق و باطل اور

سُنت و صراطِ مستقیم کا عملی نمونہ ہے

از قلم: محمد یونس جنجوعہ - ایم اے - ایم ایڈ

قرآن پاک ۲۳ سال کے عرصہ میں رسول پاک پر نازل ہوتا رہا - خالقِ ارض و سما نے جن جن چیزوں کو پسند کیا اُن کے اختیار کی انسان کو ترغیب دی اور جن جن چیزوں کو ناپسند کیا ان سے رُک جانے کو کہا - گویا قرآن پاک کو غلط اور درست، حق و باطل، مفید و مضر - حرام و حلال - ناقص اور کامل میں تمیز کا معیار قرار دیا - چونکہ قرآن پاک محدود ضخامت کی ایک کتاب ہے جس میں زمانے بھر کے تقاضوں کی شناخت بتائی گئی ہے تو صاف ظاہر ہے کہ اس کی جامعیت اصولوں کی حد تک ہی ہو سکتی ہے - آج قرآن پاک سے کئی گنا زیادہ ضخیم کتب موجود ہیں - جن میں زندگی کے کسی ایک پہلو یا علم کے کسی معمولی شعبے پر بحث کی گئی ہے مگر جزئیات پر حاوی وہ بھی نہیں ہیں -

قرآن پاک میں اُصولوں اور ضابطوں کی تھیوریٹیکل تعلیم ہے اور انسان کی سہولت اور امتحان کے پیش نظر اس کو ناقابلِ تغیر بنا دیا گیا ہے - سہولت یہ کہ وہ آسانی سے اصولی راہنمائی تو قرآن سے لے اس یقین کے ساتھ کہ یہ کتاب واقعی شک و شبہ سے بالاتر ہے - اور امتحان اس لئے کہ آیا انسان قرآنی حقائق کو خدائی تعلیم سمجھنے کے باوجود ——— اس کے فیصلوں کو اٹل غیر متبدل بہترین اور اپنے حق میں معیاری سمجھتا ہے یا اِدھر اُدھر کے پُر از شکوک و شبہات ذرائع و وسائل سے متاثر ہو کر اُن کی راہ نمائی قبول کرتا ہے -

چاہیئے تو یہ تھا کہ مسلمان جس طرح قرآن پاک کو منزل من اللہ اور لاریب سمجھتا ہے وہ اس کی تعلیمات کو بھی حتمی جانتا لیکن بدقسمتی سے وہ بھی فریب

نفس میں مبتلا ہوگیا اور قرآنی تعلیمات کی من مانی تاویلات کرنا شروع کردیں اور سیرتُ النبیؐ کی روشنی سے منہ پھیر لیا۔ حالانکہ خود قرآن میں سیرتُ النبیؐ کو اپنانے کی تعلیم ہے مثال کے طور پر قرآن شریف میں نماز قائم کرنے کا حکم ہے لیکن رکوع وسجود اور قیام کے اشاروں کے سوا رکعات کی تعداد، اوقات کی حد بندیاں۔ اذان کے الفاظ نماز باجماعت کے مسائل کے متعلق بحث نہیں کی گئی۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ قیام نماز کی اہمیت اور حکم کے پیشِ نظر پیغمبرِ اسلام اس کو عملی طور پر اختیار کریں گے اور اُن کے ساتھی اُن کو دیکھ کر قیام نماز میں ان کے ساتھ شامل ہوجائیں گے۔ اس طرح وقتاً فوقتاً نماز میں پیش آنے والے استفسارات خود بزبانِ نبوی حل ہوتے جائیں گے۔ پیغمبر کو قرآن پاک میں اُسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے اس لئے نماز کی ادائیگی کی جو جزئیات آپ سے عملاً ظاہر ہوں گی وہی اُمّت کے لئے معیاری ہونگی۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے وفات تک قیام نماز کا سختی کے ساتھ اہتمام کیا اور صحابہ کرامؓ نے بھی اسی طرزِ عمل کو اپنایا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عہدِ نبوی میں کوئی مسلمان بے نماز نظر نہیں آتا۔ اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی کو سمجھئے کہ عہدِ نبویؐ میں کوئی مسلمان زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا نظر نہیں آتا اور بالفرض اگر کوئی مسلمان قیام الصّلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ کی پابندی نہ کرتا تو اُسے جماعت مسلمین سے الگ تصور کیا جاتا۔ یہ ہے عملی نمونہ قرآن کو معیارِ حق و باطل سمجھنے اور آنحضرتؐ کی حیات طیبہ کو اُسوۂ حسنہ جاننے کا۔

اب بھی اُصولی طور پر مسلمان قرآن کو معیارِ حق و باطل اور سنت کو صراطِ مستقیم سمجھتے ہیں۔ لیکن عملی طور پر گریز اور فرار کی راہ اختیار کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود خود کو محبِ نبی اور عاشقِ رسول کا نام دیتے ہیں۔ نماز کا اہتمام۔ اکل حلال کی تلاش۔ ارکان اسلام کی پابندی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا احساس۔ خوف خدا۔ فکر آخرت اور دیگر اخلاقی تقاضوں کی پابندی تو اُس کے پروگرام میں شامل نہیں اور اگر شامل ہیں تو صرف نظری اور سطحی طور پر لیکن وہ خود ساختہ رسومات جن کا اُسوۂ حسنہ میں ذکر تک نہیں اُن میں شمولیت کو فرضِ اوّلین اور ترک کو گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں۔ ان رسومات کو دین بتاتے اور حبِّ نبی اور نجاتِ اُخروی کے لئے انہیں ضروری خیال کرتے ہیں۔ ان رسومات کو جن کا

وجود اُسوۂ حسنہ اور عہد خلفائے راشدین میں نہیں ہے بدعات کہا جاتا ہے اور بدعات کو شریعت اسلامیہ میں سخت مذموم سمجھا گیا ہے ۔ آنحضرتؐ کے فرمان کے مطابق دین تو اُسوہ حسنہ یعنی سنت اور طریق صحابہ ہی میں محدود ہے ۔ جو رسم ورواج عہد نبویؐ اور دور صحابہ کرام میں مفقود تھیں ان کی مشروعیت کا کیا ثبوت ہے اور اگر ہماری یہ خود ساختہ رسومات مشروع ہوں تو صحابہ کرام کی زندگیاں تشنہ ماننا پڑیں گی حالانکہ صحابہ کے طریقے کو خود آنحضرتؐ نے قابل اعتماد تصور کرتے ہوئے علیکم بسنتی وسنت خلفاء راشدین فرمایا اور اپنے طریقے کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے طریقے کو بھی پوری اُمت کے لئے لازم قرار دیا ۔

اُصول سے انحراف کی اس غلطی کا سبب ہے کہ دین کے نام پر فرقہ وارانہ رسومات اور اجتماعات میں کردار کے اعتبار سے رسوائے زمانہ لوگوں کو نمایاں جگہ پر دیکھا جاتا ہے ایک نام نہاد مذہبی جلوس میں فحش فلموں کا دھندا کرنے والے آدمی کو قیادت کے منصب پر دیکھا گیا وجہ ظاہر ہے کہ جب کوئی بدکردار آدمی نماز کی امامت کے لئے کھڑا ہوگا تو لوگ حدیث نبوی اور عمل صحابہ کی روشنی میں ایسے شخص کی امامت پر معترض ہوں گے لیکن خود ساختہ جلوس کی قیادت کرنے والے ایسے شخص پر سنت اور عمل صحابہ کی روشنی میں کیا اعتراض ہوگا جب کہ ایسے جلوس کی نظیر ہی قرون اولی اور خیر القرون میں نہ ملے گی ۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ تن آسان لوگ جو حقیقی سنتوں پر عمل کر کے صدقہ اور خیرات یعنی مالی اور بدنی قربانیوں سے فرار چاہتے ہیں اُنہیں خود ساختہ ۔ وقتی ، عارضی اور ہنگامی پروگراموں میں شرکت کر کے اپنے کو مطمئن کرنے کا جھوٹا فریب حاصل ہو جاتا ہے ۔ اسی فریب نفس کی بنا پر ہمارے ہاں جرائم اور بے راہروی کی شرح حد سے زیادہ ہے ۔ حالانکہ اسلامی معاشرے میں جرائم کا وجود نہ ہونے کے برابر ہونا چاہیے ۔

قرآن وسنت کے احکام کو ٹال کر چند نمائشی نعروں اور جذباتی جلوسوں سے اللہ اور اُس کے رسولؐ کو راضی کرنے کا طریقہ عہد رسالت اور دور صحابہ میں رائج نہ تھا ۔ وہاں اُلفت تھی تو سنت کے اپنانے میں محبت تھی تو احکام قرآنی پر عمل کرتے سے ۔ لیکن اب مسلمانوں کی کثیر تعداد نے مسلمان ہونے کے باوصف اچھے

طرزِ زندگی کو تبدیل کر لیا ہے۔ سنت نبوی کے نمونے پر شریفانہ زندگی کے خلاف جس مسلمان نے رشوت۔ چور بازار۔ حقوق العباد کی پامالی اور لوٹ کھسوٹ کا دھندا شروع کر رکھا ہے اُس سے بات کرو تو وہ بھی نجات اُخروی کا اُمیدوار نظر آئے گا کیونکہ دوران سال چند مخصوص دنوں میں ہونے والے خود ساختہ اور نام نہاد اسلامی پروگراموں میں وہ بڑی مستعدی سے حصہ لیتا ہے۔ اور وہ گناہ کی زندگی اور ارکان اسلام کی طرف سے اعراض کی کوئی اہمیت نہیں سمجھتا۔ گویا حقیقت کو چھوڑ کر سراب پر مطمئن ہے، قرآن اس کیفیت کو تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ کہتا ہے۔

یہ صرف سنت نبویؐ کو اپنانے اور قرآن پاک پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے کہ مسلمان کی زندگی معصیت کی آلودگی سے پاک ہو جاتی ہے۔ نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے حج شعائراللہ سے محبت اور خدا کی راہ میں مال و دولت اور وقت خرچ کرنے کا سبق دیتا ہے۔ ذکراللہ یعنی تلاوت قرآن قلوب و اذہان میں صفائی پیدا کرتا ہے۔ سنت کی پیروی کرنے والے بزرگانِ دین کی صحبت اخلاق کی بلندی۔ کردار کی پختگی۔ توحید پر یقین محکم۔ سنت کو اپنانے کا شوق اور دین اسلام کی حقانیت سکھاتی ہے۔

کیا یہ لمحہ فکریہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کی کثیر تعداد ارکان اسلام سے غافل اور اصول اسلامی تعلیمات سے منہ موڑے ہوئے ہے لیکن فلاح و کامیابی کو اپنا مقدر سمجھتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر شخص اپنا بلا تعصب محاسبہ کرے اور قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں اپنے کردار کا جائزہ لے اس طرح راہ راست پر آنے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ نیز قرآن و سنت کی اہمیت کا صحیح فکر رکھنے والے افراد پر لازم ہے کہ وہ قرآن پاک اور سنتِ نبوی کی تعلیم عام کریں اور اس کام میں اپنا زر مال اور وقت بے دریغ خرچ کریں۔

افطار کی دعا

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْنَا وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْنَا فَتَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

(بقیہ، الکتاب)

سزا بھگتنی ہوگی۔ اور مجھے بھی اپنے اعمال کی سزا بھگتنا ہوگی۔

مَا اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ط

نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں۔ اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو۔ حضرت ابراہیمؑ کی جو دعا اس سورۃ مبارکہ میں آئی ہے۔ وہ بہت عظیم ہے۔

رَبَّنَا اِنِّيْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ ط رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔

اے میرے رب میں نے اپنی اولاد کا ایک حصہ اپنی نسل کی ایک شاخ اس وادی میں آباد کر دی ہے کہ جس میں کوئی زراعت نہیں ہے۔ کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی۔ تیرے گھر کے پاس تاکہ وہ نماز کا نظام قائم کریں۔ یہ ہے درحقیقت خانہ (خدا) کی تعمیر کا اصل مقصد۔ (جاری ہے)

روزے کے آداب

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ۔ لَيْسَ الصِّيَامُ مِنَ الْاَكْلِ وَالشُّرْبِ اِنَّمَا الصِّيَامُ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ فَاِنْ سَابَّكَ اَحَدٌ اَوْ جَهِلَ عَلَيْكَ فَقُلْ اِنِّيْ صَائِمٌ اِنِّيْ صَائِمٌ۔

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف کھانا پینا چھوڑ دینے کا نام روزہ نہیں ہے۔ اصل روزہ تو یہ ہے کہ آدمی بے ہودہ اور بے کار باتوں اور شہوانی گفتگو سے بچے۔ پس اے روزہ دار اگر تجھے کوئی گالی دے یا جہالت پر اتر آئے تو تو کہہ میں روزے سے ہوں میں روزے سے ہوں۔"

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد ۳۰ | رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ - مطابق جولائی ۱۹۸۱ء | عدد

ڈاکٹر اسرار احمد

کے جماعت اسلامی سے تنظیم اسلامی تک کے ذہنی سفر کی تفصیل سے آگاہی کے لئے حسب ذیل مطبوعات کا مطالعہ ضروری ہے

- تحریک جماعت اسلامی - ایک تحقیقی مطالعہ قیمت -/۶
- اسلام کی نشاۃ ثانیہ - کرنے کا اصل کام -/۱
- تنظیم اسلامی کی قرارداد تأسیس مع توضیحات ۱/۵۰
- تنظیم اسلامی - شرائط شمولیت و نظام العمل -/۱
- سرافگندیم - بسم اللہ مجرھا و مرسا ھا -/۱
- مطالبات دین - مشتمل بر عبادت رب - فریضہ شہادت علی الناس اور فریضہ اقامت دین -/۱
- تنظیم اسلامی کے تأسیسی اجتماع تا پانچویں سالانہ اجتماع کی روداد کا خلاصہ - زیر طبع
- تنظیم اسلامی کے چھٹے سالانہ اجتماع کی روداد معہ ڈاکٹر اسرار احمد کے تفصیلی افتتاحی و اختتامی خطابات زیر طبع
- نقض غزل (میثاق ۶۶ - ۱۹۶۷ء کے چند شمارے) -

ملنے کے پتے

مکتبہ تنظیم اسلامی - ۴۴-اے مزنگ روڈ - لاہور - (فون : ۱۱۶۶۸

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن ۳۶-کے' ماڈل ٹاؤن - لاہور - فون : ۱۱ ۲۶

مرکزی انجمن خدام القرآن کراچی آفس ۱۴۴ سٹی پلازا

حسرت موہانی روڈ - نزد نگار سینما - کراچی

Regd. L. No. 7360
MONTHLY "MEESAQ" LAHORE

ol. 30 | JULY 1981 | No. 7

خیرکم من تعلم القرآن و علمہ ۔ (الحدیث)

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دروس قرآن اور خطابات پر مشتمل

الحمد للہ و المنہ دعوت رجوع الی القرآن اور اعلائے کلمۃ اللہ کی ترویج و اشاعت کے لئے احباب کے اصرار پر نشرالقرآن کیسٹ سیریز کے سلسلے کو از سرنو منظم طور پر شروع کیا گیا ہے تاحال ستائیس موضوعات (مشتمل بر دروس قرآن و خطابات) پر تیار کیسٹ موجود ہیں ۔ ریکارڈنگ کی عمدگی کا خیال رکھا گیا ہے ۔

تفصیلات اس شمارے کے اندرونی صفحات میں ملاحظہ فرمائیے ۔
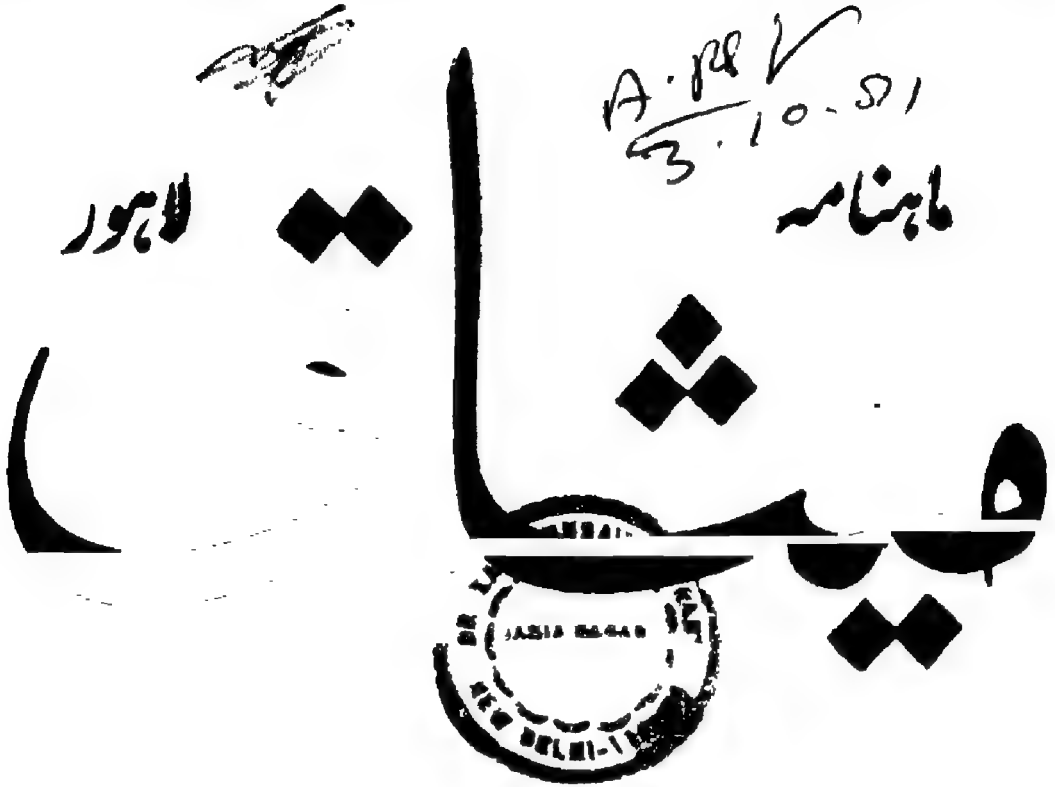
شوال المکرم و ذیقعدہ ۱۴۰۱ھ

مدیر مسئول :

ڈاکٹر اسرار احمد

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ام اشاعت : ۳۶-کے' ماڈل ٹاؤن - لاہور - ۱۴ - فون : ۸۵۲۶۱۱ - ۸۵۲۶۸۳

سالانہ زر معاونت :-/۲۰ روپے —— اس شمارے کی قیمت -/۵

وَلَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

ماہنامہ میثاق لاہور

۳۰	شوال المکرم و ذیقعدہ ۱۴۰۱ھ	عدد ۸-۱

مشمولات

مرتب : (شیخ) جمیل الرحمٰن

ناشر : ڈاکٹر اسرار احمد ✶ طابع : چودھری رشید احمد

مطبع : مکتبہ جدید پریس شارع فاطمہ جناح ۔ لاہور

اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

اس مرتبہ بہت عرصے کے بعد قارئینِ 'میثاق' سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ اگرچہ اس پورے عرصے کے دوران اس ضمن میں محرومی اور کوتاہی دونوں کا احساس شدّت کے ساتھ رہا تاہم ع "ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا" کے مصداق دل کو یہ اطمینان رہا کہ یہ صورتِ حال مجبوری کے سبب سے ہے اور مجبوری بھی کوئی ذاتی نوعیت کی نہیں بلکہ اُسی مقصد کے لئے بھاگ دوڑ میں مصروفیت اور مشغولیت کی جس کا ایک شعبہ 'میثاق' کی اشاعت بھی ہے۔

'چکی کے دو پاٹوں کے مابین پس جانا' عام محاورہ ہے لیکن روایتی چکی کا صرف ایک پاٹ حرکت کرتا ہے، دوسرا ساکن رہتا ہے، جبکہ راقم کے معاملے میں چکی کے دونوں پاٹ مخالف سمت میں تیزی سے حرکت کر رہے ہیں، یعنی ایک جانب مصروفیات کی شدّت بھی روز افزوں ہے اور ان کا دائرہ بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے اور دوسری طرف جسمانی صحت اور قوتِ کار میں تیز رفتاری کے ساتھ کمی واقع ہو رہی ہے ـــــ بہرحال یہ اطمینان دل کو بدرجۂ اتم حاصل ہے کہ جسم و جان کی ناگزیر ضروریات اور اہل و عیال کے کم از کم حقوق کی ادائیگی کے علاوہ قوت و صلاحیت کی کوئی رمق کسی ذاتی یا دنیوی غرض کے لئے استعمال نہیں ہو رہی ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ مہلتِ عمر کا ہر لمحہ اور اس کی بخشی ہوئی توانائیوں اور صلاحیتوں کا اکثر و بیشتر حصہ اُسی تعالیٰ کے دینِ متین اور اسی تعالیٰ کی کتابِ عزیز کی خدمت میں صرف ہو رہا ہے، بقول شاعر ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!!

اس سال ماہ جنوری کا اکثر حصہ جنوبی ہند کی 'یاترا' کی نذر ہو گیا تھا جس کی قدرے 'ضرورت سے زیادہ مفصّل' روداد کی دو قسطیں قارئین کی نظر سے گذر

چکی ہیں، تیسری اس اشاعت میں شامل ہے اور غالباً ابھی اتنی ہی اور ہوں گی۔ بعض حضرات نے اس روداد کی طوالت اور غیر ضروری تفاصیل کی بجا طور پر شکایت کی ہے۔ ان شاء اللہ بقیہ اقساط میں یہ دونوں خامیاں بہت کم پائی جائیں گی۔

ڈائری پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوا کہ ماہ فروری ۸۱ء کے دوران ایک نہ دو پورے تین چکر کراچی کے لگے۔ جن میں سے ایک خود اپنے طے کردہ تنظیمی اور دعوتی پروگرام کے سلسلہ میں تھا اور دو مختلف اداروں کی دعوت پر سیرت النبیؐ کی تقاریر کے ضمن میں —— زمانے کی ترقی اور ذرائع رسل و رسائل کی تیزی کے ساتھ اپنی مصروفیات کی چکّی کے پاٹ کی تیز رفتاری کا اندازہ ایک مثال سے ہو سکتا ہے :۔ جمعہ ۳۰ جنوری ۸۱ء کو راقم نے دس بجے صبح سے بارہ بجے دوپہر تک مسجد شہداء ریگل چوک لاہور میں درسِ قرآن دیا۔ وہاں سے بھاگم بھاگ مسجد دارالسلام، باغ جناح پہنچنا ہوا جہاں خطبۂ جمعہ دیا اور نماز پڑھائی۔ وہاں سے سیدھے ایئرپورٹ جانا ہوا۔ جہاں سے پونے تین بجے کی فلائٹ سے کراچی روانگی تھی۔ فلائٹ لیٹ تھی لہٰذا کراچی ساڑھے پانچ بجے پہنچنا ہوا، جہاں بعد نماز مغرب آدم جی سائنس کالج کے آڈیٹوریم میں کالٹیکس پاکستان لمیٹڈ کے زیر اہتمام لگ بھگ پونے دو گھنٹے "تکمیل رسالت اور اس کے لوازم" کے موضوع پر خطاب ہوا۔ چنانچہ احباب اور مشفقین میں سے بعض نے بجا طور پر تبصرہ کیا کہ اب تک تو ہمارا خیال یہی تھا کہ آپ ایک انگریزی محاورے کے مطابق اپنی موم بتی کو دونوں سِروں سے جلا رہے ہیں لیکن اب یہ احساس ہو رہا ہے آپ نے اسے درمیان سے بھی جلانا شروع کر دیا ہے —— دوسرے روز یعنی ۳۱ جنوری کو اسلامیہ لاء کالج کراچی میں بعد نماز عصر ایک تقریر ہوئی جس کا عنوان تھا "دین اور مذہب کا فرق اور فریضۂ اظہار دین حق علی الدین کلّہٖ" اور مغرب تا عشاء مسجد نعمانیہ واقع نرسری پی ای سی ایچ ایس میں درسِ قرآن ہوا۔ جو اگلے دو دن بھی انہی اوقات میں جاری رہا اور تین دنوں میں پوری سورۃ تغابن کا درس مکمل ہو گیا۔

۱۸ ر فروری کو آئی ڈی بی پی کی دعوت پر سیرت النبیؐ کے موضوع پر تقریر کیلئے دوبارہ کراچی جانا ہوا - اور تیسری بار ۲۴ ر تا ۲۷ ر فروری چار دن پھر کراچی میں گذرے جہاں ۲۴ ر اور ۲۶ ر فروری کو توعلی الترتیب سٹیٹ بنک آف پاکستان اور کسٹمز کلب کیماڑی کراچی میں سیرت کی تقاریر ہوئیں - اور جمعہ ۲۷ ر فروری کو بڑے بیٹے عارف رشید سلمہٗ کا عقد نکاح رفیق مکرم قاضی عبدالقادر کی صاحبزادی سے جامع مسجد فاروق اعظمؓ، نارتھ ناظم آباد، کراچی میں ہوا - جہاں جمعہ کی نماز سے قبل ایک مفصل خطاب "اسلام کے عائلی نظام" کے موضوع پر ہوا - اس نکاح میں کراچی کے احباب و رفقاء اور محبین و مشفقین نے جس کثیر تعداد میں شرکت فرمائی اس کا دل پر بڑا گہرا اثر ہوا - اللہ تعالیٰ سب حضرات کو اس تکلیف فرمائی پر جزائے خیر عطا فرمائے - پھر یکم مارچ ۸۱ء کو لاہور میں آں عزیز کے عصرانۂ ولیمہ میں بھی احباب جس گرمجوشی کے ساتھ شریک ہوئے اس کا بھی دل نے نہایت گہرا اثر قبول کیا - فجزاھم اللہ احسن الجزاء -

---

لاہور میں مسجد شہداء کا درس، مسجد دارالسلام کا خطبۂ جمعہ اور کسی نہ کسی مقام پر مطالعۂ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کا سلسلہ وار درس تو گویا معمولات ہی میں شامل ہیں - ان کے علاوہ نیپا (N I P A) اسٹاف کالج اور اکیڈمی فار ایڈمنسٹریٹو ٹریننگ ایسے سرکاری تربیتی اداروں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی تقاریر و خطابات کا سلسلہ بھی چلتا ہی رہتا ہے - ان پر مزید اضافہ رفقاء او احباب کے حلقے میں شادی اور غمی کی تقاریب میں شرکت اور خطاب کا ہوگیا ہے - اور ان سب پر مستزاد ہیں تنظیم اسلامی کے خصوصی اجتماعات اور مجالس مشاورت اور مرکزی انجمن خدام القرآن کی مجلس منتظمہ کے اجلاس اور "قرآن اکیڈمی معہد ثانوی اور "دارالمقامہ" کے انتظامی معاملات کا "دردسر" بقول علامہ اقبال :-

؎ خدائی اہتمامِ خشک و تر ہے خداوندا خدائی دردِ سر ہے !!"

اور ان سب کا نتیجہ یہ کہ صحت تیزی سے گر رہی ہے اور بڑھاپا تیزی سے دوڑتا ہوا آتا نظر آتا ہے تاہم جیسے کہ اس سے پہلے عرض کیا گیا، یہ اطمینان دل کو حاصل

ہے کہ :- "جنوں میں جتنی بھی گذری بکار گذری ہے!"

اس "اہتمامِ خشک و تر" کی نہایت نمایاں مثال "محاضراتِ قرآنی" کے انتظام و انصرام کی بھاگ دوڑ تھی جن کا سلسلہ قرآن اکیڈمی میں ۲۳ سے ۳ مارچ تک مسلسل نو دن جاری رہا - اور جن میں چھتیس ۳۶ اصحابِ علم و فضل اور اربابِ دانش و بینش نے حصّہ لیا - یوں کہنے کو تو یہ بات ایک جملہ میں آگئی لیکن اتنی کثیر تعداد میں مقررین اور مقالہ نگار حضرات کو جمع کرنا کتنا بڑا "دردِ سر" ہے اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں اس قسم کے سیمینار منعقد کرانے کا کبھی تجربہ ہوا ہے، ان محاضرات کی مختصر روداد اور اس کے شرکاء کے اسماءِ گرامی کی فہرست 'میثاق' بابت اپریل مئی ۸۱ء میں شائع ہو چکی ہے - ابتداءً خیال یہ تھا کہ ان مجالس میں جو مقالات پیش ہوئے ان پر مشتمل 'میثاق' کا ایک خصوصی شمارہ شائع کر دیا جائے گا - بعد میں ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم و مغفور کی قائم کردہ "آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس" کے ڈائریکٹر صاحبان نے ازراہِ کرم اپنے پرچے "حکمتِ قرآن" کا ڈیکلریشن انجمن کے نام منتقل کرنے کا فیصلہ کر لیا - تو خیال ہوا کہ آئندہ 'میثاق' کو تو ایک دعوتی، تبلیغی اور تنظیمی پرچہ بنا دیا جائے (جو 'تنظیم اسلامی' کے زیرِ اہتمام شائع ہو!) اور 'حکمتِ قرآن' کو خالص علمی جریدے کی حیثیت دے دی جائے اور اس کی پہلی اشاعت ان ہی 'محاضراتِ قرآنی' پر مشتمل ہو - افسوس کہ توقع کے خلاف انتقالِ ڈیکلریشن کی دفتری کارروائی کا سلسلہ دراز ہو گیا اور تا حال یہ مرحلہ طے نہیں ہو پایا - تاہم توقع ہے کہ اب زیادہ تاخیر نہیں ہوگی - دریں اثناء اس شمارے میں 'تبرکاً' علامہ منظور احسن عباسی کی ایک خوبصورت تحریر بعنوان "الحمد للہ" پیش کی جا رہی ہے جو ان ہی محاضرات کی ایک نشست میں خطبۂ صدارت کے طور پر پیش کی گئی تھی -

ماہ اپریل میں ایک تو اپنی دوسری بچی کی شادی کی ذمہ داری سے فراغت حاصل کی، دوسرے پاکستان نیشنل سنٹر اسلام آباد کی دعوت پر ایک چکر راولپنڈی اسلام آباد کا لگا - جہاں دو دنوں میں دو تقریریں سیرت النبیؐ کے موضوع

پر ہوئیں۔ ان میں شرکا رکی تعداد، اور ان کا ذوق و شوق دیدنی تھا۔ وہاں کے کارکنوں کا کہنا تھا کہ اتنے کامیاب پروگرام اس ادارے کے تحت اس سے قبل کبھی نہیں ہوئے۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ ! اس دورے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ "انجمن خدام القرآن، راولپنڈی اسلام آباد" جو کچھ عرصے سے تعطل کا شکار چلی آرہی ہے اسے از سرِ نو فعّال و متحرک بنایا جائے۔ لیکن افسوس کہ یہ مقصد حاصل نہ ہو سکا!

یکم تا ۴ رمئی قرآن اکیڈمی لاہور میں "تنظیم اسلامی" کا چھٹا سالانہ اجتماع منعقد ہوا۔ اس میں ایک مفصل تقریر تو راقم نے جمعہ یکم مئی کو بعد نماز مغرب افتتاحی اجلاس میں کی جس کی نوعیت جلسۂ عام کی تھی جس میں "تنظیم اسلامی" کی دعوت کو حسبِ ذیل سوالات کے جوابات کی صورت میں بیان کیا گیا کہ :-

"۱ - از روئے قرآن حکیم

ہمارے بنیادی دینی فرائض کیا ہیں ؟

اور آیا ان کی ادائیگی انفرادی طور پر ممکن ہے ؟

۲ - سُنّتِ رسُول کا مقام کیا ہے ؟

اور موجودہ دَور میں اتباعِ رسول اور احیاءِ سنت کے تقاضے کیا ہیں ؟

۳ - طریقت اور سلوک کی حقیقت کیا ہے ؟

اور تقرب الی اللہ کے ذرائع و وسائل کون سے ہیں ؟

۴ - مزید برآں یہ کہ

ملک و ملّت کے بقاء و استحکام کے ضمن میں ہم اپنی ذمہ داریاں کس طرح ادا کر سکتے ہیں ؟"

اور دوسری اس سے بھی مفصل تقریر (جو تین گھنٹے سے بھی زائد میں مکمل ہو سکی تھی)، اختتامی اجلاس میں کی جس میں نہ صرف یہ کہ تنظیم اسلامی کی مخصوص ہیئتِ تنظیمی جس کی اساس شخصی بیعت پر قائم ہے، کے بارے میں تفصیلی وضاحت کی گئی

بلکہ اس کے لازمی تقاضے کے طور پر راقم نے اپنی ذات سے متعلق بھی شرح وبسط کے ساتھ کلام کیا اور اپنی خامیوں اور کوتاہیوں اور مختلف پہلوؤں سے اپنی ذاتی LIMITATION کو کھول کر بیان کر دیا تاکہ جسے بھی میرا ساتھ دینا ہو وہ خالصۃً اپنے احساسِ فرض کے تحت ساتھ دے اور مجھ سے وہ توقعات وابستہ نہ کرے جو میں پوری نہیں کر سکتا — ان دونوں تقریروں کو ٹیپ سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے کا 'ہفت خواں' تو محترم شیخ جمیل الرحمٰن نے طے کر لیا ہے ۔ ابھی اس پر میری نظرِ ثانی کا مرحلہ باقی ہے ۔ اللہ تعالیٰ اسے بھی طے کرا دے تو انشاء اللہ یہ دونوں تقریریں 'تنظیم اسلامی' کی دعوت و ہیئت سے متعلق جملہ سوالات کا تشفی بخش جواب بن جائیں گی اور ان سے تنظیم کے کام کو آگے بڑھانے میں بڑی مدد ملے گی ۔ اور کیا عجب کہ اللہ چاہے تو جیسے ہی حکمت قرآن' کا پہلا شمارہ 'محاضراتِ قرآنی' پر مشتمل شائع ہو۔ 'میثاق' کا ایک خاص نمبر 'تنظیم' کے زیر اہتمام ان تقاریر پر مشتمل شائع ہو جائے ، وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ!

اس سال امریکہ کے احباب کی جانب سے اوائل اپریل ہی میں تقاضے شروع ہو گئے ۔ دراصل وہ ایم ایس اے (مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن نارتھ امریکہ) کی سالانہ کنونشن میں میری شرکت کے شدت سے خواہاں تھے ۔ جو ۲۳ تا ۲۵ مئی منعقد ہونے والی تھی انکی خواہش تھی کہ میں اس کنونشن سے خطاب کروں ۔ مجھے گذشتہ دو سالوں کے دوران ایم ایس اے کی ایک ذیلی تنظیم آئی ایم اے (اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن آف نارتھ امریکہ) کا جو تجربہ ہو چکا تھا اس کی بنا پر میں جانتا تھا کہ یہ بیل منڈھے چڑھنے والی نہیں ۔ تاہم کچھ اس وجہ سے کہ اس زمانے میں امریکہ اور پاکستان کے مابین نہ ڈاک کا نظام تسلی بخش ہے نہ فون کا لہٰذا افہام و تفہیم ممکن نہ تھی کچھ اپنی اس طبعی کمزوری کے باعث کہ احباب کی فرمائش رد نہیں کر سکتا اور کچھ اس خیال کے تحت کہ جس کنونشن کا ذکر بہت عرصے سے سننے میں آ رہا ہے اس کی سیر ہی سہی میں نے ان کے

مطالبے کے آگے ہتیار ڈال دیئے اور طے پایا کہ مئی کے پہلے ہفتے میں تنظیم کے سالانہ اجتماع کے فوراً بعد امریکہ کے لئے رختِ سفر باندھ لیا جائے۔

ادھر مارچ کے اواخر میں پاکستان ٹیلیویژن کی جانب سے "الھُدیٰ" کے عنوان سے مطالعۂ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے سلسلہ وار درس کا ایک ہفتہ وار پروگرام طے پا گیا جس کا آغاز اواخرِ اپریل سے ہونا تھا۔ نتیجۃً ماہ اپریل کا معتد بہ حصّہ ٹیلیویژن اسٹیشن پر اپنی ملک سے غیر حاضری کے عرصہ کے لئے "الھُدیٰ" کی پیشگی ریکارڈنگ میں گذرا۔ الحمد للہ کہ سورۃ العصر، آیۂ بِر، سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع، سورۂ فاتحہ اور سورۂ آل عمران کی آیات ۱۹۰ تا ۱۹۶ پر مشتمل پانچ اسباق کی ریکارڈنگ سولہ نشستوں میں مکمل ہو گئی جو لگ بھگ چار ماہ کے لئے کافی تھی۔

یہ معاملہ بھی غالباً ایسے سب ہی لوگوں کے ساتھ پیش آتا ہے جن کے دل میں کسی مقصد کی لگن ہو اور سر پر اُس کی دُھن سوار ہو کہ جب کوئی مشقّت سر پر آن پڑتی ہے تو جسم و جان کی جملہ RESERVE توانائیاں بروئے کار آ کر اس مرحلے کو طے کرا دیتی ہیں لیکن اُس کے فوراً بعد ردِّ عمل کا ظہور ہوتا ہے اور صحت ایک دم جواب دے جاتی ہے چنانچہ اس سال جنوری تا مئی جو شدید مشقّت رہی اس کے نتیجے میں ایک بار تو وسط مارچ میں شدید علالت کا دورہ ہوا۔ اور دوسری بار تنظیم کے اجتماع سے فراغت کے فوراً بعد اسی کیفیت کا اعادہ ہوا ـــ بنا بریں اس سال امریکہ کے سفر میں میں نے اپنے دوسرے بیٹے عزیزم عاکف سعید سلمہٗ کو ساتھ لے لیا، جنہوں نے ایک جانب تو اسی سال ایم اے (فلسفہ) کی تکمیل کی ہے اور دوسری جانب بفضلہٖ تعالےٰ گذشتہ سال حفظِ قرآن کی تکمیل بھی کر لی تھی اور گذشتہ رمضان المبارک میں تراویح میں ہمیں قرآن مجید سنا بھی لیا تھا ـــ لاہور سے ہم باپ بیٹا ۱۰ رمئی کو کراچی کے لئے ـــ اور وہاں سے ۱۲ رمئی کو علی الصُبح (ڈھائی بجے) نیویارک کے لئے روانہ ہوئے جہاں ہم اسی تاریخ کی شام کو ساڑھے چار بجے پہنچ گئے (کوئی مغالطہ نہ ہو، ان چودہ گھنٹوں پر وقت کے فرق کی بنا پر دس گھنٹوں کا اضافہ کیجئے تو صحیح

مدتِ سفر سامنے آئے گی، یعنی چوبیس گھنٹے!) عجیب بات ہے کہ راقم تو اس سال بھی ٹھیک ۴۲ دن سرزمین شمالی امریکہ پر بسر کر کے ۲۳ جون کو واپس روانہ ہو گیا (امریکہ کے پہلے سفر کی جو روداد راقم نے قلمبند کی تھی اس کا عنوان تھا "امریکہ میں ۴۲ دن!") اور پانچ دن لندن میں قیام کر کے ۳۰ جون کی صبح کراچی اور اسی شام کو لاہور پہنچ گیا۔ البتہ عزیزم عاکف سعید کو احبابِ شکاگو نے روک لیا کہ رمضان میں ہمیں تراویح پڑھا کر جائیں۔ چنانچہ وہ وہاں اکیسویں شب کو ختم قرآن کے بعد روانہ ہوئے اور راستے میں عمرہ سے مشرف ہوتے ہوئے ٹھیک ایک ماہ بعد یعنی ۳۰ جولائی کو لاہور پہنچے!! بسم اللہ مجرٖیھا ومرسٰھا و علیہ توکلنا آئبون تائبون لربنا حامدون -

امریکہ کے ۴۲ دنوں میں سے اس بار نیو یارک میں تو جاتے ہوئے دو دن اور واپسی پر صرف چند گھنٹے رکنا ہوا۔ سب سے زیادہ وقت شکاگو میں لگا یعنی بیس دن، چار دن بلومنگٹن میں ایم ایس اے کنونشن کی نذر ہوتے، چھ دن لاس اینجلیز میں صرف ہوئے، سات دن ٹورنٹو میں گذرے، صرف دو دن مانٹریال کے لئے نکل سکے، اور صرف ایک دن واشنگٹن اور بالٹی مور کے علاقے کے احباب سے تجدید ملاقات کے لئے نکل سکا۔

اس سفر کی روداد اور اس کے تاثرات کو تفصیلاً قلمبند کرنے کے لئے نہ وقت و فرصت ہی موجود ہے نہ ہی اس کی کوئی خاص ضرورت یا افادیت ہے۔ ویسے بھی اگرچہ علامہ اقبال نے تو مشرق و مغرب کے مابین ایک فرق یہ بھی بیان کیا ہے کہ : "وہاں دگرگوں ہے لحظہ لحظہ یہاں بدلتا نہیں زمانہ!" لیکن وہاں کے بھی گذشتہ سال اور اس سال کے حالات میں اتنا لمبا چوڑا فرق نہیں ہے کہ "تاثرات" از سرِ نو بیان کرنے کی ضرورت ہو۔ تاہم اس بار تین باتیں ایسی نئی ہوئی ہیں جن کا ذکر یقیناً قارئین "میثاق" کی دلچسپی کا موجب ہوگا۔

ایک تو وہی ایم ایس اے کنونشن کی "سیر" — جس پر اسمٰعیل میرٹھی کا یہ شعر ذرا سے تصرف کے ساتھ خوب چسپاں ہوتا ہے کہ "دل میں شوق کا سودا دیکھا۔ 'کنونشن' ہم نے بھی جا دیکھا!" — اس میں ہرگز کوئی شک

لے گذشتہ دورے کی تفصیل تاثرات و مشاہدات قسط وار اسی سال 'میثاق' میں شائع ہو چکے ہیں (مرتب)

نہیں کہ یہ اجتماع امریکہ کے "نو آباد" مسلمانوں کی مذہبی اور ثقافتی زندگی کے ایک اہم مظہر کی حیثیت رکھتا ہے اور اگرچہ ایم ایس اے کے مخالفین تو اس پر "نیم مذہبی اور نیم سماجی میلے" یا اس سے بھی بڑھ کر "رشتوں کی منڈی" وغیرہ کی پھبتیاں چست کرتے ہیں لیکن راقم کی رائے میں اس کی افادیت اپنی جگہ مسلّم ہے ــــ امریکہ ایسے "دیارِ غیر" میں تین چار ہزار کی تعداد میں مسلمانوں کا جمع ہونا بجائے خود ایک نہایت دل خوش کن اور مبارک بات ہے خصوصاً جبکہ شرکاء کی غالب اکثریت کا بھی کسی نہ کسی درجے میں دین و مذہب سے لگاؤ ہو اور کنونشن کے پروگراموں پر تو فیصلہ کن چھاپ ہی دین کی ہو ــــ افسوس کہ کارکنوں کے باہمی اختلافات اور قائدین کی رسہ کشی سے گزشتہ چند سالوں کے دوران ایم ایس اے کی ساکھ اور شہرت کو شدید نقصان پہنچا ہے تاہم تقریباً پورے شمالی امریکہ (یو ایس اے اور کینیڈا) کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے اپنے وسیع تنظیمی ڈھانچے اور نہایت وسیع سلسلۂ مطبوعات کی بنا پر نوجوانوں کی یہ تنظیم امریکہ کے مقامی اور قدیم و جدید "نو آباد" مسلمانوں کی وقیع خدمت سرانجام دے رہی ہے ــــ باہمی اختلافات اور رسہ کشی کے اسباب کچھ تو وہی ہیں جو ہر جگہ ہوتے ہیں یعنی نمایاں کارکنوں کی شخصیتوں کا ٹکراؤ، اس پر مزید اضافہ ہوا ہے مختلف مسلمان ملکوں میں نظریاتی اور سیاسی کشمکش کے انعکاس سے اور اس جلتی پر تیل کا کام کیا ہے "پٹرو ڈالر" کی بارش نے ــــ چنانچہ غالب کے "دو جو ہر اندیشہ کی گرمی" کی مانند اختلاف کی شدت کا عالم یہ ہے کہ ایم ایس اے کے موسّسین میں سے ایک نہایت فعّال شخصیت، جو ایک طویل عرصے تک اُس کے "ٹاپ براس" میں شامل رہی ہے لیکن اب "معتوبین" کی فہرست میں شامل ہے، کی زبان سے راقم نے خود یہ سُنا کہ اِس کنونشن میں ایم ایس اے اور اس کے جملہ ذیلی تنظیموں کے نگراں ادارے کی حیثیت سے جس عظیم تر تنظیم یعنی "اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ" کے قیام کا فیصلہ ہوا اُس کے INITIALS یعنی "ISNA" کو انہوں نے

"IN-BREADING OF THE SCHIZOPHRENICS AND NEO-PARANOIDS OF AMERICA"

کے مترادف قرار دیا۔ یعنی "امریکہ کے چند ذہنی عدم توازن اور احساس برتری کے شکار لوگوں کی انجمنِ امداد و استقرار باہمی!"۔ ایم ایس اے پر ایک بہت بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس پر صرف ایک 'ذہن' کا قبضہ ہے یعنی بلادِ عرب کی 'الاخوان المسلمون' اور بلادِ ہند و پاک کی 'جماعتِ اسلامی' کا جو درحقیقت ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔ میری رائے میں اسی میں اِس تنظیم کے استحکام کا راز مضمر ہے۔ ورنہ اگر فعّال شخصیتوں کے ٹکراؤ کے ساتھ ساتھ فکری اور نظریاتی رسّہ کشی بھی اس میں در آتی تو اس کا شیرازہ کبھی کا منتشر ہو چکا ہوتا۔ بہرحال اسی کا ایک مظہر یہ ہے کہ کنونشن میں مہمان مقررین صرف ان دو حلقوں سے بلائے جاتے ہیں اور کسی ایسے شخص کا اُس کے اسٹیج پر آنا ممکن نہیں ہے جو اُن میں سے کسی کے نزدیک کسی اعتبار سے 'ناپسندیدہ' ہو۔ چنانچہ اس سال کے مہمان مقررین میں نمایاں حضرات مصر کی اخوان المسلمون کے پروفیسر محمد قطب تھے جو آجکل سعودی عرب میں مقیم ہیں۔ امیرِ جماعتِ اسلامی ہند مولانا محمد یوسف تھے، مدیر 'جسارت' کراچی جناب صلاح الدین تھے اور نائب امیر کالعدم جماعتِ اسلامی پاکستان چودھری رحمت الٰہی تھے۔ راقم کے احباب نے اپنے خلوص اور جذبے کی تحت جو کوشش کی تھی اسے ناکام ہی ہونا تھا۔ سو وہ ناکام ہوئی۔ البتہ ایک روز فجر کی نماز کے بعد پروگرام کے مطابق جن صاحب کو درسِ قرآن دینا تھا وہ تشریف نہ لاتے اور 'سرکاری' مقررین و مدرّسین میں سے بعض دوسرے حضرات کے نام پکارنے پر معلوم ہوا کہ اُن میں سے بھی کوئی موجود نہیں ہے تو منتظمین کی جانب سے چار و ناچار راقم کو دعوت دی گئی۔ راقم کے لئے اس اچانک صورتِ حال کا سامنا کافی پریشان کن تھا اس لئے کہ مجمع اردو، انگریزی اور عربی بولنے والوں کا ملا جلا سا تھا اور درس یا خطاب انگریزی ہی میں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ راقم نے پہلے تو خیال کیا کہ معذرت کر لے لیکن پھر اپنے احباب کے جذبات و احساسات کے لحاظ کی وجہ سے :- ع "تاب لاتے ہی بنے گی غالبؔ، مرحلہ سخت ہے اور جان عزیز!" کے مصداق کھڑے ہوتے ہی بنی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور سورۂ آلِ عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کے مفاہیم پر

مشتمل تیس چالیس منٹ کا خطاب رہا - جسے احباب نے تو بہت ہی کامیاب قرار دیا لیکن میری رائے میں اس میں ان کی "حوصلہ افزائی" کا تناسب واقعہ اور حقیقت سے زیادہ ہے!! ـــــ اس کے علاوہ کنونشن کے مین ہال کے باہر لاؤنج میں جہاں بہت سے اداروں کے اسٹال لگے ہوئے تھے وہاں ہمارے ساتھیوں نے "انجمن خدام القرآن شکاگو" کا اسٹال بھی اہتمام کے ساتھ لگایا جہاں کتابوں اور کیسٹوں کی فروخت کے علاوہ وی سی آر کے ذریعے راقم کے دروس کی فلم مسلسل دکھائی جاتی رہی اور اس طرح ہماری دعوتِ قرآنی کا تعارف وسیع پیمانے پر ہو گیا ـــــ مزید برآں بعض مشاہیر بالخصوص مولانا محمد یوسف صاحب سے مفصّل ملاقاتوں کا موقع ملا جو میرے نزدیک اس کنونشن میں شرکت کا اصل حاصل ہے!!

دوسری نئی بات جو اس بار ہوئی وہ یہی راقم کا انگریزی زبان میں درس وخطاب کا "حادثہ" ہے! راقم کی پوری زندگی برصغیر ہند و پاک کی فضا میں گزری ہے - اور اس کا بھی اکثر و بیشتر بحمد اللہ "منبر و محراب" کے آس پاس بسر ہوا ہے - بیرونی سفر ہوئے بھی تو اکثر و بیشتر "ملاّ کی دوڑ مسجد تک"! کے مصداق حج یا عمرے کے لئے دیارِ مقدس کے ـــ سینتالیسؔ برس کی عمر تک دیارِ مغرب میں صرف ایک بار جانا ہوا تھا اور وہ بھی صرف ایک ماہ کے لئے! چنانچہ انگریزی زبان میں تقریر کا تو کیا سوال کبھی گفتگو کا موقع بھی نہیں ہوا - چنانچہ اس معاملے میں راقم کی جھجک کا عالم یہ رہا ہے کہ امریکہ کے گزشتہ دو دوروں کے دوران کسی کو فون کرنے سے بھی صرف اس لئے کتراتا تھا کہ معلوم دوسری جانب سے کون ریسیور اٹھائے اور کسی آپریٹر وغیرہ سے انگریزی میں گفتگو کرنی پڑ گئی تو مصیبت بن جائے گی - دوسری طرف احباب کا شدید تقاضا تھا کہ دروس وخطابات کا سلسلہ انگریزی میں بھی شروع کیا جائے - بصورتِ دیگر یہاں کے غیر مسلموں تک تو دعوت پہنچانے کا سوال ہی کیا ہے، مقامی مسلمانوں کے علاوہ لاتعداد عربوں، ترکوں، ایرانیوں، اور افریقہ، انڈونیشیا اور ملائیشیا وغیرہ کے مسلمان "نو واردوں" سے بھی کوئی رابطہ قائم نہ ہو سکے گا - بلکہ اس

سے بھی بڑھ کر یہ کہ خود ہندو پاکستان کے اردو بولنے والے "تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل" کی نوجوان نسل بھی بالکل محروم رہے گی اس لئے کہ وہ بھی صرف گھریلو استعمال کی اردو سے واقف رہ گئی ہے۔ علم و ادب سے اس کا ذہنی رابطہ بھی اردو کے حوالے سے بالکل نہیں ہے اور فی الوقت مسلمانانِ امریکہ کا اصل مسئلہ اسی نوجوان نسل کا ہے، — راقم کو احباب کے ان دلائل سے تو انکار نہ تھا لیکن "لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا" کی قرآنی دلیل کے سہارے انگریزی میں خطاب کی کوشش سے اُس کا انکار علیٰ حالہٖ قائم رہا۔ چنانچہ گذشتہ دو دَوروں کے دوران راقم نے انگریزی زبان میں یا تو جمعہ کے خطبے لکھ کر پڑھے تھے یا ایک مقالہ "پندرھویں صدی ہجری :- اس کا چیلنج، توقعات اور اندیشے" کے موضوع پر پڑھ کر سنایا تھا — اس سال ایک تو جاتے ہی شکاگو کے احباب بالخصوص ڈاکٹر خورشید احمد ملک صاحب نے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا (چنانچہ اتوار ۱۷ رمئی ہی کو قبل از نماز ظہر ایم سی سی میں انگریزی میں ایک "منہ زبانی تقریر ہوگئی تھی) دوسرے ایم ایس اے کنونشن کے موقع پر بلومنگٹن میں متذکرہ بالا 'حادثہ' پیش آگیا۔ اُسے امریکہ کے رفقاء احباب نے جس طرح — کیا اُس کا اندازہ ڈاکٹر نسیم اللہ خان (پی ایچ ڈی) صدرِ انجمن خدام القرآن، ٹورنٹو (کینیڈا) کے اس خط سے لگایا جا سکتا ہے :-

"۲۶ رمئی ۱۹۸۱ء

السلام علیکم۔ آج صبح خورشید سے فون پر گفتگو ہوئی۔ امید ہے ان کی اور میری اور یہاں کے بہت سے احباب کی درخواست منظور کرتے ہوئے آپ یہاں کا سارا پروگرام انگریزی ہی میں کریں گے۔ یہاں کے سارے دینی کاموں میں تفرقہ بندی کی ایک وجہ زبان بھی ہے۔ سارا دینی مواد اُردو یا عربی میں ہے۔ انگریزی کی کتب ایسی نہیں ہیں جنہیں حلقوں کا نصاب بنایا جا سکے۔

ہم اپنی ہفتہ وار مجلسوں میں آپ کے اردو دروس کے ٹیپ کے بعد انگریزی میں خلاصہ بیان کرتے ہیں۔ لیکن اصل ٹیپ اردو

میں ہونے کے باعث ہم مقامی، عرب، ایرانی اور دیگر مسلمانوں میں دعوت کے کام کو بہت سست پاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امسال بلومنگٹن میں جو غیر متوقع موقعہ پیدا کیا اُس سے انشاء اللہ اب آپ کی انگریزی کی جھجک ہمیشہ کے لئے نکل گئی ہوگی۔ کیا معلوم اللہ تعالیٰ نے اس تحریک کو عالمی تحریک بنانے کے لئے یہ موقع بہم پہنچایا ہو!"

والسلام، خاکسار نسیم"

بہر حال احباب کی اس نوع کی یقین دہانیوں اور حوصلہ افزائیوں سے تقویت پاکر اور خود اپنی جگہ پر بھی اسے ایک اشارۂ غیبی سمجھتے ہوئے راقم نے انگریزی میں درس و خطاب کے لئے کمر کس لی۔ چنانچہ اس سال شکاگو اور ٹورنٹو میں اگرچہ درس قرآن کا اصل سلسلہ تو اردو ہی میں رہا جس میں مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے جو اسباق گذشتہ دو سالوں کے دوران ٹورنٹو اور شکاگو کے سلسلہ درس میں رہ گئے تھے ان میں سے اکثر کی تکمیل ہوگئی (اور اس طرح تقریباً پورے منتخب نصاب کے دروس کے کیسٹ مقامی طور پر تیار ہوگئے) تاہم ان دونوں مقامات پر بھی متعدد درس اور خطاب انگریزی میں ہوئے اور لاس اینجلز میں تو تقریباً پورے کا پورا پروگرام ہی انگریزی میں ہوا جس میں منتخب نصاب میں شامل دو اہم سورتوں یعنی سورۂ صف اور سورۂ جمعہ کے کامل اور سورۂ حجرات اور سورۂ شوریٰ دونوں کی آیات ۱۳ تا ۱۵ کے دروس شامل ہیں۔ (ان کو آج کل ایک امریکی نومسلم دوست عبداللہ مصطفیٰ ٹیپ سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کر رہے ہیں، اگر مناسب سمجھا گیا تو ان سب کو یکجا شائع کر دیا جائے گا!) بہر حال اس معاملے میں راقم خود حیران ہے کہ ایک شخص جسے انگریزی میں گفتگو میں بھی تکلف ہوتا ہے اُس نے ڈیڑھ ڈیڑھ گھنٹے کے خطاب انگریزی میں کیسے کر لئے! - لیکن یہ بھی اغلباً وہی لگن اور دُھن والا معاملہ ہے جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے اور جو بسا اوقات ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے!!

عالیہ سفر کا تیسرا نیا اور اہم واقعہ امریکہ کے افریقی الاصل مسلمانوں کی سب سے بڑی اور سب سے منظم جماعت کے ساتھ باقاعدہ رابطہ اور اُس کے قائد و امام وارث دین محمد سے مفصّل ملاقات ہے ـــــ راقم کا رابطہ اپنے پہلے دورے ہی میں بالٹی مور میں اس گروپ کے لوگوں سے ہو گیا تھا اور وہاں "مسجد محمد" میں راقم نے خطاب بھی کیا تھا۔ اس وقت بھی معلوم ہوا تھا کہ اُن کا مرکز شکاگو میں ہے اور ان کے امام سے ملنا آسان کام نہیں ہے۔ دوسرے دَورے میں بھی یہی معلوم ہوا کہ اُن سے ملاقات کے لئے خاصے ہفت خواں طے کرنے پڑتے ہیں ـــ لیکن اس سال "تیسیر" خداوندی سے جس آسانی سے اور جس قدر مفصّل ملاقات ہوئی اس پر شدید حیرت ہوتی ہے ـــ اور سورۂ یوسف کے ان الفاظ مبارکہ کے سوا اور کوئی توجیہہ سمجھ میں نہیں آتی کہ "وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ"

یہ ملاقات عبدالحمید ڈوگر صاحب کے مکان پر ان ہی کے توسط سے ہوئی اور راقم حیران رہ گیا جب اُس نے دیکھا کہ جو کچھ سننے میں آیا تھا اُس کے بالکل برعکس امام صاحب بغیر کسی ظاہری شان و شوکت کے اپنے ایک چودہ پندرہ سالہ بچے کے ہمراہ خود ہی کار چلاتے ہوئے ڈوگر صاحب کے مکان پر آگئے۔ جہاں ہم نے ساتھ ہی کھانا بھی کھایا، ساتھ ہی مغرب کی نماز بھی پڑھی جس میں میرے اصرار کے باوجود وہ 'امامت' کے لئے آگے نہیں بڑھے بلکہ اُن کے اصرار پر امامت مجھے ہی کرنی پڑی۔ راقم نے انہیں ایک دھیمے مزاج کا حامل اور ذہین و فہیم انسان پایا۔ جس سے ان کی پوری کمیونٹی کے مستقبل کے بارے میں اچھی امیدیں پیدا ہوئیں۔ میں نے اپنے پانچ انگریزی کتابچوں کا سیٹ بھی اُن کی خدمت میں ہدیۃً پیش کیا ان الفاظ کے ساتھ کہ "آپ کے پاس ان کو 'پڑھنے' کا وقت تو یقیناً نہیں ہوگا۔ ذرا 'ورق گردانی' کر جائیے گا!" جس کا انہوں نے وعدہ کیا۔ انہوں نے میرے پروگرام کے بارے میں دریافت کر کے وعدہ کیا کہ ہفتہ ۲۰ مئی کو ایم سی سی میں میری تقریر میں شرکت کریں گے ـــ یہ بات بھی اپنی جگہ بہت غیر معمولی تھی، اب تک سننے میں یہی آیا تھا کہ وہ خود تو کئی کئی گھنٹے تقریر کرتے

ہیں لیکن کسی اور کی تقریر سننا گراں شان سمجھتے ہیں ــــ لیکن جمعہ کے روز پیغام ملا کہ ایک شدید مصروفیت کے باعث وہ خود تو نہیں آسکیں گے البتہ مجھے دعوت ہے کہ اتوار کو بعد ظہر ان کے ہفتہ وار مرکزی اجتماع سے خطاب کروں، یہ بات وہاں کے جملہ رفقاء و احباب کے لئے حد درجہ حیران کن تھی - اس لئے کہ یہ حضرات اپنے اسٹیج پر کسی دوسرے شخص کو کبھی نہیں آنے دیتے ــــ بہرحال اتوار ۳۱ مئی کو شکاگو کے سٹونی آئی لینڈ (STONY ISLAND) میں واقع ان حضرات کے مرکز میں بعد نماز ظہر راقم نے ایک گھنٹہ خطاب کیا جس میں موقع کی مناسبت سے سورۃ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ ہی کے مطالب بیان کئے گئے - الحمدللہ کہ تمام مجمع نے نہایت سکون اور توجہ کے ساتھ بات سنی اور میں خود یہ محسوس کر رہا تھا کہ "از دل خیزد بر دل ریزد!" والا معاملہ ہو رہا ہے ــــ "ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم" !! امام وارث وہاں بنفس نفیس موجود تھے - بعد میں انہوں نے مختصر سے خطاب میں میرا شکریہ بھی ادا کیا - نیز ان پانچ کتابچوں کے بارے میں فرمایا کہ میں نے ان سب کو اچھی طرح پڑھا ہے اور بہت مفید پایا ہے اور ہم ان شاء اللہ ان کتابچوں کو خود شائع کریں گے ــــ اس ضمن میں یہ تو میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ہمارا ان پر کوئی حق طباعت و اشاعت محفوظ نہیں ہے ــــ اس وقت مزید یہ اضافہ بھی کر دیا کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کو اجازت ہے کہ ان پر مصنف کی حیثیت سے میرا نام بھی شائع نہ کریں ــــ بہرحال یہ ایک اہم پیشقدمی ہے جو خالصۃً اللہ کے فضل و کرم اور بالکلیہ اُسی کی تدبیر و تصریف سے حالیہ دورے میں ہوئی - اس سے اگر کوئی خیر کی راہ نکلی تو وہ سراسر اُسی کے لطف و کرم کا مظہر ہوگی ــــ اور اگر ہم کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے تو یہ کلیۃً ہماری نااہلی اور کوتاہی ہوگی - اللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی وَتَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم ۝

امریکہ سے واپس آتے ہوئے اس سال پانچ روزہ قیام لندن میں بھی رہا۔ وہاں راقم کا پورے دس سال بعد جانا ہوا تھا - پہلے پاکستان اور سعودی عرب

سے لندن جانا ہوا تھا تو لندن بہت عظیم شہر معلوم ہوا تھا اب امریکہ سے وہاں آمد ہوئی تو اُس کے مقابلے میں وہ گاؤں سا نظر آیا۔ وہاں پانچ روز برادرم صہیب حسن سلمہٗ کی شب و روز معیّت میں ملاقاتوں اور درس وخطاب کی مجلسوں میں گذرے اُن کی داستان بجائے خود بہت طویل ہے۔ وہ ان شاء اللہ آئندہ کسی صحبت میں گوش گذار ہوگی۔

پاکستان واپسی ہوئی تو ایک تو بفضلہٖ تعالیٰ "الھُدیٰ" کی مقبولیت کا چرچا سننے میں آیا۔ بالخصوص اس خبر کے حوالے سے کہ درمیان میں اخبارات میں کہیں یہ اطلاع آگئی تھی کہ یہ پروگرام آئندہ سہ ماہی میں بند کر دیا جائے گا۔ اور اس کی جگہ کوئی اور مذہبی پروگرام، ہوگا تو اس پر تاروں اور خطوں کا سیلاب آگیا جس کا ذکر ایک سے زائد بار ٹیلی ویژن کے پروگرام "اپنی بات" میں بھی ہوا۔ اس کے علاوہ نجی گفتگوؤں اور خطوط وغیرہ میں جو تاثرات سامنے آئے ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر قلب کی گہرائیوں سے نکلا اور ساتھ ہی بحمداللہ یہ احساس بھی شدّت کے ساتھ ہوا کہ اس میں میرا ہرگز کوئی کمال نہیں، یہ سب اللہ کی کتاب کا اعجاز اور اس کی قوتِ تسخیر کا مظہر ہے۔ یہ فوری حیرت کا معاملہ صرف اس لئے ہے کہ بدقسمتی سے ہم نے اس کتاب کو بالکل بند کر کے طاق نسیان پر رکھ چھوڑا تھا۔ اب جو اُس کے علوم و معارف کا قدرِ قلیل لوگوں کے سامنے آیا تو اُس سے بھی وہ متحیّر و مبہوت ہو کر رہ گئے۔ یقیناً مسلمانوں نے اللہ کی کتاب کا حقِ تبلیغ و تبین کسی درجے میں بھی ادا کیا ہوتا تو وہ اس ذلّت و رسوائی سے دوچار نہ ہوتے جو فی الوقت ان کا مقدر بن گئی ہے۔

——— بقول علامہ اقبال مرحوم:۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر ۔۔۔ اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

اوربہ خوار از مہجوریٔ قرآں شدی ۔۔۔ شکوہ سنج گردشِ دوراں شدی!

اے چو شبنم بر زمیں افتندہ ۔۔۔ در بغل داری کتابِ زندہ

بہر حال اس صورتِ حال میں خود میرے لئے جو فتنہ مضمر ہے الحمدللہ کہ میں اس پر پورے طور سے متنبہ ہوں۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک

حدیث مبارکہ میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جس شخص کی جانب اشارے ہونے لگیں وہ سخت خطرات سے دوچار ہو جاتا ہے "الھُدیٰ" چونکہ پورے ملک میں دیکھا جا رہا ہے اور یہ "باتصویر" ہوتا ہے لہٰذا صورت یہ بن گئی ہے کہ جہاں جانا ہوتا ہے اشارے ہونے لگتے ہیں۔ میں اللہ ہی کی پناہ طلب کرتا ہوں اس سے کہ "اعجاب المرء بنفسہٖ" کے فتنے میں مبتلا ہو جاؤں جسے آنحضورؐ نے تین "مہلکات" میں شمار فرمایا ہے اس صراحت کے ساتھ کہ "ھِیَ اَشَدُّ ھُنَّ"، قارئینِ "میثاق" سے بھی استدعا ہے کہ وہ بھی راقم کے حق میں اس کی دعا کرتے رہیں۔

دوسرے ۱۴ اگست کی صبح اخبار دیکھا تو حکومت کی جانب سے خطابات کی فہرست میں "ستارۂ امتیاز" کے ضمن میں اپنا نام بھی نظر آیا۔ اور پھر مبارکباد کے تاروں، ٹیلیفونوں اور خطوں کا تانتا بندھ گیا۔ اس ضمن میں راقم کے جو قلبی احساسات و جذبات ہیں ان کا اندازہ اُس خط سے ہو سکتا ہے جو راقم نے شکریہ ادا کرنے کے لئے صدر مملکت کو لکھا ہے ــــ وَھُوَ ھٰذا:

"محترم و مکرّم جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب
چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر و صدرِ پاکستان
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،
امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

آپ نے اس ناچیز کو "ستارہ امتیاز" عطا فرمایا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ آپ کی ذرّہ نوازی ہے۔ ورنہ "من آنم کہ من دانم!!" خصوصاً عالمِ دین ہونے کا تو میں سرے سے مدّعی ہی نہیں ہوں۔ میری اصل حیثیت قرآن حکیم کے ایک ادنیٰ سے طالبِ علم کی ہے اور زیادہ سے زیادہ حیثیت اس کے ایک خادم کی ــــ اسے میں "زیادہ سے زیادہ" اس لئے قرار دے رہا ہوں کہ میرے نزدیک واقعتاً اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی بندے کا سب سے بڑا اعزاز و اکرام یہی ہے کہ وہ اُسے اپنی کتابِ عزیز کی خدمت کی توفیق عطا فرما دے۔ اس لئے کہ اس میں ایک ادنیٰ سی مناسبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس شانِ جلالت

نشان سے قائم ہو جاتی ہے جو سورۃ قصص کی آیت ۸۵ میں وارد شدہ الفاظِ مبارکہ "اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ" میں بیان ہوئی ہے۔
بہرحال یہ سراسر اُسی تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس بندۂ ناچیز کو اس نے اس خدمت کے لئے قبول فرما لیا۔ ؎

منّت منہہ کہ خدمتِ سُلطاں ہمی کُنی
منّت شناس از او کہ بخدمت گذاشتت!

میرے دل میں آپ کے اس 'عطیہ' پر آپ کی قدر و منزلت میں خصوصی اضافہ اس لئے بھی ہوا کہ میرا رویّہ آپ کے لئے ہمیشہ چاپلوسی اور خوشامد کے بالکل برعکس تنقید و تنبیہہ کا رہا جس میں کبھی کبھی میں نے خود بھی محسوس کیا کہ قدرے تندی اور تیزی بھی آئی ۔۔۔ اس سب کے باوصف اگر آپ میرا اعزاز و اکرام فرما رہے ہیں تو یقیناً یہ آپ کی عالی ظرفی اور بلند حوصلگی کی دلیل ہے ۔۔۔"

پاکستان ٹیلیویژن کے تمام اسٹیشنوں سے گزشتہ تین سالوں کے دوران رمضان المبارک میں مسلسل پورے مہینے میرے ہی پروگرام چلتے رہے تھے۔ یعنی پہلے دو سال "الکتٰب" اور تیسرے سال "الٓمّٓ"۔ اس سال رمضان المبارک کے دوران دینی اور مذہبی پروگرام بلاشبہ پہلے سالوں سے زیادہ رہے لیکن میں چونکہ آغازِ ماہِ مبارک سے دو دن پہلے ہی بیرونی سفر کر کے واپس پہنچا تھا اور ویسے بھی میری طبیعت اب "الھدیٰ" کے سوا کسی اور پروگرام پر بمشکل ہی آمادہ ہوتی ہے۔ لہٰذا ان میں میرا حصہ بہت کم رہا۔ تاہم لاہور ٹی وی سے جو پروگرام "اسمائے ربّانی" کے عنوان سے ہوا اُس میں چھ یوم کا پروگرام میرا رہا ۔۔۔ اور آل پاکستان سطح کے پروگرام "القرآن" میں سے بھی طبیعت کی شدید عدم آمادگی کے باوجود دو پروگرام خصوصی فرمائش پر کرنے پڑے ایک تو "اکلِ حلال" کے موضوع پر (جو بحمداللہ اس درجہ پسند کیا گیا کہ 'چاند رات' کو اسے دوبارہ بھی ٹیلی کاسٹ کیا گیا) اور دوسرا "بنیادی حقوق" کے موضوع پر ۔۔۔ اس میں احترامِ جان کے ضمن میں راقم نے فقہِ اسلامی کا متفق علیہ مسئلہ بیان کیا کہ کسی بھی انسان کی جان صرف چار حالتوں

میں لی جا سکتی ہے : (۱) قتلِ عمد کی سزا کے طور پر (جبکہ مقتول کے ورثاء نہ معاف کرنے پر آمادہ ہوں نہ خون بہا لینے پر) (۲) شادی شدہ زانی اور زانیہ کا قتل بشکلِ رجم (۳) مرتد کا قتل اور (۴) حربی کافر کا قتل ـــــ اس پر جدید آزادی پسند اذہان کی جانب سے بالکل متوقع طور پر اختلافی و تنقیدی خطوط کا ایک سیلاب اخبارات میں آ گیا ـ جس میں قتلِ مرتد اور رجم کی حدود کے بارے میں سب سے بڑا اعتراض یہ اٹھایا گیا کہ قرآن حکیم سے ان کا ثبوت نہیں ملتا ـ ان خطوط میں اِدھر اُدھر کی جو دوسری باتیں کہی گئیں اُن سے تو راقم نے اعتناء نہیں کیا لیکن اپنے ایک خط میں (جو بحمد اللہ پاکستان ٹائمز میں نمایاں طور پر شائع ہو گیا تھا) راقم نے اس بات کی وضاحت کے ساتھ صراحت کر دی کہ :-

"میرے تمام ناقدین نوٹ فرمالیں کہ میں جس اسلام کا قائل ہوں اور جس پر عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں وہ صرف قرآن پر مبنی نہیں ہے بلکہ قرآن کے ساتھ ساتھ سُنّتِ رسُول (صلی اللہ علیہ وسلم) سُنّتِ خلفائے راشدین (رضوان اللہ علیہم اجمعین)، اجماعِ اُمت اور اُمتِ مسلمہ کے تواترِ عمل پر بھی مبنی ہے - - - - - - "

اس ضمن میں وہ نکتہ جو بڑے ہی "نکتہ نوازانہ" انداز میں بیان ہوتا ہے یعنی یہ کہ اگر یہ کہا جائے کہ سنّتِ رسولؐ بھی قانونِ اسلامی کا لازمی منبع و سرچشمہ ہے تو اُس کے معنی تو یہ ہوئے کہ قرآن "مکمّل" کتاب نہیں ہے، اس کے ضمن میں الحمد للہ کہ راقم کی زبان سے "الھُدیٰ" کے ایک پروگرام میں حسبِ ذیل الفاظ ادا ہو گئے جس سے اُمید ہے کہ بہت سے لوگوں کو اطمینان حاصل ہوا ہو گا کہ :-

"قرآن حکیم اپنی جگہ یقیناً کامل ہے اور کسی دوسری چیز کا محتاج نہیں لیکن ہم اُس کے صحیح فہم کے لئے سنّتِ رسولؐ کے محتاج ہیں!"

اللہ تعالےٰ ہم سب کو ہر نوع کی ذہنی و فکری اور اخلاقی و عملی گمراہیوں سے محفوظ رکھے! آمین یا ربّ العٰلمین ـ

وآخر دعوانا انِ الحمد للہ ربّ العالمین ٥

شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں ایک اصلاحی تحریک

ڈاکٹر اسرار احمد

جمعرات ۲۷/اگست ۸۱ء کی شام کو میری تیسری بچی کا عقدِ نکاح اپنے چچازاد کے ساتھ بفضلہ تعالیٰ بخیر وخوبی انجام پایا۔ اس تقریب کی مختصر روداد یہ ہے کہ اس کے لئے میں نے صرف ایک اخباری اعلان پر اکتفا کیا تھا۱ جس میں یہ صراحت بھی موجود تھی کہ اس موقع پر کسی خورد ونوش کا کوئی اہتمام نہیں ہوگا۔ اپنے قریب ترین اعزہ میں سے بھی کسی کو میں نے تعین کے ساتھ (BY NAME) مدعو نہیں کیا تھا۔ مغرب کی نماز سے آدھ گھنٹہ قبل 'جامع القرآن' یعنی قرآن اکیڈمی (۳۶ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور) کی جامع مسجد میں لاؤڈ اسپیکر پر مصری قرأت کا ایک ریکارڈ لگا دیا گیا۔ مہمان آتے رہے اور نہایت ادب اور سکون کے ساتھ بیٹھ کر استماعِ قرآن میں مشغول ہو جاتے رہے۔ اسی خاموشی کے ساتھ دولہا اور اس کے ساتھ والے لوگ بھی آتے اور بیٹھ گئے۔ بعد ازاں نماز ہوئی جس کے بعد میں نے پندرہ بیس منٹ خطاب کیا، پھر خطبۂ نکاح پڑھا اور خود ہی ایجاب وقبول کا مرحلہ طے کرا دیا مزید براں حاضرین کی جانب سے خود ہی اپنے آپ کو مبارکباد دے کر اور خود ہی اُسے قبول کر کے مجلس کے خاتمے کا اعلان کر دیا تاکہ کسی تاخیر کے بغیر معمول کے مطابق درسِ قرآن شروع ہو سکے۔ بعد ازاں کوئی پانچ سات منٹ چھوہاروں کی تقسیم میں لگے اور اس کے بعد درسِ قرآن کا آغاز ہو گیا ــــ بچی بھی مہمان خواتین کے ہمراہ مسجد کے زنانہ ہال میں موجود تھی، اُسے وہیں سے اُس کے بڑے

---

۱ اس لئے کہ میرے نزدیک دورِ حاضر میں نبی اکرمؐ کے فرمانِ مبارک :۔
"اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ" (نکاح کا اعلانِ عام کیا کرو!) پر عمل کی موزوں ترین صورت یہی ہے !!

بھائیوں نے دولہا کے ساتھ رخصت کر دیا۔ اور اس طرح یہ تقریب اختتام کو پہنچی۔
اس پر انگریزی روزنامے "پاکستان ٹائمز" نے بھی "AN AUSTERE MARRIAGE" کا چوکھٹا نمایاں طور پر لگایا[۱] اور جناب م۔ش نے تو اپنی ڈائری میں رنوائے وقت ۳۰ اگست ۱۹۸۱ء) مجھے خوب ہی کانٹوں پر گھسیٹا اور "ایک ٹن وعظ کے مقابلے میں ایک اونس عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے!" کی سرخی جمائی[۲] اب جب کہ اس طور سے "رسوائی" ہو ہی گئی ہے اور یہ معاملہ لوگوں کے علم میں آ ہی گیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر کسی قدر مزید تفصیل سے روشنی ڈال دی جائے۔ کیا عجب کہ اس سے لوگوں کو کوئی عملی رہنمائی حاصل ہو جائے!
شادی بیاہ کی تقریبات اور لوازمات و رسومات کے روز افزوں طومار نے جس طرح ایک سماجی برائی کی شکل اختیار کر لی ہے اس کا شدید احساس ہر صاحب نظر اور ملک و ملت کا درد رکھنے والے انسان کو ہے۔ امیروں کے لئے تو یہ تقریبات و رسومات صرف "چونچلوں" یا پھر اپنے "کالے دھن" کے نمائش و اظہار کے ذرائع کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن عوام کی اکثریت کے لئے یہ ناقابلِ برداشت بوجھ یا بالفاظ دیگر پاؤں کی بیڑیاں اور گلے کا طوق بن گئی ہیں۔ جن کے باعث شادی میں تاخیر ہوتی ہے اور اس 'ام الخبائث' (شادی کی تاخیر) کے بطن سے اخلاقی اور نفسیاتی امراض کا ایک لامتناہی سلسلہ جنم پاتا چلا جاتا ہے۔
قرآن حکیم میں سورہ اعراف کی آیت ۱۵۷ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کے ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بلند و بالا شانیں بیان ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ 'وہ لوگوں کو ناقابلِ برداشت بوجھوں اور ان طوقوں سے نجات دلائیں گے جو ان کی گردنوں میں پڑے ہوں گے' (وَ يَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ) لہٰذا آپؐ کے نقشِ قدم پر چلنے کی خواہش اور آپؐ کے طریقِ کار پر عمل پیرا ہو کر معاشرے کی اصلاح کا داعیہ رکھنے والوں کا فرضِ عین قرار پاتا ہے کہ وہ لوگوں کو ان بوجھوں سے نجات دلانے کی کوشش کریں خواہ اس میں ان کو کیسی ہی تکالیف اٹھانی پڑیں اور کتنی ہی مشکلات کا سامنا ہو۔

شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں ایک اصلاحی تحریک

ڈاکٹر اسرار احمد

جمعرات ۲۷ اگست ۸۱ء کی شام کو میری تیسری بچی کا عقدِ نکاح اپنے چچازاد کے ساتھ بفضلہٖ تعالےٰ بخیر وخوبی انجام پایا۔ اس تقریب کی مختصر روداد یہ ہے کہ اس کے لئے میں نے صرف ایک اخباری اعلان پر اکتفا کیا تھا[1] جس میں یہ صراحت بھی موجود تھی کہ اس موقع پر کسی خورد و نوش کا کوئی اہتمام نہیں ہوگا۔ اپنے قریب ترین اعزہ میں سے بھی کسی کو میں نے تعیّن کے ساتھ (BY NAME) مدعو نہیں کیا تھا۔ مغرب کی نماز سے آدھ گھنٹہ قبل 'جامع القرآن' یعنی قرآن اکیڈمی (۳۶ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور) کی جامع مسجد میں لاؤڈ اسپیکر پر مصری قرأت کا ایک ریکارڈ لگا دیا گیا۔ مہمان آتے رہے اور نہایت ادب اور سکون کے ساتھ بیٹھ کر استماعِ قرآن میں مشغول ہوجاتے رہے۔ اسی خاموشی کے ساتھ دولہا اور اس کے ساتھ والے لوگ بھی آئے اور بیٹھ گئے۔ بعدازاں نماز ہوئی جس کے بعد میں نے پندرہ بیس منٹ خطاب کیا، پھر خطبۂ نکاح پڑھا اور خود ہی ایجاب و قبول کا مرحلہ طے کرادیا۔ مزید براں حاضرین کی جانب سے خود ہی اپنے آپ کو مبارکباد دے کر اور خود ہی اسے قبول کرکے مجلس کے خاتمے کا اعلان کردیا تاکہ کسی تاخیر کے بغیر معمول کے مطابق درسِ قرآن شروع ہوسکے۔ بعدازاں کوئی پانچ سات منٹ چھوہاروں کی تقسیم میں لگے اور اس کے بعد درسِ قرآن کا آغاز ہوگیا — بچی بھی مہمان خواتین کے ہمراہ مسجد کے زنانہ ہال میں موجود تھی، آسے وہیں سے اس کے بڑے

---

[1] اس لئے کہ میرے نزدیک دورِ حاضر میں نبی اکرمؐ کے فرمانِ مبارک :۔
"اَعْلِنُوا هٰذَا النِّکَاحَ" (نکاح کا اعلانِ عام کیا کرو!) پر عمل کی موزوں ترین صورت یہی ہے!!

بھائیوں نے دولہا کے ساتھ رخصت کر دیا۔ اور اس طرح یہ تقریب اختتام کو پہنچی۔
اس پر انگریزی روزنامے "پاکستان ٹائمز" نے بھی "AN AUSTERE MARRIAGE" کا چوکھٹا نمایاں طور پر لگایا[1] اور جناب م۔ش نے تو اپنی ڈائری میں (نوائے وقت ۳۰ اگست ۱۹۸۰ء) مجھے خوب ہی کانٹوں پر گھسیٹا اور "ایک ٹن وعظ کے مقابلے میں ایک اونس عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے!" کی سرخی جمائی[2]۔ اب جب کہ اس طور سے "رسوائی" ہو ہی گئی ہے اور یہ معاملہ لوگوں کے علم میں آ ہی گیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر کسی قدر مزید تفصیل سے روشنی ڈال دی جائے۔ کیا عجب کہ اس سے لوگوں کو کوئی عملی رہنمائی حاصل ہو جائے!

شادی بیاہ کی تقریبات اور لوازمات و رسومات کے روز افزوں طومار نے جس طرح ایک سماجی برائی کی شکل اختیار کر لی ہے اس کا شدید احساس ہر صاحبِ نظر اور ملک و ملت کا درد رکھنے والے انسان کو ہے۔ امیروں کے لئے تو یہ تقریبات و رسومات صرف "چونچلوں" یا پھر اپنے "کالے دھن" کے نمائش و اظہار کے ذرائع کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن عوام کی اکثریت کے لئے یہ ناقابلِ برداشت بوجھ یا بالفاظ دیگر پاؤں کی بیڑیاں اور گلے کا طوق بن گئی ہیں۔ جن کے باعث شادی میں تاخیر ہوتی ہے اور اس 'ام الخبائث' (شادی کی تاخیر) کے بطن سے اخلاقی اور نفسیاتی امراض کا ایک لامتناہی سلسلہ جنم پاتا چلا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۵۷ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کے ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بلند و بالا شانیں بیان ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو ناقابلِ برداشت بوجھوں اور ان طوقوں سے نجات دلائیں گے جو ان کی گردنوں میں پڑے ہوں گے' (وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ) لہٰذا آپؐ کے نقشِ قدم پر چلنے کی خواہش اور آپؐ کے طریقِ کار پر عمل پیرا ہو کر معاشرے کی اصلاح کا داعیہ رکھنے والوں کا فرضِ عین قرار پاتا ہے کہ وہ لوگوں کو ان بوجھوں سے نجات دلانے کی کوشش کریں خواہ اس میں ان کو کیسی ہی تکالیف اٹھانی پڑیں۔ اور کتنی ہی مشکلات کا سامنا ہو۔

---

[1] ٹائیٹل کے تیسرے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے۔ [2] صفحہ نمبر ۱۱۹ پر ملاحظہ فرمائیے۔

اس ضمن میں جہاں تک 'سادگی' کے وعظ کا تعلق ہے تو وہ تو عام طور پر کہنے اور سننے میں آتا ہی رہتا ہے اور بسا اوقات وقتی اور فوری طور پر اس کا اثر بھی سامعین شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کا کوئی عملی اثر مترتب نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ بادنیٰ تامل سمجھ میں آجاتی ہے۔ یعنی "سادگی" ایک مبہم اور اضافی لفظ ہے جس کا کوئی معین مفہوم نہیں ہے۔ غرباء کے لئے اس لفظ کے معنی کچھ اور ہیں اور امراء کے لئے بالکل اور!! تو جب اصلاحی کوشش کی بنیاد ایسے مبہم اور غیر معین تصور پر ہوگی اس کا حاصل ونتیجہ چنگی ظاہر ہے۔

راقم الحروف کو اس مسئلے کے ساتھ عملی سابقہ اوّلاً اُس وقت پیش آیا جب ۱۹۶۶ء میں راقم نے لاہور میں 'دعوت رجوع القرآن' کا آغاز کیا اور درس و مطالعۂ قرآن حکیم کے حلقے قائم کئے۔ ان حلقوں کے ذریعے جو لوگ راقم کے قریب آئے، ان میں فطری طور پر راقم کے ساتھ حسنِ ظن اور ایک گونہ 'عقیدت' پیدا ہونی شروع ہوئی جس کے نتیجے میں دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ 'نکاح خوانی' کی فرمائشیں بھی آنی شروع ہوئیں۔ ابتدا میں تو میں نے اس سے احتراز کرنے کی کوشش کی لیکن جب فرمائشوں نے تقاضوں اور مطالبوں کی صورت اختیار کی تو چار و ناچار گھٹنے ٹیک دینے پڑے اور اپنے رفقاء و احباب کے بچوں اور بچیوں کے نکاح پڑھانے کا سلسلہ شروع کرنا پڑا۔

اس سلسلے میں اوّلین بات تو میرے سامنے یہ آئی کہ ہم نے 'خطبہ نکاح' کو محض "جنتر منتر" بنا کر رکھ دیا ہے۔ حالانکہ خطبے کی اصل غرض و غایت، تذکیر و نصیحت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کو 'خطبہ جمعہ' کے ساتھ "خطاب جمعہ" کا اضافہ کرنا پڑا تاکہ خطبۂ جمعہ کی اصل غرض و غایت اگر خود اس سے حاصل نہ ہو رہی ہو تو عربی زبان کے مقولے "مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ" کے مطابق اُس سے یکسر محرومی قبول نہ کی جائے بلکہ اُسے اضافی خطاب جمعہ سے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ اسی اصول کے تحت میں نے 'خطبہ نکاح' سے قبل 'خطاب' کا سلسلہ شروع کیا جس میں ان آیات و احادیث کی مختصر

تشریح بھی ہوتی تھی جو نکاح کے مسنون خطبے میں شامل ہیں اور کچھ عمومی دعوت و نصیحت بھی ہوتی تھی۔ اور خاص طور پر حدیث مبارکہ ''اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ'' کے ضمن میں جہاں رہبانیت کی نفی ہوتی تھی وہاں سنت کا وسیع تر تصور بھی سامنے رکھا جاتا تھا اور آخر میں نہایت زور دے کر کہا جاتا تھا کہ ''اتباعِ سُنّت'' کے پہلے قدم کے طور پر کم از کم شادی بیاہ کی تقریبات اور رسومات کے ضمن میں تو یہ طے کر ہی لینا چاہیئے کہ ان میں سے صرف وہی چیزیں باقی رکھی جائیں جن کا ثبوت آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مل جائے اور باقی تمام بعد کی ایجاد کردہ یا باہر سے درآمد شدہ رسومات کو پوری ہمت اور جرأت کے ساتھ پاؤں تلے روند دیا جائے[1]!! مثلاً یہ کہ نکاح مسجد میں ہونا چاہیئے۔ جہیز اور بَری وغیرہ کی نمائش بالکل نہیں ہونی چاہیئے۔ گھروں کی تزئین و آرائش اور بالخصوص روشنی وغیرہ پر اسراف سے بچنا چاہیئے۔ اور دعوتِ طعام صرف ایک ہونی چاہیئے۔ یعنی ''دعوتِ ولیمہ''۔ لڑکی والوں کی جانب سے نکاح کے موقع پر دعوتِ طعام کا سلسلہ بالکل بند ہونا چاہیئے۔ وغیرہ وغیرہ۔

مسلسل پانچ چھ برس تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا کہ لوگ یہ باتیں سن کر نگاہیں نیچی کر لیتے تھے، فوری تاثر کے آثار بھی ان کے چہروں پر ظاہر ہوتے تھے۔ بعد میں بہت سے لوگ اس 'وعظ' کی تائید و تصویب ہی نہیں تحسین بھی فرماتے تھے۔ لیکن جب موقع آتا تھا تو ''زمین جنبد نہ جنبد گل محمد'' کے مصداق پرنالہ وہیں گرتا تھا اور بالکل ایسے محسوس ہوتا تھا کہ بیل گاڑی کا اس ''لیک'' سے ہٹنا تقریباً ناممکن ہے۔ تا آنکہ ۱۹۷۳ء کے اواخر میں میرے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد انگلینڈ سے پی ایچ ڈی کی تکمیل کر کے واپس آ گئے اور ان کی شادی کا مرحلہ آیا۔ وہ ہم تمام بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے ہیں گویا ہمارے خاندان کی ایک نسل کی سطح پر یہ آخری شادی تھی۔ میں نے اس موقع پر ایک فیصلہ کن اقدام کا

[1] یہ بات بہت قابل توجہ ہے اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ ''اصلاح الرسوم'' کیلئے واحد ممکن اور ٹھوس بنیاد صرف اور صرف 'اتباع سُنّت' کا اصول ہے اس کے سوا جو کوشش کی جائیگی وہ اُسی طرح غیر موثر ہو کر رہ جائے گی جس طرح 'سادگی' کا وعظ!!

عزم کیا۔ اس لئے کہ میرے سامنے معاملے کی صورت یہ آئی کہ جو کچھ دوسروں کو بطور نصیحت کہتے رہے ہو اب یا تو خود اس پر عمل کر کے دکھاؤ ورنہ ان باتوں کا کہنا چھوڑ دینا چاہیئے گویا بقول علامہ اقبالؒ "یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر!" خوش قسمتی سے جہاں رشتہ طے پایا تھا وہ خود بہت پختہ دینی مزاج کے حامل لوگ تھے۔ گویا اصل مسئلہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی حل کر دیا تھا۔ چنانچہ بحمد اللہ کوئی دقت پیش نہ آئی اور جوں ہی میں نے ان کے سامنے پورا معاملہ رکھا، انہوں نے برضا و رغبت آمادگی کا اظہار کر دیا۔ اگرچہ بعد میں بعض دوسرے اعزہ و اقارب نے معاملے کو سخت ردّ و قدح اور طعن و استہزا کا موضوع بنایا اور کسی قدر تلخی بھی پیدا ہو گئی تاہم بحمد اللہ یہ شادی ٹھیٹھ سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ہوئی اور اس طرح بفضلہٖ تعالیٰ 'CHARITY BEGINS AT HOME' والا معاملہ ہو گیا۔!

اس مرحلے پر پہلے اقدام کے طور پر راقم نے تین چیزوں پر زور دینے کا فیصلہ کیا ایک(۱) یہ کہ نکاح مسجد میں منعقد ہو۔ دوسرے(۲) یہ کہ لڑکی والوں کی طرف سے کوئی دعوتِ طعام نہ ہو اور تیسرے(۳) یہ کہ 'بارات' کا تصور بالکل ختم کر دیا جائے۔ ان تینوں کی وضاحت کے ضمن میں جو مختصر تحریر راقم کے قلم سے نکل کر 'میثاق' لاہور کی اشاعت بابت فروری سنہ ۷۲ء کے 'تذکرہ و تبصرہ' کے صفحات میں شائع ہوئی (اور جو بعد میں ایک علٰحدہ چار ورقے کی صورت میں طبع ہو کر ہزاروں کی تعداد میں تقسیم ہوئی) من و عن

" ۱۔ جہاں تک نکاح کی تقریب کے مساجد میں انعقاد کا معاملہ ہے وہ ایسی مشکل بات نہیں ہے۔ اکثر لوگ اس پر جلد ہی راضی ہو جاتے ہیں اس لئے کہ بات بڑی واضح ہے ۔۔۔ چنانچہ بہت سے مواقع پر جب دو باتیں (جن کا ذکر آگے آئے گا) اس ضمن میں کہی گئیں تو واقعہ یہ ہے کہ جملہ حاضرین کی پیشانیاں عرقِ ندامت سے نم ہو گئیں۔ اور ان کے چہروں پر حقیقی تأثر کے اثرات نمایاں ہو گئے۔ ایک(۱) یہ کہ جب تاجدارِ عالم اور محبوبِ ربّ العٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر اور دخترِ نیک اختر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح مسجد میں ہوا تو ہم میں سے کون ہے جو اپنے آپ کو آنحضورؐ

سے زیادہ باعزت یا اپنی بیٹی کو سیدۃ نساء اہل الجنۃ سے افضل سمجھتا ہو اور اُسے مسجد میں نکاح پڑھوانے سے عار محسوس ہوتی ہو؟ — اور دوسرے یہ کہ ہمیں شرم آنی چاہیئے کہ عیسائیوں نے، اس کے باوجود کہ ان کا اپنے مذہب سے لگاؤ نہ ہونے کے برابر ہے — تاحال کلیسا کا درجہ اس قدر بلند رکھا ہے کہ لڑکا اور لڑکی دونوں نکاح کے لئے وہاں حاضر ہوتے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے مسجد کا مقام اس درجے گرا دیا کہ وہاں نکاح پڑھوانے کو عار جانتے ہیں حالانکہ شریعت نے واضح راہ کھول دی ہے کہ لڑکی کی طرف سے اس کا وکیل دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح خواں کو اجازت ِ 'ایجاب' دیتا ہے۔ اس طرح جب لڑکی کا خود مجلسِ نکاح میں موجود ہونا ضروری نہیں تو آخر اس کے گھر پر اس تقریب کا انعقاد کیوں ضروری سمجھ لیا گیا ہے — راقم کے خیال میں یہ دونوں دلیلیں اتنی قوی اور موثر ہیں کہ اگر ان کو عام کر دیا جائے تو اکثر لوگ تقریبِ نکاح کے مسجد میں انعقاد پر برضا و رغبت آمادہ ہو جائیں گے۔ ویسے دو مزید دلیلیں جو یقیناً قابلِ لحاظ ہیں، یہ ہیں کہ اوّلاً نکاح کے بعد جو دُعائے خیر دُولھا اور دُلھن کے لئے کی جاتی ہے اس کا بہترین ماحول مسجد میں ہوتا ہے نہ کہ شادی والے گھر کی ہنگامہ خیز فضا میں — اللہ کے کسی گھر میں کسی نماز کے متّابعد یہ تقریب منعقد ہو اور اس کے بعد اس پاکیزہ ماحول میں نئے گھر کی آبادی اور خوش حال اور دین و ایمان کی سلامتی اور باہمی اُلفت و محبت کی دُعا کی جائے تو اُمید واثق ہے کہ اس کی تاثیر کم از کم دہ چند ہو جائے گی اور ثانیاً یہ کہ اس سے شامیانوں، قناتوں، قالینوں صوفوں اور کرسیوں اور رنگا رنگ کی آرائشوں پر صرف ہونے والا پیسہ بچ جائے گا جسے کسی اور نیک کام کے لئے صرف کیا جا سکتا ہے۔

۲ ۔ نکاح کے موقع پر دعوتِ طعام سے احتراز کا معاملہ البتہ ذرا کڑوی گولی ہے جو آسانی سے حلق سے نہیں اترتی۔ لیکن ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ پہلے معاملے سے بھی زیادہ صاف اور واضح ہے۔

اس سلسلے کی ایک دلیل تو خالص دینی اور مذہبی ہے۔ یعنی یہ کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں زندگی کے ہر گوشے سے متعلق

مفصل ہدایات دے دی ہیں۔ یہاں تک کہ ہم فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارے نبیؐ نے ہمیں استنجا اور طہارت تک کی بھی مفصل تعلیم دی ہے تو کیا کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ شادی بیاہ ایسے معاملات میں حضورؐ کی جانب سے معاذ اللہ کوئی کوتاہی رہ گئی ہے جس کی تلافی کی کوشش ہمیں خود کرنی ہے —! اگر اس سوال کا جواب نفی میں ہو اور یقیناً نفی ہی میں ہے تو ہمیں سوچنا چاہیئے کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شادی کے ضمن میں دعوتِ ولیمہ کی تاکید فرمائی اور اس کی اس لازمی بُرائی کا ذکر کرنے کے باوجود کہ "بِئْسَ الطَّعَامُ الْوَلِیْمَۃِ یُدْعٰی اِلَیْہِ الْاَغْنِیَآءُ وَیُتْرَکُ الْمَسَاکِیْنَ" (یعنی دعوتِ ولیمہ بھی کیا ہی بُری دعوت ہے جس میں صاحبِ حیثیت لوگوں کو بُلایا جاتا ہے اور مسکینوں سے صرفِ نظر کر لیا جاتا ہے) یہ مثبت حکم بھی دیا کہ "اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ اِلَی الْوَلِیْمَۃِ فَلْیَاْتِھَا" (جب تم میں سے کسی کو ولیمے میں بُلایا جائے تو وہ ضرور جائے) ساتھ ہی مزید تہدید بھی فرمائی کہ "فَمَنْ لَّمْ یَاْتِ الدَّعْوَۃَ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ" (یعنی جو دعوت میں (بلا عذر) شریک نہ ہوگا اس نے (گویا) اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا ارتکاب کیا) واضح رہے کہ یہ تمام حدیثیں 'مسلم شریف' سے ماخوذ ہیں۔

پس اگر نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کے یہاں بھی دعوتِ طعام کوئی اچھا کام ہوتا اور اس میں کوئی بھی خیر کا پہلو موجود ہوتا تو کیا اللہ کے رسولؐ ہمیں اس کا حکم نہ دیتے؟ — یا کم از کم درجہ استحباب ہی میں اس کا ذکر نہ فرماتے؟ اور جب اس کا کوئی ذکر ہمیں کسی حدیث میں نہیں ملتا تو کیا یہ ایک خواہ مخواہ کی بدعت نہیں؟ اور کیا یہ اُن اِصر اور اغلال کے قبیل کی چیز نہیں جن کے بوجھ سے انسانوں کی گردنوں کا آزاد کرانا مقاصدِ نبوّت میں شامل ہے؟

دوسری دلیل وہ ہے جو ہر صاحبِ عقلِ سلیم کو اپیل کرے گی، یعنی یہ کہ شادی کا موقع لڑکی والوں کے لئے ویسا کھلی خوشی کا موقع نہیں ہوتا جیسا لڑکے والوں کے لئے ہوتا ہے۔ لڑکے کے لئے یہ خانہ آبادی کا موقع ہوتا ہے اور لڑکے

کے لئے یہ خانہ آبادی کا موقع ہوتا ہے اور لڑکے والے گھر میں ایک فرد کا اضافہ ہو رہا ہوتا ہے لہٰذا اصل خوشی وہاں ہوتی ہے (یہی وجہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے دعوتِ عرس کا حکم لڑکے ہی کو دیا!) ۔ لڑکی کے والدین کو اس کی شادی کے موقع پر اگرچہ اس پہلو سے ایک احساسِ اطمینان ضرور ہوتا ہے کہ ایک اہم فرض ادا ہوگیا اور ذمہ داری کا ایک بھاری بوجھ کاندھے سے اتر گیا لیکن صحیح معنیٰ میں اُن کے یا لڑکی کے بھائی بہنوں کے لئے یہ خوشی کا موقع ہرگز نہیں ہوتا بلکہ عام مشاہدہ یہ ہے کہ لڑکی کی رخصتی کے وقت سب اہلِ خانہ اشکبار ہوتے ہیں ۔ گھر کا ایک فرد، ماں باپ کی لاڈلی اور ناز و نعم کی پلی ہوئی بچی بہنوں اور بھائیوں کی پیاری ماں جائی کا گھر سے رخصت ہونا ظاہر ہے کہ ہرگز خوشی کی بات نہیں ــــ اس پر مستزاد ہیں مستقبل کے اندیشے جو ہر طرح کے حزم و احتیاط کے باوجود بہرحال بالکل ختم کسی طرح نہیں ہو سکتے کہ کیا معلوم نباہ ہو یا نہ ہو اور بیل منڈھے چڑھے یا نہ چڑھے ــــ ان حالات میں اس گھر پر اور ان ہی گھر والوں کے ہاتھوں قورمے اور متنجن اڑانا یقیناً بڑی ہی دناءتِ طبع اور سفلہ مزاجی کا معاملہ ہے ۔ ایک غیرت مند اور باحمیّت انسان کے لئے یہ چیز، لا آنکہ ذہن اِدھر منتقل نہ ہوا ہو، بڑی ہی قابلِ عذر ہے ۔

۳ ۔ اب اگر یہ دونوں باتیں اظہر من الشمس ہیں : یعنی نکاح کی تقریب مسجد میں ہو اور اس موقع پر دعوتِ طعام کو پروگرام سے خارج (ELI-MINAT) کر دیا جائے تو خود بخود 'بارات' کا پورا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ ہے ہی ختم کئے جانے کے لائق بلکہ صد لائق! خدا کا شکر ہے کہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی احادیث کے پورے ذخیرے، یہاں تک کہ جتنی عربی راقم کو آتی ہے، کم از کم اس کی پوری لغت میں کوئی لفظ ایسا موجود نہیں ہے جس کا ترجمہ لفظ 'بارات' کیا جا سکے اور جس طرح یہ لفظ خالص عجمی ہے اسی طرح اس کا پورا تصور بھی خالص عجمی ہے اور اس کا وہ نقشہ تو خالص ہندوانہ ہے جو ہمارے ذہنوں میں شادی بیاہ کے لوازم کی حیثیت سے رچ بس گیا ہے یہ ایک جتھے کی صورت میں جمع ہو کر دلہن والوں

"چڑھائی" کے انداز میں لڑکی والے کے گھر جانا اور پھر لڑکی کا ڈولا لے کر "فاتحانہ" انداز سے لوٹنا خالص ہندوانہ تصوّر ہے جس کی بیخ کنی لازماً کی جانی چاہیئے۔

بارات کا متذکرہ بالا تصوّر نہ صرف یہ کہ خالص عجمی ہی نہیں خالص ہندوانہ ہے بلکہ ذرا غور کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ بڑی کم ظرفی کا مظاہرہ بھی لئے ہوئے ہے۔ بڑی شان و شوکت کے ساتھ دندناتے ہوئے جانا اور لڑکی والوں پر پورا رُعب جھاڑتے ہوئے بطرزِ استحقاق پلاؤ زردہ اڑانا اور پھر فاتحانہ شان میں "مالِ غنیمت" سے لدے پھندے واپس آنا! حیرت ہے کہ کیوں لوگوں کو محسوس نہیں ہوتا کہ ان چیزوں کی اُس دین سے کسی طور پر کوئی مناسبت نہیں ہو سکتی جو ہر معاملے میں شرافت و مروّت، وقار و متانت اور دوسروں کے جذبات کے پاس و لحاظ کی تعلیم دیتا ہے۔

بہر حال شادی بیاہ کے سلسلے میں یہ وہ ناپاک تثلیث (
) ہے جو مِل جُل کر ایک وحدت بن گئی ہے، یعنی عیسائیوں کے قول کے مطابق توحید بھی ہے اور تثلیث بھی (
) اور بہتر یہی ہے کہ تینوں کی جڑوں پر بیک وقت ضربِ کاری لگائی جائے ورنہ اگر کسی ایک کی بیخ کنی پر اکتفا ہوئی تو باقی دونوں فوراً اُس تیسری کو بھی از سرِ نو زندہ کر لیں گی۔ اس سلسلے میں بعض لوگوں کا یہ خیال بالکل درست نہیں کہ رفتہ رفتہ اور بتدریجاً اصلاح کی طرف قدم بڑھائے جائیں۔ ایسے معاملات میں ایک ہی بار بڑا اقدام مفید بھی رہتا ہے اور پائیدار بھی — !"

مجھے خوب اندازہ تھا کہ لوگ ان باتوں کو عقلی اور منطقی اعتبار ہی سے نہیں دلی طور پر بھی تسلیم کر لیں گے لیکن جب موقع آئے گا تو مجبوریوں کا ایک کوہ گراں ان کے سامنے آن کھڑا ہوگا اور وہ مجھے بھی ہر طرح مجبور کریں گے کہ ان تقاریب میں شرکت کروں۔ لہذا پیش بندی کے طور پر راقم نے اپنی ذات

کی حد تک تین پختہ فیصلے کر کے ان کا 'میثاق' کے صفحات میں اعلان بھی کر دیا اور جامع مسجد خضراء سمن آباد کے اجتماعِ جمعہ میں بھی ـــــ وہ تین فیصلے یہ تھے کہ: راقم الحروف آئندہ نہ کسی بارات میں شامل ہوگا۔ نہ نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کے ہاں کسی دعوتِ طعام میں شریک ہوگا۔ نہ ہی کسی ایسی تقریبِ نکاح میں شرکت کرے گا جو مسجد میں منعقد نہ ہو۔!"

مجھے اعتراف ہے کہ اس معاملے میں کسی قدر 'شدت' کی صورت پیدا ہوئی لیکن میں پوری طرح مطمئن ہوں کہ اس کے بغیر معاملہ کسی طرح ٹس سے مَس تک نہ ہوتا ـــــ الحمد للہ کہ میرے رفقاء و احباب میں سے بہت سے لوگوں نے اس معاملے میں میرا پورا ساتھ دیا جس کے نتیجے میں اس اصلاحی کوشش نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ بہت سے دوسرے احباب جو پورا ساتھ نہ دے سکے ان کے ساتھ میں نے ایک درمیانی صورت اختیار کر لی کہ نکاح کا انعقاد انہوں نے مسجد میں کر لیا جس میں میری شرکت ہوگئی۔ بعد ازاں کسی دعوتِ طعام کا اہتمام انہوں نے کیا جس میں میری عدم شرکت کو انہوں نے خندہ پیشانی سے گوارہ کر لیا۔ اور ان کی 'مجبوریوں' کے پیشِ نظر میں نے بھی ان پر نکیر نہ کی۔

قریبی عزیزوں اور رشتہ داروں کے حلقے میں البتہ مجھے زیادہ سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا جس کے نتیجے میں شکر رنجیاں بھی ہوئیں۔ تعلقات کا انقطاع بھی ہوا۔ اور بعض بچپن کی منگنیاں بھی ٹوٹیں۔ لیکن الحمد للہ والمنۃ کہ اس تعالیٰ نے مجھے ان تمام چیزوں کو برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائی اور میرے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دی!

اس معاملے میں میرے لئے سب سے کڑا امتحان اپنی سب سے بڑی بچی کی شادی کے موقع پر پیش آیا۔ مجھے خوب اندازہ تھا کہ اس موقع پر خواہ میں اپنی طے کردہ ساری پابندیاں پوری طرح نباہ لوں لیکن اگر رخصتی کے موقع پر میں نے دولہا اور ان کے چند عزیزوں کی تواضع صرف ٹھنڈے یا گرم مشروب سے بھی کر دی تو بات کا بتنگڑ بن جائے گا اور سارے کئے کرائے پر پانی پھر

جائے گا - چنانچہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید سے میں نے ایک اور انقلابی قدم اٹھایا یعنی یہ کہ بچی کو بھی جمعہ کو مسجد دارالسلام، باغ جناح لے گیا - نماز جمعہ کے بعد نکاح پڑھایا اور اللہ ہی کے گھر سے اس کی رخصتی عمل میں آ گئی - اس طرح میرے گھر پر دو چار افراد کا بھی اس صورت میں آنا نہ ہوا جس پر کھینچ تان کر کے بھی 'بارات' کے لفظ کا اطلاق کیا جا سکتا! -

اس کے بعد بڑے بچے کی شادی کا مرحلہ آیا تو ایک طرف تو اس کے لئے جو 'بارات' کراچی گئی وہ کُل ڈھائی افراد پر مشتمل تھی - یعنی دولہا، اس کی والدہ اور سب سے چھوٹا بھائی — (راقم خود ان دنوں دعوتی و تنظیمی سلسلے میں پہلے ہی سے کراچی میں تھا، دولہا کے دو حقیقی بھائی اور کوئی حقیقی بہن بھی اس "بارات" میں شامل نہ تھی، پھر یہ کہ جس جمعہ کو نمازِ جمعہ کے متصلاً بعد عقدِ نکاح ہونا تھا، اُسی صبح کو ٹرین سے یہ لوگ کراچی پہنچے اور اُسی شام کو دلہن کو لے کر لاہور واپس ہو گئے — دوسری طرف رفیق مکرم قاضی عبدالقادر صاحب نے (جن کی بچی سے عقدِ نکاح ہونا تھا) راقم کی قائم کردہ مثال پر پورا عمل کر کے دکھایا اور اپنے قریب ترین اعزہ و اقارب کو بھی گھر پر مدعو نہیں کیا بلکہ مسجد ہی سے بچی کو رخصت کر دیا -

اس کے بعد بحمداللہ سالِ رواں کے دوران راقم اپنی مزید دو بچیوں کی ذمہ داری سے اسی طور سے سبکدوش ہو چکا ہے -

اس سلسلہ کی آخری یعنی حالیہ تقریب میں جس کے حوالے سے گفتگو کا آغاز ہوا تھا، راقم نے ایک نہایت مختصر خطاب کیا تھا جس کے بارے میں جناب م - ش نے ازراہ ذرہ نوازی یہ فرمایا ہے کہ " میں نے ڈاکٹر صاحب کے ہزاروں کی تعداد میں مواعظ حسنہ میں شرکت کی ہے لیکن اس موقع پر میری رُوح نے ان کی تقریر دل پذیر سے جو اثرات قبول کئے وہ انمٹ تھے " اس میں راقم نے ایک تو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی شان مبارکہ کے حوالے سے جو " وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ " کے الفاظِ قرآنی میں بیان ہوئی ہے حاضرین کو جراَت مندانہ اقدام کی ترغیب

دلائی تھی اور دوسرے سورۃ الشراح کی آیاتِ مبارکہ "فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًاo اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًاo" کے حوالے سے تحدیثاً للنعمۃ عرض کیا تھا کہ اپنی ان مساعی کے ضمن میں جس اُخروی اجر و ثواب کا امیدوار میں ہوں اس کا تو میں محتاج ہوں ہی رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌo — اس دنیا میں جو نقد انعام مجھے ملا ہے وہ 'وہ آسانی اور سہولت ہے جس کے ساتھ میں تابڑ توڑ انداز میں اپنی اُن پہاڑ ایسی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو گیا ہوں جن کا تصور بھی ہمارے معاشرے میں بہت سے لوگوں پر لرزہ طاری کر دیتا ہے — واقعہ یہ ہے کہ آج جب میں غور کرتا ہوں تو شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ اگر مجھے اپنی اِن ذمہ داریوں کو زمانے کے دستور و معیار کے مطابق نبھانا ہوتا تو میرے لئے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ رہتا کہ جسم و جان کی ساری توانائیاں صرف پیسہ کمانے کے لئے نچوڑ دیتا، نتیجۃً اللہ کے دین اور اس کی کتابِ عزیز کی کسی خدمت کے لئے نہ میرے پاس کوئی وقت بچتا نہ قوت و صلاحیت — یہ سراسر اُسی کا فضل و کرم ہے کہ اس نے جب ایک جانب مجھے اس فیصلے کی توفیق ارزانی فرمائی کہ میرے جسم و جان کی تمام توانائیاں اور صلاحیتیں اللہ کے دینِ متین اور بالخصوص اس کی کتابِ عزیز کی خدمت کے لئے وقف رہیں گی تو دوسری جانب میری توجہ اتباعِ سنّت کے اِس رُخ کی طرف بھی مبذول کر دی اور مجھے شادی بیاہ کے "اِصر" اور "اغلال" کے خلاف جہاد کا بیڑہ اٹھانے کی توفیق بھی مرحمت فرما دی۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج میں خود اپنے ذاتی حالات میں اُسی کے عظیم عدول یعنی "وَنُیَسِّرُكَ لِلْیُسْرٰی" اور "فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰیo" کی صداقت و حقانیت کا مشاہدہ کر رہا ہوں کہ تین سال کے اندر اندر اپنے چار بچوں کی ذمہ داریوں سے اس طرح سبکدوش ہو گیا ہوں کہ کسی بار یا گرانی کا احساس تک نہیں ہوا۔ فَلَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔!!

جہاں تک 'جہیز' کا تعلق ہے میرے نزدیک یہ بھی سراسر غیر اسلامی اور خالص ہندوانہ ذہنیت کا مظہر ہے۔ تاہم ابتداءً میں نے اس کے ضمن میں صرف

'عدم نمائش' پر زور دیا تھا۔ اب اللہ ہمت دے اور رفقاء احباب کمر ہمت کس لیں تو اس ضمن میں بھی مزید پیش قدمی ضروری ہے — اس سلسلے میں میرا اپنا جو معاملہ رہا ہے اس موقع پر اُسے بیان کر دینے میں بھی ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں ہوگا — اور وہ یہ کہ اگرچہ میری پہلی دو بچیاں بھی جو کچھ لیکر میرے گھر سے رخصت ہوئیں اس پر بھی موجودہ زمانے کے کسی بھی معیار کے مطابق "جہیز" کا اطلاق نہیں ہو سکتا تاہم حالیہ شادی میں یہ معاملہ بھی بحمد اللہ قدرِ مطلوب سے بہت قریب پہنچ گیا ہے۔ یعنی میری یہ بچی صرف ایک اٹیچی بھر کپڑے اور سوا دو تولے کا طلائی زیور لے کر میرے گھر سے رخصت ہوئی ہے!! —

خدا گواہ ہے کہ سطور بالا میں جو کچھ تحریر ہوا ہے اس میں نہ "عُجب" کو دخل ہے نہ ہی اس سے "تعلّی" مقصود ہے — ان تمام تفاصیل سے مقصود صرف یہ ہے کہ کچھ لوگ کمرِ ہمت کس لیں اور اللہ کی تائید و توفیق کی امید کے سہارے شادی بیاہ کی تقریبات اور رسومات و لوازمات کے طور مار کے "اِصر" اور "اغلال" کے خلاف جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ٥

ھدیہ تشکر

'ستارہ امتیاز' کے ضمن میں محترم صدر مملکت کو شکریہ کا جو خط لکھا گیا تھا اسی کے ملخص پر مشتمل خطوط ان حضرات کی خدمت میں ارسال کئے گئے ہیں جنہوں نے 'مبارکباد' کے خطوط یا تار ارسال کئے۔ بعض حضرات نے جو تار ارسال کئے ان پر ان کا اپنا پتہ درج نہ تھا اور بہت سے حضرات نے ٹیلیفون پر مبارکباد دی۔ ایسے تمام حضرات کا شکریہ بذریعہ سطور ہٰذا حاضر ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥

خاکسار: اسرار احمد عفی عنہ

نشر القرآن

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی نشری تقاریر

سورۃ ھود

(آیات نمبر ۷۷ تا ۸۰)

(۱)

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ۝ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ قَالَ یٰقَوْمِ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ ؕ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ ۝ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ ۝ قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ ۝ سورۃ ہود آیات ۷۷ تا ۸۰ کا ترجمہ یہ ہے :-

"اور جب ہمارے پیغامبر لوطؑ کے پاس پہنچے تو وہ ان کے بارے میں بہت غمگین اور مضطرب ہوا اور اس نے کہا کہ آج کا دن تو بہت ہی کٹھن ہے - اور آئے اُس کے پاس اُس کی قوم کے لوگ بگٹٹ دوڑتے ہوتے ، اور بدکاری کے تو وہ پہلے سے خوگر تھے ہی ، اس نے کہا :" اے میری قوم کے لوگو ! یہ میری بیٹیاں ہیں - وہ تمہارے لئے کہیں زیادہ پاکیزہ ہیں ، پس اللہ کا خوف کھاؤ اور مجھے میرے مہمانوں کے معاملے میں رسوا نہ کرو - کیا تم میں کوئی ایک بھی شریف آدمی نہیں رہا " - انہوں نے جواب دیا :-" تجھے خوب معلوم ہے کہ تیری بیٹیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں اور تجھے یہ بھی خوب معلوم ہے کہ ہم کس چیز کے طالب ہیں ! " لوطؑ

نے کہا: ”کاش خود میرے پاس تمہارے مقابلے کے لئے قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ ہی حاصل کر سکتا!“

قرآن حکیم میں مکی سورتوں کا طویل ترین سلسلہ وہ ہے جو سورۃ یونس سے سورۃ مومنون تک پھیلا ہوا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی دو سورتوں یعنی سورۃ یونس اور سورۃ ہود میں ایک حسین جوڑے کی نسبت بتمام وکمال موجود ہے۔ چنانچہ ”انبیاء الرسل“ یعنی اولوالعزم رسولوں کے حالات کے ضمن میں بھی ان دونوں سورتوں میں عکسی نسبت پائی جاتی ہے، قرآن حکیم میں اس ضمن میں جن چھ رسولوں کے حالات اور ان کی قوموں کے انجام کا ذکر بتکرار و اعادہ آیا ہے ان میں سے اوّلین یعنی حضرت نوحؑ کا ذکر سورۃ یونس میں تقریباً نصف رکوع میں ہے لیکن سورۃ ہود میں پورے دو رکوعوں میں، اور آخری یعنی حضرتِ موسیٰؑ کا ذکر سورۃ یونس میں تقریباً ڈیڑھ رکوعوں پر پھیلا ہوا ہے تو سورۃ ہود میں درجہ اجمال سے ہے۔ اسی طرح درمیانی چار رسولوں یعنی حضرتِ ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کا ذکر سورۃ یونس میں بغیر نام لئے نہایت اجمال سے صرف ایک آیت میں ہو گیا ہے جبکہ سورۃ ہود میں ان سب کے لئے ایک ایک رکوع مخصوص ہے۔

جن آیات کا ترجمہ ابھی آپ نے سماعت فرمایا ہے وہ سورۃ ہود کے ساتویں رکوع میں شامل ہیں۔ اس رکوع میں قرآن مجید کی بعض دوسری سورتوں کی طرح حضرت لوطؑ جس قوم کی جانب مبعوث ہوئے تھے اس کے انجام بد کے ذکر کی تمہید کے طور پر حضرت ابراہیمؑ کا ذکر بھی آیا ہے۔ یعنی وہ فرشتے جو اس قوم کی ہلاکت کے حکم الٰہی کی تنفیذ کے لئے بھیجے گئے تھے۔ ان کی طرف جانے سے قبل حضرتِ ابراہیمؑ کے پاس حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کی خوشخبری پہنچانے آئے تھے اور اسی موقع پر انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کو مطلع کر دیا تھا کہ جن بستیوں کی جانب حضرت لوطؑ مبعوث ہوئے ہیں اب ان کی آخری ہلاکت کا وقت آپہنچا ہے جس پر حضرت ابراہیمؑ نے اپنی نرم دلی کے باعث ان سے کچھ مجادلہ بھی کیا۔ جس کا آخری جواب انہیں یہ ملا کہ یا ابراھیم

اعرض عن ھٰذا ۚ انہ قد جاء امر ربک ۚ و انھم اٰتیھم عذاب غیر مردود ۝ "یعنی اے ابراہیمؑ اب اس معاملے سے قطع نظر کرلو، اس لئے کہ تمہارے رب کا حکم صادر ہو چکا ہے اور اب ان لوگوں پر وہ عذاب آکر ہی رہے گا جو کسی کے لوٹائے لوٹ نہیں سکتا!"

اس کے بعد وہی فرشتے حضرت لوطؑ کے پاس پہنچے - اور خود قرآن مجید کے فحوائے کلام سے بھی متبادر ہوتا ہے اور تفسیری روایات سے بھی تائید ہوتی ہے کہ وہ خوبصورت لڑکوں کی صورت میں تھے جن کو دیکھتے ہی وہ امرد پرست لوگ شہوتِ نفسانی سے مغلوب ہوکر بگٹٹ دوڑتے ہوئے حضرت لوطؑ کے گھر آدھمکے - واضح رہے کہ قرآن نے اگرچہ مجازاً ان لوگوں کو "قوم لوط" کہا ہے لیکن حضرت لوط ہرگز ان میں سے نہ تھے - آنجنابؑ تو حضرتِ ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے جو اُن کے ساتھ ہی ہجرت کرکے عراق سے بلادِ شام پہنچے تھے اور پھر حضرتِ ابراہیمؑ کے حسبِ ہدایت بحرِ مردار کے ساحل پر واقع سدوم اور عمورہ کی بستیوں میں دعوت الی اللہ اور عقائد و اخلاق کی اصلاح کی سعی فرما رہے تھے - اس علاقے کے لوگ شرک کے ساتھ ساتھ بدترین اخلاقی پستی سے دوچار ہوچکے تھے اور ان میں مردوں کا مردوں ہی سے جنسی لذت حاصل کرنے کا حد درجہ غیر فطری اور قبیح عمل نہ صرف یہ کہ عام ہوچکا تھا بلکہ اُس میں اُن کی ڈھٹائی اور بے حیائی اس درجے کو پہنچ گئی تھی کہ وہ یہ خبیث حرکت بر سرِ عام لوگوں کی نگاہوں کے عین سامنے کرتے تھے - اور حضرت لوطؑ ان کی اصلاح کی ہر ممکن سعی کے باوجود اپنے مشن میں بالکل ناکام ہوچکے تھے - چنانچہ اللہ کے آخری فیصلے کا وقت آپہنچا اور اس کے ضمن میں اللہ نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت ایسی صورت اختیار کی کہ از خود کھل کر ظاہر ہوجائے کہ یہ قوم اخلاقی دیوالیے پن کی کس انتہا کو پہنچ چکی ہے - اور پوری طرح مستحق ہوچکی ہے کہ اسے ہلاک اور نیست و نابود کردیا جائے -

حضرت لوطؑ کا ماتھا تو اپنے خوبصورت اور نوعمر مہمانوں کو دیکھتے ہی ٹھنک گیا تھا کہ آج بہت کٹھن مرحلے سے گذرنا ہوگا - جب انہوں نے لوگوں کے تیور دیکھے تو آخری اتمام حجت کے طور پر دو باتیں فرمائیں ایک یہ کہ یہ میرے مہمان ہیں اور

مہمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کا ذمہ دار میزبان ہوتا ہے - لہٰذا اگر تمہارے اندر شرافت اور مروت کی کوئی ادنیٰ رمق بھی باقی رہ گئی ہے تو مجھے اس معاملے میں ذلیل و رسوا نہ کرو ——— یہ قدیم زمانے اور بالخصوص اقوام عرب کے اعتبار سے سب سے زیادہ مؤثر اپیل ہو سکتی تھی جسے نظر انداز کر کے گویا انہوں نے اپنی شرافت اور مروت کے دیوالہ نکل جانے کا ثبوت فراہم کر دیا - دوسرے یہ کہ اگر تم اپنے جذبۂ شہوت کی تسکین چاہتے ہو تو میری بیٹیاں موجود ہیں ان سے تم اپنے جذبے کی تسکین فطرت کے عین مطابق اور فی نفسہٖ پاکیزہ طریقے پر کر سکتے ہو - یہاں "بیٹیوں" کے مفہوم و معنیٰ کے بارے میں سلف ہی سے دو رائیں موجود ہیں اور دونوں ہی کا احتمال یکساں و برابر ہے یعنی ایک یہ کہ حضرت لوطؑ نے خود ان کی بیویوں کو اپنی بیٹیاں قرار دیا ہو - اس لئے کہ ہر عمر رسیدہ شخص بالخصوص وہ جو نیک اور پارسا بھی ہو اور دوسروں کو بھی نیکی اور پارسائی کی تلقین کرتا ہو قوم کی تمام عورتوں کے لئے بمنزلہ باپ ہوتا ہے ——— اور دوسرے یہ کہ حضرت لوطؑ نے قوم کے سرداروں کو پیشکش کی ہو کہ میں اپنی بیٹیوں کا نکاح تم سے کئے دیتا ہوں - اور یہ بھی بغرضِ اتمام حجت وقطعِ عذر!! ——— لیکن اس کا جو جواب لوگوں نے دیا - اس میں جہاں یہ ڈھٹائی نقطۂ عروج کو پہنچی نظر آتی ہے کہ "اے لوطؑ! خواہ مخواہ اِدھر اُدھر کی باتوں میں ہمارا وقت ضائع نہ کرو - تمہیں خوب معلوم ہے کہ ہم کس ارادے سے آئے ہیں اور ہمیں فی الواقع کیا مطلوب ہے!" ——— وہاں ان کا یہ منافقانہ کردار بھی انتہا کو پہنچا نظر آتا ہے کہ حیوانیت کی اس اسفل ترین سطح تک پہنچے ہوئے ہونے کے باوجود حق کا لفظ بھی ان کی زبان پر آتا ہے اور وہ بڑے حق پرستانہ انداز میں کہتے ہیں - (اگرچہ فی الواقع اس میں گہرا طنز پنہاں ہے) ——— کہ "اے لوط! تم خوب جانتے ہو کہ تمہاری بیٹیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے!" چشم تصور سے بخوبی دیکھا جا سکتا ہے کہ ان الفاظ کو ادا کرتے ہوئے اُن میں سے بعض کے لبوں پر تبسم بانداز ہر خند بھی ہوگا -

اس صورتِ حال پر جو کیفیت حضرت لوط علیہ السلام کی ہوئی وہ ان کے

ان الفاظ سے بخوبی ظاہر ہے ——— "لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ ٥" یعنی کاش کہ میرے پاس اتنی طاقت ہوتی کہ تمہارا مقابلہ کر سکتا ——— یا کوئی مضبوط سہارا ایسا ہوتا جس کی پناہ حاصل کر لیتا!"

واضح رہے کہ حضرت لوطؑ کے نہ تو اولادِ نرینہ تھی کہ بیٹوں کے ہاتھ اُن کی مدافعت میں اٹھ سکتے نہ ہی ان کا کوئی کنبہ قبیلہ ہی ایسا تھا جو اس آڑے وقت میں ان کا سہارا بن سکتا۔ جیسا کہ آگے حضرت شعیبؑ کے ذکر میں آ رہا ہے کہ ان کے مخالفین نے کہا تھا کہ "لَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ" یعنی اے شعیب اگر ہمیں تمہارے قبیلے والوں کا ڈر نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے یا جیسے کہ خود ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنہ ۱۰ نبوی تک یعنی ہجرت سے تین سال قبل تک ابوطالب کی وساطت سے اپنے خاندان یعنی بنی ہاشم کی حمایت حاصل رہی حضرت لوطؑ کا معاملہ یہ نہ تھا وہ اس بستی میں اجنبی تھے اور جیسا کہ ترمذی کی حدیث میں صراحتہً مذکور ہے۔ ان کا کوئی کنبہ قبیلہ وہاں موجود نہ تھا ———)

گویا ظاہری اور مادی اعتبار سے وہ اس وقت بالکل بے سہارا اور بے یار و مددگار تھے ——— چنانچہ انتہائی کس مپرسی اور بے چارگی کے عالم میں یہ الفاظ ان کی زبان پر آ گئے۔ حالانکہ فی الحقیقت تو تمام ظاہری سہاروں سے بڑھ کر مضبوط سہارا ہر بندۂ مومن کو ہر جگہ اور ہر وقت حاصل ہوتا ہے۔ یعنی اللہ کی مدد اور اس سے تعلق کا سہارا۔ چنانچہ یہی ہے وہ بات جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدورجہ خوبصورت الفاظ میں ادا فرمائی ——— یعنی "رَحِمَ اللّٰہُ لُوْطًا فَاِنَّہٗ کَانَ یَاْوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ" ——— "اللہ لوط پر رحم فرمائے، مضبوط ترین سہارا تو انہیں حاصل ہی تھا!" اس سے معلوم ہوا کہ بر بنائے طبع بشری اسبابِ ظاہرہ سے کسی وقت کسی درجے میں وقتی اور عارضی طور پر متاثر ہو جانا شانِ نبوت و رسالت سے بعید نہیں ہے جیسے کہ حضرت موسیٰؑ کوہِ طور پر عصا کے اژدھا بن جانے سے وقتی طور پر خوفزدہ ہو گئے تھے اور جادوگروں سے مقابلے میں ان کی رسیوں اور چھڑیوں کے سانپ کا روپ دھار لینے سے فوری طور پر متاثر ہو گئے تھے۔ بالکل یہی معاملہ اس موقع

پر حضرتِ لوطؑ کے ساتھ پیش آیا۔ حالات اتنے نامساعد اور صورتِ حال اتنی شدید تھی ـــــ گویا ع " مرحلہ سخت ہے اور آن 'عزیز!!' " والی کیفیت سے اس شدّت سے سابقہ پیش آیا تھا کہ شدّتِ تاثر میں یہ الفاظ آنجنابؑ کی زبان پر آگئے ـــــ اور اغلباً یہ بھی مشیّتِ خداوندی کے تحت ہوا تاکہ ایک صالح و مصلح اور ناصح مشفق شخص کو اس درجہ زِچ کر دینے والی قوم کے بارے میں یہ بات ازخود ثابت ہو جائے کہ وہ اب کسی رعایت کی مستحق نہیں رہی اور عذابِ استیصال کی پوری حقدار بن چکی ہے بقول شاعر ؎

تا دلے صاحب دلے نامد بہ درد
ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد!

اللہ تعالیٰ ہمیں اس انجام بد سے بچائے، اور خیر و صلاح کی جانب رغبت اور مصلحین و ناصحین کی باتوں کو توجّہ سے سننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعوانا اَنِ الحمدُ للہِ ربِّ العالمین۔

ـــــ (۲) ـــــ

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہِ الکریم :-

امّا بعد :-

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ ۝ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ۝ مَّنْضُوْدٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَ مَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ ؏ (سورۃ ھود آیات ۸۱ تا ۸۳) ان آیات کا ترجمہ یہ ہے :-

”فرشتوں نے کہا: ”اے لوط! ہم تو تیرے ربّ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز تم پر دست درازی بھی نہ کر سکیں گے، پس تم کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جاؤ۔ اور تم میں سے کوئی پلٹ کر نہ دیکھے! سوائے تمہاری بیوی کے، اس پر بھی وہی کچھ بیتنا ہے جو ان سب پر بیتنے والا ہے! ان کی ہلاکت صبح کے وقت طے ہے، کیا صبح آیا ہی نہیں چاہتی؟ ——— پس جب آپہنچا ہمارا حکم تو ہم نے اس بستی کو الٹ کر رکھ دیا اور اس پر پتھروں کی بارش کی، تہہ در تہہ اور تیرے ربّ کے پاس سے نشان زدہ، اور وہ ان ظالموں سے بھی ہرگز دور نہیں!“ ———
(آیات کا ترجمہ ختم ہوا)

گذشتہ درس کا اختتام حضرت لوطؑ کے ان حد درجہ یاس آمیز الفاظ پر پورا ہوا تھا کہ: ”لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ“ ——— سورۂ ھود کے متصلاً بعد سورۂ یوسف ہے اور اس کے آخر میں بھی اس کیفیت کا نقشہ ایک عمومی قاعدے کے طور پر کھینچا گیا ہے کہ ”حَتّٰیٓ اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ“، یعنی جب رسول اپنی قوم کی جانب سے بالکل مایوس ہو جاتے ہیں تب اللہ کی مدد آپہنچی ہے۔ جَآءَھُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ۔“ ——— ”پھر نجات دی گئی جسے ہم نے چاہا، اور نہیں لوٹایا جا سکتا ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے!“

حضرت لوطؑ کے پاس بھی اللہ کے فرشتے اسی قانون خداوندی کے تحت پہنچے تھے لیکن انسانی شکل میں ہونے کے باعث آنجنابؑ انہیں پہچان نہ سکے اور وہ صورت پیش آئی جو آیات ۷۷ تا ۸۰ میں بیان ہو چکی ہے۔ واضح رہے کہ بعینہٖ یہی معاملہ اس سے قبل حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ پیش آچکا تھا۔ وہ بھی ان ہی فرشتوں کو عام مہمان اور معمولی انسانی سمجھ کر معاملہ کر چکے تھے ——— اور ٹھیک یہی معاملہ حدیث جبرئیلؑ کی بعض روایات کی رُو سے ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی پیش آیا۔ کہ جب حضرت جبرئیلؑ انسانی صورت میں آکر گفتگو کر کے چلے گئے تب آپؐ نے فرمایا: ”رُدُّوْہُ اِلَیَّ“ ”انہیں میرے پاس واپس لاؤ!“ ——— اور جب تلاش بسیار کے باوجود

ان کا کوئی سراغ نہ مل سکا تو آپؑ نے فرمایا: "اچھا! یہ جبرئیلؑ تھے ــــــــ اور یہ پہلی بار ہے کہ میں انہیں پہچان نہیں سکا!"

بہرحال جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تو فرشتوں نے اپنی حقیقت کو ظاہر کر دیا کہ اے لوطؑ! ہمیں انسان اور عام مہمان نہ سمجھو، ہم اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں اور تم پوری طرح مطمئن رہو کہ یہ خبیث ہمارا یا تمہارا کچھ بگاڑنا تو درکنار تم تک پہنچ بھی نہ سکیں گے ــــــــ اس کے بعد فوری طور پر کیا صورتِ معاملہ پیش آئی اس کی تفصیل قرآنِ حکیم میں موجود نہیں ہے لیکن بعض تفسیری روایات میں جو تفاصیل آئی ہیں وہ صورتِ واقعہ سے پوری مطابقت رکھتی ہیں اور ہرگز نہ خلافِ عقل ہیں نہ خلافِ قیاس - یعنی یہ کہ فرشتوں نے حضرتِ لوطؑ اور ان کے اہلِ خانہ کو تو گھر کے اندر کی جانب بھیج دیا اور اپنے بازو کو ذرا سا ان ملعونوں کی جانب لہرایا جس کے باعث وہ سب کے سب دفعتاً اندھے ہو گئے اور لرزاں و ترساں راہِ فرار اختیار کر گئے ــــــــ اس کے بعد جیسا کہ آیاتِ زیرِ درس میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کا حکم حضرتِ لوطؑ کو وضاحت کے ساتھ پہنچایا کہ اس قوم پر عذابِ استیصال کا وقت آپہنچا ہے اور ان کی ہلاکت کے لئے صبح کا وقت مقرر ہے - جو اب طلوع ہوا ہی چاہتی ہے لہٰذا تم جلدی کرو اور اپنے اہل و عیال سمیت صبح ہونے سے پہلے پہلے اس بستی سے دُور نکل جاؤ ــــــــ اور خبردار! تم میں سے کوئی اس بستی کی جانب پلٹ کر بھی نہ دیکھے! ــــــــ اس کے دو مفہوم ممکن ہیں ایک یہ کہ عذاب اتنا ہولناک ہو گا کہ کوئی انسان اس کو دیکھنے کی تاب بھی نہ لا سکے گا اور دوسرے یہ کہ اس گندی بستی اور اس کے خبیث رہنے والوں کی جانب کوئی ادنیٰ سا میلان بھی غیرتِ الٰہی کو گوارا نہیں ہے ــــــــ ساتھ ہی فرشتوں نے یہ بھی واضح کر دیا کہ حضرتِ لوطؑ کی بیوی عذابِ الٰہی سے مستثنیٰ نہیں ہے اور اس کا انجام بھی وہی ہونا ہے جو اس پوری بستی کا اس لئے کہ وہ اصلاً تھی بھی اُسی قوم سے اور اس کا سارا جھکاؤ بھی ان ہی کے جانب تھا - حضرت لوطؑ کی بیوی کے بارے میں تو یہ صراحت قرآن مجید میں متعدد مقامات پر موجود ہے ہی، سُورہ تحریم سے معلوم ہوتا ہے کہ

بعینہ یہی معاملہ حضرت نوحؑ کی ایک بیوی کے ساتھ بھی ہوا - وہاں ان دونوں جلیل القدر پیغمبروں کی بدنصیب بیویوں کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے اور صراحت فرمادی گئی ہے کہ " فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ٥ " کہ وہ دونوں جلیل القدر پیغمبر اپنی بیویوں کو عذاب الٰہی سے بچا نہ سکے اور دونوں کے حق میں حکم الٰہی صادر ہو گیا کہ داخل ہو جاؤ آگ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ - گویا نہ صرف یہ کہ یہ دونوں اس دنیا میں عذاب استیصال سے دوچار ہونے کے معاملے میں اپنی قوم کے ساتھ رہیں بلکہ آخرت میں عذاب جہنم میں بھی اپنی قوم کے ساتھ ہی مبتلا ہوں گی - گویا ہر انسان اللہ کے یہاں اپنے ہی کئے کی جزا یا سزا پائے گا - کسی دوسرے کی بزرگی یا نیکی اس کے کام نہ آئے گی خواہ وہ نبی اور رسول ہی کیوں نہ ہوں -

آیات ۸۲ و ۸۳ میں عذاب الٰہی کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ واقعتہً نہایت ہولناک ہے - یعنی یہ کہ اس بدکار قوم کی بستیوں پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی - جو مسلسل بھی رہی اور وقفے وقفے سے بھی یعنی تہہ بر تہہ - نتیجتہً عمارتیں ڈھے گئیں، ان کی بلندیاں نیچے آ رہیں، اور تمام بستیاں اور انمیں بسنے والے تمام لوگ نیست و نابود اور نسیًا منسیًا ہو کر رہ گئے -

واضح رہے کہ یہ بستیاں جن کا اب نام و نشان بھی مٹ چکا ہے، اغلبًا بحرۂ مُردار کے جنوبی ساحل پر آباد تھیں - ان کا مقام سدوم تھا اور دوسرا بڑا شہر عامورہ تھا - ان کے علاوہ چند بڑے شہر اور بھی تھے اور ان کا درمیانی پورا علاقہ نہایت سبز و شاداب تھا - گویا ہر طرف باغ ہی باغ نظر آتے تھے - متذکرہ عذاب الٰہی جو آسمان سے نازل ہوا تھا - اس کے بعد غالبًا کوئی زلزلہ وغیرہ بھی آیا جس نے ان بستیوں کے آثار کو بھی بحرۂ مُردار یا بحرۂ لوط میں غرق کر دیا - " مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ " کے بھی دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ یہ عام پتھر نہ تھے بلکہ خاص اسی مقصد کے لئے بنائے اور نشان زد کئے گئے تھے اور دوسرے یہ کہ ہر پتھر جس ظالم کی ہلاکت کا ذریعہ بننے والا تھا اس پر گویا اس کا نام پہلے سے کندہ موجود تھا ———— اسی طرح آخری ٹکڑے یعنی " وَمَا

هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ بِبَعِیۡدٍ ؏ “ کے بھی کئی مفہوم ممکن ہیں ۔ ایک یہ کہ ھِیَ کی ضمیر پتھروں کی جانب راجع مانی جائے ۔ اور معنی یہ مراد ہوں کہ اللہ کو ان کی ہلاکت کے لئے یہ پتھر کہیں دُور سے نہیں لانے پڑے بلکہ وہ ان کے آس پاس ہی سے اٹھا لئے گئے تھے ، دوسرے یہ کہ ھِیَ سے مراد وہ بستیاں ہوں جو ان عذاب کا نوالہ بنیں اور ” الظالمین “ سے مراد قریش ہوں جن کو یہ داستان سنائی جارہی تھی ۔ اور جو انکار و اعراض کی اس روش پر چل رہے تھے جس پر سابقہ معذّب قومیں چلی تھیں اور مراد قریش کو اس جانب متوجّہ کرنا ہو کہ یہ واقعات کہیں دور دراز مقامات پر پیش نہیں آئے تمہارے قرب و جوار ہی میں پیش آئے ہیں تو چاہیے کہ تم ان سے عبرت پکڑو ــــ اور تیسرے یہ کہ ھِیَ میں اشارہ اُن پتھروں ہی کی جانب ہو اور قریش کو دھمکی دی جارہی ہو کہ عذابِ الٰہی کے یہ پتھر تم سے بھی دُور نہیں ہیں بلکہ گویا تمہارے سروں پر سایہ کئے ہوئے ہیں ! ـــــــ یہ آخری بات اس لئے راجح معلوم ہوتی ہے کہ قرآن میں ان حالات واقعات کا تذکرہ ظاہر ہے کہ داستان سرائی کے لئے نہیں ہے بلکہ ان کا تمام تر مقصد انذار و تخویف ہے ۔ چنانچہ اس سورۃ مبارکہ آخر میں ان ” اَنۡبَآءُ الرُّسُلِ “ کے بیان کا مقصد یہی بیان کیا گیا ہے کہ ان سے ایک جانب آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی صحابہ کرام رضؓ کے دلوں کو ڈھارس بندھے اور تقویت حاصل ہو اور دوسری جانب اہل کفر و شرک کو یہ تنبیہ ہو جائے کہ ” اِعۡمَلُوۡا عَلٰی مَکَانَتِکُمۡ اِنَّا عٰمِلُوۡنَ “ یعنی اپنا کام کئے چلے جارہے ہیں ، تم بھی جتنا زور لگا سکتے ہو لگا لو ــــ بالآخر حکم خداوندی سے وہی کچھ ہوگا جو ہمیشہ ہوتا آیا ہے ــــ یعنی نجات و کامیابی اور فوز و فلاح رسُولوں اور ان پر ایمان لانے والوں کا حصّہ قرار پائے گی اور دنیوی ہلاکت و تباہی اور اُخروی عذاب کافروں کا مقدر بن کر رہے گا ــــــ

وَاٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین ۔

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد:-

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ۝ وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ۝ قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ ۖ إِنَّكَ لَأَنتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ۝ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ ۚ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝ وَيَا قَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِي أَن يُصِيبَكُم مِّثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ ۚ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنكُم بِبَعِيدٍ ۝ وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ ۝ قَالُوا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا ۖ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ۝

(سورہ هود آیات ۸۴ تا ۹۰)

ترجمہ:- اور (اہل) مدین کی طرف (ہم نے)، ان کے بھائی شعیبؑ (کو بھیجا)، اس نے کہا: اے میری قوم (کے لوگو)! اللہ ہی کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور ناپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو، (فی الوقت) میں تمہیں آسودہ حال دیکھ رہا ہوں (لیکن)، مجھے تمہارے بارے میں ایک ایسے

دن کے عذاب کا اندیشہ ہے جو (جملہ مصائب کو) گھیرنے والا ہوگا - اور اے میری قوم (کے لوگو)! پورا کیا کرو ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ اور نہ کم کیا کرو لوگوں کے لئے ان کی چیزیں - اور نہ دندناؤ زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے - اللہ کی (دی ہوئی) بچت ہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مانو (ورنہ ظاہر ہے کہ) میں تم پر پہرہ تو نہیں دے سکتا!" انہوں نے جواب دیا: "اے شعیب! کیا تمہاری نماز کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے آباد و اجداد کے معبودوں (کی پرستش) ترک کر دیں یا (اس سے دستبردار ہو جائیں کہ) اپنے اموال میں جو (تصرّف) چاہیں کریں - واقعی ایک تم ہی رہ گئے ہو دانشمند اور راستباز!" (شعیبؑ نے) کہا: "اے بھائیو! (ذرا سوچو!) اگر میں اپنے رب کی جانب سے واضح ہدایت پر بھی ہوں اور اس نے مجھے اپنے (خاص خزانہ فضل) سے رزقِ حسن سے مزید نوازا ہے (تو پھر میں اس دعوت و تبلیغ اور سعیٔ اصلاح سے کیسے باز رہ سکتا ہوں!) اور میرا یہ ارادہ ہرگز نہیں ہے کہ تمہاری مخالفت کر کے خود وہی کچھ کروں جس سے تمہیں روک رہا ہوں - میں تو بس اصلاح کا طالب ہوں جہاں تک میرا بس چلے! اور نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ ہی (کی مدد) سے، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی جانب میں رجوع کرتا ہوں - اور اے میری قوم کے لوگو! (دیکھنا کہیں) میری ضد (اور عداوت) کے باعث تم پر بھی وہی کچھ نازل نہ ہو جائے جو قوم نوحؑ یا قوم ہودؑ یا قوم صالحؑ پر نازل ہو چکا ہے - اور قوم لوطؑ تو تم سے کچھ (زیادہ) دُور بھی نہیں (رہتی) - اور اپنے رب سے مغفرت چاہو پھر اسی کی جناب میں توبہ کرو - یقیناً میرا رب نہایت مہربان بہت محبت کرنے والا ہے!" ———

یہاں پر ترجمہ ختم ہوا -

دیگر متعدد مکّی سورتوں کی طرح سورۂ ہود میں بھی ان اقوام کے ذکر میں جن کی جانب رسول مبعوث ہوئے لیکن انہوں نے ان کی دعوت کو ردّ کر دیا اور اس کے نتیجے میں اللہ کے عذابِ استیصال کا نوالہ بن کر نیست و نابود اور نسیاً منسیاً ہو گئیں قوم نوحؑ قوم ہودؑ، قوم صالحؑ اور قوم لوطؑ کے بعد پانچویں نمبر پر یہ قوم شعیبؑ یا اہل مدین کا ذکر آتا ہے - یہ لوگ حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

تیسری زوجۂ محترمہ حضرت قطوراکے بطن سے تولّد ہونے والے فرزند مدین یا مدیان کی نسل سے تھے، اس طرح گویا ذریتِ ابراہیمؑ ہی کی ایک شاخ سے تعلقات رکھتے تھے ــــ بحیرۂ قلزم کے شمالی سرے اور خلیج عقبہ کے مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ آباد تھے اور ان کی بڑی بستی کا نام بھی مدین ہی تھا۔ جیسا کہ ہوتا آیا ہے حضرت ابراہیمؑ کے کچھ عرصے کے بعد ان لوگوں میں بھی اعتقادی اور اخلاقی گمراہیاں پیدا ہوئیں اور رفتہ رفتہ عروج کو پہنچ گئیں۔ چنانچہ ایک طرف جانب عقیدۂ توحید کا دامن ہاتھ سے چھوٹا اور مشرکانہ اوہام نے اس کی جگہ لے لی اگرچہ صراحت اور تعیین کے ساتھ قرآن حکیم میں یہ مذکور نہیں ہے کہ ان میں شرک کی کونسی صورتیں زیادہ رائج ہوئیں۔ دوسری جانب تجارت میں دھوکہ اور فریب کا رواج ہوگیا اور لین دین اور ناپ تول میں عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا اور خیانت کی روش عام ہوگئی۔ آخرکار رحمتِ خداوندی جوش میں آئی اور اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنا ایک جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبر مبعوث فرمایا جن کا اسمِ گرامی شعیبؑ تھا۔

واضح رہے کہ جن چھ اقوامِ معذّب کا ذکر قرآنِ حکیم کی مکّی سورتوں میں باعادہ وتکرار آیا ہے ان میں سے پہلی تین یعنی قوم نوحؑ، قوم ثمود اور قوم صالحؑ کے تذکرے میں ان کی صرف اعتقادی گمراہی یعنی شرک کا ذکر ہے، ان کے کسی عملی یا اخلاقی بگاڑ کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ملتا۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ان اقوام ثلثہ کا تعلق نسلِ انسانی کی تاریخ کے اس ابتدائی عہد سے ہے جبکہ تمدّن کی پیچیدگیاں اور نام نہاد تہذیب کی ستم ظریفیاں ابھی شروع نہیں ہوئی تھیں بلکہ عملی اعتبار سے انسان فطرت کی سادہ رہنمائی ہی میں چل رہے تھے۔ البتہ ذہن و فکر میں کجی نے راہ پالی تھی اور ایک معبودِ برحق اور خدائے بزرگ و برتر کے ساتھ کچھ دوسرے معبودوں کی پرستش شروع ہوگئی تھی۔ چنانچہ ان کی جانب جو رسول مبعوث ہوئے ان کی دعوت بھی کُل شرک کے مؤثر ابطال اور اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی پرزور اپیل ہی پر مشتمل تھی۔ قوم لوطؑ کے ذکر میں ہمیں شرک کے ساتھ ساتھ ایک عملی و اخلاقی گراوٹ کا تذکرہ ملتا ہے۔

یعنی جنسی انتشار کی بے راہ روی ـــــ (SEX PERVERSION) کا جو تمدنِ انسانی کے حق میں سمِ قاتل ہے اور جس کے نتیجے میں انسانی معاشرہ ایک متعفن سنڈاس کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے بعد قوم شعیبؑ کے ذکر میں شرک کے ساتھ ساتھ تذکرہ ملتا ہے ایک دوسری تمدنی خرابی یعنی معاشی واقتصادی معاملات میں ناانصافی اور بے راہ روی یا بالفاظ دیگر ـــــ ECONOMIC EXPLOITATION کا جو ایک دوسرے اعتبار سے انسانی تمدن میں فساد کا موجب ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہ باہمی اعتماد کی فضا ختم ہو جاتی ہے اور سکون اور اطمینان رخصت ہو جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ باہمی محبت و مؤاسات کی جڑیں کٹ جاتی ہیں اور خود غرضی اور نفرت وعداوت کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ذکر آتا ہے آلِ فرعون کا۔ جنہوں نے بنی اسرائیل کو غلامی کے شکنجے میں کس کر جبر و استبداد کی بدترین مثال قائم کی تھی اور یہ Political Repration گویا کہ تمدنِ انسانی کے بگاڑ کا وہ عرضِ ثالث ہے جس سے فسادِ ارضی کی العباد ثلثہ (THREE DIMENSION) کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

جغرافیائی طور پر قوم شعیبؑ دو قدیم تجارتی شاہراہوں کے سنگم پر آباد تھی جس کے باعث انہیں تجارتی منافع بآسانی اور بافراط حاصل ہوئے جس کی جانب اشارہ کیا حضرت شعیبؑ نے الفاظ سے کہ "اِنِّیْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ" یعنی "میں تمہیں آسودہ وخوش حال دیکھ رہا ہوں" لیکن جیسا کہ عام مشاہدہ ہے جب ایمان باللہ اور ایمان بآخرت کی گرفت کمزور پڑتی ہے تو انسان پر حرص وہوس کا غلبہ ہو جاتا ہے اور لالچ اور طمع میں اندھے ہو کر لوگ عدل وانصاف اور راست معاملگی یعنی FAIR DEALING کی روش تج کر دھوکہ وفریب اور مکاری و عیاری کی روش اختیار کر لیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ "فساد فی الارض" ہے۔ اس کیفیت کا نقشہ حضرت شعیبؑ نے ان الفاظ میں کھینچا: وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ" ـــــ اس ضمن میں "بَقِيَّتُ اللّٰهِ" کے الفاظ بہت معنی خیز ہیں۔

تجارت اور بیع و شرا اگر دیانت اور امانت کے ساتھ ہوں اور ان میں دھوکہ اور فریب نہ ہو تو جو نفع بچ رہتا ہے اس کی نسبت "اللہ" کی جانب ہے، یعنی اللہ کی عطا کردہ بچت ــــ اسی حقیقت کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ادا فرمایا کہ :- " التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشھداء " ــــ یعنی " ایک صادق القول اور امانتدار تاجر کو انبیاء اور صدیقین اور شہداء کی معیت حاصل ہو گی !" لیکن اس کے لئے بنیادی شرط ایمان ہے - یعنی توحید اور معاد پر پختہ اور غیر متزلزل یقین - جس کے بغیر نہ صداقت میسر آسکتی ہے نہ امانت !! اس کی جانب اشارہ فرمایا حضرت شعیبؑ نے " اُن کنتم مومنین " کے الفاظ سے - اس صراحت کے ساتھ ان چیزوں کی جانب میں تمہیں دعوت ہی دے سکتا ہوں - تمہیں عملاً راہ ہدایت پر لے آنے کا میں ذمہ دار ہوں نہ مختار !" وَ مَا اَنَا علیکم بحفیظ " ! ــــ

اس مخلصانہ اور خیر خواہانہ دعوت کا جو جواب قوم نے دیا اس میں جہاں قدیم انسانی گمراہی یعنی آبا و اجداد کی روش کے تقدس کی جانب اشارہ ہے وہاں جدید سرمایہ دارانہ ذہنیت کی بھی پوری عکاسی موجود ہے - یعنی یہ کہ مال ہماری ملکیت ہے اور اس میں تصرف کا کامل اختیار ہمیں حاصل ہے ــ " ان نفعل فی اموالنا ما نشٰٓؤُ " بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کے یہ الفاظ حضرت شعیبؑ کی بات سے کوئی منطقی ربط نہیں رکھتے - آنجنابؑ نے ان کے حق تصرف کو چیلنج نہیں کیا تھا بلکہ صرف راست معاملگی یعنی FAIR DEALING کی نصیحت کی تھی - لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اصل ذہنی و فکری گمراہی یہی تھی جو ان کے جواب سے ظاہر ہوئی گویا حضرت شعیبؑ کی نصیحت نے ایک نشتر کا کام کیا جس نے پھوڑے کو چیرا دیا تو اندر سے متعفن مواد ابل پڑا - اگر مزید گہرائی میں اُتر کر غور کیا جائے تو صاف نظر آجائے گا کہ جملہ معاشی و اقتصادی بے راہ رویوں کا اصل سبب، اور گویا فساد کی اصل جڑ یہی نظریہ ملکیت مطلقہ ہے - یعنی یہ کہ ہم اپنے اموال کے مالک مطلق ہیں - ان میں جس طرح چاہیں تصرف کریں - جبکہ اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ کائنات

کی ہر شے کا مالک مطلق تو صرف اللہ ہے، انسان کو جو کچھ اس نے عطا فرمایا ہے وہ امانت ہے جس میں تصرف کا حق اسے اصل مالک کی منشا اور اجازت کے مطابق ہی حاصل ہے، غیر مشروط یا لامحدود نہیں! - بقول شیخ سعدی مرحوم ؎

"ایں امانت چند روزہ نزدِ ماست   در حقیقت مالکِ ہر شے خدا است!"

قوم شعیبؑ کے جواب کا آخری ٹکڑا ان کے کھسیانے پن کی کامل غمازی کر رہا ہے "اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ" یعنی سچی واقعی تم بہت ہی دانشمند اور راستباز ہو!" ان الفاظ میں انہوں نے گویا اپنی ذہنی و فکری ہی نہیں اخلاقی شکست کا بھی پورا اعتراف کر لیا -

حضرت شعیبؑ کے جواب الجواب میں دو اہم مضمون قابل توجہ ہیں: ایک نیکی اور ہدایت کے دو اجزائے ترکیبی یعنی اولاً ہدایت فطرت جس کی جانب اشارہ ہے "اِن کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّیْ" کے الفاظ میں اور ثانیاً ہدایت وحی و نبوت جس کا ذکر ہے "وَرَزَقَنِیْ مِنْہُ رِزْقًا حَسَنًا" کے الفاظ مبارکہ میں - یہی ہے وہ حقیقت جو سورۂ نور کی حد درجہ بلیغ تمثیل میں "نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ" کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے — اور یہ زیر درس سورت یعنی سورہ ہود میں تقریباً تمام رسولوں کی زبان سے لگ بھگ ان ہی الفاظ میں ادا ہوئی جن میں یہاں حضرت شعیبؑ کی زبان سے ادا ہوئی ہے - اور دوسرے ایک داعیٔ حق اور مصلح مخلص کا انداز تخاطب - جس میں نرمی بھی ہے اور گرمی بھی - تشویق و ترغیب بھی ہے اور تہدید و تنبیہ بھی، لیکن ساتھ ہی خود اپنے لئے تواضع بھی ہے اور انکساری بھی لیکن نہ مصنوعی نہ متکلفانہ - کتنا سادہ لیکن بلیغ کلام ہے: بھائیو ذرا غور کرو - اگر میرے رب نے مجھے سلامتیٔ فطرت سے بھی نوازا اور مزید ہدایت نبوت بھی عطا فرمائی تو کیا مجھ پر واجب نہیں ہے کہ اس بھلائی میں تمہیں بھی حصہ دار بنانے کی کوشش کروں - بھائیو، یہ مطلق خیال نہ کرنا کہ میں تمہیں کچھ چیزوں سے روک کر خود ان ہی کا ارتکاب کرنا چاہتا ہوں - میری زندگی اور سیرت تمہارے سامنے ایک کھلی کتاب کے انداز میں موجود ہے - میری کوئی غرض سوائے اصلاح کے نہیں ہے - اور اس کے لئے میں حتی المقدور کوشاں بھی، اور

اس پر بھی نہ کوئی فخر ہے نہ غرور، یہ سب میرے رب ہی کی توفیق بخشی کا ثمرہ ہے، اُسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی جانب میں رجوع کرتا ہوں۔ بھائیو! دیکھنا کہیں ایسا نہ ہو کہ میری ذات سے کوئی عناد تمہیں اس دعوت کو قبول کرنے سے روک دے اور نتیجۃً تم اس عذاب استیصال کا نوالہ بن جاؤ جس کا شکار امم سابقہ ہو چکی ہیں۔ پس خواہ مخواہ کے لیت و لعل میں قیمتی مہلت ضائع نہ کرو۔ اور استغفار اور توبہ کے ساتھ اپنے رحیم اور ودود رب کا دامنِ عفو و کرم تھام لو!!

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ٥

(۴)

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم۔

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم   بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْنَا ضَعِیْفًا ۚ وَ لَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ٘ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْنَا بِعَزِیْزٍ ۝ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَهْطِیْۤ اَعَزُّ عَلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِیًّا ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ۝ وَ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَ ارْتَقِبُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِیْبٌ ۝ وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا شُعَیْبًا وَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ اَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝

(سُورۃ ھود ۱۱ آیت ۹۵) کا ترجمہ یہ ہے:۔

"انہوں نے کہا: "اے شعیبؑ! جو کچھ تم کہتے ہو اُس کا بہت سا حصہ تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ تم (بذاتِ خود) ہم میں بہت کمزور ہو، اور اگر تمہارے خاندان کا پاس نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر چکے ہوتے۔ اور تم خود ہم پر کچھ بھاری نہیں ہو!" شعیبؑ نے جواب دیا: "اے میری قوم! کیا

میرا خاندان تم پر اللہ سے بھی بڑھ کر بھاری ہے، اور اسے تو تم نے بالکل پس پشت ڈال دیا ہے - یقیناً جو کچھ تم کر رہے ہو وہ میرے رب کے حیطۂ قدرت سے باہر نہیں! ——— اور اے میری قوم کے لوگو! تم بھی کر دیکھو اپنی سی، میں بھی کئے جاؤنگا (اپنا کام) یہ کوئی دیر کی بات ہے کہ تم خود دیکھ لوگے کہ کس پر آتا ہے وہ عذاب جو اسے رسوا کر کے رکھ دے اور کون ہے وہ جو جھوٹا ہے سو اب راہ دیکھو، میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں، اور جب آ پہنچا ہمارا حکم تو ہم نے شعیبؑ اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمتِ مخصوص سے بچا لیا، اور جو ظلم کے مرتکب رہے تھے ان کو ایک کڑک دار آواز نے دبوچ لیا جس کے نتیجے میں وہ اپنی بستیوں میں ایسے اوندھے پڑے رہ گئے جیسے کہ وہ ان میں کبھی بسے ہی نہ تھے - خوب کان کھول کر سن لو! نابود ہوئے مدین والے جیسے نابود ہوئی تھی قوم ثمود!" ——— آیات کا ترجمہ ختم ہوا!

سورۂ ہود کے آٹھویں رکوع میں جو بارہ آیات پر مشتمل ہے پہلے حضرت شعیبؑ کے قول کی صورت میں ان کی اساسی دعوت کا خلاصہ آیا ہے - پھر قوم کے جواب کی صورت میں اس کا ابتدائی ردِ عمل بیان ہوا ہے - جس کی تان ٹوٹی ایک حد درجہ کھسیانے مگر شدید چبھنے والے طنز و طعن پر کہ: "بس دے کر ایک تم ہی تو دانشمند اور راستباز رہ گئے ہو" پھر حضرتِ شعیبؑ کی جوابی تقریر آئی جس پر گذشتہ درس ختم ہوا تھا اور جو واقعہ یہ ہے کہ داعیانہ طرزِ خطاب اور حکیمانہ طرزِ تبلیغ کا پیغمبرانہ شاہکار ہے، اس کا جو جواب قوم نے دیا وہ آج کی زیرِ درس آیات کے آغاز میں وارد ہوا ہے، اس میں ایک جانب تو وہ اعترافِ شکست اپنی منطقی انتہا کو پہنچا ہوا نظر آتا ہے جس کا کسی قدر اظہار پہلے بھی ہو چکا ہے اور دوسری جانب ان کی جھنجھلاہٹ نقطۂ عروج کو پہنچی نظر آتی ہے۔

جہاں تک قوم کے اعترافِ شکست کا تعلق ہے تو اخلاقی میدان میں شکست تو وہ پہلے ہی تسلیم کر چکے تھے جب وہ اپنی بداعمالیوں کا نہ تو انکار کر سکے نہ ہی ان کے لئے کوئی وجہ جواز پیش کر سکے - اور "کھسیانی بلی کھمبا نوچے" کے مصداق اگر کچھ کر سکے تو صرف یہ کہ خود حضرت شعیبؑ پر نیکی اور پاکبازی کا طعنہ جڑ دیا

بالکل ایسے جیسے کہ وہ شخص جو چت ہو گیا ہو زمین پر لیٹے ہوئے سینے پر سوار حریف کے منہ پر تھوک دے ———— اس سے آگے بڑھ کر معاملہ ہے ذہنی و فکری شکست کے اعتراف کا کہ پیغمبرانہ دعوت اور حکیمانہ طرز خطاب کے آگے بے بس اور لاجواب ہو کر قوم نے آخری پناہ جہالت اور قصور فہم کے اعتراف میں لی کہ "اے شعیب، تمہاری اکثر باتیں تو ہماری سمجھ ہی سے باہر ہیں! ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ تم کہتے کیا ہو!" گویا کہ ان کی سٹی گم ہو چکی اور عقل کی محکمات اور فطرت کی بدیہیات پر مبنی پیغمبرانہ دعوت نے انہیں بالکل بے بس اور ناچار کر کے رکھ دیا۔

اور یہی وہ مرحلہ ہے جس پر جھنجلاہٹ ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ آگے ان کا قول نقل ہوا کہ جہاں تک تمہاری اپنی ذات کا تعلق ہے تم ایک کمزور و ناتواں انسان ہو اور ہم پر ہرگز بھاری نہیں اگر تمہارا کنبہ قبیلہ نہ ہوتا جس کی حمیت و حمایت ہماری راہ میں حائل ہے تو ہم کبھی کا تمہیں مچھر کی طرح مسل چکے ہوتے۔ یہ مقام دو اعتبارات سے قابل توجہ ہے: ایک یہ کہ اس پہلو سے اس سورۂ مبارکہ میں ایک فوری تقابل یعنی SIMULTANIOS CONTRAST ———— سامنے آتا ہے کہ حضرت شعیبؑ کے تذکرے سے متصلاً قبل ذکر آیا ہے حضرت لوطؑ کا — جو ایک غیر قوم کی جانب مبعوث کئے گئے تھے جہاں ان کا اپنا کوئی کنبہ یا قبیلہ موجود نہ تھا جس کی حمیت و حمایت کا کوئی حصار کسی درجے میں ان کی حفاظت کر سکتا، لہٰذا شدت احساس میں آنجناب کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے کہ "لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ ۝" یعنی "کاش کہ میرے پاس تمہارے مقابلے کے لئے طاقت ہوتی یا میں پناہ ہی لے سکتا کسی مضبوط پناہ گاہ میں!" ———— اس کے برعکس صورت حال ہے حضرت شعیبؑ کے ساتھ کہ ان کے دشمن جھنجلا رہے ہیں اس بات پر کہ اگر ان کے گرد کنبے یا قبیلے کی حمیت و حمایت کا حصار نہ ہوتا تو وہ انہیں کوئی مہلت نہ دیتے اور کبھی کے سنگسار کر چکے ہوتے — دوسرے یہ کہ ان دونوں جلیل القدر پیغمبروں کے حالات و وقائع کے بیان میں سے

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں   گفتہ آید در حدیثِ دیگراں!"
کے مصداق عکاسی ہو رہی ہے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ اور آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے دوران پیش آمدہ حالات و واقعات کی۔ بنظرِ غائر دیکھا جائے تو آغازِ وحی اور حکمِ تبلیغ کے بعد قیامِ مکّہ کے بارہ تیرہ سالوں کے دوران آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں ہی قسم کے حالات سے رہا۔ چنانچہ پہلے دس سالوں کے دوران آپؐ کو اپنے خاندان یعنی بنی ہاشم کی حمیت و حمایت کی پشت پناہی حاصل رہی - اس لئے کہ خاندان کی سربراہی کا منصب ابوطالب کو حاصل تھا جو اگرچہ حضورؐ پر ایمان نہیں لاتے تاہم اپنی ذات میں بھی ایک شریف النفس انسان تھے اور آنحضورؐ سے بھی شدید محبت کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قریش آنحضورؐ کے خلاف کوئی فیصلہ کن اقدام نہ کر سکے۔ اغلباً سن ۹ نبوی میں ان کا وفد فیصلہ کن گفتگو کے لئے ابوطالب کے پاس آیا اور آخری الٹی میٹم دے گیا کہ اب ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے، یا تو اپنے بھتیجے کی حمایت سے دستکش ہو جاؤ یا پھر میدان میں آکر مقابلہ کر لو۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر ابوطالب کی ہمت بھی جواب دینے لگی اور جب اس کا اظہار آنحضورؐ کے سامنے ہوا تو خود آپؐ کی آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں لیکن چچا کی اس بات کے جواب میں کہ " بھتیجے! مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے میں برداشت نہ کر سکوں!" جب آپؐ کی زبان مبارک سے یہ پرعزم الفاظ نکلے کہ " چچا جان" اب تو یا تو یہ کام پورا ہو کر رہے گا یا میں اسی میں اپنے آپ کو ہلاک کر لوں گا " تو عزیمتِ نبوّت سے سہارا پا کر ابوطالب کی ہمت بھی دوبارہ قائم ہو گئی اور ان کی زندگی میں قریش اپنے الٹی میٹم کو عملی جامہ پہنانے کی جرأت نہ کر سکے!! --- البتہ سنہ ۱۰ میں ان کے انتقال کے بعد خاندانی حمیت و حمایت کا یہ دفاعی حصار ختم ہو گیا اور قیامِ مکّہ کے باقی تین سالوں کے دوران آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم اس صورتِ حال سے دوچار رہے جو حضرت لوطؑ کے تذکرے میں سامنے آتی ہے! یہی وجہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت کا باطنی سہارا تو انبیاء و رُسل کی تو بڑی بات ہے ہر بندۂ مومن کو ہر آن اور ہر حال میں حاصل رہتا ہی ہے تاہم عالمِ واقعہ میں الفاظ

قرآنی " وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم " کے مطابق ظاہری و مادی اسباب کے حصول کی کوشش بھی لازم و واجب ہے لہذا آنحضورؐ نے سفر نبوی ہی میں طائف کا سفر اختیار کیا - یہ دوسری بات ہے کہ حکمتِ الٰہی اور مشیّتِ ایزدی میں دارالہجرت قرار پانے کا شرف طائف کی قسمت میں نہ تھا بلکہ یثرب کے لئے مقدر تھا! چنانچہ طائف تو آنحضورؐ بنفسِ نفیس تشریف لے گئے پھر بھی بات نہ بنی اور یثرب کے لوگ خود چل کر حاضر ہوئے اور کو نبویؐ کو ساتھ لے گئے ! ؎

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!"

واضح رہے کہ انبیاء و رسل کے حالات و واقعات کے بیان کی جو اصل غرض اسی سورۂ مبارکہ کی آیت نمبر ۱۲۰ میں بیان ہوئی ہے وہ یہی ہے کہ " وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ " یعنی " (اے نبی) ہم آپ کو رسولوں کے یہ تمام اہم واقعات سنا کر آپ کے دل کو تقویت دے رہے ہیں!" تاکہ ان میں جاری و ساری سنت اللہ کے مشاہدے سے آپؐ اور آپ کے ساتھی اہل ایمان کے دلوں کو تقویت حاصل ہو!

قوم کے انکار و اعراض پر جو آخری قولِ فیصل حضرتِ شعیبؑ کا ان آیاتِ مبارکہ میں نقل ہوا ہے اس میں اوّلاً اُن کی نادانی اور جہالت پر حسرت کا اظہار ہے کہ " نادانو! تمہیں میرے خاندان کی طاقت و قوت کا تو اتنا خیال ہے شدید جھنجھلاہٹ کے باوجود مجھ پر دست درازی کی جرأت نہیں کر رہے — لیکن اللہ کی قدرت و اختیار کو تم بالکل بھلا بیٹھے ہو - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے وجود کے منکر تو وہ لوگ نہ تھے البتہ وہ اُن کے شعور سے دور ہو گیا تھا - اور فی الواقع مشرکانہ اوہام و عقائد کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اگرچہ ایک خدا کے بزرگ و برتر کے وجود کا انکار نہیں ہوتا تاہم اس کے اور بندوں کے درمیان بہت سے فرضی معبود حائل ہو جاتے ہیں چنانچہ ایک تو اس کی ذات بھی ان کے فوری سوچ بچار اور شعوری غور و فکر کے دائرے سے دُور بہت دُور ہو جاتی ہے۔ جس کی جانب اشارہ ہے آیاتِ زیرِ درس میں " وَاتَّخَذْتُمُوهُ وَرَاءَكُمْ

ظِهْرِیًا" کے الفاظ مبارکہ میں یعنی "اس کو تو تم نے ڈال دیا ہے بالکل پس پشت!" اور دوسرے اس کی صفاتِ کمال کا ادراک بالکل معدوم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ نہ وہ "علی کل شیءٍ قدیر" نظر آتا ہے نہ "بکل شیءٍ علیم"۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان باللہ کے ضمن میں قرآن حکیم ایک جانب تو ذاتِ باری تعالیٰ کے قرب پر زور دیتا ہے جیسے آیاتِ مبارکہ "وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْب" اور "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد" میں اور دوسری طرف اللہ کے اسماء وصفات کا بیان اس درجہ اعادہ و تکرار کے ساتھ کرتا ہے کہ وہ قاری کے ذہن و شعور میں پوری طرح مرتسم ہو جاتی ہیں۔ آخر میں حضرت شعیبؑ کا اپنی قوم سے اعلانِ برأت ہے کہ "تم اپنی سی کر دیکھو میں اپنی سی کر رہا ہوں۔" "یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ" اور اس کے لگ بھگ الفاظ سے بعض نا سمجھ لوگوں نے رواداری کا مضمون اخذ کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ ان الفاظ کے تیور بالکل جدا ہیں اور ان میں رواداری کے بالکل برعکس بیزاری اور برأت بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تحدی اور چیلنج کا مفہوم پنہاں ہے کہ اگر اب تک تم لوگوں نے میرے کسی ذاتی یا خاندانی لحاظ کی وجہ سے میری مخالفت اور دشمنی میں کوئی کسر اٹھا رکھی ہے تو اب میں تمہیں اس سے بھی فارغ خطی دیتا ہوں، جو بھی کچھ تم سے بن آئے کر گزرو ـــــ جو کچھ میرے امکان میں ہے میں کر رہا ہوں۔ اب فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اور اس کے ظاہر ہونے میں زیادہ دیر نہیں ہے۔ کوئی دیر کی بات ہے کہ تم خود دیکھ لو گے کہ رسوا کن عذاب کس پر مسلط ہوتا ہے ـــ اور ہم میں سے جھوٹا اور خود غلط کون تھا میں یا تم؟ ـــــ واضح رہے کہ اس یقینِ محکم کے ساتھ جو ان الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ قوم عذاب کی مستحق بن چکی ہے اور وہ ان پر مسلط ہو کر رہے گا "وَارْتَقِبُوْا اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِیْبٌ" کے الفاظ میں اشارہ ہو گیا کہ اس وقت معین کا علم کہ عذاب کب آئے گا صرف اللہ کو تھا، لہذا حضرت شعیبؑ بھی اس کا انتظار ہی کر سکتے تھے ـــــ بہرحال وہ اپنے وقتِ معین پر آ کر رہا، نتیجۃً صرف رسول

اور ان کے ساتھ اہل ایمان بچا لئے گئے اور باقی پوری قوم کو ایسے نیست و نابود کر دیا گیا۔ جیسے کہ وہ کبھی تھے ہی نہیں۔ اعاذنا اللہ من ذالک
واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین ؂

(۵)

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ۝ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۝ (آیت ۹۶ تا ۹۹)

ترجمہ: "اور ہم نے موسیٰ کو اپنے معجزات اور واضح سند کے ساتھ فرعون اور اس کے اعیان مملکت کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ تو انہوں نے فرعون ہی کی پیروی کی، حالانکہ فرعون کا معاملہ درست نہ تھا۔ قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور انہیں لے جا اتارے گا آگ پر، اور وہ بدترین گھاٹ ہے جس پر اترا جائے، اور پیچھے لگا دی گئی ان کے لعنت اس دنیا، میں بھی اور قیامت کے دن بھی۔ کتنا برا صلہ ہے جو کسی کو نصیب

قوم نوحؑ، قوم ہودؑ، قوم صالحؑ، قوم لوطؑ اور قوم شعیبؑ کے بعد سورۂ ہود کی ان آیات مبارکہ میں قصۂ فرعون و موسیٰؑ مختصراً مذکور ہوا ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے۔ اس اعتبار سے سورہ یونس اور سورۂ ہود میں ایک عکسی نسبت ہے۔ سورۂ یونس کی ۱۰۹ آیات سے صرف ۲۳ انبیاء الرسل پر مشتمل ہیں جبکہ سورۂ ہود کی کل ۱۲۳ آیات میں سے ۷۵ میں ان واقعات کا تذکرہ ہے۔ اسی طرح وہاں حضرت نوح اور ان کی قوم کے حالات بہت مختصر طور پر بیان ہوئے ہیں اور حضرت موسیٰ اور آل فرعون کا ذکر مقابلۃً نہایت تفصیل سے آیا ہے۔ جبکہ سورۂ ہود میں حضرت نوحؑ کا ذکر دو رکوعوں پھیلا ہوا ہے اور قصۂ فرعون و موسیٰؑ صرف چار آیات پر مشتمل ہے۔ یہ قرآن حکیم کی

صُورتوں میں نسبتِ زوجیت کی نہایت نمایاں مثال ہے۔

حضرت موسیٰؑ "اولوالعزم من الرسل"، یعنی چوٹی کے پانچ یا سات برگزیدہ ترین رسولوں میں سے ہیں اور جملہ انبیاء و رسل میں بہت سے اعتبارات سے رسولِ کامل و اکمل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ محسوس ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں ان کا ذکر آنحضورؐ کے بعد سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ اور باعادہ و تکرار آیا ہے۔ چنانچہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے اپنی تالیف "قصص القرآن" میں قرآن حکیم کی اُن آیات کی کُل تعداد ۵۱۴ بتائی ہے جن میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارون علیہما السلام اور بنی اسرائیل اور آلِ فرعون کے حالات و واقعات بیان ہوتے ہیں۔ گویا کہ قرآن مجید کا لگ بھگ تیرھواں حصہ ان کے ذکر پر مشتمل ہے۔ تازہ ترین اثری تحقیقات کے مطابق آنجنابؑ تیرھویں صدی قبل مسیحؑ میں مصری حکمرانوں کے انیسویں ۱۹ خاندان کی حکومت کے دوران رعمسیس دوم نامی فرعون کے زمانے میں پیدا ہوئے اور مشیتِ ایزدی کے تحت انہوں نے اسی فرعون کے محل اور اسی کی آغوش میں تربیت پائی حالانکہ وہ بنی اسرائیل کے حق میں نہایت ظالم و جابر تھا اور اُس نے ان کو تاریخ انسانی کے بدترین مظالم کے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا۔ اس شخص نے بہت طویل عمر پائی لیکن اُس نے اپنی زندگی ہی میں اپنے ڈیڑھ سو بیٹوں میں سے تیرھویں بیٹے منفتاح کو حکومت سونپ دی تھی۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰؑ مدین سے واپسی پر رسالت سے سرفراز ہوئے تو فریضۂ رسالت کی ادائیگی کے لئے جس فرعون کے سامنے پیش ہوئے وہ یہی منفتاح تھا۔ واضح رہنا چاہیئے کہ جس طرح ہمارے رسول اکرمؐ دو بعثتوں کیساتھ مبعوث ہوئے ہیں یعنی ایک بعثت خاص الی اہل العرب یا الی بنی اسماعیل اور دوسری بعثت عام الی کافۃ الناس، اسی طرح حضرت موسیٰؑ کی بعثت بھی دوہری تھی۔ چنانچہ آنجنابؑ کی نبوت تو عام تھی بنی اسرائیل کے لئے بھی اور آلِ فرعون کے لئے بھی، لیکن رسالت کا رُخ صرف آلِ فرعون کی جانب تھا چنانچہ اس کی صراحت موجود ہے قرآن حکیم کے دوسرے متعدد مقامات کی طرح

اس مقام پر بھی کر " وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۠ئِهٖ یعنی ہم نے موسیٰؑ کو بھیجا فرعون اور اس کے اعیانِ سلطنت کی طرف ۔ ان الفاظ سے ایک اور حقیقت بھی واضح ہوتی ہے اور وہ یہ کہ مصر میں اس وقت وہ نظام ملوکیت پوری طرح رائج و نافذ تھا جس کے شکنجے میں کم و بیش تین ہزار برس تک تقریباً پوری نوع انسانی جکڑی رہی ہے۔ یعنی یہ کہ حاکمِ اعلیٰ ایک بادشاہ ہوتا تھا اور اس کی حکومت قائم ہوتی تھی جاگیرداروں اور منصبداروں یعنی Feudal lords کے بل پر۔ اس کی حکومت میں عوام الناس کی حیثیت فی الواقع کالانعام، یعنی حیوانوں کے مانند ہی ہوتی تھی اور جملہ مسائل و معاملات کی باگ ڈور بادشاہِ وقت اور اس کے درباریوں ہی کے ہاتھوں میں ہوتی تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ رسولِ وقت کو بھی براہ راست ان ہی کے سامنے دعوتِ حق پیش کرنے کا حکم ملا۔ اس مقصد کے لئے جو چیزیں حضرت موسیٰؑ کو حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوئیں ان کو یہاں دو اصطلاحات کے ذریعے بیان کیا گیا ایک " اٰیٰتِنَا " اور دوسرے "سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ"۔ ان کے مفہوم کے تعین میں مفسرین کے مابین اختلاف ہوا ہے۔ بعض نے آیات یعنی نشانیوں سے مراد عصا اور یدِ بیضا سمیت وہ نو نشانیاں لی ہیں۔ جن کا ذکر سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۱۰۱ میں وارد ہوا ہے ۔ اور سلطنٍ مبین سے مراد ان میں سے سب سے اہم معجزہ یعنی عصاء موسیٰؑ کو مانا ہے ۔ اس طرح گویا یہ عطف الخاص علی العام کا معاملہ ہوا ۔ بعض حضرات کے نزدیک آیات سے مراد جملہ معجزات ہیں اور "سلطنٍ مبین" سے مراد حضرت موسیٰؑ کی وہ تقریر ہے جس نے فرعون کو بالکل لاجواب کرکے رکھ دیا تھا اور اس طرح گویا ان کو کھلا غلبہ عطا کر دیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب ! ۔۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ فرعون کے اعیانِ سلطنت نے فرعون ہی کی پیروی کی حالانکہ فرعون کا معاملہ یا اس کی رائے یا اس کی راہ راست نہ تھی ۔ " فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ " امر کا لفظ بہت وسیع المعنیٰ ہے، اس میں رائے، مسلک اور معاملات سب کی جانب اشارہ ہے ۔ اور الفاظ قرآنی میں ایک تصویرِ حال سامنے آتی ہے کہ

جب حضرتِ موسیٰؑ نے فرعون کے دربار میں دعوتِ حق پیش فرمائی اور فرعون نے
اپنی جرح بھی ان پر کی اس سب میں اسے لاجواب کر کے رکھ دیا اور وہ بالکل
کھسیانا سا ہو کر رہ گیا تو ہر دیکھنے والی آنکھ نے دیکھ لیا تھا کہ حق کس جانب ہے
اور موقف کس کا قومی ہے لیکن چونکہ اصل اہم معاملہ مفادات کا ہوتا ہے اور
جاگیرداروں اور منصبداروں کے مفادات اُس نظام سے وابستہ تھے جس کے
مرکز و محور کی حیثیت فرعون کو حاصل تھی جس کی جانب واضح اشارہ سورہ زخرف
میں منقول فرعون کے ان الفاظ میں موجود ہے کہ :- أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ
وَهَٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِن تَحْتِي ! " یعنی کیا مصر کی حکومت میرے
قبضہ میں نہیں ہے اور یہ نہروں کے ذریعے آبپاشی کا نظام بھی میرے زیر انتظام
نہیں ہے ؟ " لہٰذا انہوں نے من حیث الجماعت اپنا پورا وزن اُسی کے پلڑے
میں ڈالنے میں عافیت سمجھی۔ بالکل ایسے جیسے علامہ اقبال مرحوم نے اپنی نظم "
ابلیس کی مجلس شوریٰ " میں ابلیس یا اُس کے کسی نائب کی زبان سے کہلوایا ہے
کہ " نظامِ کہنہ کے پاسبانو! یہ معرضِ انقلاب میں ہے! " ـــــ اس کے
بعد آیات نمبر ۹۸ اور نمبر ۹۹ کے الفاظ قرآن حکیم میں Pathos یعنی حزن
و تاسف کے اظہار کے اعتبار سے درجۂ سنام یا نقطۂ عروج کی حیثیت رکھتے
ہیں۔ يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۖ وَبِئْسَ
الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ " یعنی وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا قیامت کے دن
اور بالآخر انہیں لے جا اتارے گا جہنم کے گھاٹ پر اور کیا ہی بُرا ہے وہ
گھاٹ جس پر اترا جائے "۔ یعنی قوم فرعون نے جس طرح دنیا میں اپنی عقل
سے کام لینے اور اپنے شعور کو بروئے کار لانے کی بجائے اندھے بہرے ہو کر
فرعون کی پیشوائی کو اختیار کیا اس طرح قیامت کے دن وہ جلوس کی صورت
میں فرعون کی قیادت میں جہنم کا رُخ کرے گی اور وہ اسے بالآخر جہنم میں لے
جا گرائے گا۔ اور کسقدر بُرا ہے وہ انجام جس تک یہ لوگ پہنچیں گے ـــ
" وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ بِئْسَ الرِّفْدُ
الْمَرْفُودُ " یعنی فرعون کے درباری و حواری ـــ اور ان کے اتباع میں

اُن کی قوم کے عوام کالانعام جس کیفیت کے ساتھ فرعون کے پیچھے لگے وہ بالکل ایسے تھا جیسے لعنتِ خداوندی ان کو پیچھے سے دھکیل رہی ہو اور وہ اندھے بہرے ہو کر آگے بڑھے جارہے ہوں ۔ اور یہی نقشہ ان کا قیامت کے روز بھی ہوگا۔ بلکہ اس روز تو حقائقِ معنوی مجسّم ہو کر سامنے آجائیں گے ۔ اور لعنتِ خداوندی ان پر پوری طرح مسلط نظر آئے گی ۔

آخری الفاظ یعنی "بئس الرفد المرفود" میں طنزیہ کیفیت عروج کو پہنچی نظر آتی ہے ۔ رِفد کے معنی صلے یا عطیے کے ہیں ۔ اور یہ نظامِ ملوکیت کا ایک جانا پہچانا معاملہ ہے کہ بادشاہ اپنے منظورِ نظر اور وفادارانِ سلطنت کو گاہے بگاہے انعام و اکرام اور اعلیٰ پوشاکوں اور خلعتوں سے نوازتے رہتے ہیں ۔ تو گویا یہ ہے ۔ لعنتِ خداوندی کا وہ اصل انعام و اکرام اور ابدی ذلت و رسوائی کی خلعتِ فاخرہ جو فرعون کی جانب سے اپنے وفاداروں اور حواریوں کو ملی اور کیا ہی بُرا ہے یہ صلہ اور کتنا بھیانک ہے یہ انجام !

یہ واضح رہے کہ یہ معاملہ "حکم الاکثر حکمُ الکل" کے مطابق ہے ورنہ قرآنِ حکیم سے ثابت ہے کہ فرعون کے درباریوں میں سے کم از کم ایک صاحب تو ایسے حق پرست نکلے ۔ جنہوں نے ایمان کی دعوت پر لبّیک کہا اور کچھ عرصہ تک تو اپنے ایمان کو چھپائے رکھا لیکن جب نوبت بایں جارسید کہ فرعون حضرت موسیٰ کو قتل کرنے پر تُل گیا تو انہوں نے تمام مصلحتوں وغیرہ کا پردہ چاک کر کے نعرۂ حق بلند کر دیا اور ایسی فصیح و بلیغ اور مؤثر تقریر دربار میں کی کہ خود فرعون کے چھکے چھوٹ گئے اور اس کا سارا دبدبہ اور طنطنہ ہوا ہو گیا اور وہ کھسیانا ہو کر یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ "مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ" یعنی "میں تو تم لوگوں کو وہی کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں جو خود مجھے سجھائی دے رہا ہے ۔ اور میں نہیں رہنمائی کر رہا تمہاری مگر بھلائی کی راہ کی جانب" جس کے جواب میں اس مردِ حق اور بندۂ مومن نے بھرے دربار میں جوابی نعرہ لگایا کہ "يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ" یعنی "اے میری قوم کے لوگو ! فرعون کے بھرّے میں نہ آؤ بلکہ میری پیروی کرو ۔ میں تمہاری رہنمائی کروں گا

بھلائی کی اصل راہ کی جانب!" ــــ یہ دوسری بات ہے کہ قوم کی عظیم اکثریت کی مت بالکل ماری جا چکی تھی اور وہ اپنے دنیوی مفادات کے باعث بالکل اندھے اور بہرے ہو گئے تھے۔ نتیجۃً وہ بدترین انجام سے دوچار ہو کر رہے اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ــــ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ ذَالِکَ ۔

وَاٰخِرُ دعوانا ان الحمدُ لِلّٰہِ ربِّ العالمین ٥

(۶)

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہِ الکریم

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ٥ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِىْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَىْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ٥ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ٥ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ٥ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ٥ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ج فَمِنْهُمْ شَقِىٌّ وَّسَعِيْدٌ ٥ (سورہ ھود آیت ۱۰۰ تا ۱۰۵)

ترجمہ :۔ " یہ بستیوں کی سرگزشتوں میں سے چند ہیں جو ہم تمہیں سنا رہے ہیں، ان میں سے بعض (تا حال) قائم ہیں اور بعض کی فصل (کبھی کی) کٹ چکی! اور ہم نے ان پر (ہرگز) ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے آپ پر ظلم ڈھایا تو جب تیرے رب کا حکم (عذاب) آ پہنچا تو ان کے کچھ بھی کام نہ آ سکے اُن کے وہ (مزعومہ) معبود جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے اور انہوں نے ان کی بربادی کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہ کیا۔ اور ایسے ہی ہوتی ہے تیرے رب کی پکڑ جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے جبکہ وہ ظلم پر کاربند ہوتی ہیں۔ یقیناً اُس کی پکڑ نہایت دردناک بھی ہے اور حد درجہ سخت بھی بے شک اس میں اس انسان کے لئے بڑی نشانی ہے جو عذابِ آخرت کا خوف رکھتا ہو۔ وہ ایسا دن ہو گا جس میں تمام

انسان جمع کئے جائیں گے - اور وہ (سب کی) حاضری کا دن ہوگا - اور ہم اسے ٹال نہیں رہے مگر (صرف) ایک گنی چنی مدت کے لئے - جس دن وہ آ دھمکے گا تو کسی جان کو اُس کے اذن کے بغیر بولنے کا یارا نہ ہوگا - پس ان میں سے کچھ نیک بخت ہوں گے اور کچھ بدبخت!" ترجمہ ختم ہوا! -

قوم نوحؑ، قوم ہودؑ، قوم صالحؑ، قوم لوطؑ، قوم شعیبؑ اور آل فرعون پر رسولوں کی دعوت پر لبیک نہ کہنے بلکہ اعراض و انکار اور کفر و تکذیب کی روش پر جم جانے کے باعث جو عذابِ استیصال نازل ہوا اس کے تذکرے کے بعد اب ایک نہایت جامع تبصرہ آیات زیرِ درس میں ہو رہا ہے - چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: "ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ۝" یعنی "اے نبی! نسلِ آدم کی تاریخ کے دوران جن بستیوں پر ان کے رہنے والوں کے کفر پر اصرار کے باعث عذابِ ہلاکت نازل ہوا اُن میں سے ہم صرف چند کے حالات ہیں جو ہم آپ کو سُنا رہے ہیں، ان بستیوں میں سے بعض تو وہ ہیں جو بالکل ملیامیٹ ہوگئیں اور ان کا نام و نشان بھی مٹ گیا - جیسے کہ قرآن حکیم میں دوسرے مقامات پر آتا ہے کہ "کان لم تغن بالامس" یعنی جیسے کہ کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں!" (یونس: ۲۴) یا جیسے "کان لم یغنوا فیھا" یعنی "جیسے کہ کل وہاں کبھی آبادی نہ تھے!" (الاعراف ۹۲، ہود: ۶۸ و ۹۵) یا جیسے "لا یُری الا مساکنھم" یعنی "صرف مسکن رہ گئے ان میں سکونت رکھنے والوں کا نام و نشان تک مٹ گیا" (الاحقاف: ۲۵) - اور بعض ان میں سے تاحال قائم ہیں یہ معاملہ ہے مصر کا کہ آل فرعون پر عذاب ان کی بستیوں میں نہیں آیا بلکہ مشیّتِ ایزدی نے انہیں ان کی بستیوں سے نکالا اور سمندر میں غرق کر دیا - چنانچہ قوم تو ہلاک ہوگئی لیکن ان کی بستیاں جوں کی توں قائم رہ گئیں - اس کے بعد فرمایا: وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یعنی ہم نے ان پر ہرگز کوئی زیادتی نہیں کی وہ خود ہی ہمارے قانونِ مجازات کی زد میں آگئے - گویا انہوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھایا - اور اللہ تعالےٰ نے جو عقل و شعور کی استعدادات ان کو عطا فرمائی تھیں ان کو بے کار کر کے رکھ چھوڑا اور اندھے بہرے ہو کر شہوات و خواہشات کی پیروی میں لگ

گئے۔ "فما اغنت عنهم الهتهم التی یدعون من دون الله من شیٍٔ لما جاء امر ربك" یعنی جب ان کی اسی شامتِ اعمال کے باعث ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تو اُن کے وہ نام نہاد دیوی دیوتا ان کے کچھ بھی کام نہ آ سکے جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے۔ اس لئے کہ ان کا حقیقی وجود تو کوئی تھا ہی نہیں، وہ تو سرتاسر اُن کے اپنے ذہن کے تراشیدہ اور وہم کی پیداوار تھے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم سے "می تراشد فکر ما ہر دم خداوندے دگر۔"
"وما زادوھم غیر تتبیب" یعنی انہوں نے اُن کے حق میں کسی چیز کا اضافہ نہ کیا سوائے تباہی و بربادی کے۔ اس لئے کہ وہ اپنے ان ہی جھوٹے ذہنی سہاروں کے باعث اپنی غلط کاریوں اور کج رویوں میں جری ہوتے چلے گئے تھے۔ اگر یہ غلط سہارا نہ ہوتا تو ممکن ہے کبھی حقیقت ان پر منکشف ہو ہی جاتی اور ان کے قدم راستی کی جانب اٹھ ہی جاتے۔ مذکورہ معذّب اقوام میں سے صرف قوم نوحؑ کے بارے میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بُت بعض فوت شدہ بزرگوں کے نام پر بنائے گئے تھے۔ گویا ان کا طرزِ عمل وہی تھا جو بعد میں پوری شدّت کے ساتھ نصاریٰ نے اختیار کیا کہ اللہ تعالےٰ کے جلیل القدر پیغمبر حضرتِ مسیحؑ ہی کو معبود بنالیا ان کے معاملے میں "وما زادوھم غیر تتبیب" کا یہ اضافی مفہوم بھی سامنے آتا ہے کہ محاسبۂ اُخروی کے وقت اللہ کے ان پیغمبروں اور اولیاء کی اپنے نام نہاد پرستاروں سے بیزاری و براءت ان کی ذلّت و خواری میں مزید اضافے کا سبب بنے گی۔ عین ممکن ہے کہ بعض دوسری اقوام کے مزعومہ معبودوں کا معاملہ بھی ایسا ہی ہو۔ واللہ اعلم! آگے ارشاد ہوتا ہے: "اِنَّ فِیْ ذالك لآیة لمن خاف عذاب الاخرة" یعنی نبی اکرمؐ کے اس قولِ مبارک کے مصداق کہ "السَّعِیْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَیْرِہٖ" یعنی "اصل نیک بخت وہ ہے جو دوسرں کے احوال سے سبق حاصل کرے!" ان حالات و واقعات میں بڑا سبق ہے اور بڑی عبرت ہے ہر اس شخص کے لئے جو کسی بھی درجے میں عذابِ اُخروی کا خوف رکھتا ہو۔ واضح رہے کہ "قرآن حکیم کے بے شمار مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی عملی زندگی پر اصل چھاپ ایمان بالآخرت ہی کی پڑتی ہے، اگر انسان

کو سرے سے آخرت کا یقین ہی نہ ہو۔ یا اُس کا اقرار تو ہو لیکن کسی دوسرے غلط عقیدے جیسے شفاعتِ باطلہ کی اُمید موہوم کے باعث سزا اور عقوبت کا خوف بالکل زائل ہو جائے تو ایسے شخص کا راہ ہدایت پر آنا محال ہے — اس کے برعکس اگر عذابِ اُخروی کا خوف کسی درجے میں بھی برقرار ہو تو جلد یا بدیر ہدایت نصیب ہو جانے کا امکان بھی برقرار رہتا ہے۔ آگے قیامت کے دن کے بارے میں فرمایا: " ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ٥" یعنی " وہ دن ایسا ہوگا کہ اس میں پوری نوعِ انسانی جمع کی جائے گی اور وہ دن ہوگا حاضری اور پیشی کا! — یہ بالکل وہی اسلوب بیان ہے جو سُورۃ تغابن میں بایں الفاظ وارد ہوا ہے کہ " يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ" یعنی " یاد کرو اُس دن کو جس دن کہ وہ تم سب کو جمع کرے گا جمع کرنے کے دن — وہی دِن ہوگا ہار اور جیت اور سود و زیاں کے اصل فیصلے کا!" — اُس دن تمام انبیاء و رسل اور کُل داعیانِ حق بھی موجود ہوں گے اور گواہیاں دیں گے۔ بمصداق الفاظ قرآنی " فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ٥ ان کی دعوت پر لبیک کہنے والے بھی ہوں گے اور " شهداء على الناس" کی حیثیت سے پیش ہوں گے۔ اور کافر و مشرک بھی موجود ہوں گے جن کے خلاف داعیانِ حق ہی نہیں خود ان کے اپنے ہاتھ پیر اور اعضاء و جوارح بھی گواہیاں دیں گے۔ آگے فرمایا: وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ٥" یعنی وہ وقت اگر فوراً نہیں آ رہا تو اس دھوکے میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ کبھی بھی نہیں آئے گا۔ یا یہ کہ وہ ابھی اتنی دور ہے کہ فوری طور پر اپنے عیش کو منغص کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تاخیر و تعویق بس ایک گنی چنی مدّت کے لئے ہی ہے۔ یہ الفاظِ مبارکہ ہرگز کسی مبالغے پر مبنی نہیں ہیں بلکہ عین حق ہیں اس لئے کہ ایک تو بندوں کا حساب اور ہے اور اللہ کا حساب اور۔ اُس کی تقویم کا ایک دن انسانوں کے حساب کے ہزاروں سال کے برابر ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ کے علمِ ازلی میں ہر شئے بآن واحد موجود ہے جیسے سورۃ معارج میں فرمایا کہ " اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ٥"—

"یہ لوگ اُسے دُور دیکھ رہے ہیں اور ہم اسے بالکل سامنے دیکھ رہے ہیں" اور تیسرے یہ کہ تمام انسانوں کی اجتماعی قیامت چاہے ابھی کچھ دُور ہی ہو ہر انسان کی انفرادی قیامت یعنی موت تو ہر دم اُس کے سر پر منڈلا رہی ہے۔ جیسے کہ فرمایا نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ: "من مات فقد قامت قیامته" ۔ یعنی جس شخص کی موت آگئی اس کی قیامت تو قائم ہو ہی گئی!" ـــ آخر میں فرمایا: یَوْمَ یَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ۝" ـــ یعنی وہ جس دن وہ وقت آن پہنچے گا۔ تو کوئی ذی نفس کلام تک نہ کر سکے گا سوائے اُس کے جسے اللہ تعالیٰ اجازت مرحمت فرمائیں۔ اس میں قطعی نفی ہو گئی مشرکین کے تصورات کی جو وہ بالخصوص شفاعت باطلہ کے ضمن میں رکھتے ہیں یعنی یہ کہ ان کے مزعوم معبود اللہ کے یہاں اُن کے سفارشی بنیں گے۔ بمصداق الفاظ قرآنی: "هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ" (یونس: ۱۸) یعنی "ہمارے یہ معبود اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی بنیں گے!" ـــ وہاں تو صورت یہ پیش آئے گی کہ: "یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝" یعنی وہاں اوّل تو بغیر اذن رب کوئی بول ہی نہیں سکے گا اور جب بولے گا تو سوائے حق اور صحیح بات کے اور کچھ زبان سے نکال نہ سکے گا! ـــ نتیجۃً نوع انسانی دو گروہوں میں منقسم ہو جائے گی ایک گروہ نیک بختوں پر مشتمل ہو گا دوسرا بدبختوں پر۔ ان کے انجام کی تفصیل آگے آئے گی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ڈاکٹر اسرار احمد

پانچویں قسط

تعارفِ الکتاب

چودھواں پارہ

رُبَمَا

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن مجید کا چودھواں پارہ رُبَمَا کے نام سے موسوم ہے اور اس میں دو سورتیں پوری پوری شامل ہیں۔ یعنی پہلے سورۃ حجر جس کی صرف پہلی آیت تیرھویں پارے میں ہے باقی پوری سورۃ اس چودھویں پارے میں شامل ہے اور دوسری سورۃ النحل۔

سورۃ حجر کے بارے میں اسکے انداز کے اعتبار سے یہ بات نمایاں معلوم ہوتی ہے کہ یہ قرآن مجید کی بالکل ابتدائی عہد کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے۔ اس لئے کہ اس میں آیات چھوٹی چھوٹی ہیں۔ اور ردھم بہت تیز ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں بالکل آغاز میں قرآن مجید کے بارے میں ایک بڑی اہم حقیقت بیان ہوئی۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ہ اس قرآن کو جو ذکر ہے یاد دہانی ہے۔ نصیحت ہے ہم نے ہی نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ یعنی قرآن مجید کو ہر قسم کی لفظی اور معنوی تحریف سے بچانے کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لے لیا ہے۔ یہی وجہ ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک عظیم

معجزہ ہے کہ چودہ سو برس گذر جانے کے باوجود یہ کتاب من وعن موجود ہے اور اسلام کے کسی دشمن کو بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی کہ اس کتاب میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ یہ حضور اکرمؐ کی ختم نبوت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے کہ چونکہ آپکے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تھا۔ لہٰذا اللہ نے جو کتاب آپکو عطا فرمائی ہے۔ اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ سورۃ حجر میں

قصہ آدم وابلیس بھی ایک نئی شان سے وارد ہوا۔ اور اس میں ایک آیت بہت اہم ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم کی تخلیق سے قبل فرشتوں سے یہ کہہ دیا تھا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝

میں ایک بشر بنانے والا ہوں۔ اس سنے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر کھنکھنانے لگا ہو۔

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝

تو جب میں اسے مکمل کر لوں اور اس میں اپنی رُوح میں سے پھونک دوں۔ تو گر پڑنا اس کے سامنے سجدے میں۔

معلوم ہوا کہ یہ انسان کا شرف ہے۔ یہ اس کی وہ فضیلت ہے جو کہ اسے تمام موجودات اور مخلوقات پر حاصل ہے۔ کہ اس میں رُوحِ ربانی پھونکی گئی ہے۔ یہ اشرف المخلوقات اسی بنیاد پر ہے۔ اور سجود ملائک بنا۔ یہ عظیم امانت ہے۔ جس کا انسان حامل ہے۔ یہی وہ امانت ہے۔ جس کے بارے میں فرمایا گیا۔ " ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ لیکن سب ڈر گئے اس کا تحمل نہ کر سکے اس کو اٹھایا انسان نے۔

اس سورۃ مبارکہ کے آخر میں نبی اکرمؐ کے ساتھ دلجوئی کا معاملہ فرمایا گیا "اے نبی ہمیں خوب معلوم ہے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۙ

کہ جو کچھ یہ کفار مشرکین آپ کے معاندین اور مخالفین کہہ رہے ہیں۔ آپ کو اس سے دکھ پہنچتا ہے۔ آپ کا سینہ اس سے بھچتا ہے آپ کو اس سے رنج پہنچتا ہے۔ لیکن آپ صبر کیجئے جھیلئے۔ برداشت کیجئے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۙ

اپنے رب کے سامنے سجود میں اور راتوں کو اس کے سامنے کھڑے ہو کر راتیں بسر کیا کیجئے۔

اپنے رب کی بندگی میں لگے رہیئے۔

اس کے بعد سورۃ نحل آتی ہے۔ یہ نسبتاً ایک طویل سورۃ ہے سولہ رکوعوں پر مشتمل ہے۔ یہ سورۃ مبارکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بیان میں غالباً جامع ترین سورۃ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں کا بیان جس جامعیت کے ساتھ اس میں ہوا ہے وہ غالباً کسی اور مقام پر نہیں ہے۔ چنانچہ اس میں مختلف انواع و اقسام کی نعمتوں کا ذکر فرما کر ارشاد کیا جاتا ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

اس میں نشانیاں ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو تفکر کریں، غور و فکر سے کام لیں پھر کچھ اور نعمتوں کا ذکر فرما کر پھر الفاظ آتے ہیں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۙ

اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیں۔ کچھ اور نعمتوں کا ذکر فرما کر پھر اعادہ ہوتا ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۔

پھر ارشاد فرمایا جاتا ہے۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو۔ تو گن نہ سکو گے۔

اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ تمہاری گنتی سے باہر ہیں۔ کہیں ارشاد ہوتا ہے۔ تو کیا یہ بدنصیب اللہ کی نعمتوں کا انکار کر رہے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کا ذکر اس سورۃ مبارکہ میں آیا تو ان کے ضمن میں بھی خاص طور پر یہ الفاظ وارد ہوئے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

ابراہیمؑ اپنے رب کی نعمتوں کے شکر گذار تھے۔ شکر ادا کرنے والے۔ تو نعمتِ خداوندی اللہ کی نعمتوں کا ذکر اس سورۃ مبارکہ میں واقعہ یہ ہے کہ انتہائی جامعیت کے ساتھ آیا اور انسان کو دعوت دی گئی کہ اللہ کی نعمتوں کے حوالے سے اللہ کو پہچانے۔ اس کی صفاتِ کمال کی معرفت حاصل کرے۔ اس کی توحید کا علم حاصل کرے یہ بات بھی جان لے کہ جس نے نعمتیں دی ہیں وہ نعمتوں کا حساب لے گا۔ محاسبہ اُخروی کی دلیل بھی درحقیقت یہیں سے فراہم ہوتی ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کی چند اور اہم آیات میں سے مثلاً ایک بڑی جامع آیت ہے جس پر عموماً جمعہ کا جو خطبہ ثانی ہے وہ ختم ہوتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ؕ۔

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل وانصاف کا احسان کا قرابت داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کا۔ اور روکتا ہے فحش کاموں سے اور منکرات سے اور برائیوں سے۔

یہ بڑی جامع آیت ہے۔ اور سورۃ بنی اسرائیل جو سورۃ نحل کے بعد آتی ہے۔ اس کے دو رکوعوں میں گویا کہ انہی کی تفصیل آئے گی۔ ایک اور عظیم آیت ہے۔ فرمایا گیا۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ

جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۰

اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ ۔ یہ بلانا اوّلاً حکمت کے ساتھ ہونا چاہیئے ۔ دانائی کے ساتھ ہونا چاہیئے ۔ عقلی دلائل کے ساتھ ۔ انسان کے ذہن کو اپیل کرنے والی دلیلوں کے ساتھ ۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ ۔ دوسرے درجے میں دعوت ہے ۔ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ انتہائی دلنشین پیرائے میں نصیحت کی بات جو سیدھی دل میں جا لگے ۔ جو انسان کے دل میں گھر کر جائے ۔ اور آخری درجہ جدال کی بھی اجازت ہے ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جن کے متعلق علامہ اقبالؒ نے کہا کہ :-

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

ایسے مرد ناداں بھی ہوتے ہیں جن پر کلامِ نرم و نازک اثر نہیں کرتا ۔

بلکہ نوا را تلخ ترمی زن چوں ذوقِ نغمہ کمیابی ۔

کچھ تلخ باتیں بھی کرنی پڑتی ہیں ۔ لیکن وہاں بھی ایک بندہ مومن کو شرافت اور متانت و سنجیدگی اور وقار کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیئے ۔ تو فرمایا ۔

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۰

اگر کہیں جدال اور جھگڑا اور بحث اور نزع کی صورت پیدا ہو جائے تو پھر تمہارا طرزِ عمل احسن ہونا چاہیئے ۔ آخری آیت میں فرمایا ۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۔

اے نبی اگرچہ حالات انتہائی نا مساعد ہیں ۔ مخالفتوں کا طوفان ہے ۔ ہر چہار طرف سے رکاوٹیں ہیں ۔ لیکن آپ جمے رہیئے ۔ دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہیئے ۔ صبر کیجیئے ۔ جھیلئے ۔ اور برداشت کیجیئے ۔ جو کچھ بھی آپ کو اس راہ میں برداشت کرنا پڑے اور آپ کا صبر اللہ ہی کے سہارے ہے ۔ اسی کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوطی کے ساتھ قائم رکھیئے اور اسی کے حکم اور فیصلے کا

پندرھواں پارہ

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

قرآن مجید کا پندرھواں پارہ سبحٰن الذی کے نام سے موسوم ہے اس میں اوّلاً سورۃ بنی اسرائیل مکمل اور پھر سورۃ کہف کے تقریباً دو تہائی حصے شامل ہیں۔ یہ دونوں سورتیں مصحف کے بالکل وسط میں واقع ہیں۔ اور حکمتِ قرآنی کے عظیم خزانوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان دونوں میں بہت سے پہلو مشابہ ہیں۔ اور بعض اعتبارات سے یہ دونوں مل کر مضامین کی تکمیل کرتی ہیں۔ گویا کہ یہ دونوں برابر ہیں۔ چنانچہ دونوں بارہ بارہ رکوعوں پر مشتمل ہیں۔ اور سورۃ بنی اسرائیل کی ایک سو گیارہ آیات ہیں۔ اور سورۃ کہف کی ایک سو دس پھر دونوں کا آغاز اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد سے ہوتا ہے۔ چنانچہ سورۃ بنی اسرائیل کا آغاز ہوتا ہے۔ سُبۡحَانَ الَّذِیۡ ۔ ۔ ۔ اور سورۃ کہف کا آغاز ہوتا ہے۔ الحمد اللہ سے ۔ ۔ ۔ گویا کہ ایک کے آغاز میں تسبیح باری تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اور دوسرے کی ابتدا حمد باری تعالیٰ سے ہوتی ہے۔ اور ان دونوں کے مابین جو نسبت ہے۔ وہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول سے معلوم ہوتی ہے۔ سبحان اللہ سے میزان نصف ہو جاتی ہے۔ اور الحمد سے پر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دونوں سورتوں کے آغاز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہے۔ اور دونوں میں آپ کی نسبتِ عبدیت کو نمایاں کیا گیا ہے سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ۔ معلوم ہوا کہ حضور صلعم کی اصل نسبت یا عروجی نسبت یا آپ کا طرۂ امتیاز مقامِ عبدیّت ہے۔ اور آپ عبدیتِ کاملہ کے مقام پر فائز ہیں۔ اگرچہ ہم آپ کی عبدیت کو اپنی عبدیت پر قیاس نہیں کر سکتے۔ بقولِ علامہ اقبالؒ :-

عبد دیگر عبدہ چیزے دیگر ما سراپا انتظار او منتظر

اسی طرح دونوں سورتوں کا اختتام بھی توحید باری تعالیٰ کی اہم آیات پر ہوتا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کی آخری آیت ہے۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ۝

اے نبی کہہ دیجئے ساری حمد و ستائش اور سارا شکر اس اللہ کے لئے ہے جس نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا نہ کوئی حکومت میں اس کا شریک ہے اور نہ ہی کوئی اس کا دوست اس وجہ سے کہ اسے کسی کی امداد اعانت کی احتیاج ہو اور اس کی تکبیر کیجئے جیسا کہ اسکی تکبیر کا حق ہے۔ سورۃ کہف کے آخر میں یہ آیت مبارکہ وارد ہوئی۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

اے نبی کہہ دیجئے میں تم جیسا ہی ایک انسان ہوں۔ مجھ پہ وحی ہوتی ہے کہ تمہارا اللہ بس ایک ہی اللہ ہے، اللہ واحد جس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔

اس طرح ان دونوں سورتوں کے وسط میں قصۂ ابلیس و آدم کا ذکر ہوا ہے۔ پھر ان دونوں سورتوں میں ہجرت کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا کہ

اے نبی اللہ سے دعا کیجئے وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۝

اور چونکہ ہجرت کے سفر کے دوران غارِ ثور کا واقعہ پیش آنے والا تھا تو اسی نسبت سے محسوس ہوتا ہے کہ سورۃ کہف میں اصحاب کہف کا واقعہ بیان ہوا۔

ان دونوں سورتوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وساطت سے تمام مسلمانوں کو قرآن مجید کے ساتھ ایک محکم اور مضبوط تعلق قائم رکھنے کا حکم ہوا۔ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا۔

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ط إِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ط

اور سورۃ کہف میں ارشاد فرمایا وَاتْلُ مَا أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ط

گویا کہ بندہ مومن کے صبر و ثبات اور استقامت کا اصل راز بندہ مومن کی قوت کا اصل منبع اور سرچشمہ تعلق باللہ ہے جس کا سب سے موثر ذریعہ قرآن مجید کو مضبوطی سے تھام لینا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کے آغاز اور اختتام پر بنی اسرائیل کی تاریخ کے بعض اہم واقعات کا ذکر ہے اور اس کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں بنی اسرائیل کو جو احکام عشرہ دیئے گئے تھے۔ یعنی تورات کے ( ) ان کا بیان ہوا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی بھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت اس میں تورات کے احکام عشرہ ہی کی تفصیل قرآن مجید نے اپنے الفاظ میں کر دی ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں قرآن مجید کا ذکر اور اس کی اہمیت اور اسکی عظمت کا بیان تانے بانے کی مانند بنا ہوا ہے۔ پورے قرآن مجید میں لفظ قرآن ساٹھ مرتبہ وارد ہوا ہے۔ اور اس ایک سورۃ میں سولہ مرتبہ لفظ قرآن وارد ہوا ہے۔ چنانچہ اس میں وہ چیلنج بھی ہے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى أَنْ يَّأْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ط

اگر تمام انسان اور جن مل کر بھی کوشش کریں تو اس جیسا قرآن تصنیف نہ کر سکیں گے۔ خواہ وہ ایک دوسرے کی کتنی ہی مدد کریں۔ اس سورۃ مبارکہ کے آغاز میں فرمایا۔

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ۔

یہ قرآن وہ کتاب ہے جو رہنمائی کرتی ہے اس راستے کی طرف اَقْوَم جو سب سے زیادہ سیدھی اور مستقیم راہ ہے۔ جس میں نہ کوئی کجی ہے اور نہ کوئی پیچ۔

اور اس کا اختتام ہوتا ہے ان انتہائی پُر جلال اور پُر ہیبت الفاظ پر۔
وَ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَ بِالْحَقِّ نَزَلَ ط اس قرآن مجید کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا اور حق ہی کے ساتھ وہ نازل ہوا ہے۔ یعنی اب یہ فیصلہ کن کتاب بن کر آئی ہے۔ اُمتوں اور قوموں کا فیصلہ اب اسی کتاب کے ذریعے ہوگا۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضؓ فرماتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالےٰ اب اسی کتاب کی بدولت قوموں کو عروج عطا فرمائے گا اور اس کتاب کے ترک کرنے کے باعث ان کو ذلیل و رسوا کر دے گا۔ گویا کہ سورۃ بنی اسرائیل کا مرکزی مضمون قرآن مجید ہے۔ جبکہ سورۃ کہف کا مرکزی مضمون اس حیاتِ دنیوی کی حقیقت کو نمایاں کرنا ہے۔ کہ یہاں کی ساری زینتیں اور آرائشیں یہاں کی ساری چہل پہل یہاں کی ساری رونقیں صرف اس لئے ہیں کہ تمہارا امتحان لیا جائے۔
اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ہ
ہم نے زمین پر جو کچھ بھی ہے اسے اس کا سنگھار بنا دیا ہے۔ اس کی زیبائش اور آرائش بنا دیا ہے۔ تاکہ تمہیں آزمائیں کہ کون ہیں وہ لوگ جو صرف اس پر ریجھ کر رہ جاتے ہیں۔ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کون ہیں وہ ہمت مردانِ خدا جو یہاں رہتے ہوئے بھی اس کی محبت میں گرفتار نہیں ہوتے۔ بلکہ اللہ سے لو لگائے رکھتے ہیں اور اسی سے محبت کرتے ہیں۔
سورۃ کہف کا جو حصہ اس پندرہویں پارے میں آیا ہے اس میں اصحاب کہف کا قصہ بیان ہوا تفصیل کے ساتھ اور یہ بھی درحقیقت انسان کی آزمائش کا ایک اہم واقعہ ہے کہ کچھ نوجوان جو توحیدِ باری تعالےٰ پر پوری طرح قائم ہو گئے۔ ان پر شدائد اور مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ یہاں تک کہ ان کی جان کو اندیشہ لاحق ہو گیا تو انہوں نے توحید پر اپنے آپ کو مستقیم اور ثابت قدم رکھا۔

اور وہ اپنی آبادی کو چھوڑ کر ایک غار میں جا کر پناہ گزین ہو گئے۔

اِنَّھُمْ فِتْیَۃٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّھِمْ وَزِدْنٰھُمْ ھُدًی ۝۔

قرآن مجید ان کا ذکر کرتا ہے۔ وہ کچھ ایسے نوجوان تھے جو اپنے ربّ پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کیا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت اس کا قانون اور ضابطہ یہی ہے کہ جو اسکی طرف بڑھتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کے لئے اپنی راہیں کھولتے چلے جاتے ہیں اور اس کے لئے نیکی کی راہ کو آسان فرماتے چلے جاتے ہیں۔

سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ کہف ان مرکزی مضامین میں جو نسبت ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان سے بڑی واضح ہو جاتی ہے۔" ان دلوں پر بھی زنگ آجاتا ہے۔ جیسا کہ لوہے پر زنگ آجاتا ہے جبکہ اس پر پانی پڑتا رہے" صحابہؓ نے دریافت کیا،" حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دلوں کے زنگ کو کس طرح دُور کیا جائے اس کا علاج کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔

(حدیث) کثرۃ ذکر الموت وتلاوۃ القرآن "کثرت کے ساتھ موت کو یاد کرنا۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا کہ یہ دُنیا ہمارا وطن نہیں ہے۔ یہ مستقل ٹھکانہ نہیں ہے یہاں سے بہر حال جانا ہے۔ اور کثرت کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت پر کاربند رہنا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان دونوں باتوں کی توفیق عطا فرمائے۔

سولھواں پارہ

قَالَ اَلَمْ

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن مجید کا سولھواں پارہ قَالَ اَلَمْ کے نام سے موسوم ہے اس کے

نصف اوّل میں سورۃ کہف کی بقیہ چھتیس آیات اور سورۃ مریم مکمل شامل ہیں اور اس کا نصف آخر سورۃ طٰہٰ پر مشتمل ہے۔

سورۃ کہف کے مرکزی مضمون میں انسانوں پر یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ حیات دنیوی محض ایک امتحانی وقفہ ہے۔ اس میں اللہ تعالےٰ انسان کا امتحان لیتا ہے۔ کبھی وہ تنگی سے اور کبھی کشادگی سے آزماتا ہے یہاں کی اونچ نیچ سے متاثر نہیں ہونا چاہیئے بلکہ جاننا چاہیئے کہ انسان کی اصل منزل آخرت ہے۔ اس پارے میں اس سورۃ مبارکہ کا جو حصہ شامل ہے اس میں اوّلاً حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ ہے اس واقعہ کا حاصل یہی ہے کہ اس دنیا میں جو واقعات وحوادث رونما ہوتے رہتے ہیں ان کے ظاہر سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ کوئی چیز انسان کو انتہائی ناگوار ہو۔ لیکن اس کے پردے میں انسان کے لیئے اللہ تعالےٰ کی طرف سے خیر کا کوئی پہلو ہو جیسا کہ سورۃ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ج وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو۔ درآنحالیکہ وہ تمہارے حق میں خیر پر مشتمل ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔ اس کے بعد ذُوالقرنین کا ذکر ہوا۔ یہ ایک خدا ترس اور نیک دل بادشاہ تھے جنہیں تاریخ میں کیخسرو یا سائرس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس سُورۃ مبارکہ کے آغاز میں اصحاب کہف کا ذکر ہوا۔ جن کا اللہ تعالےٰ نے شدائد و مصائب کی صورت میں امتحان لیا۔ ان کے لئے توحید پر کاربند رہنا ناممکن ہوگیا۔ اور وہ مجبور ہوگئے کہ آبادی کو چھوڑ کر ایک غار میں پناہ لے لیں۔ امتحان کی انتہائی کیفیت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کسی بندے پر اپنے انعامات ونوازشات کی بارش کردے اسے دنیاوی وجاہت و اقتدار اور دولت وثروت عطا فرمائے۔ اور دیکھے کہ وہ اللہ کا شکر گذار بندہ ہو کر رہتا ہے یا مغرور ہو کر اللہ کو بھلا بیٹھتا ہے۔ حضرت ذوالقرنین اس دوسری

آزمائش کی ایک بڑی عمدہ مثال ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین میں تمکن اور غلبہ عطا فرمایا۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے نیک دل بندے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اور عدل و انصاف پر کاربند رہنے والے انسان کی حیثیت ہی سے اس دنیا میں رہے۔ سورۃ کہف کی آخری آیات بڑی اہم ہیں۔ ان میں پھر اس حقیقت کو کھولا گیا ہے کہ انسان کی تباہی کا اصل سبب یہی ہے کہ وہ دُنیا کو اپنا مطلوب و مقصود بنا لے۔ فرمایا :۔ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۝

اے لوگو! کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنی سعی و جہد اپنی کد و کاوش کے اعتبار سے سب سے زیادہ گھاٹے اور خسارے میں رہنے والے لوگ کون سے ہیں۔ وہ لوگ کہ جن کی سعی و جہد اس دنیا کی زندگی ہی میں بھٹک کر رہ گئی۔ انہوں نے دنیا ہی کو اپنا مطلوب و مقصود بنایا۔ ساری بھاگ دوڑ صرف دنیا اور اس کے لذائذ اور اس کی آسائشوں ہی کے حصول کے لئے وقف کر دی۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ آخرت میں ان کے لئے کچھ نہیں۔ قیامت کے دن ان کی سعی و جہد کا کوئی وزن نہ ہوگا، میزانِ ربانی میں ان کی ساری جد و جہد پر کاہ کے برابر بھی وزن نہ رکھے گی۔ سُورۃ کہف کے بعد قرآن مجید میں سورہ مریم وارد ہوئی۔ اس سورۃ مبارکہ میں انبیاء کرامؑ کا ذکر ہے۔ اس اعتبار سے نہیں کہ جس اعتبار سے اس سے پہلے کی مکی سُورتوں میں ہوتا رہا ہے یعنی رسولوں کے انکار پر قوموں کی ہلاکت کا معاملہ اس سورۃ مبارکہ میں اس طرح کا ذکر نہیں ہے۔ اس میں سب سے پہلے حضرت ذکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ کا بیان ہے۔ پھر حضرت مریم سلامٌ علیہا اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا ذکر ہے۔ اور اس ضمن میں بڑی شدّت کے ساتھ نفی کی گئی ہے الوہیتِ حضرت مسیح علیہ السّلام کے عقیدے کی۔ چنانچہ ان کا قول نقل ہوا۔

إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۝

"میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے۔ یعنی انجیل اور مجھے اپنا نبی بنایا ہے"

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء امام الناس خلیل اللہ کا ذکر ہے۔ اور انہوں نے اپنے والد کو جس لجاجت کے ساتھ، جس عاجزی کے ساتھ، جس انکساری کے ساتھ اور جتنے پرسوز اور جتنے پُردرد لہجے میں خدائے واحد پر ایمان لانے کی دعوت دی اس کا بڑے ہی دلنشیں پیرائے میں ذکر ہوا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ایک مضمون بڑا اہم آیا ہے۔ نبی اکرمؐ کو قرآن مجید سے جو عشق تھا۔ وہ معلوم ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے حضورؐ نے شکوہ کیا کہ آپ وقفے وقفے سے آتے ہیں۔ ہمارا شوق اور ہمارا اشتیاق اس دوران میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔ آپ جلد جلد جلدی وحی لایا کریں۔ حضرت جبرائیلؑ کا جواب اس سورۃ میں نقل ہوا۔ وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ج اے نبی ہم آپ کے ربّ کے حکم کے بغیر نازل نہیں ہو سکتے۔

لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝

ہمارے سامنے جو کچھ ہے اس کا اختیار بھی اسی کو ہے۔ ہمارے پیچھے جو کچھ ہے، اس کا اختیار بھی اسی کو ہے۔ اور ان دونوں کے مابین جو کچھ ہے اس کا اختیار بھی اسی کو ہے۔ اور آپ کا ربّ بھولنے والا نہیں ہے۔

یعنی اگر وحی قرآنی میں وقفہ نہیں رہا ہے تو نعوذ باللہ من ذٰلک یہ کسی نسیان کی بنیاد پر نہیں ہے۔ بلکہ اس میں حکمتِ خداوندی کارفرما ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے آخر میں ایک اور عظیم آیت وارد ہوئی۔ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا۔

قیامت کے دن ہر ہر انسان کو اللہ کی عدالت میں انفرادی حیثیت میں پیش

ہونا ہوگا۔ کوئی اور اس کی طرف سے جواب وہی نہ کر پائے گا۔ ہر اک کو اپنا محاسبہ خود FACE کرنا ہوگا۔

اس کے بعد سورۃ طٰہٰ ہے۔ یہ سورۃ مبارکہ سورۃ یوسف سے کچھ مشابہ ہے۔ اس اعتبار سے کہ اس کی ۱۳۵ آیات میں سے ۹۹ آیات میں ایک ہی رسول کا ذکر ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات کا۔ اور اس سورۃ مبارکہ میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات لکھے دوراں، ایک بڑی عجیب بات ارشاد ہوئی کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر طلب فرمایا گیا، تو آپ اپنے شوق اور اشتیاق کے باعث وقفہ معینہ سے قبل پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے سوال فرمایا: وَمَآ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى ۔ "اے موسیٰ تم بہ پہلے کیسے آگئے" حضرت موسیٰ نے جواب دیا۔ عَجِلۡتُ اِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰى ہ میں اس لئے جلدی آیا کہ تو راضی ہو جائے۔ لیکن جواب میں ارشاد ہوا۔

فَاِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۡۢ بَعۡدِكَ ۔

تمہاری اس جلدی کا ایک نتیجہ نکل چکا ہے۔ اور تمہاری قوم گمراہی میں مبتلا ہو گئی ہے۔

اس کے بعد حضور کو بھی ایک بڑے لطیف پیرائے میں یہ تلقین فرمائی گئی۔ کہ اگرچہ قرآن مجید سے عشق اپنی جگہ انتہائی مبارک و مسعود لیکن اس کے معاملے میں آپ بھی جلدی نہ کیجئے۔

وَلَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يُّقۡضٰۤى اِلَيۡكَ وَحۡيُهٗ ۔

اور اے نبی جلدی نہ کیجئے قرآن کے لئے اس سے پہلے کہ حکمت الٰہی میں اس کی تنزیل کے لئے جو تدریج معین ہے۔ اس کے مطابق اس کی وحی مکمل ہو جائے۔

معلوم ہوا کہ عجلت اور جلد بازی خواہ خیر کے لئے ہو اچھی چیز نہیں ہے۔ ہر کام کے لئے ایک تدریج معین ہے۔ اور اس تدریج ہی کے تحت ہر کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ (جاری ہے)

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ (الحدیث)

تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دروسِ قرآن اور خطابات پر مشتمل

نشر القرآن کیسٹ سیریز

نمبر شمار	موضوع	کوڈ نمبر	قیمت روپے
۱	سیرت النبیؐ ۱۰ تقاریر کا سیٹ (۹۰-سی کے گیارہ کیسٹ)	۱۱ - ۱	۳۳۰/-
۲	نظریۂ ارتقاء اور قرآن حکیم (۹۰ سی)	۱۲	۳۰/-
۳	حقیقت انسان اور حقیقت روح انسانی (۶۰-سی دو کیسٹ)	۱۴-۱۳	۵۰/-
۴	نیکی کا حقیقی تصور (۹۰ سی)	۱۵	۳۰/-
۵	عظمت قرآن حکیم (۹۰ سی)	۱۶	۳۰/-
۶	تاریخ اُمت مسلمہ (بموقع یوم اقبال) (۶۰-سی)	۱۷	۲۵/-
۷	قرآن کا تصور حیات انسانی (۶۰-سی)	۱۸	۲۵/-
۸	تنظیم کی اہمیت اسوۂ محمدیؐ کی روشنی میں (۶۰-سی)	۱۹	۲۵/-
۹	پردہ کے احکام (سورۂ احزاب کی روشنی میں (۹۰-سی)	۲۰	۳۰/-
۱۰	اسلام کا معاشی نظام (۶۰-سی دو کیسٹ)	۲۲-۲۱	۵۰/-
۱۱	سیرت مطہرہ کا پیغام (۱۲ ربیع الاوّل) (۶۰-سی، ۹۰-سی)	۲۴-۲۳	۵۵/-
۱۲	تفسیر آیۂ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (۶۰-سی)	۲۵	۲۵/-
۱۳	سورۃ الفاتحہ (۶۰-سی دو کیسٹ)	۲۷-۲۶	۵۰/-

نمبر شمار	موضوع	کوڈ نمبر	قیمت روپے
۱۴	درس سورۃ بقرہ (پہلے دو رکوع) (۶۰-سی چار کیسٹ)	۲۸-۳۱	۱۰۰/-
۱۵	خلافت راشدہ کی شرعی اور تاریخی حیثیت ۶۰/۹۰سی دو کیسٹ	۳۲-۳۳	۵۵/-
۱۶	درس سورۃ الحج (آخری رکوع) ۹۰ سی دو کیسٹ	۳۴-۳۵	۶۰/-
۱۷	درس سورۃ بقرہ (دوسرا-تیسرا رکوع) ۶۰-سی چار کیسٹ	۳۶-۳۹	۱۰۰/-
۱۸	شہادت حسینؓ کا اصل پس منظر (۶۰-سی دو کیسٹ)	۴۰-۴۱	۵۰/-
۱۹	سورۃ الشوریٰ مکمل مصری قرآت (۹۰-سی سات کیسٹ)	۴۲-۴۸	۲۱۰/-
۲۰	سورۃ الحجرات (مکمل) (۹۰-سی تین کیسٹ)	۴۹-۵۱	۹۰/-
۲۱	درس قرآن سورۃ صف والجمعہ (۹۰-سی دو کیسٹ)	۵۲-۵۳	۶۰/-
۲۲	سیرت نبویؐ کا عملی پہلو (۹۰-سی دو کیسٹ)	۵۴-۵۵	۶۰/-
۲۳	سورۃ مریم (مکمل) (۹۰-سی پانچ کیسٹ)	۵۶-۶۰	۱۵۰/-
۲۴	سورۃ المنافقون (۹۰-سی دو کیسٹ)	۶۱-۶۲	۶۰/-
۲۵	خطاب بموقع تقریب نکاح مسنونہ (۶۰-سی)	۶۳	۲۵/-
۲۶	قرآن کا فلسفۂ شہادت (۹۰-سی)	۶۴	۳۰/-
۲۷	خطاب جمعہ (تاریخ اُمت مسلمہ (۶۰-سی)	۶۵	۲۵/-

نوٹ: قرآن حکیم کا منتخب نصاب زیر ریکارڈنگ ہے • تمام کیسٹ جاپان سے درآمد شدہ استعمال کئے گئے ہیں • کاروباری حضرات مزید تفصیلات کے لئے رجوع فرمائیں • خرچہ ڈاک (رجسٹرڈ پارسل) بذمہ خریدار ہوگا • بذریعہ ڈاک طلب فرمانے والے حضرات آرڈر کے ساتھ کوڈ نمبر کا حوالہ ضرور دیں نیز رقم پیشگی ارسال فرمائیں • بذریعہ وی-پی طلب فرمانے والے حضرات نصف رقم پیشگی ارسال فرمائیں

نشر القرآن، کیسٹ سیریز لاہور ۱۴

تنظیم اسلامی ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون ۸۵۲۶۱۱
۸۵۲۶۸۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد

از قلم :۔ علامہ منظور احسن عباسی (لاہور)

(مندرجہ بالا عنوان سے یہ مقالہ محاضرات قرآنی، منعقدہ ۲۳ تا ۳۱ مارچ ۸۵ء کی افتتاحی نشست میں علامہ موصوف نے پیش فرمایا تھا)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ۔ اما بعد ۔

بحمداللہ کہ مملکت خداداد پاکستان کی سرزمین حاصل خیز ہے ۔ اس خطۂ ارض میں بہتا ہوا سونا بھی ہے اور منجمد جواہرات کا خزانہ بھی ۔ ماہرین ارضیات کا کہنا ہے کہ کسان کے دست و بازو اور اہل دانش کی فکری قوتوں سے کام لے کر پاکستان میں وہ کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے جو کرۂ ارض کے کسی بھی خطہ میں تصور کیا جائے ۔ اسی طرح مشاہدہ آپ کو بتائے گا کہ کچھ عرصہ پہلے آپ کے چابکدست مالی نے کہیں سے لا کر ایک شاخ جو لگائی تھی وہ آج گلاب کا ایک پودا ہے اور اس کی ٹہنیوں پر مسکراتی ہنستی کلیاں آپ کو مسرت کا پیغام دے رہی ہیں ۔ آپ اپنے مالی کی اس کارکردگی پر اُس کی تحسین و تعریف میں رطب اللسان ہیں اور اُس کا سر فخر سے بلند ہے ۔

لیکن ——— کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی شخص تصور کر سکتا ہے کہ کاشتکار کی وہ محنت اور باغبانی کی اُس بصیرت کے سوا کوئی اور بھی ہے جو آپ کے لئے زندگی کا رزق اور فراغت کا سامان مسرت فراہم کرنے میں لگا ہوا ہے ۔ حالانکہ وہ اس سے زیادہ واضح طور پر ہماری آنکھوں کے سامنے ہے ۔ اور انسان کی مخفی صلاحیتوں سے کہیں زیادہ شش جہت کائنات میں پھیلا ہوا ہے ۔

اب ذرا ایک خوشۂ گندم یا گلاب کے ایک پھول کو توڑ کر دیکھیئے اور بہ جانہ ساخت اُس کی غذائیت اور پھول کی نکہت و لطافت اور بوقلمونی رنگ پر نظر کیجئے کہ کیا اُس کی یہ صلاحیتیں بھی جو تنے بونے والوں کی صلاحیت کار کا نتیجہ ہیں؟

کیا یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ

أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ۝ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ۝ (واقعہ ۶۵)

یعنی تم دیکھ رہے ہو ناکہ جو کچھ تم نے (زمین میں) بویا اُس کے اُگانے والے تم ہو یا ہم اُگانے والے ہیں ؟

یقیناً انسان کی تمام کوششیں رائگاں ہیں اگر قدرت کے عطا فرمودہ اسباب نشو ونما ساز گار نہ ہوں ۔ اُس کا مہیا کرنے والا کون ہے ؟

وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِن طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ انظُرُوا إِلَىٰ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ ۔ (انعام ۱۰۰)

وہی ہے جس نے آسمان سے بارش نازل فرمائی (اُس کا کہنا ہے کہ) یہ ہم ہی ہیں جس کی بدولت ہر طرح کی کونپلیں پھوٹیں ۔ پھر اس سے ہری بھری شاخیں نکلیں جن میں ہم ہی گتھے ہوتے دانے لگاتے ہیں اور کھجور کے گابھے میں لٹکے ہوئے خوشے اور انگور و زیتوں کے باغات اور انار ملتے جلتے اور مختلف شکلوں کے ہیں ۔ تو ذرا تم ان لگے ہوئے بہت سے پھلوں اور ان کی پختگی کو تو دیکھو ۔

یہ تو وہ نمایاں اشیاء ہیں جنہیں ہر شخص ملاحظہ کرتا ہے ۔ اب ذرا کسی بھی پھول کو شاخ سے توڑ کر پھر گہری نظر سے دیکھئے ۔ ہر پنکھڑی میں حسن کی ایک کائنات بسی ہوئی نظر آئے گی ۔ میں نے تو اپنے لان میں لگے ہوتے بہت سے پھولوں کو دیکھا اور لطف نظارہ سے بہرہ یاب ہو کر چلا گیا ۔ لیکن جب کسی پھول کو بنظر امعان دیکھا تو اس کی لطافت ۔ رنگت اور نکہت سے مسحور ہو کر رہ گیا ۔ کارگاہ قدرت کی اس لامحدود صناعی کا ادنےٰ سے ادنےٰ نمونہ بھی دانش و بصیرت کی پوری

کائنات پیش نہیں کر سکتی ۔ قرآن حکیم اسی امعانِ نظر کی دعوت سے بھرا پڑا ہے ۔ کیونکہ یہ اللہ کی مخصوص صفات کا آئینہ دار ہے ۔

آسمان ۔ زمین چاند سورج اور ستاروں کی تخلیق ۔ اُن کا نظام عمل پہاڑ دریا سمندر ۔ حیوانات ، نباتات و معدنیات ۔ اُن کی افادیت ۔ اربعہ عناصر اُن کے خواص و آلاتِ کار اور اُن کی صلاحیتیں ۔ انسانی حواسِ خمسہ ظاہری و باطنی اجسام کے ابعاد و اخلاطِ ثلاثہ اور جملہ مرئیات و محسوسات اور ایسی تمام اشیاء بھی جو انسان کے حسّی وسائل معلومات کے دائرے سے باہر یا مادّی آنکھوں سے اوجھل ہیں ۔ مثلاً عرش ۔ کرسی ۔ میزان ۔ بہشت و دوزخ ۔ جنّت ۔ نہریں حُور و قصور ۔ نیز اشیاء مابعد الطبیعیات میں سے بیشتر کا ذکر اللہ تعالےٰ نے فرمایا اور انفس و آفاق کی ہر شئے پر قرآنِ حکیم نے غور و فکر کا حکم دیا ہے ۔ کیونکہ رب العالمین کی مخلوقات میں ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق میں بھی ربوبیتِ خالق کا وہ نظام جو جاری ہے ۔ از روئے قرآن حکیم تمام کائنات کی اجتماعی کوششوں سے بھی ممکن نہیں ہے کیا کوئی شخص خیال کر سکتا ہے کہ تمام جہان کے عظیم الشان کارخانے اور سر بفلک تجربہ گاہیں مکڑی کے سفید جال کی مثیلی بنا سکتی ہیں یا ایک دانۂ گندم یا آم کی گٹھلی میں لاکھوں ایکڑ اراضی کا غلّہ پیدا کرنے یا بے شمار آم کے باغات کی پیدا واری صلاحیت رکھی جا سکتی ہے ۔ پھر کیا ممکن ہے کہ دُنیا بھر کی عقل و فراست مچھر جیسے حقیر وجود یا شہد کی مکھی جیسے نازک جسم میں نوکِ سوزن سے زیادہ باریک نلکی کے ذریعے پوستینِ انسانی سے خُون چُوسنے یا پھول کی پتیوں سے جوہر چاشنی کھینچ لینے کی قوّت بخش سکتی ہے ۔ یا کوئی کارخانہ کسی جاندار کے جوف میں ایسا نظامِ ہضم و تحلیل قائم کر سکتا ہے کہ ایک ہی غذا سے بیک وقت خُون ، دُودھ اور فضلہ معرضِ وجود میں لایا جا سکے ایسی بے شمار باتیں ہیں کہ اگر ان سب کو ضبطِ تحریر میں لانے کی کوشش کی جائے تو اس کی روشنائی کے لئے بفحوائے قرآن حکیم لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ ۔ سمندروں کے پانی سے سیاہی کا کام لیا جائے ۔ تب بھی سمندر ختم ہو جائیں گے لیکن رب العالمین کی باتیں صفحۂ قرطاس پر نہیں لائی جا سکے گی ۔ قرآن حکیم کی تلاوت کے درمیان بڑی شدّت سے

قلب پر یہ تاثر ہوتا ہے کہ کتاب اللہ کا کوئی صفحہ بلکہ کوئی آیت ایسی نہیں جو اللہ کے وجود اور اُس کی قدرت کی دلیل اور الحمدللہ کی تفسیر نہ ہو۔

اللہ تعالےٰ کے اس کارگاہِ قدرت میں جو حکمت کارفرما ہے۔ اُس میں اہم ترین حکمت تسخیر ہے۔ کہ کوئی مخلوق حکم الٰہی کے بغیر اپنے وظائفِ فطریہ سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی رب العزت نے ہر شے کی تخلیق فرما کر اس کو ایک دستور العمل فطری بھی عطا فرمایا کہ اس راستے سے نہ ہٹے۔ یہی وجہ ہے کہ مثلاً ایک اونٹ اور مچھر دونوں میں نشوونما کی صلاحیت ہے۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ ایک مچھر بڑھتے بڑھتے اونٹ بن جائے۔ اسی طرح آگ میں جلانے پانی میں بہنے۔ ہوا میں جنبش اور خاک میں پا بر جائی بھی حکمِ الٰہی کے ماتحت ہے۔ اسی کو اللہ تعالےٰ نے تسخیر سے تعبیر فرمایا ہے۔ تسخیر کا وہ مطلب نہیں ہے جو عہدِ حاضر کے اصحابِ علم بیان کرتے ہیں کہ انسان کو تسخیرِ کائنات کا حکم ہے حقیقت یہ ہے کہ روٹی پکانے والی ماما سے لے کر جوہری توانائی کی عظیم الشان تجربہ گاہوں تک میں جو لوگ کام کر رہے ہیں وہ سب تسخیرِ کائنات میں فطری طور پر مصروف ہیں کیا ہم یہ نہیں دیکھتے کہ اگر مثلاً آگ میں ہدایت رب العالمین کے بموجب جلانے کی فطری خاصیت نہ ہوتی اور وہ اپنی مرضی سے ہوا کی طرح اُڑنے یا پانی کے طرح بہنے لگتی۔ یا جوہری توانائی متفاعت ہونے پر مجبور نہ ہوتی تو آخر یہ روٹی کیسے پک سکتی۔ اور یہ جہان تسخیری کیونکر ممکن تھی۔ چنانچہ آیتِ قرآن حکیم وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کا یہی مطلب ہے۔ کہ آسمان و زمین کی تمام اشیاء میں ہم نے جو فطری صلاحیتوں کی پابندی رکھی ہے۔ وہ اس لئے ہے کہ تم اس سے مستفیض ہو سکو۔ ظاہر ہے کہ انسان اس سے کام تو لے سکتا ہے لیکن یہ مقصدِ حیات نہیں ہے۔ سورہ ابراہیم کے رکوع ۵ میں اللہ تعالےٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور نزول بارانِ رحمت اور پیداوار کو انسان کے حصول رزق کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ نیز کشتی کی روانی اور نہروں کے بہاؤ میں قدرت الٰہی کی کارفرمائی یا تسخیر کا بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم نے سورج اور چاند کو ایک مقررہ دستور کے مطابق چلایا اور رات دن جو ہم نے بنائے وہ سب تمہارے لئے ہے۔ یعنی ان تمام اشیاء کی تسخیر جو ہم نے کر رکھی ہے

وہ تمہارے حصولِ مقاصد کے لئے ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرۃ ۲۲)	یعنی اللہ وہ ہے جس نے زمین کو تمہارا فرش اور آسمان کو چھت بنایا۔ یعنی زمین پر رہتے ہو اور آسمان کے نیچے بسیرا کرتے ہو اور اسی نے آسمان سے پانی اتارا اور زمین سے تمہارے لئے رزق اگایا۔ تو اِن باتوں کو جانتے ہوئے اللہ کا کسی کو شریک نہ بناؤ۔

مقصد یہ ہے کہ بقولِ اقبال

جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

اور یہی ایقان وایمان راہنما ہے سورۃ فاتحہ کے ابتدائی الفاظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

کا یعنی تمام نعمائے الٰہیہ کی تحمید وتحسین کا مستحق اللہ ہے۔ اور چونکہ ان نعمتوں کا کوئی شمار نہیں، اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم ع ۵) کہ اگر چاہو کہ سب کو دائرہ بیان میں لاسکو تو ممکن نہ ہوگا لہٰذا ان کا احصا بھی محال ہے سعدی نے کتاب گلستان کا آغاز حمدِ الٰہی سے کیا ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ "سانس اندر گیا تو زندگی آئی اور باہر نکلا تو فرحت بخش ہوا۔ پس ہر سانس میں دو نعمتیں ہیں۔ اور ہر نعمت مستوجبِ شکر ہے"۔ لہٰذا سے

از دست وزبان کہ بر آید ؟
کز عہدۂ شکرش بدر آید

اب چونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ اِن سب کی حمد اور ان کا شکر محال ہے۔ اور اللہ امرِ محال کا حکم نہیں دیتا۔ اس لئے قرآن حکیم نے انسان کے ہر قول و فعل کے لئے ایک دستور العمل۔ دائرہ کار یا نظامِ حیات مقرر فرمایا یہی اُسکی نعمتوں کا شکر ہے اور اِس دائرے سے باہر نہ نکلنے ہی کو عبادت قرار دیا ہے جبر

کی بنا "عمل" ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ہ (پ ۲۷ ع ۲) — یعنی ہم نے (مخلوق غیر مرئی یعنی) جن اور (مخلوق مرئی یعنی) انسان کو عبادت کے سوا اور کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا۔

پس عبادت نام ہے ہر عملِ حیات میں اللہ کے مقرر فرمودہ دائرہ عمل کے اندر رہنے اور حدود اللہ سے تجاوز نہ کرنے کا۔ اور یہی ایمان و عملِ صالح کی بنیاد ہے۔ قرآن حکیم نے اسی کو فلاحِ دین و دُنیا کی بنیاد قرار دیا ہے۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ — یعنی بلاشبہ انسانی زندگی میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔ تاآنکہ ایمان لائے اور عمل صالح پر عمل پیرا ہو۔

اور اس کا شاہد "العصر" ہے یعنی زمانہ یا عرصۂ حیات

مثالِ عمر سر بر کردہ شمع ست — کہ کوتہ بازمی باشد و مادم
و یا برف گہ ازاں بر سرِ کوہ — کند ہر لحظہ جزوے مے شود کم

یعنی وہ شخص جو اپنے دورانِ حیات میں ایمان و عملِ صالح کو نظر انداز کر دیتا ہے ایسے اشخاص کو قرآن نے خود اپنا دشمن قرار دیا ہے۔ ایسے ہی اشخاص ہیں جن کی بابت قرآن حکیم نے فرمایا ہے کہ اُن کے چشم و گوش تو ہیں لیکن نہ دیکھتے ہیں نہ سُنتے ہیں۔ لَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا (اعراف)

نہ چشم بینا نہ گوشِ شنوا

یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ انسان کائنات کے ذرّے ذرّے میں رب العالمین کی کار فرمائی دیکھے لیکن اللہ تعالےٰ کے سوا دوسروں کو کارساز جانے۔ اور یہ کیسی ناشکر گزاری ہے کہ انسان اللہ کی عطا فرمودہ ہر نعمت سے بہرہ ور ہو اور اس کا شکر نہ بجالائے۔ ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکار اند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری (سعدی)

یعنی اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا اعتراف ہی اُس کی طاعت و فرمانبرداری ہے۔ اُس کا ارشاد ہے۔

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ — یعنی نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور سجدہ کرو تو اللہ کو جس نے انہیں پیدا کیا۔

حضرت ابراہیمؑ کی پیغمبرانہ بصیرت ہی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے ان کو دیکھا اور لا احب الافلین اور انی وجہت وجہی للذی فطر السمٰوٰت و الارض کا عزم کیا کہ میں ان فنا پذیر اشیاء میں سے کسی کو پسند نہیں کروں گا۔ میں تو ان کے پیدا کرنے والے کی طرف رُخ کروں گا۔ اور یہ تو ہر عقل رکھنے والا انسان سمجھ سکتا ہے کہ خالق کو چھوڑ کر مخلوق کے آگے یا ایسی اشیاء کے آگے جنہیں اللہ نے انسانی خدمت کے لئے پیدا کیا ہے خود اپنے غلام کے آگے سجدہ ریز ہو جانا کیسی غلطی اور کتنی ذلت آمیز حرکت ہے۔ اس کے برعکس وہ راستہ کتنا صحیح۔ ہموار اور منزل مقصود سے قریب تر ہے جو خود اللہ نے اپنے بندوں کے لئے متعین فرمایا۔ اس کا نام "حمد" ہے اور اس کا لازمی نتیجہ توحیدِ الٰہی یعنی اللہ کے سوا کسی کو بھی حقیقی معنوں میں قابل حمد وستائیش اور کارساز تصوّر نہ کرنا ہے تاکہ عزّت نفس کو محفوظ رکھا جاسکے۔

ترجمانِ حقیقت اقبال کے تمام پیغام کا نچوڑ خودی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے کسی قول وفعل سے شرفِ انسانیت کو مجرُوح نہ کرے اور اللہ کے تصوّر سے غافل نہ ہو۔ اُس کے نزدیک درسِ خودی کے معنے درسِ توحید کے ہیں اس کے علاوہ اس کا مطلب اگر محض دنیوی فلاح وبہبود۔ مادّی ترقیات۔ صلاحیّت کار۔ ایجاد و اختراع یا حکومت واقتدار لیا جائے تو اُس مردِ مؤمن پر بہت بڑا ظلم ہوگا۔ جس نے نہایت وضاحت سے بتا دیا ہے کہ ؎

خودی کا سرِ نہاں لا الٰہ الا اللہ

خودی ہے تیغ فساں لا الٰہ الا اللّٰہ

قرآن حکیم میں مَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ کے معنی بھی یہی ہیں کہ انسان طاغوت (گمراہ کرنے والی ہر شے) کا کافر ہو اور اللہ کا مومن ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک خدا پرست طبقہ جسے ' صوفی ' کہا جاتا ہے۔ جب کبھی کسی خوشنما منظر، حسین شکل۔ خوشنما پھول اور خداداد ذہن و فراستِ انسانی کی صنعت کاری یا مال وجاہ و اولاد و فراغت وصحت و قوت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو بے اختیار اُن کی زبان پر سبحان اللہ اور ماشاء اللہ کا لفظ جاری ہو جاتا ہے یعنی یہ سب کچھ اللہ کی پاک ذات کی بدولت ہے۔ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر قل الحمد للّٰہ کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ یعنی یہ کہو کہ ہر گونہ ستائشوں کا سزاوار اللہ کی ذات ہے، اور اسی لئے قرآن حکیم کی سب سے پہلی آیت الحمد للّٰہ میں بصورت خبر جو مستلزم امر ہے حمدِ باری تعالےٰ کا حکم ہے۔ ساتھ ہی اس کی توثیق الفاظ " ربّ العٰلمین " سے ہوتی ہے کہ جب تمام جہاں کا پروردگار اللہ اور تمام خوبیوں کا مرکز بھی وہی ہے۔ جس سے مشرکین عرب بھی انکار نہیں کر سکتے تھے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ	یعنی اگر آپ ان مشرکین سے پوچھیں
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ	کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا
اللّٰہُ، قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ۔	کیا تو یقیناً وہ کہیں گے کہ اللہ نے۔

تو ان سے کہہ دیجئے کہ تمام ستائش بھی اللہ کے لئے ہیں۔

چنانچہ خود آسمان و زمین کے باب میں ارشاد ہے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ	یعنی اللہ کی پاکیزگی سب بیان کرتے
وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ وَاِنْ	ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور
مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ	جو بھی ان میں ہیں۔ اور کوئی شے
وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ	ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد کے
(پ ع ۵)	ساتھ اُس کی پاکیزگی نہ بیان کرتی

ہو۔ لیکن اُن کی تسبیح حمد و ثنا کو تم نہیں پہچانتے۔

اس سے عیاں ہے کہ ربّ العالمین کی جملہ مخلوقات کی حمد و ثنا کے طریقے مختلف ہیں

جس کا سمجھنا انسان کی فہم سے بالاتر ہے - پھر وہ کونسا طریق حمد و ثنا ہے جو انسان کیلئے متعین ہے - اللہ تعالیٰ نے بعثتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مدعا کو قریب الفہم اور ممکن العمل بنا دیا -

حمد کی دو صورتیں ہیں - ایک کا تعلق قول سے ہے اور دوسری صورت کا فعل سے ہے یسعدی نے اُس کے لئے دست و زبان کی اصطلاح استعمال کی ہے -
اہل علم و خبر نے اُس کے ضابطۂ کار یا دستورالعمل کو عبادات - معاملات اور تعزیرات کے تین ابواب میں تقسیم فرمایا - اور ہر عمل کو دستورحیات قرار دیا ہے - قرآن حکیم کی سُورۃ الناس میں انسان کے جملہ معاشی - سیاسی اور اخلاقی مسائل کا حل صرف ایک بتایا ہے کہ اللہ کی پناہ میں آجاؤ - یعنی وہی مقام اختیار کرو جو اللہ نے انسانیت کی بقا کے لئے متعین فرمایا ہے - قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی بنیادی ضرورت یعنی روٹی کپڑے کے مسائل کو ربّ النّاس (پروردگار) کے بتاتے ہوتے طریقے سے حل کرے - کیونکہ سامانِ پرورش کے لئے پروردگار کے سوا اور کون ہے جس کا سہارا لیا جائے سیاسی مسئلے کا حل اس میں ہے کہ وہ مَلِكِ النَّاس (مالک برحق) کے سوا اور کسی کو اقتدارِ اعلیٰ کا مستحق نہ جانے - کیونکہ طوائف الملوکی دُنیائے سیاست کا بدترین جرم ہے - پس لازم ہے کہ صرف اُس کو مقتدرِ اعلیٰ یا فرماں روائے مطلق تصور کرے - یعنی کسی ایسے قانون کو تسلیم نہ کرے جس میں استحصال بے جا - ربا - جبر و استبداد - ظلم و ستم - بدکاری مے خواری - قمار بازی - ذخیرہ اندوزی - بے ایمانی - عصمت دری - کشت وخون وغیرہ انسانی اور اخلاقی جرائم کی ترغیب ہوتی ہو - اس طرح اخلاقی مسائل کا حل اِلٰہِ النَّاس (معبود مطلق) کی پناہ حاصل کر لینے میں مضمر ہے - کہ انسان اللہ کے سوا کسی کو نہ معبود تصور کرے اور نہ کارساز جانے - یعنی کبھی یہ خیال نہ کرے کہ خدا کو چھوڑ کر قبروں کے آگے سجدہ گزار ہونے میں مقصد براری ہے یا چاند - سُورج - ستاروں آگ - درخت - بندر یا کسی انسان کی پرستش میں نجات ہے - ان تمام امور کے عملی اور ذہنی مظاہرہ کا نام اسلام ہے - اور یہی وہ حمد و ثنا ہے جو مجموعۂ قوانین الٰہی کے پہلے لفظ الحمدللہ

کا مفہوم ہے۔

احمد صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی مکمل نظامِ حیات ہے جس کو انسانی زندگی کیلئے معراج قرار دیا جاسکتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۔	یعنی تم لوگوں (یا ابنائے نوع انسانی) کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق زندگی ایک نمونہ ہے بشرطیکہ تم یوم آخر کی بہبود چاہتے ہو پس لازم ہے کہ اللہ کی یاد میں کثرت کے ساتھ لگے رہو۔

اور یہی تصوّر الحمدللہ کی تکمیل ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ہر گوشہ حمدِ الٰہی سے پُر ہے۔ سونا۔ جاگنا۔ ہنسنا۔ بولنا۔ کھانا۔ پینا۔ چلنا پھرنا۔ نماز۔ روزہ۔ بات چیت۔ کاروبار۔ نشست و برخاست۔ جہاد۔ حکومت و فرماں روائی۔ عبادت و شب بیداری۔ خلق و احسان۔ مروّت و سخاوت شجاعت و ہمت۔ پند و نصیحت۔ معرفت و حکمت۔ تعلیم و تربیت۔ لباس و خوراک۔ قید و بند۔ اختیار و اقتدار۔ محنت و ریاضت، امانت و صداقت۔ مشکلات فقر و احتیاج۔ صبر و قناعت۔ تدبر و سیاست۔ رشد و ہدایت۔ رأفۃ و مرحمت۔ طہارت و نظافت۔ عدل و انصاف اور بالآخر رحمت و شفاعت۔ غرضیکہ امورِ حیات و مابعدالحیات میں سے کوئی امر ایسا نہیں جس کی بجا آوری میں توحید و تجید و تحمید و تسبیح باری تعالیٰ کو نظر انداز کیا گیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے پانچ سو سال پہلے بعثتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی تو فرمایا:-

يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (صف)	میرے بعد جو پیغمبر آنے والے ہیں اُن کا نام احمد ہوگا۔ یعنی سب سے زیادہ حمد کرنے والے۔

گویا الحمدللہ جو تمام احکاماتِ قرآنی کی بنا دیا رُوح ہے اُس پر سب سے زیادہ عمل پیرا ہونے والی ہستی ذاتِ بابرکات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوگی۔ چنانچہ ولادت باسعادت کے بعد بہ الہام الٰہی اُن کا نام ہی "احمد" رکھا گیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حیاتِ انسانی کے ہر شعبہ میں خواہ اُس کا تعلق تہذیب نفس سے ہو یا تدبیر منزل سے یا سیاستِ مُدن سے کہ علمائے اخلاق کے نزدیک انسانیت یا مدنیت کے یہی تین ابواب ہیں۔ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جس کا دُوسرا نام قرآن حکیم ہے سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا فرمانا ہے کہ سِیْرَتُہٗ الْقُرْاٰن۔ یعنی قرآن میں جو کچھ بھی ہے بس وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَ مَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (حشر رکوع ۱)	یعنی رسُولؐ نے جس بات کا حکم دیا اس کو اختیار کرو اور جس بات سے منع فرمایا اُس سے باز رہو۔

اس کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی کہتے ہیں جو اللہ فرماتا ہے:

وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (النجم ۳)	یعنی وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے وہی کہتے ہیں جو بذریعہ وحی انہیں بتایا جاتا ہے۔

انسانی معاشرے میں اس کی مثال حکومت یا سربراہِ مملکت کے اُن گماشتوں کی سی ہے جو قانون یا حاکم کے حکم کی تعمیل کرانے پر مامور ہوں۔ ایک ادنیٰ درجہ کا چپڑاسی بھی جب سمن کی تعمیل کرانے کے لئے کسی کے پاس آتا ہے تو خواہ وہ شخص کتنا ہی ذی وقار ہو اُس کی تعمیل سے انکار کرنے پر مجرم اور مستوجب سزا قرار پاتا ہے۔ بس احکم الحاکمین کے اُس پیغام سے جو انبیاء کی معرفت تعمیل ارشاد کے لئے بھیجا جاتا ہے سرتابی کرنے والا کتنا بڑا مجرم ہوگا اُدھر پیغمبر کو حکم ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ	اے رسُولؐ تم پر تمہارے پروردگار

أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (مائدہ ع ۱۰)

کی طرف سے جو وحی نازل ہوئی وہ سب کو بتا دو۔ ایسا نہ کیا تو گویا خدا کی رسالت کا فرض ادا نہ کیا۔

پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم اور اُن کی امت دونوں کے لئے قولاً فعلاً فرضِ الہٰی کی بجا آوری ہی حقیقی معنوں میں اللہ کی پاکیزگی اور برتری کا اظہار ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول وفعل ارشاداتِ الٰہی کے مطابق ہے تو یہی اللہ تعالےٰ کی حمد وثنا ہے اور وہ مقدس ہستی جس کے ہر قول وفعل سے حمدِ الہٰی کا مظاہرہ ہوتا ہو تو اس سے بڑھ کر حمد کرنے والا (احمد) کون ہو سکتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے یہی حکم دیا ہے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى الَّذِي خَلَقَ فَسَوّٰى (سورہ الاعلیٰ پ۳۰)

یعنی اے پیغمبر اللہ تعالےٰ کی پاکیزگی بیان کر وجس نے تمہیں پیدا کیا اور خوب بنایا۔

ادائے شکر کا یہی حکم سورۃ کوثر میں ہے۔

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ (پارہ ۳۰)

یعنی اے پیغمبر ہم نے تم کو بہت کچھ عطا کیا تو اپنے پروردگار کی نماز پڑھو اور قربانی دو۔

نیز

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ

یعنی اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرو اور اس سے مغفرت مانگو۔

تسبیح کے معنی نماز کے بھی ہیں اور قربانی کے بھی چنانچہ نماز بھی حمد ہے اور قربانی بھی۔ خدائے پاک کی پاکیزگی (حمد) کے اظہار کا طریقہ اُس کی طاعت وعبادت کے سوا نہیں اور دل میں اُس کے مستوجب طاعت واطاعت ہونے کا یقین ہو تو وہی ایمان ہے۔

فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ۝ (روم ع ۲)

یعنی لازم ہے کہ تم صبح و مسا اللہ کی پاکی (یعنی اس کے معبود ہونے کا ذکر کرتے رہو تمام آسمانوں اور زمینوں میں اُسی کی ذات مستوجب حمد ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ہر لمحہ خواب ہو یا بیداری۔ حمد باری تعالیٰ میں بسر ہوا۔ لہٰذا حقیقی معنوں میں وہی اَحْمَدُ یعنی سب سے زیادہ حمد الٰہی بجا لانے والے ہیں۔

محمّد صلی اللہ علیہ وسلم

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی حمد سب سے زیادہ بجالانے والا ہی سب سے زیادہ مستوجب ستائش بھی ہے یہی وجہ ہے کہ سب سے بڑے آقا کے سب سے بڑے غلام کا نام "محمّد" صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اللہ کے نزدیک محبوب ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر امرِ مستحسن کی جزا اُس عمل سے چندر چند زیادہ ہے۔ قرآن حکیم میں بھی۔ ع

احمدؐ ہے ایک بار محمّدؐ ہے چار بار

کہا جاتا ہے کہ سعدی کی یہ رباعی

بلغ العلےٰ بکمالہٖ کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ صلّوا علیہ وآلہٖ

جو قولاً مدح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہے۔ اُن کے لئے بشارت نجات کا موجب بن گئی۔ اور عجب نہیں کہ غالب کا یہ شعر بھی اُن کی آمرزش کا سبب ہو جائے۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمّد است

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی "احمدیت" کا سب سے بڑا صلہ جو عطا فرمایا وہ ان کی صفت رحمۃ للعالمینی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً یعنی اے پیغمبر بالیقین ہم نے آپکو

لِلْعَالَمِیْنَ ۔ — سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا۔

(انبیا ع - ۷)

اور ان کی صفات و کردار میں جہاں اُن کے رکوع و سجود اور فضل و رضائے الٰہی کی لگن کا ذکر فرمایا ہے اُن کی اور ان کے رفقائے کار کی یہ خصوصیت بتائی ہے۔ کہ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ	محمدؐ اور وہ اصحاب جو ان کے
وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ	ساتھ ہیں۔ خدا کے نافرمانوں
اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ	کے حق میں نہایت سخت ہیں
رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ	اور باہم ایک دوسرے پر مہربان
(۲۶/۱۲)	ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صفت خاص کے ساتھ ہی یہ بھی سوچنا ہوگا کہ وہ شخص کتنا بدبخت ہوگا جو اس ارشاد کے علی الرغم کافروں کا دوست اور مسلمانوں کا دشمن ہو جائے پھر اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو اپنے بندوں پر احسان سے تعبیر فرمایا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ	یعنی یقیناً اللہ کا مسلمانوں پر
اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ	بڑا کرم ہے کہ اُس نے نوع
اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ	انسانی ہی میں سے ایک پیغمبر
اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ	بھیجا جو اللہ تعالےٰ کی نشانیاں
الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ۔	پڑھ کر انہیں سناتا ہے اور
(آل عمران ع ۱۷)	انہیں برائیوں سے پاک بناتا

اور قرآن حکیم کی تعلیم دیتا اور اس پر عمل کا طریقہ بتاتا ہے۔

نیز اُس نے حکم دیا کہ

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ	اے پیغمبر آپ اعلان کر دیجئے
فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَ	کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے
یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ	ہو۔ تو میری راہ پر چلو (اس

کا نتیجہ یہ نہ ہوگا کہ یہ اللہ سے تمہاری محبت کا ثبوت ہوگا بلکہ) خود اللہ

تم پر مہربان ہوگا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔ (آل عمران)
غرض اللہ تعالیٰ کی حمد ہی نے ذاتِ اقدس کو احمدیت سے محمدیت کے مقام پر پہنچایا اور آج یہ عالم ہے کہ تمام کائنات مجبور ہے کہ انہیں شرفِ انسانیت کے اُس معراج پر تسلیم کرے جہاں انس و جن کا کوئی فرد نہیں پہنچ سکا ہے

بسکہ ہیں وہ محمد و احمدؐ — حمد کے پیکرِ مجسم ہیں

ضد۔ ہٹ یا بدبختی کا کوئی علاج نہیں لیکن حقیقتِ نفس الامری یہ ہے کہ چار دانگِ عالم میں نہ تو اسلام کے سوا کوئی دین ہے نہ پیغمبر اسلام کے سوا کسی کی پیغمبری ہے۔ نہ قرآن کے سوا کوئی قانون ہے اور نہ اللہ کے سوا کوئی معبود۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

ہاں اگر کوئی شخص لادینی کو دین۔ متبنّی کو نبی۔ احادیثِ نفس کو کتاب اللہ اور گاؤخر یا شجر و حجر کو معبود بنالے تو اسے اختیار ہے۔ لیکن یہ بہرحال خالقِ کائنات سے دشمنی ہے دوستی نہیں اُس کی توہین ہے حمد و ثنا نہیں ہے۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ

یعنی اللہ کے نزدیک دین (یا مذہب) صرف اسلام ہے۔ اور وہ اس لئے آیا ہے۔ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

کہ وہ تمام ادیان پر چھا جائے۔ چنانچہ اللہ کی ذات و صفات کا چرچا (یا حمد الٰہی) صرف دین اسلام کا خاصہ ہے۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعے کائنات میں پھیلتا جا رہا ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچانے کا وعدہ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:۔ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا یعنی جلد ہی آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود پر پہنچا دے گا (۱۵/۹) روزِ قیامت میں بھی حضور کی قیام گاہ مقام محمود ہوگی اور جو جھنڈا سید البشرؐ کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس کا نام لِوَاءُ الْحَمْدِ ہوگا اور ہر وہ شخص جو اس کے سائے میں ہوگا۔ وہی نجات کا مستحق قرار پائے گا۔ اللہ تعالےٰ نے اللہ کے نجات یافتہ بندوں کی صفات میں انکی صفت حَامِدُوْن، بھی بیان فرمائی ہے یعنی اللہ کی حمد کرنیوالے

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

اسلام

اور

حقوق اطفال

ازقلم :- غازی عزیر (علی گڑھ) حال مقیم سعودی عرب

چھٹی قسط

بچوں کو تعلیمی سہولت بہم پہنچانا :-

بچوں کو ذہنی و شعوری تعلیم دینا بھی اُن کے سیاسی

ایک ضروری گذارش

پچھلے چند ماہ سے ہمیں کچھ حضرات کی طرف سے 'میثاق' کے نہ ملنے کی شکایات موصول ہوئی تھیں - اس میں جہاں محکمۂ ڈاک کی بدنظمی کو دخل تھا وہاں کچھ کوتاہی ہمارے دفتر کی طرف سے بھی تھی -

ہم نے دفتر کے انتظامات کے سلسلہ میں ضروری تبدیلیاں کی ہیں اور ہمیں اُمید ہے کہ ان شاءاللہ آئندہ ہمارے کسی کرم فرما کو شکایت کا موقعہ نہیں ملے گا۔

ہم نے خریداروں کے رجسٹر بھی نئے سرے سے ترتیب دیئے ہیں - اگر اب بھی کسی کو پرچہ موصول نہ ہو تو ہمیں فوری طور پر مطلع کیا جائے تاکہ ہم تنتے رجسٹر کے اندراجات کو چیک کرسکیں -

ایک مزید گذارش یہ ہے کہ اس ماہ سے ہم نے خریداری نمبر بھی تبدیل کر دیئے ہیں - آپ کا خریداری نمبر لفافہ کے اوپر درج ہے - براہ کرم آپ اسے نوٹ فرمالیں اور آئندہ خط وکتابت کرتے وقت اس کا حوالہ دینا نہ بھولئے - ناظم ادارہ

حقوق اور واجبات تربیت میں شامل ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے مشرک اسیر کو دس مسلمان بچوں کی تعلیم (قرأت وکتابت سکھانے) کے بدل آزاد فرمایا" (امتاع الاسماع للمقریزی) تعلیم کی فرضیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے ارشادات منقول ہیں مثلاً آپ نے فرمایا:
طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (رواہ مسلم) یعنی علم کا حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے"

یہ فریضہ صرف مسلمان مردوں پر ہی نہیں بلکہ مسلمان عورتوں پر بھی یکساں عائد ہوتا ہے۔ اس امر کی تصدیق اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ :-
طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ (حدیث) یعنی علم کا طلب

ل لڑکوں کی طرح لڑکیوں کو تعلیم دلانا اور ان کی ذہنی وشعوری صلاحیتوں کو اجاگر کرنا والدین کا فرض ہے۔ جو لوگ تعلیم نسواں کی مخالفت کرتے ہیں وہ محض ایک غلط نظریہ اور جاہلانہ تعصب کی بنا رہی ایسا کرتے ہیں۔ ہاں مخلوط تعلیمی درسگاہوں یا جہاں شرعی احکام کی پابندی نہ کی جاتی ہو یا ایسی درسگاہیں جہاں سے معاشرہ میں بُرائی پھیلنے کا خدشہ ہو اور ایسی تربیت گاہیں جہاں علم فضول کی ہی تعلیم دیجاتی ہو، ایسی جگہوں پر مسلمان لڑکیوں کو بھیجنا قطعًا ناجائز اور معاشرہ انسانی کے لئے ایک زبردست خطرہ ہے۔ اگر ہم قدیم تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں تعلیم نسواں کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں مثال کے طور پر البلاذری نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے سیدہ شفاء العدویہ (جو سیدات بنی عدی میں سے تھیں، اور دورِ جاہلیت میں لڑکیوں کو لکھاتی پڑھاتی تھیں) کو حاصل کیا جن سے سیدہ حفصہ اُم المؤمنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے قبل لکھنا اور پڑھنا سیکھا۔ جب اُن کی شادی رسول اللہؐ سے ہو گئی تو آپ نے سیدہ شفاء العدویہ کو اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی تعلیم کے لئے طلب فرمایا۔ پس انہوں نے حضرت حفصہؓ کو تحسین الخط کی ویسی ہی تعلیم دی جیسی کہ انہوں نے خود حاصل کی تھی۔ (فتوح البلدان) اور واقدی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ اور اُم سلمہؓ نے پڑھنا اور سیکھا تھا۔ سیدہ نفیسہ بنت الحسن الانور بن زید الابلج بن الحسن

کرنا بلاشبہ ہر مسلم مرد اور مسلم عورت پر فرض ہے۔" امام ابن حزم نے مسلمان حاکم کے اوپر لازم کیا ہے کہ وہ اہل علم حضرات کو جمع کر کے مسلمان بچوں کی تعلیم کا انتظام و اہتمام کرے۔" (الاحکام فی اصول الأحکام لامام ابن حزم و مقالہ "تقریر حقوق الإنسان بین الشریعۃ الاسلامیۃ و الفکر و القانون العربی" کلیۃ العلوم الاجتماعیۃ التابعۃ لجامعۃ الامام محمد بن سعود الإسلامیہ بالریاض ۔ العدد ۲ ۱۳۹۸ھ)

بعض اور احادیث میں علم حاصل کرنے کی تاکید و فضیلت اس طرح بیان ہوئی ہے ۔

من خرج فی طلب العلم فهو فی سبیل الله حتی یرجع[1] (جامع الترمذی باب فضل العلم ورواہ ابن عبدالبر) یعنی جو شخص علم حاصل کرنے کی غرض سے اپنا گھر چھوڑتا ہے تو وہ خدا کی راہ میں ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ واپس گھر پہنچے۔" ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حکم فرمایا: اطلبوا العلم ولو بالصین فان طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (جامع بیان العلم و فضلہ للمحدث ابن عبد البر النمری ج ۱ ص ۹) یعنی علم حاصل کرو خواہ وہ چین میں ہو کیونکہ بلاشبہ علم کا حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فریضہ ہے۔" اور آپ نے فرمایا، من سلك طریقًا یطلب فیه علمًا سهل الله له طریق إلی الجنة (رواہ الترمذی[2] و مفتاح دار السعادۃ لابن القیم) إن مثل العلماء فی الارض کمثل نجوم السماء یهتدی بها فی ظلمات البر و البحر فإذا الظمست

(بقیہ حاشیہ صفحہ) ابن علی بن ابی طالب، جن کی مصر میں مجلس عام تھی، حضرت امام شافعیؒ خود وہاں پر حاضر ہوئے اور اُن سے احادیث سنیں۔ انہوں نے اسلامی تعلیم و ثقافت کو اپنے جوار میں خوب پھیلایا اور اُن میں اکثر سے آگے نکل گئیں۔ ایک روایت المقری سے ہے کہ ابن المطرف اللغوی جاریہ نے نحو اور لغت کا علم اپنے دلی سے حاصل کیا اور ان میں ملکہ و فوقیت حاصل کی۔ اسی طرح عروض میں بھی آپ نے اپنی مہارت کے باعث "العروضیۃ" کا خطاب پایا۔" (نفح الطیب) ابن خلکان نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور جاریہ کی کتابت کی شہادت اِس طرح دی ہے کہ: درحقیقت اُن کے علم و ادب اور خط جمیل میں کوئی غبار یا شک موجود نہیں۔"

[1] اس روایت کے متعلق امام ترمذیؒ فرماتے کہ حسن غریب ہے۔ [2] قال الترمذی هذا حدیث حسن۔

النجوم يوشك أن تضل الهداة - (رواة الخطيب فی الفقیه و المتفقه ج ۲ ص ۵۵ و ترغیب و الترهیب لحافظ المنذری) ولفضل العالم على العابد كفضل القمر ليلة البدر على سائر الكواكب (جامع بيان العلم وفضله لحافظ ابوعمر بن عبد البر ج ۱ ص ۳۹) يشفع يوم القيامة الانبياء ثم العلماء ثم الشهداء - (جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر ورواه ابن ماجه بسند مختلف)
اسی طرح بعض اکابرینِ اسلام کے چند مشہور اقوال یہ ہیں :- اطلب العلم من المهد الى اللحد، من عظم العلماء فقد عظمنی اور یوزن یوم القيامة مداد العلماء - وغیرہ - اور - امام بیہقی نے علم حاصل کرنے فریضہ کو شعب الایمان میں شمار کیا ہے -
ماہر تعلیم و ماہر نفسیات کی تحقیق کے مطابق بچہ کی ابتدائی تعلیم کی مناسب عمر چھ سال ہے - اس سے کم عمر، بچہ کی ذہنی و جسمانی نشو و نما کے لئے مخصوص ہے لہٰذا اس عمر سے قبل اگر اُس پر تعلیم کا بوجھ ڈالا جائے تو اُس کی صحت یقیناً متاثر ہو گی - چھ سال سے کم عمر بچوں کو کھیل و شرارت کرنے سے روکنا یا ڈانٹنا اور ڈرانا مناسب نہیں ہے اور نہ ہی چھ سال کی عمر پوری ہونے پر ایک ساتھ اُس پر تعلیم کا بوجھ ڈالنا مناسب ہے - ابتداءً ہلکے ہلکے بچہ کو علم کی طرف راغب کرنا چاہیئے -
اسلام کی چند ابتدائی صدیوں کا مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں آج جیسے کالج اور اسکول نہ تھے بلکہ مساجد تعلیم و عرفان کی مرکز ہوا کرتی تھیں جن میں مشاہیر علماء منصبِ تدریس پر مقرر ہوتے تھے - یہ علماء اکثر مناظرہ و مباحثہ کی مجالس میں شرکت کے لئے دور دراز سفر بھی کرتے تھے - ان فاضل علماء کے چاروں طرف مسلمان بچے و نوجوان و بوڑھے جمع ہو کر صحیح علمی فکر و شعائر اسلامی اور تطہیرِ نفوس کی نعمت سے فیضیاب ہوتے تھے - حضارة الاسلامیه کی تاریخ میں ایسے تعلیمی و مباحث علمی کے مراکز کا بکثرت ذکر ملتا ہے - اِنہی مراکز دین نے جو دینی

---

۱ قال حمزة هذا حديث حسن غريب -

وملی وعلمی وادبی خدمات انجام دی ہیں اُن نظیر ملنا محال ہے ۔ مشہور فقیہ امام شاطبیؒ المتوفی سنہ ۷۹۰ھ اپنی فن اصول پر لکھی جانے والی کتاب میں "مراعاۃ الفروق الفردیۃ" اور "المیول لدی المتعلمین" پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

فان کان کل واحد قد غرز فیہ التصرف الکلی فلا بد فی غالب العادۃ من غلبۃ البعض علیہ فیرد التکلیف علیہ معلماً مؤدباً فی حالتہ التی ھو علیھا، فعند ذلک ینتھض علی کل مکلف فی نفسہ من تلک المطلوبات بما ھو ناھض فیہ ویتعین علی الناظرین فیھم الالتفات إلی تلک الجھات فیراعونھم بحسبھا ویراعونھا إلی أن تخرج فی ایدیھم علی الصراط المستقیم۔ ویعینونھم علی القیام بھا ویحرضونھم علی الدوام فیھا حتی یبرز کل واحد فیما غلب علیہ ومال إلیہ من تلک الخطط ...... الخ

اسلام صرف دینی تعلیم حاصل کرنے پر ہی مجبور نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ اور دنیاوی علوم وفنون (مثلاً علوم عمرانیات، طب، ادب، سائنس، دستکاری، تجارت، کاشتکاری، صنعت وحرفت اور فن سپہ گری وغیرہ) بھی سیکھنے کی یکساں ترغیب دلاتا ہے ۔ چنانچہ فقیہ امام شاطبیؒ تعلیم النظری وتدریب المنھجی واحتکاک بالمبرزین اور خبرۃ العلیہ کو خصوصی اہمیت دیتے ہوئے لکھتے ہیں : أھلھا فیعاملونھم بما یلیق بھم لیکونوا من أھلھا إذا صارت لھم کالأوصاف الفطریۃ والمدرت الضروریۃ، فعند ذلک یحصل الانتفاع وتظھر نتیجۃ تلک التربیۃ۔" (الموافقات للشاطبی۔ تعلیق عبداللہ دراز۔ طبعۃ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۵ھ بمطابق ۱۹۷۵ء ۲ ص ۱۷۹-۱۸۱)

---

[۱] مزید تفصیل کے مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ فرمائیں ۔

ایھا الولد للغزالی، آداب المعلمین لمحمد بن سحنون، التربیۃ الاسلامیۃ أو التعلیم عند القابسی تألیف أحمد فؤاد الأھوانی القاھرۃ، آداب المتعلمین ورسائل أخری فی التربیۃ الاسلامیۃ تحقیق أحمد عبدالغفور

(بقیہ حاشیہ ص ۵۸۷ پر)

متفرقات :-

(ا) بچوں کو جسمانی ریاضت و حفظانِ صحت سے روشناس کرانا

بچہ کو ذہنی و شعوری تعلیم کے ساتھ جسمانی صحت سے متعلق ریاضت و حفظانِ صحت کے ضروری قوانین بھی سکھانا چاہئیں - بلا شبہ اسلام میں بچوں کی صحیح جسمانی و معنوی قوت و صحت مطلوب ہے - حدیث شریف میں مذکور ہے اَن المؤمن القوی خیر واحب إلی اللّٰہ من المؤمن الضعیف یعنی طاقتور مومن اللہ کے نزدیک زیادہ اچھا اور پسندیدہ ہے بہ نسبت کمزور مومن کے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسمانی صحت کے لئے ریاضت اور مصارعہ کو پسند فرمایا ہے - مروی ہے کہ حسن و حُسین رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں مصارعہ کرتے تھے اور آپ اس سے راضی و خوش ہوتے تھے - ایک مرتبہ اُن میں سے ایک کو آپ نے مخاطب فرمایا : " ھیہ یاحسن، خذ حسیناً" آپ کے اس قول سے مصارعہ کی ہمت افزائی کرنا ثابت ہے - ایک دوسرا واقعہ بھی بہت مشہور ہے کہ غزوہ کے موقعہ پر آپ نے مسلمان بچوں میں سے ایک[1] کو جہاد کی اجازت دے دی اور دوسرے کو اُس کے چھوٹے قد یا چھوٹی عمر کے باعث رد فرما دیا - جس بچہ کو آپ نے رد فرمایا تھا (یعنی سمرۃ بن جندبؓ) کہا : یا رسول اللہ آپنے رافع (رافع بن خدیج) کو اجازت دے دی اور مجھے رد فرما دیا - حالانکہ میں بہت تیز لڑتا ہوں - رسول اللہ صلوات اللہ علیہ نے دونوں کو مقابلہ کا حکم فرمایا " فدونك فصارعه " انہوں نے بہت تیز مصارعہ کیا - پس رسول اللہ نے دونوں بچوں کو جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کی اجازت دیدی -

مسلم بچہ کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ذمہ داروں پر یہ بھی فرض ہے کہ وہ ہر

(بقیہ حاشیہ ص۸۳) عطا ربیروت ۱۳۸۶ھ بمطابق ۱۹۶۶ء، التربیۃ الإسلامیۃ تألیف أحمد شلبي، الدراسات النفسیۃ عند المسلمین وعند الغزالی بوجہ خاطئ لعبد الکریم عثمان، اور دراسات اجتماعیۃ فی العصور الاسلامیۃ لعمر رضا کحالۃ دمشق ۱۳۹۳ھ بمطابق ۱۹۷۳ء وغیرھا -

ایسی چیز کا مقابلہ کریں جو مردانگی و شجاعت کی روح کو کمزور کر رہی ہو یا عجز و تخنث پیدا کرتی ہو۔ عریاں صحافت نگاری، فحش اور ملحد ادب نیز موسیقی و رقص و سرود کی بیخ کنی کے ساتھ ساتھ ایسی تمام چیزوں کی روک تھام کریں جو نوجوانوں میں نفاق، بے حیائی، معصیت، فسق و فجور اور شہوت پرستی کی تبلیغ کر رہی ہوں۔

(ب) بچوں کو جہاد کی تربیت دینا:- تعلیم و تربیت کے ذمہ داروں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ بچوں کو اتنا ناز و نعم میں زندگی گزارنے نہ دیں کہ اُن کے جسم کمزور ہو جائیں بلکہ فوجی زندگی، سادگی، استقلال، عزیمت، خود اعتمادی، قوت فیصلہ، قائدانہ صلاحیت، استقامت کی اہلیت اور مصائب پر صبر و قناعت کی خصوصیت پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ فوجی زندگی تعلیم و تربیت مجاہدانہ ریاست کے لئے ناگزیر ہے اس لئے ورزش، تیراکی، نشانہ بازی، شمشیر زنی و شہسواری کی ہمیشہ مشق کرانا چاہیئے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بہت تاکید فرمائی ہے۔

آپؐ کا ارشاد ہے: الا ان القوۃ الرمی الا ان القوۃ الرمی (مسلم)

"ترجمہ:۔ یاد رکھو قوت (جس کے تیار رکھنے کی قرآن مجید میں تاکید ہے)، وہ تیر اندازی ہے وہ تیر اندازی ہے۔"

ارموا بنی اسماعیل فان اباکم کان رامیا۔ (بخاری)

"ترجمہ:۔ اے اہل عرب! تیر اندازی کی مشق رکھو اس لئے کہ تمہارے جد امجد (حضرت) اسماعیلؑ تیر انداز ہے۔"

کل شئ من لھو الدنیا باطل الا ثلثہ انتضالك بقوسك وتادیبك فرسك وملاعبتك اھلك فانھن من الحق۔ (رواہ حاکم فی

"ترجمہ: دنیا کے لہو یعنی کھیل و تفریح کی تمام چیزیں باطل ہیں سوائے ان تین چیزوں کے (۱) تمہارا اپنی تیر و کمان سے مشق کرنا (۲) تمہارا اپنے گھوڑے پر مشق کرنا (۳) اور

(المستدرک وقال حدیث صحیح علی شرط مسلم)

تمہارا اپنے گھر والوں کے ساتھ ملاعبت کرنا۔"

ارموا ارکبوا وان ترموا احب الیّ من ان ترکبوا من علم الرمی ثم ترکہ فلیس منا (حدیث)

"ترجمہ: نشانہ بازی اور شہسواری سیکھو اور مجھے تمہاری نشانہ بازی شہسواری سے زیادہ پسند ہے۔ جس نے تیر اندازی (نشانہ بازی) سیکھی اور اُس کو ترک کر دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

ان اللہ یدخل بالسھم الواحد ثلاثۃ فی الجنۃ، صانعہ یحتسب فی صنعہ الخیر، الرامی بہ و منبلہ۔ (حدیث)

"ترجمہ: یقیناً اللہ تعالےٰ داخل کرے گا ایک تیر کے طفیل تین کو جنت میں، اس کے بنانے والے کو (جو خیر کی نیت سے اُسے بنائے)، اُس کے استعمال کرنے والے کو اور استعمال کے لئے دینے والے کو۔"

ستفتح علیکم ارضون و یکفیکم اللہ فلا یعجز احدکم ان یلھو بسھمہ (حدیث)

"ترجمہ: تم کئی ممالک کو فتح کرو گے اور اللہ تمہارے لئے کافی ہو گا۔ پس تیر اندازی نہ چھوڑنا۔"

امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، عجمی ممالک میں اپنے عرب ں کو تاکیداً لکھتے ہیں:۔

ایاکم والتنعم وزی العجم وعلیکم بالشمس فانھا حمام العرب و تمعددوا واخشوشنوا واخلولقوا واعطوا الرکب اسنتھا وانزوا نزوا۔

"ترجمہ: تن آسانی و راحت طلبی کی زندگی اور عجمی لباسوں سے ہمیشہ دُور دُور رہنا، دھوپ میں بیٹھنے اور چلنے کی عادت برقرار رکھنا کہ وہ عربوں کا حمام ہے۔ جفاکشی سادہ زندگی و تحمل موٹے

(۱) وا عدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم

واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ کی تفسیر — (بغوی) — جھوٹے پہننے کے عادی رہو گھوڑے پر جست لگا کر بے تکلف بیٹھنے کی مشق رہنی چاہیئے اور نشانے دُرست ہوں۔"

خلیفہ دوم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپؓ نے بچوں کو نشانہ بازی (تیر اندازی) اور گھوڑے پر جست لگا کر چڑھنے کی مشق و تعلیم کی وصیت فرمائی تھی۔ چنانچہ رفیق المعظم اپنی مشہور تالیف اُشہر مشاہیر الاسلام میں حضرت عمر بن الخطابؓ مناقب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔" وقد روی عن الخلیفۃ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ الوصیۃ بتعلیم الاولاد الرمی والعوم وأمرھم بالوثوب علی الخیل وثباً لا رکوبھا فحسب"
(أُشھر مشاھیر الاسلام، باب مناقب عمر، مؤلفہ رفیق المعظم)

نوٹ:۔ اس حکم میں جدید اوزار حرب (مثلاً توپ، ٹینک، رائفل، میزائل، طیارہ شکن توپ، بمبار طیارہ، بم، آب دوز کشتی، بحری بیڑہ وغیرہ) کی تعلیم و تربیت بھی شامل ہے۔

اسلام کی بقاء کے لئے لازم ہے کہ خود اور اپنی نسلوں کو ہمیشہ جہاد فی سبیل اللہ[1] کے لئے مستعد رکھا جائے۔ مسلمانوں پر جہاد فی سبیل اللہ ایک اہم فریضہ ہے۔ ماں باپ کو چاہیئے کہ اپنے بچوں کو صحابہ کرامؓ و مجاہدین اسلام کے ولولہ انگیز کارنامے سُنا کر اُن میں جذبۂ جہاد و شوقِ شہادت ابھاریں ایسے واقعات بخاری و مسلم و دیگر کُتب احادیث و تواریخ و سِیر میں بکثرت مل جائیں گے۔ فنِ حرب سے واقفیت کے لئے بچوں کو باقاعدہ ٹریننگ دینا بھی ضروری ہے۔ ان تربیت یافتہ مسلم نوجوانوں سے اسلام کو یقیناً ایک نئی زندگی اور تازہ رُوح مل جائے گی۔

---

[1] اسلام میں فریضہ جہاد کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا ایک بہتر و جامع خاکہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب (مرحوم) نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب "الجہاد فی الاسلام" میں پیش کیا ہے۔ تفصیل کے لئے ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص کی مندرجہ ذیل وصیت تمام مسلمانوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہیئے۔ (یہ وصیت آپ نے مصر کے مسلمانوں کو فرمائی تھی)۔

" اس بات کو کبھی نہ بھولنا کہ تم قیامت تک خطرہ کی حالت میں ہو۔ اور ایک اہم ناکہ پر کھڑے ہوئے ہو۔ اس لئے تم کو ہمیشہ ہوشیار اور مسلح رہنا چاہیئے کیوں کہ تمہارے چاروں طرف دشمن ہیں اور اُن کی نگاہیں تم پر اور تمہارے ملک پہ لگی ہوئی ہیں " (تاریخ مصر از جرجی زیدان)

جب ان نوعمروں کو اپنے گردوپیش پھیلے ہوئے خطرات کا احساس ہوگا اور ساتھ ہی مجاہدین و شہدائے اسلام کے جوش ایمانی وایثار و قربانی سے لبریز نمونے اُن کی نگاہوں کے سامنے آئیں گے تو انشاءاللہ دنیا میں پھر ایک بار بلال و عمار و جناب و خبیب و صہیب و مصعب بن عمر، عثمان بن مظعون، انس بن النضر، عمرو بن جموح، عمیر بن حمام انصاری اور سعد بن معاذ وغیرہ جیسے جان نثار پیدا ہوں گے، جنت کی ہوائیں اور قرن اوّل کے ایمانی جھونکے دوبارہ چلیں گے اور ایک نیا اور طاقتور عالم اسلام ظہور میں آئے گا۔

(ج) بچّوں کے ساتھ خصوصی رحم وشفقت کا حکم

اسلام بچوں کے ساتھ خصوصی رحم وشفقت سے پیش آنے کا حکم دیتا ہے، اور اُن پر ظلم وتشدد سے روکتا ہے حتّٰی کہ دوران جنگ اگر کوئی دشمن قوم کا بچہ ملے تو اُس پر ظلم سے باز رہنے کا حکم دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہدایت دیتے ہوئے فرمایا: " اللہ کا نام لے کر جاؤ اور اُس کی راہ میں جا کر لڑو۔ جو خدا سے بغاوت کرے اُس سے لڑو مگر عہد شکنی نہ کرنا، نہ لاشوں کا مُثلہ کرنا اور نہ کسی بچے کو قتل کرنا (مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

بچوں کے ساتھ امیرالمؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، کی خصوصی شفقت ومحبّت کے بہت سے واقعات عنوان " حقوق العظیم " کے تحت بیان کئے جاچکے ہیں۔ آپؓ سے متعلق ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے کہ ایک مرتبہ آپ (حضرت عمرؓ) نے ایک بچہ کو اُس کے ولی کے سامنے پیار کیا تو اُس بچہ کے ولی نے آپ سے کہا: أتقبل أطفالك یا أمیرالمؤمنین فواللہ إننا لا نفعل .... " تو حضرت عمر بن الخطابؓ

نے فوراً جواب دیا:۔ وماذا أفعل إذا كانت الرحمة قد نزعت من قلوبكم ؟ اور جب آپؐ نے مسلمانوں میں بچوں کے لئے محبت و رحم کے اس نقص جوہری کو دیکھا تو بہت تعجب فرمایا" (مجلة الفیصل مکۃ المکرمہ العدد ۲۷ ص۲۰ ماہ اگست ۱۹۷۹ء)

سُنّت مطہرہ میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں سے شفقت و محبت کا ایک پُر اثر واقعہ منقول ہے جو اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ باجماعت نماز ادا فرما رہے تھے۔ نماز میں آپؐ نے سجدہ فرمایا تو سجود کو طویل دیا۔ جب نماز ختم ہو چکی تو آپؐ کے اصحابؓ نے اس کا سبب پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا " إن ابنی ارتحلنی فکرهت أن أعجله "۔ ۔ ۔ ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسُول الکریم کی پشت مبارک پر آپ کے نواسہ سجدہ کے دوران چڑھ گئے تھے تو آپؐ نے نہ اُنہیں ڈانٹا اور نہ ہٹاکر اپنے سے الگ فرمایا بلکہ سجدہ کی حالت میں رُکے رہے حتّٰی کہ وہ اتر سکیں۔

(د) شوہر کے مال میں سے بلا اجازت اولاد کا خرچ لینا جائز ہے

مکہ معظمہ میں جب عورتوں سے بیعت لی جا رہی تھی اس وقت حضرت ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عقبہ نے اُس حکم (جو سورۃ الممتحنہ کی آیت ۱۲ میں ان الفاظ میں بیان ہوا ہے: وَلَا يَسْرِقْنَ اور چوری نہ کریں گی") کی تشریح دریافت کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسُول اللہؐ ابوسفیان ذرا بخیل آدمی ہیں۔ کیا میرے اوپر اس میں کوئی گناہ ہے کہ میں اپنی اور بچوں کی ضروریات کے لئے اُن سے پوچھے بغیر اُن کے مال میں سے کچھ لے لیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، مگر بس معروف کی حد تک (یعنی بس اتنا مال لے لو جو فی الواقع جائز ضروریات کے لئے کافی ہو)۔ (احکام القرآن، ابن عربی)

(س) اولاد بحیثیت سامانِ آزمائش

اسلام نے بچوں کے ساتھ رحمدلی، ایثار، جاں نثاری، محبت اور شفقت کرنے کا حکم ضرور دیا ہے لیکن ساتھ ہی اس امر کی تنبیہ بھی کر دی ہے کہ اولاد کی محبت کہیں اتنی نہ بڑھ جائے کہ جو تمہیں تمہارے فرائض سے غافل کر دے یا اللہ کی محبت

پر غالب آجائے۔ قرآن کریم میں خدا تعالےٰ بار بار اولاد کو والدین کے لئے سامان آزمائش بتاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ج (المنفقون-۹)

"ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لاتے ہوا تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں"

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ فِتْنَةٌ ۵ (الانفال - ۲۸)

"ترجمہ: اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد درحقیقت سامان آزمائش ہیں"

اور أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۵ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۵ (التغابن - ۱۵)

"ترجمہ:۔ تمہارے مال اور تمہارے اولاد تو ایک آزمائش ہیں اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بڑا اجر ہے۔"

ان آیات قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ اولاد اور مال سے ہوشیار رہو یعنی ان کی دنیا بنانے کے لئے اپنی عاقبت نہ برباد کرلو۔ اُن کی محبت کو کبھی اپنے دل میں اس حد تک نہ بڑھنے دو کہ وہ اللہ اور رسول کے ساتھ تمہارے تعلقات اور اسلام کے ساتھ تمہاری وفاداری میں حائل ہوجائیں۔ اُن پر کبھی اتنا اعتماد نہ کرو کہ تمہاری بے احتیاطی سے مسلمانوں کی جماعت کے اسرار انہیں معلوم ہوجائیں اور وہ دشمنوں تک پہنچیں۔ یہ وہی بات ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں مسلمانوں کو ان الفاظ میں خبردار کیا ہے:۔

يؤتى برجل يوم القيمة فيقال أكل عياله حسناته (حدیث)

"ترجمہ: ایک شخص قیامت کے روز لایا جائے گا کہ اس کے بال بچے اس کی ساری نیکیاں کھاگئے۔"

کیا ہی عمدہ بات کہی ہے مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے کہ:۔

"جن بہنوں کو اللہ نے اولاد دی ہے اُن کے ہاتھ میں تو گویا اللہ نے امتحان کے وہ پرچے دے دیئے ہیں جن پر اگر وہ کامیابی کے نمبر نہ لیں سکیں تو پھر دوسرا کوئی پرچہ

بھی اُن کے اس نقصان کی تلافی نہ کر سکے گا۔ اُن کی توجہ کی مستحق سب سے بڑھ کر اُن کی اولاد ہے جسے دین اور دینی اخلاق کی تربیت دینا اُن کی ذمہ داری ہے۔" (بحوالہ ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ ماہ اپریل سنہ ۱۹۸۰ء صلہ ۱۶۱)

اولاد والدین کے لئے خدا تعالیٰ کا بڑا انعام اور رحمت کا باعث ہوتی ہے خواہ اُس کی جنس لڑکا ہو یا لڑکی۔ اولاد کے لئے والدین کی اُنسیت و محبت ہونا فطری چیز ہے لیکن اس بات کو ہمیشہ مدِنظر رکھنا چاہیئے کہ یہ خدا تعالیٰ کے انعام سے کہیں زیادہ اُس کی امانت ہے، جس کی پرورش و تربیت کی تمام ذمہ داری والدین پر عائد کی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ اپنی امانت جب چاہے اُن سے واپس لے لے۔ ایسے حالات میں والدین کو صدمہ و رنج ہونا ایک فطری عمل اور شانِ بشریت ہے، لیکن اولاد کی موت پر صبر کرنا اور خدا تعالیٰ کے فیصلے و حکم پر ثابت قدم و قانع ہونا مقامِ عزیمت ہے، اور اس کا بڑا اجر و انعام ہے۔ خدا تعالیٰ کبھی بندے کو اولاد کی نعمت و انعام سے نواز کر اُس کی آزمائش فرماتا ہے تو کبھی اُس سے اپنی امانت واپس لے کر۔ جو ہر دو حالات میں اُس پروردگار کا شکر بجا لائیں وہی دنیا و آخرت میں شاد کام ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے" جب کسی بندے کا بچہ مر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے دریافت فرماتا ہے: تم نے میرے خلاف بندے کے بچے کی رُوح قبض کرلی ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں: ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تم نے میرے بندے کے لختِ جگر کی روح قبض کرلی ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں: ہاں اے پروردگار۔ اس پر اللہ تعالیٰ اُن سے پوچھتا ہے: اس موت پر میرے بندے نے کیا کہا؟ فرشتے کہتے ہیں: اس نے آپ کی حمد فرمائی اور اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیہِ رَاجِعُون کہا۔ یہ سُنکر اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے: میرے اس بندے کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اُس کا نام بیت الحمد رکھو۔" (ترمذی)

(ز) بچہ کی سال گرہ منانا:- بعض انگریزی تعلیم یافتہ گھرانوں میں بچہ کی سال گرہ منانے کا رواج پایا جاتا ہے۔ اس موقعہ کے لئے ایک خصوصی کیک بنایا جاتا ہے اور بچہ کی عمر کے مطابق اُس پر شمعیں روشن کی جاتی ہیں، کیک پر بچہ کا نام اور یوم ولادت لکھا ہوتا ہے،

تمام اعزاء و احباب کو پہلے سے دعوت دیجاتی ہے اور اُن سب کی موجودگی میں بچہ ان شمعوں کو پھونک مار کر گل کرتا ہے بعدازاں کیک کاٹتا ہے ۔ اعزاء و احباب قیمتی تحائف پیش کرتے ہیں ۔ حاضرین مجلس تالیاں بجاتے اور بچہ کی پیدائش کے پُرمسرت نعرے بلند کرتے ہیں ۔ اگر بچہ صغیر سنی کی بنا پر شمعوں کو گل نہ کر سکے یا کیک نہ کاٹ سکے تو اُس کا کوئی قریبی رشتہ دار (مثلاً ماں باپ) یا کوئی اور اہم شخص یہ فرائض انجام دیتا ہے۔

ہم مسلم معاشرہ میں پائی جانے والی اس غیر اسلامی دبے بنیاد رسم کو مٹا دینا چاہتے ہیں کہ یہ یہود و نصاریٰ اور غیر مسلموں کا طریقہ ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کی نقالی یا اُن سے مشابہت کرنے سے تمام اہل اسلام کو منع فرمایا ہے :-

قال رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من تشبہ بقوم فھو منھم (رواہ ابوداؤد عن ابن عمرؓ ورواہ الطبرانی عن حذیفہ مرفوعًا) وروی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما : من تشبہ بھم حتی یموت حشر معھم۔ قال رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم : لیس منا من تشبہ بغیرنا لا تشبھوا بالیھود ولا بالنصاریٰ فان تسلیم الیھود الاشارۃ بالاصابع و تسلیم النصاریٰ الاشارۃ بالاکف (رواہ الترمذی عن ابن عمرو بن العاصؓ)

(س) اپنی اولاد کے درمیان عدل کا راستہ اختیار کرو

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ جب اپنے کسی ایک بچہ کو تحفہ دو یا نیا لباس بناؤ یا اچھا طعام اور اچھی تعلیم کی سہولت فراہم کرو تو تم پر لازم ہے کہ اپنے دوسرے بچوں کو بھی اسی طرح تحائف دو، نئے لباس بناؤ، اچھا طعام و بہتر تعلیم دو تاکہ اُن کے درمیان عدل قائم رہے ۔ اور ان میں سے کسی کی دل شکنی نہ ہو ۔ نفسیاتی اعتبار سے بچے بہت حساس فطرت ہوتے ہیں اس باعث اگر اُن کے درمیان عدل و مساوات کا رویہ اختیار نہ کیا جائے تو اُن میں ایک دوسرے کے لئے نفرت و دشمنی کے جذبات پیدا ہونے لگتے ہیں۔

عام طور پر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ماں باپ اپنی پہلی یا آخری اولاد پر نسبتاً زیادہ مہربان ہوتے ہیں یا پھر لڑکے کو لڑکی پر ترجیح دیتے ہیں جس سے عدل کا قائم ہونا محال

ہے اسلام اِن تمام باتوں سے روکتا ہے۔ نعمان بن بشیر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اعدلوا بین ابنائکم،	"ترجمہ: اپنی اولاد کے درمیان
اعدلوا بین ابنائکم،	عدل کرو، اپنی اولاد کے درمیان
اعدلوا بین ابنائکم،	عدل کرو، اپنی اولاد کے درمیان
(اخرجہ النسائی والبوداؤد)	عدل کرو"

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اعدلوا بین اولادکم فی العطیۃ وھل للوالد أن یرجع فی عطیۃ وما یأکل من مال ولدہ بالمعروف ولا یتعدی (رواہ البخاری)

افکار و آرا

"الہدیٰ" اور دوسرے ٹی وی پروگرام

مرتبہ: جمیل الرحمٰن

امام دارالہجرہ امام مالک بن انس کے ایک تاریخی جملے کے حوالے سے مولانا ابوالکلام مرحوم نے "البلاغ" کے پہلے شمارے ۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء میں لکھا تھا جب وہ برصغیر پاک و ہند میں اُمتِ مسلمہ کو قرآن مجید کی طرف رجوع کرنے کا صور پھونک رہے تھے۔ "کہ اگر کوئی مسلمانانِ عالم کی تمام تباہ حالیوں اور بدبختیوں کا ایک ہی جملے میں علاج پوچھے تو اس کو امام مالکؒ کے الفاظ میں جواب ملنا چاہیئے کہ" لا یصلح آخر هٰذہ الامۃ الا بما صلح به اولها"
یعنی اُمتِ مرحوم کے آخری عہد کی اصلاح کبھی نہیں ہو سکے گی۔ تاوقتیکہ وہی طریق اختیار نہ کیا جائے جس سے اس کے ابتدائی عہد نے اصلاح پائی تھی اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ قرآن حکیم کی اصلی و حقیقی معارف کی تبلیغ کرنے والے مرشدین صادقین پیدا کئے جائیں۔"

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر چند یہ صور پھونکنے کے بعد مولانا آزاد مرحوم کی دلچسپیوں اور کوششوں کا رُخ تبدیل ہو گیا تاہم اس صدی میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا احیائی عمل جس مرحلے میں داخل ہوا ہے اس میں بحمداللہ رفتہ رفتہ رجوع الی القرآن کا داعیہ نشو و نما پا رہا ہے اور برگ و بار لا رہا ہے۔ اور اس دورِ جدید کے تقاضوں کے پورا کرنے کے لئے قرآنِ حکیم کے معارف و ہدایات کی تبیین و تشریح کا ایک عمل پیہم جاری و ساری ہے سیاسیات، معاشیات، عمرانیات نفسیات، معاشرات، معاملات تہذیب و تمدن، فقہیات اور حکمت و فلسفہ الغرض زندگی کے جس شعبے میں بھی نئے نئے نظریات پیدا ہوتے ہیں تو اس دور میں ایسے علماء حق بھی خود دار ہوتے ہیں جنہوں نے ان ہی تقاضوں

کے پیش نظر قرآن حکیم کی حکمتوں کی تعلیم و تدریس اور تشریح و تفسیر میں اپنی متاعِ زندگی کھپا دی ہے اور کھپا رہے ہیں۔ ایسی مستقل تفاسیر منصۂ شہود پہ آئی ہیں جن میں قرآنی تعلیمات و ہدایات کو دورِ جدید کے اذہان کے مطابق پیش کیا گیا ہے۔

آج جبکہ ایک طرف سائنس کا دَور دَورہ ہے، دوسری طرف مادّہ پرستانہ فلسفوں اور نظریات نے ہمارے تعلیم یافتہ طبقے کے اذہان کو مسحور کر رکھا ہے اور ان کے لئے یہی نظریات معیارِ فہم و تفہیم بن گئے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ آج ایسے اصحابِ فکر و نظر بھی موجود ہیں جو علومِ جدید کی روشنی میں قرآن حکیم کے اپنے مخصوص استدلال کے ذریعے ان باطل نظریات کا ابطال اور احقاقِ حق میں ہمہ تن مصروف ہیں اور قرآن حکیم کی ابدی تعلیمات و ہدایات کو اس دَور کے تقاضوں کے مطابق مبرہن و واضح کر رہے ہیں۔

ان ہی خادمانِ دینِ متین اور کتابِ عزیز کی صف میں ڈاکٹر اسرار احمد بھی کھڑے ہیں۔ اللہ تعالٰی نے جہاں ان پر فہمِ قرآنی کی ارزانی فرمائی ہے، وہاں ان کو افہام و تفہیم کا ایک دل نشین اور پُر تاثیر اندازِ بیان اور طرزِ تخاطب بھی عطا فرمایا ہے۔ پھر ان کو یہ توفیق بھی عنایت فرمائی ہے کہ انہوں نے ہر طرف سے منہ موڑ کر یکسوئی کے ساتھ اپنی زندگی دعوتِ قرآنی کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کے سامنے دین کے تقاضے اور مطالبات پیش کرنے اور ان پر یہ بات واضح کرنے کے لئے کہ ان کا ربّ ان سے کیا چاہتا ہے اور ان کو کن اوصاف سے متصف دیکھنا چاہتا ہے قرآن مجید کا ایک منتخب نصاب مرتب کیا ہے جس کے ذریعے مسلمان کے "دل و نگاہ" کی حقیقی مسلمان بننے کی دعوت نیز دین کے مطالبات و تقاضے بھی سامنے آتے ہیں اور ضمناً دین کا ایک جامع تصوّر بھی نمایاں اور واضح ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ۱۹۶۸ء سے پاکستان کے مختلف شہروں بالخصوص شہر لاہور میں بیسیوں مرتبہ اس منتخب قرآنی نصاب کا درس دیتے رہے ہیں (آج کل مسجد شہداء لاہور میں پھر ہر بدھ کو عصر تا مغرب اس کا درس ہو رہا ہے) اللہ تعالٰی کا یہ خصوصی فضل ہوا کہ ٹی وی کے اربابِ حل و عقد نے ڈاکٹر صاحب کو یہ منتخب نصاب ٹی وی پر پیش کرنے کی

دعوت دی اور ۱۴ اپریل ۸۱ء سے یہ پروگرام ہر جمعرات کو اردو خبرنامے سے پہلے باقاعدگی سے نشر ہو رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور قرآن حکیم کا اعجاز ہے کہ یہ پروگرام افادیت و تاثیر کے لحاظ سے ٹی وی کے شائقین میں قبول عام حاصل کر رہا ہے۔ اسی کی پسندیدگی کے سلسلے میں ملک کے گوشے گوشے سے بیشمار خطوط ہمیں موصول ہو رہے ہیں۔ جن میں سے چند کے اقتباسات قارئین میثاق کے لئے ذیل میں پیش ہوں گے۔ اکثر خطوط میں لوگوں نے وقت کی کمی کی شکایت اور احساس تشنگی کا اظہار کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ وقت کا تعین ٹی وی کے ذمہ داریان کے ہاتھ میں ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو مقررہ وقت میں اپنا بیان ختم کرنا ہوتا ہے لہذا بعض پہلو تشنہ رہ جاتے ہیں۔ ٹی وی اسٹیشن لاہور کی رپورٹ یہ ہے کہ کوئی دن ایسا ہوتا ہوگا جس میں اس پروگرام کی تحسین اور پسندیدگی کے خطوط نہ آتے ہوں بعض خطوط کا ذکر ٹی وی کے مستقل پروگرام "اپنی بات" میں کئی بار کیا جا چکا ہے۔

مزید براں معتبر ذرائع سے پاکستان کے اکثر قابل ذکر شہروں سے یہ اطلاعات بھی ملی ہیں کہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے اکثر حضرات یہ پروگرام نہایت پابندی اور اشتیاق کے ساتھ دیکھتے ہیں اور اس کی خاطر اپنے اوقات کو بالالتزام فارغ رکھتے ہیں ان اوقات میں ضروری ملاقاتیں (Appointments) بھی موخر کر دیتے ہیں ـــ جو لوگ رمضان المبارک میں ٹی وی بند کر کے رکھ دیا کرتے ہیں سوائے اس پروگرام کو دیکھنے کے لئے اس پابندی کو برقرار نہیں رکھ سکے۔

ملک کے مقبول و معروف روزنامہ جنگ میں کراچی اور لاہور کے اسٹاف رپورٹرز کی یہ رائے شائع ہوئی ہے کہ "الہدیٰ" سے زیادہ آج تک کوئی دینی و مذہبی پروگرام مقبول نہیں ہوا۔ اس کی تاثیر، افادیت اور دلنشیں طرز بیان و تخاطب کے ٹی وی کے شائقین کے ہر طبقے کے لوگ معترف ہیں۔

آیئے اب چند خطوط کے اقتباسات ملاحظہ فرمایئے (ج - ر)

جناب سید فضل الرحمٰن صاحب جعفری بی اے، علیگ (مشہور ادیب و صحافی) کراچی سے رقم طراز ہیں۔

" آپ سے غائبانہ تعارف تو طویل عرصہ سے ہے، لیکن ملاقات کی سعادت آج تک حاصل نہیں ہوئی جس کا ملال ہے اور امتدادِ زمانہ سے یہ ملال شدید تر ہوتا جا رہا ہے۔ " الھدیٰ "، کے ذریعہ آپ سے ملاقات ہوتی رہتی ہے، جس نے آتش شوق کو تیز تر کر دیا ہے۔ یہ سطور اسی لئے لکھ رہا ہوں کہ اب یارائے ضبط باقی نہیں رہا تھا، کچھ اور نہیں تو نصف ملاقات ہی سہی۔ آپ کے علمی اور تحقیقی، افکار و تخلیقات سے تو میں پوری طرح واقف نہیں ہوں، لیکن قرآن کریم پر آپ کے جو لکچر " الھدیٰ " کے ذریعہ ہو رہے ہیں۔ وہ بیحد دلچسپ اور فکر انگیز ہیں۔ آپ کا اسلوب بیان بہت دلآویز ہے۔ مضامین میں جو تسلسل، اور باہم ارتباط ہوتا ہے وہ بھی بیحد دلپذیر ہے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو جو صلاحیت بخشی ہے، وہ اس دور میں لیاقینت ہے۔ آج کی نئی نسل کو گمراہ کن عقیدوں، اور مغربی افکار و خیالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان کی صحیح رہنمائی کی شدید ضرورت تھی۔ الحمد للہ کہ وہ آپ کے ذریعہ کسی حد تک پوری ہو رہی ہے۔ والسلام

● جناب اطہر حسن زیدی صاحب پرنسپل گورنمنٹ کالج مردان اپنے خیالات کا ان الفاظ میں اظہار کرتے ہیں۔

السلام علیکم۔ میں ان کروڑوں مداحوں میں سے ایک ہوں جسے آپ نہیں جانتے لیکن جو آپ کے ذہن مبارک سے نکلے ایک ایک پھول کو یوں چنتے ہیں جیسے حاصلِ کلام ہو۔ بہت دنوں سے سوچ رہا تھا کہ خط لکھوں اور اپنی عقیدت کا اظہار کروں لیکن آج آپکا پتہ معلوم ہوا تو یہ سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ آج اخبار میں دیکھا کہ حکومت کی جانب سے آپ کی علمیت کے اعتراف میں تمغۂ امتیاز آپکو پیش کیا جائے گا۔ دل نے کہا مبارکباد کا موقع ہے۔ عقل نے کہا کہ ان اعزازات سے آپ کی عزت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا بلکہ اس اعزاز کا وقار بڑھ جاتا ہے جو آپ کو پیش کیا جاتا ہے۔ آپ ان اعزازات سے بلند ان لوگوں کے دلوں میں ہیں جو آپ کے مقام کی عظمت کا احساس رکھتے ہیں

آپ کے پچھلے سال کے رمضان المبارک والے پروگرام بڑی باقاعدگی سے دیکھے اور اور اس سال "الہُدیٰ" اسی باقاعدگی سے دیکھتا ہوں۔ قرآن فہمی اور قرآنی آیات پر تفکر کی دعوت اس سے زیادہ خوبصورت طریقہ سے نہیں دی جا سکتی۔"

• جناب ڈاکٹر ایس ممتاز حسین صاحب (فنزلیشن) لاہور رقم طراز ہیں:

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آداب وتسلیمات کے بعد معروض ہے کہ گذشتہ رمضان المبارک میں اور اس کے بعد اب تک ٹی وی پر آپ کی تقاریر سے فیضیاب ہونے کی سعادت حاصل ہوتی رہی۔ ——— میں آپ کے تبحرِ علم، رفعتِ فکر ونظر، وسعتِ مطالعہ ومعلومات اور طرزِ تخاطب سے بے انتہا متأثر ہوں۔ ہر چند ابتدائے سنِ شعور سے اب تک بیسیوں علماءِ کرام، مشائخ عظام اور واعظین والا تبار کے مواعظ حسنہ سے بالالتزام مستفید ہوتا رہا لیکن بحیثیتِ مجموعی میرا تأثر یہ ہے۔

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے — کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے اندازِ بیاں اور

اور یہی تأثر ان سطور کی تحریر کو محرک ہوا۔ اس سلسلۂ تقاریر سے میں نے آپ سے بہت کچھ حاصل کیا۔۔۔۔۔"

• مولانا احمد عبدالرحمٰن صدیقی نوشہرہ سے راقم کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"مخدوم ومحترم عاشقِ کلامِ الٰہی حضرت ڈاکٹر (اسرار احمد) صاحب دامت برکاتہم کا بیہ سیہ کاران کے پُر اثر اور دل میں اُتر جانے والے اندازِ دعوتِ رجوع الی القرآن کی عظیم تحریک برپا کر دینے کی وجہ سے عقیدت مند ہے۔ اپنے شیخ ومرشد قطب العالم حضرت العارف المفسر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ جس کتاب زندہ کے عظیم مبلّغ ومناد تھے اور جس انداز سے پوری قوت کے ساتھ اُسے پیش فرمایا کرتے تھے اسی کی جھلک مجھے محترم ڈاکٹر صاحب کے مضبوط انداز میں محسوس ہوتی ہے کہ کلام اللہ کو دنیا کے سامنے ان تمام مسائل کا علاج ثابت کر کے بیان کیا جائے جن سے فی الوقت انسانیت دوچار ہے۔ اللہ تعالیٰ محترم ڈاکٹر صاحب کو نظر بد اور تمام مکارہ سے بچا کر سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مقبول ومبارک طریق پر اپنی کتاب کا خادم ومبلغ بنائے رکھے آمین بحرمت سید نا طٰہٰ ویٰسین صلی اللہ علیہ وسلم۔"

• جناب صابر حسین شاہ (پلانٹ پتھالوجسٹ) ایگریکلچر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پشاور سے لکھتے ہیں:

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ - میں آپکے ٹیلی ویژن پروگرام بہت ہی عقیدت سے دیکھتا ہوں اور اللہ کے کرم سے ان کے ذریعے میری معلومات اور ایمان میں بہت کچھ اضافہ ہوا ہے اللہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اس مادیت پرستی کے دور میں بھی توحید کی شمع روشن ہے اور قرآن کی تفہیم کا کام آپ جیسے دین و دنیا کے علوم کے ماہر سے لے رہا ہے "

و جناب ڈاکٹر محمد یعقوب بھٹی لاہور سے رقمطراز ہیں :-

"پچھلے دنوں ٹیلی ویژن پر آپ کا سورہ فاتحہ کا روح پرور درس ہم سب گھر والوں نے سنا اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن کی دعوت پیش کرنے کے لئے مزید ہمت اور توفیق عطا کرے اور پاکستان کے مسلمانوں کو صراط مستقیم پر چلنے اور قرآن کی تعلیمات کو اختیار کرنے کی توفیق دے - درس میں تشنگی کا احساس ہوا شاید اس کی وجہ وقت کی کمی ہو ؟ "

و جناب طاہر منظور (میڈیکل اسٹوڈنٹ) گوجرانوالہ سے اپنی پسندیدگی کا اظہار ان الفاظ سے کرتے ہیں :

" ٹی وی پر آپ کا پروگرام الہدیٰ پابندی سے سنتا رہتا ہوں - آپکے آسان و واضح اور مدلل وجامع اندازِ بیان نے دل پر بہت اثر کیا ہے - ایک بڑی بات یہ ہے کہ آپ دینی اور دنیوی دونوں علوم پر کماحقہ دسترس رکھتے ہیں پاکستان اور پورے عالمِ اسلام کو آپ جیسے داعیان کی اشد ضرورت ہے - اسی ذریعے سے نوجوان نسل میں مذہب سے جو بیگانگی پیدا ہو رہی ہے اس کا تدارک ہو سکتا ہے - "

"الہدیٰ" کے مستقل پروگرام کے علاوہ رمضان المبارک میں پاکستان ٹی وی کے تمام اسٹیشنوں سے "القرآن" کے عنوان پر روزانہ دس بارہ منٹ کا ایک پروگرام پیش کیا گیا تھا جس میں مختلف علمائے کرام اور دانشوران نے مختلف موضوعات پر تقاریر کی تھیں - ڈاکٹر صاحب کو بھی اس میں دو تقاریر کا موقع دیا گیا تھا - جن میں موصوف نے ایک تقریر "قرآن اور رزق حلال" کے موضوع پر بھی کی تھی - جس کو ٹی وی والوں نے مکرر بھی نشر کیا - اس تقریر کے متعلق ملک کے موقر ہفت روزہ "اخبار جہاں" کے جناب حبیب الرحمٰن

صاحب اور ملک کے کثیر الاشاعت و مقبول روزنامے جنگ کے مشہور و معروف کالم نویس اور کہنہ مشق صحافی جناب انعام درانی نے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ وہ بھی قارئین میثاق کے استفادے کے لئے درج ذیل ہیں۔ (ج۔ر)

"اسلام جزوی نہیں مکمل اطاعت کا طلبگار ہے"

"اخبار جہاں" کے مستقل عنوان "اسلام آباد کی ڈائری" کا اقتباس

"اسلام جس صاف ستھرے و پاکیزہ اور حسین و جمیل معاشرے کا تصور پیش کرتا ہے اس کی تشکیل و قیام کے لئے اسلام کے سارے احکام کا بیک وقت اور کلی نفاذ ناگزیر ہے۔ اس بارے میں ارشادِ خداوندی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام جزوی نہیں بلکہ کلی اطاعت چاہتا ہے اور ان لوگوں کے لئے دنیا میں ذلت اور آخرت میں سخت عذاب ہے جو اسلام کی تعلیمات کو جزوی طور پر اپنا کر ان کی مجموعی شکل و صورت کو مسخ کر دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم میں سے جن لوگوں کے ذہن ابھی تک صاف نہیں وہ وطنِ عزیز کے صد احترام، دانشور، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ان بصیرت افروز تقاریر سے استفادہ کر سکتے ہیں جن کی مدلل تقریروں سے ٹیلی ویژن کے دردمند ناظرین و سامعین کی ماہ رمضان کے دوران اسلام کے صحیح مفہوم کو سمجھنے میں بڑی مدد ملی ہے۔ ہماری وزارت اطلاعات و نشریات اگر ڈاکٹر صاحب موصوف کی مذکورہ تقاریر کو ایک کتابی شکل میں شائع کرے اور اس مجموعہ تقاریر کو تمام سرکاری افسروں تک پہنچانے کا اہتمام کر دے تو یہ ایک بہت بڑی خدمت ہوگی۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے ارباب اختیار کے سارے نیک عزائم کے باوجود ایک صحیح اسلامی معاشرے کی تشکیل کی سمت میں ہم آج تک کوئی قابلِ رشک پیش قدمی اس لئے نہیں کر پائے ہیں کہ ہماری نوکر شاہی کے وہ ارکان جنہیں اسلامی نظام کے نفاذ کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں۔ انہیں غالباً اسلام کے احکام کے مجموعی تقاضوں کو سمجھنے کے لئے مطلوبہ فرصت نہیں ملی ہے۔ ورنہ یہ ممکن ہو تا کہ نماز کی ادائیگی کے اولیں فرض کا ساری قوم کو پابند بنانے کے لئے سرکاری سطح پر اتنی ہی مستعدی دکھائی جاتی جتنی کہ وصولی زکواۃ کے ضمن میں دکھائی گئی ہے۔۔۔۔

قارئین محترم! ان ساری گزارشات کا مقصد صرف اس ایک بنیادی حقیقت

کی یاد دہانی ہے کہ اسلام اپنے پیروکاروں سے کلی اطاعت چاہتا ہے - اور کلی اطاعت کے ذریعے ہی ہم وہ نتائج حاصل کر سکتے ہیں جن سے ہمارا یہ دعویٰ درست ثابت ہو سکتا ہے کہ اسلام کا عطا کردہ نظام ہی دنیا کا سب سے بہتر اور سب سے اعلیٰ و ارفع نظام ہے - لہٰذا بہتر ہو گا کہ ہم اسلام کی مکمل اطاعت کا صدق دل سے فیصلہ کر لیں اور اتنی احتیاط برت لیں کہ ہمارے قول و فعل میں کسی تضاد سے اسلام کا تقدس مجروح نہ ہونے پائے۔"

"تلخ و شیریں" (روزنامہ جنگ) کا ایک اقتباس

"عید سے چند روز پہلے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے خدا ان کی عمر دراز کرے کہ ہم جاہلوں کی فہم کے دائرہ کا صحیح اندازہ فرما کر رشد و ہدایت کا ابلاغ فرمایا اور اللہ کے عطا کئے ہوئے رزق کی تعریف بیان فرمائی ہے - یہ تعریف اتنی واضح تھی کہ اگر اس نوع کے رزق پر روزے کا افطار لازم ہو تو لاکھوں روزے افطار کی سعادت سے محروم رہ جائیں -

بھوکا پیاسا تو ہر وہ شخص رہ سکتا ہے جس کے جسم میں توانائی ہے - مگر افطار کی یہ شرط اس رزق پر نہ ہو جو ابلیسی ذرائع سے حاصل کیا جاتا ہے بلکہ اللہ کے دیئے ہوئے پاک صاف حلال رزق کا جزو ہے - روزے کو خالص انسانیت نواز جہاد کے مرتبے تک پہنچا دیتی ہے -"

۱۵ر جولائی کی اشاعت میں روزنامہ جنگ میں شائع ہونے والے تبصرے کا اقتباس حسب ذیل ہے -

"ڈاکٹر اسرار احمد کا نام درس قرآن کے سلسلے میں خاصی شہرت رکھتا ہے - ٹی وی سے "الف لام میم" جیسا مقبول پروگرام پیش کر چکے ہیں - آج کل "الھدیٰ" نامی پروگرام میں قرآن اور قرآن فہمی کے موضوعات پر نہایت دلنشیں انداز میں درس دیتے ہیں - آپ نے قرآن کے پانچ حقوق بتائے ہیں جس میں قرآن سیکھنا، قرآن پڑھنا (قرأت کرنا) قرآن سمجھنا، قرآن پر عمل کرنا، قرآن کا پیغام دوسروں تک پہنچانا شامل ہیں - اس بار انہوں نے الہدیٰ میں "شرک" کے موضوع پر مدلل اور بصیرت افروز خیالات کا اظہار کیا"

۲۷ ، اگست جمعرات کو نماز مغرب ڈاکٹر صاحب کی تیسری بچی کا عقد نکاح جامع القرآن میں منعقد ہوا - اس تقریب کے سلسلے میں ملک کے نامور صحافی جناب م - ش نے اپنے مقبول و معروف کالم ”م - ش کی ڈائری“ میں نوائے وقت کی ۳۰ ر اگست ۸۱ ء کی اشاعت میں جن تاثرات کا اظہار کیا ہے وہ درج ذیل ہیں پاکستان ٹائمز میں اس تقریب کی جو رپورٹ شائع ہوتی ہے وہ ٹائٹل کور کے تیسرے صفحے پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے - (ج - س)

ایک ٹن وعظ کے مقابلے میں ایک اونس عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے

ایک ٹن وعظ کے مقابلے پر ایک اونس عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے - اس اصول کا عملی مظاہرہ گزشتہ جمعرات کو دارالقرآن ماڈل ٹاؤن (لاہور) میں اس وقت ہوا - جب مشہور عالم دین اور مفسر قرآن ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی بیٹی کی شادی کی جملہ تقریبات کا عین سُنّت نبویؐ کے مطابق انجام دے کر ایک عملی مثال قائم کی۔ میں نے ڈاکٹر اسرار احمد کے ہزاروں کی تعداد میں مواعظ حسنہ میں شرکت کی ہے - لیکن اس موقع پر میری رُوح نے ان کی تقریر دل پذیر کے جو اثرات قبول کئے وہ انمٹ تھے -

نماز مغرب کے وقت مسجد کا ہال حاضرین سے کھچا کھچ بھرا تھا - امامت کے فرائض ڈاکٹر اسرار احمد نے انجام دیئے - قرآن پاک کی آیات مبارکہ تلاوت کرنے میں ان کے لحن میں سوز داؤدی ابھر آیا تھا - نماز سے فارغ ہوتے تو ایک مختصر تقریر میں جہیز اور ولیمہ کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا - پھر خطبہ نکاح پڑھا اور بس انکی بیٹی سلمہا بیاہی گئیں اور یہ تقریب درود و صلوٰۃ کے درمیان اختتام پذیر ہوئی -

ہمارے ہاں شادی، بیاہ، موت اور ختنہ وغیرہ کی تقریبات ایک ہنگامۂ ایک مسلسل دردسر اور اسراف بیجا کا نشان بن چکی ہیں - ہزاروں مساجد، ریڈیو اور ٹیلیویژن سے کم و بیش روزانہ امام صاحبان اور مقرر حضرات اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں ان تقریبات سے متعلق بدعتوں کے خلاف دھواں دھار تقاریر کرتے ہیں - لیکن عمل کے لحاظ سے کوئی شخص ٹس سے مس نہیں ہوتا، ہنگاموں، دردسر

اور اسرافِ بیجا کا عمل غیر مختتم طور پر جاری رہتا ہے لیکن پاکستان میں کم از کم ایک بندۂ خدا نے قول و فعل کے تضاد سے بچتے ہوئے ایک ایسی مثال قائم کی ہے کہ میں دُعا کرتا ہوں کہ اس پر گامزن ہونے کی ہر پاکستانی کو توفیق ارزاں ہو - آمین -

ڈاکٹر اسرار احمد خدا کے فضل و کرم سے بھلے چنگے کھاتے پیتے آدمی ہیں اگر وہ چاہتے تو اپنی بیٹی کی شادی کی تقریب پر ڈھول ڈھمکے ، باجے گاجے آتشبازی اور بجلی کے قمقموں کا حسب پیمانے پر چاہتے اہتمام کر سکتے تھے - ان کے ایسے نیازمند ہیں جوان کے ایک ادنیٰ اشارے پر کھانے پینے کے لئے ہر قسم کی پُر تکلف اشیاء فراہم کر سکتے تھے لیکن اس بابرکت تقریب میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے سنتِ نبوی سے سرِ مو انحراف نہ فرمایا اور یہ تقریب اس حسن و جمال خیر خوبی سے اختتام پذیر ہوئی کہ اس کا لطف زندگی بھر فراموش نہ ہو سکے گا -

ہمارے معاشرے میں بیشمار بیٹیاں ایسی موجود ہیں جن کے ہاتھ پیلے اس لئے نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے والدین میں ڈاکٹر اسرار احمد کے ایمان کا جذبہ موجود نہیں - گھروں پر بیٹھے بیٹیاں بوڑھی ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کے والدین باراتیوں کے شایانِ شان استقبال اور جہیز کے تکلفات سے عہدہ برآ ہونے کی سکت نہیں رکھتے - یہ ایک گھمبیر سماجی مسئلہ بن چکا ہے - کیا محلوں کی مسجدوں کے امام صاحبان اور دوسرے اہل درد لوگ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی کتابِ زندگی سے ایک ورق مستعار لے کر اس المناک سماجی مسئلہ کے حل کے لئے عملی اقدام اٹھانے کا سوچیں گے ؟

عن عبداللہ بن عمرؓ - قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ

عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ

قسط ۳

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ

جنوبی ہند میں پندرہ دن

ایک رپورتاژ

ازقلم :۔ قاضی عبدالقادر

۱۷ ارجنوری (ہفتہ) پروگرام کے مطابق آج ہمیں آمبور، وانم باڑی اور ویلور کے لئے روانہ ہونا تھا۔ جہاں سے کل ہماری واپسی ہے۔ اس وجہ سے احاطہ مسجد والا جاہی کے جلسہ میں آج رات ڈاکٹر صاحب کی تقریر نہیں ہوسکتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے کل مولانا سید صبغۃ اللہ بختیاری صاحب سے فرمایا کہ آج کے جلسہ میں وہ تقریر فرما دیں جسے مولانا نے بکمالِ محبت منظور فرما لیا۔

ساڑھے نو بجے ہم لوگ کار میں روانہ ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب اور میرے علاوہ تین حضرات اور تھے۔ مولوی عبدالجمیل صاحب اُن کے بھتیجے مولوی عبدالباقی صاحب اور نذیر احمد صاحب۔

مدراس سے ویلور (جو ضلعی صدر مقام ہے) نوّے میل دُور ہے۔ جہاں سے آمبور کا فاصلہ تیس میل ہے۔ سڑک بہت اچھی ہے اور راستہ کے مناظر نہایت دلفریب۔

راستہ میں ایک جانور کے ریوڑ کے ریوڑ چرتے دیکھے جو بکری اور بھیڑ سے مشابہ تھا۔ معلوم ہوا کہ اسے یہاں پر "پوٹلا" کہتے ہیں اور یہ بکری اور بھیڑ کی CROSS — BREEDING ہے۔ مدراس میں ڈاکٹر صاحب کو گوشت بہت پسند تھا، وہ اس کی بہت تعریف کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ گوشت "پوٹلا" کا ہوتا تھا جبھی اتنا لذیذ ہوتا تھا۔

والاجاہ پیٹ کے پاس سے گذرے تو پہاڑی سلسلہ شروع ہوگیا۔ ایک

پہاڑی کو دیکھ کر تو "جبلِ نور" کا گمان ہوتا تھا۔ شکل بالکل ویسی ہی تھی۔ والاجاہ پیٹ سے سڑک کے دو حصے ہوجاتے ہیں۔ ایک بنگلور کو جاتی ہے اور دوسری ویلور کو۔ سامنے آندھیرا پردیش کا پہاڑی سلسلہ نظر آتا ہے۔ یہاں پر متعدد ٹیز زمین والاجاہ پیٹ کے بعد ندی کا پل آتا ہے جس کے فوراً بعد ایک وسیع باغ۔ کہتے ہیں کبھی اس باغ میں نولاکھ درخت ہوتے تھے۔ والاجاہ پیٹ کے بعد آرکاٹ (ARCOT) کا قصبہ آیا۔ تاریخ میں آرکاٹ کے نواب مشہور رہے ہیں۔

حضرت سلطان ٹیپو شہید کی شہادت کے بعد جنوبی علاقوں کی مستقل غلامی ایک المناک حادثہ ہے۔ اس حادثہ کے بعد میسور کی حکومت کا وسیع علاقہ انگریزی اقتدار کے بل پر دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ حکومتِ نظام اور نوابانِ آرکاٹ نے اپنے اقتدار کے تحفظ کا سامان کرلیا۔

کسی زمانہ میں آرکاٹ شہر میں ۳۶۰ مساجد ہوتی تھیں جو سال کے ایک ایک دن کے حساب سے بنائی گئی تھیں آج ان میں سے اکثر یا تو زمین کے اندر دفن ہوچکی ہیں یا غیروں کے قبضہ میں آکر اُجڑ چکی ہیں۔

آرکاٹ کے بعد میل وشارم آیا یہ ایک مشہور قصبہ ہے جو مسلمانوں کی پندرہ ہزار آبادی پر مشتمل ہے۔ جو کُل آبادی کا نوے فی صد ہے۔ اس قصبہ میں مسجدیں بہت بڑی تعداد میں ہیں اور بہت اچھی بنی ہوئی ہیں۔ یہاں مسلمانوں کا ایک کالج ہے۔ عبدالحکیم کالج کے نام سے۔ اس کے علاوہ مدرسہ منبع الحسنات اور مدرسۂ نسواں بھی ہیں۔

میل وشارم سے ویلور تک پہاڑی سلسلہ سڑک کے قریب آگیا ہے۔ ویلور پہنچ کر گاڑی رُکی اور ہم لوگ ایک قبرستان میں داخل ہوئے۔ معلوم ہوا کہ یہ سلطان ٹیپو شہید کی بیگم کے ننھیال کا قبرستان ہے۔ سُلطان ٹیپو شہید کا خیال کیا آیا کہ ؏

ایک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے!

ایک پوری تاریخ آنکھوں میں گھوم گئی۔ "شیر کی ایک لمحہ کی زندگی گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے بہتر ہے" ـــــ اور شیر بھی ایسا کہ جس نے انگریزی اقتدار کو ہلا دیا ـــــ اگر خود اُن کے کلمہ گو ساتھی غداری نہ کرتے تو شاید ہندوستان

کا لفظ ہی کچھ اور ہوتا - ہائے ؎

تاباں تھیں جن سے غمکدۂ جاں کی وسعتیں
پلکوں پہ وہ چراغ سرِ شام بجھ گئے

آزادیٔ ہند کے مجاہدِ اوّل اور نواب حیدر علیؒ کے جاں باز فرزندِ ارجمند سُلطان شہیدؒ نے ایک طرف انگریزوں کے بظاہر دشمن مرہٹوں کے خلاف اپنی فوج کو صف آراء کیا تو دوسری طرف مسلمانوں کے کھلے دشمن انگریزی فوج کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنے کی بھرپور جدوجہد شروع کی —— لیکن —— "اور تلوار ٹوٹ گئی" —— اور اس کے بعد ہم عرصۂ دراز تک غلامی کے شکنجے میں کس لئے گئے ؎

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیاہ پوش ہوا تیرے بعد

—— اور ——

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دیوانہ اٹھ گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

سُلطان شہید کے جوش و جذبہ کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں - بس ہم یہی کہہ سکتے ہیں ؎

بنا کردند خوش رسمے، بہ خاک و خون غلطیدند
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

قبرستان میں ہم نے سُلطان شہید کی بیگم اور ان کے خاندان کی قبروں پہ فاتحہ پڑھی - سُلطان شہیدؒ کی بیگم کے مزار پر یہ اشعار کندہ تھے -

زدنیا زوجۂ سُلطان والا چو بر تختِ ارم شد مسند آرا
سروشم گفت سالِ نہضتِ او رواں شد بادشہ بیگم جناں را
۱۲۵۰ھ

بیگم حیدر علیؒ کے مزار پر یہ اشعار لکھے تھے :-

چوں زدنیا بخشی بیگم جہت جنت شد وداع
بہر تاریخش او ہاتف بگفت از درد - آہ
سالِ گنبد زیبِ غرّا سالِ رحلت ایں بگو
زیبِ جنت زوجۂ حیدر امِ سلطان پادشاہ
۱۲۱۹ھ

قبرستان کے اندر ایک باؤلی بھی تھی جسے یہاں کی زبان میں "گنٹا" کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ قبرستان اور باؤلی کی حالت بہت خستہ ہو گئی تھی۔ اب اس کی طرف توجہ دی گئی ہے۔ اس کی دیکھ بھال کے لیے ایک کمیٹی قائم ہے جس کے چیئرمین ہمارے مولوی عبدالجمیل صاحب ہیں۔ چنانچہ چیئرمین مولوی عبدالجمیل صاحب نے ہمیں درختوں کے نیچے ایک کھلی جگہ پر بنچوں پر بٹھایا۔ یہاں پر پپیتے کے بہت سے درخت ہیں۔ تھوڑی دیر میں ہمارے سامنے بہت سے پپیتے آگئے۔ جو نہایت ہی شیریں تھے۔ کراچی میں پپیتے کھاتے ہیں لیکن ایسے شیریں پپیتے ہم نے پہلے کبھی نہیں کھائے۔ جی بھر کر کھائے۔ میرا تو الحمدللہ معاملہ ٹھیک رہا لیکن ڈاکٹر صاحب کے پیٹ میں بعد میں اس سے تکلیف ہو گئی۔ اس لئے کہ پپیتا کچھ نہ کچھ کھانے کے بعد کھانا چاہیئے اور یہاں ان کا پیٹ تقریباً خالی تھا۔ پپیتے کھانے کے بعد جب ہم وہاں سے رخصت ہونے لگے تو ڈاکٹر صاحب نے اس بات کا اطمینان کر لیا کہ باغ کے کارکن کو پپیتے کے پیسے دیدئے گئے ہیں۔

قبرستان سے رخصت ہوتے وقت سرنگا پٹم بہت یاد آرہا تھا۔ کاش کہ وہاں پہنچ جاؤں اور سلطان شہید کی قبر پہ فاتحہ پڑھ سکوں لیکن ویزا کی پابندیاں حائل تھیں۔ آنکھیں اشکبار تھیں اور بار بار یہ اشعار ذہن میں چکر لگا رہے تھے جیسے سُلطان شہید کی رُوح اپنے بیٹے کو نہیں مجھے وصیت کر رہی ہو "مت کیجے سرا اس فرزند کو کہ جس کے جسم میں گرم گرم خون ہے اور جس کے دل میں صداقت کیلئے مرنے کی تڑپ ہے" وصیت کر رہی ہو۔

تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہمنشیں ہو تو محمل نہ کر قبول
اے جُوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول
کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں
محفل گداز گرمیٔ محفل نہ کر قبول

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیلؑ نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دِل نہ کر قبول
باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

قبرستان سے تھوڑا آگے بڑھ کر کرسچن میڈیکل کالج ہسپتال (C.M.C HOSPITAL) کی عظیم عمارت ہے۔ معلوم ہوا کہ جنوبی ہند کا یہ سب سے بڑا ہسپتال ہے۔

ہمارے ویزا میں آمبور کا مقام درج تھا لیکن چونکہ ضلعی مقام ویلور ہے اس لئے ہمیں یہیں پر C.I.D آفس میں اپنی آمد درج کرانی تھی۔
آفس کا پتہ معلوم کیا تو کسی نے بتایا کہ قلعہ کے اندر ہے۔ یہاں ایک بہت بڑا پرانا قلعہ ہے۔ جس کے چاروں طرف گہری کھائی ہے۔ ہم قلعہ کے اندر آفس گئے۔ وہاں سے پتہ چلا کہ پاکستانیوں کی آمد کا اندراج ایک دوسرے دفتر میں ہوتا ہے۔ وہاں پہنچے۔ تو متعلقہ کارکن نے کہا کہ اندراج یہاں پر نہیں بلکہ آمبور میں ہوگا۔ مجھے شمالی ہند کا تجربہ تھا کہ اندراج ہمیشہ ضلعی صدر مقام میں ہوا کرتا ہے متعلقہ کارکن کو بتایا بھی لیکن وہ کسی طرح ماننے کو تیار نہ تھا۔ اُس سے کہا اپنے افسر سے معلوم کر لو لیکن وہاں سے بھی یہی جواب تھا۔ مجبوراً ہم وہاں سے آمبور کے لئے روانہ ہو گئے۔

انیکا عبدالشکور مرحوم مدراس کی ایک مشہور شخصیت تھے چمڑے کے چند بڑے تاجروں میں سے ایک تھے۔ خدمتِ خلق اور دینی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ ابھی پچھلے سال ہی اُن کا انتقال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی نیکیوں کو قبول فرمائے۔ اُن کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ آمین۔
اُن کی کئی مقامات پر ٹینریاں ہیں۔ ایک ٹینری ویلور میں بھی ہے۔ وہاں ہم تھوڑی دیر ٹھہرے۔ چائے وغیرہ سے ہماری تواضع کی گئی۔ ویلور سے آمبور تک کے تیس میل کے علاقے میں پہاڑی سلسلہ جاری تھا۔ بقول ڈاکٹر صاحب یہ علاقہ اٹک سے اکوڑہ خٹک تک کے درمیانی علاقہ سے بہت مشابہ تھا۔

اب ہماری کار آمبور کے نواح میں داخل ہو چکی تھی - ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔ یہاں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم مشرقی پاکستان کے کسی قصبہ میں داخل ہوئے ہوں۔ انیکار عبدالشکور مرحوم کی شاندار وسیع و عریض کوٹھی (بلکہ اسے محل کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا) میں ہمارے قیام کا انتظام تھا - جس بڑے کمرے میں ہم ٹھیرائے گئے وہ مہمان خانہ کا وہ حصہ تھا جہاں اکثر علماء دیوبند آکر ٹھیرتے ہیں۔

آمبور کی آبادی تقریباً ستر ہزار ہے - جو نصف مسلمانوں پر مشتمل ہے - بڑی بڑی صاف ستھری مساجد بنی ہوئی ہیں۔

تھوڑا سا آرام کر کے ہم لوگ سب سے پہلے انیکار عبدالشکور مرحوم کے قائم کردہ اسکول کا معائنہ کرنے گئے - بہت وسیع رقبہ میں یہ اسکول قائم ہے - ہمیں اسکول کے بہت سے حصوں کا معائنہ کرایا گیا - ڈاکٹر صاحب اس کے حسنِ انتظام سے بہت متاثر تھے - مرحوم کے لئے دل سے دعائیں نکلیں۔

قیام گاہ کے قریب کی مسجد میں بعد نماز مغرب ڈاکٹر صاحب کی تقریر رکھی گئی تھی - یہ خوبصورت مسجد جو مسجد محمد پورہ کہلاتی ہے - انیکار عبدالشکور مرحوم کی تعمیر کردہ تھی - ہال دلان اور صحن لوگوں سے پُر تھے اور بہت سے لوگ باہر کھڑے ہوئے تھے ڈاکٹر صاحب کی تقریر کا موضوع تھا "نبی اکرمؐ کا مقصدِ بعثت"، لوگوں نے نہایت صبر و سکون سے تقریر سماعت فرمائی۔

تقریر کے بعد ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میرا اس وقت کا خطاب نبی اکرمؐ کے مقصدِ بعثت پر مشتمل تھا - لیکن بات ابھی پوری نہیں ہوئی میں یہ بھی بیان کرنا چاہتا تھا کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے نبی اکرمؐ نے طریقِ کار کیا اختیار فرمایا۔ اب چونکہ وقت نہیں ہے اس لئے اسے ان شاء اللہ صبح فجر کی نماز کے بعد بیان کیا جائے گا تاکہ گفتگو کا حق کسی حد تک ادا ہو سکے - چنانچہ وہیں پر مشورہ کے بعد یہ اعلان کیا گیا کہ فجر کی نماز کے بعد ڈاکٹر صاحب کی تقریر چھوٹی مسجد میں ہوگی (جو یہاں سے کچھ فاصلہ پر ہے)، تاکہ وہاں کے لوگ بھی ڈاکٹر صاحب کی تقریر سے مستفید ہو سکیں - ڈاکٹر صاحب کی تقریر کی وجہ سے نمازِ عشاء تاخیر سے پڑھی گئی -

نمازِ عشاء کے بعد ہم قیام گاہ پر واپس آئے۔ پُرتکلّف دستر خوان ہمارا منتظر تھا۔ دستر خوان پر بہت سے لوگ شریک تھے۔ میرے ذہن میں یہ مصرع گردش کر رہا تھا ؎ ایک بندۂ عاصی کی اور اتنی مداراتیں

کھانے کے بعد لوگ ——— دیر تک ڈاکٹر صاحب سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ مختلف حضرات کو ڈاکٹر صاحب کی کتب کے سیٹ دیئے۔ کچھ حضرات "میثاق" کے خریدار بنے۔ انیکار عبدالشکور مرحوم کے نوجوان صاحبزادے عزیزم شفیق احمد سلمہٗ نے خاطر مدارات میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ یہ بہت ہی صالح نوجوان ہے۔

مرحوم کے دونوں داماد اکبر صاحب اور ذکریا صاحب بھی موجود تھے جو خاطر مدارات میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لے رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین! رات گئے محفل برخاست ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب مسہری پر سوئے۔ میرے لئے بھی مسہری کا انتظام کیا جا رہا تھا۔ لیکن میں نے منع کر دیا اور نیچے قالین پر سویا۔ ہم دن بھر کے تھکے ہوئے تھے۔ کھانا لذیذ تھا اور خوب کھایا تھا اس لئے جلد ہی نیند نے آلیا۔ نیند کے جلد آجانے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کے خراٹے سننے کی سعادت سے بھی محروم رہا۔

مولوی عبدالجمیل صاحب اور مولوی عبدالباقی صاحب رات ہی کو اپنے گھر وانم باڑی چلے گئے تھے جو یہاں سے دس بارہ میل دُور ہے۔ فجر کی اذان کا وقت ابھی نہیں ہوا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں سمجھا کہ میزبانوں میں سے کوئی ہے۔ دروازہ کھولا تو دیکھا کہ اس وقت مولوی عبدالجمیل صاحب "نازل" ہو گئے۔ پوچھا! مولانا رات یہیں کہیں تھے۔ کہنے لگے! نہیں ——— اپنے گھر وانم باڑی گیا تھا اور ابھی وہیں سے چلا آ رہا ہوں۔ یعنی آٹھ دس میل جانا اور پھر اِتنے تڑکے واپس آجانا۔ مولانا سے چونکہ بے تکلفی ہو گئی تھی۔ میں نے کہا! مولانا آپ آدمی ہیں یا جن ——— اس جملہ پر ڈاکٹر صاحب کی بھی آنکھ کھل گئی اور وہ یکدم اُٹھ بیٹھے جیسے واقعی کوئی جن گھس آیا ہو۔

فجر کی نماز چھوٹی مسجد میں پڑھی۔ فاصلہ اتنا تھا کہ کار میں طے کرنا پڑا۔ نماز

کے بعد حسبِ اعلان ڈاکٹر صاحب کی تقریر "نبی اکرم ؐ کا طریق کار" کے موضوع پر ہوئی۔ اس مسجد میں نئے لوگوں کے علاوہ بہت سے وہ لوگ بھی تھے جو ان حضرات کی محمد پورہ کی مسجد کی تقریریں میں حاضر تھے اور یہاں پر صبح خاص دُور دُور سے آتے تھے۔

تقریر کے بعد قبرستان گئے اور ایکار عبدالشکور مرحوم کی قبر پر فاتحہ پڑھی۔ وہاں سے نذیر احمد صاحب کے گھر پر چائے پی۔ اُن کے بھائی بشیر احمد اور صاحبزادے نیاز احمد بھی موجود تھے۔ اس چائے (جس کے ساتھ بھی بہت کچھ تھا) کی حیثیت "نزول" کی تھی کیونکہ ہمیں پروگرام کے مطابق ناشتہ وانم باڑی جا کر کرنا تھا۔

ایک بات بتانا بھول گیا۔ کل جب ہم لوگ آمبور پہنچے تو اپنے پاسپورٹ اور ویزا ایک صاحب کو دیکر C.I.D آفس بھیجا۔ وہاں متعلقہ کارکن سے جب ملے تو اُس نے کہا کہ اس کا اندراج ضلعی صدر مقام ویلور میں ہوگا۔ اب اُس سے کہا گیا کہ وہاں تو ہم ہو آتے ہیں اُن کا کہنا ہے کہ نہیں، آمبور میں اندراج ہوگا لیکن یہاں کا متعلقہ کارکن کسی صورت میں ماننے کو تیار نہیں تھا۔ اُس سے کہا گیا کہ تم اس بات کو لکھ کر دیدو تاکہ ہم ویلور میں بتا سکیں لیکن وہ لکھنے پر بھی تیار نہیں تھا۔ یہ صورتحال جب ہمیں بتائی گئی تو تعجب بھی ہوا اور افسوس بھی۔ تعجب اس بات پر کہ CID کے دفتر کے متعلقہ حضرات طریق کار سے صحیح واقفیت تک نہیں رکھتے اور ہمیں بلاوجہ پریشان کر رہے ہیں۔ اور افسوس اس بات کا کہ ہم اس ملک میں مہمان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن یہ CID آفس کے چکر اس طرح لگانے پڑ رہے ہیں کہ آمد بھی لکھائی اور اخراج بھی جیسے ہم کوئی لبتہ الف کے مجرم ہوں —— اب صورت یہ تھی کہ ہم دوبارہ ویلور جائیں جو یہاں سے تیس میل دُور ہے اب اگر وہاں کا متعلقہ کارکن پھر اپنی بات پر اَڑا رہا (جس کا بہرحال پُورا امکان تھا) تو ہم کیا کریں گے۔ اور بغیر اندراج کرائے ہم ان علاقوں سے واپس بھی نہیں جاسکتے تھے۔ عجیب سی پریشانی تھی۔ کیا چکی کے ان دو پاٹوں کے درمیان پسنا ہماری قسمت میں لکھا تھا۔ ہمارے میزبان بھی اس صورت حال سے کچھ پریشان سے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی طرف دیکھتا تھا تو وہ ایسے مطمئن تھے جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہ ہو قیام گاہ سے سامان سمیٹ کر اور میزبانوں سے رخصت ہو کر ہم لوگ آٹھ بجے وانم باڑی کے لئے روانہ ہوگئے۔

تھوڑی سی دیر میں وہاں پہنچ گئے۔ پٹن حاجی خلیل الرحمن صاحب کے مکان پر ناشتہ ہمارا منتظر تھا۔ قصبہ کے تمام سربرآوردہ حضرات وہاں جمع تھے ناشتہ اور اس کے بعد مختلف مسائل پر ڈاکٹر صاحب کے ساتھ تبادلۂ خیالات ہوا۔

ناشتہ میں ایک صاحب سامنے بیٹھے تھے بالکل ہمارے بھائی عبدالخالق صاحب کی سورت۔ میں نے آہستہ سے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ بھائی عبدالخالق بیٹھے ہیں۔ فرمانے لگے کدھر؟ میں نے اشارہ کیا تو ہلکے سے مسکرا دیئے۔ پاکستان واپس آکر جب میں نے بھائی عبدالخالق سے اس کا تذکرہ کیا تو برملا کہنے لگے کہ ہاں واقعی میں نے اپنی رُوح کو وہاں ناشتہ کرنے بھیجا ہوا تھا۔

ناشتہ پر ایک مولوی صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے جماعت اسلامی کے موضوع پر گفتگو چھیڑ دی۔ وہ جماعت کے شدید مخالفین میں سے تھے۔ ڈاکٹر صاحب سے جماعت سے استعفیٰ کی وجہ معلوم کی۔ ڈاکٹر صاحب نے مختصراً اس کی وجہ جماعت کی عجلت پسندی اور جلد بازی کو قرار دیا۔ اُس کے بعد اُن صاحب نے "جلدی" اور "جلد بازی" کے الفاظ پر بحث چھیڑ دی۔ ڈاکٹر صاحب نے ان الفاظ کا فرق بیان فرمایا۔ اس سلسلہ میں حضرت یونس ؑ کی مثال بھی بیان فرمائی کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے حکم آئے بغیر انہوں نے جلد بازی سے کام لیا اور اپنی اُمت کو چھوڑ کر چلے گئے جس کا خمیازہ انہیں بعد میں بھگتنا پڑا۔

دائم باڑی کی آبادی تقریباً ساٹھ ہزار ہے جس میں مسلمان لگ بھگ چالیس ہزار ہیں۔ محلہ داری تنظیم کے ساتھ یہاں پر اکیس۲۱ مساجد ہیں۔ یہ بڑا مردم خیز قصبہ ہے۔ اور اسے تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ انگریزی اقتدار کے خلاف ملک کے جس خطہ سے بھی تحریک نمایاں ہوئی تو اس شہر نے مکمل طور پر اس کا ساتھ دیا اور اپنے ایثار و عالی ظرفی کا ثبوت پیش کیا۔

ناشتہ اور تبادلۂ خیالات سے فارغ ہو کر ڈاکٹر صاحب مدرسۂ نسواں کے معائنہ کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ بہت بڑا مدرسہ ہے جس میں تقریباً نو سو لڑکیاں تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ اسے انجمن خیر خواہ عام چلاتی ہے جو ۱۹۰۶ء میں قائم ہوئی تھی۔ مولوی خطیب محمد عبید اللہ صاحب ؒ کی تحریک پر مدرسۂ نسواں کا

قیام ۱۹۱۰ء میں عمل میں آیا۔ اور مولانا عبدالمجید خاں بنگلوری خلیفہ مجاز حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کی محنت شاقہ سے پروان چڑھا۔

مدرسہ کے ساتھ ایک وسیع دارالاقامہ بھی ہے۔ یہاں پر پردہ اور شعائر اسلام کی سخت پابندی کرائی جاتی ہے۔ آج کل مدرسہ کے ناظم مولانا الحاج ٹی۔ عبدالرحمٰن صاحب باقوی ہیں۔ محترمہ آمنہ حاجی محمد ابراہیم مدرسہ کی جنرل سیکرٹری ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے مدرسہ کی لائبریری اور دیگر شعبہ جات کا معائنہ فرمایا۔ ناظم مدرسہ نے ہمیں ایک کمرہ میں بٹھا دیا۔ برابر کے کمرہ سے پردہ میں طالبات نے اُردو، عربی اور انگریزی میں تقاریر کیں۔ جس سے ہم لوگ بہت متاثر ہوئے۔ اس مدرسہ کی شہرت دُور دور ہے اور یہاں کی فارغ شدہ طالبات نے جنوبی ہند کے دیگر مقامات پر اسی طرز پر لڑکیوں کے مدرسے کھول لئے ہیں جہاں پر دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ مدرسہ کے رجسٹر میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے تاثرات تحریر فرمائے۔ اس مدرسہ میں ملک کے متعدد اکابر علماء کرام اور رہنمایان ملت کی تشریف آوری ہو چکی ہے۔ مثلاً حضرت بی اماں صاحبہ مرحومہ والدۂ ماجدہ علی برادران مولانا شوکت علی مرحوم، مولانا ظفر علی خاں مرحوم، مولانا حسرت موہانی مرحوم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ مولانا احمد سعیدؒ ڈاکٹر مختار احمد انصاری مرحوم مولانا سید داؤد غزنویؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا آزاد سبحانیؒ نواب بہادر یار جنگ مرحوم، مولانا عبدالحیّ فاروقی مرحوم، مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا احتشام الحق تھانویؒ، مولانا سید اسعد مدنی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب وغیرہ۔ ان سب حضرات نے مدرسہ کے معائنہ کے بعد رجسٹر پر اپنے تاثرات درج فرمائے تھے۔ مدرسہ کے معائنہ کے بعد ڈاکٹر صاحب نے یہاں مختصر خطاب فرمایا اور طالبات کو مفید نصیحتیں کیں۔

یہاں سے فارغ ہو کر ہم لوگ مدرسۃ معدن العلوم گئے۔ یہ پچانوے ۹۵ سال پُرانا مدرسہ ہے۔ خاصی بڑی عمارت ہے۔ ایک ہی شخصیت یعنی حاجی عبدالرحیم صاحب مرحوم کی امداد سے قائم ہوا۔ اور وہی اسے بہت عرصہ تک تن تنہا چلاتے رہے۔ اس وقت یہ ایک ٹرسٹ کے زیر انتظام ہے اور اس کے ناظم مولوی

ولی اللہ صاحب ہیں - ایک سو کے قریب طلباء زیر تعلیم ہیں - مولانا رشید احمد گنگوہیؒ شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کے فیض یافتہ اساتذہ اس میں کام کر چکے ہیں -

ہم جب پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پر باقاعدہ جلسہ کا انتظام تھا - طلباء و اساتذہ ہال میں بیٹھے ہوئے تھے - ان حضرات نے پروگرام تو بہت بڑا بنایا تھا لیکن چونکہ ہمیں سی - آئی - ڈی آفس بند ہونے یعنی ایک بجے سے قبل ویلور پہنچنا تھا اس لئے پروگرام کو مختصر کرنا پڑا - خیر مقدمی کلمات اور نعت وغیرہ کے بعد ڈاکٹر صاحب نے نصف گھنٹہ کی مختصر تقریر فرمائی جس میں اُن آیات کا مختصر بیان کیا جو ابتدائی چار وحی عام پر کہی جاتی ہیں - یہ بیان عام فہم انداز میں کیا گیا تاکہ طلباء سمجھ سکیں -

ڈاکٹر صاحب کی تقریر شروع ہونے کے بعد میں نے طبیعت مضمحل سی محسوس کی اور باہر آکر کار کا دروازہ کھول کر ہوا میں بیٹھ گیا اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مونچھوں والے صاحب میرے پاس آکر رکے اور سرگوشی کے سے انداز میں مجھ سے پوچھا کہ یہ کون صاحب تقریر کر رہے ہیں -

میں نے ڈاکٹر صاحب کا نام بتایا - اُس کا انداز ایسا تھا جیسے کہ یہ بات اُسے معلوم ہو صرف تصدیق کرنا چاہتا ہو - مجھے کچھ شبہ سا ہوا یہ بات کر کے وہ شخص ایک طرف جا کر کھڑا ہو گیا - تھوڑی دیر میں ایک اور صاحب میرے پاس آئے - کہنے لگے جانتے ہو یہ شخص کون تھا؟ میں نے کہا نہیں کہنے لگے C.I.D کا آدمی ہے - جو یہاں پر ڈاکٹر صاحب کی تقریر نوٹ کرنے ـــ آیا ہے - معلوم ہوا کہ جیسے ہی ہم ویلور سے چلے ہیں - C I D سائے کی طرح ہمارا پیچھا کرتی رہی ہے - مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں "کچھ" ہو نہ جائے - اس کی دو وجوہات تھیں - ایک تو یہ کہ وانم واڑی ہمارے ویزا میں شامل نہیں تھا - اور آئے بھی خاموشی سے نہیں "بباتگ دھل" تھے - اور دوسرے یہ کہ ہندوستان یا پاکستان میں دوسرے ملک سے آنے والے شہری کو اگر کہیں تقریر کرنی ہو تو اس ملک کی مرکزی حکومت سے اس کی اجازت لینی پڑتی ہے - اس کے بغیر خطاب کرنا جرم ہے ـــ اور یہاں وانم باڑی میں یہ دونوں کام "دھڑلے" سے ہو رہے تھے - اب مجھے خدشہ ہو تو کیوں نہ ہو! - بہر حال اللہ کا شکر ہے کہ ہم خیریت سے رہے -

مدرسہ معدن العلوم کے ایک استاد جناب نازش حیدر آبادی کی مدراس میں ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہو چکی تھی - یہاں مدرسہ میں پھر ملاقات ہوئی - اچھے شاعر ہیں - ڈاکٹر صاحب کی تقریر سے قبل موصوف نے ڈاکٹر صاحب کی تشریف آوری پر اپنا تحریر کردہ "نغمۂ ترحیب" ترنم سے پڑھ کر سنایا جس نے جلسہ میں سماں باندھ دیا - ڈاکٹر صاحب کی قصیدہ خوانی یا ان کے لئے نغمۂ ترحیب کو ہم اچھا نہیں سمجھتے اور قارئین میثاق، جانتے ہیں کہ ایسی چیزوں کو ہم نے کبھی "میثاق" میں جگہ نہیں دی۔ لیکن اب جبکہ یہ رپورتاژ تحریر کیا جارہا ہے اور واقعات نگاری کی جارہی ہے اور چیزوں کو اسی طرح پیش کیا جارہا ہے جیسی کہ وہ تھیں تو نامناسب نہ ہوگا کہ اس کو بھی من وعن شائع کر دیا جائے - چاہے یہ مکروہ کے درجہ ہی میں کیوں نہ ہو -

تو لیجئے میرے پیارے قارئین کرام! نغمۂ ترحیب پیشِ خدمت ہے -

باسمہٖ تعالیٰ

"نغمۂ ترحیب"

بموقعہ ورودِ مسعود عالی جناب محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب دامت برکاتہم

(ناظم ادارۂ "خدام القرآن" لاہور - پاکستان)

بہ معدن العلوم - وانم باڑی - ۱۸ جنوری ۱۹۸۱ء

از: نازش حیدر آبادی

(استاذ معدن العلوم - وانمباڑی)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحبِ والاصفات
آج ہیں مہمان معدن ہے حسرت کی یہ بات

آج ایک ضیفِ معزز آئے از فضلِ الٰہ
خیر مقدم کے لئے ہیں دیدہ و دل فرشِ راہ

آپ کا آنا ہمیں ہے وجہِ ناز و افتخار
ارضِ معدن آپ کے آنے سے ہے باغ و بہار

نغمۂ ترحیب گاتے ہیں گل و غنچہ سبھی
آپ کے کلمات سے باطن نے پائی روشنی

آج دِل رطب اللساں ہے آپ ہی کی شان میں
آپ پاکستان کے مہماں ہیں ہندوستان میں

گوش بر آواز ہیں سب عندلیبانِ چمن
کچھ ہمیں بھی ہوں عطا، دُرِّ عدن، لعلِ یمن

نازش حیدرآبادی ، ۱۸ر جنوری ۹۱ء، وانم باڑی

وانم باڑی سے ہم واپس ویلور آئے اور سب سے پہلے پی۔عبدالشکور صاحب مرحوم کی ٹینری میں گئے۔ سب سے پہلا مسئلہ سی۔آئی۔ڈی۔آفس جاکر اپنی آمد اور پھر روانگی درج کرانا تھی اور یہ مسئلہ جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے ہمارے لئے واقعی ایک "مسئلہ" بن گیا تھا۔ ہمارے میزبانوں کو اس کا احساس تھا اس لئے انہوں نے آمبور سے یہاں ویلور میں ٹینری فون کرکے ایک ایسے صاحب کا انتظام کر دیا تھا جن کے سی۔آئی۔ڈی۔آفس میں تعلقات ہیں۔ چنانچہ جب ہم ٹینری پہنچے تو تھوڑی ہی دیر میں ہمارے ان محسن کو بلا لیا گیا ان کا نام شریف صاحب تھا اور وہ نام کے ہی نہیں کام کے بھی شریف تھے۔ یعنی لفظاً و معناً دونوں طرح سے۔ ہمارے کراچی والوں کی طرح نہیں جہاں ہر طرف "شرفا ہی شرفا" نظر آتے ہیں۔ اور خصوصاً وہ شخص تو شریف ہونے کا سب سے زیادہ مدعی ہوتا ہے جس کے گھر میں شریفے کا درخت ہو۔ اور یوں بھی بہت سے لوگوں نے محض شریف بننے کے لئے بلکہ کہلانے کے لئے اپنے گھروں میں شریفے کے پیڑ لگا رکھے ہیں۔

یہ سی۔آئی۔ڈی۔ والے بھی خوب ہوتے ہیں۔ ہم جب جمعیت طلبہ میں تھے تو ایک صاحب ہماری "نگرانی" پر مامور تھے۔ چنانچہ گجرات کے "مام دنیا" کی طرح اُن کا نام ہم نے چودھری امام دین (C.I.D) رکھا ہوا تھا۔ یوں تو کسی کا غلط نام رکھنا ——— شرعاً منع ہے لیکن اُس وقت نوجوانی کا دور تھا اور ہم یہ سوچتے تھے کہ جب وہ صاحب ہماری خفیہ نگرانی کر رہے ہیں اور سایہ کی طرح پیچھے لگے رہتے ہیں تو ہم بھی اُن کا نام کچھ ایسا رکھیں جو ہم ہی تک محدود رہے۔ اس ضرورت کا فائدہ اٹھا کر نام "چودہری امام دین" رکھا گیا کیونکہ اس کے INITIAL بھی C.I.D. ہوتے ہیں۔ یہی نام بگڑتے بگڑتے "مام دنیا" بن کر رہ گیا اور وہ صاحب جب آتے تھے تو کھسر پھسر شروع ہوجاتی تھی کہ "لو مام دنیا آگیا"۔

شریف صاحب کے ساتھ ہم C.I.D آفس روانہ ہوگئے۔ واپسی کے سفر میں مولوی عبدالجمیل صاحب اور مولوی عبدالباقی صاحب ساتھ تھے C.I.D آفس والے

جس طرح ہمیں پریشان کر رہے تھے۔ مجھے ڈر تھا کہ ہمارے مولوی عبدالجلیل صاحب کہیں اپنے "جلال" میں نہ آجائیں اور وہاں کھری کھری نہ سنا دیں۔ اُن کا تو شاید کچھ زیادہ نہ بگڑتا کہ وہ تو وہیں کے تھے۔ اچھی خاصی "کرکری" ہماری ہو جاتی۔ لیکن خدا کا شکر کہ وہ خاموش ہی رہے۔

ہم جب C.I.D. آفس متعلقہ کارکن کے پاس پہنچے تو اُس نے پھر وہی باتیں دہرانی شروع کر دیں جو اس سے قبل یعنی کل کہہ چکا تھا وہ بضد تھا کہ اندراج یہاں پر نہیں آمبور میں ہوگا اُسے کہا بھی گیا آمبور والے کہتے ہیں اندراج ویلور ــــــ میں ہوگا مگر وہ ماننے کو تیار نہ تھا۔ ہم کیا ہوگئے فٹ بال ہوگئے ادھر سے کِک مارا اُدھر جا پڑے۔ اُدھر سے کِک مارا اِدھر آگئے ایک غیر ملکی تو مہمان کا درجہ رکھتا ہے لیکن یہاں پر اُس کا یہ "اکرام" ہو رہا تھا۔ اللہ اکبر! کہ یہ لوٹنے کی جائے ہے! اچھا ہوا کہ شریف صاحب ساتھ تھے۔ انہوں نے بہت دیر تک اُس شخص کو سمجھایا جب جاکر اُس کا دل پسیجا۔ اور وہ خدا خدا کر کے اندراج کرنے پر آمادہ ہوا۔ لیکن پھر اُس نے پاسپورٹ میں اعتراض نکالنے شروع کر دیئے۔ وہ جو کہتے ہیں کہ چور چوری سے جائے ہیرا پھیری سے نہ جائے۔ پاسپورٹ پر شخص متعلقہ کے فوٹو اور دستخط موجود ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر اُسکی تصدیق کی جا سکتی ہے۔ لیکن یہ آدمی بہت تیز تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے پاسپورٹ میں بائیں جانب تل تحریر تھا ڈاکٹر صاحب سے کہنے لگا تل دکھائیے۔ اتفاق سے تل دائیں جانب تھا اور پاسپورٹ میں بائیں جانب لکھا تھا اب اسے اعتراض کا موقع ہاتھ آگیا۔ اُس سے کہا گیا کہ تصویر صحیح ہے تصدیق کر لو۔ دستخط بھی کرا کے دیکھ لو۔ پاسپورٹ بنواتے وقت غلطی ہوگئی تھی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوتا تھا۔ میں دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ میرے پاسپورٹ میں دائیں ہاتھ پر تل درج ہے جب کہ دراصل وہ بائیں ہاتھ پر ہے۔ (براہ کرم آپ یہ نہ سمجھیں کہ ڈاکٹر صاحب کا دائیں جانب کا تل دورانِ سفر اُڑ کر میرے بائیں جانب آگیا ہو۔ اور میرا دائیں ہاتھ سے اُڑ کر اُن کے بائیں جانب چلا گیا ہو۔ حاشا وکلا ــــ ایسا نہیں ہوا ــــ!) اب اگر اُس نے چیک کر لیا تو ایک اعتراض اور ہاتھ آجائے گا۔ نہ جانے وہ کون سی "ساعت سعد" تھی کہ پر ماتما کو ہماری حالت پر رحم آہی گیا اور ــــ اُس نے ہمارا کام کر کے ہمیں فارغ کر دیا ــــ اللہ کا شکر

ادا کیا! شریف صاحب کا بھی شکریہ ادا کر کے انہیں رخصت کیا — ہمارا خیال یہ ہے کہ متعلقہ کلرک کا سارا کھیل صرف مٹھی گرم کرنے کے لئے تھا جو ظاہر ہے ہم نہیں کر سکتے تھے اور اسے بھی یقین ہو گیا تھا کہ یہ لوہے کے ایسے چنے ہیں۔ جن سے دانت تو ٹوٹ سکتے ہیں انہیں چبایا نہیں جا سکتا۔

یہاں سے ہماری گاڑی مدرسۂ لطیفیہ جا کر رُکی۔ جو مکان حضرت قطب ویلور میں واقع ہے۔ یہ جنوبی ہند کا سب سے پرانا یعنی تین سو سال پرانا دار العلوم ہے سرکاری یا پبلک امداد کے بغیر خانقاہی انداز میں چلایا جا رہا ہے۔ آج سے تین سو سال پہلے خطۂ جنوبی ہند میں کفر و شرک کی تند و تیز آندھیاں چل رہی تھیں۔ ایسی مہلک اور غیر ایمانی فضا میں خانوادۂ اقطاب ویلور کے پہلے بزرگ حضرت سید شاہ عبد اللطیف قادری بیجاپوریؒ ویلور میں فروکش ہوتے اور خواب میں حضور ﷺ اکرم نے انہیں ہدایت فرمائی کہ خلق کی خدمت کے لئے تمہیں یہیں رہنا ہے۔ اس مرد صالح نے علم دین کی ایسی شمع جلائی جس کی روشنی آج بھی جویانِ حق کیلئے مشعلِ راہ ہے۔ آپ کی اولاد و امجاد نے اپنے اپنے دور میں کتاب و حکمت کی تعلیم اور تزکیہ و تطہیر کے عظیم فرض کی ادائیگی کے لئے اپنی زندگیاں کو وقف کر دیا جن کی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ جنوبی ہند میں ایمان کی خوشبو ہر سُو بکھر گئی۔ زبدۃ العارفین حاجی الحرمین حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری المعروف بہ قطب ویلور قدس سرہٗ نے کتاب و سنّت کی تبلیغ کے ساتھ وسیع پیمانہ پر تزکیۂ نفس کا عظیم کام بھی انجام دیا اور تقریباً سات لاکھ لوگوں نے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ آپ اور آپ کے خلفاء کا تجدیدی کارنامہ جنوبی ہند کی دینی و ملی خدمات کا ایک زرین باب ہے ان اکابر نے احسان و تصوّف کی راہ سے بھی اور علوم ظاہریہ شرعیہ کے اصول پر بھی مسلمانوں کی اصلاح کا کام انجام دیا۔ آج سے تین صدی قبل اس مرد صالح یعنی حضرت قطب ویلور نے دار العلوم لطیفیہ قائم فرمایا جس کا چشمۂ فیضان آج بھی بہہ رہا ہے اور موجودہ مربیان کرام کی عرق ریزی و جانفشانی کی بدولت روز افزوں ترقی کے منازل طے کر رہا ہے۔

حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ کی فکر کیا تھی وہ کس طرح پر سوچتے تھے اُس

کا اندازہ اس مکتوب سے لگایا جا سکتا ہے جو ہم ذیل میں درج کر رہے ہیں۔ یہ مکتوب ہے جس میں انگریزوں کی حکومت کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جا رہا تھا اور ہندوستان گیر پیمانہ پر ان کے خلاف مہم چلائی جا رہی تھی۔ شمالی ہند میں مولانا شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی نے انگریز حکومت کے خلاف جہاد کا نعرہ بلند کیا تھا۔ حضرت قطب ویلورؒ کی شخصیت کا اثر خطۂ جنوب میں چاروں طرف پھیلا ہوا تھا اور ہزاروں کی تعداد میں علماء و مشائخ آپ کی ذات گرامی سے منسلک اور وابستہ تھے۔ انگریزوں کے خلاف جب جہاد کی ترغیب و تحریص کی فضا ہر طرف پھیلنے لگی تو جنوب میں خواص و عوام کی نظریں آپ کی طرف مرکوز ہو گئیں۔ چنانچہ یہ مکتوب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں فوج کے ایک ذمہ دار فرد محمد ابراہیم منشی پلٹن نے آپ سے استفسار کیا کہ ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں آپ نے یہ خط فارسی زبان میں ارسال فرمایا۔

اس مکتوب میں حضرت قطب ویلورؒ نے دو مسئلوں پر روشنی ڈالی ہے۔ ایک مسئلہ یہ کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں آپ نے شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی کے موقف و مسلک کی تائید فرمائی ہے اور دوسرا مسئلہ یہ کہ دارالحرب میں سود خواری جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں آپ نے مکتوب الیہ کو سمجھایا ہے کہ کسی مجتہد اور امام کا قیاس خطا پر بھی مبنی ہو، جب بھی اُس پر عمل کرنا اگرچہ اس کو دائرہ شریعت سے خارج نہیں کرتا تاہم فتویٰ ایک چیز ہے اور تقویٰ اور چیز ہے لہٰذا اس سے اجتناب ہی بہتر ہے۔ یہ مکتوب جو دراصل فارسی میں ہے اُس کا اُردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔ مکتوب کچھ طویل ضرور ہے لیکن ہمیں اُمید ہے کہ آپ اس کی طوالت کو نظر انداز کر کے اسے ملاحظہ فرمائیں گے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و صلوٰۃ اور سلام و دعاؤں کے بعد واضح ہو کہ گرامی کا الفت نامہ ۲۳ر جمادی الآخر ۱۲۶۴ھ کو موصول ہوا۔ آپ کی اور دوسرے دوست احباب کی خیریت اور سود و دیگر مسائل و مضامین سے متعلق آگاہی حاصل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ تمہارے علم اور عمل کے درجات میں اضافہ فرمائے اور تمہیں سارے

مشتبہات و مکروہات اور دارین کی بلاؤں سے اپنی امان میں رکھ کر نجات عطا کرے۔
فقیر ایک مدت سے کتبِ فقہ کے مطالعہ سے محروم ہے، اور دل بھی مائل نہیں ہے۔ کیا کیا جائے، زندگی ایسے ہی بسر ہو رہی ہے۔ جیسی ہماری پرورش ہوئی ویسی ہی ہماری روش ہے۔ علاوہ ازیں میں قلیل الفرصت ہوں۔ تمہارے سوالوں کا جواب دینا بھی ضروری تھا۔ لہذا مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کا فتویٰ تمہارے سوال کے جواب میں روانہ کر رہا ہوں۔
امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس امت کے لئے چراغ ہیں اور شاہ عبدالعزیز دہلوی اور مولانا عبدالعلی لکھنوی، دونوں ہمارے زمانہ میں علوم ظاہر و باطن کے جامع اور خانۂ اسلام کے ستون اور ہندوستانی مسلمانوں کی آنکھ ہیں۔ (سائل نے کسی مناظرہ سے متعلق تحریر کیا تھا، اس کے بارے میں لکھتے ہیں) مجیب کو رجوع کی سندیں پیش کرنے کے بعد بھی اربابِ مناظرہ انصاف سے دور بات کہتے ہیں۔
ہدایہ اور فقہ مذہب (ابوحنیفہ) کی دوسری کتابوں میں جو کچھ لکھا ہوا ہے، وہ تو ظاہر ہے اور جو کچھ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مذہب اسلام اور انگریزوں کے عمل (پالیسی) کی بنیاد پر، ہندوستان کو قول راجح کی بنا پر دارالحرب قرار دیا ہے یہ تمام تفصیلات تمہاری نظر سے گذر چکی ہوں گی۔ مجھ جیسے ہیچمدان مقلد میں اتنی ہمت کہاں کہ ائمہ کے عظیم اجتہادات کے بارے میں لب کشائی کر سکوں اور مجھ بے دست و زبان اور بے سر و چشم کو اتنی کہاں طاقت، کہ خانۂ اسلام کے ستون اور ہندوستانی مسلمانوں کی آنکھ کے بارے میں کچھ کہہ سکوں۔
ہاں! دارالحرب میں سود کھانا اور انگریزوں کا حربی ہونا۔ یہ دونوں مختلف فیہ مسئلے ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ کے علاوہ ائمہ اربعہ میں سے کسی امام نے دارالحرب میں سودخواری کو جائز نہیں قرار دیا ہے۔ جو لوگ انقلاب حکومت کو جائز نہیں سمجھتے اور وہ لوگ جو انقلاب کو جائز قرار دیتے ہیں، ان میں بھی ایک طائفہ کا قول ہے کہ انگریزوں کے عمل (حکومت اور پالیسی) سے ہندوستان دارالاسلام سے دارالحرب کی طرف منتقل نہیں ہوا، امور مختلفہ میں اگرچہ کہ اجتناب کرنا قول راجح، اور درست ہو تو بھی ورع اور تقویٰ کا تقاضہ یہ ہے کہ اس سے پرہیز کیا جائے اور کسی مجتہد کا

قیاس خطا پر مبنی اور مرجوح ہو تب بھی ایسے قیاس پر عمل کرنا، دائرہ شریعت سے خارج نہیں کرتا۔

قرآن حدیث، اجماع اور مذکورہ تین چیزوں پر مبنی قیاس کا نام شریعت ہے۔ لہٰذا امام کا اجتہادی مسئلہ بھی مذکورہ چار دلائل شرعیہ میں سے چوتھی دلیل ہے۔ فتویٰ اپنی جگہ ایک چیز ہے۔ لیکن تقویٰ بھی ایک چیز ہے۔

بے حکم شرع آب خوردن خطا است
وگر خوں بفتویٰ بریزی روا است

(پانی بہانا بادی النظر میں ایک معمولی کام دکھائی دیتا ہے، لیکن وہ بھی اگر خلاف شرع بہایا جا رہا ہے تو گناہ لازم آئے گا اور خون بہانا ایک عظیم فعل ہے۔ لیکن وہ بھی اگر حکم شریعت کے مطابق بہایا جا رہا ہے تو روا اور درست ہے)

حاصلِ کلام شریعت صراطِ مستقیم ہے، جو شخص صراطِ مستقیم سے ایک رائی کے دانہ برابر بھی ہٹ جاتے تو وہ جیسے جیسے آگے بڑھتا جائے گا، صراطِ مستقیم سے دُور ہوتا جائے گا اور یہاں تک کہ اپنی منزلِ مقصود کو پہنچنے سے محروم رہے گا۔ اللہ تعالےٰ بحرمت سید المرسلین والا ہمیں اور تمہیں صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے آمین

آپ نے دار الحرب میں سکونت و رہائش کے جواز اور عدم جواز سے متعلق بھی استفسار فرمایا تھا۔ آپنے قرآن کریم میں یہ آیت دیکھی ہوگی۔ اس کی تفسیر و تشریح معتبر و مستند اور مبسوط تفاسیر میں دیکھئے۔ ان الذین توفیھم الملٰئکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا (جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے اُن کی رُوحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انہوں نے کہا، ہم زمین میں کمزور تھے، فرشتوں نے کہا، کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔)

اور دار الحرب میں سود کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ سکونت اور چیز ہے، اور سود خواری دوسری چیز ہے۔ ہاں! اگر کوئی شخص کسی غیر مختلف فیہ (متفقہ) امر کا کسی شرعی حیلہ کے ذریعہ ارتکاب کرے تو لوگوں کے نزدیک مجرم نہیں ہوگا اور

فاسق کو بھی المرء یوخذ باقرارہٖ (انسان کو اس کے اقرار پر مؤاخذہ کیا جائے گا) کے تحت کسی کے دل پر حکم لگانے کا اختیار نہیں ہے لیکن ایسا شخص اللہ تعالٰے کے نزدیک پکڑا جائے گا کیونکہ دلوں کی پوشیدہ چیزوں کو علام الغیوب اور مالک القلوب کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور اللہ تعالٰے ہی حقیقت حال سے واقف ہے ۔ دل میں بہت سی باتیں ہیں، لیکن زبان قلم اس کی ترجمانی سے قاصر ہے، لہذا مجبورًا ان باتوں کو بالمشافہ پیش کیا جائے گا ۔

عمر بگذشت و حدیث دردِ من آخر نشد
شب بآخر شد کنوں کوتہ کنم افسانہ را

(عمر گذر گئی بالآخر میری درد بھری بات پوری نہ ہو سکی رات ختم ہو رہی ہے لہذا میں داستان کو مختصر کرتا ہوں)

اللہ تعالٰے تمہیں نیکیوں کی توفیق میں زیادتی عطا فرمائے ۔"

ڈاکٹر صاحب کی تشریف آوری کی خبر یہاں پر پہلے ہی پہنچ چکی تھی ۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت مولوی عبدالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری نے بذاتِ خود ڈاکٹر صاحب کا استقبال کیا اور نہایت محبت سے اپنے پاس بٹھایا ۔ موصوف آجکل مسند سجادگی پر فائز ہیں اور دارالعلوم لطیفیہ کے سرپرست ہیں ۔ مولانا ابو صالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قادری (جو دارالعلوم کی سرپرستی میں معاونت فرما رہے ہیں)، اور مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قادری (جو ناظم دارالعلوم کی حیثیت سے تعلیمی خدمات میں مصروف عمل ہیں اور دارالتصنیف والاشاعت کے نگران ہیں) بھی موجود تھے ۔ علاوہ ازیں دارالعلوم کے چند اساتذہ بھی تشریف لے آئے تھے جن میں مولانا مولوی محمد حسین صاحب ایم ۔ اے ۔ اور افضل العلماء مولوی حافظ شبیر الحق قریشی ادھونی کے نام قابل ذکر ہیں ۔ یہاں ہماری بہت خاطر مدارات کی گئی ۔ دوپہر کا کھانا ہم ٹیپری میں کھا چکے تھے لیکن یہاں پر دستر خوان پر چائے کے ساتھ انواع و اقسام کی اشیاء کے پُر تکلف انبار لگا دئے گئے تھے ۔ شاہ محمد باقر صاحب قادری سجادہ نشین صاحب ہماری پلیٹوں میں بار بار مختلف چیزیں اپنے دستِ مبارک سے ڈالتے جاتے تھے اور

قیاس خطا پر مبنی اور مرجوح ہو، تب بھی ایسے قیاس پر عمل کرنا، دائرہ شریعت سے خارج نہیں کرتا۔

قرآن، حدیث، اجماع اور مذکورہ تین چیزوں پر مبنی قیاس کا نام شریعت ہے۔ لہٰذا امام کا اجتہادی مسئلہ بھی مذکورہ چار دلائل شرعیہ میں سے چوتھی دلیل ہے۔ فتویٰ اپنی جگہ ایک چیز ہے۔ لیکن تقویٰ بھی ایک چیز ہے۔

به بی حکم شرع آب خوردن خطاست
دگر خون بفتویٰ بریزی رواست

(پانی بہانا بادی النظر میں ایک معمولی کام دکھائی دیتا ہے، لیکن وہ بھی اگر خلاف شرع بہایا جا رہا ہے تو گناہ لازم آئے گا اور خون بہانا ایک عظیم فعل ہے۔ لیکن وہ بھی اگر حکم شریعت کے مطابق بہایا جا رہا ہے تو روا اور درست ہے)

حاصلِ کلام شریعت صراطِ مستقیم ہے، جو شخص صراطِ مستقیم سے ایک رائی کے دانہ برابر بھی ہٹ جاتا ہے تو وہ جیسے جیسے آگے بڑھتا جائے گا صراطِ مستقیم سے دور ہوتا جائے گا اور یہاں تک کہ اپنی منزلِ مقصود کو پہنچنے سے محروم رہے گا۔ اللہ تعالیٰ بحرمت سید المرسلین والا ہمیں اور تمہیں صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے آمین۔

آپ نے دار الحرب میں سکونت و رہائش کے جواز اور عدم جواز سے متعلق بھی استفسار فرمایا تھا۔ آپ نے قرآن کریم میں یہ آیت دیکھی ہوگی، اس کی تفسیر و تشریح معتبر و مستند اور مبسوط تفاسیر میں دیکھئے۔ ان الذین توفیھم الملائکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا (جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے اُن کی رُوحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انہوں نے کہا، ہم زمین میں کمزور تھے، فرشتوں نے کہا، کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔)

اور دار الحرب میں سود کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ سکونت اور چیز ہے، اور سود خواری دوسری چیز ہے۔ ہاں! اگر کوئی شخص کسی غیر مختلف فیہ، متفقہ امر کا کسی شرعی حیلہ کے ذریعہ ارتکاب کرے تو لوگوں کے نزدیک مجرم نہیں ہوگا اور

قاصر کو بھی المرء یوخذ باقرارہ (انسان کو اس کے اقرار پر مؤاخذہ کیا جائے گا) کے تحت کسی کے دل پر حکم لگانے کا اختیار نہیں ہے لیکن ایسا شخص اللہ تعالےٰ کے نزدیک پکڑا جائے گا کیونکہ دلوں کی پوشیدہ چیزوں کو علام الغیوب اور مالک القلوب کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور اللہ تعالےٰ ہی حقیقت حال سے واقف ہے — دل میں بہت سی باتیں ہیں، لیکن زبان قلم اس کی ترجمانی سے قاصر ہے، لہذا مجبوراً ان باتوں کو بالمشافہ پیش کیا جائے گا۔

عمر بگذشت و حدیث دلِ من آخر نشد
شب بآخر شد کنوں کوتہ کنم افسانہ را

(عمر گذر گئی بالآخر میری درد بھری بات پوری نہ ہو سکی رات ختم ہو رہی ہے لہذا میں داستان کو مختصر کرتا ہوں)

اللہ تعالےٰ تمہیں نیکیوں کی توفیق میں زیادتی عطا فرمائے۔"

ڈاکٹر صاحب کی تشریف آوری کی خبر یہاں پر پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت مولوی عبدالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری نے بذاتِ خود ڈاکٹر صاحب کا استقبال کیا اور نہایت محبت سے اپنے پاس بٹھایا۔ موصوف آجکل مسند سجادگی پر فائز ہیں اور دارالعلوم لطیفیہ کے سرپرست ہیں۔ مولانا ابوصالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قادری (جو دارالعلوم کی سرپرستی میں معاونت فرمارہے ہیں)، اور مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قادری (جو ناظم دارالعلوم کی حیثیت سے تعلیمی خدمات میں مصروفِ عمل ہیں اور دارالتصنیف والاشاعت کے نگران ہیں) بھی موجود تھے۔ علاوہ ازیں دارالعلوم کے چند اساتذہ بھی تشریف لے آئے تھے جن میں مولانا مولوی محمد حسین صاحب ایم۔ اے۔ اور افضل العلماء مولوی حافظ شبیر الحق قریشی ادھونی کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہاں ہماری بہت خاطر مدارات کی گئی۔ دوپہر کا کھانا ہم ٹیزی میں کھا چکے تھے لیکن یہاں پر دستر خوان پر چائے کے ساتھ انواع و اقسام کی اشیاء کے پُر تکلف انبار لگا دیئے گئے تھے۔ شاہ محمد باقر صاحب قادری سجادہ نشین صاحب ہماری پلیٹوں میں بار بار مختلف چیزیں اپنے دستِ مبارک سے ڈالتے جاتے تھے اور

مرار ہوتا تھا کہ اور کھاؤ۔ حالانکہ تاخیر سے دوپہر کا کھانا اور وہ بھی پُرتکلف کھانا کھانے کی وجہ سے ہمارا پیٹ پہلے سے بھرا ہوا تھا۔ واقع یہ ہے کہ سے

"اک بندۂ عاصی کی اور اتنی مداراتیں"

سجادہ نشین صاحب وہی ہیں جنہوں نے عبدالصمد صاحب کے صاحبزادے امتیاز صاحب کا نکاح پڑھایا تھا۔ نکاح سے قبل ڈاکٹر نذیر محمد صاحب کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کا تعارف اور ڈاکٹر صاحب کی نکاح کے موضوع پر تقریر سننے کے بعد موصوف ڈاکٹر صاحب کی ذات سے اور اُن کے خیالات سے متعارف ہو ہی چکے تھے۔ اس لئے یہاں پر ڈاکٹر صاحب اُن کیلئے نئے نہیں تھے۔ شاہ صاحب نے دارالعلوم لطیفیہ کے دارالتصنیف والاشاعت کی جانب سے شائع کردہ بہت سے کتابچے ڈاکٹر صاحب کو اور اس خاکسار کو ہدیہ فرمائے دارالعلوم لطیفیہ کے تحت علمی دینی اصلاحی اور معلوماتی رسالہ "اللطیف" کے نام سے شائع ہوتا ہے جس کا سالنامہ بھی موصوف نے ہمیں ہدیہ فرمایا۔ ہم نے بھی ڈاکٹر صاحب کے کچھ کتابچے شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کئے۔

شاہ صاحب کی گفتگو سے ہم اتنے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ وہاں سے اٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا "لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم" والا معاملہ تھا۔ لیکن دوسری طرف معاملہ یہ تھا کہ ہمیں آج ہی واپس مدراس پہنچنا تھا کیونکہ رات کو والاجاہی مسجد کے احاطہ میں ڈاکٹر صاحب کی تقریر تھی۔ مجبوراً اٹھنا پڑا۔ کئی بار تو شاہ صاحب نے ہمیں اٹھنے نہ دیا۔ لیکن جب اُن کو مدراس پہنچنے کی وجہ بتائی تو ہمیں جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

مولوی عبدالباقی صاحب نے مجھ سے ایک بار کہا تھا کہ تمہاری صورت شکل کے میں نے انڈیا میں کئی آدمی دیکھے ہیں۔ انہوں نے تو سنجیدگی سے کہا لیکن میں نے مزاحاً کہا کہ کوئی نظر آئے تو مجھے بھی دکھا دیجئے گا تاکہ موصوف سے تعارف حاصل کر سکوں۔ اب جو دارالعلوم لطیفیہ میں ہم شاہ صاحب کی محفل میں بیٹھے تھے تو مولوی عبدالباقی صاحب نے چپکے سے مجھے کہا کہ "سامنے دیکھ رہے ہو نا" میں نے کہا "جی" فرمانے لگے "یہ تم ہی تو ہو" — اور میں واقعی انہیں دیکھتا رہ گیا۔

چہرے کا رنگ، نقوش وغیرہ واقعی میرے ہی جیسے تھے۔ میں حیران سا رہ گیا۔ میں کدھر ہوں۔ میں خود میں ہوں یا سامنے ہوں ۔۔ اب جو دوبارہ دیکھتا ہوں تو وہ صاحب تھے دارالعلوم کے استاذ مولانا مولوی محمد حسین صاحب ایم اے جن کی شکل وصورت واقعی مجھ سے ملتی جلتی تھی۔

دارالعلوم لطیفیہ میں نبی اکرمؐ کا موئے مبارک ہے جو سال میں ایک بار یعنی بارہ ربیع الاول کو دکھایا جاتا ہے۔ آج ۱۱ ربیع الاول کی تاریخ تھی ڈاکٹر صاحب نے خواہش ظاہر کی کہ ایک روز قبل یعنی آج اُس کی زیارت کرادی جائے لیکن وہاں سے جواب "نہیں" ملا کیونکہ یہ اُن کے برسہا برس کی روایات کے خلاف تھا۔

دارالعلوم لطیفیہ سے ہم روانہ ہو کر مدرسۂ باقیات الصالحات گئے جو تھوڑی ہی دُور پر واقع ہے۔ مکان حضرت قطب ویلورؒ کے خانوادہ کے فیض یافتہ ایک فرزندِ جلیل حضرت مولانا شیخ عبدالوہاب قدس سرہٗ نے ۱۸۵۷ء میں یعنی آج سے تقریباً سوا صدی قبل "مدرسۂ باقیات صالحات" کی بنیاد رکھی جس کا حلقۂ فیض د اصوبت ہند کے تمام علاقوں سے گذر کر بیرونی ممالک تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دینی درسگاہ کے فیض یافتہ حضرات میں ایسے خدام گذر چکے ہیں جنہوں نے صوبۂ مدراس و مالابار میں اپنے مادرِ علمی کی نسبت سے سینکڑوں دینی مدارس کو جاری کر دیا ہے۔ جو علوم شرعیہ کی خدمات میں مصروف ہیں بیرونی ممالک برما، سیلون، ملیشیا، انڈونیشیا، جاوا، ہانگ کانگ، تھائی لینڈ اور سنگاپور میں سینکڑوں علماء اس خدمت پر مامور ہیں۔ جن میں اکثر و بیشتر اسی باغ کے خوشہ چیں اور اسی ایک چراغ سے بنی ہوئی انجمنوں کی حیثیت رکھتے ہیں ؎

یک چراغ ست دریں بزم کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

مدرسہ کی ابتداء بانی مدرسہ نے ۱۸۵۷ء میں اپنے مکان ذی شان سے کی شروع میں آپ طلباء کو اپنے مکان ہی کے وسیع دالان میں تعلیم دیتے رہے ۱۲۹۱ھ میں یہ مدرسہ موجودہ باقیات کی عمارت میں منتقل ہوا۔ ابتداء میں یہ چھوٹی سی عمارت آج عظیم الشان عمارات میں تبدیل ہو چکی ہے۔ تعمیرات

کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے ۔ ہم جب گئے تو مسجد کی توسیع ہو رہی تھی ۔ اس مدرسہ کا نام "باقیات الصالحات" کیسے پڑا ۔ اس سلسلہ میں یہ واقعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا ۔ مدرسہ کے افتتاح کے وقت بانی مدرسہ حضرت عبدالوہاب شاہ قادری رح سے لوگوں نے اصرار کیا کہ مدرسہ کا نام آپ کے نام سے منسوب کیا جائے ۔ لوگوں کی اس رائے کو حضرت قبلہ سختی سے روکتے رہے ۔ جب لوگوں کا اصرار حد سے تجاوز کر گیا تو اس وقت اعلیٰ حضرت رح نے فرمایا اچھا بس ایک تجویز کرکے جمعہ کے دن سناؤں گا ۔ پھر نماز جمعہ کے بعد مسجد میں بیٹھ کر ایک چھوٹے طالب علم سے قرآن مجید منگوایا اور اس بچے سے کہا قرآن شریف کھولو ۔ اس لڑکے نے قرآن مجید کھولا تو دفعتاً اس آیت کریمہ پر نظر پڑی ۔

والباقیات الصالحات خیر عند ربک الخ

حضرت رح نے فرطِ مسرت سے کہا کہ مدرسہ کا نام "باقیات الصالحات" ہوگا ۔

اس مدرسہ میں تقریباً ساڑھے تین سو طلبا ہیں جن میں سے اکثر کا تعلق کیرالا لنکا ، آندھرا ، کرناٹک اور تامل ناڈ سے ہے ۔ اکثریت کیرالا کے مدارس کی ہے جو اپنے ہاں سے فارغ ہو کر یہاں تکمیل کے لئے آتے ہیں ۔ تقریباً چوبیس اساتذہ ہیں ۔ جن میں مولانا سید شاہ صبغۃ اللہ بختیاری صاحب بھی شامل ہیں

اوقاف کے ماتحت اس کو ایک مجلس منتظمہ چلاتی ہے ۔ اس کے موجودہ ناظم مولانا سید عبدالجبار صاحب ہیں ۔

ہم جب مدرسہ کی عظیم الشان عمارت میں داخل ہوتے تو بڑے دروازے پر حسب ذیل اشعار کندہ تھے :۔

والباقیات الصالحات خیر عند ربک ثوابا وخیر املا ۔

زلطف پادشاہ ذوالجلال پاک بہمیتا
جہانی راز جہل آباد نادانی بدرآرد

بنائے ایں بنائی خیر چوں بالخیر انجامید
برائے تشنہ کامان ضیا فی علوم دیں

کہ لطف او برائے عبدالوہاب الصلاۃ آمد
علیمی قطرۂ علمش کہ بحر العجبیات آمد

صدائے حبذا باللفرح از ششش جہات آمد
ز جود وش بالیقیں سرچشمہ آبحیات آمد

سرما سد فدا شد چوں می منقوطہ تاریخش
ندا زغیب تلک الباقیات الصالحات آمد

۱۳۰۴ ھ

مدرسہ کے احاطہ میں ایک خوبصورت مسجد ہے۔ جس سے ذرا ہٹ کر بانیٔ مدرسہ کا مزار ہے۔ مزار کے اوپر حسب ذیل اشعار تحریر تھے:

سنۃ الوصال للعلامۃ العدیم المثال شمس العلماء اعلیٰحضرت الحاج مولانا المولوی شاہ عبدالوہاب صاحب قادری قدس سرہٗ

بانی المدرسۃ الباقیات الصالحات

اذا نال عبدالوھاب علم ھو القطب للھند خلداً انعیما
تفکرت فی ارخہ اقتبسا بدالی - لقد فاز فوزاً عظیما

مولانا سید عبدالجبار صاحب نے ہمیں مدرسہ کے مختلف شعبوں کی سیر کرائی۔ ۱۳۳۷ھ مدرسہ کی اپنی بہت بڑی لائبریری ہے جس میں متعدد نادر اور نایاب قلمی نسخے ہیں۔ ہم نے یہاں پر ہر چیز میں بڑی باقاعدگی پائی ڈاکٹر صاحب کا تعارف مدرسہ کے اساتذہ سے کرایا گیا۔ چائے وغیرہ کا پہلے سے انتظام تھا۔ کافی پُر تکلف ناشتہ کرایا گیا۔ اور ناشتہ پر مختلف مسائل پر ڈاکٹر صاحب کے ساتھ تبادلۂ خیالات۔ وقت چونکہ مختصر تھا اس لئے ہم نے ان حضرات سے رخصت چاہی۔ ان کی جانب سے شکوہ رہا کہ ڈاکٹر صاحب بہت کم وقت کے لئے تشریف لائے۔ آئندہ کیلئے وعدہ لے لیا گیا کہ زیادہ وقت عنایت فرمائیں گے۔ اس مدرسہ پر ہی کیا موقوف ہے۔ جنوبی ہند میں جہاں بھی ہم گئے ہر جگہ ہم نے اپنے لئے محبت کا زمزم بہتا ہوا پایا۔

مولانا سید عبدالجبار صاحب نے ظہیر احمد باقوی صاحب کی مرتب کردہ ایک کتاب "باقیات ایک جہاں" اور رسالہ "الباقیات" کا صد سالہ نمبر ہدیہ فرمایا۔ رسالہ نہایت ہی دیدہ زیب اور بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ مرتب کیا ہوا تھا یعنی صوری و معنوی دونوں حیثیتوں سے آراستہ۔ ہم نے بھی مولانا عبدالجبار صاحب کو ڈاکٹر صاحب کے چند کتابچے پیش کئے۔ (جاری ہے)

عن عثمان ابن عفان قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم — بخاری و مسلم —

خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ

فہرست تصانیف

ڈاکٹر اسرار احمد

★ تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ	۶/- روپے
★ مطالبات دین	۶/- 〃
★ اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام	۱/- 〃
★ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت	۲/- 〃
★ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں	۲/- 〃
★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (اردو)	۳/- 〃
★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (عربی)	۴/- 〃
★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (انگریزی)	۵/- 〃
★ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ اوّل ★ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ دوم } یکجا	۸/- 〃
★ قرآن اور امن عالم	-/۷۵ 〃
★ راہ نجات: سورۃ والعصر کی روشنی میں	۲/- 〃
★ علامہ اقبال اور ہم	۲/- 〃
★ عظمت صوم	۱/- 〃
★ دعوت الی اللہ	۱/- 〃
★ آیۃ الکرسی	-/۳۰ 〃
★ قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ: الفاتحہ تا الکہف	۷/- 〃
★ شہید مظلوم (شہادت حضرت عثمانؓ)	۳/- 〃

AN AUSTERE MARRIAGE

(Report by staff Reporter appeared in PAKISTAN TIMES Lahore insertion of 29th August 1981.)

"Unique and commendable austerity, true to the traditions of the Holy Prophet (peace be upon him) was observed at a marriage function in Jamia - ul - Quran, Quran Academy Model Town Lahore on Thursday evening

No pomp and show, guests were not served with any refreshment. People assembled in the jamia a few minutes before evening prayers, before the 'Azan' they quietly listened to the cassette recording of the Holy Quran After prayers, Dr. Israr Ahmad, a renowned religious scholar, performed the 'Nikah' ceremony of Mr. Saeed Ahmed Asad with his daughter - "Amatul Mohsee" Nikah ceremony over, the bridegroom with relations and friends left quietly. Dr. Israr told that for observing this austerity many of his relations had severed with him and members of his family."

Regd. L. No. 736

MONTHLY "MEESAQ" LAHORE

Vol. 30 | August and September 1981 | No. 8

ہم سے طلب فرمائیں

دور حاضر میں علامہ اقبال مرحوم کے خطبات کے بعد

حکمت قرآنی پر عظیم ترین تصنیف

قرآن اور علم جدید

تالیف

ڈاکٹر محمد رفیع الدین

ایم اے ، پی ایچ ڈی ، ڈی لٹ

عالمی فتنہ ارتداد اور ڈارون ، میکڈوگل ، فرائڈ، ایڈلر ، کارل مارکس اور

میکاویلی کے نظریات کا حکمت قرآنی کی روشنی میں محققانہ جائزہ

بڑے سائز کے ٦٠٠ صفحات — قیمت -/٥٠ (محصولڈاک علاوہ)

شائع کردہ : آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس

منگانے کا پتہ : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن

٣٦-کے ، ماڈل ٹاؤن - لاہور - فون : ٨٥٢٦١١

وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مؤمنین

ماہنامہ

میثاق

لاہور

ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ و محرم الحرام ۱۴۰۲ھ

-: مدیر مسئول :-

ڈاکٹر اسرار احمد

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: ۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۱۴ - فون: ۸۵۲۶۱۱، ۸۵۲۶۸۳
سالانہ زرِ معاونت: -/۲۰ روپے ، اس شمارے کی قیمت -/۳

وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

ماہنامہ

میثاق

لاہور

عدد ۱۰-۱۱	ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ و محرم الحرام ۱۴۰۲ھ / اکتوبر و نومبر ۱۹۸۱ء	جلد ۳۰

مشمولات

مرتب:- شیخ جمیل الرحمٰن

ناشر: ڈاکٹر اسرار احمد ★ طابع:- چودھری رشید احمد

مطبع:- مکتبہ جدید پریس - شارع فاطمہ جناح لاہور

جمیل الرحمٰن

عرضِ احوال

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۔

پندرھویں ہجری کے دوسرے سال کے آغاز کے لئے ہدیہ تبریک کے ساتھ 'میثاق' کا ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ و محرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق اکتوبر و نومبر ۸۱ کا شمارہ پیش خدمت ہے۔ اس تاخیر اور دو مہینوں کے شماروں کی مشترکہ پیش کش کے متعلق عذرات پیش کرتے ہوئے ندامت کا احساس ہوتا ہے۔ انجمن کے زیر اہتمام دعوت و تبلیغ کا کام جس سرعت کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ اسی رفتار سے زیادہ سے زیادہ مردان کار کی ضرورت کے تقاضے سامنے آرہے ہیں۔ عرصہ پندرہ سولہ سال سے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب رجوع الی القرآن کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور ۷۱ء سے اپنا پروفیشن بالکلیہ ترک کر کے ہمہ وقت اسی کام میں اپنی توانائیاں اور قوتیں صرف کر رہے ہیں۔ الحمد للہ اس عظیم الشان کام میں تعاون کرنے والے رفقائے کار ڈاکٹر صاحب کو ملتے رہے۔ لیکن ان میں سے زیادہ تر وہ حضرات تھے۔ جو اپنی معاش کی مصروفیات سے فارغ ہو کر اپنا اکثر فاضل وقت خالص رضائے الٰہی کے لئے بغیر کسی مشاہرے کے اس کام میں لگاتے رہے ہیں۔ محترم محمد بشیر ملک صاحب نے تقریباً دو سال ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے اپنا پورا وقت دیا لیکن تقریباً ڈیڑھ سال قبل وہ عارضہ قلب میں مبتلا ہو گئے جس کی وجہ سے وہ مجبوراً اپنا پورا وقت انجمن کو نہ دے سکے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے کہ اس علالت کے دوران بھی وہ انجمن کے کاموں میں امکانی حد تک دلچسپی بھی لیتے رہے اور تفویض کردہ امور بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ بایں ہمہ ایسے کارکنوں کی شدید ضرورت تھی جو ہمہ وقت اس کام کے لئے خود کو وقف کر دیں۔ اللہ تعالیٰ محترم قاضی عبدالقادر صاحب کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے خدمتِ دین کے جذبے سے سرشار اور اپنی نہایت اعلیٰ ملازمت سے سبکدوش ہو کر خود کو ہمہ وقت و ہمہ تن اس کام کے لئے وقف کر دیا ہے۔ چنانچہ ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے انہوں نے

تین ماہ قبل اپنی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں - ملک بشیر صاحب تعمیرات کے نگران ہیں اور چند ضروری کاموں میں وہ صدر مؤسس کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں چند دیگر رفقاء بھی اپنا کافی وقت دیتے ہیں لیکن پھر بھی کام کی وسعت کے لحاظ سے ان مردانِ کار کی کمی موجود ہے جو ہمہ وقت اس کام کے لئے خود کو وقف کر دیں۔ اس کمی سے میثاق کی مقررہ تاریخ پر باقاعدگی سے اشاعت شدید متاثر ہوتی ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہماری نصرت فرمائے اور جلد ہی ایسے مردانِ کار میسر آجائیں جو انجمن کے دیگر کاموں خاص طور پر "میثاق" کو صحیح طور پر ایک معیاری جریدہ بنانے میں ممد و معاون ہو سکیں -

سالِ رواں میں اکثر — دو ماہ کے مشترکہ شمارے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کئے جاتے رہے ہیں - ہم نے کوشش کی ہے کہ ضخامت کے لحاظ سے ہمارے مستقل سالانہ خریداروں کو شکایت کا موقع نہ ملے لہٰذا ان مشترکہ شماروں میں اکثر و بیشتر مقررہ ضخامت ۷۶ صفحات سے دوگنی سے بھی زیادہ ضخامت کے پرچے پیش کئے جاتے رہے ہیں - صرف موجودہ شمارہ اس سے مستثنیٰ ہے - لیکن مجموعی طور پر ان شاء اللہ سال بھر میں خریداروں کو مقررہ صفحات سے زیادہ ہی ضخامت پر مشتمل شمارے پہنچیں گے -

---

محترم ڈاکٹر صاحب کی دعوتی سرگرمیوں میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے - جس کا کچھ اجمالی ذکر ان کے اپنے قلم سے گذشتہ شمارے کے عرضِ احوال میں قارئین کی نظر سے گزر چکا ہوگا - عید الفطر کے بعد سے اب تک یعنی ان تین ماہ کے عرصے میں ڈاکٹر صاحب کی دعوتی سرگرمیوں کی ایک روداد لکھنے کا ارادہ تھا - لیکن چونکہ اس شمارے میں روداروں کا تناسب بڑھ گیا ہے - لہٰذا یہ ارادہ ترک کرنا پڑا - اللہ کو منظور ہوا تو یہ روداد کسی آئندہ شمارے میں پیش کی جائیگی -

---

یہ مشترکہ شمارہ ہجری سال کے لحاظ سے ۱۴۰۱ھ کا آخری اور ۱۴۰۲ھ کا پہلا شمارہ ہے - اللہ تعالےٰ سے دُعا ہے کہ وہ ادارے کی اس کوشش کو

(بقیہ صلا۷۱ پر)

ڈاکٹر اسرار احمد

ہجری سالِ نو مبارک

۳۰ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو جمعہ کا دن اور محرّم الحرام ۱۴۰۲ھ کی یکم تاریخ تھی۔ اس روز مسجد دارالسلام، باغ جناح، لاہور میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے خطابِ جمعہ میں جو موضوع گزشتہ دو ماہ سے چل رہا ہے۔ (یعنی نظامِ سیاست و حکومت سے متعلق قرآنی تعلیمات) اُس پر گفتگو سے قبل نئے ہجری سال کے آغاز کی مناسبت سے جو کچھ فرمایا وہ درج ذیل ہے (مرتّب)

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم - امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ عزّ وجلّ فی سورۃ البقرہ :- وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○ (۱۵۴)

وقال تبارک وتعالیٰ فی سورۃ آلِ عمران :- وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ — اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ (۱۶۹)

امابعد :- رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ○ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ○ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ○ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ○

اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ -

اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ

آمین یا ربّ العٰلمین ○

حضرات! آج یکم محرم الحرام سن ۱۴۰۲ ہجری ہے۔ گویا آج پندرھویں صدی کے دوسرے سال کا پہلا دن ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے تو میں اسلامی تقویم کے اعتبار سے اس نئے سال کی آمد پر آپ کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ یہ سال ہمارے لئے امن و ایمان اور سلامتی و اسلام کا سال ثابت ہو۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے آغاز میں وہ دعاء پڑھی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ کے نئے چاند کے طلوع ہونے پر پڑھا کرتے تھے یعنی "اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ" ۔ جس کے آخر میں آں حضرتؐ یہ بھی فرمایا کرتے تھے "رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ ۔ ھِلَالُ رُشْدٍ وَّخَیْرٍ ۔ ھِلَالُ رُشْدٍ وَّخَیْرٍ" ۔ اس دعاء کے تین حصے ہیں ۔ اصل دعاء تو پہلا حصہ ہے کہ "اے اللہ! اس چاند کو ہم پر امن و ایمان اور سلامتی و اسلام کے ساتھ طلوع فرمایا" دوسرے حصے میں چاند سے خطاب ہے۔ اس میں دراصل اُن مشرکانہ اوہام اور عقائد کی نفی اور ابطال ہے جو چاند، سورج اور اجرام فلکیہ کے بارے میں بالعموم لوگوں کے ذہنوں میں پائے جاتے ہیں۔

لہٰذا آں حضرتؐ یہ فرمایا کرتے تھے۔ "رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ" یعنی "میرا رب بھی اللہ ہے اور اے چاند تیرا ربّ بھی اللہ ہے" ۔ تیسرا حصہ ایک نوید اور خوشخبری بھی ہے اور اس میں ایک دعائیہ پہلو بھی ہے۔ "ھِلَالُ رُشْدٍ وَّخَیْرٍ" "یہ ہلال جو طلوع ہوا ہے یہ رشد اور خیر کا ہلال ہے"۔ یہاں "ہے" بھی ترجمہ ہو سکتا ہے اور "ہو" بھی ترجمہ ہو سکتا ہے۔ اگر اوّل الذکر ترجمہ کیا جائے تو یہ نوید و خوشخبری ہے اور اگر مؤخر الذکر ترجمہ کیا جائے تو یہ دُعاء، ایک تمنا اور ایک خواہش کا اظہار ہے ۔ کل جو ہلال طلوع ہوا ہے اس سے صرف ایک نیا مہینہ ہی شروع نہیں ہوا بلکہ نیا اسلامی و ہجری سال بھی شروع ہوا ہے لہٰذا ہمیں یہ دُعا کرنی چاہئے کہ اے اللہ اس سال کو نوعِ انسانی کے حق میں بالعموم اور مسلمانانِ عالم کے حق میں بالخصوص اور اس خطۂ ارضی کے حق میں جو تو نے اسلام کے نام پر ہمیں عطا فرمایا تھا۔ اور جو مملکتِ خداداد پاکستان، کہلاتا ہے خاص الخاص طریق پر اپنے فضل اور اپنی رحمت سے امن و سلامتی کا سال بنا

اور اس سال میں ہمارے ایمان اور اسلام میں حقیقی رنگ پیدا فرمائے میں نے مزید یہ دُعا بھی کی ہے کہ اس سال کے دوران تیرے علم کامل میں جن کی وفات کا وقت آرہا ہو اے اللہ! ان کو ایمان پر وفات دیجیو اور جن کے لئے تیرے علم ازلی میں مزید مہلتِ عمر طے ہو ان کو اسلام پر قائم رکھیو۔ اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَهٗ مِنَّا فَاَحْیِهٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَی الْاِیْمَانِ۔

اس موقع پر ایک جملہ معترضہ کے طور پر مجھے یہ بھی عرض کرنا ہے کہ محرم الحرام کے مہینے کو ہم نے ایک مخصوص مکتب فکر کے زیر اثر بلا سبب اور قطعی نامناسب طور پر رنج وغم اور حزن والم کا مہینہ بنا لیا ہے۔ حالانکہ کسی بھی اعتبار سے یہ مہینہ ہمارے لئے رنج وغم کا مہینہ نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سال کا کوئی مہینہ بھی دینی لحاظ سے رنج والم کا مہینہ نہیں ہے۔ یوم عاشورہ (۱۰ محرم الحرام) کی جو اہمیت ہمارے ہاں ہے۔ اس میں ہمارے دینی تصورات وعقائد کے لحاظ سے عظمت کا پہلو ہے۔ اس ضمن میں بہت سی احادیث صحیحہ کتب حدیث میں موجود ہیں۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم اس دن جو روزہ رکھتے تھے تو اس کی کوئی بنیاد اور تعلق حادثہ کربلا سے نہیں ہے۔ یہ حادثہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی الرفیق الاعلیٰ کی جانب مراجعت کے نصف صدی سے بھی زائد بعد پیش آیا ہے۔ لہٰذا دینی لحاظ سے اس حادثے کا یوم عاشورہ سے کسی تعلق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ صوم عاشورہ کے متعلق جو متفق علیہ حدیث ملتی ہے یعنی سند کے اعتبار سے جس کی صحت پر امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ جیسے جلیل القدر محدثین اتفاق کر رہے ہوں اور جس کے راوی ہیں حضرت عبداللہ بن حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ۔ جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کے چچا زاد بھائی ہیں اور جو گویا حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے رشتے کے چچا بھی ہیں اور نانا بھی۔ وہؓ روایت کرتے ہیں کہ جب آن حضرتؐ مدینہ منورہ تشریف لائے اور آپؐ نے دیکھا کہ مدینہ کے یہود ۱۰ محرم الحرام کو روزہ رکھتے ہیں تو آپؐ نے یہود سے دریافت فرمایا کہ تم یہ روزہ کیوں رکھتے

ہو"! تو انہوں نے بتایا کہ "یہ دن ہمارے لئے بڑی خوشی کا دن ہے، اس لئے کہ اسی دن اللہ تعالٰی نے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو آلِ فرعون کے ظلم و استبداد سے نجات دلائی تھی اور فرعون اور اس کے اس لشکر کو جو تعاقب میں تھا غرق کیا تھا۔ لہذا ہم شکرانے کے طور پر یہ روزہ رکھتے ہیں"۔ اس پر آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ "تمہاری نسبت (حضرت) موسیٰؑ کے ہم زیادہ حق دار ہیں"۔ یعنی یہود نے تو اس کو ایک قومی دن کا درجہ دے رکھا ہے حالانکہ یہ تو دینِ اسلام کی تاریخ کا ایک تابناک باب ہے اور دینِ اسلام کی تاریخ تو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے۔ اسی موقع پر آنحضورؐ نے فرمایا کہ "ہم اس دن کا روزہ رکھنے کے زیادہ حق دار ہیں"۔ چنانچہ اس وقت سے آں جنابؐ نے دس محرم الحرام کا روزہ رکھنا شروع فرما دیا۔

ویسے بھی اس بات کو اچھی طرح جان لیجئے کہ ہمارے دین میں 'شہادت' کا معاملہ کوئی رنج و غم والی بات ہے ہی نہیں بلکہ یہ تو ایک مردِ مومن کے لئے فوز و مرام اور فلاح و کامرانی کا بلند ترین اور ارفع و اعلیٰ مقام ہے۔ دلیل کیلئے سورہ البقرہ کی آیت ۱۵۴ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ۝ "یعنی جو اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ یہ لوگ (تو حقیقت میں) زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور حاصل نہیں ہوتا"۔ اور سورہ آل عمران کی آیت ۱۶۹ "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝" یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہیں ان کو مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس سے روزی پا رہے ہیں" کو پیشِ نظر رکھیئے۔ ان مقتولین کی برزخی زندگی میں حیات اور اس میں رزق پانے کی کیفیات امورِ غیب سے متعلق ہیں۔ لہٰذا اس کا کوئی تصور و شعور اس عالمِ ناسوتی میں ہمارے لئے ممکن نہیں۔

شہادت فی سبیل اللہ وہ سعادتِ عظمیٰ اور چوٹی کا وہ عمل ہے کہ جس کے لئے انبیاء و رسول علیہم السلام تمنا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح احادیث میں

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو دعائیں منقول ہیں۔ ایک یہ کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ ۔ اور دوسری یہ کہ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ ۔

مزید براں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی احادیث میں منقول ہے "وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوَدِدْتُ اَنْ اَغْزُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَاُقْتَلَ ثُمَّ اَغْزُوَ فَاُقْتَلَ ـــــ" اس (اللہ) کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے۔ میری آرزو یہ ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور قتل کر دیا جاؤں (اور پھر مجھے زندہ کیا جائے) اور پھر میں اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور قتل کیا جاؤں۔" یہ سنت رہی ہے کہ رسول قتل نہیں ہوتے چونکہ عالم ظاہری میں اس طرح رسول کی مغلوبیت کا پہلو نکلتا ہے۔ لیکن اس سے مرتبہ شہادت کے رفیع و مہتم بالشان ہونے کا اندازہ لگا لیجئے ـــــ علاوہ ازیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی سن لیجئے کہ "جس مسلمان کی موت اس حال میں آئی کہ اس کے دل میں راہ حق میں سر کٹا کر سرخرو ہونے کی تمنا و آرزو نہ ہو اس کی موت ایک قسم کے نفاق پر واقع ہوئی"۔ پس شہادت ہرگز رنج والم سوگ اور ماتم کرنے والی چیز نہیں ہے۔

اگر شہادت رنج و غم اور الم و ماتم والی شے ہوتی تو دورِ نبوی اور دورِ خلافت راشدہ کی تاریخ میں شاید ہی کوئی دن ایسا گذرا ہو جس میں کوئی نہ کوئی عظیم شہادت وقوع پذیر نہ ہوئی ہو۔ اگر شہادت میں رنج و غم اور ماتم کا پہلو تلاش کریں تو حضرت سمیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی شہادت کا دن بھی ماتم کے دن کے طور پر منانا ہوگا۔ یہ بڑی عظیم شہادت ہے۔ توحید کے لئے یہ پہلا خون بہا ہے۔ جس سے مکہ مکرمہ کی زمین لالہ زار ہوئی ہے اور کس بہیمانہ طریقے پر کہ ابوجہل نے ناک کر اندام نہانی پر نیزہ مارا ہے جو پشت کے پار ہو گیا ہے۔ پھر ان کے شوہر حضرت یاسر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی عظیم شہادت ہے۔ جس کے متعلق بعض روایات میں آتا ہے کہ ابوجہل اور اس کے شقی القلب ساتھیوں نے حضرت یاسرؓ کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر رسیوں سے باندھے پھر چار سمت میں چار اونٹ کھڑے کر کے یہ رسیاں ان اونٹوں کی ٹانگوں سے باندھ کر ان کو

ہانک دیا گیا اور حضرت یاسرؓ کے جسم کے پرخچے اڑ گئے - یہ شوہر اور بیوی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے جرم میں اس ظالمانہ طور پر شہید کئے گئے - ان کی مظلومانہ شہادت کے واقعات ایک حساس دل کے رونگٹے کھڑے کر دیتے ہیں۔ اگر ہمیں سوگ اور ماتم کا دن منانا ہوتا تو ان کا مناتے ! اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کی بنیاد پر شہادت کا دن نوحہ وگریہ اور ماتم کا کوئی پہلو رکھتا تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت کا دن اس کا کہیں زیادہ مستحق ہوگا کہ اسے سوگ کا دن منایا جائے !! جن کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت داری کے تہرے بلکہ چوہرے رشتے ہیں - چنانچہ چچا بھتیجے کا رشتہ بھی ہے - خالہ زاد بھائی بھی ہیں اور رضاعی بھائی بھی ہیں عرب میں رضاعت کا رشتہ بالکل خونی رشتے کے برابر سمجھا جاتا تھا چنانچہ سب جانتے ہیں کہ اسلام میں نکاح کی حرمت جس طرح رحم اور خون کے رشتوں کی بنیاد پر ہے اسی طرح رضاعت کی بنیاد پر بھی ہے - پھر ساتھ کے کھیلے ہوئے ہمجولی ہیں مزید اضافہ کیجئے کہ نبی اکرمؐ کے فرمانِ مبارک کے مطابق اسد اللہ بھی ہیں اور اسدِ رسولہٖ بھی ہیں — پھر نعش مبارک کا حال یہ ہے کہ اعضا بریدہ (مثلہ) ہے شکم چاک ہے - کلیجہ نکال کر چبانے کی کوشش کی گئی ہے - اب اگر ہر سال سوگ کا دن منایا جاتا اور ماتم کیا جاتا تو ان کی شہادت کا کیا جاتا !!! پھر دیکھئے کہ حضرت زید بن حارثہ حضرت جعفر طیار ابن ابی طالب حضرت عبداللہ ابن رواحہ حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ تعالےٰ عنہم اور بے شمار دوسرے جاں نثارانِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم دورِ نبوت میں شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے ہیں - سوگ کا دن منایا جاتا تو ان کا منایا جاتا — لیکن رنج و غم کی بات کون سی ہے !! - اسلام کی تاریخ کا کون سا دور ہے جو ان شہادتوں اور ان قربانیوں سے خالی ہو - اسلام کے گلشن میں ہر چہار طرف یہ پھول کھلے ہوئے ہیں — پھر غور فرمایئے کہ اسلامی تقویم کا جو پہلا دن ہر سال آتا ہے یعنی یکم محرم الحرام تو یہ ایک عظیم شہادت کا دن ہے - یعنی دوسرے خلیفۂ راشد امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت کا دن یکم محرم الحرام

ہے۔ وہ عمرؓ جن کے متعلق آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے"۔ اگر رنج و غم کے اظہار کا مسئلہ ہوتا اور اگر سوگ کا دن منانے کا معاملہ ہوتا تو آج کے دن ہوتا۔ حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ ۲۸ ر ذی الحجہ کو ہوا تھا جس میں آں جنابؓ مجروح ہوئے تھے اور معتبر روایات کے مطابق ان کی وفات یکم محرم الحرام کو ہوئی تھی۔ پھر ۱۸ ر ذی الحجہ کو تیسرے خلیفہ راشد، ذوالنورین حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ تقریبًا پچاس دن کے محاصرے کے بعد انتہائی مظلومانہ طور پر شہید کئے گئے۔ جن کی شہادت کے نتیجے میں مسلمان آپس میں دست و گریباں ہوئے۔ اور اُمت میں ایسا تفرقہ پڑا کہ آج تک ختم نہیں ہوا۔ سوگ کا دن منانا ہوتا تو اس "شہیدِ مظلوم" کی شہادت کے دن کو منایا جاتا۔ پھر ۲۱ ر رمضان المبارک کو اسد اللہ حضرتِ علی رضی اللہ تعالٰی عنہ حضورؐ کے چچیرے بھائی، آپؐ کے داماد، چوتھے خلیفۂ راشد شہید کر دیئے گئے جو حضرات حسنین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے والد ماجد بھی ہیں۔ سوگ کا دن منانا ہوتا تو ایک مخصوص مکتب فکر کے افراد کے بجائے پوری اُمت آں جنابؓ کی شہادت کے دن سوگ مناتی۔ اگر سوگ کے دن منانے کا سلسلہ جاری رہے تو بتایئے کون کون سے دن سوگ منایا جائے گا! سال کا کون سا دن ہوگا جو کسی نہ کسی عظیم شخصیت اور اولیاء اللہ کی شہادت کا یا وفات کا دن نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دین میں سوگ اور ماتم اور ان کے دن منانے کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ جس گھر میں کسی کی وفات ہوئی ہو تو سوگ کو کیفیت کی زیادہ سے زیادہ تین دن کے لئے اجازت ہے۔ اُس میں بھی نوحہ گریہ اور سینہ کوبی کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے باقی رہا یہ کہ ان میں سے جنہوں نے بھی اللہ کی راہ میں قربانیاں دی ہیں اور حق و صداقت کے لئے اپنی جانیں دی ہیں اس کی بنیاد پر ان کا بہت ارفع و اعلیٰ مقام ہے۔ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ لیکن نہ دن اور یادگار منانا ہمارے دین کے مطابق ہے اور نہ یہ کوئی رنج والم اور غم وحزن کا معاملہ ہے اور نہ ہر سال سوگ اور ماتم کرنا دین سے کوئی مناسبت

رکھتا ہے۔

شاید آپ کو معلوم ہو کہ ہمارے صوفیاء کے ہاں موت کو ایک محبوب اور محب کی ملاقات کا وقت تصور کیا جاتا ہے۔ یہ جو لفظ "عرس" رائج ہے تو اس کی اصل "عروسی" ہے۔ جیسے "عروسی" (شادی) ایک خوشی کا موقع ہوتا ہے ویسے ہی موت کسی مردِ مومن کے لئے کسی رنج و غم کا موقع ہے ہی نہیں، چاہے وہ طبعی ہو چاہے قتل کی صورت میں ہو۔ یہ تو درحقیقت ایک محبوب اور محب کی ملاقات ہے اس پہلو سے علامہ اقبال کا وہ شعر ذہن میں رکھیے کہ ؎

"نشانِ مردِ مومن با تو گویم ——— چوں مرگ آید تبسم برلب اوست!"

تو تبسم خوشی کے موقع پر ہوتا ہے نہ کہ غمی کے موقع پر۔ پس یہ سوگ اور ماتم کے دن منانا قطعاً ہمارے دین کے ساتھ مناسبت رکھنے والی چیز نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں ہمارے معاشرے میں یہ غلط رواج چلا آرہا ہے کہ محرم الحرام بالخصوص اس کے پہلے عشرے میں شادیاں نہیں ہوتیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذی الحجہ کے آخری عشرے میں شادیوں کا ایک طوفان آجاتا ہے۔ آپ نے اخباروں میں پڑھا ہو گا کہ امسال ذی الحجہ کے آخری دنوں میں لاہور اور کراچی جیسے شہروں میں روزانہ ہزاروں کی تعداد میں شادیاں انجام پائی ہیں۔ آخر ہم نے محرم الحرام بالخصوص اس کے پہلے عشرے کو شادی بیاہ کی تقریب کے لئے حرام یا منحوس کیوں سمجھ لیا ہے!! ۔ چونکہ میرے نزدیک ان غلط رواجات و روایات کو توڑنا اور غیر اسلامی تصورات کو ختم کی کوشش کرنا بھی ایک نوع کا جہاد ہے۔ لہٰذا نوٹ فرما لیجئے کہ اسی ماہ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ کی ۷ تاریخ کو بعد نماز مغرب ان شاء اللہ میرے دوسرے بیٹے عاکف سعید سلمہ کا عقدِ نکاح مسنونہ جامع مسجد قرآن اکیڈمی ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن میں منعقد ہو گا۔ جس میں شمولیت کی میں آپ تمام حضرات کو دعوت دیتا ہوں۔ آپ حضرات کی تشریف آوری اور دعائے خیر میں شرکت میرے لئے باعثِ مسرت و ممنونیت ہو گی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

تحریکِ رجوع الی القرآن کا مرحلۂ ثانی

قرآن اکیڈمی

میں "رفاقت" یعنی "فیلوشپ" کی اسکیم کا اجراء

زیرِ اہتمام مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

منظور شدہ ——— مجلس منتظمہ

مرتبہ :- چوہدری نصیر احمد ورک (معتمد)

"مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور" کے صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد کی وہ تحریر جو بعد میں "اسلام کی نشاۃِ ثانیہ: کرنے کا اصل کام" کے عنوان سے کتابچے کی صورت میں طبع ہوئی (اور جس کے اب تک چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں) اوّلاً انجمن کی تاسیس سے پانچ سال قبل جون ۱۹۶۷ء میں ماہنامہ 'میثاق' لاہور کے ادارتی صفحات میں شائع ہوئی تھی —— اس میں موصوف نے اپنے فہم کی حد تک اس امر کا جائزہ لیا تھا کہ موجودہ دنیا میں اسلام اور مسلمان کس حال میں ہیں اور یہ بھی واضح کرنے کی کوشش کی تھی کہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور اُمتِ مسلمہ کی تعمیرِ نو کے لئے اب تک کیا کچھ ہو چکا ہے' فی الوقت کیا ہو رہا ہے اور کیا کرنا باقی ہے —— ساتھ ہی اپنے تجزیے اور تشخیص کی بنیاد پر 'احیائے اسلام' کے لئے ایک اساسی لائحہ عمل بھی پیش کیا تھا اور اس کے

ضمن میں فوری اور اوّلین اقدام کے طور پر 'قرآن اکیڈمی' کے قیام کی تجویز پیش کی تھی۔

ڈاکٹر صاحب پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہوا کہ انہوں نے اس لائحۂ عمل کو پیش کرنے کے فوراً بعد تن تنہا عملی جدوجہد کا آغاز بھی کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے ایک جانب لاہور میں متعدد حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن قائم کئے، دوسری جانب 'دار الاشاعت الاسلامیہ' کے تحت علومِ قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت کا آغاز کر دیا۔ اور تیسری جانب 'سلسلۂ اشاعت قرآن اکیڈمی" کے عنوان سے پے بہ پے کئی کتابچے اس مقصد سے شائع کئے کہ اس کام کی اہمیت بھی لوگوں پر واضح ہو جائے اور اس کا استدلالی پس منظر بھی نگاہوں کے سامنے رہے۔

اللہ تعالیٰ خلوص و اخلاص کے ساتھ کی جانے والی کسی بھی کوشش کو نہ دُنیا میں ضائع فرماتا ہے نہ آخرت میں، چنانچہ ڈاکٹر صاحب کی پانچ سالہ مساعی کا فوری نتیجہ یہ سامنے آیا کہ ــ "گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں ــ یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں!" اور ــ "میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر ہم سفر ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا!" کے مصداق ان کے ہم خیال معاونین کا ایک وسیع حلقہ پیدا ہو گیا جن میں سے کچھ نسبتاً زیادہ فعّال حضرات نے ان کے ساتھ باقاعدہ و باضابطہ تعاون کی غرض سے ۱۹۷۲ء میں اپنے آپ کو 'مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)' کی صورت میں منظم کر لیا جس کی 'قرار دادِ تاسیس' میں بھی ڈاکٹر صاحب کی تذکرہ بالا تحریر کے مرکزی خیال اور لبّ لباب کو من وعن ضم (INCORPORATE) کر لیا گیا اور اس کی مختصر تشریح کے ذیل میں مزید صراحت کر دی گئی کہ: "انجمن کے اس موقف کا مفصل استدلالی پس منظر اور منطقی صغریٰ و کبریٰ تو "اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام" نامی کتابچے کے مطالعے سے سمجھا جا سکتا ہے۔ تاہم اجمالاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ:

۱۔ ہمارے موجودہ دینی انحطاط کا اصل سبب یہ ہے کہ مغرب کی بے خدا سائنس اور یورپ کے ملحدانہ فلسفہ و فکر نے بحیثیتِ مجموعی پوری اُمت کے ایمان کی جڑوں کو ہلا ڈالا ہے اور خرمنِ یقین کو جلا کر راکھ کر دیا ہے۔ اور اب صورتِ

واقعہ یہ ہے کہ عوام الناس کے دل و دماغ میں بالعموم اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے قلوب و اذہان میں بالخصوص خدا اور آخرت اور وحی و نبوت ایسے اساسی معتقدات تک کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں رہی۔

۲۔ اندریں حالات اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور غلبۂ دینِ حق کی لازمی شرط (Pre-requisite) تجدیدِ ایمان ہے اور قصرِ اسلام کی تعمیرِ نو کے لئے ایمان کی ان بنیادوں کی از سرِ نو تعمیر ناگزیر ہے جو صرف مضمحل ہی نہیں منہدم ہو چکی ہیں۔ گویا یہ عمارت صرف جزوی مرمت اور سطحی لیپا پوتی کی نہیں بلکہ بنیاد سے تعمیرِ جدید کی محتاج ہے۔

۳۔ تجدیدِ ایمان کی اس مہم میں اوّلین اہمیت معاشرے کے اس فہیم عنصر (Intelligentsia) اور ذہین اقلیت (Intellectual Minority) کو حاصل ہے جو از خود معاشرے کی ذہنی و فکری قیادت کے منصب پر فائز ہے اور جسے جسدِ ملت میں وہی مقام حاصل ہے جو ایک فردِ نوعِ بشر کے جسم میں اس کے دماغ (Brain) کو حاصل ہوتا ہے۔

۴۔ اس طبقے کے قلوب و اذہان میں ایمان کی تخم ریزی اور آبیاری کیلیے لازم ہے کہ خالصۃً قرآن حکیم کی بنیادوں پر اور اسی کی ہدایت و رہنمائی کی روشنی میں ایک ایسی زبردست علمی تحریک برپا ہو جو ایک طرف وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر ملحدانہ افکار و نظریات کا مؤثر اور مدلل ابطال کرے۔ دوسری جانب ٹھوس علمی سطح پر [illegible] حقائقِ ایمانی کا واضح اثبات کرے تاکہ یقین اور اذعان کی کیفیت پیدا ہو۔ اور تیسری طرف ثابت شدہ سائنسی حقائق اور حقیقتِ کائنات و انسان کے بارے میں قرآن حکیم کے نقطۂ نظر میں ایسی تطبیق پیدا کرے جس سے قلوب مطمئن ہو سکیں۔ (وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ)

۵۔ اس کے لئے لازم ہے کہ کچھ ایسے نوجوان جو بیک وقت ذہین اور باصلاحیت بھی ہوں اور باہمت اور صاحبِ عزیمت بھی اور جنہیں اللہ تعالےٰ اپنی کتابِ عزیز پر خالص ذاتی نوعیت کا ایمان و یقین عطا فرماوے، اپنی پوری زندگی کو تعلّم و تعلیمِ قرآن کے لئے وقف کر دیں اور اس کتابِ حکیم کے فلسفہ و حکمت

کی تحصیل اور نشر و اشاعت کے سوا زندگی میں اُن کا مقصود و مطلوب اور کچھ نہ رہے۔

۷۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے اور عربی زبان سیکھنے سکھانے کی ایک عام تحریک برپا کی جائے اور علوم قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت کا ایک وسیع پیمانے پر اہتمام ہو تاکہ عوام کی توجہات قرآن حکیم کی جانب منعطف ہوں، ذہنوں پر اس کی عظمت کا نقش قائم ہو، دلوں میں اس کی محبت جاگزیں ہو اور اس کی جانب ایک عام التفات پیدا ہو جائے۔ اسی سے توقع کی جا سکتی ہے کہ بہت سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والے نوجوان بھی اس سے متعارف ہوں گے اور ان میں سے کچھ تعداد ایسے نوجوانوں کی بھی نکل آئے گی جو اس کی قدر و قیمت سے اس درجہ آگاہ ہو جائیں کہ پوری زندگی اس کے علم و حکمت کی تحصیل اور نشر و اشاعت کے لئے وقف کر دیں۔

خدا ہمارا حامی و ناصر ہو۔

(ماخوذ : قرارداد مقاصد کی مختصر توضیح و تشریح از: دستور انجمن)

الحمد للہ کہ ۱۹۷۲ء سے ۱۹۸۱ء تک ڈاکٹر صاحب اور انجمن کی نو سالہ مشترکہ مساعی کا یہ نتیجہ روزِ روشن کی طرح نگاہوں کے سامنے ہے کہ پاکستان کے طول و عرض میں نہایت کثیر تعداد میں لوگوں کی توجہات قرآنِ حکیم کی جانب منعطف ہو گئی ہیں اور اللہ کی کتابِ مُبین کی جانب ایک عام التفات پیدا ہو گیا ہے۔

— مزید برآں قرآنِ حکیم کے علوم و معارف کے بیان و تبیین کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب کے مخصوص طرز و انداز کا شہرہ نہ صرف اندرونِ ملک گوشے گوشے میں بلکہ بیرونِ ملک بھی دُور دُور تک پہنچ گیا ہے۔ اس ضمن میں بظاہرِ احوال جہاں ڈاکٹر صاحب کے درس و خطابات اور انجمن کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی قرآن کانفرنسوں اور قرآنی تربیت گاہوں اور مکتبۂ انجمن کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والی مطبوعات کو بھی بہت کچھ دخل حاصل ہے۔ اور گذشتہ تین سالوں کے دوران پاکستان ٹیلی ویژن کے پروگراموں بالخصوص 'الکتاب' 'الم' اور 'الھُدیٰ' نے تو فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے' وہاں درحقیقت یہ فضل و احسان ہے اللہ تعالےٰ کا

بس نے اپنا کلام اپنے بندے اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا اور
س کے ایک ایک حرف کو "کس نے بھردی موتیوں سے خوشۂ گندم کی
جیب" کی سی شان کے ساتھ علم و حکمت کے جواہر کا خزانہ بنا دیا۔ پھر اس
دَور میں جبکہ الحاد اور مادہ پرستی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوتے ہیں
ور انسانوں کی عظیم اکثریت کا مقصود و مطلوب محض دُنیا اور اس کی آسائشیں
ن کر رہ گئی ہیں اپنے ایک حقیر اور ناچیز بندے کے ذہن پر قرآن حکیم کی عظمت
ا ایسا نقش قائم فرمادیا اور اس کے دل میں اپنے کلامِ مجید کی ایسی محبت جاگزیں
رمادی کہ وہ سے "ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم - الاّ حدیث دوست
کہ تکرار می کنیم![1]" کے مصداق ہر چیز سے لاتعلق ہو کر صرف اور صرف اس کی کتاب
ا ہو کر رہ گیا - مزید برآں اسے بیان کی وہ صلاحیت عطا فرمادی اور اس
ی زبان میں وہ تاثیر رکھ دی کہ بفحوائے الفاظ قرآنی "فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً
ِنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ[2]" کثیر تعداد میں لوگوں کے قلوب اس کی
انب مائل ہو گئے اور معتدبہ تعداد میں لوگ اس کی سعی و جہد میں بالفعل شریک
بھی ہو گئے - یہ سب فی الاصل ظہور ہے اللہ تعالیٰ کی شان رحمانی کا بفحوائے
فاظِ قرآنی :- "اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝
عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝[3]" ——— گویا ڈاکٹر صاحب اور مرکزی انجمن خدام
لقرآن لاہور کے پیش نظر مقاصد کے اس مرحلۂ اوّل کی کسی درجے میں تکمیل
کے ضمن میں بظاہر خواہ ڈاکٹر صاحب کی ذاتی مساعی کا دخل ہو خواہ وابستگان و
کارکنانِ انجمن کے "دامے، درمے، قدمے، سخنے" تعاون کا، باطن یہ سارا
معاملہ تصرفاتِ الٰہیہ کا ہے، پس کُل شکر و ثنا بھی اسی کی ہے اور تمام حمد و منت
بھی، - ڈاکٹر صاحب اور انجمن دونوں کے لئے مقامِ صد شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ

---

[1] "ہم نے جو کچھ پڑھا پڑھایا تھا سب فراموش کر دیا - اب تو بس صرف اپنے محبوب
ی کی بات یاد رہ گئی ہے جس کا ورد کئے جا رہے ہیں ؟"

[2] سورۂ ابراہیم "پس (اے رب) لوگوں کے دلوں کو ان کی جانب مائل فرمادے !"

[3] سورۃ رحمٰن : "رحمٰن نے (بنفس نفیس) قرآن کی تعلیم دی، انسان کو تخلیق فرمایا
(اور) اسے بیان کی صلاحیت عطا فرمائی"

نے انہیں اپنی کتابِ عزیز کی خدمت کی توفیق بھی ارزانی فرمائی اور ان کی مساعی کو دنیا میں قبولِ عام کا مقام عطا فرما کر " وَ اُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا "[ه] کے قبیل کا نقد انعام بھی عطا فرما دیا ہے " منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی۔ منت شناس ازو کہ بخدمت گذاشتت !! "

پیشِ نظر مقاصد کے 'مرحلۂ ثانی' — یعنی قرآن اکیڈمی کے قیام اور اس "کہفِ قرآنی" میں ذہین اور فہیم نوجوانوں (یعنی فِتْيَة[ه]) کی ایک جماعت کے ہر طرف سے کٹ کر کامل یکسوئی کے ساتھ پوری زندگی کو 'وقف' کر دینے کے شعوری فیصلے اور مصمم ارادے کے ساتھ ہمہ تن اور ہمہ وقت تعلیم و تعلم قرآن میں مشغول ہو جانے کے ضمن میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت سا تمہیدی کام گزشتہ نو سالوں کے دوران ہو چکا ہے۔ چنانچہ ایک طرف 'قرآن اکیڈمی' کا تعمیراتی منصوبہ تین چوتھائی سے زاید مکمل ہو چکا ہے (واضح رہے کہ اس میں ایک پیسہ بھر بھی کسی ملکی یا غیر ملکی سرکاری یا نیم سرکاری ادارے کی مدد شامل نہیں ہے۔ بلکہ بہ کُل کا کُل ڈاکٹر صاحب اور انجمن کے ہم خیال اور بہی خواہ حضرات کے ذاتی ایثار و انفاق کا نتیجہ ہے۔) دوسری طرف ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ذہین و فہیم نوجوان بھی اب بالکل مفقود نہیں ہیں جن کے دلوں میں اپنی زندگیوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک: " خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَهٗ "[ه] کے مطابق تعلیم و تعلم قرآن کے لئے وقف کر دینے کا جذبہ موجزن ہے۔ بنا بریں اب وقت آ گیا ہے کہ اس مرحلۂ ثانی کا بالفعل آغاز کر دیا جائے۔

یہ بات بادنیٰ تامل سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اس دوسرے مرحلے کے آغاز کے لئے دو شرطوں کا پورا کیا جانا لازمی و لابدی ہے :- ایک ان نوجوانوں کی

ه سورۃ صف: " اور دوسری چیز جو تمہیں بہت محبوب ہے! "

ه سورہ کہف

ه بخاریؒ اور مسلمؒ کی متفق علیہ مرفوع حدیث جو حضرت عثمانؓ سے مروی ہے: " تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن کا علم حاصل کریں اور اسے دوسروں تک پہنچائیں۔"

جانب سے جو اس کام کا داعیہ رکھتے ہوں اور دوسری انجمن کی جانب سے — نوجوانوں کی طرف سے یہ کہ وہ کسی فوری جذبے یا وقتی محرک کے تحت نہیں بلکہ پورے شعور و ادراک کے ساتھ اپنی پوری زندگی کو اس عظیم مقصد کے لئے وقف کرنے کا عہد کریں - اور معاش کے ضمن میں امنگوں اور ولولوں (AMBITIONS) اور حسین مستقبل (BRIGHT CAREER) کی آرزوؤں سے صرفِ نظر کر کے صرف 'قوتِ لایموت' پر بسر کرنے کے لئے ذہناً پوری طرح آمادہ ہو جائیں - اس ضمن میں "اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام" کے صفحہ ۲۱ و ۲۲ سے یہ اقتباس لائقِ توجہ ہے :-

"آج کے دور میں، جبکہ مادیت اور دنیا پرستی کا قلوب و اذہان پر مکمل تسلط ہے اور کچھ توفی الواقع طلبِ معاش کا مسئلہ اتنا کٹھن ہو گیا ہے کہ اکثر لوگوں کو اپنی ساری صلاحیتیں اور توانائیاں اسی کے حل پر مرکوز کر دینی پڑتی ہیں - پھر معاشرے کا عام رجحان یہ ہو گیا ہے کہ جو ذرا اس سطح سے بلند ہوتا ہے اس پر معیارِ زندگی کو بلند تر کرنے کی دھن سوار ہو جاتی ہے - اس قسم کے نوجوانوں کا ملنا بظاہر محال نظر آتا ہے - لیکن حقیقت یہ ہے کہ دنیا سعید رُوحوں سے کبھی خالی نہیں ہوتی، اور اگر کچھ مخلص و صاحبِ عزیمت لوگ ذہنی یکسوئی کے ساتھ اس کام کا بیڑا اٹھالیں تو انشاءاللہ اسی معاشرے میں بہت سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک نوجوان ایسے مل جائیں گے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کو کہ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ اپنا لائحہ عمل بنا کر علم قرآن کی تحصیل و اشاعت کے لئے زندگی وقف کر دیں — یہ بھی واضح رہے کہ اصل ضرورت صرف اس کی ہوتی ہے کہ کسی جذبہ و خیال کے تحت انسان میں داخلی طور پر ایک داعیہ بیدار ہو جائے، پھر یہ داعیہ کام کی راہیں خود پیدا کر لیتا ہے اور تمام موانع و مشکلات سے خود نبٹ لیتا ہے - لہذا ضرورت اس کی ہے کہ اس خیال کو عام اور اس کی ضرورت کے احساس کو اجاگر کیا جائے پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس اعلیٰ و ارفع نصب العین کے لئے کام کرنے والے دستیاب نہ ہو سکیں -"

یہ بات آج سے پندرہ سال قبل کہی گئی تھی اور اگر ڈاکٹر صاحب کی پندرہ[۱۵] سالہ اور انجمن کی نو[۹] سالہ مساعی سے چند نوجوانوں کے دلوں میں بھی یہ داعیہ بیدار نہ ہو سکا ہو تو دو[۲] میں سے ایک نتیجے تک پہنچنا ناگزیر ہوگا یعنی یہ کہ یا تو یہ مساعی ہی خلوص سے تہی اور اخلاص سے بیگانہ تھیں یا پھر ہمارا معاشرہ بالکل بانجھ ہو چکا ہے اور اب اس سے کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی — بہر حال "لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ" اور "وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ" کی دائمی اور لازوال قرآنی ہدایات اور عہد حاضر کے حکیم القرآن علامہ اقبال مرحوم کی اس تلقین کے پیشِ نظر کہ ؎ "نومید نہ ہو ان سے اے رہبرِ فرزانہ - کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی!" ہم اُمید رکھتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ سعید رُوحیں ایسی ضرور نکل آئیں گی جو اس کڑی شرط کو پورا کر سکیں — کوئی زیادہ پرانی بات نہیں ہے کہ اسی برّصغیر پاک و ہند سے کثیر تعداد میں ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو اور مسلمان نوجوان نکل آئے تھے جنہوں نے پوری عمر یہ عہد نبا ہا کہ ہمیشہ قومی تعلیمی اداروں ہی میں کام کریں گے اور کبھی سرکاری ملازمت کا رُخ نہ کریں گے اور مدت العمر کبھی -/۷۵ روپے ماہوار سے زیادہ مشاہرہ نہ لیں گے — تو اگر قوم اور وطن کے نام پر اس کردار کا مظاہرہ کیا جا سکتا ہے تو کیا ہمارا معاشرہ دینی جذبہ کے اعتبار سے اسقدر گراوٹ کا شکار ہو چکا ہے۔ کہ اللہ کے دین اور اس کی کتاب کی خدمت کے لئے چند لوگ بھی اس کردار کا مظاہرہ نہ کر سکیں — "أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ" ؟[1]

دوسری جانب انجمن خدام القرآن کو یہ شرط پوری کرنی ہوگی کہ وہ ان نوجوانوں کا زیادہ کڑا امتحان نہ لے اور ان کی معاش کے ضمن میں اوسط درجے اور درمیانی معیار کی کفالت کا ذمہ لے — ان دونوں شرطوں میں اگرچہ بظاہر ایک طرح کا تضاد نظر آتا ہے لیکن واقعیت پسندی کا تقاضا یہی ہے کہ ان دونوں کو بیک وقت پورا کرنے کی سعی کی جائے۔ یعنی جبکہ اکیڈمی کے نوجوان رفقاء ذہنًا و قلبًا "قوتِ لا یموت" حتیٰ کہ بفحوائے الفاظ قرآنی: "وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ

---

[1] سورہ ہود: "کیا تم میں کوئی ایک بھی سعید رُوح موجود نہیں ہے؟"

الْجُوْعِ ۔ ۔ ۔[۹]" اور " وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَاءِ[۱۰] ۔ " فاقوں تک کے لئے تیار ہوں ، اکیڈمی اور اس کی مادر سرپرست انجمن ان کے لئے اوسط درجے کی معاش کا اہتمام ضرور کرے ۔۔۔ چنانچہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ) کی مجلسِ منتظمہ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۱ ستمبر ۱۹۸۱ء میں فیصلہ کیا ہے کہ انجمن کسی بھی مضمون میں ایم اے یا ایم ایس سی کا امتحان فرسٹ ڈویژن (یا بصورت سمسٹر سسٹم کم ازکم بی گریڈ) میں پاس کرنے والے نوجوانوں کو جو انجمن اور قرآن اکیڈمی کے مقاصد کے لئے زندگی وقف کرنے کا فیصلہ کریں یونیورسٹی لیکچررز کے گریڈ کے مطابق مشاہرہ و دیگر سہولتیں فراہم کرے گی ۔

اب دیکھنا یہ ہے[۱۱] کہ قرآن حکیم کے الفاظ مبارکہ : " مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا " کے مطابق کون ہیں وہ باہمت نوجوان جو انجمن کی اس پیشکش کو قبول کر کے اس کی صدا پر لبیک کہیں اور اپنے پورے سرمایۂ زیست کو اللہ کے دینِ متین اور اس کی کتاب مبین کی خدمت کے لئے وقف کر دینے کے عزم کے ساتھ اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو عمر بھر کے لئے انجمن خدام القرآن اور قرآن اکیڈمی کے حوالے کر دیں ۔

اس ضمن میں اگرچہ بات پہلے ہی پوری طرح واضح ہو چکی ہے تاہم حفظِ ماتقدم کے طور پر مزید وضاحت مناسب ہے کہ یہ کوئی جزوی یا وقتی معاملہ نہیں ہے بلکہ پوری متاعِ زیست اور کُلّہ سرمایۂ حیات کا سودا ہے اصلاً باطن اللہ کے ہاتھ اور بظاہر معاملۃً انجمن خدام القرآن اور قرآن اکیڈمی کے ہاتھ ۔۔۔ چنانچہ اس کی اصل قیمت تو اللہ تعالیٰ ہی ادا فرمائے گا یعنی جنت بقولِ الفاظِ قرآنی : " اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ[۱۲] " البتہ انجمن ناگزیر بنیادی ضروریات

---

۹ سورۂ بقرہ : " اور ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے کچھ خوف سے ، بھوک سے ۔۔۔ "

۱۰ سورۂ بقرہ : " اور (بالخصوص) صبر کرنے والے فقر و فاقہ میں ۔۔۔ "

۱۱ سورۂ حدید : " کون ہیں وہ جو اللہ کو قرض حسنہ دیں ! "

۱۲ سورۂ توبہ : " اللہ نے خرید لی ہیں اہل ایمان سے ان کی جانیں اور مال بعوضِ جنت "

کے لئے گویا 'گذارا الاؤنس' کا ذریعہ ہے۔ معاملے کی اس اصولی نوعیت کے واضح تعین کے ساتھ ساتھ اس کے بعض مضمرات و مقتضیات اور لوازم و نتائج کی پیشگی وضاحت بھی مفید رہے گی۔ تاکہ "لِيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ"[۱۲] کے مصداق جو بھی آگے بڑھے خوب سوچ سمجھ کر بڑھے:

۱ - ان نوجوانوں کو اپنی جملہ توانائیاں اور کل صلاحیتیں بھی انجمن اور اکیڈمی کے لئے وقف رکھنی ہوں گی اور ناگزیر حوائج اور ضروری آرام کیلئے جتنا وقت درکار ہے اس کے سوا تمام اوقات بھی ان مقاصد ہی کے حصول کے لئے کھپانے ہوں گے ــــ اور نہ تو ان کی صلاحیتوں اور قوتوں کا کوئی حصہ کسی بھی بلا واسطہ یا بالواسطہ انداز میں کسی دوسری نوع کی جلبِ منفعت میں صرف ہوگا اور نہ ہی 'اوقاتِ کار' کا وہ تصور سامنے رہے گا جو عام طور 'ملازمت' کے لوازم میں سے سمجھا جاتا ہے۔

۲ - انجمن اور اکیڈمی کے مقاصد کی تحصیل و تکمیل کے ضمن میں تعلیم و تدریس تصنیف و تالیف، دعوت و تبلیغ حق کہ تنظیمی اور انتظامی نوعیت کے جو فرائض بھی انہیں تفویض کئے جائیں گے انہیں بدل و جان سرانجام دینے کی ہر امکانی سعی کو بروئے کار لانا ہوگا اور اس ضمن میں کسی بھی کام سے دریغ نہ کیا جائے گا۔

۳ - یہ سارا کام 'احیائے اسلام' اور اقامتِ دین' کے مقاصد جلیلہ کیلئے ہے لہٰذا یہاں نظم اور ڈسپلن کا معاملہ بھی 'اطاعت فی المعروف' کے ٹھیٹھ دینی اصول پر مبنی ہوگا نہ کہ عام دنیادی اداروں یا حکومت کے محکموں کے طرز کا۔

۴ - اس پورے کام کا ایک پس منظر ہے جس سے اس کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ یہ کہ 'قرآن اکیڈمی' ایک ذیلی ادارہ ہے 'مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' کا اور اس کے مؤسس اور تاحینِ حیات صدر ہیں ڈاکٹر اسرار احمد جن کے دینی فکر کو اس پورے کام میں اساسی اہمیت اور بنیاد کے پتھر کی حیثیت حاصل ہے۔ لہٰذا اس کام میں صرف ان ہی حضرات کا اشتراکِ عمل مفید رہے گا جو اُن کے فکر سے فی الجملہ اتفاق رکھتے ہوں ــــ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ کسی بھی مسئلے

---

[۱۲] سورۃ انفال:- "تاکہ جو جئے دلیل کے ساتھ جئے"

ہیں ان سے اختلاف نہ رکھتے ہوں - اس لئے کہ جزوی مسائل میں اختلاف اور تعبیر و تاویل کے انداز میں فرق و تفاوت بالکل دوسری چیز ہے اور اس کیلئے تو ہر جگہ اور ہر سطح پر گنجائش رہنی چاہیئے لیکن مجموعی فکر سے اختلاف کے ساتھ اتحاد کا محال ہے اور ایسی کسی بھی کوشش میں خواہ وہ کتنی ہی مخلصانہ کیوں نہ ہو وقت اور قوت کا ضیاع تو ممکن ہے کسی مفید نتیجے کی توقع نہیں کی جاسکتی —— ہمسفری اور ہم قدمی ذہنی اور فکری ہم آہنگی کے بغیر ممکن نہیں ہے !!

اس کام کے لئے آگے بڑھنے والے نوجوانوں کے لئے ان مزید وضاحتوں اور تنبیہوں کے ساتھ ایک مزید تصریح انجمن کی جانب سے بھی —— اور وہ یہ کہ ایسے نوجوانوں کو آغاز ہیں، یونیورسٹی لیکچررز کے گریڈ (یعنی فی الوقت گریڈ ۱۷) میں مشاہرہ اور دیگر مراعات (یعنی رہائش یا کرایہ اور دیگر الاونس) دینے کے بعد وقتاً فوقتاً جو اضافے اس ضمن میں سرکاری سطح پر ہوتے رہیں گے وہ انجمن بھی کرتی رہے گی —— اور مناسب وقفوں پر ترقی کے جو امکانات سرکاری اداروں میں ہوں گے ان کا سلسلہ اکیڈمی میں بھی قائم رکھا جائے گا -

آخری اور بعض اعتبارات سے اہم ترین بات یہ کہ یہ پوری تحریر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی مجلسِ منتظمہ کے ایک خصوصی اجلاس منعقدہ ۱۵ / اکتوبر ۸۱ء میں پیش ہو کر ایک ایک لفظ کی تصویب و توثیق کا مرحلہ طے کر چکی ہے، گویا اسے من و عن مجلس منتظمہ کی 'قرارداد' کی حیثیت حاصل ہے -

---

(بقیہ عرضِ احوال)

کامیاب فرمائے کہ شروع ہونے والے اس اسلامی سال میں میثاق ہر ماہ پابندی سے پیش کیا جاسکے - اکثر احباب کو ناقص پروف ریڈنگ کی شکایت تھی اس مرتبہ اس شکایت کے ازالے کے لئے امکانی کوشش کی گئی ہے - اس سلسلہ میں محترم چودھری نصیر احمد ورک کا میں ذاتی طور پر ممنون ہوں - جنہوں نے صرف اس مرتبہ اس کام میں تعاون فرمایا ہے بلکہ آئندہ مستقل طور پر یہ ذمہ داری قبول کر لی ہے - توقع ہے کہ ان کے اس تعاون کی بدولت اس باب میں احباب کی شکایت باقی نہیں رہے گی - وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ !

نشر القرآن

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی نشری تقاریر

سورۂ ہود (آیات نمبر ۱۰۶ تا ۱۱۲)

(۱)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

اما بعد:

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝ (سورہ ہود آیت ۱۰۶ تا ۱۰۸)

ترجمہ: "تو جو بدبخت ہوں گے وہ آگ میں داخل ہوں گے۔ اس میں چیختے چلّاتے رہنا ہی ان کا مقدر ہوگا۔ وہ اسی میں رہیں گے۔ جب تک زمین و آسمان قائم رہیں الّا یہ کہ تیرا رب ہی (کچھ اور) چاہے۔ یقیناً تیرا رب جو چاہے کر گزرنے والا ہے۔ اور جو نیک بخت قرار پائیں گے تو وہ جنت میں داخل ہوں گے اسی میں رہیں گے جب تک زمین و آسمان قائم رہیں۔ سوائے اس کے جو چاہے تیرا رب۔ یہ عطیۂ الٰہی ہوگا جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا!" ترجمہ ختم ہوا۔

سورۂ ہود کی ان آیاتِ مبارکہ میں احوالِ آخرت کا بیان نہایت منفرد اور انوکھے پیرائے میں ہوا ہے۔ محاسبۂ اُخروی کے نتیجے میں نسلِ آدم کا دو گروہوں میں منقسم ہو جانا جن میں سے ایک کو رحمتِ خداوندی اپنی آغوش میں لے لے گی اور دوسرا عذابِ خداوندی کا نوالہ بنے گا قرآن حکیم میں بے شمار مقامات پر مذکور

ہے لیکن قرآن کا اعجازِ کلام یہ ہے کہ ہر جگہ بیان کی ایک نئی شان ہے - بالکل
"کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ" کی سی کیفیت کے ساتھ - یقیناً بالکل صحیح فرمایا
ہے - علامہ اقبال مرحوم نے قرآن حکیم کی شان میں کہ ؎ "مثلِ حق پنہاں
ہم پیداست او - زندہ و پائندہ و گویاست اُو !!"

آیت ۱۰۵ ختم ہوئی تھی ان الفاظ مبارکہ پر کہ "فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ"
یعنی قیامت کے دن تمام انسان دو گروہوں میں بٹ جائیں گے - ایک کے لئے
لفظ شقی استعمال ہوا اور دوسرے کے لئے سعید - شقی کا صحیح ترین مفہوم فارسی
کے لفظ بدبخت سے ادا ہو سکتا ہے اور سعید کا نیک بخت سے - لیکن نہایت
لطیف نکتہ یہ ہے کہ آگے "فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا" میں فعل کا صیغہ معروف
استعمال ہوا ہے جس میں ارادۂ فعل کی نسبت فاعل کی جانب صراحت کے
ساتھ ہوتی ہے اور "اَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا" میں فعل مجہول لایا گیا جس
میں فعل کی نسبت فاعلی شخص مذکور کی جانب نہیں ہوتی - گویا کہ شقاوت تمام تر
انسانوں کے اپنے افعال و اعمال کا نتیجہ ہے جبکہ سعادت میں عطیۂ الٰہی ہونے کا
پہلو غالب ہے - چنانچہ اسی کی جانب مزید واضح اشارہ ہو گیا آیاتِ زیرِ درس
کے آخری الفاظ یعنی "عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ" میں کہ یہ عطا ہے کسب نہیں!
اسی حقیقت کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ادا فرمایا کہ کوئی انسان
محض اپنے اعمال کے سبب سے جنت میں داخل نہ ہو سکے گا جب تک کہ رحمتِ
خداوندی دستگیری نہ کرے - جس پر کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے ہمت کر کے یہ
پوچھ ہی لیا کہ "حضورؐ کیا آپ بھی ؟ - جس کے جواب میں آنحضورؐ نے فرمایا:
"ہاں ! میں بھی !!" فصلّی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلّم ! -

اہل جہنّم کے لئے اس مقام پر دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں زفیر اور
شہیق - اہل عرب ان دونوں کا اطلاق گدھے کے چیخنے چلّانے پر کرتے تھے چنانچہ
وہ آواز جو اس وقت نکلتی ہے جب گدھا سانس باہر کو نکالتا ہے - اسے وہ
زفیر سے تعبیر کرتے ہیں اور جو اس سے بھی مکروہ تر آواز اس وقت نکلتی ہے
جب وہ سانس اندر کی جانب کھینچتا ہے اسے شہیق کہتے ہیں، اہل جہنّم کی چیخ
پکار کے لئے ان دونوں الفاظ کے استعمال میں تحقیر اور تضحیک کا جو پہلو ہے وہ

اظہر من الشمس ہے۔

قرآنِ حکیم میں جنّت اور دوزخ دونوں کے لئے خلود کا لفظ بے شمار مرتبہ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہمیشہ رہنے کے ہیں۔ دوامِ مطلق کا تصوّر ظاہر ہے۔ کہ انسان کے لئے محال عقلی ہے۔ اس لئے کہ اس کا ذہن اور اس کی سوچ کے تمام پیمانے محدود ہیں، اس میں لامحدود زمانے کا تصوّر سمانا ناممکن ہے۔ لہٰذا ہر شخص اس کا تصوّر اپنے ذہن و فکر کی وسعت یا تنگی کی نسبت سے قائم کرنے پر مجبور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مقامات پر قرآن "خلود" پر "ابداً" کے لفظ کا اضافہ کرتا ہے تاکہ انسانوں کا تصوّر خلود کے ضمن میں کچھ اور آگے بڑھ سکے ـــــ سُورۃ ہود کی زیرِ درس آیات میں ایک بالکل منفرد پیرایۂ بیان استعمال ہوا ہے یعنی "مادامتِ السمٰوٰت والارض" یعنی جب تک قائم رہیں آسمان اور زمین!! ـــ اس ضمن میں یہ بات تو بالکل واضح ہے۔ اور اس پر جمیع مفسّرین کا اجماع و اتفاق بھی ہے کہ ان سے مراد موجودہ زمین و آسمان نہیں بلکہ عالمِ آخرت کے زمین و آسمان ہیں۔ اس لئے کہ یہ امر قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ وقوعِ قیامت پر زمین و آسمان موجودہ بساط لپیٹ دی جائے گی اور بالکل نئے قوانین طبعی کے ساتھ نئے زمین و آسمان وجود میں آئیں گے جیسے کہ فرمایا کہ ـــ "یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ" یعنی "وہ جس دن کہ ہم لپیٹ دیں گے آسمانوں کو جیسے کہ کتابوں کے طومار لپیٹ دیئے جاتے ہیں" یا جیسے فرمایا کہ: یومَ تبدّلُ الارض غیرا لارض وَالسَّمٰوٰت" یعنی "جس دن کہ زمین و آسمان تبدیل کر دیئے جائیں گے" اور یہ بات ہرگز خلافِ قیاس نہیں کہ عالم آخرت کے یہ زمین و آسمان ابدی ہوں اور ان میں پھر نہ کسی تغیّر و تبدّل کا امکان ہو نہ اختتام و انہدام کا ـــ یا یہ بھی عین ممکن ہے کہ مادامت السمٰوات و الارض" کے الفاظ بطور محاورہ استعمال ہوئے ہوں اور کنایہ ہوں ابدیت کے لئے۔ بہرحال یہی دو تعبیریں اہل سنت کے مجمع علیہ عقاید کے مطابق ممکن ہیں ـــ البتہ ایک خفیف سا امکان اس اندازِ تعبیر و بیان سے اس امر کا

بھی پیدا ہوتا ہے کہ ایک نہایت دور دراز اور طول و طویل مدت کے بعد جس کی درازی کا تصور ذہنِ انسانی صرف خلود اور ابدیت کے الفاظ کے حوالے سے کر سکتا ہے ایک وقت آ سکتا ہے کہ کل سلسلہ تخلیق اور پورا عالم کون و مکان جس طرح آغاز میں عدم محض سے عالم وجود میں آیا تھا اسی طرح ایک بار پھر عدم محض کے پردے میں گم ہو جائے - اور سوائے ذاتِ واجب الوجود کے اور کچھ باقی نہ رہے - اسی کی جانب ایک لطیف سا اشارہ سورۂ رحمٰن کے ان الفاظ مبارکہ میں بھی ملتا ہے کہ "کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّ یَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ" ــــ اگرچہ یہ معاملہ اس اعتبار سے بہت عجب ہے کہ کہ بعض عارفین کے نزدیک تو اس وقت بھی صورتِ واقعہ یہی ہے کہ فی الحقیقت موجود ذات تو صرف اللہ ہی کی ہے - اس کے سوا جو کچھ ہے وہ صرف وہم و خیال کے درجے میں ہے فی الواقع موجود نہیں بقول شاعر ؎ کل ما فی الکون وهم اوخیال - او عکوسٌ فی المرایا او ظلال ! " ــــ یعنی اس کائنات میں جو کچھ ہے وہ یا وہم و خیال کے درجے میں ہے یا آئینوں میں نظر آنے والے عکس یا سائے کے درجے میں - واللہ اعلم بالصواب -

"مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ" کے الفاظِ مبارکہ پر مزید منفرد اور انوکھا اضافہ آیاتِ زیرِ درس میں " اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ " کے الفاظ سے ہوا ہے یعنی "سوائے اُس کے جو چاہے ترا رب !" ان الفاظِ مبارکہ کا مدلول وہ تو لازماً ہے ہی جس کی جانب اشارہ کیا ہے تمام مفسرین نے کہ جملہ صفاتِ باری تعالیٰ کی طرح مشیتِ ایزدی بھی اطلاقی شان کی حامل ہے اور اللہ خود اپنے بنائے ہوئے کسی قاعدہ و قانون کا بھی پابند نہیں ہے کہ ایک مرتبہ بنانے کے بعد معاذ اللہ عاجز ہو جائے اور اس میں کوئی ردّ و بدل نہ کر سکے ! وہ مختارِ مطلق ہے جو چاہے کرے - مزید برآں اس استثناء سے جہنم کے ضمن میں تو اہل سنت کے اس عقیدے کی تائید کا پہلو نکلتا ہے کہ دوزخ میں داخل ہونے والے سب لوگ اس میں ہمیشہ نہیں رہیں گے بلکہ گناہگار مومن اپنے گناہوں کی نسبت سے سزا پا کر وہاں سے نکل آئیں گے - اور کیا عجب کہ اہل جنت کے ضمن میں بھی اس استثناء کا مطلب یہ ہو کہ تمام اہل جنت بھی ہمیشہ جنت ہی میں نہ رہیں بلکہ وہ

سب یا اُن میں سے کچھ اس سے بھی اعلیٰ کیفیت کی طرف منتقل کر دیئے جائیں بقول شاعر کہ "ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں!" — اور کہ "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں!" — واللّٰہ اعلم بالصّواب -

مزید برآں جہنم اور اہل جہنم کے ذکر میں "اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ" کے الفاظ اور اس کے مقابلے میں جنت اور اہل جنت کے ذکر میں "عَطَاءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ" کے الفاظ کا استعمال بھی بلا سبب معلوم نہیں ہوتا ۔ بقول غالب ہے "گنجینۂ الفاظ کا طلسم اس کو سمجھیو - جو لفظ کہ غالب میرے اشعار میں آوے!" الفاظ و انداز بیان کے اس فرق و تفاوت سے جنت اور دوزخ کے دوام و خلود میں کسی لطیف فرق کا سراغ ضرور ملتا ہے - جس کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے دو مقامات پر یعنی سورۃ تغابن اور سورۃ بیّنہ میں اہل جہنم کے ضمن میں صرف "خٰلِدِیْنَ فِیْہَا" کے الفاظ پر اکتفا — اور اہل جنت کے ذکر میں ان پر "ابداً" کے اضافے سے — اور اگرچہ یہ بات مجمع علیہ عقاید کے مطابق تو نہیں تاہم یہ نکتہ قابل لحاظ ہے کہ اس معاملے میں دو بالکل متضاد مزاج کے حامل بزرگوں کا اتفاقِ رائے بہت غیر معمولی بات ہے - یعنی یہ کہ کتاب و سنّت کے علوم کے بحر ذخار امام ابن تیمیہؒ اور طائفہ صوفیا کے سرخیل شیخ ابن عربیؒ دونوں کی رائے یہ ہے کہ دوام و ابدیت مطلقہ صرف جنت کو حاصل ہے، دوزخ اگرچہ نہایت طویل نہایت طویل مدت بلکہ تقریباً دوام ہی کی حد تک قائم رہے گی لیکن اسے ابدیت مطلقہ بہرحال حاصل نہیں - واللّٰہ اعلم -

واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین -

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ط مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا
يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُم مِّن قَبْلُ ط وَإِنَّا لَمُوَفُّوهُمْ نَصِيبَهُمْ غَيْرَ مَنقُوصٍ ۝
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ ط وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ
مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ط وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ۝ وَإِنَّ
كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ط إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

(سورۃ ھود ۱۰۹ - ۱۱۱) کا ترجمہ یہ ہے :-

" پس یہ لوگ جن (مزعومہ) معبودوں کی پرستش کر رہے ہیں تم ان کے بارے میں کسی شش و پنج میں نہ پڑ جانا - یہ بھی اسی طرح (بے دلیل و بے سند) پوج رہے ہیں جس طرح پہلے ان کے آباؤ اجداد پوجتے رہے ہیں - اور ہم انہیں دے کر رہیں گے ان کا بھرپور حصہ بغیر کسی کمی کے ! اور ہم نے موسٰی کو بھی کتاب دی تھی - پھر اس میں بھی اختلاف ڈال دیا گیا - اور اگر نہ طے پا چکی ہوتی ایک بات تیرے رب کی جانب سے پہلے ہی سے ، تو (کبھی کا) فیصلہ کر دیا گیا ہوتا ان کے مابین ، اور یقیناً وہ اس کے بارے میں ایک ایسے شک میں مبتلا ہیں جس نے انہیں خلجان میں ڈال دیا ہے - اور یقیناً تیرا رب ان سب ہی کو بھرپور صلہ دے کر رہے گا - ان کے کرتوتوں کا ، یقیناً جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ اس سے باخبر ہے ! " ترجمہ ختم ہوا !

دنیا میں کسی چیز کا رواج یا چلن ہو جانا اور لوگوں کا کثیر تعداد میں اس کو قبول کر لینا بسا اوقات سادہ لوح لوگوں کے لئے اس مغالطے کا سبب بن جاتا ہے کہ جب اتنے لوگوں نے اسے اختیار کیا ہوا ہے تو ضرور اس کے پیچھے کوئی دلیل اور معقولیت کار فرما ہوگی - یہاں بظاہر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے - لیکن در اصل عوام کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ تم جن مزعومہ معبودوں کی پرستش ہوتے دیکھ رہے ہو - جن کے گن گاتے اور اُن کی شان میں قصیدے پڑھتے تم اپنے پنڈتوں ، پجاریوں اور پروہتوں کو دیکھ رہے ہو اور جن کی مدح سرا

اور ثنا خوانی میں تم اپنی قوم کے سرداروں کو رطب اللسان پاتے ہو ان کے بار
میں اس سارے ٹھاٹھ باٹھ اور کرّ و فرّ سے تمہیں یہ مغالطہ نہ لاحق ہونے پا
کہ ان کے لئے کوئی نہ کوئی دلیل یا سند ضرور موجود ہوگی خواہ وہ ہمارے علم میں
ہو بلکہ ہمارے فہم سے بھی بالاتر ہو! ۔ اس سارے معاملے کی اصل حیثیت اک
ریت اور رسم سے زیادہ کچھ نہیں ہے ۔ گویا یہ خالص تقلید اعمیٰ کا کرشمہ ہے ۔ وَ
لَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ " پس تم ہرگز دھوکا نہ کھا جانا از
مزعومہ معبودوں کے بارے میں جنہیں یہ لوگ پوج رہے ہیں ۔ " مَا يَعْبُدُوْنَ
اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ " یہ لوگ نہیں پوج رہے ہیں ان کو مگر اسی طور
جس طور سے پہلے ان کے آباؤ اجداد پوجتے رہے ہیں یعنی بالکل بے دلیل و برہان
اور بغیر سند و سلطان ۔ جیسے کہ فرمایا سورۂ حج کی آیت ۷۱ میں " وَيَعْبُدُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ
عِلْمٌ " یعنی " وہ پوج رہے ہیں اللہ کے سوا ان ہستیوں کو جن کے لئے نہ کو
سند یا سلطان اتاری گئی ہے نہ ہی اُن کے بارے میں ان کے پاس کوئی حقیقی
اور واقعی علم یعنی دلیل عقلی یا برہان علمی موجود ہے " ۔ آخر میں فرمایا " وَاِنَّا
لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ " اور یقیناً ہم پورا پورا دینے والے ہیں ان کو
کا بدلہ بغیر کسی کمی کے " بلا کم و کاست !! " ان الفاظ میں شدید وعید بھی پنہاں ہے
اور ساتھ ہی ان کے انجام پر حسرت کا اظہار بھی ہے ۔ لفظ " نصیب " میں حسر
ہے ۔ اُس بھیانک انجام پر جس سے وہ دوچار ہونے والے ہیں ۔ " غَيْرَ
مَنْقُوْصٍ " میں وعید کی شدت ہے کہ ان سے کسی قسم کی کوئی رُو رعایت نہ برت
جائے گی اور یہ اپنی گمراہی اور کجروی کا بھرپور صلہ پا کر رہیں گے ۔ اس لئے کہ
شرک ناقابلِ معافی جرم ہے ۔ جیسے کہ فرمایا سورۂ نساء میں دو بار یعنی آیت ۴۸
اور آیت ۱۱۶ میں کہ " اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ " " یعنی اللہ
تعالیٰ ہرگز معاف نہ فرمائے گا اسے کہ اُس کے ساتھ شرک کیا جائے " اس
کیفیت میں مزید شدت کا اضافہ ہے " اِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ " کے کلمات مبارکہ میں
" اِنَّا " بھی تاکید کے لئے آیا ہے ۔ لام مفتوح سے تاکید مزید ہو رہی ہے ۔ پھ

وَّفِّیْ یُوَفِّیْ کے معنی ہیں پورا پورا دینا اور اس میں کسی نوع کی کمی نہ ہونے دینا مزید برآں اس میں بجائے فعل کے اسم فاعل کا استعمال کیا گیا جس سے ایک عزمِ مصمم کا اظہار ہوتا ہے۔ گویا کہ وعید کی شدت اور اس میں تاکید کے اظہار کے لئے جتنے اسلوب عربی زبان میں ممکن ہیں وہ سب کے سب اس چھوٹے سے جملے میں استعمال ہو گئے — فَسُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ !!

سورۂ ہود مکی دور کے آخر میں نازل ہوئی ہے۔ اس وقت تک اگرچہ آنحضورؐ کی براہ راست دعوت کا دائرہ تو شہر مکہ یا اس کے گرد و نواح جیسے طائف وغیرہ تک محدود تھا جہاں صرف بنی اسمٰعیل آباد تھے تاہم آپ کی بالواسطہ دعوت دُور دُور تک پہنچ چکی تھی۔ بالخصوص مدینہ منورہ جو اس وقت تک یثرب کہلاتا تھا اور جہاں تین بڑے قبیلے آباد تھے وہاں آپ کی دعوت کا چرچا بھی ہو چکا تھا اور یہود کے علماء اور سردار حضورؐ کی مخالفت کا آغاز بھی کر چکے تھے اگرچہ یہ مخالفت بھی بالواسطہ ہی تھی یعنی در پردہ مشرکین مکہ کی پیٹھ ٹھونک کر۔ اور انہیں آنحضورؐ کے خلاف طرح طرح کے الزامات و اعتراضات سُجھا کر — لہٰذا سورۂ ہود کی آیت ۱۱۰ میں ان کی جانب ایک برمحل Reference ہے "وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْہِ" یعنی "ہم نے (اس قرآن سے قبل) موسیٰؑ کو بھی ایک کتاب دی تھی (یعنی تورات) ۔ لیکن اس میں بھی اختلاف برپا کر دیا گیا"۔ "فاختلف فیہ" کے جامع الفاظ دونوں معانی کے حامل ہیں یعنی ایک یہ کہ جس طرح آج تم لوگ قرآن کے بارے میں تفرقے میں پڑ گئے ہو کہ یہ منزل من اللہ ہے یا نہیں؟ اسی طرح اُس وقت تورات کے بارے میں بھی یہی جھگڑا کھڑا کیا گیا تھا۔ اس میں گویا اہل مکہ ہی پر تعریض ہے اگرچہ ہے "در حدیثِ دیگراں" کے انداز میں! اور دوسرے یہ کہ تورات کے ماننے والوں ہی نے بعد میں اس کی تعلیمات کے بارے میں طرح طرح کے اختلافات گھڑ لئے۔ یہ گویا تنقید ہوئی علمائے یہود پر جو در پردہ مشرکین مکہ کی پیٹھ ٹھونک رہے تھے۔ یہ تنقید نکھر کر سامنے آئی ہے آیت کے آخری الفاظ میں: "وَاِنَّھُمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْہُ مُرِیْبٍ" واضح رہے کہ شک ایک ذہنی کیفیت ہے،

اور "ریب" قلب سے متعلق ہے جس کی قریب ترین ترجمانی خلجان کے لفظ سے ہو سکتی ہے، یہ لفظ بہت خوبصورت انداز میں آیا ہے ایک حدیث نبوی میں کہ "دَعْ مَا يُرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يُرِيبُكَ" یعنی "کسی بھی معاملے میں جس چیز سے دل میں خلجان پیدا ہو اسے چھوڑ کر اُس چیز کو اختیار کرو جس سے دل کو اطمینان حاصل ہو"۔ یہی بات آنحضورؐ نے ان الفاظ میں بھی فرمائی کہ "اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ" یعنی "اپنے دل سے بھی فتویٰ طلب کر لیا کرو"۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے کی دعویدار امتیں زوال و اضمحلال کے نتیجے میں اس حالت تک بھی پہنچ سکتی ہیں کہ انہیں خود جس کتاب کے منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ ہے اس کے بارے میں بھی وہ فی الواقع شکوک و شبہات اور ریب و خلجان میں مبتلا ہو جائیں — یہی بات ہے جو ایک قاعدۂ کلیہ کے سے انداز میں فرمائی گئی سورۂ شوریٰ کی آیت ۱۴ میں کہ "وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٍ" یعنی "وہ لوگ جو انبیاء و رسل کے بعد ان کی کتابوں کے وارث بنے وہ اُس کے بارے میں ایک ایسے شک میں مبتلا ہیں جس سے اُن کے دلوں میں یقین و ایمان کے بجائے ریب و خلجان کی کیفیت پیدا ہو گئی" — اس آیۂ مبارکہ کے درمیان میں جو الفاظ وارد ہوئے یعنی "وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ" بعینہٖ یہی الفاظ ذرا سے مزید اضافے کے ساتھ سورۂ شوریٰ کی متذکرہ بالا آیت میں بھی آئے ہیں یعنی "وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ" یعنی اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی اور حکمتِ بالغہ میں جس طرح ہر ہر فرد کی اجل معین ہے اسی طرح اقوام و ملل کی مہلت بھی پہلے سے طے شدہ ہے، لہٰذا اس کی جانب سے پکڑ اور سزا فوری طور پر نہیں آتی ؛ اور اسے بہر صورت اُس اَجَلِ معیّن تک ڈھیل ملتی رہتی ہے - اگر ایسا نہ ہوتا تو ان ناہنجاروں کے جرائم تو واقعۃً ایسے ہیں کہ اُن کا حساب کبھی کا چکایا جا چکا ہوتا اور اُن کا قصہ کبھی کا پاک کیا جا چکا ہوتا - واضح رہے کہ ان الفاظ میں جو زجر و توبیخ اور وعیدِ شدید مضمر ہے اس کا رُخ دونوں جانب ہے : یعنی یہود اور ان کے علماء کی جانب بھی اور اہلِ مکہ

اور ان کے سرداروں کی جانب بھی۔ چنانچہ یہ بات اگلی آیت یعنی آیت ملا میں بالکل کھل کر سامنے آگئی یعنی " وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ " یعنی " ان سب ہی کو تیرا رب ان کے اعمال کا بھرپور صلہ دے کر رہے گا " لفظ " کُل " ویسے تو بہت ہی عام ہے یعنی یہ جزا یا سزا ہر ہر فرد کو بھی ملنے والی ہے اور ہر ہر قوم اور اُمّت کو بھی لیکن یعنی یہاں خاص طور پر مراد ہیں بنی اسماعیلؑ جن میں بعثت ہوئی آنحضورؐ کی جن پر نازل ہوا قرآن حکیم — اور بنی اسرائیل جن کو ملی تھی تورات جو عطا فرمائی گئی تھی حضرت موسیٰؑ کو۔ یہ وعید شدید تر ہو گئی ہے آیت کے آخری الفاظِ مبارکہ سے یعنی " اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ " ۵ " یعنی " یقیناً تیرا رب باخبر ہے اس سے جو کچھ کہ یہ کر رہے ہیں " یعنی اس مغالطے میں کوئی نہ رہے کہ ان کے کرتوت کسی کی نگاہ میں نہیں ہیں، یہ اندھیر نگری چوپٹ راج نہیں ہے۔ بلکہ ایک حکیم و دانا اور علیم و خبیر اور سمیع و بصیر ہستی کا بنایا ہوا محکم نظام ہے جس میں کوئی شئے حتیٰ کہ گھاس کا ایک تنکا بھی بے مقصد اور بغیر حکمت نہیں ہے۔ لہٰذا یہاں جو کچھ ہوتا ہے۔ عبث اور بے نتیجہ رہنے والا نہیں ہے بلکہ قانونِ مجازات بھرپور طور پر نافذ ہو گا اور ہر ایک کو اپنے کیے کی جزا یا سزا مل کر رہے گی۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

الحمدُ للہ

قرآنی منتخب نصاب کا سلسلہ وار درس

ہر چہار شنبہ (بدھ) کو ایک گھنٹہ بعد نماز عصر اور ایک گھنٹہ بعد نماز مغرب مسجدِ شہداء میں جاری ہے۔ جو سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع تک پہنچ چکا ہے۔

(۴)

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہٖ الکریم ٭

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ط اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ لا وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ط اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ط ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (سورۂ ھود آیت ۱۱۲ تا ۱۱۵)

"پس (اے نبیؐ!) آپ جمے (اور ڈٹے) رہیں جیسے کہ آپ کو حکم ہوا ہے، اور وہ بھی (جمے رہیں) جنہوں نے توبہ کی روش اختیار کر کے آپ کی معیت اختیار کی ہے۔ اور (کسی بھی معاملے میں) حد سے تجاوز نہ ہو۔ یقیناً جو کچھ تم سب کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے، اور ہرگز مت جھکو ان لوگوں کی جانب جنہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا ہے ورنہ تم بھی جہنم کی لپیٹ میں آجاؤ گے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی (واقعی) حامی ہے ہی نہیں چنانچہ تم کو کوئی مدد نہ مل سکے گی۔ اور (اے نبیؐ) آپ قائم رکھیں نماز کو دن کے دونوں سروں پر بھی اور رات کے کچھ حصوں میں بھی، یقیناً نیکیوں ہی سے ازالہ ہوتا ہے۔ بدیوں کا! یہ ایک جامع نصیحت ہے یاد دہانی حاصل کرنے والوں کے لئے! اور ثابت قدم رہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا!" ترجمہ ختم ہوا!

ان آیاتِ مبارکہ میں نہایت جامع ہدایات دی جا رہی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اور آپ کی وساطت سے آپ کے ساتھی اہل ایمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اوّل و آخر خطاب بصیغۂ واحد حاضر ہے لیکن درمیان میں جمع کے صیغے آ گئے ہیں ــــ سورۂ ہود کا زمانہ نزول وہ ہے جبکہ مکہ میں ایمان اور کفر کی کشمکش اور نبی اکرمؐ کی دعوت اور کفارِ مکہ کی مخالفت اپنے آخری نقطۂ عروج کو پہنچ چکی تھیں۔ جس کے نتیجے میں اہل ایمان

شدید ترین آزمائشوں سے دوچار ہو چکے تھے ۔ اس صورتِ حال میں فطری طور
پر دونوں اندیشے موجود تھے ۔ یعنی ایک یہ کہ کوئی نسبتاً کمزور دل مسلمان
ہمت ہار جائے اور کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ جس سے نبی اکرمؐ اور مسلمان
کی ہوا خیزی ہو اور دوسرے یہ کہ کوئی نسبتاً زیادہ جوشیلا مسلمان ردّ عمل کے
طور پر کسی نازیبا حرکت کا ارتکاب کر بیٹھے جس سے اس اخلاقی ساکھ کو
نقصان پہنچے جو برس ہا برس کے صبر و استقامت اور شائستگی اور حسنِ اخلاق و
معاملت سے قائم ہوئی تھی ۔ گویا کہ صبر و استقامت کی دونوں پہلوؤں سے ضرورت تھی۔
اس پہلو سے بھی کہ تشدد یعنی PERSECUTION سے بددل نہ ہو جائے
اور بہ " ہرچہ بادا باد ، کشتی در آب انداختیم " کے انداز میں پوری
ثابت قدمی کے ساتھ جھیلا جائے جو کچھ بھی بیتے جیسے کہ وارد ہوا ہے سورۂ
لقمان میں حضرت لقمان کی نصائح میں کہ " واصبر علی ما اصابك، اِنَّ
ذالِكَ مِن عزمِ الامور " ۔ اور جھیلو اور برداشت کرو جو بھی تم پر بیتے،
یقیناً بہت ہمت کے کاموں میں سے ہے ! " یعنی اس راہ میں پہلا قدم ہی خوب سوچ سمجھ
کر رکھنا چاہیئے کہ یہ کوئی پھولوں کی سیج نہیں بلکہ کانٹوں بھرا بستر ہے ۔ بقول شاعر
در رہِ منزلِ لیلےٰ کہ خطرہاست بسے ، شرطِ اوّل قدم این است کہ مجنوں باشی !
اور اس پہلو سے بھی کہ کہیں جوش یا جذبے سے مغلوب ہو کر RETA-
LIATION کی راہ نہ اختیار کر لی جائے ۔ اس لئے کہ ابھی دعوتِ نبویؐ کے ضمن
میں PASSIVE RESISTANCE یا بالفاظِ دیگر 'مقابلہ
استقامی' کا دور ہے نہ کہ ACTIVE RESISTANCE یا 'مقابلۂ اقدامی'
کا ۔ یہی وجہ ہے کہ آیاتِ زیرِ درس میں پہلا لفظ ہی فَاسْتَقِمْ " کا وارد ہوا
کہ اے نبیؐ ! اور اے مسلمانو ! جمے اور ڈٹے رہو " کَمَا اُمِرْتَ " یعنی
جیسے اور جس طرح حکم ملا ہے ۔ یعنی تمہارے پائے ثبات میں اس مخالفت
شدیدہ کی وجہ سے کوئی لغزش نہ پیدا ہونے پائے ۔ " مَنْ تَابَ مَعَكَ "
کے الفاظِ مبارکہ میں نہایت شفقت اور التفات کا انداز ہے صحابہ کرامؓ کے
حق میں ۔ چنانچہ ایک جانب ان کے کفر یا شرک یا غفلت سے تائب ہونے پر ان

کی تحسین ہے اور دوسری جانب آنحضورؐ کی معیت میں ان کے لئے جو سرمایۂ صد افتخار ہے اس کی جانب اشارہ ہے۔ بقول شاعر: " یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔ ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں!" ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔ دوسرے اندیشے کے سدباب کیلئے فرمایا " وَلَا تَطْغَوْا " طغیٰ یطغیٰ کے معنی ہیں حد سے تجاوز کر جانا جیسے کہ اردو کے اس مصرعے میں آیا کہ " دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام!" اس مقام پر 'طغیان' سے مراد بعض حضرات نے مقام بندگی سے تجاوز یا حدودِ دین سے باہر نکل جانا لیا ہے۔ لیکن اس کا اصل مفہوم سورۃ النساء کی آیت ۷۷ کے ان الفاظ کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے کہ " اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ " یعنی " کیا تم نے غور نہیں کیا ان لوگوں کے حال پر جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو!" — یعنی اپنی مدافعت تک میں ہاتھ نہ اٹھاؤ بلکہ جھیلو اور برداشت کرو جو ایذائیں بھی تمہیں پہنچائی جائیں۔ عملِ انقلاب اور اس کے مختلف مراحل اور ان کے مختلف ہی نہیں بظاہر متضاد تقاضوں پر نگاہ نہ ہونے کے باعث قرآن حکیم کے اس مقام کی اہمیت اکثر و بیشتر نظر انداز ہوگئی ہے۔ مسلمان جب تک مکے میں رہے انہیں کسی جوابی کارروائی کی اجازت نہ تھی اور واقعہ یہ ہے کہ اس میں حد درجہ صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا صحابہ کرامؓ نے کہ دہکتے انگاروں پر برہنہ پیٹھ لٹائے جانے کو بھی انہوں نے گوارا کر لیا لیکن اپنی مدافعت میں ہاتھ تک نہ اٹھایا۔ ورنہ بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ اس طرح کا

انسان کم از کم آٹھ دس انسانوں کو مار کر ہی مرتا ہے۔ بعض روایات کی رُو سے صرف ایک واقعہ ایک بار حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی جانب سے ہوا کہ انہوں نے ابوجہل کے تھپڑ مارنے پر ایک جوابی تھپڑ رسید کر دیا تھا جس کی آنحضورؐ کی جانب سے سرزنش ہوئی۔ ورنہ لوگوں نے جانیں دیدینا گوارا کر لیا لیکن آنحضورؐ کے حکم کی خلاف ورزی یعنی ڈسپلن توڑنے کا معاملہ نہ کیا۔ آخر میں اس ضمن میں قدرے تاکیدی انداز میں تنبیہ فرما دی گئی کہ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ " یعنی تمہارا پورا طرزِ عمل اللہ کی نگاہ میں ہے —— اس معاملے کا دوسرا رُخ یہ ہو سکتا تھا

کہ کسی بددلی یا کم ہمتی کے باعث یا اعزّہ و اقارب اور سابق رفقاء و احباب کے
سمجھانے بجھانے اور ان کے ظاہری خلوص و اخلاص سے متاثر ہو کر یا کنبے قبیلے
والوں اور قریبی رشتہ داروں کی فطری و طبعی محبت کے زیر اثر ان کی جانب کوئی
جھکاؤ یا میلان پیدا ہو جاتا - چنانچہ اس کے ضمن میں متنبہ فرمایا گیا کہ :- " وَلَا
تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ یعنی " خبردار! ان لوگوں کی جانب
کوئی میلان تمہارے اندر نہ پیدا ہونے پائے جنہوں نے ظلم یعنی شرک کا ارتکاب
کیا - اگر ایسا ہوا تو تم بھی آگ کی لپیٹ میں آ کر رہو گے اور اللہ کو چھوڑ کر نہ تمہارا
کوئی حامی ہوگا نہ مددگار" یہ بات سورۃ زمر میں براہ راست آنحضورؐ سے مخاطب
ہو کر جن دو ٹوک الفاظ میں کہی گئی ہے - اس کے بعد " تا بہ دیگراں چہ رسد"
والا معاملہ بخوبی سامنے آ جاتا ہے - ارشاد ہوتا ہے :- " وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ
وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝" یعنی " اے نبی! یہ بات آپ کی جانب بھی پہلے ہی وحی
کی جا چکی ہے اور ان تمام انبیاء و رسل کے جانب بھی جو آپ سے پہلے مبعوث
ہوئے کہ اگر آپ نے بھی (بالفرض محال) شرک کا ارتکاب کیا تو آپ کے بھی
تمام اعمال حبط ہو جائیں گے اور آپ بھی خسارہ پانے والوں میں شریک ہو جائیں
گے!" معاذ اللہ ثم معاذ اللہ! ــــ اس دو طرفہ صبر و استقامت کے لئے
اصل سہارا ظاہر بات ہے کہ اللہ کی ذات ہے جیسے کہ سورۃ نحل کی آیت ۱۲۷ میں
ارشاد ہوا کہ " وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ " یعنی " صبر کیجئے اور آپ
کا صبر اللہ ہی کے سہارے قائم ہے!" تو اس کے لئے ضرورت ہے اللہ تعالیٰ
کے ساتھ ایک مضبوط اور زندہ قلبی تعلق کی - جس کا سب سے اہم ذریعہ ہے
نماز - چنانچہ آگے اسی کی تاکید ہوئی کہ " وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا
مِّنَ الَّيْلِ " یعنی " نماز کو قائم رکھو ان کے دونوں سروں پر بھی اور رات کے
حصّوں میں بھی" - ان الفاظ میں نمازوں کے اوقات کی جانب بھی لطیف اشارے
موجود ہیں لیکن اصل مراد یہ ہے کہ دن رات کے تمام اہم اوقات بالخصوص وہ

جن میں غفلت زیادہ شدت سے حملہ آور ہوتی ہے یاد الٰہی سے آباد رہیں، نماز او
صبر کا یہ تعلق سورۃ بقرہ میں دو مواقع پر نہایت نمایاں ہو کر آیا ہے - ایک آیت
۴۵ میں بنی اسرائیل یعنی سابقہ اُمّت مسلمہ سے خطاب میں یعنی " وَاستعینُوا
بالصبرِ والصّلوٰۃ وَانّھا لکبیرۃٌ الّا علی الخاشعین الذین یظنّون
أنّھم مُلٰقُوا ربّھم وانّھم الیہ راجعون ۵" یعنی مدد حاصل کرو
صبر اور نماز سے - یقیناً وہ بہت بھاری ہے سوائے ان پر جو یقین رکھتے ہیں کہ
انہیں اپنے رب سے ملاقات کرنی ہے اور انہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا
اور دوسرے آیت ۱۵۳ میں مسلمانوں یعنی حالیہ اُمّتِ مسلمہ کے خطاب میں
یعنی " یا ایھا الذین اٰمنوا استعینُوا بالصبر والصلوٰۃ اِنّ اللہَ
مَعَ الصّٰبرین ۵" یعنی " اے اہل ایمان! مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے
واقعہ یہ ہے کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے " یعنی اللہ کی تائید و نصرت
صبر کرنے والوں کے شاملِ حال ہوتی ہے - یہی بات آیاتِ زیرِ درس میں آخ
آیت ۱۱۵ میں آ رہی ہے - کہ " وَاصبِرْ فَاِنّ اللہَ لا یُضِیعُ اَجرَ
المُحسِنِین ۵" یعنی " صبر کرو - اور جان رکھو کہ اللہ احسان کی روش اختیار کر
والوں کے اجر کو کبھی ضائع نہیں فرماتے " - اَللّٰھُمَّ رَبّنا اجعلنا منھم - اے ا
ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرما! - درمیان میں نماز
بارے میں بڑے پیارے انداز میں یہ قاعدہ کلّیہ ارشاد فرمایا: کہ " اِنّ الحسنٰ
یُذھِبنَ السّیّاٰتِ،، یقیناً نیکیاں ہی بدیوں کو دُور کر سکتی ہیں - یہی انداز
سورۃ حٰم السجدہ میں ہے کہ " وَلَا تستوی الحَسَنَۃُ وَلَا السیّئۃ
ادفع بِالّتِی ھِیَ اَحْسَنْ " " نیکی اور بدی کبھی برابر نہیں ہو سکتی - لہٰذا
مدافعت کرو اس طور سے جو بہت ہی عمدہ ہو! " - مزید ارشاد ہوا " ذالک
ذکریٰ للذّاکرین " یہ نہایت جامع نصیحت ہے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے
دوبارہ دُعا ہے: اللّٰھم ربّنا اجعلنا منھم -

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین ۵

ڈاکٹر اسرار احمد

چھٹی قسط

تعارف الکتاب

سترہواں پارہ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن مجید کا سترھواں پارہ اِقْتَرَبَ کے نام سے موسوم ہے اور یہ
پورے قرآن مجید میں منفرد ہے اس اعتبار سے کہ اس کے نصف اول میں بھی
ایک مکمل سورۃ وارد ہوتی ہے اور نصف ثانی میں بھی ۔ یعنی سورۃ الانبیاء اور سورۃ
الحج سورۃ الانبیاء اپنے مضامین کے اعتبار سے سورۃ مریم سے بہت مشابہ ہے
اس لئے کہ اس میں بھی ایک کثیر تعداد میں انبیاء کرام کا ذکر ہے ۔ اور وہ ان کی
ذاتی شخصیت اور اس کی عظمت کے پہلو سے ۔ اور اس سورۃ مبارکہ میں بھی سورۃ
مریم ہی کی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر عین وسط میں وارد ہوا ہے ۔
اس سورۃ مبارکہ کے آغاز میں تو انسانوں کی غفلت کا ذکر ہے ۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ
لوگوں کے لئے ان کا محاسبہ ان کے بالکل سروں پہ آچکا ہے یعنی موت کا کچھ علم
نہیں کہ وہ کب آئے اور جیسا کہ حضور نے فرمایا ۔

"جس کی موت واقع ہو گئی اس کی تو قیامت قائم ہو گئی"

لیکن لوگوں کا تو حال یہ ہے کہ وہ غفلت ہی میں انکار کی روش
پر اڑے رہتے ہیں اس سورۃ مبارکہ میں بھی وہ مضمون ایک مرتبہ پھر آیا ہے ۔
جو اس سے پہلے سورۃ مریم میں بڑی تفصیل سے آچکا ہے ۔ اور اجمالاً اس کی طرف
اشارہ سورۃ طٰہٰ میں بھی ہوا ہے ۔ فرمایا گیا ۔ خلق الانسان من عجل ط
انسان کا خمیر جس مٹی سے اٹھا ہے اس میں عجلت پسندی جزو لاینفک کی حیثیت سے

موجود ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ جو بھی کام کرنا ہو جلد از جلد کرلے حالانکہ ہر کام کیلئے ایک تدریج معین ہے اور اس کے مراحل کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی تکمیل کے لئے انسان کو کوشاں ہونا چاہیئے۔ اس سورۃ مبارکہ میں وہ آیہ کریمہ بھی وارد ہوئی جو اپنی غلطی کے اعتراف اور اللہ سے عفو و درگذر کی درخواست کے پہلو سے۔ قرآن مجید کی عظیم ترین آیتوں میں سے ہے۔ یعنی حضرت یونس علیہ السلام کا قول۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے برتر ہے اور عالی ہے اور منزہ ہے اور ارفع ہے ہر عیب سے ہر کمی سے ہر نقص سے ہر احتیاج اور ضعف سے۔ انی کنت من الظلمین۔ یہ میں ہی تھا۔ جس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ یہ آیت کریمہ جیسا کہ عرض کیا گیا۔ استغفار اور اللہ تعالےٰ سے عفو اور درگذر کے طالب ہونے کے اعتبار سے بڑی ہی جامع اور موثر دعا کی حیثیت رکھتی ہے۔ سورۃ انبیاء ہی وہ عظیم آیت وارد ہوئی۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو تمام جہاں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اس سے پہلے ایک موقع پر یہ عرض کیا جاچکا ہے۔ کہ نبوت اور رسالت رحمت خداوندی کے مظہر ہیں۔ اور یہ نبوت اور رسالت چونکہ مکمل ہو گئے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر۔ تو گویا کہ آپ اللہ تعالےٰ کی رحمت کے مظہر ہیں۔ اور چونکہ آپ کی بعثت پوری نوعِ انسانی کے لئے ہوئی اس لئے آپ کا دورِ رسالت تا قیامِ قیامت جاری ہے۔ لہٰذا فرمایا گیا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

سورہ الحج بھی قرآن مجید کی ایک بہت اہم اور بہت جلیل القدر سورۃ ہے اس کے عین وسط میں مناسکِ حج کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔ اور مناسکِ حج میں سے طوافِ بیت اللہ اور بالخصوص قربانی کا بہ تکرار ذکر ہوا ہے اور قربانی کے ذکر کے ضمن میں وہ لفظ بھی وارد ہوئے کہ:

لَنْ یَنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰکِنْ یَنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ - اے لوگو اللہ تک تمہاری قربانیوں کا نہ گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون اللہ تک پہنچنے والی چیز تو تقویٰ ہے اگر وہ موجود ہو۔ اگر دل تقویٰ سے خالی ہو۔ چاہے کوئی شخص ہزاروں روپے کا جانور اللہ کی راہ میں قربان کر دے اس کے میزان میں اس کا کوئی وزن نہیں۔ اللہ اصل میں لوگوں کے دلوں کی طرف دیکھتا ہے۔ کہ ان میں تقویٰ خشیتِ الٰہی اور محبت خداوندی موجود ہے یا نہیں۔

سورۂ حج کے آغاز میں قیامت کا ذکر بڑے پر ہیبت انداز میں ہوا ہے۔:-

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۝ اے لوگو اپنے رب سے ڈرتے رہو۔ اس کی پکڑ سے بھی بچتے رہو۔ واقعہ یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بہت ہی مہیب ہوگا۔ اس کے بعد اس کا تفصیلی نقشہ کھینچا گیا۔ سورۃ الحج کے آخر میں مسلمانوں کو ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا گیا۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اے ایمان والو رکوع کرو اور سجدہ کرو۔ اور اپنے رب کی پرستش کرو۔ اور اس کی بندگی کرو۔ اسکی کامل اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ اور بھلے کام کرو۔ نیک کام کرو۔ خلقِ خدا کی بہتری کے لئے کوشاں رہو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ۔ وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِهَادِہٖ - اللہ کی راہ میں محنت کرو۔ جدوجہد کرو۔ کوشش کرو۔ سعی کرو۔ اور اس جدوجہد کا ہدف کیا ہے۔ لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ ط ۝ کہ رسول ہو جائیں گواہ تم پر جس طرح دین کی تبلیغ تم تک کی۔ قرآن تم تک پہنچا دیا۔ اللہ کی طرف سے محبت تم پر قائم کر دی۔ اسی طرح تم قرآن کو پہنچاؤ۔ اور دین کی تبلیغ کرو۔ پوری نوع انسانی کو۔ اور محبت قائم کرو اللہ کی توحید کی گواہی دے دو۔ بقول علامہ اقبال رحؒ :-

دے تو بھی محمد کی صداقت کی گواہی

سورۃ الحج میں ایک اور اہم مضمون جو وارد ہوا ہے ۔ وہ اہل ایمان کیلئے قتال کی اجازت ہے ۔ اس سے پہلے اہل ایمان کو اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ تھی حکم تھا ماریں کھاؤ ۔ تشدّد کو جھیلو ۔ مصائب برداشت کرو ۔ لیکن اپنی مدافعت میں بھی تمہیں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے لیکن اب ہجرت کے بعد مسلمانوں کو اجازت مل گئی اُذِنَ لِلَّذِینَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ط وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرٌ ۔ اہل ایمان کو اجازت دی جارہی ہے جن پر جنگ ٹھونس دی گئی ہے ۔ اور بلاشبہ ان کو غالب کردینے پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے ۔

اٹھارواں پارہ [۱۸]

قَدْ اَفْلَحَ

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

قرآن مجید کے اٹھارہویں پارے میں جو قَدْ اَفْلَحَ کے نام سے موسوم ہے ۔ دو سورتیں پوری پوری شامل ہیں ۔ یعنی سورۃ المومنون اور سورۃ نور ۔ اور آخر میں بیس [۲] ابتدائی آیات سورۃ الفرقان کی شامل ہیں ۔

سورۃ المومنون اپنے مضامین کے اعتبار سے ان مکی سورتوں سے مشابہت رکھتی ہے جن میں تفصیل کے ساتھ اللہ کے رسولوں اور ان کی امتوں کے حالات بیان ہوئے ہیں ۔ خاص طور پر اس پہلو سے کہ جن قوموں کی طرف اللہ نے اپنے رسولوں کو مبعوث کیا ۔ انہوں نے جب انکار اور کفر کی روش اختیار کی تو اللہ تعالےٰ نے انہیں ہلاک ونیست ونابود کردیا ۔ انبیاء ورسل کے اس ذکر میں ایک آیت

مبارکہ بڑی عجیب وارد ہوئی ہے۔

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝

نبیوں اور رسولوں سے اللہ تعالیٰ نے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ تم ایک ہی اُمت ہو۔ اُمتِ واحدہ کے افراد ہو۔ اور میں تم سب کا رب ہوں پروردگار خالق اور پالن ہار۔ پس میرا ہی تقویٰ اختیار کرو۔ گویا یہ انبیاء کی وساطت سے اصل میں ان کی امتوں سے خطاب ہوا ہے کہ اگر کوئی حضرت مسیح کا نام لیوا ہے۔ یا کوئی اگر حضرت موسیٰ کا نام لیوا ہے۔ تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ کوئی جداگانہ ملتیں تھیں یا جدا دین تھے۔ بلکہ یہ وہی دین ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے چلا آرہا ہے۔ اور جو بالآخر کامل ہوا ہے محمد رسول اللہ علیہ وسلم پر۔ سورۃ المومنون کے آغاز میں اہل ایمان کے کچھ اوصاف بیان ہوتے اور درحقیقت ان کے پردے میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ انسان کے سیرت و کردار کی صحیح تعمیر یا علامہ اقبال کی اصطلاح میں تعمیر خودی کے لئے لازمی اساسات کیا ہیں۔ فرمایا گیا۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝

کامیاب ہو گئے اہل ایمان جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں جو بے کار اور لغو باتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں۔ جو تزکیہ نفس پر کاربند رہتے ہیں۔ اور اس کے لئے مسلسل کوشاں رہتے ہیں۔ جو اپنی خواہش نفس بالخصوص جنسی شہوت کو قابو میں رکھتے ہیں۔ اور اس کی تسکین کے لئے کوئی ناجائز راستہ تلاش نہیں کرتے جو اپنے عہد پر کاربند رہنے والے اور امانتوں کو ادا کرنے والے ہیں"۔ اور آخر میں پھر فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝

"وہ کہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

ان اوصاف کی ابتدا اور انجام دونوں میں نمازوں کا ذکر کر کے اشارہ کر دیا گیا کہ تعمیرِ سیرت کا یہ پروگرام شروع بھی نماز سے ہوتا ہے ۔ اور اسکی معراج بھی نماز ہی ہے ۔ پھر دلنشین پیرائے میں آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ۔ اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰکُمۡ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمۡ اِلَیۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ ۔ کیا تم نے یہ گمان کیا ہے اے لوگو کہ ہم نے تمہیں بے کار اور عبث پیدا کیا اور تم ہماری طرف واپس نہ آؤ گے ۔ تمہیں ہماری طرف واپس لوٹایا نہ جائے گا ۔" یعنی اگر کسی کا خیال یہ ہے کہ زندگی بس یہی زندگی ہے اور اس کے بعد کوئی زندگی اور زندگی کے اعمال کا کہیں کوئی نتیجہ نکلنے والا نہیں تو گویا وہ اس تخلیق کو عبث قرار دے رہا ہے ۔

فَتَعٰلَی اللّٰہُ الۡمَلِکُ الۡحَقُّ ج

تو اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے ۔ وہ تمہارے اس گمان سے بہت بلند و بالا اور اعلیٰ و ارفع ہے ۔ اس کی حکمت سے یہ چیز کسی بھی طرح سے لگا نہیں کھاتی کہ وہ انسانوں کو بے مقصد اور بے کار پیدا کرے ۔

اس کے بعد سورۃ نور آتی ہے ۔ یہ عظیم سورۃ ہے قرآن مجید کی ۔ نو رکوعوں پر مشتمل اور اس کے عین وسط میں یعنی پانچواں رکوع آیاتِ نور پر مشتمل ہے اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۔

آسمانوں اور زمین کا نور اللہ ہے ۔ اللہ ہی کو پہچانو گے تو اس کائنات کی حقیقت بھی تم پر منکشف ہو گی اور خود اپنی عظمت سے بھی آگاہ ہو سکو گے ۔ اللہ کا یہ نور بندۂ مومن کے قلب میں نورِ ایمان کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے اور اس کی یہ تمثیل دی گئی ہے ۔ کہ یہ نور ایمان نور فطرت نورِ عقل سلیم اور نور وحی کے امتزاج سے وجود میں آتا ہے ۔ نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ ۔ جب نور فطرت پر نور وحی کا اضافہ ہو جائے ۔ تو یہ نور پر نور ہے ۔ روشنی ہی روشنی ہے ۔ اس کے بالعکس اس کے بالمقابل اور برعکس کیفیت ہے ان لوگوں کی جو اس نور ایمان سے محروم ہیں ان کی زندگیوں میں اگر کوئی چیز ہے بھی تو وہ صرف دکھاوے کا

خیر۔ ریاکاری کی نیکی ہے۔ جس کی اللہ کے ہاں کوئی قدر نہیں۔ اور یا پھر وہ لوگ ہیں کہ جن کی کیفیت ہے۔

ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ

صرف نفس پرستی مفاد پرستی یا یوں کہیئے کہ خود پرستی ہی ان کی زندگی کا مقصود و مطلوب ہے کوئی خیر کوئی بھلائی یہاں تک کہ جھوٹ موٹ کی نیکی کا کوئی ملمع بھی ان کی زندگی میں موجود نہیں ہے۔

یہ پانچواں رکوع حکمتِ قرآنی کا ایک اہم خزانہ ہے۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد سورۃ نور میں بالخصوص مسلمانوں کی معاشرتی زندگی اور اسلام کا معاشرتی نظام بیان ہوا۔ کہ اسلامی معاشرہ ایک مخلوط معاشرہ نہیں ہے۔ اِس میں مردوں اور عورتوں کا آزادانہ میل جول پسندیدہ نہیں ہے۔ ہاں البتہ کوئی حقیقی ضرورت لاحق ہو تو اور بات ہے۔ ستر کا حکم دیا گیا، حجاب کے احکام آئے گھروں میں مردوں اور عورتوں کو جس طرح رہنا چاہیئے۔ اس کے تفصیلی حکم دیئے گئے۔ انہی چیزوں سے متعلق واقعات بھی اس سورۃ مبارکہ میں آئے چنانچہ واقعہ اِفک بیان ہوا۔ حضرت عائشہ پر جو تہمت لگی عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین کی سازش سے جس میں بعض تازہ نو مسلم بھی شامل ہو گئے اس کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہی اسلامی معاشرے کو فحاشی اور بدکاری سے پاک کرنے کیلئے زنا کی حَد بھی بیان ہوئی اور اگر کوئی کسی پر زنا کی جھوٹی تہمت لگا دے تو اس کی حد یا اس کی سزا یعنی حَدِ قذف کا بیان بھی ہوا۔ ساتھ ہی اس کا قانون، بھی بیان ہوا۔ الغرض معاشرتی زندگی کے متعدد پہلو ہیں، جو اس سورۃ مبارکہ میں زیرِ بحث آئے ہیں اور جس میں مسلمانوں کو تفصیلی احکامات دیئے گئے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو اپنی معاشرت کن اصولوں پر استوار کرنی ہے۔ سورۃ فرقان کا آغاز اس عظیم آیت سے ہوتا ہے جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبتِ عبدیت پر زور دیا گیا۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۙ

بہت بابرکت ہے وہ ذات جس نے نازل فرمایا الفرقان یعنی وہ قرآن مجید جو حق اور باطل کے درمیان کھلا کھلا امتیاز کر دینے والا ہے۔ ———

——— اس لئے کہ وہ خبردار کرنے والے بن جائیں آگاہ کر دیں تمام جہان والوں کو۔ حق بھی واضح کر دیں۔ اور باطل بھی کھول کر بیان کر دیں۔ جو سچائی کا راستہ ہے۔ صراطِ مستقیم۔ اس کو بھی پوری طرح بیان فرما دیں۔ اور واضح فرما دیں اور جو کجی کی پگڈنڈیاں ہیں۔ ان سے بھی لوگوں کو خبردار کر دیں ۔ اس سورۃ مبارکہ میں یہ مضمون بھی وارد ہوا کہ کفار یہ اعتراض کیا کرتے تھے، حضور اکرم صلعم پر۔

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ط یہ کیسے رسول ہیں۔ یہ کھانا بھی کھاتے ہیں۔ بازاروں میں بھی چلتے ہیں یہ تو عام انسانوں کی مانند ہیں۔ جواب دیا گیا کہ

"اے نبی ان سے کہیئے کہ ہم نے آپ سے پہلے بھی جتنے نبی مبعوث کئے جتنے رسول بھیجے وہ سب اسی طرح کھانا بھی کھاتے تھے۔ اور بازاروں میں بھی چلتے تھے۔ وہ بھی اسی طرح بشریت سے متصف تھے۔"

انسانوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالےٰ کی سنت یہی رہی ہے کہ انسانوں کو مبعوث کیا۔ جو ان ہی میں سے ہو۔ جو انہی کی زبان بولتے ہوئے آئیں جن کے ساتھ زندگی کے تمام وہ لوازم لگے ہوئے ہوں جو تمام انسانوں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ اور ان سب کے باوجود وہ اپنی زندگی میں صداقت اور راستی، عدل و انصاف، حق پرستی خدا کی بندگی۔ صراطِ مستقیم پر چلنے کا ایک کامل نمونہ پیش کر کے ابنائے دنیا پر حجت قائم کر دیں کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی اللہ کا بندہ بن کر رہنا ممکن ہے۔ اور اس کا بین ثبوت انبیاءِ کرام کی زندگیاں ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہمیں ان کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

انیسواں پارہ ۱۹

وَقَالَ الَّذِیْنَ

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن مجید کا انیسواں پارہ وَقَالَ الَّذِیْنَ کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور اسی نام سے موسوم ہے۔ اس میں اولاً سورۃ الفرقان کی بقیہ ستاون آیات شامل ہیں پھر سورۃ شعرآء مکمل اور آخر میں سورۃ نمل کی ابتدائی انسٹھ آیات شامل ہیں۔ سورۃ الفرقان کا جو حصہ اس پارے میں وارد ہوا ہے اس میں وہ عظیم آیت بھی آئی ہے۔ جس میں حضورؐ کی فریاد نقل ہوئی ہے وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا۔

اس آیت کا براہ راست تعلق اس سورۃ مبارکہ کی پہلی آیت سے ہے کہ اللہ نے اپنے نبیؐ کو بھیجا ہی اس لئے اور اسی لئے ان پر کتاب نازل فرمائی: نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ہ کہ وہ تمام جہان والوں کو خبردار کر دیں لیکن جب نبی اکرمؐ نے لوگوں کو قرآن کے ذریعے دعوت دی اور انہوں نے انکار کی روش اختیار کی تو فریاد کے یہ الفاظ حضورؐ کی زبان پر وارد ہوئے کہ اے رب میری اس قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیا ہے۔ اس کی طرف ملتفت نہیں ہو رہی۔ اس کی طرف متوجہ نہیں ہو رہی۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنے حواشی میں بڑی پیاری بات لکھی ہے کہ ان آیات میں اگرچہ اصل ذکر کفار کا ہے لیکن مسلمانوں میں سے بھی وہ لوگ جو قرآن مجید سے بے اعتنائی برتیں۔ اس کی طرف پڑھنے کے لئے متوجہ ہوں اور نہ اس کو سمجھنے کی کوشش کریں نہ اس پر عمل کرنے کے لئے کوشاں ہوں اور نہ اسے دوسروں تک پہنچانے کا فرض منصبی پورا کریں تو یہ سب لوگ بھی درجہ بدرجہ اس آیت کے حکم میں

شامل ہوں گے۔ اسی سورۃ مبارکہ میں وہ عظیم آیت بھی آئی۔ اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ ط اے نبی کیا آپ نے ان لوگوں کی حالت پر غور کیا جنہوں نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لیا۔ معلوم ہوا شرک کی یہی صورت نہیں ہے کہ بُت کو پوجا جائے یا ستاروں کی پرستش کی جائے اپنی خواہشات نفس کی پوجا، شہوات نفسی تقاضوں کو بجا لانے پر کمربستہ ہو جانا بھی شرک ہی کی ایک صورت ہے۔ ان تقاضوں کی ادائیگی کو کون سی شکل اللہ نے جائز اور کون سی صورتیں ناجائز ٹھہرائی ہیں، اگر کوئی شخص اس کو نظر انداز کر کے اپنی خواہشات نفس کی تکمیل کر رہا ہے تو گویا اس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔ سورۃ الفرقان کے آخر میں وہ آیات وارد ہوئیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کے اوصاف بیان کئے۔ سورۃ المومنون کے آغاز میں دو بنیادی اساسات معین کی گئی تھیں کہ جن پر بندہ مومن کی شخصیت کی تعمیر ہو سکتی ہے گویا کہ وہ نقطۂ آغاز تھا۔ اور سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں اس کا تکمیلی مرحلہ بیان ہو رہا ہے۔ ایک پختہ بندہ مومن کی شخصیت کے خدوخال کیا ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو

وہ پختگی کیا ہے۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ط

اس پورے رکوع میں اللہ نے اپنے محبوب اور پسندیدہ بندوں کے اوصاف گنوائے اور انہیں عباد الرحمٰن کا خطاب دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی انہی اوصاف کا ایک عکس اپنی سیرتوں اور شخصیتوں میں پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس کے بعد سورۃ شعرا آتی ہے اس سورۃ مبارکہ میں اولوالعزم من الرسل کا ذکر تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ قدرے زیادہ تفصیل کے ساتھ حضرت موسیٰؑ کے حالات بیان ہوئے پھر حضرت ابراہیمؑ کے۔ اس کے بعد جو ترتیب کہ عام طور مکی سورتوں

میں ہوتی ہے یعنی حضرت نوحؑ پھر حضرت ہودؑ پھر حضرت صالحؑ پھر حضرت لوطؑ اور پھر حضرت شعیبؑ ان حالات میں خاص طور پر اسی پہلو کو واضح کیا گیا کہ یہ سب اللہ کی بندگی کی دعوت لے کر آئے - اللہ کی بندگی اختیار کرو اسی کی غلامی اختیار کرو لیکن ان کی قوموں نے ان کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا لہٰذا وہ نیست و نابود کر دی گئیں - انہیں ہلاک کر دیا گیا - ہر رسول کے حالات بیان کرنے کے بعد یہ الفاظ بار بار تکرار کے ساتھ آئے - اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً اس میں ایک نشانی ہے -

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ط وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ہ

لیکن اکثر لوگ ماننے والے نہیں تھے اس میں گویا تسلی ہے تشفی ہے آنحضورؐ کو کہ آپ بھی دل گرفتہ نہ ہوں ان کفار کے انجام سے غمگین اور ملول نہ ہوں - چنانچہ آغاز ہی میں اس سورۃ مبارکہ کے یہ الفاظ آئے - لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ہ اے نبیؐ کیا آپ اپنے آپکو غم اور صدمے سے ہلاک کر لیں گے - اگر وہ ایمان نہیں لائے تو آپؐ کو غمگین نہیں ہونا چاہیئے یہ لوگ ماننے والے نہیں ہیں - یہ ان ہی قوموں کی روش پر چل رہے ہیں جن پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا رہا ہے اور اب یہ خود بھی اپنے طرزِ عمل سے اپنے آپ کو اس انجام کا مستحق بنا چکے ہیں - سورۃ شعراء کے بعد سورۃ النمل وارد ہوتی ہے - اس میں بھی دوسری مکی سورتوں کی طرح آفاق و انفس کے شواہد فطرت کے محکم دلائل کی بنیاد پر توحید کی دعوت، آخرت کا اثبات اور نبوت و رسالت کو ماننے اور نبی اکرمؐ پر ایمان لانے کی دعوت وارد ہوئی ہے - اس میں حضرت داؤدؑ کا ذکر بھی ہے، حضرت سلیمانؑ کا بھی اور ملکہ سبا کے ساتھ جو حالات و واقعات پیش آئے - ان کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ بھی اس ضمن میں ایک آیت وارد ہوئی کہ جب ملکہ سبا کے تخت کو حضرت سلیمانؑ کے ایک درباری نے چشم زدن میں یمن سے منگوا کر حضرت سلیمانؑ کے سامنے رکھوا دیا تو ان کی

زبان پر یہ الفاظ آتے هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ "یہ میرے پروردگار کے فضل سے ہے وہ مجھے آزمارہا ہے کہ ان احسانات اور ان انعامات پر میں ان کا شکر ادا کرتا ہوں یا نہیں" یہ وہ الفاظ ہیں کہ جن کو ہم نے اپنی بدعملی سے اور بدکرداری سے اور اپنی ڈھٹائی سے بدنام کر دیا ہے۔ چنانچہ حرام کی کمائی سے بنائی ہوئی عمارتوں پر ہم ان الفاظ کو کندہ کرواتے ہیں۔ اہتمام کے ساتھ لکھواتے ہیں هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے اس طرزِ عمل سے نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِكَ۔ قرآن مجید کے یہ الفاظ ہی گویا ہماری بداعمالی کی ایک علامت بن گئے ہیں اللہ ہمیں اس سے بچائے اور حلال پر کاربند رہنے حلال پر اکتفا کرنے اور حرام سے اپنے دامن کو بچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بیسواں پارہ

اَمَّنْ خَلَقَ

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

قرآن مجید کا بیسواں پارہ "اَمَّنْ خَلَقَ" کے نام سے موسوم ہے اور اس میں پہلے سورۃ النمل کی بقیہ چونتیس آیات شامل ہیں۔ پھر سورۃ القصص مکمل اور آخر میں سورۃ عنکبوت کی پہلی چوالیس آیات شامل ہیں۔ سورۃ نمل کا جو حصہ اس پارے میں وارد ہوا ہے۔ اس میں اکثر و بیشتر وہی مضامین اسلوب اور اندازِ بیان کے کسی قدر فرق کے ساتھ وارد ہوتے ہیں جو اکثر مکی سورتوں میں آتے ہیں۔ یعنی آفاق انفس کے شواہد اور دلائل فطرت سے توحید باری تعالےٰ۔ آخرت اور نبوت و رسالت کا اثبات بالخصوص ایمان بالآخرت پر اس سورۃ مبارکہ میں بہت زور ہے۔ اس ضمن میں منکرین آخرت کے طرزِ عمل پر ایک بھرپور تبصرہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ قف بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا قف

بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ۝

ان لوگوں کا علم و فہم - انکی دانش - ان کا شعور اور ان کی سمجھ - سب تھک ہار کر رہ گئے - آخرت کے بارے میں یعنی آخرت تک ان کی رسائی نہیں ہو پا رہی - وہ آخرت کے باب میں تو بالکل اندھے ہو گئے ہیں انہیں بالکل نہیں سوجھ رہا کہ ان کی اصل زندگی وہ ہے جو موت کے بعد ہوگی - ان کا وہ انجام جس سے بہرحال ان کو دوچار ہو کر رہنا ہے آخرت کے ساتھ وابستہ ہے - اس کے بعد سورۃ قصص وارد ہوتی ہے - اس سورۃ مبارکہ کا تقریباً نصف حصہ حضرت موسٰی علیہ السلام کے حالات پر مشتمل ہے اس میں بالخصوص اُن کے بچپن کے حالات اور عنفوان شباب کے حالات اور پھر ان کی زندگی کا وہ دَور بھی جب کہ وہ نبوّت سے سرفراز ہونے سے قبل فرعون اور اس کی قوم کی طرف سے قتل یا تشدد کے اندیشہ سے فرار ہو کر مدین پہنچے تھے - جب وہ مدین پہنچے تو بستی سے باہر ایک کنوئیں کے پاس بیٹھ گئے اور اس حال میں کہ انتہائی درماندہ تھکے ہوئے اور ایک ایسی سرزمین میں جہاں کوئی جاننے پہچاننے والا نہیں - اس وقت ان پر جو احتیاج کی کیفیت تھی اس کی شدت کا اظہار ہوا ان الفاظ میں کہ جو ان کی زبان پر دعا کی صورت میں وارد ہوئے رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ۝ اے ربّ میں ہر چیز کا محتاج ہوں جو بھلائی اور جو خیر بھی تو میری جھولی میں ڈال دے میں اس کا ضرورت مند ہوں - یہ ایک انسان کا جو معاملہ اپنے ربّ کے ساتھ ہونا چاہیئے - احتیاج اور انکساری اور عاجزی کا جو انداز اسے اختیار کرنا چاہیئے اسکی تعبیر کے لئے بہت ہی جامع الفاظ ہیں - سورۃ قصص میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر بھی ہوا ہے - جس کا نام قارون تھا - اور جو بہت دولت مند تھا - یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوم کا غدار تھا اگرچہ بنی اسرائیل سے تعلق رکھتا تھا لیکن بنی اسرائیل پر ستم اور ظلم ڈھانے میں وہ فرعون اور آل فرعون کا آلۂ کار بنا ہوا تھا - اور غالباً اسی وجہ سے حکومت وقت کی اس پر نگاہِ کرم تھی - اور اسی بنا پر اس کے پاس اتنی بے اندازہ دولت جمع ہو گئی تھی کہ اس خزانے کی کنجیاں

اٹھانے کے لئے بھی کئی لوگ درکار ہوتے تھے۔ اس کے بارے میں ایک بات تو یہ بیان ہوئی کہ جب بنی اسرائیل کے کچھ نیک دل لوگوں نے اس سے یہ کہا:
"وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ" کہ اے اللہ کے بندے جس طرح خدا نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے تجھے دولت سے نوازا ہے تو بھی اللہ کی مخلوق سے بھلائی کر۔ اور لوگوں کے احتیاجات دور کرنے کے لئے اپنی دولت خرچ کر۔ اُس کا جواب اس نے انتہائی متکبرانہ انداز میں دیا۔ أُوتِيتُهُ عَلَى عِلْمٍ عِندِي ۚ میں نے یہ دولت اپنی ذہانت اور فطانت سے حاصل کی

ہے۔ یہ میری محنت کا نتیجہ ہے اس کو میں نے اپنی کوششوں سے حاصل کیا ہے۔ تو میں اسے دوسروں پر کیسے صرف کروں۔ یہ درحقیقت کسی بھی متکبر اور مغرور اور برخود غلط شخص جس کے پاس دولت آگئی ہو، کی ذہنیت کی عکاسی کرنے والے الفاظ ہیں۔ ساتھ ہی ایک اور نقشہ بھی سامنے لایا گیا۔ بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ اسکی دولت پر رشک کرتے تھے ——— ان کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔ "يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ" کاش ہمارے پاس بھی وہی کچھ ہوتا جو قارون کو دیا گیا۔ لیکن جب اللہ کی پکڑ قارون پر آئی اور اللہ تعالےٰ نے اسے اس کے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا تو وہی لوگ جو کل تک تمنا کرتے تھے کہ کاش ہمارے پاس بھی قارون ہی کی طرح کی دولت ہوتی انہوں نے یہ الفاظ کہے کہ اگر اللہ تعالےٰ کا فضل ہم پہ نہ ہوتا تو ہم بھی زمین میں دھنس گئے ہوتے۔ معلوم ہوا کہ لوگوں کو ظاہر سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔ مال و اسباب دنیوی درحقیقت اللہ کی رضا کی علامت نہیں ہیں۔ اللہ کبھی یہ چیزیں دے کر کسی کو آزماتا ہے اور جب کوئی شخص ناکام ہو جاتا ہے تو اللہ تعالےٰ کی پکڑ اسے اسی دنیا میں ہی آلیتی ہے۔ اور کبھی اس کا معاملہ آخرت کے لئے اٹھا رکھا جاتا ہے۔

اس کے بعد سورۃ العنکبوت آتی ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں تمام تر خطاب

کا رُخ مسلمانوں کی طرف ہے اور اس کا اہم ترین مضمون یہ ہے کہ مسلمانو
مشکلات و مصائب اور شدائد و تکالیف سے دل برداشتہ نہ ہو - یہ ہماری جنت
سابقہ ہیں - یہ ہمارا ہمیشہ کا طریقہ رہا ہے کہ جس نے بھی ایمان کا دعویٰ کیا ہے
ہم نے اسے آزمایا ہے - یہ آزمائش اس راہ میں لازمی شے ہے - اس لئے کہ
اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ کون واقعی مومن ہے اور کون جھوٹ موٹ کا مومن
بنا پھرتا ہے - فرمایا

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا
یُفْتَنُوْنَ ہ کیا لوگوں نے یہ سمجھا کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں صرف یہ کہنے پر کہ
ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہ جائیگا - آگے چل کر اسی بات کو اور کھول دیا
وَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ ہ -

اور اللہ تعالےٰ بالکل کھول دے گا کہ کون ہے مومن صادق اور کون ہے
منافق - اہل ایمان مومنین صادقین اور منافقین کے مابین امتیاز الٰہی آزم
کے طفیل ممکن ہے - اسی سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی جدا ہو سکتا
اس سورۃ مبارکہ میں قصص الانبیاء ورُسل بھی بیان ہوئے - لیکن اس میں
اصل پہلو یہی ہے کہ مسلمانوں کو متوجہ کیا جا رہا ہے کہ جس راستے پر تم چل رہے
ہو یہ پھولوں بھرا راستہ کبھی نہ تھا - یہ ہمیشہ کانٹوں بھرا رہا ہے - ہمارے نبیوں
نے ہمارے رسولوں نے صبر و استقامت کا معاملہ کیا - انہوں نے ان میں سے مثلاً
حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تک دعوت دی حالانکہ اس کے
باوجود ان پر ایمان لانے والوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جانے والی تھی - معلوم
ہوا کہ اس راہ پر صبر و ثبات کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام
دیتے چلے جانا یہ ہے انبیاء کرام اور ان کے ماننے والوں کا فرض لازم، فرض
منصبی - نتائج کو اللہ کے حوالے کرنا چاہیئے - اور اس راہ کے شدائد و مصائب
اور آزمائشوں سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیئے -

اِسلام
اور
حقوق اطفال

از قلم :- غازی عزیز (مل گڑھ) حال مقیم سعودی عرب

ساتویں قسط

(ش) بچوں کے امراض ونظرِ بد کا علاج :-

پرورش کے دوران بچوں کی بہت سخت حفاظت کے باوجود بھی اکثر اُن کو امراض لگ جاتے ہیں۔ کبھی موسم کی تبدیلی کا اثر ہے تو کبھی بداحتیاطی و بد پرہیزی کا اثر، کبھی دانت نکل رہے ہیں تو کبھی نزلہ و بخار ہے، کبھی دست وہیضہ نے بچہ کو نڈھال کر رکھا ہے تو کبھی کسی اور موذی مرض نے۔ ماں باپ کو اِن پریشانیوں سے گھبرانا نہیں چاہیئے بلکہ صبر و استقامت کے ساتھ ان وقتی چیلنج کو قبول کرنا چاہیئے اور خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے مستقل مزاجی کے ساتھ ان امراض کا علاج کرنا چاہیئے۔ خدا تعالےٰ نے ہر مرض کی دوا پیدا کی ہے اور علاج کرانے کا حکم بھی دیا ہے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ شفاء دینا صرف اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے، اس لئے دوا کے ساتھ دعا بھی کرنی چاہیئے۔

اکثر چھوٹے بچوں کو نظر بد کا اثر بھی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر بچہ کی کسی اچھائی پر نظر پڑے تو ماشاءاللہ اور الحمدللہ کہنا چاہیئے۔ نیز مغرب کے وقت اور کچھ بعد تک بچہ کو لے کر گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیئے۔ اس سے بھی بچوں کو بیماریاں لگ جاتی ہیں۔ نظرِ بد اور بیماریوں سے حفاظت کے لئے اکثر لوگ بچوں کے گلے میں کاغذی نقوش و تعویذ، چھوٹا قرآنی نسخہ، تانت اور سیاہ یا سرخ و پیلے دھاگے، گھونگے۔ مونگے، کوڑیاں، چھلّے، چھری، کلنٹے، چاقو، پیسے و سکے، ناخن

اور ہڈیاں وغیرہ لٹکا دیا کرتے ہیں یا گال اور ماتھے پر کالا ٹیکہ لگاتے ہیں یا کان اور ناک منت کے طور پر چھیلاتے ہیں یا بازو پر امام ضامن باندھتے ہیں یا ہاتھوں اور پیروں میں کڑے، چھلے یا گرہ دار دھاگے پہنتے ہیں - اسی طرح بعض لوگ بچوں کی نظر اُتارنے کے لئے سُرخ مرچ یا کوئی اور شئے اُن کے سر کے گرد گھما کر جلانے یا دفن کرتے ہیں، کچھ لوگ پانی پر دم کرکے پلاتے ہیں، کچھ لوگ تشتریوں پر یا کاغذ کے پُرزوں پر ادعیہ و آیات قرآن لکھ کر پلاتے ہیں - پانی پر آیاتِ قرآن پڑھ کر دم کرنا اور اُسے مریض کو پلانا شرعاً ثابت نہیں ہے، اسی طرح تشتریوں پر یا کاغذ کے پُرزوں پر ادعیہ یا آیاتِ قرآن کریم لکھ کر پانی یا عرقِ گلاب میں گھول کر پلانا بھی شرعاً ثابت نہیں ہے - یہ تمام باتیں افعال بدعت[1] میں سے ہیں - البتہ مریض پر

---

[1] عن عائشةؓ كانت تؤتى بالصبيان اذا ولدوا فتدعو لهم بالبركة فاتيت بصبي فذهبت تضع وسادة فاذا تحت راسه موسى فسالتهم عن الموسى فقالوا نجعلها من الجن فاخذت الموسى فرمت بها ونهتهم عنها وقالت ان رسول الله صلے الله عليه وسلم كان يكره ويبغضها وكانت عائشة تنهى عنها (ادب المفرد للبخاری صفحہ ۱۸۰)

ترجمہ: اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس نومولود لائے جاتے تھے اور وہ اُن کے لئے اللہ کی برکت کی دُعا کرتی تھیں - ایک دن ایک بچہ لایا گیا اور جب وہ اُس کا تکیہ رکھنے لگیں تو اُس کے سر کے نیچے انہیں ایک استرا نظر آیا - دریافت کیا کہ یہ کیا ہے - گھر والوں نے کہا کہ ہم جنوں سے محفوظ رکھنے کیلئے ایسا کرتے ہیں - عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ استرا لے کر پھینک دیا اور اُن لوگوں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو (شگون اور ٹوٹکے کو) ناپسند فرماتے تھے - اور انہیں ان باتوں سے سخت نفرت تھی - اسی لئے عائشہ اس سے منع کرتی تھیں "

دُعائے ماثورہ پڑھ کر دم کرنا درُست اور احادیث سے ثابت ہے ۔ لیکن اس کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۴) اُم المؤمنین اُم عبداللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام میں کوئی نئی چیز پیدا کرنے والے (یعنی بدعت کرنے والے) کو مردود فرمایا ہے ؛ پس حدیث میں مذکور ہے "من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد" (رواہ البخاری ومسلم) ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ دین میں ہر نئی بات پیدا کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی ٹھکانا جہنم ہی ہے :- فإن کل محدثةٍ بدعة" وکل بدعةٍ ضلالة" وکل ضلالةٍ فی النار " (رواہ ابوداؤد والنسائی والترمذی وقال حدیث حسن صحیح) بعض حضرات کا اصرار ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں (۱) بدعتِ حسنہ (۲) بدعتِ قبیحہ، لیکن مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہے کہ بدعت حسنہ و بدعتِ قبیحہ کی تفریق کرنا کسی طور پہ درُست نہیں ہے ۔ اس کے متعلق امام مالکؒ کا ایک قول ابن الماجشون نے بیان کیا ہے : جس شخص نے اسلام میں کوئی بدعت اچھی (حسنہ) سمجھ کر داخل کی پس اُس نے اس بات کا زعم کیا کہ (نعوذ باللہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کے خائن تھے " امام شاطبیؒ نے بھی امام مالکؒ کے اس قول کا ذکر کیا ہے ۔ اوزاعیؒ نے فرمایا ہے کہ :- بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ جس نے کوئی بدعت کی اللہ تعالیٰ نہ اُس کی نماز قبول کرے گا ، نہ روزہ ، نہ حج ، نہ عمرہ اور نہ ہی اُس کا صدقہ ،، (الاعتصام للشاطبی) ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : أبی اللّٰه أن یقبل عمل صاحب بدعة حتی یدع بدعته ،، (رواہ ابن ماجہ) شیخ عبدالقادر جیلانیؒ البغدادی نے بھی اسی سے ملتی جلتی ایک حدیث کا ذکر " غنیۃ الطالبین " میں کیا ہے ۔ الآجری نے ولید بن مسلم کے طریق سے ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے " إذا أحدث فی أمتی البدع وشتم أصحابی فلیظهر العالم علمه فمن لم یفعل فعلیه لعنة اللّٰه والملائکة والناس اجمعین " (کتاب السنة) ایوب السختیانی کا قول ہے " ما ازداد صاحب بدعة اجتهاداً إلا ازداد بعداً من اللّٰه " حسن کا قول ہے " صاحب البدعة لا یزداد اجتهاداً صیاماً وصلاةً - إلا ازداد من اللّٰه بعداً "

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

بھی پیشہ کے طور پر استعمال کرنا مناسب نہیں ہے ۔

(بقیہ حاشیہ ص۹۵) یحییٰ بن ابی عمر الشیبانی کا قول ہے :" یأبی اللہ لصاحب بدعة بتوبة وما انتقل صاحب بدعة إلا إلی شر منھا"۔ فضیل بن عیاض کا قول ہے :" اتبع طرق الھدی ولا یضرک قلة السالکین وإیاکم وطرق الضلالة ولا تغتر بکثرة الھالکین "۔ اور " من جلس مع صاحب بدعة لم یعط الحکمة " (الاعتصام الشاطبی) ابی قلابة کا قول ہے :" ما ابتدع رجل بدعة إلا استحل السیف "۔ ابن وھب نے سفیان کا قول بیان کیا ہے :" کان رجل فقیہ یقول : ما أحب أنی ھدیت الناس کلھم وأضللت رجلاً واحداً "۔ ابن سیرین کا قول ہے :" أسرع الناس ردة أھل الأھواء " (الاعتصام للشاطبی) یحییٰ بن ابی کثیر کا قول ہے :" إذا لقیت صاحب بدعة فی طریق فخذ فی طریق آخر "۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں " من أتی صاحب بدعة فقد أعان علی ھدم الإسلام " (مسلم) اسلاف میں سے بعض کا قول ہے :" من جالس صاحب بدعة نزعت منہ العصمة ووکل الی نفسہ "۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم " حلت شفاعتی لأمتی إلا صاحب بدعة "۔ (الاعتصام للشاطبی) اور " إن اللہ حجر التوبة عن کل صاحب بدعة "۔ (الاعتصام للشاطبی) ایک اور حدیث میں ہے :" أنا بریٔ منھم وھم برآء منی "۔ (الاعتصام للشاطبی)

؎ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعوذ الحسن والحسین رضی اللہ عنھما " أعیذ کما بکلمات اللہ التامة من کل شیطان وھامةٍ ومن کل عینٍ لامةٍ ۔ (حدیث) اور " إن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یُعوّذ بعض أھلہٖ یَمسَحُ بیدہ الیمنیٰ ویقولُ :۔ اللّٰھُمَّ رَبَّ النّاس أذھِب البأسَ، واشفِ أنت الشافی لا شفاءَ إلا شفاؤکَ شفاءً لا یغادر سقما ۔ (حدیث)

مذکورہ بالا تمام بیماریاں آج کل برصغیر کے تقریباً ہر مسلم طبقہ میں پائی جاتی ہیں۔ اسی باعث ہندو پاک کے مذہبی پیشہ وروں نے یہ مذموم پیشہ خوب زور و شور سے چلا رکھا ہے اگرچہ اسلاف میں بعض نے صرف تعویذ لٹکانے کی کئی شرائط کیساتھ رخصت[۱] دی ہے لیکن اکثر احادیث سے ثابت ہے کہ تعویذ و گنڈا شرک[۲] ہے۔ اس

---

[۱] قال سیوطی: " وقد أجمع العلماء علی جواز الرقی عند اجماع ثلاث شروط: أن تکون بکلام اللہ أو بأسمائه وصفاته وباللسان العربي وما یعرف معناه وأن یعتقد أن الرقیة لا تؤثر بذاتها بل بتقدیر اللہ تعالیٰ۔" وقال الخطابي: " وکان علیه الصلاة والسلام قد رقی ورقي وأمر بها وأجازها فإذا کانت بالقرآن وبأسماء اللہ فهی مباحة أو مأمور بها ولذا جاءت الکراهة والمنع فیما کان منها بغیر لسان العرب فإنه ربما کان کفرًا أو قولاً یدخله شرک۔" وقال الخطابی: " التمائم: جمع تمیمة وهی ما یعلق بأعناق الصبیان من خرزات وعظام لدفع العین وهذا منهی عنه لأنه لا دافع إلا اللہ ولا یطلب دفع المؤذیات إلا باللہ وبأسمائه وصفاته۔" وقال شیخ الاسلام أبو العباس أحمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن یتمیة: " کل اسم مجهول فلیس لأحد أن یرقی به فضلا عن أن یدعوبه ولو عرف معناه لأنه یکره الدعاء بغیر العربیه وإنما یرخص من لا یحسن العربیة فأما جعل الألفاظ الأعجمیة شعارًا فلیس من دین الاسلام وعن عوف بن مالك: " کنا نرقی فی الجاهلیة فقلنا: یا رسول کیف تری فی ذلك فقال: اعرضوا علیّ رقاکم لا بأس بالرقی ما لم تکن شرکا

(صحیح مسلم)

[۲] حدثنا خلف بن الولید حدثنا المبارك عن الحسن قال: أخبرني عمران ابن حصین: " أن النبی صلی اللہ علیه وسلم أبصر علی عضد رجل خلقه، قال: أراها من صفر، فقال: ویحك ما هذه؟ قال:

موضوع پر ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی صاحب نے ایک تبلیغی پمفلٹ شائع کیا ہے۔ لہٰذا ان

(بقیہ حاشیہ ص۹) من الواهنة، قال: أما إنها لا تزيدك إلا وهنًا انبذها عنك فإنك لو مت وهي عليك ما أفلحت أبدًا - رواه أحمد، لبسند لا بأس به وابن حبان في صحيحه، فقال: "فإنك إن مت وكلت إليها" والحاكم وقال: "صحيح الإسناد" وأقره الذهبي)

وعن عقبه بن عامر: "من تعلق تميمة فلا أتم الله له ومن تعلق ودعة فلا ودع الله له" (رواه احمد وابويعلى والحاكم وقال "صحيح الإسناد" واقره الذهبي)

وعن عقبة بن عامر الجهني: "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أقبل إليه رهط، فبايع تسعة وأمسك عن واحد فقالوا: يارسول الله بايعت التسعة وأمسكت عن هذا؟ فقال: إن عليه تميمة فأدخل يده فقطعها فبايعه وقال: من تعلق تميمة فقد أشرك" (رواه احمد في مسند احمد ص ۱۵۶ ج ۴ والحاكم)

وحدثنا محمد بن الحسين بن إبراهيم بن أشكاب حدثنا يونس بن محمد حدثنا حماد بن سلمة عن عاصم الأحول عن عروة قال: دخل حذيفة على مريض فرأى في عضده سيرًا فقطعه أو انتزعه ثم قال: وما يومن أكثرهم بالله إلا وهم مشركون" (رواه ابن ابي حاتم، تفسير ابن كثير ص ۴۹۴ ج ۲)

وعن أبي بشير الأنصاري: "انه كان مع النبي صلى الله عليه وسلم في بعض أسفاره فأرسل رسولا: أن لا يبقين في رقبة بعير قلادة من وتر أو قلادة إلا قطعت" (مسلم كتاب اللباس والزينة)

وعن زينب امرأة عبد الله بن مسعود قالت" ان عبد الله رأى في عنقي خيطًا فقال ما هذا؟ قلت رقي لي فيه قالت فأخذه ثم قطعه ثم قال أنتم آل عبد الله لأغنياء عن الشرك، سمعنا رسول الله صلى الله

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

چیزوں سے بچنا چاہیئے۔ و آخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

بقیہ حاشیہ ص۹۸) علیہ وسلم یقول: إن الرقی والتمائم والتولۃ شرک" فقلت: لقد کانت عینی تقذت وکنت أختلف إلی فلان الیہودی فاذا رقی سکنت، فقال عبداللہ: إنما ذالک عمل الشیطان، کان ینخسہا بیدہ فاذا رقی کف عنہا انما کان یکفیک ان تقولی کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: أذھب الباس رب الناس واشف انت الشافی لا شفاء إلا شفاءك شفاء لا یغادر سقماً (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ واحمد وابن حبان والحاکم وقال "صحیح" واقرہ الذھبی)

وعن عیسی بن حمزۃ قال دخلت علی عبداللہ بن عکیم وبہ حمرۃ فقلت الا تعلق تمیمۃ فقال نعوذ باللہ من ذلک قال رسول اللہ علیہ وسلم من تعلق شیئاً وُکِلَ الیہ" رواہ احمد وابوداؤد والحاکم والترمذی ج۲ ص۲) وعن سعید بن جبیر قال: "من قطع تمیمۃ من إنسان کان کعدل رقبۃ" (رواہ وکیع) وعن ابراھیم بن یزید النخعی الکوفی قال: "کانوا یکرھون التمائم کلھا من القرآن وغیر القرآن" وقال القاضی ابوبکر العربی" تعلیق القرآن لیس من طریق السنۃ انما السنۃ فیہ ذکرہ دون التعلیق" (عون المعبود شرح أبی داؤد ج۴ ص۶)

سے یہ تبلیغی پمفلٹ درج ذیل پتوں سے مفت حاصل کیا جا سکتا ہے:۔

(۱) غازی عزیز، ناظم ادارۂ توحید روڈ، کیماڑی، کراچی (پاکستان)

(۱) غازی عزیز، ناظم ادارۂ توحید، محلہ شیخاں، بالائے قلعہ، علی گڑھ، ۲۰۲۰۰۱ (الہند)

(۳) ڈاکٹر سبحان علی صاحب، چندن شہید روڈ، بالائے قلعہ، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱ (الہند)

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

آرمی برن ہال کالج ایبٹ آباد

میں

ایک ایمان افروز تقریب کی رُوداد

اور

[م]متاز عالمِ دین جناب ڈاکٹر اسرار احمد کی "قرآن کے پیغام لازوال"

پر ایک جامع تقریر

[م]رتبہ: جناب بشیر احمد صاحب سوز لیکچرار دو آرمی برن ہال کالج)

آج ہم دیکھتے ہیں کہ علوم کا ایک سیل بے پناہ ہے کہ جس میں روحانیت کا اثاثہ
[خ]س و خاشاک کی طرح بہہ رہا ہے۔ جدید معاشی اور تہذیبی ضابطوں کو اپنا کر اسلامی
[ت]شخص کھو دیا ہے۔ مختلف نظامہائے زندگی نے مادیت کے بتوں میں وہ خونِ زندگی
[د]وڑا دیا کہ انسان کی آنکھ میں انسانی قدریں بجھ گئیں۔ مادیت الحاد کا رُوپ جب
[د]ھار لیتی ہے تو کردار کھوکھلے اور ضعیف ہو جاتے ہیں اور جہاں کردار مر جاتے ہیں
[و]ہاں سے قوموں کا حقیقی زوال شروع ہو جاتا ہے۔
آج کی نوجوان نسل کی مثبت اور سچی تعمیر اس بات کی متقاضی ہے کہ معاش
[ک]ی چکا چوند میں دین فطرت کی مشعلوں کو اور بھی بلند کیا جائے۔ جدید علوم کی
[ت]ہہ میں دین کے گہرہائے آبدار رکھ دیئے جائیں کہ شناورانِ علم جب بھی علوم کی
[گ]ہرائیوں میں اتریں یہ انمول موتی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اُن کے ہاتھ
[آ]لگیں۔ فلسفہ کی ساری قوتوں کو تلقینِ غزالی سبک رفتار کر دے۔ پیچ و تاب
[ر]ازی میں سوزِ رومی کے پرچم زیادہ بلند اور نمایاں ہوں۔ اوران کے بحر کی
[م]وجوں میں وہ اضطراب ہو جس سے عشقِ الٰہی کے تاروں میں حرکت پیدا ہوتی
ہے اور تعلیم سے انہیں تڑپنے اور پھڑکنے کی وہ توفیق ملے جو دلِ مرتضیٰؓ اور

حوزِ صدیق میں تھی۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ آج کی نوجوان نسل کے کردار میں دینِ الٰہی کے وہ رنگ بھر دیئے جائیں کہ وہ زندگی کی ساری حقیقتوں کو اُن کے اصلی روپ میں دیکھ سکیں۔ اور جدید علوم کی بیساکھیوں سے کہیں زیادہ اُس ضابطۂ حیات کا سہارا لیں جس کے رہنما اصول ہر دور اور ہر زمانہ میں ہر قوم اور ہر نسل کیلئے ایک متاع بے بہا ثابت ہو سکتے ہیں۔

انہی مقاصد کے حصول کے لئے آرمی برن ہال کالج ایبٹ آباد میں اکثر بیشتر ایسی تقریبات کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ جن سے نوجوان طلباء کے ذہنوں کو جلا ملتی ہے۔

پندرھویں صدی ہجری کی تقریبات کے سلسلے میں ہمارے کالج میں ایک ایمان افروز تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ شارحِ قرآن اور ٹی وی کے مشہور پروگرام "الھدیٰ" کے شعلہ بیان خطیب جناب ڈاکٹر اسرار احمد مہمان خصوصی تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کی برن ہال میں آمد ہی سے ایک روحانی اور ذہنی تسکین کے سامان بہم ہونے لگے۔ ہر آنکھ منتظر تھی کہ کب یہ شعلہ بیاں مقرر بحرِ علوم سے انمول موتی چن چن کر ہمارے دامن کو دامنِ دولت بنا دے گا۔

۱۹ ستمبر کی خوشگوار صبح تھی۔ کالج کے طلباء کالج ہال میں اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ چکے تھے۔ معززینِ شہر برن ہال کالج کی جانب رواں دواں تھے۔ چہرے یوں دمک رہے تھے جیسے نور کا ایک سیلاب اس کالج کے در و بام کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے۔

ٹھیک صبح نو بجے معزز مہمانِ خصوصی کالج کے پرنسپل جناب بریگیڈیئر بشیر احمد ملک کے ساتھ کالج ہال میں داخل ہوئے۔ حاضرین جو دیر سے جناب ڈاکٹر اسرار احمد کے چہرے کی ایک جھلک کے منتظر تھے۔ معزز مہمان کی آمد پر تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ اور تالیوں کی گونج میں معزز مہمان کا استقبال کیا۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض راقم بشیر احمد سوز انجام دے رہا تھا۔ جناب ڈاکٹر اسرار احمد سے کرسیٔ صدارت پر جلوہ افروز ہونے کی درخواست کی گئی۔ ڈاکٹر صاحب جب کرسیٔ صدارت سنبھال چکے تو اجلاس کے باقاعدہ آغاز کا اعلان کیا گیا۔ گیارہویں جماعت کے افضل بھٹ

نے خدائے بزرگ و برتر کے نام سے اجلاس کا آغاز کیا۔

تلاوتِ کلامِ پاک کے بعد راقم نے بحیثیت اسٹیج سیکرٹری برن ہال کالج میں اسلامی تحریک اور اس کے مقاصد کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہوئے عرض کیا۔

"برن ہال کالج میں ۱۹۷۷ء کا سال ایک ایسا سنگِ میل ہے جس نے ہمیں ہماری منزلوں کا پتہ دیا اور ہمارے راستوں کا تعین بھی کیا۔ تعلیم کا سفر اس ادارے میں خوشبو کا سفر تھا لیکن اس خوشبو میں دین کی مہک نہ تھی۔ برن ہال کالج میں وہ صبح کتنی درخشاں تھی جب پہلی بار ہمارے پرنسپل جناب بریگیڈیئر بشیر احمد ملک نے تلاوتِ کلامِ پاک سے اسمبلی کا آغاز کیا۔ اور برن ہال کالج کے در و بام اور سقف و محراب دین کی روشنی سے دمک اٹھے۔

بصارت جس بصیرت کی متمنی تھی وہ ان نوجوان طلباء کے اندر نمو پانے لگی۔ ہماری تمنا ہے کہ مکتب کی کرامت کو فیضانِ نظر مل جائے۔"

اس کے بعد جماعت ہفتم کے نعیم محمد، جبران داؤد اور جماعت ہشتم کے عامر نعیم کو سٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی۔ ان بچوں نے نہایت دلکش انداز میں سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمدؐ کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔

بعدہ راقم نے بحیثیت سٹیج سیکرٹری۔ جماعت نہم کے عامر خان کو دعوت دی عامر خان نے "قرآن سرچشمۂ نور و ہدایت" کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اندازِ بیان نہایت خوبصورت، دلائل بڑے جامع اور الفاظ کا حسن قابلِ تعریف تھا۔ حاضرینِ محفل نے اس کم عمر مقرر کو خوب داد دی۔ اب برن ہال کالج کے خطیب مولانا محمد شفیع فیضی تشریف لائے۔ مولانا نے معزز مہمان کی زندگی شخصیت و کردار اور اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں اُن کی خدمات پر روشنی ڈالی۔ آپ نے کہا:۔

"حضرات! آرمی برن ہال کالج کی تاریخ میں آج کا دن — اس لحاظ سے ایک یادگار دن ہوگا کہ آج ہمارے درمیان ایک ایسی محترم شخصیت موجود ہے۔ جو شارحِ قرآن بھی ہے اور داعی الی القرآن بھی"۔ آپ نے کہا کہ "ڈاکٹر اسرار احمد صاحب پاکستان کو معرضِ وجود میں آنے کے ۳۴ برس گزرنے کے بعد بھی نظریہ پاکستان کے لئے جو قرآن اور

کلمۂ طیبہ سے عبارت ہے سرگرم عمل ہیں - اور اس مقصد کے لئے وہ کبھی الحاد اور لادینیت کے سر پر گرزِ ابرِ شکن بن کر گرتے ہیں تو کبھی قلم کی تلوار سے "میثاق" کے ذریعے مغربیت کے دامِ ہم رنگِ زمین پر کاری ضربیں لگاتے ہیں کبھی "الہدیٰ" کے توسط سے دشمنانِ ملک و دین کے پھیلائے ہوئے شکوک وشبہات کو اپنے دلائل و براہین سے مٹا کر دینِ حق کی صداقتوں کو ذہنوں میں راسخ کرتے ہیں - کبھی انجمن خدام القرآن کے زیرِ اہتمام مجالس و محافل (قرآن کانفرنسوں) کا انعقاد کر کے اپنے مخصوص اندازِ بیان سائنٹیفک طرزِ استدلال سے اُمتِ مسلمہ کی اخلاقی اور علمی کمزوریوں کو دور کرنے کے لئے کوشاں نظر آتے ہیں - الغرض کتاب و سنت کے اسلحہ سے لیس ہو کر ڈاکٹر صاحب ملتِ بیضا کا مکمل دفاع کر رہے ہیں - یہی وجہ ہے کہ ابلیسی قوتیں فکری اور عملی دونوں محاذوں پر پسپائی پر مجبور ہیں - حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے لئے حصولِ دولت کا راستہ دشوار نہ تھا - لیکن تحریکِ اسلامی سے وابستگی نے دنیاوی جاہ و جلال اور دولت و امارت کو پائے استحقار سے ٹھکرانے کی ہمتِ مردانہ پیدا کر دی -

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند اور وایں سعادت بزورِ بازو نیست، تا نہ بخشند خدائے بخشندہ

حضرات! میں آپ کے اور جناب محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے درمیان زیادہ دیر حائل رہنا نہیں چاہتا - کیونکہ میں خود اور مجھ سے بڑھ کر آپ سب ان کی تقریر کے منتظر ہیں -

آخر میں اتنا ضرور کہوں گا کہ ڈاکٹر صاحب کی ذات میں آپ کو دینی اور دنیاوی علوم کا ایک حسین امتزاج نظر آئے گا - خدا کرے کہ اُن کے ارشادات کے نتیجے میں ہمارے کالج کے نوجوانوں میں وہ ذوق و شوق پیدا ہو جو ایک مسلمان کا سرمایۂ حیات ہے -

دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر — حریمِ کبریا سے آشنا کر
جسے نانِ جویں بخشی ہے تُو نے — اُسے بازوئے حیدر بھی عطا کر"

مولانا محمد شفیع فیضی جب ڈاکٹر صاحب کی زندگی، شخصیت و کردار اور ان کی خدمات کی گرہ کشائی کر چکے تو راقم نے بحیثیت سٹیج سیکرٹری معزز مہمانِ خصوصی

دعوت سخن دی ڈاکٹر صاحب کی علمیت سے کون واقف نہیں - اُن کی شعلہ بیانی اور
لابت میں جب حُسنِ ادا رنگ بھر دیتا ہے - تو سامعین مسحور ہو کر رہ جاتے ہیں -
ڈاکٹر صاحب کے لئے موضوع "قرآن کا پیغامِ لازوال" منتخب کیا گیا - آپ
نے اپنی تقریر کا آغاز خطبۂ مسنونہ کے بعد قرآن پاک کی سورہ العصر کی تلاوت سے کیا۔
راس کا سلیس و رواں ترجمہ پیش کیا -

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

زمانے کی قسم ہے (یا زمانہ گواہ ہے) تمام انسان خسارے میں ہیں -
سوائے ان کے جو ایمان لائے جنہوں نے اچھے عمل کئے - اور باہم ایک
دوسرے کو حق کی تاکید کی اور باہم ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی -"

پھر اسی سُورۃ کو اپنی بحث کا مرکز و محور بنایا - آپ نے اس سورۃ کے ایک ایک
نقط کی توضیح و تشریح کی - اس توضیح و تشریح کے بعد جب وہ اپنے موضوع سے
س کی کڑیاں لاکر جوڑتے تو سامع دنگ رہ جاتا - علمیت، زورِ بیان اور قوتِ
حافظہ کا ایک ایسا حسین امتزاج تھا کہ آپ کی تقریر ایک شفاف ندی کی مانند
بہتی ہوئی محسوس ہوتی تھی - ڈاکٹر صاحب کم و بیش ڈیڑھ گھنٹہ بولتے رہے شاید
یہی اُن کا اعجازِ بیان تھا کہ حاضرین نے دلجمعی کے ساتھ اُن کو سنا - آپ نے عقلی
ور نقلی دلائل اور براہین کے ساتھ ایمان کی حقیقت اور قرآنِ پاک کی صداقت
کو واضح کیا - آپ نے فرمایا کہ قرآن کا پیغام سرمدی اور ابدی بھی ہے اور لازوال
بھی - آپ نے کہا کہ ایمان، عمل، صالح، تواصی با لحق اور صبر ہی وہ بنیادی حقائق
ہیں جن پر انسانی زندگی کی کامیابی کا انحصار ہے اور یہی قرآن پاک کے پیغام
لازوال کا حاصل ہے -

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ حقائق کو تسلیم کر لینے کے بعد عقل کا تقاضا یہ ہے کہ انسان
اس منکشف حقیقت پر عمل پیرا بھی ہو - اور اس سلسلے میں کسی خوف، دھمکی یا
لالچ کا اسیر بن کر راستے سے ہٹنے نہ پائے - بلکہ ان حقیقتوں کے پرچار کے لئے سعی
کرے - ببانگِ دُہل ان کا اعلان کرے - راستے میں مشکلات کے کوہِ گراں بھی آئیں

ہمت عالی ان کو ریزہ ریزہ کرتی چلی جائے ۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ایسے عزم اور ارادے کے لوگ ہر دور میں مختلف اقوام میں پیدا ہوتے ۔ جنہوں نے حقائق کو پالینے کے بعد ایک نئی سمت اور منزل کا تعین بھی کیا اور جادۂ پیما بھی رہے ۔ پھر اپنی دانش اور بصیرت سے کام لیتے ہوئے نوعِ انسانی کو بھی اپنا ہمرکاب کرنے کے لئے کوشاں رہے ۔ گوتم بدھ اور سقراط کی اولوالعزمی کی مثالیں قرطاس زمانہ پر انمٹ نقش بن کر رہ گئی ہیں ۔ گوتم بدھ ایک شہزادہ تھا ۔ دولت و امارت اور دنیاوی جاہ و حشم کا مالک ۔ لیکن جب تلاش و جستجو کے بعد حقائق نے اُس کی رُوح کے دریچے وا کر دیئے تو اس نے دنیا کی بے حقیقت لطافتوں کو بے دریغ ٹھکرا دیا ۔ سقراط نے اپنے اصولوں اور اُن حقیقتوں پر جو اُس کے نزدیک درست اور صحیح تھیں جس استقامت کا مظاہرہ کیا اُنہیں زہر کے پیالے نے ایک آفاقی حقیقت میں بدل کر رکھ دیا ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب رُوحانی فیض پالیا تو نمرود کی آگ بھی حق کی صداقتوں اور حقیقتوں کو خاکستر نہ کر سکی ۔ بابائے ملّت حضرت قائد اعظم اور علامہ اقبال نے بھی عقل و فکر کو وحی قرآنی علم کی روشنی میں جلا دے کر مسلمانوں کے لئے صحیح راستہ کا انتخاب کیا ۔ اور ایک مملکتِ خداداد کا حصول ممکن بنایا ۔ لیکن مسلمانوں نے مجموعی طور پر اس حقیقت سے روگردانی کی ۔ اور اس نصب العین کے لئے عمل پیرا ہونے سے گریز کیا ۔ قرآن کے پیغام سے اپنی زندگیوں کی تزئین نہ کر سکے ۔ یہی وجہ ہے کہ شکست و ریخت اور تنزل کے نقش اس قوم کی حیات میں ابھرنے لگے ۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ انسان کے سوچنے کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں ؟ کائنات کا خالق کون ہے اور کائنات کی تخلیق کا مقصد کیا ہے ۔ اس کارگہ حیات میں انسان کا مقام کیا ہے ؟ خالقِ ارض و سماء سے انسان کا تعلق کیا ہے ؟ کیا زندگی بس یہی ہے یا شب دراز عدم میں بھی زندگی کا کوئی قدم ہے ؟ جزا اور سزا کا تصوّر کیا ہے اور اسکی حقیقت کیا ہے ؟ یہ بھی سوال جب ذہن انسانی میں ابھریں تو وہ قرآن کی روشنی میں ان سوالوں کے جواب تلاش کرے ۔ قرآن جو عالمگیر اور آفاقی ہے ۔ جو ہر دور اور ہر زمانے پر محیط ہے ۔

ملے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اس بحث کو نظر انداز کر کے [illegible]

اپنے اندر علم و حکمت کے بحر ناپیداکنار رکھتا ہے جب قرآن انسان کو ان سوالوں کے مبسوط جواب سے آگہی بخش دے۔ اور انسان حقیقتوں کو پا لینے اور تسلیم کر لینے کے بعد ان کے سامنے سر تسلیم خم کر لے تو اسی کا نام ایمان کی شمع ہے جب یہ روح انسانی میں روشن ہو جائے تو وہ ان حقائق کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کے لئے ہمہ تن کوشاں ہوتا ہے یہی سعی و کوشش عمل صالح کہلاتی ہے۔ ان حقیقتوں کے اعلان اور پرچار کو تواصی بالحق سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور اس عمل میں باطل نظام زندگی کی طاغوتی قوتوں سے برسر پیکار رہنا اور اس راہ میں اذیتوں اور مشکلات کو برداشت کرتے ہوئے ثابت قدم رہنا صبر کہلاتا ہے۔ جس انسان کی زندگی میں یہ حقائق رچ بس جائیں اور جس کی زندگی میں ان چار اصولوں کے حسین رنگ ابھر آئیں وہ انسان عرصۂ حیات میں کامیاب و کامران زندگی بسر کرتا ہے۔ انہی چار اصولوں اور لافانی حقائق کی دعوت و تبلیغ قرآن پاک کے پیغام لازوال کی تشریح و توضیح کہلاتی ہے۔ اور یہی وہ چار بنیادی اصول ہیں جن کی بنا پر قرآن کا پیغام سرمدی اور ابدی ہوتا ہے۔ اور انہی چار اصولوں کے اقرار یا انکار سے قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں مرتب ہوتی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میرے محدود مطالعے کے مطابق سورۃ العصر ایک بیج کے کی مانند ہے۔ جس طرح آم کی گٹھلی میں پورے آم کا درخت موجود ہوتا ہے۔ اسی طرح اس سورہ مبارکہ میں قرآن حکیم کے تمام تعلیمات موجود ہیں۔ آپ غور کریں گے۔ قرآن حکیم میں پانچ موضوعات پر مختلف اسالیب سے گفتگو ہوئی ہے۔ امم سابقہ کے حالات و واقعات بیان ہوتے ہیں اور آنے والے حالات کی خبریں دی گئی ہیں۔ 'العصر' کا لفظ ان کی طرف واضح اشارہ کرتا ہے۔ آگے چلئے۔ پھر ایمان کی بحث ہے۔ جس میں توحید باری تعالےٰ کے آفاقی و انفسی دلائل ہیں۔ نبوت رسالت وحی اور انزال کتب اور وقوع قیامت، حشر و نشر اور محاسبہ اخروی کے لئے براہین ہیں اور جنت و جہنم کے اذکار ہیں پھر ان تمام امور غیبی پر ایمان لانے کی دعوت ہے 'والذین آمنوا' میں ان تمام مباحث کا خلاصہ آ جاتا ہے۔ آگے چلئے قرآن مجید میں اچھے اور بھلے اعمال کی تعلیمات ہیں۔ خیر پر عمل کی دعوت ہے۔ معروف کا اسرار

حکم ہے اور منکر سے نہی اور اجتناب کی تاکید ہے - اس موضوع پر "وعملوا الصّٰلحٰت" کے الفاظ دلالت کرتے ہیں - اور آگے چلئے تو قرآن میں اُمّتِ مسلمہ کو دین کی دعوت و تبلیغ، اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامت دین کی جدوجہد اور کشمکش کرنے کی ترغیب و تلقین ہے - امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم ہے - اس سورت مبارکہ میں ان تمام امور کو ایک اصطلاح "وتواصوا بالحق" میں سمو دیا گیا ہے - آخر میں "تواصوا بالصبر" کی تاکید و تلقین ہے چونکہ ہر انقلابی جدوجہد کو لازماً شدائد و مصائب سے سابقہ پیش آکر رہتا ہے - اس مرحلے میں صبر ایک مسلمان کا سب سے زیادہ قیمتی ہتھیار اور بیش بہا متاع ہے - اس کو "تواصوا بالصبر" میں بیان کر دیا گیا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ قرآن کے جملہ تعلیمات کا ایک جامع خلاصہ اس ایک مختصر سی سورت میں انتہائی جامعیت کے ساتھ سمو دیا گیا ہے - اسی لئے میں اس سورہ مبارکہ کو بیج سے تشبیہ دیا کرتا ہوں - جس طرح ایک بیج میں پورا درخت پنہاں ہوتا ہے - اسی طرح اس سورہ مبارکہ میں قرآن مجید کی تمام تعلیمات موجود ہیں -

آپ نے فرمایا کہ جس قوم میں قرآن کریم کے ساتھ عملی وابستگی اور والہانہ عقیدت موجود ہو وہ قوم خدا کے فضل اور احسان و انعامات اور عزت و سرخروئی سے محروم نہیں ہو سکتی - آپ نے فرمایا کہ اگر برن ہال کالج جیسے تعلیمی اداروں میں علوم دینیہ کی درس و تدریس کا عمل یوں جاری و ساری رہے تو یہ بات قرین قیاس ہے کہ ملت بیضا کو اعلیٰ کردار اور بہترین اقدار کے حامل انسان ملتے رہیں گے - جو دنیا کی ترقی میں دینی علوم کے حسین امتزاج سے نوع انسانی کی فلاح کے راستے متعین کرتے رہیں گے۔ آخر میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ آج کی میری معروضات کا حاصل، خلاصہ اور لبِ لباب یہ ہے کہ ہر مسلمان کا حقیقی اور اصل نصب العین رضائے الٰہی اور نجاتِ اُخروی، کا حصول ہے سورۃ العصر کے ذریعے یہ بات واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے کہ اُخروی نجات کے لئے اللہ تعالیٰ نے چار ناگزیر شرائط اور لوازم بیان فرمائے ہیں اور وہ ہیں - ایمان - عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر -

— گویا یہ چاروں لوازم راہ نجات کے سنگ ہائے میل ہیں - اور ان چاروں شرائط کو پورا کرنے کے التزام و کوشش پر ہی آخرت کی کامیابی اور فوز و فلاح کا دارومدار

اور انحصار ہے۔"

ڈاکٹر صاحب کی بصیرت سے پُر اور ایمان افروز تقریر کے بعد کالج کے پرنسپل جناب بریگیڈیئر بشیر احمد ملک نے اظہار خیال فرماتے ہوئے کہا کہ " اسلام ایک ایسے انقلاب کا داعی ہے جس میں تمام جدید علوم اور علومِ متداولہ کو قرآن پاک کی تعلیمات اور اسلام کے رہنما اصولوں کی روشنی کی ضرورت ہے۔ انہوں نے ایک مثالی معاشرے اور مثالی قوم کے لئے افراد کے لئے مثالی کردار کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ دینِ اسلام سے وابستگی ہی سے دُنیائے اسلام اپنے حقیقی مقاصد کی تکمیل کر سکتی ہے۔ آپ نے مزید کہا کہ جب تک آج کی نوجوان نسل کے کردار کی تشکیل اسلامی تعلیمات اور مشرقی اقدار سے ترتیب نہ پائے گی، ایک مثالی معاشرے کی تشکیل کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔ آپ نے کہا کہ آج اسلام کا یہ انقلابی دور متقاضی ہے کہ جدید علوم کے ساتھ دین اسلام سے وابستگی کا جذبہ اور قرآنِ کریم کے رہنما اصولوں سے ہی انسانی کردار کی تشکیل ہو۔ آپ نے کہا کہ نظریۂ پاکستان کو اُس کے حسین ترین رنگوں میں ہم اُسی وقت دیکھ سکتے ہیں جب اُس کے بنیادی مقاصد کا حصول ممکن ہو۔ جناب بریگیڈیئر بشیر احمد ملک نے مزید کہا کہ ہم نے اس ادارے میں وہ تحریک شروع کر دی ہے جو دنیوی اور اُخروی فلاح کے راستے متعین کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو سکے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آج کا نوجوان اس مادّیت پرست دنیا میں رہ کر بھی دین کی روشنی میں اپنے کردار کی تشکیل کر سکے۔ اور نوعِ انسانی کے لئے ایک مثالی کردار بن سکے ——

ان زرّیں خیالات کے اظہار کے بعد جناب پرنسپل صاحب نے معزز مہمانِ خصوصی جناب ڈاکٹر اسرار احمد کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے ایک طویل سفر طے کر کے اس ایمان افروز تقریب میں شرکت کی۔ اور ہمیں اپنے ارشادات و ملفوظات سے نوازا۔ پرنسپل صاحب نے مزید فرمایا کہ اسے محض ایک رسمی شکریہ نہ سمجھا جائے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی بصیرت افروز تقریر کے شکریہ کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ یہ میرے دلی اور حقیقی شکریہ کے جذبات ہیں، جن کو الفاظ کا جامہ پہنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ بعدہ معزز محترم مہمان ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اجتماعی دُعا کرائی اور گیارہ بجے دن کو یہ تقریب سعید اختتام پذیر ہوئی۔

تقریب کے اختتام پر کالج کی طرف سے مہمانِ خصوصی محترم ڈاکٹر صاحب اور دیگر مہمانوں کی اکل و شرب سے تواضع کی گئی اور ساڑھے گیارہ بجے کے قریب ڈاکٹر صاحب اور ان کے دو رفقاء کالج کی اسٹیشن ویگن میں وادی کاغان و ناران کے گشت کے لئے تشریف لے گئے جہاں سے موصوف کی ۲۰ ستمبر کو مغرب کے بعد ساڑھے سات بجے کے لگ بھگ مراجعت ہوئی۔

کالج کے طلبہ اور اساتذہ کی رُوحانی پیاس باقی تھی۔ وہ ڈاکٹر صاحب کی بصیرتِ ایمانی اِن کے موثر اندازِ خطابت، دل نشین طرزِ استدلال اور قرآن فہمی کے چشمہ صافی کے آبِ حیات سے اس تشنگی کی مزید آسودگی کے طالب تھے۔ لہٰذا کالج کے پرنسپل جناب بریگیڈیر بشیر احمد ملک صاحب نے ۲۰ ستمبر کی شب کو ۸ بجے ایک مزید اجتماع کا انتظام کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب اس ڈیڑھ دن کے پہاڑی سفر کی وجہ سے کافی تھکے ہوئے تھے چونکہ اس گشت میں صرف ایک ہی رات انہوں نے ناران میں آرام کیا تھا۔ ان کا باقی تمام وقت حالتِ سفر میں گزرا تھا اور سفر بھی وادی کاغان و ناران جیسے پیچ در پیچ اور نشیب و فراز سے پُر تھکا دینے والے راستے کا سفر۔ پھر یہ کہ ان کو اس سفر کی تکان کی وجہ سے حرارت بھی ہو گئی تھی بایں ہمہ نصف گھنٹے کے اندر اندر ڈاکٹر صاحب موصوف تیار ہو کر ۸ بجے ہال میں جناب پرنسپل صاحب کے ہمراہ تشریف لے آئے جہاں آرمی برن ہال کالج اور ثانوی اسکول کے طلبا اور تمام اساتذہ نیز متعدد معززین شہر دعوتِ رجوع الی القرآن کے اس مخلص داعی کے دیدار اور ان کے ایمان افروز خطاب کی سماعت کے لئے ہمہ تن مشتاق و منتظر تھے۔ ڈاکٹر صاحب کرسی صدارت پر رونق افروز ہوئے اور آپ نے خطبہ مسنونہ کے بعد سورہ بقرہ کی آیت ۱۷۷ کی تلاوت کی اور اس کا رواں و سلیس ترجمہ پیش کیا۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ

لْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ
وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

ترجمہ :- نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنا رُخ مشرق و مغرب کی طرف پھیر دو
بلکہ اصل نیکی (اس کی ہے) جو ایمان لایا اللہ پر اور قیامت کے دن اور فرشتوں
پر اور کتابوں پر اور انبیاء پر اور دیا اس نے مال اُس کی محبت کے علی الرغم۔
رشتہ داروں کو یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافر کو اور سائلوں کو اور
گلو خلاصی کرانے کے لئے - اور قائم کی اُس نے نماز اور ادا کی زکوٰۃ ـــ
اور پورا کرنے والے اپنے عہد کے جبکہ کوئی باہمی معاہدہ کرلیں اور خصوصاً
صبر کرنے والے فقر و فاقہ پر اور مصائب و تکالیف پر اور جنگ و قتال کے
وقت ـــ یہی لوگ ہیں حقیقتاً راست گو اور یہی ہیں واقعتہً متقی و پرہیزگار"

آیت کا ترجمہ بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ" میں نے دعوتِ رجوع
الی القرآن کے لئے قرآن حکیم کا جو منتخب نصاب مرتب کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے
کہ مسلمانوں کے سامنے واضح طور پر یہ بات آجائے کہ از روئے قرآن مجید ایک
مسلمان کی اصل ذمہ داریاں کیا ہیں ؟ اور اس کا رب اور خالق و مالک اس
کے سامنے دین کے کیا مطالبات رکھتا ہے ؟ اس کا پہلا سبق سورۃ العصر ہے،
جس کے مختصر وقت میں اجمالی طور پر کچھ مطالب و مفاہیم اور تشریحات میں کل
کی تقریر میں بیان کر چکا ہوں، جس کے ذریعے ہمارے سامنے نجاتِ اخروی کی
چار ناگزیر شرائط و لوازم ایمان - عمل صالح تواصی بالحق اور تواصی بالصبر آئے
تھے ـــ یہ آیت جس کی میں نے آج تلاوت کی ہے اور جسے میں آیتِ بِرّ سے
موسوم کیا کرتا ہوں اور جس کا عنوان میں نے " نیکی اور تقویٰ کا قرآنی معیار" مقرر
کیا ہے اس منتخب نصاب کا درس نمبر دو ہے -

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ" اگر میں اس آیت مبارکہ کی مختصراً تشریح کروں
تو وہ یہ ہوگی کہ اس آیت مبارکہ میں اصل نیکی اور حقیقی نیکی اور واقعی تقویٰ
کے معیارات بیان فرمائے گئے ہیں اور واضح کیا گیا ہے کہ بِرّ (یعنی نیکی) اور

تقویٰ (یعنی اللہ کی ناراضگی سے بچنے کی روش) کا اصل دار و مدار ظواہر و مظاہر
پر نہیں ہے بلکہ ایمان و یقین، ہمدردی و غم خواری، عبادات کے التزام، معاملات
کی درستگی اور راہِ حق میں صبر و مصابرت پر ہے۔"

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ "اس آیت برّ سے نیکی کے ایک محدود مذہبی تصور کی جڑ
کٹ جاتی ہے اور نیکی کا ایک واضح اور مکمل تصور سامنے آ جاتا ہے۔ میرے محدود مطالعے
کے مطابق نیکی اور تقویٰ کی اس سے جامع تعریف کے لحاظ سے یہ آیتِ کریمہ قرآن حکیم
میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ پھر آپ غور کریں گے تو اس آیت کی نسبت سورۃ
العصر سے جس کا ہم نے کل صبح کی نشست میں مطالعہ کیا تھا کچھ ایسی ہے۔ جیسے ایک
بند کلی جو ذرا کھل گئی ہے۔ اور اس کی پتیاں نمودار ہو گئی ہیں۔ سورۃ العصر میں
ایمان کی اصطلاح کا ذکر تھا۔ یہاں بنیادی ایمانیات۔ ایمان باللہ۔ ایمان بالآخرہ۔
ایمان بالملائکہ۔ ایمان بالکتب اور ایمان بالنبوت تفصیلی صورت میں بیان ہو
گئے۔ وہاں اعمال صالح کی اصطلاح استعمال ہوئی تھی، یہاں عمل صالح کی تین محکم
بنیادیں قائم ہو گئیں جن کو تین عنوانات دیے جا سکتے ہیں۔ پہلا "انسانی ہمدردی"
یعنی خدمتِ خلق کے لئے اپنا مال خرچ کرنا۔ دوسرا "العبادات" ان فرض عبادات میں
سے دو اہم عبادات "اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا ذکر کر دیا گیا۔ تیسرا "المعاملاتِ
انسانی" اس ضمن میں ایفائے عہد پر زور دیا گیا۔ چونکہ تمدنی معاملات میں ایفائے عہد
کو بڑی اہمیت اور اساسی مقام حاصل ہے۔ آپ جب غور کریں گے تو اس نتیجے پر
پہنچیں گے کہ ہمارے تمدن کی گاڑی کسی نہ کسی نوع کے معاہدے کے تحت رواں ہے
چاہے وہ باقاعدہ تحریری یا زبانی قول و قرار کے ذریعے ہو یا اس کے بغیر معروف کے
مطابق محض معہود ذہنی (Understanding) کے طور پر ہو۔ صبر کے تین
مواقع۔ فقر و فاقہ، مصائب و شدائد اور حالاتِ جنگ یہاں بیان ہو گئے اور
تواصی بالصبر کی تفصیل آ گئی۔ البتہ تواصی بالحق کا یہاں ذکر نہیں ہے لیکن بادنیٰ تامل
بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ تبعاً صبر کے ذیل میں موجود ہے چونکہ صبر کے جن تین مواقع
کا بیان ہوا ہے۔ ان سے اہل ایمان کا سابقہ ظاہر ہے کہ راہِ حق کی دعوت و تبلیغ اور
دین حق کے قیام کی جدوجہد ہی میں پیش آ سکتا ہے۔"

ڈاکٹر صاحب نے مزید فرمایا کہ " میرا احساس یہ ہے کہ جس طرح انسان کو زندہ
ہنے کے لئے ہوا اور پانی کی ضرورت ہے اسی طرح اس کی فطرت میں نیکی کا ایک تقاضا
رجذبہ بھی جبلی طور پر موجود ہے ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عالم انسانی کا کوئی معاشرہ
ی نیکی کا کوئی نہ کوئی تصور رکھتا ہے اور اس پر اپنی بساط تک عمل کرنے کی کوشش
رتا ہے "۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے مختلف طبقات کے تصوراتِ نیکی کا تجزیہ کرنے کے بعد
رمایا کہ " از روئے قرآن نیکی صرف وہ قرار پائے گی ۔ جس میں ایمان باللہ، ایمان
آخرۃ اور ایمان بالرسالت موجود ہو ۔ نیکی کی اصل قوتِ متحرکہ (MOTIVA-
TING FORCE) یہ ایمانیات ثلاثہ نہ ہوں تو پھر نیکی ایک کاروبار، بن
باتی ہے ۔"

ڈاکٹر صاحب نے اس آیتِ کریمہ کے ایک ایک لفظ کی تفصیل بڑے شرح وبسط کے
اتھ بیان فرمائی ۔ ڈیڑھ گھنٹے تک علم وعرفان کا دریا موصوف کی زبان ترجمانِ
قیقت بیان سے بہتا رہا ۔ ہال میں جہاں ساڑھے تین سو کے لگ بھگ طلبہ
وجود تھے ۔ پوری تقریر کے دوران کامل خاموشی رہی ہر شخص کے گوش بر بیان
ے (PIN DROP SILENCE) کا سماں تھا اور حاضرین کی نگاہیں ۔ قرآن حکیم
کے معارف بیان کرنے والے اس خطیب کے چہرے پر عقیدت واحترام کے جذبے کے
اتھ جمی ہوئی تھیں ۔ جس کے اندازِ تقریر اور طرزِ استدلال میں سحر کا سا اثر تھا۔
جس سے پورا مجمع مسحور تھا ڈاکٹر صاحب نے اختتام کلام پر فرمایا کہ " سورۃ العصر کا خلاصہ یہ
ھا کہ ابدی خسران سے محفوظ رہنے کی استثنائی صورت ایمان، عمل صالح، تواصی
لحق اور تواصی بالصبر ہمارے سامنے آئی ۔ اس آیت مبارکہ کا خلاصہ اور مرکزی
قصد اس طور پر ہمارے سامنے آیا کہ اللہ کی نظر میں حقیقی نیکوکار، صادق القول
ور متقی صرف وہ لوگ ہیں جو صاحب ایمان ہوں ۔ جن میں انسانی ہمدردی اور
خدمتِ خلق کے لئے اپنا مال صرف کرنے کا جذبہ موجود ہو ۔ جو عباداتِ مفروضہ کو
ادا کرنے والے، جو معاملاتِ انسانی میں عہد و معاہدے کی پابندی کرنے والے اور
جو اللہ کے دین کے قیام اور غلبے کے لئے جدوجہد کرنے والے اور اس راہ میں پیش

۔ آنے والے تمام کٹھن مراحل و مواقع (فقر و فاقہ - مصائب و شدائد اور قتال) پر ثابت قدم رہنے والے یعنی صبر کرنے والے ہوں - چنانچہ آیت کریمہ کے خاتمے پر فرمایا گیا کہ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ○

اس خطاب کے بعد ڈاکٹر صاحب نے طلبہ کو دعوت دی کہ "وہ کل اور آج کے درس کے متعلق سوالات کر سکتے ہیں نیز دین سے متعلق جو بھی شبہات و اشکا[ل] ان کے ذہن میں ہوں، وہ بلا تکلف بیان کریں میں کوشش کروں گا اپنی امکانی حد تک ا[ن] مطمئن کروں" — ڈاکٹر صاحب کی اس دعوت کے بعد طلبہ اور اساتذہ نے مختلف سوا[ل] اور اشکالات پیش کئے اور موصوف نے نہایت خندہ پیشانی اور مدلل و دلنشین انداز میں ان کے جوابات پیش کئے - سوال وجواب کا یہ سلسلہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہا - استفسار کرنے والوں نے کسی ذہنی تحفظ کے بغیر اپنے اشکالات پیش کئے اور ڈاکٹر صاحب نے ہر مستفسر کو مطمئن کرنے کی کوشش فرمائی طلبار نے ڈاکٹر صاحب کی اس کھلی دعوت سے خوب فائدہ حاصل کیا - ان کی خواہش تھی کہ اسی حیلے سے وہ قرآن حکیم کے علوم و معارف کے اس خواص سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں اور سوال وجواب کا یہ سلسلہ مزید چلتا رہے لیکن ہمارے پرنسپل جناب بریگیڈیئر بشیر احمد ملک صاحب کو احساس تھا کہ معز[ز] مہمان ڈیڑھ دن کے سفر سے واپس آئے ہیں اور حرارت و تکان کے باوجود پورے انہماک کے ساتھ اس سوال وجواب کو جاری رکھے ہوتے ہیں - لہٰذا موصوف نے گیارہ بجے کے قریب طلبار سے فرمایا کہ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ ڈاکٹر صاحب [کو] وادی کاغان وناران سے بے حد شغف ہے - اُمید ہے کہ موصوف جب بھی اس طرف تشریف لائیں گے تو ہمارے کالج کو اپنے زرّیں خیالات سے مستفید فرمائیں گے نیز ان شاء اللہ ہم بھی کالج کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کو گاہے گاہے مدعو کرتے رہیں گے تاکہ ان کی قرآن فہمی سے کالج کے طلبہ فیضیاب ہو سکیں ویسے الحمد [للہ] ہمارے کالج کے طلباء —————— اور اسٹاف ہر جمعرات کو ڈاکٹر صاحب کے ٹی وی پروگرام "الہُدیٰ" سے مستفیض ہوتے ہیں - یہ پروگرام کالج میں اجتماعی طور پر دیکھا جاتا ہے -

بعدہ جناب پرنسپل صاحب نے فرمایا کہ "حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے ان دو خطابات سے میں نے اپنے طور پر کافی استفادہ کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو جہاں اللہ تعالیٰ نے علم دین اور خاص طور پر قرآن فہمی عطا فرمائی ہے وہاں ان کو نہایت مؤثر اندازِ خطاب اور مستحکم طرزِ استدلال سے بھی نوازا ہے۔ اس پر سونے پر سہاگہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب علوم جدیدہ سے بھی کماحقہٗ بہرہ مند ہیں۔ وہ ان باطل نظریات سے بخوبی واقف ہیں جو مادہ پرستانہ اور ملحدانہ افکار کے حامل ہیں اور جن کا دنیا میں اس وقت تسلط ہے۔ ان افکار کے ابطال اور دین کی صحیح دعوت و تبلیغ کے لئے ڈاکٹر صاحب جیسے صاحب علم و فضل کی پاکستان کو شدید ضرورت ہے۔

آخر میں پرنسپل صاحب نے فرمایا کہ "میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میں رسمی طور پر نہیں بلکہ حقیقی اور دلی طور پر ڈاکٹر صاحب کا شکر گزار ہوں کہ وہ اپنی بے پناہ مصروفیت کے باوجود ہماری دعوت پر یہاں تشریف لائے اور ہمیں قرآن حکیم کے پیغام لازوال سے روشناس کرایا۔ میں ڈاکٹر صاحب کی صحت کے ساتھ درازی عمر اور اضافہ علم و فہم کے لئے دعا گو ہوں۔"

بعدہ محترم ڈاکٹر صاحب نے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ اجتماعی دعا کرائی اور اس طرح یہ تقریب سعید اختتام پذیر ہوئی۔

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ : (الحدیث)

تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دروس قرآن اور خطابات پر مشتمل

نشر القرآن کیسٹ سیریز

نمبر شمار	موضوع	کوڈ نمبر	قیمت روپے
۱	سیرۃ النبیؐ ۱۰ تقاریر کا سیٹ (۹۰-سی کے گیارہ کیسٹ)	۱ - ۱۱	۳۳۰/-
۲	نظریۂ ارتقاء اور قرآن حکیم (۹۰ سی)	۱۲	۳۰/-
۳	حقیقت انسان اور حقیقت روح انسانی (۶۰-سی دو کیسٹ)	۱۳-۱۴	۵۰/-
۴	نیکی کا حقیقی تصور (۹۰ سی)	۱۵	۳۰/-
۵	عظمت قرآن حکیم (۹۰ سی)	۱۶	۳۰/-
۶	تاریخ امت مسلمہ (بموقع یوم اقبال) (۶۰-سی)	۱۷	۲۵/-
۷	قرآن کا تصور حیات انسانی (۶۰ - سی)	۱۸	۲۵/-
۸	تنظیم کی اہمیت اسوۂ محمدی کی روشنی میں (۶۰ - سی)	۱۹	۲۵/-
۹	پردہ کے احکام (سورۃ احزاب کی روشنی میں (۹۰-سی)	۲۰	۳۰/-
۱۰	اسلام کا معاشی نظام (۶۰-سی دو کیسٹ)	۲۱-۲۲	۵۰/-
۱۱	سیرت مطہرہ کا پیغام (۱۲ ربیع الاول) (۶۰-سی، ۹۰-سی)	۲۳-۲۴	۵۵/-
۱۲	تفسیر آیۂ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (۶۰ - سی)	۲۵	۲۵/-
۱۳	سورۃ الفاتحہ (۶۰ - سی دو کیسٹ)	۲۶-۲۷	۵۰/-

نمبر شمار	موضوع	کوڈ نمبر	قیمت روپے
۱۴	درس سورۃ بقرہ (پہلے دو رکوع) (۶۰-سی چار کیسٹ)	۲۸-۳۱	-/۱۰۰
۱۵	خلافت راشدہ کی شرعی اور تاریخی حیثیت ۶۰/۹۰-سی دو کیسٹ	۳۲-۳۳	-/۵۵
۱۶	درس سورۃ الحج (آخری رکوع) ۹۰ سی دو کیسٹ	۳۴-۳۵	-/۶۰
۱۷	درس سورۃ بقرہ (دوسرا، تیسرا رکوع) ۶۰-سی چار کیسٹ	۳۶-۳۹	-/۱۰۰
۱۸	شہادت حسینؓ کا اصل پس منظر (۶۰-سی دو کیسٹ)	۴۰-۴۱	-/۵۰
۱۹	سورۃ الشوریٰ مکمل مصری قرآت (۹۰-سی سات کیسٹ)	۴۲-۴۸	-/۲۱۰
۲۰	سورۃ الحجرات (مکمل) (۹۰-سی تین کیسٹ)	۴۹-۵۱	-/۹۰
۲۱	درس قرآن سورۃ صف والجمعہ (۹۰-سی دو کیسٹ)	۵۲-۵۳	-/۶۰
۲۲	سیرت نبویؐ کا عملی پہلو (۹۰-سی دو کیسٹ)	۵۴-۵۵	-/۶۰
۲۳	سورۃ مریم (مکمل) (۹۰-سی پانچ کیسٹ)	۵۶-۶۰	-/۱۵۰
۲۴	سورۃ المنافقون (۹۰-سی دو کیسٹ)	۶۱-۶۲	-/۶۰
۲۵	خطاب بموقع تقریب نکاح مسنونہ (۶۰-سی)	۶۳	-/۲۵
۲۶	قرآن کا فلسفۂ شہادت (۹۰-سی)	۶۴	-/۳۰
۲۷	خطاب جمعہ (تاریخ امت مسلمہ (۶۰-سی)	۶۵	-/۲۵

نوٹ: قرآن حکیم کا منتخب نصاب زیر ریکارڈنگ ہے • تمام کیسٹ جاپان
ے درآمد شدہ استعمال کئے گئے ہیں • کاروباری حضرات مزید تفصیلات کے لئے
بدع فرمائیں • خرچہ ڈاک (رجسٹرڈ پارسل) بذمہ خریدار ہوگا • بذریعہ ڈاک
ت فرماتے والے حضرات آرڈر کے ساتھ کوڈ نمبر کا حوالہ ضرور دیں نیز رقم پیشگی ارسال
رمائیں • بذریعہ وی-پی طلب فرمانے والے حضرات نصف رقم پیشگی ارسال فرمائیں

نشر القرآن، کیسٹ سیریز لاہور

فون
۸۵۲۶۱۱
۸۵۲۹۸۳

تنظیم اسلامی ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ

جنوبی ہند میں پندرہ دِن

ایک رپورتاژ

از قلم :۔ قاضی عبدالقادر

عصر کی نماز مدرسہ کی مسجد میں پڑھ کو ہم مدراس کے لئے روانہ ہوگئے۔ مدراس کا فاصلہ یہاں سے ایک سو میل ہے۔ یہاں سے والا جاہ پیٹ تک مختلف شہروں اور قصبوں میں مسلمانوں کے جاہ وحشمت کے نشان نظر آتے ہیں جہاں کسی زمانہ میں مسلمان اپنی شان وشوکت کے ساتھ حکومت کرتے رہے لیکن آج ان علاقوں پر خاموشی طاری ہے۔ اس دورِ عروج میں جہاں آبادی ہی آبادی تھی۔ وہاں آج مکمل ویرانی ہے کہیں ٹوٹے ہوئے قلعے، کہیں ویران محلات اور کہیں اُجڑے ہوئے قبرستان ہیں جن کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہے۔ جیسے زبانِ حال سے کہہ رہے ہوں ؎

بر مزارِ ما غریباں نے چراغے نے گلے
نے پرِ پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

خود ویلور شہر کی تاریخی شاندار عمارتیں مسلمانوں کی عزت اور اپنے اسلاف کی ناقدری کا ثبوت پیش کر رہی ہیں۔ افسوس کہ اس کے اندر کی شاندار مسجد جانوروں کا مسکن بنی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مصلحت ہے۔ کہ جس کو چاہے اقتدار سے نواز دیتا ہے اور جب چاہے محروم بھی کر دیتا ہے۔ انسانی اقتدار کو زوال ہے، قدرتِ الٰہیہ لازوال ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ جس کسی قوم کو دنیوی اقتدار سے جب نوازتا ہے تو اس سے امتحان مقصود ہوتا ہے۔ اگر اس قوم نے اللہ کے حکم کے مطابق اپنے اقتدار کے انتظام کو جاری رکھا، خدا

کی مخلوق کے ساتھ انصاف و مساوات کا سلوک کیا، حقوقِ انسانی کو پامال نہیں کیا، عیاشی میں مبتلا ہو کر اللہ کے اس انعام کی ناقدری نہیں کی تو ان صلحاء کے ساتھ یہ نعمت وراثت کے طور پر ان کی نسلوں میں باقی رکھی جاتی ہے۔ لیکن اگر معاملہ اس کے اُلٹ ہو تو یہ نعمت چھین بھی لی جاتی ہے اور پھر اس سے کسی دوسرے کو نواز دیا جاتا ہے۔ تلک الایام نداولہا بین الناس

مدراس کی جانب ہماری گاڑی پوری رفتار کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔ چونکہ وہاں جلد پہنچنا تھا اس لئے رفتار مزید تیز کرنی پڑی راستہ میں مغرب کا وقت آیا۔ سوچا کہ نماز کہاں پڑھی جائے۔ مولوی عبدالجمیل صاحب چونکہ ان راستوں سے سینکڑوں بار گزرے ہیں اس لئے انہیں سڑک کے ہر نشیب و فراز کا پتہ تھا، ایک ایک پتھر کا پتہ تھا۔ جیسے وہ ہم سے کہہ رہے ہوں سے انہیں پتھروں پر چل کے اگر آ سکو تو آؤ میرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

مولوی عبدالجمیل صاحب کے فرمانے کے مطابق تھوڑی دُور چل کر سڑک کے کنارے ایک چھوٹی سی مسجد آگئی۔ جہاں ہم نے مغرب کی نماز ادا کی۔ یہاں باجماعت نماز کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ جو آگیا۔ نماز پڑھ لی۔ وضو کے لئے بدھنے رکھے تھے، وہی بدھنے جسے پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک بار طنزاً مسلمانوں کی تہذیب کے تین اجزاء میں سے ایک جُز قرار دیا تھا (باقی دو اجزاء پاجامہ اور استنجہ کا ڈھیلا تھے) میں نے دیکھا کہ یہ بدھنے ہمارے ملک سے تو غائب ہو گئے ہیں لیکن یہاں بھارت میں ابھی تک موجود ہیں۔ بچپن میں کسی شاعر کے چند اشعار جن میں بدھنے کا ذکر آتا تھا۔ ہم بڑی دلچسپی سے پڑھتے تھے۔ اشعار تو کچھ "یوں ہی سے" تھے لیکن بچپن میں نہ جانے کیوں یہ اشعار کچھ اچھے لگتے تھے۔ بچپن ہی جو ٹھیرا۔ لیجئے آپ بھی سن لیجئے اور ہماری بچپن کی "بے ذوقی" یا "بد ذوقی" کی داد دیجئے۔ سے

شاہدِ خزاں میں آگ لگا دی بہار نے
موٹر سے ایک ڈولی لڑا دی کہار نے
غربت میں شیخ جی کریں کس ظرف سے وضو
بدھنا بھی دیا اِک نہ بنا کر کمہار نے

کھٹیا پہ کل سے کھانس رہا ہے پڑا ہوا
وہ پٹخنا دیا ہے عُدد کو بخار نے
ظلم چُھپا کر لے گیا ذرّہ ہمارا دل
لیکن رپٹ لکھی نہ کسی تھانیدار نے

لیکن ٹھیرئے۔ اگر ان کو پڑھ کر میری "بد ذوقی" کا آپ ماتم کرنے لگے ہوں۔ اور آپ کی پیشانی شکن آلود ہو تو لیجئے میں ان اشعار کو بصد معذرت واپس لیتا ہوں۔ کہیئے اب خوش ہو گئے نا آپ!

بات بدھنے کی ہو رہی تھی اور میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ اس چھوٹی سی خستہ حال مسجد میں چند ٹوٹے پھوٹے بدھنے رکھے تھے۔ ایک کنواں تھا، گہرا بلکہ بہت ہی گہرا۔ ایک ڈول رکھا تھا۔ جو آتا تھا۔ ڈول سے پانی نکال کر اپنا بدھنا بھر لیتا تھا اور خدمت خلق کے طور پر چند اور بدھنوں میں بھی پانی ڈال دیتا تھا۔

مغرب کی نماز پڑھ کر کار پھر روانہ ہوئی۔ راستہ میں پیاس زیادہ محسوس ہوئی تو ایک جگہ کار روکی گئی۔ ہم نے کولڈ ڈرنک پیا — ادھر جو دیکھا تو مولوی عبدالجلیل صاحب غائب تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُن کی واپسی ہوئی۔ معلوم ہوا کہ قریب کی مسجد میں تشریف لے گئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے پوچھا مولانا کہاں تشریف لے گئے تھے۔ مسکرا کر جواب دیا "تصفیہ کرنے" اور اُن کے "تصفیہ کرنے" کے لفظ پر ہم لوگ بہت دیر تک محظوظ ہوتے رہے۔

مدراس میں اپنی قیام گاہ پہنچ کر سانس لیا ہی تھا کہ کیا دیکھتے ہیں کہ عبدالصمد صاحب اور ڈاکٹر نذیر محمد صاحب ایک صاحب کو ساتھ لئے چلے آرہے ہیں۔ تعارف ہونے پر پتہ چلا کہ نواب صاحب آرکاٹ کے بیٹے ہیں۔ یہاں میں یہ بتاتا چلوں کہ ۱۱ ربیع الاوّل کی شام کو ملک کے دیگر شہروں کی طرح مدراس میں بھی میلاد کمیٹی کے زیر اہتمام میلاد النبیؐ کا شاندار جلوس نکلتا ہے جس کا اختتام جامع مسجد والاجاہی پر ہوتا ہے۔ مغرب کے بعد تقاریر وغیرہ کا جو سلسلہ شروع ہوتا ہے تو فجر کی اذان تک چلتا ہے۔ آج کی شام اور پھر پوری رات یہاں پر جشن کا سا سماں ہوتا ہے۔ نہ صرف مسجد والاجاہی کا احاطہ لوگوں سے پُر ہوتا

ہے بلکہ سڑکوں اور گلیوں تک "فرزندانِ توحید کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر"
نظر آتا ہے پچھلے دس دنوں میں جلسوں میں جتنی روزانہ حاضری ہوتی تھی آج اس
سے دس پندرہ گنا زیادہ ہوتی ہے۔ یوں سمجھئے جیسے پورا شہر اُمنڈ آیا ہو ۔۔۔
آج رات کے جلسہ کی صدارت نواب صاحب آرکاٹ کرتے ہیں، یہ روایت برسہا
برس سے چلی آرہی ہے۔

چونکہ آج رات کے جلسہ کی صدارت نواب صاحب کو کرنی تھی اس لئے
انہوں نے مہمان مقرر یعنی ڈاکٹر صاحب کو مدعو کرنے کے لئے اپنے بیٹے کو ڈاکٹر
صاحب کی خدمت میں بھیجا ۔۔۔ یہ تھی اُن کی شانِ نزول۔

میری تو کچھ طبیعت خراب تھی اس لئے میں تو نہ جا سکا اور اس جشن کی
"نعمتوں" سے محروم رہا۔ ڈاکٹر صاحب تشریف لے گئے اور حسبِ معمول رات
کو بارہ بجے کے بعد ہی تشریف لائے۔ میں اُس وقت تک سو چکا تھا۔ طبیعت تو
میری معمولی سی خراب تھی لیکن ہمارے میزبان محمد امین صاحب کچھ گھبرا گئے۔ کہنے
لگے ڈاکٹر کے پاس لے چلوں۔ میں نے کہا اس کی ضرورت نہیں۔ کافی دیر تک میرے
پاس رہے۔ پھر جب جلسہ میں شرکت کے لئے جانے لگے تو اپنے خادم سے تاکید سے
کہہ گئے کہ میرا خصوصی خیال رکھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں خوش رکھے، انہیں کتنا خیال تھا
میرا ۔۔۔!

آج کے جلسہ کے لئے ایک خصوصی پوسٹر شائع ہوا تھا جس میں رات بھر کے
پروگرام کی تفصیل تھی۔ بیانِ ولادت اور درود و سلام کے علاوہ کئی حضرات کی
تقاریر تھیں۔ جن میں پہلا نام تھا ڈاکٹر صاحب کا اور دوسرا نام مولانا محمد اعجاز
اسلم صاحب امیر جماعتِ اسلامی حلقہ ٹامل ناڈو کا تھا ۔۔۔ پہلی تقریر ڈاکٹر صاحب
کی تھی جس کا موضوع تھا:

۔۔۔ "نبی اکرمؐ سے ہمارا تعلق" ۔۔۔ اس تقریر نے سامعین پر بہت عمدہ تاثر چھوڑا
۔۔۔ ہمارے عوام الناس نے نبی اکرمؐ سے تعلق کی جو بنیادیں قائم کی ہوئی تھیں
اور اُن پر جو ردّے ہمارے مولوی حضرات نے چڑھائے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی بیان
کردہ نبی اکرمؐ سے تعلق کی بنیادیں اُن سے بالکل مختلف تھیں ۔۔۔ کیونکہ زبان سے

نبی اکرمؐ کی شان میں تعریفوں کے پل باندھنا بہت آسان ہے مگر زندگی کو نبی اکرمؐ کی تعلیمات کے مطابق ڈھالنا بہت مشکل۔ اس لئے کہ اس راہ میں مشکلات آتی ہیں۔ قربانیاں دینی ہوتی ہیں بقول شاعر ؎

ترکِ جاں و ترکِ مال و ترکِ سر
در طریقِ عشق اوّل منزل است

اور

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

جماعت اسلامی کے امیر مولانا محمد اعجاز اسلم صاحب نے ڈاکٹر صاحب کی تقریر پہلی بار سُنی۔ وہ بھی بہت متاثر تھے۔ رات چونکہ خاصی ہوگئی تھی اور دن بھر سفر کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب تھکے ہوئے بھی تھے۔ اس لئے اپنی تقریر ختم کرکے واپس قیام گاہ آگئے۔ اور دوسرے مقرر یعنی مولانا اعجاز اسلم صاحب کی تقریر نہ سُن سکے۔ اگلے روز جب اعجاز اسلم صاحب ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے لئے ہماری قیام گاہ پر تشریف لائے تو ڈاکٹر صاحب نے سب سے پہلے اُن کی تقریر نہ سننے کی معذرت کی

مسجد والاجاہی جس کے احاطہ میں یہ جلسے ہوتے ہیں تاریخی مسجد ہے اسی کے زیرِ سایہ حضرت مولانا عبدالعلیٰ لکھنویؒ کا مزار ہے۔ غیر مناسب نہ ہوگا اگر ان بزرگ کے سلسلہ میں بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے۔

جس وقت صوبۂ مدراس پر انگریز مسلط ہوگئے اور آرکاٹ کے نواب اُن کے وفادار بن کر ظاہری شان و شوکت کے دن گذارنے لگے تو اس پورے صوبہ میں ضلع شمالی ارکاٹ ہی ایک ایسا مردم خیز علاقہ تھا جہاں سے علوم و عرفان کے آثار نمایاں ہونے شروع ہوئے۔ پتہ نہیں کس رونے والی آنکھ نے اپنے آنسوؤں کے قیمتی موتی ان علاقوں میں بکھیر دیئے تھے جن کی روشنی سے یہ علاقہ جگمگا رہا تھا۔ حضرت سید احمد شہید بریلویؒ کی شہادت کے بعد ان کی خالص اسلامی تحریک اغیار کی سازش اور

پس کی بغاوت کے باعث جب ناکام ہو گئی تو اس تحریک کے علمبردار اور بے لوث
رمتگار ملک کے دُور دُور علاقوں میں دینی خدمات انجام دینے کے لئے پھیل گئے۔
بنانچہ حضرت مولانا محمد علی رامپوری رح (خلیفہ حضرت شہید بریلوی رح) مدراس پہنچ کر
سجد امیر النساء تر ملکمرڑی میں قیام پذیر ہوئے - ایک سال تک شہر اور اطراف کے
لاقوں میں دینی علوم و معارف سے ہزاروں عوام کو مستفید فرمایا - اصلاحِ اعمال
لقائد کی یہ دینی خدمت اُن دنوں پورے شباب پر تھی - نواب والاجاہ بہادر
رد اُن کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے اور ان کی بیگم حضرت سے بیعت ہو چکی تھیں۔
نیادار علماء نے اپنے مفاد کی خاطر ان کے خلاف سازشیں شروع کیں - حضرت مولانا
اہ اسمٰعیل شہید رح کی تصنیف " تقویۃ الایمان " کے متعلق خواص و عوام کو اُبھارا۔
ں کتاب کے مضامین کو مصنف کے مذاق کے خلاف غلط جامہ پہنا کر حضرت سے استفسار
روع کر دیا اور اس کتاب کے متعلق باقاعدہ علماء کی مجلس استفسار کے لئے

نواب صاحب نے منعقد کیں - اس کے بعد حضرت قاضی بدرالدولہؒ نے (موجودہ ترقاضی حبیب اللہ صاحب کے جدّ امجد) جو سرکار کی طرف سے شعبۂ قضاوت کے صدر تھے اس کی تائید میں فتویٰ صادر فرما دیا لیکن مخالفت کا سلسلہ بیرونی سازشوں کی وجہ سے بند نہ ہو سکا - حضرت رام پوریؒ سے اُن کے دورانِ قیام میں ہزاروں خواص و عوام بیعت ہو چکے تھے لیکن مفاد پرست افراد کی مسلسل سازشوں سے دل برداشتہ ہو کر حضرت نے حج کے ارادہ سے اس علاقہ کو خیر باد کہہ دیا -

اس بزرگ کے دینی و رُوحانی فیوض کے اثرات کی وجہ سے حضرت مولانا عبدالعلی لکھنویؒ کو دینی خدمت کے لئے راہ ہموار ہوئی اور مسجد والاجاہی کے زیر سایہ ایک خاص دینی درس گاہ قائم ہوئی موصوف اپنی خدماتِ علمی کی بنا پر بحرُ العلوم کے خطاب سے مشہور ہوئے جن کا مزار مسجد والاجاہی کے پہلو میں خدماتِ عالیہ کی عظمتِ رفتہ کی یاد دلا رہا ہے -

میں نے اُن کے مزار پر جا کر فاتحہ پڑھی - مزار کے اُوپر تحریر تھا:-

مولانا ملک العلماء بحر العلوم عبدالعلی محمد

۱۳ ر رجب ۱۲۲۵ھ

از سرِ طلبہ کہو شرقی یہ تاریخِ وصال

اب جہاں سے ہو چکی ہے رحلتِ بحر العلوم

---

۱۹ - جنوری بروز پیر

آج صبح مختلف حضرات ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے لئے آتے رہے - مولانا سید شاہ صبغۃ اللہ بختیاری صاحب اور مولوی عبدالجبار صاحب کے علاوہ حسب ذیل حضرات ملاقات کو تشریف لائے اور مختلف مسائل پر دیر تک ڈاکٹر صاحب سے تبادلۂ خیالات کرتے رہے (۱) اعجاز احمد اسلم صاحب ایم - اے - امیر جماعت اسلامی صوبہ ٹامل ناڈو (مدراس)، جو ڈاکٹر صاحب کی رات کی تقریر سے اتنے متاثر تھے کہ صبح ہی ملاقات کے لئے تشریف لے آئے اور بہت دیر تک تحریکی

مسائل پر گفتگو فرماتے رہے (۲) عبدالرقیب صاحب ناظم اسٹوڈنس اسلامک سرکل تامل ناڈو مع دو عدد رفقاء کے ۔ انہوں نے اپنی تنظیم کا تفصیل سے تعارف کرایا اور بتایا کہ وہ کس طرح طلباء میں کام کر رہے ہیں ۔ اپنے کچھ تعارفی LEAFLETS بھی پیش کئے ۔ جن سے اُن کی سرگرمیوں کا حال معلوم ہوا ۔ ہم نے بھی ڈاکٹر صاحب کی کتب کا ایک سیٹ ہدیہ کیا ۔ ان کی سرگرمیاں اسی طرح کی ہیں ۔ جس طرح ہمارے ہاں اسلامی جمعیت طلباء کی ۔ سال میں تین چار بار صوبے کے مختلف مقامات پر ان کی تربیت گاہیں (TRAINING CAMPS) بھی منعقد ہوتی ہیں ۔ ان نوجوانوں سے مل کر واقعہ یہ ہے کہ دل بہت خوش ہوا ۔ اللہ تعالیٰ ان کو راہ راست پر گامزن رکھے اور ان کی سعی وجہد کو قبول فرمائے آمین ! (۳) عظیمی صاحب (معذرت خواہ ہوں کہ ان کا پورا نام ذہن میں محفوظ نہیں رہا) ان بزرگوار کی زندگی کا مشن عربی کی تعلیم کا فروغ ہے تاکہ لوگوں کو قرآن حکیم سمجھنے میں آسانی ہو اس سلسلہ میں ایک کتابچہ بھی تحریر کیا ہے ۔ اسی سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب نے انہیں کچھ مفید مشورے دیئے ۔ اور اپنے کتابچے پیش فرمائے ۔ گو کہ بہت ضعیف ہیں لیکن کام کی دھن کے اعتبار سے جوانوں کا سا دل رکھتے ہیں ۔ (۴) کرامت اللہ بھٹی صاحب اور رشید احمد صاحب — یہ دونوں نوجوان اس سے قبل بھی کئی بار آچکے تھے اور چاہتے تھے کہ عربک اسٹڈی سرکل اور صفہ لائبریری کا سالانہ اجلاس منعقد کریں جس میں ڈاکٹر صاحب خطاب فرمائیں ۔ اجلاس اپنے دفتر میں کرنا چاہتے تھے لیکن بعد میں یہ طے ہوا کہ ۱۲ ربیع الاوّل کو یہ سالانہ اجلاس احاطہ مسجد والا جاہی میں عصر تا مغرب منعقد ہو ۔ جس میں ڈاکٹر صاحب تقریر فرمائیں ۔ اس وقت یہ حضرات اسی سلسلہ میں یاددہانی اور مزید کچھ گفتگو کرنے کے لئے تشریف لائے تھے ۔ عربک اسٹڈی سرکل اور صفہ لائبریری کی جانب سے ڈاکٹر صاحب کی اس تقریر کا نہ صرف پوسٹر شائع ہوا بلکہ باقاعدہ دعوت نامے بھی طبع کرائے گئے جو خصوصی حضرات کی خدمت میں ارسال کئے گئے ۔ (۵) یہاں کے ایک بہت بڑے چمڑے کے تاجر ہیں بلکہ چند بڑوں میں سے ایک ہیں ۔ اسم گرامی ہے اُن کا ٹی عبدالواحد صاحب ۔ اُن کے صاحبزادے بھی آج ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کو

تشریف لائے ہوئے تھے۔ ٹی عبدالواحد صاحب نہ صرف بڑے کامیاب تاجر ہیں بلکہ بہت ہی صاف ستھرا دینی و علمی ذوق رکھتے ہیں۔ دیوبند اور ندوہ سے متاثر ہیں۔ آپ نے مدراس میں ایک اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن قائم کی ہوئی ہے جس کے تحت علمی و تحقیقی کام کے علاوہ جید علماء کرام کو خطبات دینے کے لئے مدعو کیا جاتا ہے۔ جن میں مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اور مولانا ابوالحسن علی ندوی بھی شامل ہیں۔ ۸۴۔ میں مولانا عبدالماجد دریابادی نے یہاں پر جو لیکچر دیئے تھے اُن کا مجموعہ "ٹی۔ عبدالواحد اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن" نے "مشکلات القرآن یا قرآنی مطالعہ بیسویں صدی میں" کے عنوان سے شائع کیا ہے۔

ڈاکٹر نذیر محمد صاحب نے ہمیں آج اپنے گھر پر دوپہر کے کھانے پر مدعو فرمایا تھا۔ ہمارے علاوہ عبدالصمد صاحب، محمد امین صاحب، محمد حیات صاحب عظیم صاحب اور افضال صاحب بھی مدعو تھے۔ دسترخوان انواع و اقسام کے پر تکلف کھانوں سے سجا ہوا تھا۔ اقسام اس قدر تھیں کہ گننا مشکل تھا — ڈاکٹر نذیر محمد صاحب نے بہت ہی تکلف سے کام لیا تھا۔ یہاں پر میں عطاء اللہ صاحب کا نام لئے بغیر نہیں گذر سکتا یہ صاحب ڈاکٹر نذیر محمد صاحب کے بہت ہی قریبی عزیز تھے اور کھانا کھلانے پر مامور تھے۔ مامور کیا تھے بلکہ دسترخوان کے "دار وغہ" تھے۔ ایک ایک چیز کھلانے پر بے حد اصرار کرنا اور منع کرنے کے باوجود پلیٹوں میں ڈالتے چلے جانا — ان کی ہم سے بے حد محبت کی دلیل تھا — ہم کو تو نہیں لیکن ہمارے ایک آدھ مدراسی رفیق کو ان کی حد سے بڑھی ہوئی محبت سے کچھ کوفت سی محسوس ہونے لگی۔ ایسے موقعہ پر ہوتا یہ ہے کہ اگر بہت سے کھانے دسترخوان پر موجود ہوں تو ہر شخص اپنے ذوق اور اپنی رغبت کے لحاظ سے کوئی چیز زیادہ اور کوئی چیز کم اپنی پلیٹ میں نکالتا ہے۔ اس کے لئے اُسے آزاد چھوڑ دیا جائے تو بہتر رہتا ہے لیکن اگر اس کا لحاظ کئے بغیر ہر قسم کا کھانا اُس کی پلیٹ میں جبراً بھر دیا جائے تو ظاہر ہے اُسے کچھ کوفت محسوس ہوگی — ہمیں بہرحال یہ کوفت محسوس نہیں ہوئی اور اگر ہوتی بھی تو اس کا علاج ہمارے لئے "دوکوفتے" تھے۔

عصر کے فوراً بعد احاطہ مسجد والاجاہی کے پنڈال میں عربک اسٹڈی سرکل و صفہ

لائبریری کا سالانہ جلسہ تھا۔ سب سے پہلے سید کرامت اللہ بھینی صاحب نے سرکل و لائبریری کی سالانہ رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ بعد ازاں ڈاکٹر صاحب نے خطاب فرمایا۔ مغرب سے قبل اجتماع کی کارروائی ختم ہوئی۔

مغرب کے بعد سیرت نبوی پر ڈاکٹر صاحب کی آخری تقریر ہوئی جس کا موضوع تھا "نبی اکرم ؐ کے مشن کی تکمیل اور ہمارا فرض"

عشاء کے بعد ہم عبدالصمد صاحب کے گھر گئے۔ انہوں نے آج اپنے ہاں ہمیں کھانے پر مدعو فرمایا تھا۔ دعوتیں کھا کھا کر سچی بات تو یہ ہے کہ اپنی حالت خراب ہو رہی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ سادہ کھانا کہیں سے کھانے کو ملے۔ کچھ ایسا ہی حال ڈاکٹر صاحب کا معلوم ہوتا تھا۔ عبدالصمد صاحب نے بڑا کرم کیا کہ کھانے کے ITEMS کم رکھے مگر جو کچھ تھا انتہائی لذیذ تھا۔

عبدالصمد صاحب کے ہاں سے فارغ ہو کر ہم اپنی قیام گاہ پر پہنچے۔ صبح کی فلائٹ سے ہمیں بمبئی روانہ ہونا تھا اس لئے اس کی تیاری کرنی تھی ـــــ لیکن یہاں پر تو ملاقاتیوں کا تانتا بندھ گیا ـــــ سب سے پہلے مولوی عبدالجلیل صاحب اور ان کے بھتیجے مولوی عبدالباقی صاحب تشریف لائے۔ پھر ملنگ محمد حیات صاحب کی تشریف آوری ہوئی۔ ملنگ کے لفظ سے آپ دھوکا نہ کھائیں۔ یہ ہمارے ہاں جیسے "ملنگ" نہیں ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان ہیں اور چمڑے کے بڑے بیوپاری ہیں۔ "ملنگ" تو دراصل اُن کا SIRNAME ہے ـــــ ان کے بعد تشریف لے آیا ایک پورا گروپ جو محمد اعجاز اسلم صاحب امیر جماعت اسلامی حلقہ تامل ناڈو محمد عتیق صاحب ناظم دفتر جماعت اسلامی، اُن کے چند اور ساتھی اور اسٹوڈنٹس اسلامک سرکل کے چند نوجوانوں پر مشتمل تھا ـــــ اب ایک مشکل مرحلہ درپیش تھا ـــــ ایک طرف تھے مولوی عبدالجلیل صاحب جنہیں جماعت اسلامی سے خدا واسطے کا بیر تھا اور اُن کے بھتیجے مولوی عبدالباقی صاحب ـــــ اور دوسری طرف تھے ـــــ جماعت اسلامی کے امیر و دیگر رفقاء کرام ـــــ آگ اور پانی جمع ہو گئے تھے ـــــ جماعت کے ساتھیوں کو تو مولوی عبدالجلیل صاحب کے ساتھ بیٹھنے میں کوئی تکلف نہ ہوتا لیکن مولوی صاحب جماعت والوں کے ساتھ بیٹھیں یہ ناممکن

اس کا حل ہم نے یہ نکالا کہ میں تو سونے کے کمرہ (BED-ROOM) میں مولوی عبدالجلیل صاحب اور مولوی عبدالباقی صاحب کو لے کر بیٹھ گیا اور ان سے گفتگو کرتا رہا اور ڈاکٹر صاحب ڈرائنگ روم میں جماعت کے امیر اور رفقاء کے ساتھ تشریف فرما ہوئے - جماعت کے یہ حضرات مختلف مسائل پر ڈاکٹر صاحب سے باقاعدہ گفتگو کرنے آئے تھے - ایک ٹیپ ریکارڈ بھی ساتھ لائے تھے جس سے پوری گفتگو ریکارڈ کی گئی - ڈیڑھ دو گھنٹہ تک تبادلۂ خیالات جاری رہا — یہ عرصہ مجھ پر نہایت شاق گذرا — میں اس گفتگو میں سننے کی حد تک ضرور شرکت چاہتا تھا — کبھی کبھی ذرا سی دیر آکر بیٹھ بھی جاتا تھا مگر پھر اس خیال سے کہ مولوی عبدالجلیل صاحب کچھ محسوس نہ کریں پھر اُٹھ کر اُن کے پاس جا بیٹھتا — ویسے اس دورانِ مولوی صاحب سے میری گفتگو بھی بہت مفید رہی اور میری معلومات میں خاصا اضافہ ہوا مثلاً۔

— یہ کہ شہر مدراس کی آبادی تقریباً ۲۴ لاکھ ہے - جس میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً دو لاکھ ہے -

— صوبہ ٹامل ناڈو کی آبادی سات کروڑ کے لگ بھگ ہے - جن میں مسلمان تقریباً نو لاکھ ہیں -

— پورے صوبہ میں مسلمانوں کے چوبیس کالج ہیں جن میں اکثریت غیر مسلم طلباء کی ہے - بعض مقامات پر تو غیر مسلم طلباء اسّی فی صد تک ہیں - ستّر ہائی اسکول لڑکوں کے اور پانچ لڑکیوں کے ہیں یہ سب ادارے سرکاری امداد کے ساتھ چل رہے ہیں -

مدراس کا علاقہ پیری میٹ چمڑے کی عالمی منڈیوں میں سے ایک ہے اور یہاں کی پوری تجارت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے - تمباکو اور بیڑی کی تجارت بھی اکثر و بیشتر مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں ہے -

صوبہ ٹامل ناڈو کے گورنر صادق علی صاحب (مسلمان) صوبہ کی ہائی کورٹ کے چیف جسٹس محمد اسمٰعیل صاحب (مسلمان — وزیر اوقاف ، بلدیاتی ادارے اور دیہی ترقی ضیاء محمد صاحب (مسلمان - نیز مدراس کے انسپکٹر جنرل پولیس بھی مسلمان ہیں - صوبہ میں آبادی کا اتنا کم تناسب ہونے کے باوجود اتنے اہم عہدے مسلمانوں کے پاس ہونا ایک اچھی علامت ہے -

ہم مدراس تک تو پہنچ ہی گئے تھے اب جنوبی ہند کا آخری کنارہ یعنی راس کماری کوئی زیادہ دُور نہ تھا۔ اگر ویزا کی پابندیاں نہ ہوتیں تو راس کماری ضرور جا کر دیکھتے اور وہاں سے سمندر کے پار لنکا کا ساحل بھی دیکھ لیتے ـــ راس کماری کو یوں بھی ہماری سیاسی زندگی میں ایک اہم مقام حاصل رہا ہے۔ غیر منقسم انڈیا میں جب بھی کوئی تحریک چلتی تو نعرہ یہی ہوتا "خیبر سے راس کماری تک" یعنی راس کماری کا نام ضرور آتا مولوی عبدالجلیل صاحب نے انکشاف فرمایا کہ تقسیم کے بعد اس کماری کو بھی شدھی کر لیا گیا ہے ـــ تو اے پاکستانی مسلمانو! سُن لو اب "راس کماری" نہیں رہا اب اُس کا نام "کنہیا کماری" ہے ـــ "کنہیا کماری"۔ کہئے آیا خیال شریف میں ـــ!!

امیر جماعت اسلامی اور اُن کے رفقاء سے ڈاکٹر صاحب کی کیا گفتگو ہوئی؟ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، میں چونکہ باوجود خواہش کے اس محفل میں موجود نہ تھا اس لئے اُس گفتگو کو نہ سن سکا ورنہ ضرور قلمبند کرتا اور آپ کو سُناتا ـــ مدراس سے صبح ہی روانہ ہونا تھا اس لئے وقت نہ تھا ورنہ وہ ٹیپ ہی سُن لیتا جو جماعت کے رفقاء نے کیا تھا ـــ البتہ تھوڑی سی دیر وہاں بیٹھنے سے یہ معلوم ہوا کہ امیر جماعت اسلامی جناب محمد اعجاز اسلم صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو حیدر آباد دکن میں اگلے ماہ ہونے والے کُل ہند سالانہ اجتماع میں شرکت کی دعوت دی بلکہ اس پر اصرار بھی کیا۔

ـــ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ابھی اجتماع ہونے میں ایک ماہ کے قریب کا عرصہ ہے اتنا عرصہ یہاں پر ٹھیرا نہیں جا سکتا اور دوسرے یہ کہ ویزا میں حیدر آباد دکن کا مقام درج نہیں کہ وہاں پر جایا جا سکے۔ اس لئے اگر آپ کی یہ خواہش ہی ہے کہ میں سالانہ اجتماع میں ضرور شرکت کروں تو آپ مرکز جماعت کی جانب سے باقاعدہ دعوت نامہ مجھے میرے لاہور کے پتہ پر بھجوا دیجئے چونکہ انڈیا جانے کی اجازت سال میں صرف ایک ہی دفعہ ملتی ہے اس لئے آپ کا باقاعدہ دعوت نامہ آنے پر مجھے دوبارہ اجازت حاصل کرنے میں بھی آسانی رہے گی ـــ امیر جماعت فرمانے لگے کہ امیر جماعت اسلامی ہند مولانا محمد یوسف صاحب عنقریب یہاں صوبہ کے دورہ پر تشریف

نے والے ہیں، اُن سے گفتگو کر کے ان شاء اللہ دعوت نامہ ارسال کر دیا جائے گا
— لیکن یہ دعوت نامہ ڈاکٹر صاحب کو موصول نہیں ہوا، ممکن ہے کہ ڈاک کی
غلطی کی نذر ہو گیا ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ جناب اعجاز احمد اسلم صاحب امیر جماعت
سے بات کرنا بھول گئے ہوں اور اس کا بھی امکان ہے کہ پاکستانی "دوستوں"
کی ناراضگی کا خیال کرتے ہوئے دعوت نامہ نہ بھیجنے ہی میں مصلحت سمجھی گئی ہو۔

صوبہ تامل ناڈو اور قریب وجوار میں ہریجنوں کو مسلمان بنانے کی مہم کافی ——
عرصہ سے خاموشی کے ساتھ چل رہی ہے ۔ جماعت اسلامی بھی اس سلسلہ
میں خاصا موثر کام کر رہی ہے ۔ اس کے رفقاء کی سعی و جہد سے بہت سے
ہریجن مسلمان ہو چکے ہیں ۔ جماعت نے اس سلسلہ میں ایک مستقل تربیت گاہ
بھی قائم کر رکھی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ جو ہریجن مسلمان ہوں انہیں ضروری
تعلیم و تربیت دی جائے تاکہ وہ مسلمان معاشرہ میں اجنبی نہ رہیں بلکہ اپنا موثر
کردار ادا کر سکیں ۔ پاکستان میں نئی نسل کے بہت سے نوجوان شاید ہریجنوں
سے واقف نہ ہوں تو عرض ہے کہ ہندوؤں کے مذہب میں چھوت چھات بہت
ہے ۔ بلکہ یہ ہے ہی چھوت چھات کا مذہب ۔ اونچی ذات کے ہندو برہمن کہلاتے ہیں
اور نیچی ذات کے ہندو ہریجن ۔ اونچی ذات کے ہندو نیچی ذات کے ہندوؤں
سے رشتہ داری وغیرہ تو بہت دُور کی بات ہے میل ملاپ میں بھی عار محسوس
کرتے ہیں اپنی دوکانوں سے انہیں سودا نہیں دیتے ۔ اپنے ہوٹلوں میں انہیں
داخل نہیں ہونے دیتے انہیں ذلیل سمجھتے ہیں — ان کے درمیان ہندوستان
کے مختلف مقامات پر فسادات بھی ہوتے رہتے ہیں (ہندو مُسلم فساد کی طرح
یہ فسادات بھی بھارت میں عام ہیں) ۔ درجنوں ایسے دیہات ہوں گے جہاں
ہریجنوں کی بستیاں اونچی ذات کے ہندوؤں نے جلا ڈالی ہیں ——
ہریجن اس صورتِ حال سے عرصۂ دراز سے پریشان ہیں ۔ ابھی پچھلے دنوں جنوبی
ہند میں ہریجنوں کا ایک کنونشن بھی منعقد ہوا تھا ۔ جہاں یہ مسئلہ زیرِ غور
آنا تھا ۔ کہ انہیں ہندو مذہب چھوڑ کر کس مذہب کو اختیار کرنا چاہیئے ۔
اس کنونشن سے قبل عیسائیوں، مسلمانوں اور بدھ مت والوں نے ہر ممکن

شش کی کہ فیصلہ اُن کے حق میں ہو جائے ۔ ڈاکٹر امبیدکر جو ہریجنوں کے
ہندپیمانہ کے لیڈر میں اُن کا جھکاؤ بدھ مت کی طرف تھا ۔ سُنا ہے کہ یہ
نشن واضح فیصلہ کے بغیر ختم ہو گیا ۔

ڈاکٹر صاحب نے امیر جماعت اور رفقاء جماعت کو اس خدشہ کی طرف
توجہ دلائی کہ یہ کام ابھی تک تو خاموشی کے ساتھ ہو رہا ہے پھر بھی یہ تو ناممکن ہے
ہندوؤں کو اس کا علم نہ ہو لیکن اگر یہ مہم زور پکڑ گئی تو عین ممکن ہے کہ ہندوؤں
طرف سے اس کا ردِ عمل شدید ہو ۔ اور جنوبی ہند جو اکثر و بیشتر ابھی تک ہندو
مسلم فسادات سے بچا ہوا ہے مبادا اس کی شدید لپیٹ میں آجائے ـــ ڈاکٹر
صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اسلام کی دعوت جس کی جماعت اسلامی علمبردار ہے وہ
آفاقی (UNIVERSAL) ہے ۔ اس کے مخاطب صرف مسلمان ہی
نہیں عامۃ الناس ہیں اس لئے اصل دعوت کو چھوڑ کر یا اُس کے ساتھ ساتھ
ہندوؤں کو مسلمان بنانے کی یہ جزوی مہم بھی شروع کر دی گئی تو ایسا نہ ہو کہ ہم
اپنی دعوت اور غیر مسلموں کے درمیان BAR نہ بن جائیں ـــ جماعت کے
حضرات نے ڈاکٹر صاحب کی گفتگو نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ سُنی اور ان
کے موقف کو سراہا ـــ یوں تو ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ان حضرات کی پوری گفتگو
نہایت ہی سکون اور اطمینان کے ماحول میں ہوئی کسی قسم کی بحث یا تلخی کا تو سوال
ہی نہیں تھا ـــ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ڈاکٹر صاحب اپنے ہی ساتھیوں کے
درمیان بیٹھے گفتگو کر رہے ہوں ۔

جب یہ ہریجنوں کے مسلمان ہونے کی بات چل ہی نکلی ہے تو یہ اور بتاتا
چلوں کہ ہمارے اس دورہ کے تقریباً ایک ماہ بعد یعنی فروری ۱۹۸۱ء میں
وہاں سے (MASS CONVERSION) کی خبر آئی ۔ یعنی صوبہ جات تامل
ناڈو اور کیرالا کی سرحد پر واقع ایک گاؤں مینا کشی پورم (MEENAKSHI
PURAM) کے نام سے ہریجنوں کا تقریباً ایک پورا گاؤں کا گاؤں
مسلمان ہو گیا ۔ اس گاؤں کی آبادی ایک ہزار کے قریب ہو گی جس میں سے
۹۷۸ افراد نے اسلام قبول کر لیا ۔ نو مسلموں نے گاؤں کا نام بدل کر "رحمت نگر"

کر دیا۔ ——— اس کے بعد اُمید ہو چلی ہے کہ قریب کے گاؤں کے ہریجن بھی اسلام قبول کر لیں گے۔ کیونکہ انگریزی کے مشہور اخبار "انڈین ایکسپریس" کے مطابق وہاں کا اب GENERAL MOOD یہی ہے اُس کے الفاظ ہیں:

("THE GENERAL MOOD AMONG THE HARIJANS IN THE DISTRICT AS A WHOLE SEEMS TO BE IN FAVOUR OF EMBRACING ISLAM")

اس گاؤں کے باشندے ہریجن ضرور تھے لیکن اکثریت تعلیم یافتہ لوگوں کی ہے۔ ان میں ڈاکٹر بھی ہیں، سرکاری ملازمین بھی ہیں۔ پولیس کی ملازمت میں بھی ہیں، اسکولوں میں استاذ بھی اور تاجر پیشہ حضرات بھی۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ جو SOCIAL STATUS انہیں اسلام میں ملا ہے وہ نہ عیسائیت میں مل سکتا تھا اور نہ بُدھ مت میں۔ ان حضرات کے پاس کسی چیز کی کمی نہ تھی اگر کمی تھی تو SOCIAL STATUS کی اور وہ اسلام کی آغوش میں انہیں حاصل ہو گیا۔ انہیں مسلم معاشرہ میں وہ تمام حقوق حاصل ہیں جو نسلی مسلمانوں (BORN MUSLIMS) کو حاصل ہیں۔ نسلی مسلمان "رحمت نگر" کے نومسلموں کے ساتھ شادی بیاہ کے رشتے کرنے کو تیار ہیں بلکہ انہیں اپنی بیٹیاں دینے کو تیار ہیں۔ عیسائیت کے بارے میں نومسلموں کا خیال ہے کہ انہیں صرف اپنی تعداد بڑھانے کی فکر ہوتی ہے۔ انہیں عیسائی بنا لینے کے بعد اس بات کی کوئی فکر نہیں ہوتی کہ کون شخص کس حال میں ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے جن خدشات کا ذکر کیا تھا وہ اس لحاظ سے فوراً ہی سامنے آرہے ہیں۔ کہ انڈیا کے قومی پریس نے اس مہم پر بڑا واویلا مچایا ہوا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ یہ مہم ۱۹۷۶ء سے خاموشی سے جاری ہے اور اب تک آٹھ ہزار سے زائد ہندو مسلمان ہو چکے ہیں۔ ہندوؤں کی مذہبی اور سماجی تنظیمیں بھی حرکت میں آگئی ہیں۔ آریہ سماج نے اپنا ایک وفد جنوبی ہند بھیجا تاکہ صورتحال کی پوری رپورٹ پیش کرے۔ یہ بھی شور مچایا گیا کہ مسلمانوں کو اس سلسلہ

ہیں سعودی عرب اور خلیج کی ریاستوں سے ہریجنوں میں تقسیم کیلئے پیسہ مل رہا ہے اور یہ سب کچھ اسی پیسہ کا کھیل ہے — جنوبی ہند کی ایک ہندو تنظیم نے اس کا فوری نوٹس لیتے ہوئے ہریجنوں کی اونچی ذات کے ہندوؤں کی طرف سے شکایات اور تکالیف دور کرنے کی مہم چلائی ہوئی ہے۔ جس کے نتیجہ میں اونچی ذات کے ہندوؤں نے ہریجنوں کی تقاریب میں شرکت کرنا اور ان کے کالی مندروں (KALT TEMPLES) میں جانا شروع کر دیا ہے۔ اسی تنظیم کا دعویٰ ہے کہ اس کی کوششوں سے اب تک اڑتیس نو مسلموں کو دوبارہ ہندو مت میں لایا جا چکا ہے۔ بہر حال ہریجنوں کو منانے اور اُن کی شکایات دُور کرنے کی مہم زوروں پر رہی ہے تاکہ ہریجنوں کو مسلمان ہونے سے روکا جا سکے — خدا کا شکر ہے کہ اس سلسلہ میں کہیں ہندو مسلم فساد کی نوبت تو نہیں آئی لیکن ہندوستان کے حالات دیکھتے ہوئے کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ خدانخواستہ کب کیا ہو جائے — اللہ تعالیٰ وہاں کے مسلمانوں کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ آمین! اس کا بھی خدشہ ہے کہ حکومتی سطح پر اس کا نوٹس لیا جائے۔

واضح رہے کہ ہریجنوں میں اسلام کی تبلیغ کا یہ کام صرف جماعت اسلامی ہی نہیں کر رہی بلکہ اس میں بہت بڑا حصہ جنوبی ہند کے مسلمانوں کی ایک تنظیم جنوبی ہند اسلامک سوسائٹی (SOUTH INDIAN ISLAMIC SOCIETY) کا ہے۔ اس کے تحت یہ کام بہت بڑے پیمانہ پر کیا گیا ہے۔

رات کو ایک بجے کے بعد جماعت کے رفقاء کی واپسی ہوئی۔ اُن کے جانے کے بعد مولوی عبدالجمیل صاحب اور مولوی عبدالباقی صاحب کمرہ سے نکل کر باہر آئے اور تھوڑی دیر ڈاکٹر صاحب کے پاس بیٹھے۔ ڈاکٹر صاحب نے بہت معذرت کی کہ جماعت کے لوگوں کی وجہ سے وہ انہیں زیادہ وقت نہ دے سکے۔ رات چونکہ کافی گذر چکی تھی اس لئے مختصر گفتگو کے بعد یہ حضرات بھی رخصت ہو گئے اور ہم لوگ بستر پر دراز ہو گئے۔

مولوی عبدالجمیل صاحب باقوی کے متعلق میں بہت کچھ تحریر کر چکا ہوں۔ جمالی کیفیت ہونے کی وجہ سے اُن کی زندگی کا ایک رُخ ایسا بھی ہے جسے میں

پہلے بیان کرنے سے کچھ جھجکتا رہا۔ لیکن اب جبکہ رپورتاژ کی یہ تیسری قسط ختم ہو رہی ہے تو خیال آیا کہ لگے ہاتھوں کیوں نہ اس کو بھی بیان کر ہی دیا جائے تو لیجئے حضرات سماعت فرمایئے!

مولوی صاحب کو آٹوگراف لینے کا بہت شوق ہے۔ ہر وقت جیب میں چھوٹی سی آٹوگراف بک رکھتے ہیں۔ ہر نئے شخص کو یہ آٹوگراف بک ضرور دکھاتے ہیں تاکہ اُسے معلوم ہو جائے کہ مولوی صاحب کی "اُڑان" کہاں کہاں تک ہے — ڈاکٹر صاحب کے بھی انہوں نے آٹوگراف حاصل کئے — ہمیں بھی انہوں نے اپنی آٹوگراف بک ورق بہ ورق دکھانے کی "سعادت" حاصل کی — مسز اندرا گاندھی کا آٹوگراف دکھایا جو موصوف نے دیوبند کے صد سالہ اجلاس کے موقع پر موصوفہ سے حاصل کیا تھا — بلکہ بقول اُن کے موصوف نے دہلی میں اُن سے ملاقات کی خواہش بھی ظاہر کی اور آٹوگراف کے ساتھ موصوفہ کے دفتر اور گھر کے ٹیلی فون نمبر بھی نوٹ کرا لئے۔ دیوبند کے صد سالہ اجلاس کے بعد مولوی صاحب پاکستان تشریف لائے — اور بقول اُن کے بیگم نصرت بھٹو کے پاس "تعزیت" کیلئے تشریف لے گئے۔ اُن سے بھی آٹوگراف حاصل کر لیا — اب یہ بھٹو صاحب کا زمانہ تو تھا نہیں جنرل ضیاء الحق صاحب کا دور تھا، بیگم نصرت بھٹو سے ملاقات کے بعد مولوی صاحب کے پیچھے سایہ کی طرح سی۔ آئی۔ ڈی۔ لگ گئی۔ لاڑکانہ "شریف" سے موصوف کراچی پہنچے۔ تو مولانا احتشام الحق صاحب مرحوم کے گھر گئے اور ان کے بیٹوں سے ملاقات کی اور تعزیت کی۔ واضح رہے کہ مولانا تھانوی مرحوم کا انتقال چند ہی ماہ قبل مدراس کے دورہ کے موقعہ پر ہو چکا تھا۔ یہ سب جانتے ہیں کہ مولانا تھانوی اور اُن کے گھرانہ کی ہمدردیاں پیپلز پارٹی کے ساتھ ہیں بلکہ مولانا تھانوی کے صاحبزادے مولانا احترام الحق تھانوی تو اس پارٹی کے ایک عہدیدار بھی ہیں اور اس سلسلہ میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کر چکے ہیں۔ — ظاہر ہے۔ سی۔ آئی۔ ڈی۔ نے یہاں بھی پیچھا کیا ہوگا — اب ایک مولوی صاحب کا انڈیا سے آنا، المرتضیٰ لاڑکانہ جا کر بیگم نصرت بھٹو سے ملاقات کرنا، پھر مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کے گھر جانا اس سے شبہات کا پیدا ہونا فطری تھا — سی آئی۔ ڈی والے سمجھتے رہے کہ یہ مولوی "خطرناک" اور

ہمارے مولوی صاحب اس ساری صورت حال سے بے خبر لوگوں سے ملاقاتیں کرتے رہے
پریئر ٹوبیکو انڈسٹریز کے جناب عبدالصمد صاحب کے بنگلہ پر بھی اُن سے ملاقات کو
گئے ۔ وہاں پر اپنی بیگم بھٹو اور مولانا تھانویؒ کے ہاں کی اور دیگر ملاقاتوں کا حال
بتایا جیسے بہت بڑا معرکہ سر کر آئے ہوں ـــــ عبدالصمد صاحب کا یہ سننا تھا کہ اُن
کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور مولوی صاحب کو مختصر سی ملاقات کے بعد فارغ کر کے
اُن سے جان چھڑائی اس لئے کہ مولوی عبدالجلیل صاحب اپنے سیدھے پن سے اپنے
چاروں طرف جو جال بُن رہے تھے، عبدالصمد صاحب اگر اُس میں پھنس نہ جاتے
تو بھی احتیاط کا تقاضہ تھا کہ اِن حالات میں اُن سے دُور رہا جاتا ـــــ بزنس میں
جسے اپنی تجارت چلانی ہوتی ہے وہ ویسے بھی سیاست سے دُور بھاگتا ہے ۔ دل
میں چاہے کسی کے ساتھ ہمدردی ہو عملاً اُسے ظاہر کرنے میں احتیاط ملحوظ رکھنی پڑتی
ہے ۔ کسی ایک پارٹی کے ساتھ اپنے آپ کو نتھی نہیں کرتا کہ مبادا اُس کا سنگھاسن
ڈول جائے ۔ تو مخالف پارٹی حکومت میں آکر اس کی اچھی طرح خبر نہ لے لے ـــــ
ایک تاجر کو ہمیشہ پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوتا ہے ـــــ نہ کسی سے زیادہ
محبت کرنا اچھا اور نہ کسی کی مخالفت مول لینا انسب ـــــ نہ ہیئوں میں نہ شیئوں
میں ـــــ بس اپنے کام سے کام ـــــ

اب مولوی عبدالجلیل صاحب کے اِن کارناموں کا نقطۂ عروج بھی کلیجہ تھام
کر سن ہی لیجئے ۔ مولوی صاحب اس تمام صورت حال سے بے خبر کہ سلیئے
اُن کا پیچھا کر رہے ہیں مختلف مقامات پر میل ملاقات کے بعد انڈیا واپس
جانے کے لئے واگہ بارڈر پر پہنچے تو پیچھے ہی پیچھے اُن کی فائل بھی وہاں پہنچ گئی اور
وہ وہاں پر دھر لئے گئے " ـــــ اب تو مولوی صاحب کے ہوش اڑ گئے ۔ اعمالنامہ
فائل کی صورت میں سامنا تھا، منہ کے الفاظ اندر کے اندر اور باہر کے باہر رہ
گئے ـــــ لاہور میں اُن کے احباب کو پتہ چلا ـــــ بعد از کوشش بسیار موصوف
کو رہائی نصیب ہوئی اور جیسے تیسے واگہ بارڈر پار کر کے انڈیا کو " سدھارے "
یہ سب کچھ مولوی صاحب کی طبیعت کی سادگی سے ہوا ـــــ

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا   لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ایک بار مولوی عبدالجلیل صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو نصیحت فرمائی کہ وہ لاہور میں مولانا سید حامد میاں صاحب سے ضرور ملتے رہا کریں ۔ اس سے پتہ چلا کہ مولوی صاحب مولانا حامد میاں صاحب سے بہت متاثر ہیں ۔ میں نے مولوی صاحب کو بتایا کہ علماء کے حلقہ میں مولانا حامد میاں صاحب ہی کی تو وہ ذات ہے جن کے ڈاکٹر صاحب بہت زیادہ عقیدت مند ہیں اور گاہے بگاہے اُن سے ملاقات کو جاتے رہتے ہیں اور لاہور کے حلقہ علماء میں مولانا سید حامد میاں ہی تو ہیں جو ڈاکٹر صاحب سے نہایت شفقت و محبت سے پیش آتے ہیں ۔ ہماری دعوت اور ہمارے کام کو نہ صرف سمجھتے ہیں بلکہ اس سلسلہ میں مناسب مشورے بھی دیتے رہتے ہیں ۔ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے تحت منعقد شدہ سالانہ قرآن کانفرنسوں میں بذاتِ خود تو کبھی شرکت نہیں فرمائی لیکن ہر سال پابندی سے اپنا مقالہ ضرور بھیجتے رہے ہیں —— مولوی صاحب یہ سُن کر ڈاکٹر صاحب کی عظمت کے مزید قائل ہو گئے ۔

۲۰ جنوری بروز منگل

رات کو تاخیر سے سونے کے باوجود صبح چار بجے آنکھ کھل گئی ۔ دیکھا تو فجر کی اذان کے وقت مولانا سید شاہ صبغۃ اللہ بختیاری صاحب تشریف لے آئے ہیں —— شاہ صاحب کی امامت میں گھر پر نماز فجر باجماعت ادا کی —— ناشتہ کیا —— انناس یہاں بافراط ہوتا ہے ۔ سیٹھ محمد امین صاحب ناشتہ اور کھانے کے وقت اکثر دستر خوان پر انناس ضرور رکھتے تھے جو ہم وہاں پر جی بھر کر کھاتے رہے —— ناشتہ سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ عبدالصمد صاحب، ڈاکٹر نذیر محمد صاحب، ملنگ محمد حیات صاحب اور کچھ دیگر احباب تشریف لے آئے ۔ کیونکہ ہمیں صبح سات بجے کی فلائٹ سے بمبئی روانہ ہونا تھا ۔ اس لئے جلد جلد سامان پیک کر کے ہم لوگ کاروں میں ایرپورٹ پہنچے —— جہاں بچشم تر احباب نے ہمیں رخصت کیا، کچھ احباب براہ راست ایرپورٹ پہنچ چکے تھے احباب اس طرح ہمیں رخصت کر رہے تھے جیسے ہم اُن کے بہت ہی قریبی عزیز ہوں اور برسوں کی جان پہچان ہو ۔ یہ سب کچھ ایمان کے رشتہ کی وجہ سے تھا ۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ایمان سے بڑھ کر رشتہ کوئی اور نہیں ہوتا جہاں خونی رشتے ٹوٹ جاتے ہیں وہاں ایمان کا رشتہ قائم رہتا ہے —— ہم لوگوں کی محبت

اللہ کے لئے ہے اللہ کے دین کی خاطر ہے، خدا گواہ ہے کہ اس میں کوئی دنیاوی طمع شامل نہیں — ایمان کا تقاضہ محبت ہے۔ جہاں ایمان ہوگا وہاں آپس میں محبت ہوگی —

سچ فرمایا رسول برحق ؐ نے کہ :-

" تم اس وقت تک مومن نہ ہو گے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو" (مسلم)

اور اپنی محبت اور دشمنی کو اللہ کے لئے خاص کر لینے کو تکمیل ایمان کی شرط ٹھہرایا - حدیث ہے کہ :-

" جس نے محبت کی تو صرف اللہ کے لئے اور دشمنی کی تو صرف اللہ کے لئے ، کسی کو کچھ دیا تو اللہ کے لئے اور روکا تو اللہ کے لئے اُس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا"

ایک مومن کو اگر اللہ کی محبت مل جائے تو اس کی اس دولت کا بدل اُس کو اور کیا مل سکتا ہے - یہ وہ محبت ہے جو ایک مومن کی معراج ہوتی ہے اور نبی اکرم ؐ ہمیں بتاتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کے لئے ایک دوسرے سے تعلقاتِ اخوت قائم کریں وہ اس نعمتِ عظمیٰ کے مستحق ہوتے ہیں - چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ؐ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :-

" میری محبت ان لوگوں کے لئے واجب ہوگی جو میرے لئے آپس میں محبت کریں، میرے لئے ساتھ مل کر بیٹھیں، میرے لئے ایک دوسرے پر مال خرچ کریں -"

خدا کی رحمت ہو اللہ کے رسول ؐ پر کہ جنہوں نے ہم تک اللہ کا یہ فرمان بھی پہنچایا کہ :-

" اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا کہ کہاں ہیں وہ جو میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرتے تھے - آج کے دن انہیں اپنے سائے میں جگہ دوں گا اور آج کے دن سوائے میرے سائے کے کوئی سایہ نہیں ہے" (مسلم)

اوران کے لئے وہ کیا ہی بلند درجات ہوں گے جن کی اطلاع اللہ تعالےٰ نے یوں دی ہے کہ :-

" جو میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرتے ہیں اُن کے لئے آخرت میں نُور کے منبر ہوں گے اور انبیاء و شہداء ان پر رشک کریں گے" (ترمذی)

تو اے مدراس کے باسیو! اے میرے بزرگو ، اے میرے دوستو! اے میرے رفیقو! آج ہم تمہاری محبت کی عظمت کو سلام کرتے ہیں ــــ اس اُمید کے ساتھ کہ اللہ کے دین کی خاطر ہماری یہ محبت نہ صرف قائم رہے گی بلکہ پروان چڑھتی رہے گی اور دائم رہے گی ــــ اس لئے کہ زندگی صرف دنیا کی زندگی نہیں ہے ــــ موت کیا ہے۔ ایک دنیا سے آنکھ بند ہوتی ہے اور دوسری دنیا میں کُھل جاتی ہے کہ آگے چلیں گے دم لے کر ؎

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم رواں ہر دم جواں ہے زندگی

اور

قلزمِ ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانہ میں تیرا امتحاں ہے زندگی

اے میرے مدراس کے ایمانی بھائیو ــــ ! جس طرح مجھے سورج کے مشرق سے طلوع ہونے اور مغرب میں غروب ہونے کا یقین ہے اُسی طرح یقین ہے کہ ہماری یہ محبت ــــ جو خالصتہً لِلّٰہ و فی اللہ ہے نہ صرف اس دنیا میں جاری رہے گی بلکہ اس کے بعد ابدی زندگی میں بھی جاری رہے گی ان شاء اللہ ــــ ! اللہ تعالےٰ ہمیں حق کا علم حاصل کرنے اس پر عمل کرنے ، اسے دوسروں تک پہنچانے اور اسے غالب کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین !   (جاری ہے)

فہرست تصانیف

ڈاکٹر اسرار احمد

کتاب	قیمت
تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ	۶/- روپے
مطالبات دین	۶/- "
اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام	۱/- "
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت	۳/- "
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں	۲/- "
مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (اردو)	۳/- "
مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (عربی)	۴/- "
مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (انگریزی)	۵/- "
مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ اول مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ دوم } یکجا	۸/- "
★ قرآن اور امن عالم	-/۷۵ "
★ راہ نجات: سورۃ والعصر کی روشنی میں	۲/- "
★ علامہ اقبال اور ہم	۲/- "
★ عظمت صوم	۱/- "
★ دعوت الی اللہ	۱/- "
★ آیۃ الکرسی	-/۳۰ "
★ قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ: الفاتحہ تا الکہف	۷/- "
★ شہید مظلوم (شہادت حضرت عثمانؓ)	۳/- "

Regd. L. No. 7

MONTHLY ,, MEESAQ ,, LAHORE

Vol. 30 October - November 1981 No. 10

نشر القرآن

کیسٹ سیریز

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دروس قرآن حکیم اور مختلف دینی موضوعات پر مشتمل خطابات کے جدید حسب ذیل کیسٹ بھی دستیاب ہیں -

روپے

- خلاصہ مضامین قرآن مجید (بموقع تراویح رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ) ۶ کیسٹ ۶۰ سی - ۲۰۰/-
- کوڈ نمبر ۸۱ یوم استقلال (۱۴ اگست) پر خطاب ۶۰ سی (ایک کیسٹ) - ۲۵/-
- کوڈ نمبر ۸۲ قرب الٰہی بذریعہ فرائض و نوافل (درس حدیث) ۶۰ سی (دو کیسٹ) - ۵۰/-
- کوڈ نمبر ۸۴-۸۸ سورہ یٰسٓ (مکمل) ۹۰ سی (پانچ کیسٹ) - ۱۲۵/-
- کوڈ نمبر ۸۹ سورہ بنی اسرائیل کی آخری آیات ۶۰ سی (ایک کیسٹ) - ۲۵/-
- کوڈ نمبر 8A سورہ الجمعہ (مکمل) ۹۰ سی " - ۳۰/-
- کوڈ نمبر 8B سورہ الصف (مکمل) ۹۰ سی " - ۳۰/-
- کوڈ نمبر 8C سورہ آل عمران آیات ۱۹۰ تا ۱۹۵ ۹۰ سی " - ۳۰/-

سابقہ تیار شدہ کیسٹوں کی تفصیل اندر کے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں -

---

صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

-: مدیر مسئول :-

ڈاکٹر اسرار احمد

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

قام اشاعت: ۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔۱۴ - فون: ۸۵۲۶۱۱، ۸۵۲۶۸۳

ال: ، معاونت: - ۲۰/- روپے ، اس شمارے کی قیمت ۳/-

وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مؤمنین

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد ۳۰ | صفر المظفر ۱۴۰۲ھ (دسمبر ۱۹۸۱ء) | عدد [illegible]

مشمولات

مرتب: شیخ جمیل الرحمٰن

ناشر: ڈاکٹر اسرار احمد ★ طابع: چوہدری رشید احمد

مطبع: مکتبہ جدید پریس۔ شارع فاطمہ جناح، لاہور

جمیل الرحمٰن

عرضِ احوال

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

صفر المظفر ۱۴۰۲ھ مطابق دسمبر ۸۱ء کے اس شمارے سے میثاق کی تیسویں جلد مکمل ہو رہی ہے۔ ابتدائی تقریباً چودہ پندرہ سال تک ہر ششماہی پر جلد تبدیل ہوتی تھی لیکن ۱۹۷۴ء سے کیلنڈر ایئر کے مطابق جلد کا حساب بارہ شماروں سے کر دیا گیا۔ میثاق کے اجرا کو بیس اکیس سال ہوئے ہیں۔ لیکن جلدوں کے شمار کا فرق واقع ہو گیا ہے۔ اب بارہ شماروں ہی کی جلد کا حساب جاری رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

تربیت گاہ جیسا کہ قارئین میثاق کو علم ہو گا کہ ہر سال ایک اقامتی تربیت گاہ کا انعقاد پیش نظر رہتا ہے بحمد اللہ امسال یہ تربیت گاہ ۷ تا ۱۲ نومبر ۱۹۸۱ء قرآن اکیڈمی میں منعقد ہوئی اور یہ بھی خاص اللہ کا فضل ہے کہ ہر تربیت گاہ تنوع اور افادیت کے لحاظ سے سابقہ سے بہتر ہوئی ہے۔ امسال تربیت گاہ کے پروگراموں کی ایک جھلک قارئین کرام کی واقفیت کے لئے پیش خدمت ہے۔

- روزانہ صبح بعد نماز فجر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ایک گھنٹے کا سورۃ حدید مکمل کا درس دیا۔ یہ مکمل درس ۶۰ منٹ کے ۵ کیسٹوں میں دستیاب ہے۔
- حیدر آباد سے جناب مولانا وصی مظہر صاحب ندوی تشریف لائے تھے۔ موصوف نے دو لیکچر دیئے۔ جن میں حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں کی کتاب "عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح" پہ تبصرہ فرمایا اور دلائل سے ان امور کو واضح کیا۔ جن سے وہ اپنے علم و فہم کے مطابق مولانا علی میاں اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور کے نظریات و افکار سے اتفاق یا اختلاف رکھتے تھے۔ مولانا ندوی مدظلہ کے اس بے لاگ اور مخلصانہ محاکمہ سے سامعین نے بھرپور استفادہ کیا۔
- ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ۴ یوم میں اپنی کتاب "اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام" کا اجتماعی مطالعہ کرایا اور موصوف بڑے شرح و بسط کے ساتھ اس

اہم موضوع کی وضاحت کی جس پر تقریباً سولہ سال قبل یہ لکھی گئی تھی ۔ مزید براں ڈاکٹر صاحب نے اپنے ایک اہم مضمون "اسلام اور پاکستان" کا بھی جو کئی سال قبل میثاق میں شائع ہو چکا تھا ۔ اجتماعی مطالعہ کرایا ۔ جس میں انتہائی مدلل طور پر ثابت کیا گیا تھا کہ پاکستان کا استحکام ہی نہیں بقاء کا بھی انحصار اس امر پر ہے کہ یہاں حقیقی طور پر "اسلام" نافذ ہو ۔

● ایک نشست میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے "اقبال اور ہم" کے موضوع پر اپنا مقالہ پیش کیا اور اس کی وضاحتیں بھی فرماتے رہے ۔

● روزانہ نماز عصر کے فوراً بعد پانچ یوم تک ملک کے نامور بزرگ دانشور جناب پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے حسب ذیل موضوعات پر لیکچرز ہوئے ۔

(۱) خصوصیات قرآن حکیم (۲) التوحید فی القرآن (۳) ہندوؤں نے تبلیغ اسلام کا راستہ کیسے روکا ؟ (۴) ہندوستان میں تبلیغ کے ضمن میں مسلمانوں کی کوتاہی ۔ (۵) موجودہ حالات میں ہندوستان میں تبلیغ اسلام کے امکانات اور اسکی تدابیر ۔

چشتی صاحب کے ان لیکچرز سے تربیت گاہ میں مقیم حضرات کے علاوہ دوسرے بہت سے حضرات نے استفادہ کیا جو روزانہ لاہور کے مختلف مقامات سے آتے تھے ۔

● تقریباً سوا دو گھنٹے کی ایک نشست میں (بعد نماز مغرب) قدیم اور مخلص مسلم لیگی دانشور جناب مرزا محمد منور صاحب سے "تحریک پاکستان" کے موضوع پر گفتگو رہی ۔ مرزا صاحب موصوف نے پون گھنٹے سے کچھ زیادہ وقت میں "تحریک پاکستان" کا پس منظر اور اسباب پر روشنی ڈالی پھر تقریباً سوا گھنٹے تک اس نشست نے مجلس مذاکرہ کی صورت اختیار کر لی ۔ حاضرین نے سوالات کئے اور مرزا صاحب نے ان کے جوابات دیئے ۔ اس طرح یہ مجلس بہت ہی کامیاب رہی ۔

● امسال تربیت گاہ میں حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری مدظلہ، امیر تنظیم اہل سنت کی ملتان سے تشریف آوری ہوئی ۔ مولانا علیل تھے لیکن وہ تشریف لائے اور ضعیف العمری اور علالت کے باوجود دو دن تک مغرب تا عشاء دو گھنٹے تک مولانا موصوف نے بالترتیب "حقیقت توحید" اور "حادثہ کربلا" پر نہایت مفصل تقریریں کیں ۔ مولانا موصوف کو سننے کے لئے شہر سے

ڈاکٹر اسرار احمد

سانحۂ کربلا

گذشتہ شمارے میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے یکم محرم الحرام ۱۴۰۲ھ کے خطابِ جمعہ کا کچھ حصہ قارئینِ 'میثاق' کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ — جمعہ یعنی ۸ محرم الحرام کو ڈاکٹر صاحب نے 'سانحۂ کربلا' کے موضوع پر خطاب فرمایا تھا جو ھدیۂ ناظرین ہے۔ (مرتب)

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ (البقرہ ۱۵۳ تا ۱۵۷) صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ ۔

— ان آیات کی تلاوت اور ادعیہ مسنونہ کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے فرمایا:

" حضرات! دو دن بعد محرم الحرام ۱۴۰۲ھ کی دس تاریخ ہو گی جو 'یوم عاشورہ' کہلاتا ہے — یقیناً یہ بات آپ کے علم میں ہو گی کہ ۱۰ محرم الحرام سن ۶۱ ہجری کو ایک نہایت افسوسناک حادثہ دشتِ کربلا میں پیش آیا تھا۔ جس میں سبطِ رسول

سیدنا حضرت حسین ابن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما اور آپؓ کے خانوادے کے اکثر افراد نیز آپؓ کے اعوان و انصار کی کثیر تعداد نے جامِ شہادت نوش فرمایا تھا۔ اس حادثہ کے متعلق یہ بات اچھی طرح سمجھ لی جانی چاہیئے کہ یہ اچانک ظہور پذیر ہونے والا حادثہ نہیں تھا۔ بلکہ درحقیقت اُسی سبائی سازش کا ایک مظہر تھا جو پورے پچیس سال قبل اس سے بھی کہیں زیادہ افسوسناک حادثے کو جنم دے چکی تھی۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد اور تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مظلومانہ شہادت — حضرت عثمانؓ کی شہادت کا سانحہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو پیش آیا تھا اور ۱۶ اکتوبر (۱۷ ذی الحجہ) کے جمعہ کے اجتماع میں، میں نے حضرت عثمان رضؓ کی سیرت اور ان کی شہادت کے تاریخی پس منظر پر کچھ گفتگو کی تھی[1] جس پر زیادہ دن نہیں گزرے لہٰذا مجھے آج سہولت محسوس ہو رہی ہے کہ واقعہ کربلا کے بیان کے ضمن میں، مَیں اپنی گفتگو کا تسلسل اُسی کے ساتھ جوڑ سکتا ہوں۔

اوّلاً ذہن میں یہ بات تازہ کر لیجئے کہ حق و باطل کی جو کشمکش ازل سے چلی آ رہی ہے۔ بقول علاّمہ اقبال ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز ۔۔۔ چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

اس کے ضمن میں ہمیں تاریخ کا کچھ ایسا نقشہ نظر آتا ہے کہ زیادہ تر غلبہ باطل کا رہا۔ حق کے غلبے کے ادوار بڑے مختصر رہے یہ بھی ایک حقیقتِ کبریٰ ہے کہ جب کبھی حق کا غلبہ ہوا ہے تو باطل نے اُسے اپنی آخری شکست تسلیم نہیں کیا بلکہ ایسے مواقع پر وہ وقتی طور پر دبک جاتا رہا ہے۔ اُس نے منافقانہ طور پر حق کا لبادہ اوڑھ لیا ہے یا وہ وقتی طور پر زیرِ زمین چلا گیا ہے — چنانچہ وہ اندر ہی اندر اپنی ریشہ دوانیوں کا سلسلہ جاری رکھتا ہے اور ایسے موقع کی تاک میں رہتا ہے۔ جب وہ حامیانِ حق کے درمیان کوئی شدید اختلاف و انتشار پیدا کر کے اپنے لئے راستہ بنا سکے۔ اور حق کے خلاف کھڑا ہو سکے۔

---

[1] اس خاص موضوع پر ڈاکٹر صاحب موصوف کا پُرتاثیر خطاب "شہیدِ مظلومؓ" کے نام سے مطبوعہ موجود ہے (مرتب)

چنانچہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخ کا عظیم ترین معجزہ دنیا کو دکھا دیا۔ یعنی جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کا نقشہ بالفعل قائم انسانیت کو چشمِ سر سے دیکھنے کا موقع فراہم فرما دیا۔ اور ایک وسیع و عریض خطۂ زمین پر حق کو بالفعل قائم و نافذ فرما کر رہتی دنیا تک کے لئے ایک کامل نمونہ پیش فرما دیا۔ حق غالب اور باطل سرنگوں ہو گیا۔ لیکن باطل نے انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے آخری مرحلے میں وہی روش اختیار کی کہ وقتی طور پر شکست تسلیم کر کے وہ اس انتظار میں رہا کہ موقع آتے ہی وار کروں اور کاری وار کروں۔ چنانچہ آں حضورؐ کے انتقال کے فوراً بعد فتنوں کا ہجوم اُٹھ کھڑا ہوا۔ کئی کاذب مدعیانِ نبوت میدان میں آ گئے اور ان کے ساتھ کافی جمعیت ہو گئی۔ پھر مانعین و منکرینِ زکوٰۃ سے سابقہ پیش آیا اور اہل ایمان کو بیک وقت ایسے ایسے عظیم فتنوں سے نبرد آزما ہونا پڑا کہ وقتی طور پر تو محسوس ہوتا تھا کہ حق کا چراغ اب بجھا کہ بجھا۔ یہ درحقیقت وہ انقلاب دشمن قوتیں —— (COUNTER REVOLUTION FORCES) —— تھیں جن سے عہدہ برا ہونے کے لئے واقعتاً صدیق ہی نہیں بلکہ صدیقِ اکبر کی شخصیت درکار تھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ — صدیق دراصل نبی کا عکسِ کامل ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ثابت کر دیا کہ جس انقلاب کی تکمیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس فرمائی تھی اس کے خلاف آپؐ کی وفات کے بعد جو ردِ عمل ظاہر ہوا، اس کی سرکوبی کرنے کی پوری صلاحیت اور عزیمت اور آہنی قوتِ ارادی ان کے نحیف و نزار جسم میں موجود تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انقلاب کو مستحکم (CONSOLIDATE) کیا اور زمامِ کار حضرت عمر فاروقؓ کے حوالے کر کے وہ بھی اپنے مالکِ حقیقی کی طرف مراجعت فرما گئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں اور جیسا کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت والی تقریر میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرتِ ذوالنورینؓ کے بارہ سالہ دورِ خلافت میں سے بھی کم و بیش دس سال

بالکل دورِ فاروقیؓ ہی کے شان کے حامل تھے لہٰذا ان کو بھی شامل کر لیجئے تو بیس سال اسلام کے استحکام اور اس کی توسیع کے سال ہیں - انقلاب محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے زیر نگیں عراق و شام و فارس (ایران) کے پورے پورے ملک اور شمالی افریقہ کا مصر سے مراکش تک کا وسیع علاقہ آگیا اور اس پر اسلام کا جھنڈا لہلہانے لگا اور اللہ کا دین حکمران و غالب ہو گیا ـــــ اب ظاہر بات ہے کہ اس کے خلاف بھی ایک ردّ عمل ہونا تھا - یہ جو HISTORICAL PROCESS ہے، اس کے کچھ غیر متبدل اصول ہیں - آپ کے علم میں ہے کہ جس انقلاب کی تکمیل اندرونِ عرب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس فرمائی. اس کے ردّ عمل میں مخالفانہ تحریکیں (RE-ACTIONARY MOVEMENTS) اٹھ کھڑی ہوئیں تو توسیع کا جو مرحلہ آپؐ کے جانثاروں کے ہاتھوں انجام پایا، اس کا ردّ عمل کیوں نہ ہوتا - چنانچہ باطل نے پہلا وار کیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ذات پر ــــ باطل پرست یہ سمجھتے تھے کہ شاید یہ پوری عمارت اسی ایک ستون پر کھڑی ہے، اس کو گرا دو عمارت زمین بوس ہو جائے گی - الحمد للہ کہ ان کی توقع غلط ثابت ہوئی اور عمارت برقرار رہی ـــ یہ سازش خالص ایرانی سازش تھی - ابو لولو فیروز پارسی ایرانی غلام اور اس کی پشت پر ہرمزان ایک ایرانی جرنیل تھا اس سازش کی ناکامی کے بعد جو دوسرا وار ہوا وہ بہت کاری وار تھا - اس میں یہود کی عیاری اور کیادی شامل تھی - ان کا سازشی ذہن اور اس میں مہارت ضرب المثل بن چکا ہے ـ عبداللہ بن سبا یمن کا ایک یہودی اٹھتا ہے ــــ اسلام کا لبادہ اوڑھتا ہے، مدینہ منورہ میں آکر قیام کرتا ہے اور نئے نئے شگوفے چھوڑنے شروع کرتا ہے کہیں محبتِ آلِ رسول کے پردے میں حضرتِ عثمانؓ کی خلافت کے متعلق وسوسہ اندازی کرتا ہے اور حضرت علیؓ کے استحقاقِ خلافت کا پروپیگنڈہ کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور وہی خلافت کا حق دار ہوتا ہے تو اصل میں حضورؐ کے وصی حضرت علیؓ ہیں لہٰذا خلافت کے حقدار وہ ہیں - ان کی بجائے جو بھی مسندِ خلافت پر فائز ہوا یا اب ہے، وہ غاصب ہے - کہیں حضرت علیؓ کی الوہیت کے عقیدے کا پرچار کرتا ہے - جس سے اسلام کی جڑ "توحید" پر کاری ضرب

لگئی ہے - ایرانی نو مسلم جن کی گھٹی میں نسلاً بعد نسلٍ شاہ پرستی اور HERO WORSHI پڑی ہوئی تھی اور جو نسب کی بنیاد پر اقتدار کی منتقلی کے خوگر تھے۔
ن کے دلوں پر اس کا کتنا گہرا اثر ہوا ہوگا — کہیں بظاہر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بیان کرنے کے لئے یہ نظریہ پیش کرتا ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول ثانی ہوگا تو ہمارے رسول جو افضل الانبیاء ہیں، وہ بھی دوبارہ واپس تشریف لائیں گے — اب دیکھئے کہ غیر عرب نو مسلم خوش عقیدہ لوگوں کے دلوں کو یہ بات کتنی بھلانے والی ہے کہ اس طرح آں حضورؐ کی عظمت کا بیان ہو رہا ہے۔ یہی حربہ ہے جو اس دور میں قادیانوں نے استعمال کیا - حضرت مسیحؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے اور ان کے نزول کے عقیدے کی نفی کرنے کے لئے انہوں نے اسی دلیل کا رُخ اس طرف رکھا کہ اس طرح تو ہمارے رسول کی عظمت مجروح ہوگی یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارے نبی تو فوت ہو گئے ہوں اور حضرت مسیحؑ آسمان پر زندہ موجود ہوں اور دوبارہ تشریف لائیں - گویا اصل بات یہی ہے کہ عوام الناس کی اکثریت عقیدت کی بنیاد پر اس قسم کے مغالطوں میں مبتلا ہو جاتی ہے - ان بانوں نے سادہ لوح لوگوں کے ذہنوں اور دلوں میں گھر کرنا شروع کر دیا۔ یہ شخص مدینہ سے بصرہ گیا، وہاں اس نے اپنا ایک مرکز قائم کیا۔ پھر کوفہ گیا وہاں ایک اور مرکز قائم کیا - دمشق جا کر وہاں کوشش کی لیکن وہاں دال نہیں گلی - پھر مصر گیا وہاں اپنے ہم خیالوں کی ایک جماعت پیدا کی اور ہر طرف اس نے ایک فتنہ و فساد کی فضا پیدا کر دی اور حضرتِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کے آخری دو سال اس فتنہ و فساد کی نذر ہو گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امام مظلوم حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہوئی جو تاریخ انسانی کی عظیم ترین مظلومانہ شہادت ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ وہ اس وقت عظیم ترین مملکت کے فرماں روا تھے، لاکھوں کی تعداد میں فوجیں موجود تھیں جو ان کے اشارے پر کٹ مرنے کیلئے تیار تھیں - جب مٹھی بھر باغیوں نے اس شہید مظلومؓ کا محاصرہ کر رکھا تھا تو مختلف صوبوں کے گورنروں کی طرف سے استدعا آ رہی تھی کہ ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم فوجیں لے کر حاضر ہو جائیں اور ان باغیوں کی سرکوبی کریں - لیکن وہ امام وقت رضی

یہ عزم کئے ہوئے ہے کہ میں اپنی جان کی حفاظت و مدافعت میں کسی کلمہ گو کا خون بہانے کی اجازت نہیں دوں گا، اتنی عظیم قوت و سطوت کا حامل اور اس طرح اپنی جان دینے کے لئے آمادہ ہوجاتے اور اپنی جان کی حفاظت و مدافعت میں کسی کا خون بہانے کے لئے تیار نہ ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ پوری تاریخ انسانی میں اس کی کوئی مثال ممکن نہیں ہے۔ یہ بات بھی جان لیجئے کہ ہمارے ہاں شاعری میں بے پناہ مشرکانہ اوہام موجود ہیں۔ غلط فکر اور عقیدوں کی ترویج میں شاعری نے بہت حصّہ لیا ہے۔ ایسے اشعار زبان زدِ عوام و خواص ہوجاتے ہیں، جن میں غلو بھی ہوتا ہے اور غلط فکر بھی۔ شعرا کے متعلق قرآن حکیم نے یہ دو ٹوک بات فرمادی ہے کہ:- وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ○ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ کُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ○ "اور شعراء کی بات تو یہ ہے کہ ان کے پیچھے تو بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں۔" محتاط ترین لوگ بھی جب شاعری کی ترنگ میں آتے ہیں تو ان کی زبان و قلم سے بھی غیر محتاط اور غلط باتیں نکل جاتی ہیں۔ مثلاً آپ علامہ اقبال کے اس شعر پر غور کیجئے ؎

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم ۔۔۔ نہایت اس کی حسینؓ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

غور طلب بات یہ ہے کہ شہادت حسینؓ اور ذبح اسمٰعیلؑ میں کون سی چیز مشترک ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لئے آمادہ کون ہوئے؟ اللہ کے ایک جلیل القدر پیغمبر! کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت بھی کسی ایسے ہی جلیل القدر شخص کے ہاتھوں ہوئی ہے؟ معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ۔ ثم معاذ اللہ! کونسی قدرِ مشترک ہے؟ حضرتِ اسمٰعیلؑ نے تو ذبح ہونے کے لئے خود ہی اپنی گردن پیش کی تھی بقول آیتِ قرآنی: فَلَمَّآ اَسْلَمَا ۔ پس جب ان دونوں (باپ بیٹوں) نے سرِ تسلیم خم کر دیا"، باپ اور بیٹے دونوں نے فرماں برداری کا بے مثال اور تاریخ ساز مظاہرہ پیش کیا لہٰذا اس آیت میں تثنیہ کا صیغہ اَسْلَمَا آیا ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دادِ شجاعت دیتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا تھا۔ اور وہ "فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ" (سورۂ توبہ) "تو وہ قتل کرتے

بھی ہیں اور کبھی) قتل ہو بھی جاتے ہیں" کے مصداق کا بل بنے تھے تو وہ کونسی بات ہے جہاں دونوں واقعات کے مابین کسی پہلو سے مشترک قدر قرار دی جا سکتی ہے!
پھر وہاں تو ارادۂ ذبح تھا۔ لیکن ذبح بالفعل ہوا نہیں۔ یہاں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالفعل شہید کئے گئے ہیں لہٰذا ان واقعات میں آپ کو کوئی قدر مشترک نہیں ملے گی۔ ہاں ایک اتفاقی اشتراک پیدا ہو سکتا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم

بقید حیات ہوتے تو ان کی خدمت میں عرض کرتا کہ اس شعر کے دوسرے مصرعے کو تبدیل کر کے یوں کر دیا جائے تو واقعاتی اقدار کا اشتراک پیدا ہو جائے گا کہ:۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی ہیں عثمانؓ ابتدا ہابیلؑ

حضرت ہابیل کا قتل ہوا ہے اور اس شان کے ساتھ ہوا ہے کہ بھائی قتل پر تلا ہوا ہے۔ اس کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا ہے لیکن وہ اللہ کا بندہ اپنی مدافعت میں ہاتھ اُٹھانے کے لئے تیار نہیں۔ لَئِنْ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ (آیت ۲۸) انہوں نے اپنے بھائی قابیل سے کہا "اگر تم مجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ اٹھاؤ گے تب بھی میں اپنا ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا تم کو قتل کرنے کے لئے۔" اور ہابیل قتل ہو گئے۔ بھائی نے بھائی کو قتل کر دیا۔ یہ وہ واقعہ ہے جس کا کلام اللہ میں سورۃ المائدہ میں بڑے اہتمام اور بڑی شان کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ یہی وہ واقعہ ہے جس پر ہمیں وہ آیت مبارکہ ملتی ہے کہ "اسی لئے ہم نے یہ لکھ دیا ہے کہ جس شخص نے بھی کسی ایک انسانی جان کو ناحق اور بغیر سبب قتل کیا تو اس نے گویا پوری نوع انسانی کو قتل کر دیا اور جس نے ایک بھی جان بچائی، اس نے گویا پوری نوع انسانی کی جان بچائی۔ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ (آیت ۳۲)
یہ واقعہ حضرت ہابیل کا ہے۔ اس کی کامل مناسبت اور مشابہت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت میں ہے۔ ہاتھ اُٹھانے کو تیار نہیں ہوتے۔ طاقت ہے، قوت ہے، سب کچھ ہے حضرت طلحہ، حضرت زبیر ابن العوام۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم محاصرین کی سرکوبی کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ انصار آ رہے ہیں کہ ہمیں اجازت دیجئے، ہم دوسری مرتبہ اللہ کے انصار بننا چاہتے

میں پہلے ہم نے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جاں نثاری میں اللہ کے مددگار ہونے کا خطاب حاصل کیا ہے آج ہم خلیفۃ الرسول کی مدد کے خواستگار ہیں، ہمیں موقع دیجئے کہ ہمارے اس خطاب کی پھر تجدید ہو جائے۔ مختلف صوبوں کے گورنروں کے جو پیغامات آ رہے تھے کہ ہمیں فوجیں لے کر آنے کی اجازت دیجئے اس کا میں ذکر کر چکا ہوں۔ حضرتِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو صبر و ثبات کے کوہ ہمالیہ ثابت ہوئے، جواب یہی تھا کہ نہیں، میں اپنی مدافعت میں کسی کلمہ گو کا خون بہانے کی اجازت نہیں دوں گا۔ دروازے پر پہرہ دار تھے۔ حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ لیکن پیچھے سے باغی دیوار پھاند کر گئے اور اس ہستی کو شہید کر دیا جس کو ذوالنورین کا لقب حاصل تھا اور جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راضی تھے اور جس کے حق میں دعا فرمایا کرتے تھے کہ "اے اللہ" میں عثمانؓ سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی رہیو"۔

—— حضرت عبداللہؓ بن سلام جو اسلام قبول کرنے سے پہلے ایک جیّد یہودی عالم تھے، وہ آتے ہیں اور باغیوں کو مخاطب کرتے ہیں کہ لوگو! باز آ جاؤ۔ میں تورات کا عالم ہوں اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اللہ کے کسی نبی کو قتل کیا گیا ہو اور اس کے بعد کم از کم ستر ہزار انسان قتل نہ ہوئے ہوں یا کبھی کسی نبی کے خلیفہ کو قتل کیا گیا ہو، اس کے بعد کم از کم پینتیس ۳۵ ہزار انسانوں کو قتل نہ کیا گیا ہو۔ —— جان لیجئے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جو فتنے کی آگ بھڑکی، اس میں چوراسی ۸۴ ہزار مسلمان قتل ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت کے پورے پونے پانچ برس باہم خانہ جنگی میں گزرے۔ جنگ جمل ہے اور جنگ صفین ہے۔ جنگِ نہروان ہے۔ مسلمان کے ہاتھ میں مسلمان کا گریبان ہے اور مسلمان کی تلوار مسلمان ہی کا خون چاٹ رہی ہے۔ مسلمان کا نیزہ ہے جو مسلمان کے سینے کے پار ہو رہا ہے اور کیسے کیسے لوگ! حضرت طلحہؓ شہید ہو رہے ہیں، حضرت زبیرؓ شہید ہو رہے ہیں حضرت عمار بن یاسرؓ شہید ہو رہے ہیں۔ پھر یہ کہ حضرتِ علیؓ شہید ہو رہے ہیں۔ حضرتِ امیر معاویہؓ پر حملہ ہوا لیکن ان پر وار کاری نہ پڑا اور وہ بچ گئے۔

حضرت عمرو ابن العاص رضؓ پر حملہ ہوا، لیکن وہ اُس روز کسی وجہ سے نمازِ فجر کیلئے آئے نہ تھے، اس لئے ان کے مغالطے میں ان کے قائم مقام شہید ہوئے۔ پھر نہ جانے ان کے علاوہ کیسے کیسے مخلص اور شجاع مسلمان ان جنگوں میں کھیت رہتے ہے۔

اس بات کو ذہن میں رکھیئے کہ اس سارے فتنے کی آگ بھڑکانے والے عبداللہ بن سبا کے حواری تھے اور یہ وہ آگ تھی جو پھر ٹھنڈی نہ ہو سکی۔ اس سبائی سازش کو سمجھنے کے لئے میں جنگ جمل کا ایک چھوٹا سا واقعہ پیش کرتا ہوں جو تمام مستند تاریخوں میں موجود ہے۔ یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا جب فوج کے ساتھ نکلی ہیں اور بصرہ پران کا قبضہ ہوا۔ حضرت عائشہ رضؓ خلافت کی مدعی نہیں تھیں، معاذ اللہ۔ ان کا مطالبہ صرف یہ تھا کہ خونِ عثمان رضؓ کا قصاص لیا جائے۔ اس وقت دونوں لشکر آمنے سامنے تھے اور حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت علی رضؓ جنگ کے بجائے گفت وشنید سے قضیہ نمٹانے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ حضرت علی رضؓ کی طرف سے یہ بتا دیا گیا کہ ہم خون عثمان رضؓ کا قصاص لینے کے لئے بالکل تیار ہیں، لیکن پہلے ان کے ہاتھ تو مضبوط کئے جائیں۔ اگر ان کے ہاتھ پر بیعت ہو جائے اور انہیں تقویت پہنچائی جائے تو وہ فتنہ پردازوں سے پورا پورا حساب لیں گے۔ لہٰذا بات چیت شروع ہوئی۔ ایک بڑی اُمید افزاء فضا نظر آنے لگی کہ حالات درست ہو جائیں گے۔ لیکن عین اُس وقت عبداللہ بن سبا اور مالک بن اشتر نخعی رات کی تاریکی میں سازش کرتے ہیں کہ اس طرح تو ہمارا بھانڈا پھوٹے گا۔ ہماری سازش کا پردہ چاک ہو گا۔ یہ جو ڈرامہ کھیلنے کے لئے ہم نے اسٹیج بچھائی ہے، یہ تو برباد ہو جائے گی۔ لہٰذا وہ رات کی تاریکی میں کچھ لوگوں کو لے کر حضرتِ عائشہ رضؓ کے کیمپ پر حملہ کر دیتے ہیں ادھر یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضرت علی رضؓ کی فوجوں نے حملہ کر دیا ہے۔ اُدھر وہ حضرت علی رضؓ کے کیمپ میں یہ پیغام بھیجتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ کے لشکر نے حملہ کی ابتدا کی ہے اور وہ اچانک ہم پر ٹوٹ پڑے ہیں چنانچہ دونوں لشکر ایک دوسرے سے پوری طرح بھڑ گئے۔ آپ اس بات کو پیش نظر رکھئے کہ جب جنگ چھڑ جاتی ہے تو تحقیق کا وقت کوئی نہیں ہوتا اور یہ قطعاً ممکن نہیں ہوتا کہ

میں اسی وقت تفتیش ہو کہ اصل معاملہ کیا ہے؟ کس نے ابتدا کی تھی اور اس کا اصل محرک کیا ہے؟ یہ تو وہ وقت ہوتا ہے کہ لوگ اپنی جان ہتھیلیوں پر رکھے برسرِ پیکار ہوتے ہیں — پھر جو خوں ریزی ہوئی ہے اور سو دو سو نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ایک دوسرے کی تلوار سے شہید ہوئے ہیں یہ ہماری تاریخ کا ایک دردناک باب ہے۔ اس سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ واقعۃً فتنے کی آگ کو بھڑکانے والا چھوٹا سا گروہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو اس کو اس طرح بھڑکا دے کہ پھر اُسے بجھایا نہ جا سکے۔ یہی معاملہ جنگ صفین کے موقع پر ہوا ہے۔ وہاں بھی مصالحانہ گفتگو کی فضا پیدا ہو گئی تھی، لیکن سبائی سازشی گروہ نے اُسے بھی ناکام بنا دیا اور فتنہ ختم نہیں ہوا بلکہ اس میں خوارج کے گروہ کا اضافہ ہو گیا اور ایک نیا محاذ کھل گیا۔

آگے چلئے۔ وقت کی قلت کی وجہ سے مجھے جو کچھ عرض کرنا ہے اختصار کے ساتھ کرنا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک خارجی کے ہاتھوں شہادت ہوتی ہے۔ اس موقع پر یہ بات بھی ذہن میں رکھئے کہ حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں عالمِ اسلام ایک وحدت کی صورت میں باقی نہیں رہا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کے گورنر کی حیثیت سے اس بات کے مدعی تھے کہ خونِ عثمانؓ کا قصاص لیا جانا چاہیئے۔ یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ حضرتِ معاویہؓ نے قطعاً خلافت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ وہؓ ہرگز مدعی خلافت تھے۔ نہ حضرت علیؓ کی خلافت کے منکر۔ وہؓ یہ نہیں کہتے تھے کہ حضرت علیؓ خلافت کے حق دار نہیں ہیں معاذ اللہ۔ اور یہ کہ ان کے بدلے مجھے خلافت ملنی چاہیئے ہرگز نہیں۔ وہ صرف خونِ عثمانؓ کے قصاص کے مدعی تھے — ان کیؓ ایک وسیع رقبے پر بحیثیت گورنر حکومت رہی ہے اور انہوںؓ نے مطالبہ کیا کہ قاتلانِ عثمانؓ کو جو حضرتِ علی رضؓ کے کیمپ میں شامل اور معاملات میں پیش پیش تھے سزا دی جائے۔ اس کے بعد وہ بیعت کر لیں گے — ان کا موقف صحیح تھا یا غلط۔ اس پر گفتگو کا یہ موقع و محل نہیں ہے۔ فی الوقت پیش نظر صرف اسی صورتِ واقعی کا بیان ہے۔

کہ اُس وقت عالم اسلام ایک وحدت کی حیثیت سے موجود نہیں تھا۔

حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد کوفہ میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت ہوئی - اب معلوم ہوا کہ نئے سرے سے تصادم کی نوبت آنے والی ہے - اِدھر حضرتِ حسنؓ کوفے سے چالیس ہزار فوج لے کر چلتے ہیں - اُدھر حضرت معاویہؓ دمشق سے ایک بڑی فوج لے کر روانہ ہوتے ہیں مدائن کے آس پاس دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوتی ہے - حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فوج کا ہراول دستہ آگے آگے جا رہا تھا - اس کے متعلق یہ افواہ اُڑ گئی کہ اس کو شکست ہوگئی - یہ افواہ کس نے اڑائی - واللہ اعلم - نتیجہ یہ نکلا کہ وُہی کوفی جو حضرت حسنؓ کے ساتھ تھے، انہوں نے وہاں وہ طوفانِ بدتمیزی برپا کیا ہے کہ بیان سے باہر ہے - بغاوت کردی، خیمے لوٹ لئے جناب حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر دست درازی کی اَن جنابؓ کے کپڑے پھاڑ ڈالے - ان باغی کوفیوں کے ہاتھوں اپنی جان کا خطرہ دیکھ کر آنجنابؓ کو کسریٰ کے محل میں پناہ لینی پڑی - اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرتِ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کوفیوں کے مزاج کا بخوبی تجربہ ہوگیا - چنانچہ انہوں نے مصالحِ دین کی خاطر وہیں سے حضرت معاویہؓ کو مصالحت کی پیش کش ارسال کردی - جسے حضرت معاویہؓ نے فوراً قبول کر لیا اور اپنی طرف سے ایک سادہ سفید کاغذ پر اپنی مہر لگا کر حضرتِ حسنؓ کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیج دیا کہ جو شرطیں آپ چاہیں لکھ دیں، مجھے منظور ہوں گی - جس کو ہم (BLANK CHEQUE) سے تعبیر کر سکتے ہیں - چنانچہ مصالحت ہوگئی - مصالحت نامہ میں ایک شرط یہ تھی کہ ایران کے صوبے اہواز کا خراج حضرت حسنؓ کو ملے گا - یہ ایران کا وہی صوبہ ہے جس کا آجکل اخبارات میں ایران و عراق کی جنگ کے سلسلے میں کافی ذکر ہو رہا ہے - اور جہاں عرب کافی تعداد میں آباد ہیں - ایک دوسری شرط یہ تھی کہ بیس لاکھ درہم سالانہ میرے چھوٹے بھائی حسینؓ کو ملیں گے - ایک اور شرط یہ بھی تھی کہ وظائف کی تقسیم کے معاملے میں بنی ہاشم کے حق کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ تسلیم کیا جائے گا - ایک شرط یہ بھی تھی کہ اب تک جو کچھ ہوا ہے اس پر کسی سے باز پرس نہیں ہوگی گویا یہ عام معافی (AMNESTY)

GENERAL) کا اعلان تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام شرائط منظور کر لیں اور الحمدللہ تقریباً پانچ سال کے اختلاف، افتراق، انتشار اور باہمی خانہ جنگی کا دروازہ بند ہوا۔ اب پورا عالم اسلام ایک وحدت بن گیا۔ واضح رہے کہ اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے بیعتِ خلافت لی ہے۔ اس صلح کے واقعہ پر حضرت حسینؓ نے ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا کہ "اگر خلافت ان کا یعنی حضرت معاویہؓ کا حق تھی تو ان تک پہنچ گئی اور اگر میرا حق تھی تو میں نے بھی ان کو سونپ دی۔ جھگڑا ختم ہوا۔" یہ وہ بات تھی جس کی پیشن گوئی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی کہ میرے اس بیٹے یعنی حضرت حسنؓ کے ذریعے اللہ تعالیٰ ایک وقت میں مسلمانوں کے دو گروہوں میں مصالحت کرائے گا۔ یہ خصوصی مقام اور رتبہ ہے۔ جنابِ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ― "یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا!" ― لیکن ذہن میں رکھیے۔ وہ سازشی سبائی اس صورتِ حال سے سخت مشتعل تھے۔ انہوں نے حضرت حسنؓ پر طعن کیا۔ آپؓ کی طرح طرح سے توہین کی۔ آپؓ کو "یا عار المومنین" یعنی "اے اہل ایمان کے حق میں عار اور ننگ اور شرم کے باعث انسان" اور "یا مذل المومنین" یعنی "اے مسلمانوں کو ذلیل کرنے والے انسان" کہا گیا۔ یہ توہین آمیز خطابات وہ لوگ آپؓ کو دیتے تھے جو بظاہر آپ کے حامی تھے وہ برملا کہتے تھے کہ اے حسنؓ تم نے یہ صلح کر کے ہماری ناک کٹوا دی ہے اور "اہل ایمان" کے لئے تم نے کوئی عزت کا مقام باقی نہیں رکھا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس امت کی طرف سے ابد الآباد تک حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جزا عطا فرمائے کہ ان کے اس ایثار کی بدولت وہ رخنہ بند ہو گیا اور وہ دراڑ پر ہو گئی جو عالمِ اسلام میں آپس کے خلفشار کی وجہ سے پڑ گئی تھی۔ اب اس بات کو ذہن میں رکھئے کہ پورے بیس برس تک عالم اسلام پھر متحد رہا۔ یہ بات میں اس سے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ حکومت کو اہلِ سُنّت دورِ خلافتِ راشدہ میں شامل نہیں کرتے۔ اسلامی حکومت کا آئیڈیل مزاج وہ ہے جو ہمیں حضرت ابوبکرؓ سے لے کر حضرت عثمانؓ کے ابتدائی دس سال تک نظر

آتا ہے۔ حضرت معاویہؓ صحابی اور کاتبِ وحی ہیں۔ کسی بدنیتی کو ہم ان کی طرف منسوب نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے اور صحیح ہے کہ انؓ کا وہ مقام اور مرتبہ کبھی کسی نے نہیں سمجھا جو حضرت علیؓ کا ہے رضی اللہ عنہ۔ میں نے پہلے بھی کئی بار عرض کیا ہے اور اس کا آج پھر اعادہ کرتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دورِ خلافت میں جو جھگڑے رہے اور مسلمانوں میں آپس میں جو جنگیں ہوئیں معاذ اللہ ان کا کوئی الزام حضرت علیؓ کی ذات پر نہیں ہے۔ اس میں انؓ کا نہ کوئی قصور تھا نہ کوتاہی۔ معاذ اللہ۔ یہ تو اغیار کی سازش تھی کہ انہوں نے فتنہ کی آگ کو اس طرح بھڑکایا تھا کہ اُس کو بجھایا نہ جا سکا۔ لیکن حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت کے یہ بیس سال امن کے سال ہیں۔ باہمی خانہ جنگی ختم ہو گئی۔ ع "ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا" کی کیفیت پیدا ہوئی اور دعوت و تبلیغ اور جہاد و قتال کے عمل کا احیاء ہوا۔ توسیع از سرِ نو شروع ہوئی۔ فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا۔ یہ بیس سالہ دَور خلافتِ راشدہ کے بعد اُمت کی تاریخ میں جتنے بھی ادوار آتے ہیں، ان میں سب سے افضل اور بہتر دور ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ سب سے اہم بات یہ کہ سربراہ حکومت ایک صحابیؓ ہیں۔ ان کے بعد معاملہ آتا ہے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا لیکن وہ صحابی نہیں ہیں۔ تابعی ہیں "ع گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی!" ہم کسی غیر صحابی کو صحابی کے ہم پلّہ اور ہم مرتبہ سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اہل سُنّت کا مجمع علیہ عقیدہ ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی بھی اُمت کے بڑے سے بڑے ولی سے افضل ہے۔

چنانچہ یہی بات ایک دوسرے انداز میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ نے کہی تھی۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ عمر بن عبد العزیزؒ افضل ہیں یا امیر معاویہؓ، انہوں نے جواب دیا کہ "معاویہؓ سے عمر بن عبد العزیزؒ کے افضل ہونے کا سوال کیا پیدا ہوگا۔ عمر بن عبد العزیزؒ سے تو وہ خاک بھی افضل ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کے نتھنوں میں گئی ہے"۔ یہ فرق ہے صحابیت اور غیر صحابیت میں۔

بہرحال میں نے عرض کیا کہ امیر معاویہؓ کے دورِ حکومت کے بیس سال میں امن رہا۔ واضح رہے کہ حضرت حسینؓ بھی وہیں ہیں، رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی دس سال تک زندہ رہے۔ سن ۴۱ھ میں یہ صلح ہوئی تھی اور سن ۵۱ھ میں حضرتِ حسنؓ کا انتقال ہوا ہے۔ ان کا انتقال زہر کے اثر سے ہوا، زہر کس نے دیا، کیوں دیا؟ اس کا تعلق حضرتِ معاویہؓ سے ہونا بعید از قیاس ہے۔ اُن کو کیوں ضرورت پیش آئی تھی کہ وہ حضرت حسنؓ کو زہر دلواتے۔ جبکہ صلح کے بعد ان دونوں کے قریبی اور دوستانہ مراسم تھے۔ زہر دینے والا کوئی سمجھ میں آسکتا ہے تو وہ وُہی گروہ ہو سکتا ہے کہ جس نے آں جنابؓ کو "عار المومنینؓ" اور "مذل المومنین" جیسے اہانت آمیز خطابات دیئے تھے اور آپؓ کو طرح طرح سے ذہنی اذیتیں پہنچائی تھیں ظاہر ہے کہ زہر دلایا ہوگا تو اسی گروہ نے دلوایا ہوگا۔ جن سے ان کی مصالحت ہے ان کی طرف سے زہر دلانے کا امکان بہرحال عقل انسانی تسلیم نہیں کر سکتی۔

اس کے بعد آتا ہے امیر یزید کی بحیثیت ولی عہد نامزدگی اور پھر ان کے دورِ حکومت میں سانحہ کربلا کا واقعہ جو دردناک بھی ہے اور افسوس ناک بھی اور جس نے بلاشک و شبہ تاریخ اسلام پر بہت ہی ناخوشگوار اثرات چھوڑے ہیں۔ اس مسئلہ پر گفتگو سے قبل میں چاہتا ہوں کہ آپ سے عرض کر دوں کہ اس موقع پر یہ بات ذہن میں رکھ لیجئے کہ اگرچہ اُمّت میں اختلاف اور افتراق کے افسانے بہت ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہمارے باقی اختلافات فقہی اختلافات ہیں عقائد کے اختلافات نہیں ہیں۔ عقائد کے اختلافات تو ہمارے ہاں کے کچھ نچلی سطح کے نام نہاد واعظین اور مولویوں نے بنالئے ہیں کہ جن کی دوکان چلتی ہی ان اختلافات کے بل پر ہے۔ ورنہ ذہن میں رکھیئے کہ دیوبندی ہوں، بریلوی ہوں ان کے عقائد ایک ہیں، عقائد کی مستند کتب ان کے ہاں ایک ہیں۔ ان کی فقہ بھی ایک ہے۔ پھر اہل سُنّت کے جو دوسرے گروہ ہیں، وہ مالکی ہوں، شافعی ہوں، حنبلی ہوں، اہل حدیث ہوں، ان میں فقہی معاملات میں اختلافات ہیں عقائد ایک ہی ہیں۔ ہاں عقائد میں جو اختلاف اور فرق واقع ہوا ہے تو وہ شیعوں

اور سُنیوں کے مابین ہوا ہے۔ اس اختلاف کو واقعتہً نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔
تاریخی واقعات کے بارے میں رائے اور سیاسی اختلافات کو ایک طرف رکھا جا
سکتا ہے۔ شخصیات کے بارے میں بھی اگر اختلاف ہو تو اُسے بھی کسی حد تک
نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ کسی کا ذاتی رجحان اگر یہ ہو کہ وہ حضرت علیؓ کو حضرت
ابو بکرؓ سے افضل سمجھتا ہو، تو یہ بھی ایسی بنیادی و اساسی بات نہیں ہے کہ
جس کی بنا پر من دیگرم تو دیگری کا معاملہ ہو سکے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ پوری
اُمتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو افضل
ترین شخصیت ہی نہیں سمجھتی بلکہ پوری نوعِ انسانی میں انبیاءِ کرام کے بعد افضل
البشر سمجھتی ہے لیکن اسے بھی عقیدے کا بنیادی اختلاف قرار نہیں دیا جا سکتا۔
شاہ ولی اللہ دہلویؒ یہ لکھتے ہیں کہ "اگر میری طبیعت کو اس کی آزادی پر چھوڑ دیا
جائے تو وہ حضرت علیؓ کی فضیلت کی قائل ہوتی نظر آتی ہے لیکن مجھے حکم ہوا ہے کہ
میں حضرت ابو بکر صدیق حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت کا اقرار
کروں" میرے ناقص رائے میں خلفائے راشدین کی فضیلت میں تقدیم و تاخیر اگرچہ
فی نفسہٖ ایک اہم مسئلہ ہے تاہم اسے عقیدے کا اختلاف قرار نہیں دیا جا سکتا۔
اصل اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک معصومیت ختم ہو چکی ہے۔ جناب محمد صلی
اللہ علیہ وسلم پر ہمارے نزدیک آں حضورؐ خاتم النبیین والمرسلین کے ساتھ ساتھ
خاتم المعصومین بھی ہیں اور ہم اسے ایمان بالنبوت اور ایمان بالرسالت کا ایک
لازمی جزو سمجھتے ہیں اور یہ بات یقیناً بنیادی عقیدے سے متعلق ہے۔ اس لئے
کہ یہ عقیدۂ ختم نبوت کا لازمی نتیجہ ہے چونکہ عصمت و معصومیت خاصۂ نبوت ہے،
نبوت ختم ہوئی تو عصمت و معصومیت بھی ختم ہوئی۔ اب نبوت کے بعد اجتہاد
کا دروازہ کھلا ہے۔ وحی نبوت کا دروازہ بند ہے اور تا قیام قیامت بند رہے گا
تاریخ انسانی کا بقیہ سارا دور اجتہاد کا ہے۔ اجتہاد میں مجتہد اپنی امکانی حد تک
کوشش کرتا ہے کہ اس کی رائے قرآن و سنت ہی سے ماخوذ و مستنبط ہو۔ لیکن
وہ معصوم عن الخطاء نہیں ہے۔ اس اجتہاد میں خطاء بھی ہو سکتی ہے لیکن اگر
نیک نیتی کے ساتھ خطا ہے تو ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ مجتہد مخطی کو بھی اجر و ثواب ملے گا

گرچہ اکہرا۔ اور مجتہد اگر مصیب بھی ہو یعنی صحیح رائے تک پہنچ گیا ہو تو اُسے دوہرا اجر ملے گا۔ جبکہ شیعہ مکتبِ فکر کا عقیدہ امامتِ معصومہ کا ہے۔ ہمارے نزدیک جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا معصومیت خاصۂ نبوّت ہے۔ وہ اپنے ائمہ کو بھی معصوم مانتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان سے خطاء کا صدور ممکن نہیں۔ ہمارے اعتبار سے تو اس نوع کی امامت ایک قسم کی نبوّت بن جاتی ہے۔ اور ہر قسم کی نبوّت تو ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم سمجھتے ہیں۔ لہٰذا نبوّت کے بعد جو بھی زمانہ آیا اس میں کسی کا جو بھی اقدام ہے اس میں ہم احتمالِ خطاء کو بعید از امکان نہیں سمجھتے۔ خواہ وہ اقدام حضرت علیؓ کا ہو خواہ حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ کا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ان میں سے کسی کے کسی فیصلہ یا اقدام کے بارے میں یہ رائے دینا چاہے کہ فلاں معاملے میں انؓ سے خطاء ہوئی تو اُسے حق ہے، وہ کہہ سکتا ہے البتہ دلیل سے بات کرے اور اُسے اجتہادی خطاء سمجھے تو یہ بات ہمارے عقیدے سے نہیں ٹکرائے گی۔ یہ دوسری بات ہے کہ پوری چودہ سو سال کی تاریخ میں حضرتِ ابوبکرؓ کے دَور سے لے کر آج تک کسی شخص نے صدیقِ اکبرؓ کی کسی خطاء کو پکڑا نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم یہ کہتے ہیں کہ امکان خطاء موجود تھا۔ اور وہ معصوم عن الخطاء نہیں تھے، لہٰذا کوئی شخص اگر یہ کہنا چاہے کہ ان سے یہ خطاء ہوئی، یہ نہ کرتے یا یوں کرتے تو بہتر تھا تو ہم اس کی زبان نہیں پکڑیں گے۔ چونکہ ہم ان کی معصومیّت کے قائل ہی نہیں ہیں حضرت عمرؓ کو تو خود اپنی بعض اجتہادی آراء میں خطاء کا احساس ہوا، جن سے انہوںؓ نے علی الاعلان رجوع کر لیا۔ البتہ اپنی ایک خطاء کا وہؓ صرف اعتراف کر سکے، اس کا ازالہ نہ ہو سکا۔ وہ یہ کہ حضرتِ ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں خود انہوں نے حضرتِ ابوبکرؓ پر زور دے کر وظائف کی تعیّن کے معاملے میں ایک فرق رکھوایا۔ یعنی یہ کہ بدری صحابہ کو دوسروں کے مقابلے میں کافی زیادہ وظیفہ ملنا چاہیئے، اور اصحابِ شجرہ کو بدری صحابہ سے کم لیکن دوسروں سے زیادہ وظیفہ ملنا چاہیئے۔ یہ فرقِ مراتب حضرت عمرؓ نے رکھوایا۔ اور اپنی حیاتِ دنیوی کے آخری ایام میں آپؓ اس پر پچھتاتے۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ وہ بھی جان لیجئے یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ

کی نصرت اور مسلمانوں کے جوشِ جہاد اور شوقِ شہادت کی وجہ سے نہایت عظیم الشان فتوحات ہوتی چلی گئیں اور مالِ غنیمت بے حد و حساب دارالاسلام میں آنے لگا۔ اب جو بڑے بڑے وظائف باقاعدگی سے ملے تو اس نے سرمایہ داری کی شکل اختیار کر لی۔ اس لئے کہ معاشرے میں بالفعل یہ صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی کہ صدقہ خیرات لینے والا کوئی مستحق ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا تھا۔ بنا بریں ارتکازِ دولت کی شکل پیدا ہونی شروع ہو گئی اور وظائف میں فرق و تفاوت نے اصحابِ دولت و ثروت کے مابین بھی عظیم فرق و تفاوت پیدا کر دیا۔ اگر وہ دولت کسی ہموار و مساوی طریقے پر منتقل ہوتی تو یہ صورتِ حال رونما نہ ہوتی۔ یہ وہ چیز تھی جس کو دیکھ کر حضرت عمر فاروقؓ نے کہا تھا کہ "لَوِ استقبلتُ ما استدبرتُ لَاَخذتُ فضولَ اموالِ الاغنیاءِ وَلَقسمتہٗ بین النّاس" (او کما قال) "اب اگر کہیں وہ صورتِ حال دوبارہ پیدا ہو جائے جو اب پیچھے جا چکی ہے تو میں لوگوں کے اموال میں جو فاضل ہے وہ لے کر دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دیتا۔" پس معلوم ہوا کہ آنجنابؓ کو ایک احساس ہوا۔ یہ بات میں نے صرف اس لئے عرض کی ہے کہ اہلِ سنّت کا یہ موقف واضح ہو جائے کہ خطاء کا احتمال و امکان ہر صحابی کے بارے میں ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم اس خطاء کو اجتہادی خطاء قرار دیں گے۔ اُسے نیک نیتی پر محمول کریں گے۔ یہ بات ہر صحابی کے بارے میں کہی جائے گی۔ یہی بات اور یہی رائے نہ صرف حضرت امیر معاویہؓ حضرت عمرو بن العاص، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔ بلکہ حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں بھی۔ یہاں تک کہ حضراتِ شیخینؓ اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔

لہٰذا یہ بات پیشِ نظر رکھئے کہ اب گفتگو کا جو مرحلہ آ رہا ہے جو حضرت امیر معاویہؓ کے ایک اہم اقدام سے متعلق ہے۔ اس کے بارے میں بھی دو رائیں ممکن ہیں۔ ان کو یہ بات حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے سُجھائی (جو مسلّمہ طور پر ایک نہایت ذہین و فہیم مدبّر اور دوررس نگاہ رکھنے والے صحابی مانے جاتے ہیں) کہ

دیکھیے مسلمانوں میں آپس میں جو کشت و خون ہوا اور پانچ برس کا جو عرصہ آپس کی لڑائی جھگڑے میں گزرا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے بعد پھر وہی حالات پیدا ہو جائیں۔ لہٰذا اپنی جانشینی کا مسئلہ اپنی زندگی ہی میں طے کر کے جائیے"۔ اب کوئی شخص چاہے (اور ہمارے ہاں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے) تو وہ بڑی آسانی سے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ پر یہ فتویٰ لگا دے کہ انہوں نے کسی لالچ اور کسی انعام کی امید کی وجہ سے یا چاپلوسی کے خیال سے یہ رائے دی۔ معاذ اللہ ہم یہ رائے نہیں دے سکتے۔ حضرتِ مغیرہ بن شعبہؓ ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل ہیں جنہوں نے حدیبیہ میں نبی اکرمؐ کے دست مبارک پر وہ بیعت کی تھی جس کو بیعتِ رضوان کہا جاتا ہے چونکہ اس بیعت پر سورہ فتح میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ وہؓ اصحابِ شجرہ میں سے ہیں۔ پھر حضرت علیؓ کے پورے عہدِ حکومت میں وہ حضرت علیؓ کے بڑے حامیوں (SUPPORTER) میں رہے اور ہر مرحلے میں انہوںؓ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ دیا لیکن وہ اُمت کے حالات کو دیکھ رہے تھے۔ آپس کی خانہ جنگی کا انہیں تلخ اور دردناک تجربہ ہوا تھا۔ وہ جو انگریزی کی مثل ہے کہ "بہت سا پانی دریا میں بہہ گیا ہے" اس کے مصداق حالات میں بہت کچھ تبدیلی آچکی ہے یہ ۶۰ھ ہجری کے لگ بھگ کا زمانہ ہے۔ آن حضورؐ کی وفات پر پورے پچاس برس گزر چکے ہیں۔ کبارِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی عظیم اکثریت اللہ کو پیاری ہو چکی ہے۔ اب تو صغارِ صحابہؓ میں بھی تھوڑے ہی لوگ موجود ہیں۔ اور یہ گویا صحابہ کی دوسری نسل کے افراد ہیں جیسے حضرت زبیر بن العوامؓ شہید ہو چکے، اب ان کے بیٹے عبداللہ بن زبیرؓ ہیں۔ حضرت عمرؓ شہید ہو چکے اب ان کے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ ہیں حضرت عباسؓ اللہ کو پیارے ہو چکے البتہ ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عباسؓ موجود ہیں۔ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ ہیں، الغرض چند صغارِ صحابہؓ کو چھوڑ کر تقریباً ننانوے ۹۹ فی صد لوگ تو بعد کے ہیں۔ پھر وہ جوشِ جذبہ ایمانی بھی پچاس سال کے بعد اس درجے کا نہ رہا تھا جو خلافتِ راشدہ کے ابتدائی پچیس سال تک نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں

"جوہر اندیشہ" اور شدتِ احساس کا عالم تو یہ ہے کہ خود حضرت ابوبکرؓ نے ایک موقع پر جب کچھ عیسائی آئے اور ان کو قرآن مجید کی آیات سنائی گئیں اور شدتِ تاثر سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "ھٰکذا کُنّا حتّٰی قَسَتِ القلوب" یعنی "یہی حال کبھی ہمارا ہوا کرتا تھا کہ قرآن مجید پڑھتے تھے اور سنتے تھے تو ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو جایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ دل سخت ہو گئے۔" ذرا غور فرمائیے یہ بات حضرت ابوبکرؓ اپنے متعلق فرما رہے ہیں کہ ہمارے دل سخت ہو گئے۔ اسی طرح انتقال کے وقت حضرت عمرؓ اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ "میں اگر برابر برابر پر چھوٹ جاؤں تو بہت بڑی کامیابی سمجھوں گا" پھر یہی حضرت عمر فاروقؓ ہیں جو حضرت حذیفہؓ سے پوچھتے تھے کہ میں قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں۔ کہیں میرا نام ان منافقوں کی فہرست میں نہیں تھا جن کے نام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں بتلائے تھے۔" تو ان جلیل القدر صحابہؓ کے شدتِ احساس کی یہ صورت تھی تو آپ سوچئے کہ ع "تا بہ دیگراں چہ رسد!" لہٰذا ان حالات میں حضرت مغیرہؓ کی سمجھ میں مصالحِ امت کا یہی تقاضا آیا کہ امیر معاویہؓ اپنا کوئی جانشین نامزد فرما دیں۔ چونکہ اس وقت فی الواقع بحیثیت مجموعی اُمت کے حالات اس جمہوری اور شورائی مزاج (REPUBLICAN CHARACTER) کے متحمل نہیں رہے ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا فرمایا تھا۔ لہٰذا حالات کے پیشِ نظر ایک سیڑھی نیچے اتر کر فیصلہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت مغیرہؓ نے دلائل کے ساتھ حضرت معاویہؓ سے اصرار کیا کہ وہ اپنا جانشین نامزد کریں اور اس کی بیعتِ ولیعہدی لیں۔ پھر ان ہی نے جانشینی کے لئے جناب یزید کا نام تجویز کیا۔ یہاں یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے۔ کہ جو شخص بھی کسی درجے میں حضرت مغیرہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بدنیت قرار دے گا اس کا معاملہ اہلِ سنّت سے جُدا ہو جائے گا۔ اہلِ سُنّت کا عقیدہ یہ ہے کہ "الصحابۃ کُلّھم عدول" بدنیتی کی نسبت ہم ان کی طرف نہیں کر سکتے، اختلاف کر سکتے ہیں۔ ہم انہیں معصوم نہیں مانتے۔ ان سے خطا ہو سکتی ہے۔ ان کے کسی فیصلہ کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ یہ صحیح فیصلہ نہیں تھا۔ کوئی

یہ کہے تو اس سے اس کے ایمان، عقیدہ اور اہل سُنّت میں سے ہونے پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔ یہ رائے دی جا سکتی ہے لیکن جو شخص بدنیتی کو کسی صحابیٔ رسول ؐ کی طرف منسوب کرتا ہے جان لیجئے کہ وہ اور خواہ کچھ بھی ہو بہرحال اہل سنّت الجماعت میں شمار نہیں ہوگا۔ اب تصویر کا دوسرا رُخ دیکھیئے یعنی یہ کہ جن کی نیک نیتی ہر شبہ سے بالاتر ہے۔ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ یہ عمل اسلام کے مزاج کے ساتھ مناسبت رکھنے والا نہیں ہے۔ ان میں پانچ نام بہت مشہور ہیں۔ تین تو اُمّت کے مشہور "عبادلہ" میں سے ہیں یعنی حضرت عبداللہ ابن زبیر، عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہم۔ ایک حضرت حسین ابن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما اور ایک حضرتِ ابوبکر رضؓ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالےٰ عنہما۔ انہوں نے یزید کی بیعتِ ولی عہدی سے انکار کیا۔ اور ذہن میں رکھیئے کہ یہ تاریخی جملہ حضرت عبدالرحمٰن رضؓ ابن ابی بکر رضؓ کا ہے کہ جب مدینہ کے گورنر نے ولی عہدی کی بیعت لینی چاہی ہے تو انہوں نے بڑے غصّے سے کہا "کہ" کیا اب تم رسُول اللہؐ اور خلفاء راشدینؓ کی سنّت کے بجائے قیصر و کسریٰ کی سنت رائج کرنا چاہتے ہو کہ باپ کے بعد بیٹا جانشین ہو"۔ تیسری جانب یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہے کہ ان پانچ حضرات کو چھوڑ کر اُمّت کی عظیم ترین اکثریت نے بیعت کر لی۔ جس میں کثیر تعداد میں صحابہ رضؓ بھی شامل تھے۔ اب اس واقعہ کے بعد اگر کوئی چاہے تو ان سب کو بے ضمیر قرار دیدے۔ کسی کی زبان کو تو نہیں پکڑا جا سکتا۔ کہنے والے یہ بھی کہہ دیں گے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے ان کے ایمان دولت کے ذریعے خرید لئے تھے۔ لیکن ذرا توقّف کر کے غور فرمالیجئے کہ "ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں" کے مصداق سب سے پہلے اس زد میں حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ذاتِ گرامی آئے گی۔ گویا انہوں رضؓ نے حضرتِ معاویہ رضؓ کے حق میں دولت کے عوض دستبرداری قبول کر کے اپنی خلافت فروخت کی تھی۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ لیکن ایسی بات کہنے والوں کو ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہیئے کہ اس طرح ہدفِ ملامت و اہانت کون کون سی لائقِ صد احترام ہستیاں بنتی ہیں۔ ہم ان سب کو نیک نیّت سمجھتے ہیں۔ جو بھی صحابہ کرام رضؓ اس وقت موجود تھے ان میں سے جنہوں نے ولی عہدی کی بیعت

کی اور جنہوں نے انکار کیا وہ سب سب ٹھیک ٹھیک ہے۔ سب بڑی مصلحت اور احسان مصلحت تھی۔ حضرتِ حسنؓ نے جو ایثار فرمایا تھا وہ تو تا قیام قیامت اُمّت پر ایک احسان عظیم شمار ہوگا۔ یہ بات بھی پیشِ نظر رکھیئے کہ جو دوسرا مکتبِ فکر ہے وہ حضرتِ حسنؓ کو بھی امام معصوم مانتا ہے لہٰذا ان کا طرزِ عمل خود ان کے اپنے عقیدے کے مطابق صد فی صد درست قرار پاتا ہے۔

اب آیئے حضرتِ حسین رضی اللہ تعالیٰ کے موقف کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اہلِ سُنّت اس معاملے میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ پوری نیک نیتی سے آں جنابؓ یہ سمجھتے تھے کہ اسلام کے شورائی اور جمہوری مزاج کو بدلا جا رہا ہے۔ حالات کے رُخ کو اگر ہم نے تبدیل نہ کیا تو وہ خالص اسلام جو حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے اور وہ کامل نظام جو حضورؐ نے قائم فرمایا تھا، اس میں کجی کی بنیاد پڑ جائے گی، لہٰذا اسے ہر قیمت پر روکنا ضروری ہے۔ یہ رائے انؓ کی تھی اور پوری نیک نیتی سے تھی۔ پھر شہر کوفہ کے لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے برابر ان کو پیغامات بھیج رہے تھے اور کوفیوں کے خطوط سے حضرتِ حسینؓ کے پاس بوریاں بھر گئی تھیں۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ کوفہ صرف ایک شہر نہیں تھا بلکہ اس کی سیاسی اور فوجی حیثیت سے بڑی اہمیت تھی۔ لہٰذا آنجنابؓ کی رائے تھی کہ اہالیانِ کوفہ کے تعاون سے وہؓ حالات کا رُخ صحیح جانب موڑ سکتے ہیں۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ ایسے تمام معاملات اجتہادی ہوتے ہیں۔ اس رائے میں حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ بھی شریک تھے کہ ولی عہدی کی جو رسم پڑ گئی ہے وہ اسلام کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی۔ لیکن وہ آگے جا کر اختلاف کرتے ہیں۔ ان کا اختلاف تھا امکانات کے بارے میں۔ وہ کوفہ والوں کو قطعی ناقابلِ اعتبار سمجھتے تھے۔ ظاہر بات ہے کہ کسی اقدام سے پہلے خوب اچھی طرح جائزہ لینا ہوتا ہے کہ اقدام کے لئے جو وسائل و ذرائع ضروری ہیں، وہ موجود ہیں یا نہیں۔ نبی اکرمؐ اور اہلِ ایمان پر قتال مکّے میں فرض نہیں ہوا تھا بلکہ مدینہ میں ہوا جبکہ اتنی قوت بہم پہنچ گئی تھی کہ قتال سے اچھے نتائج کی توقع کی جا سکے، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی مخلصانہ رائے تھی کہ کامیاب اقدام کے لئے جو اسباب درکار ہیں وہ فی الوقت

موجود نہیں ہیں۔ لہٰذا وہ حضرت حسینؓ کو کوفہ والوں کی دعوت قبول کرنے اور وہاں جانے سے باصرار والحاح منع کرتے رہے۔ لیکن حضرت حسینؓ کی رائے یہ تھی کہ کوفہ والوں کی دعوت قبول کرنی چاہیئے اصل معاملہ یہ تھا کہ جو سچا انسان ہوتا ہے وہ اپنی سادگی اور شرافت میں دوسروں کو بھی سچا ہی سمجھتا ہے۔ اور اپنی صداقت کی بنیاد پر دوسروں سے بھی حسنِ ظن رکھتا ہے۔ کوفہ کوئی معمولی شہر نہیں تھا۔ انتہائی STRATEGIC مقام پر کوفہ واقع تھا۔ یہ سب سے بڑی چھاؤنی تھی جو حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں قائم کی گئی تھی۔ اس لئے کہ یہ وہ مقام ہے جس سے اس شاہراہ کا کنٹرول ہوتا ہے جو ایران اور شام کی طرف جاتی ہے۔ لہٰذا حضرت حسینؓ یہ رائے رکھتے تھے کہ اگر کوفہ کی عظیم اکثریت ان کا ساتھ دینے کیلئے آمادہ ہے جیسا کہ ان کے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے تو کامیابی کے امکانات غالب ہیں اس لئے کوفیوں کی دعوت کو قبول کر لینا چاہیئے۔ جس کے ذریعہ اسلامی نظام میں جو تبدیلی لائی جا رہی ہے اس کا ازالہ کیا جا سکتا ہے اور اس کا راستہ روکا جا سکتا ہے۔

لیکن اس رائے سے اختلاف کر رہے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ بھی۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین۔ یہ اختلاف بھی معاذ اللہ بدنیتی پر نہیں تھا۔ وہ بھی یعنی حضرت حسینؓ بھی اور یہ یعنی تینوں عبادلہ بھی نیک نیت تھے۔ ان تینوں حضرات نے لاکھ سمجھایا کہ آپ کوفہ والوں پر ہرگز اعتماد نہ کیجیئے۔ یہ لوگ قطعی بھروسے کے لائق نہیں ہیں۔ یہ لوگ جو کچھ آپ کے والدِ بزرگوار کے ساتھ کرتے رہے ہیں، اس کو یاد کیجیئے۔ جو کچھ آپ کے برادرِ محترم کے ساتھ کر چکے ہیں اس کو پیشِ نظر رکھیئے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ان کے دل آپ کے ساتھ ہوں لیکن ان کی تلواریں آپ کی حمایت میں نہیں اٹھیں گی بلکہ معمولی خوف یا دباؤ یا لالچ سے آپ کے خلاف اٹھ جائیں گی۔ لیکن حضرت حسینؓ کا ایک فیصلہ ہے۔ جس پر وہ کمال استقامت کے ساتھ عمل پیرا ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ اس معاملہ میں فرمانِ خداوندی اور سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کر رہے ہیں یعنی "فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ" یعنی پہلے خوب غور کر لو، سوچ لو، امکانات کا جائزہ لے لو۔ تدبیر کو بروئے کار لانا ضروری ہے۔ ساز و سامان کی فراہمی ضروری ہے۔

یہ بھی دیکھو کہ صورتِ حال (SITUATION) فی الواقع درپیش ہے اس کے
تقاضے پورا کرنے کی اہلیت ہے یا نہیں۔ لیکن جب ان مراحل سے گزر کر ایک فیصلہ کر
لو تو اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے اقدام کرو۔ "فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ" یہ
رہنمائی ہے۔ قرآن و سنّت میں۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت حسین نے ASSESS-
MENT- میں غلطی کی لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے کسی بدنیتی سے یا حکومت و اقتدار
کی طلب میں یہ کام کیا۔ معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ۔ اہلِ سنّت کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں ہے۔
میں ذاتی طور پر اس بات سے کھلم کھلا اور سرِعام اعلانِ برأت کرتا ہوں۔ اگر کسی
کو یہ شک و شبہ یا غلط فہمی ہو کہ معاذ اللہ میری یہ رائے ہے کہ حضرتِ حسینؓ کے اس
اقدام میں کوئی نفسانیت یا کوئی ذاتی غرض تھی تو میں اس سے بالکلیہ بری ہوں الحمد للہ
ثم الحمد للہ۔ کسی کی یہ رائے اگر ہو تو ہو لیکن اچھی طرح جان لیجئے کہ اہل سنّت کے جو مجمع
اور مجمع علیہ عقائد ہیں ان میں یہ بات شامل ہے کہ حضرتِ حسینؓ کے اقدام اور مشاجرات
صحابہؓ کے ضمن میں کسی صحابیٔ رسولؐ پر بدنیتی اور نفسانیت کا حکم لگانے سے ایمان میں
خلل واقع ہو گا۔ بلا تخصیص ہم تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو عدول
مانتے ہیں۔ البتہ معصوم کسی کو نہیں مانتے اور ہر ایک سے خطاءِ اجتہادی کے احتمال و امکان

کو تسلیم کرتے ہیں۔
حضرتِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیک نیتی سے ایک رائے تھی۔ نیک نیتی ہی
سے ایک اندازہ (ASSESSMENT) تھا اور جب اس پر انشراح ہو گیا تو وا
ہی کے لئے عزیمت تھی۔ جب ولی عہدی کی بیعت کا مسئلہ مدینہ منورہ میں پیش
ہوا تھا تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وہاں سے مکہ مکرمہ چلے گئے تھے۔ حضرت حسینؓ
بھی ایسا ہی کیا۔ چند حضرات کی رائے یہ تھی کہ مکہ مکرمہ ہی کو RONG HOLD
اور اصل BASE بنایا جائے اور اس ولی عہدی کے خلاف رائے عامہ کو ہموا
کرنے کے لئے اپنی قوتوں کو مجتمع کیا جائے ۔ ابھی اس سلسلہ میں کوئی مؤثر کام
نہیں ہو سکا تھا کہ حضرت امیر معاویہؓ کا انتقال ہو گیا اور بحیثیت ولی عہد حکومت
امیر یزید کے ہاتھ میں آ گئی ۔ جس کے بعد کوفہ والوں نے خطوط بھیج بھیج کر حضرت
حسینؓ کو اپنی وفاداری اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے جدوجہد اور اقدام

نین دلایا - آں جنابؓ نے تحقیق حال کے لئے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیلؓ
کو کوفہ بھیجا - ان کی طرف سے بھی اطلاعات یہی موصول ہوئیں کہ اہل کوفہ بدل و جان
ہاتھ دینے کے لئے تیار ہیں - حضرت حسینؓ نے کوفہ کے سفر کا ارادہ کر لیا اور کوچ کی
تیاریاں شروع کر دیں - حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ دونوں
نے بہت سمجھایا کہ مکہ سے نہ نکلئے - یہ دونوں حضرات یہ کہتے ہوئے رو پڑے کہ کہیں
ایسا نہ ہو کہ جس طرح امیر المومنین حضرت عثمانؓ کو ان کے گھر والوں کے سامنے ذبح کر دیا
گیا - اسی طرح آپ کے اہل و عیال کے سامنے آپ کو بھی ذبح کر دیا جائے - جب حضرت
حسینؓ نے کوچ کیا ہے تو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ان کی سواری کے ساتھ دوڑتے
ہوئے دور تک گئے ہیں اور اصرار کرتے رہے ہیں کہ خدا کے لئے باز آجائیے اور اگر جانا
ہی ہے تو خواتین اور بچوں کو تو ساتھ لے کر نہ جائیے - اور یہ عبداللہ ابن عباسؓ کون
ہیں ؟ رشتے میں ایک جانب سے حضرت حسینؓ کے چچا لگتے ہیں - تو دوسری طرف سے نانا -
اس لئے کہ والد یعنی حضرت علیؓ کے بھی چچازاد بھائی ہیں اور نانا یعنی نبی اکرمؐ کے بھی
چچازاد بھائی ہیں ! لیکن اس وقت محبت سے مغلوب ہو کر کہہ رہے ہیں "اے ابن عم !
خدا کے لئے باز آجاؤ یا کم از کم ان عورتوں اور بچوں کو مکہ ہی میں چھوڑ جاؤ" - لیکن
نہیں ، دوسری جانب عزیمت کا ایک کوہ گراں ہے پیکر شجاعت ہے - سراپا استقامت
ہے - نیک نیتی سے جو فیصلہ کیا ہے اس پر ڈٹے ہوئے ہیں - اس کے بعد راستے میں
جب اطلاع ملی کہ حضرت مسلم بن عقیلؓ جو ایلچی اور تحقیق کنندہ کی حیثیت سے کوفہ گئے
تھے - وہاں شہید کر دیئے گئے اور کوفہ والوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی -
سب کے سب گورنر کوفہ کے سامنے حکومت وقت کے ساتھ وفاداری کا عہد استوار
کر لیا ہے تو حضرت حسینؓ نے سوچنا شروع کیا کہ سفر جاری رکھا جائے یا مکہ واپسی
ہو - لیکن ذہن میں رکھئے کہ ہر قوم کا ایک مزاج ہوتا ہے جو انسان کی شخصیت
کا جزو لاینفک ہوتا ہے - عرب کا مزاج یہ تھا کہ خون کا بدلہ لیا جائے خواہ اس میں
خود اپنی جان سے بھی کیوں نہ ہاتھ دھونے پڑیں - چنانچہ حضرت مسلم کے عزیز رشتہ دار
کھڑے ہو گئے کہ اب ہم ان کے خون کا بدلہ لئے بغیر واپس نہیں جائیں گے - حضرت
حسینؓ کی شرافت اور مروت کا تقاضا تھا کہ وہ ان لوگوں کا ساتھ نہ چھوڑیں جان کے

مشن میں ان کا ساتھ دینے کے لئے نکلے تھے۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ مسلم بن عقیل کے خونِ ناحق کا بدلہ لینے کے عزم کا اظہار کرنے والوں کا ساتھ یہ پیکرِ شرافت و مروت نہ دیتا۔ لہٰذا سفر جاری رہا۔ اسی دوران حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ جو چچا زاد بھائی ہیں، ان کے بیٹے حضرت عون اور حضرت محمد ان کا پیغام لے کر آتے ہیں "کہ خدا کیلئے اُدھر مت جاؤ"۔ لیکن فیصلہ اٹل ہے۔ ان دونوں کو بھی ساتھ لیتے ہیں اور سفر جاری رہتا ہے حتیٰ کہ قافلہ دشتِ کربلا میں پہنچ گیا۔ اُدھر کوفہ سے گورنر ابن زیاد کا لشکر آگیا۔ یہ لشکر ایک ہزار افراد پر مشتمل تھا اور اس کو صرف ایک حکم تھا کہ وہ حضرت حسینؓ کے سامنے یہ دو صورتیں پیش کرے کہ آپؓ کوفہ کی طرف جا سکتے ہیںؓ مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ کی طرف مراجعت کر سکتے ہیں۔ ان دونوں سمتوں کے علاوہ جدھر آپ جانا چاہیں اس کی اجازت ہے۔ یہاں اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہ تیسرا راستہ کون سا ہو سکتا تھا! وہ راستہ تھا دمشق کا۔ لیکن افسوس کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اختیار نہ کیا بلکہ آپؓ وہیں ڈٹے رہے۔ اب عمر بن سعد کی قیادت میں چار ہزار کا لشکر کوفہ مزید پہنچ گیا۔ اور یہ عمر بن سعد کون تھے؟ افسوس کہ ان کے نام کو گالی بنا دیا گیا ہے۔ یہ تھے حضرتِ سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران اور یکے از عشرہ مبشرہ کے بیٹے۔ جن کی حضرتِ حسینؓ کے ساتھ قرابت داری بھی ہے۔ وہ بھی مصالحت کی انتہائی کوشش کرتے ہیں۔ اور گفت و شنید جاری رہتی ہے۔ اب حضرت حسینؓ کی طرف سے تین صورتیں پیش ہوتی ہیں۔ یعنی یہ کہ "یا مجھے مکّہ مکرمہ واپس جانے دو۔ یا مجھے اسلامی سرحدوں کی طرف جانے دو تاکہ میں کفار کے خلاف جہاد و قتال میں اپنی زندگی گذار دوں۔ یا میرا راستہ چھوڑ دو۔ میں دمشق چلا جاؤں۔ میں یزید سے اپنا معاملہ خود طے کر لوں گا"۔ لیکن اب گھیرا تنگ ہو گیا ہے۔ اور صورتِ حال یکسر بدل گئی ہے۔ اور یہ بھی خوب جان لیجئے کہ اس کی اصل وجہ کیا ہے؟ حضرتِ حسینؓ نے میدانِ کربلا میں ابن زیاد کے بھیجے ہوئے لشکروں کے سامنے جو خطبات دیئے۔ اس میں انہوںؓ نے بھانڈا پھوڑ دیا کہ میرے پاس کوفیوں کے خطوط موجود ہیں، جنہوں نے مجھے یہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ انہوں نے اس کوفی فوج کے بہت سے سرداروں کے نام لے لے کر فرمایا:

فلاں ابن فلاں! یہ تمہارے خط ہیں کہ نہیں جس میں تم نے مجھ سے بیعت کرنے کے لئے مجھے کوفہ آنے کی دعوت دی تھی، جس پر وہ لوگ برأت کرنے لگے کہ نہیں ہم نے یہ خطوط نہیں بھیجے۔ اب ان کی جان پر بنی ہوئی تھی چونکہ مصالحت کی صورت میں حکومتِ وقت سے ان کی غداری کا جرم ثابت ہو جاتا۔ جنگِ جمل اور جنگِ صفیّن کے واقعات یاد کیجئے۔ جہاں بھی مصالحت کی بات ہوگی، وہاں وہی سبائی فتنہ آڑے آئے گا جو اس سارے انتشار و افتراق اور خانہ جنگیوں کا بانی مبانی رہا ہے۔ مصالحت کی صورت میں تو ان کا کچا چٹھا کھل جاتا اور معلوم ہو جاتا کہ دوستی کے بہروپ میں رہ کر کون دشمنی کرتا رہا ہے اور وہ کون ہیں جو سادہ لوح عوام کو دھوکا دے کر اور خواص کو بہلا پھسلا کر مسلمان کو مسلمان کے خلاف محاذ آرا کرتے آ رہے ہیں۔ حضرت حسینؓ کے پاس کوفیوں کے بوریاں بھرے خطوط تھے مفاہمت کی صورت میں جب یہ سامنے آتے تو ان کا حشر کیا ہوتا۔ اس کو اچھی طرح آج بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان سرداروں اور ان کے حواریوں نے مصالحت و مفاہمت کا سلسلہ جاری رہنے نہیں دیا اور عمرؓ بن سعد کو مجبور کر دیا کہ وہ حضرت حسینؓ کے سامنے یہ شرط پیش کرے کہ یا تو غیر مشروط پر SURRENDER کیجئے۔ ورنہ جنگ کیجئے۔ یہ سازشی لوگ حضرتِ حسینؓ کے مزاج سے اتنے تو واقف تھے کہ ان کی غیرت و حمیّت غیر مشروط طور پر حوالگی کے لئے تیار نہیں ہوگی اور فی الواقع ہوا بھی یہی۔ یہاں یہ جان لیجئے کہ معاملہ تھا حضرتِ حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا، ان کی غیرت، ان کی حمیّت ان کی شجاعت اس توہین و تذلیل کو ہرگز گوارا نہ کر سکتی تھی۔ لہٰذا انہوں نے غیر مشروط SURRENDER کرنے سے انکار کر دیا اور مسلح تصادم ہو کر رہا۔ جس کے نتیجے میں سانحہ کربلا واقع ہوا۔ دادِ شجاعت دیتے ہوئے آپؓ کے ساتھی شہید ہوئے۔ آپؓ کے اعزہ و اقارب نے اپنی جانیں نچھاور کیں اور آپؓ نے بھی تلوار چلاتے ہوئے اور دشمنوں کو قتل کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ ہے اصل حقیقت اس سانحہ فاجعہ کی۔ اصل سازشی ذہن کو پہچانئے۔ جیسے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان اختلاف کا افسانہ جس نے بھی تراشا ہے بڑی عیارانہ مہارت سے تراشا ہے

گھڑا ہے۔ اس افسانے سے حقائق گم کر دیئے گئے ہیں۔ اب ہوتا یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ اصل مجرم کو PIN POINT کیا جائے۔ کوئی حضرت عثمانؓ کو تنقید کا ہدف بناتا ہے تو کوئی حضرت علیؓ کو۔ اس طرح یہ دونوں فریق ان سازشی سبائیوں کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ حضرت عثمانؓ کی شخصیت مجروح ہوتی ہے تو بھی ان کا کام بنتا ہے اور حضرت علیؓ کی ذاتِ گرامی مجروح ہوتی ہے تو بھی ان کے پو بارہ ہوتے ہیں۔ یہ عثمانؓ کون ہیں؟ یہ ہیں ذوالنورینؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد اور یکے از عشرہ مبشرہ۔ اور یہ علیؓ کون ہیں؟ آں حضورؐ کے تربیت یافتہ آپؐ کے چچا زاد بھائی۔ آپؐ کے داماد۔ آپؐ کے محبوب اور یکے از عشرہ مبشرہ۔ ان دونوں میں سے کسی کی بھی شخصیت مجروح ہوتی ہے تو اس کی زد پڑتی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر۔ جو ان دونوں کے مزکی و مربی تھے۔ ان شخصیتوں میں اگر نقص اور عیب مانا جائے گا تو محمد رسول اللہؐ کی تربیت پر حرف آئے گا اور آں حضرتؐ کی شخصیتِ مبارکہ مجروح ہوگی۔ افسوس کہ آج بھی اُن سبائیوں کا کام دونوں طرف سے بن رہا ہے۔ خوب جان لیجئے کہ ایسے تمام لوگ چاہے وہ اس کا شعور رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں سبائی ایجنٹ ہیں۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ "الصحابة كلهم عدول" کوئی بدنیتی اور نفسانیت نہ حضرت عثمان میں تھی نہ حضرت علی میں، نہ حضرت معاویہ میں تھی نہ حضرت مغیرہ بن شعبہ میں نہ حضرت عمرو بن العاص میں تھی نہ حضرت ابوموسیٰ اشعری میں نہ حضرت حسین ابن علی میں تھی نہ حضرت عبداللہ ابن عباس یا عبداللہ ابن عمر میں رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ ہاں ایک فتنہ تھا جس نے ہر مرحلہ پر جب بھی مصالحت و مفاہمت کی صورت پیدا ہوتی نظر آئی اس کو تارپیڈو کیا اور اس کے بجائے ایسی نازک صورتِ حال (CRITICAL SITUATION) پیدا کر دی کہ کشت و خون ہو۔ مسلمان ایک دوسرے کی گردنوں پر تلواریں چلائیں اور فتنہ اور بھڑکے اور حق کے سیلاب کے آگے بند باندھا جا سکے۔ اور ع "رکتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا" والی صورت ختم ہو سکے۔ چنانچہ کون انصاف پسند ایسا ہوگا جو نہ جانتا ہو کہ حضرت عثمان ذوالنورینؓ

مظلومانہ شہادت سے لے کر کربلا کے سانحۂ فاجعہ تک مسلمانوں کی آپس میں جو
تلخ آویزش رہی ہے اس میں در پردہ ان سبائیوں ہی کا ہاتھ تھا۔ مستند
تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہیں۔ البتہ ان کو نگاہِ حقیقت بین اور انصاف پسندی
کے ساتھ پڑھنا ہوگا۔ جنگ جمل میں حضرت علیؓ کو فتح ہوئی۔ آنجنابؓ نے حضرت
عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ بالکل وہی جو ایک بیٹے کو ماں کے ساتھ کرنا
چاہیئے۔ چالیس خواتین اور حضرت صدیقہؓ کے لشکر کے معتبر ترین لوگوں کے ہمراہ
پورے ادب و احترام کے ساتھ انؓ کو مدینہ منورہ پہنچا دیا۔ معلوم ہوا کہ نہ ذاتی دشمنی
تھی نہ بغض وعناد۔ اور اِدھر کیا ہوا! معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ کیا امیر یزید نے
خاندان رسالت کی خواتین کو اپنی لونڈیاں بنایا؟ آخر وہ دمشق بھیجی گئی تھیں لیکن
وہاں کیا ہوا! ان کا پورا احترام کیا گیا، ان کی دلجوئی کی گئی، ان کی خاطر مدارات
کی گئی۔ امیر یزید نے انتہائی تاسف کا اظہار کیا اور کہا کہ "ابن زیاد اس حد
تک نہ بھی جاتا تو بھی میں اس سے راضی رہ سکتا تھا۔ کاش وہ حسینؓ کو میرے
پاس آنے دیتا ہم خود ہی باہم کوئی فیصلہ کر لیتے"۔ لیکن کربلا میں جو کچھ ہوا وہ
اس فتنے کی وجہ سے ہوا جو کوفیوں نے بھڑکایا تھا۔ جو اپنی دو عملی اور منافقت
کی پردہ پوشی کے لئے نہیں چاہتے تھے کہ مصالحت و مفاہمت کی کوئی صورت
پیدا ہو۔ ان کو جب محسوس ہوا کہ ہماری سازش کا بھانڈا پھوٹ جائے گا تو
انہوں نے وہ صورتِ حال پیدا کر دی جو ایک نہایت دردناک اور الم انگیز انجام
پر منتج ہوئی۔

یہ سانحۂ فاجعہ انتہائی افسوس ناک تھا۔ اس سے کون اختلاف کر سکتا
ہے! اس نے تاریخ پر جو گہرے اثر ڈالے ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں اس کے
کڑوے اور کسیلے پھل کا مزا امت چودہ سو سال سے چکھتی چلی آ رہی ہے۔ ان
دو واقعات یعنی شہادتِ حضرت عثمانؓ اور شہادت حضرت حسین رضی اللہ تعالٰی
عنہما کی وجہ سے ہمارے درمیان افتراق، انتشار اور اختلاف اور باہمی دست و
گریباں ہونے کی جو فضا چلی آ رہی ہے۔ اس پر ان لوگوں کے گھروں میں گھی کے
چراغ جلتے ہیں جنہوں نے اس کی بنیاد ڈالی۔ جہاں جہاں اس کے اثرات پہنچے

درحقیقت کامیابی ہوئی ہے ان کو جو دراصل ان فتنوں کی آگ کو بھڑکانے والے تھے ۔ اب کوئی یزید کے نام کو گالی بنائے پھرتا ہے ۔ کسی نے شمر کے نام کو گالی بنایا ہوا ہے ۔ کوئی عمر بن سعد کے نام کو گالی بنائے ہوئے ہے ۔ یہاں تک بات پہنچی ہے کہ لوگ حضرت امیر معاویہؓ کے شان میں بھی توہین آمیز اور گستاخانہ انداز اختیار کرنے سے نہیں چوکتے ۔ اللہ تعالیٰ ایسے سب لوگوں کو ہدایت دے اور ہمیں ان میں شامل ہونے سے بچائے اور اپنی پناہ میں رکھے ۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک کو ہمیشہ مدنظر رکھنے کی توفیق عطا فرمائے کہ

"اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْا هُمْ غَرَضًا مِّنْ بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ ۔ ۔ ۔ ۔"

وَاٰخِرُ دعوانا ان اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥

بقیہ عرض احوال

کافی حضرات نے ان نشستوں میں شرکت کی ۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا کی تقاریر جہاں معلومات کے لحاظ سے علم کا ایک خزانہ تھیں وہاں ان کے انداز خطاب میں بلا کی تاثیر تھی ۔ مولانا موصوف کی قرآن اکیڈمی میں تشریف آوری اس تربیت گاہ میں رُوحانی فضا کو مزید جلا عطا کرنے کا سبب بنی ۔

اس تربیت گاہ میں تنظیم اسلامی لاہور کے رفقاء کے علاوہ ، ملک کے دوسرے شہروں سے بھی کافی تعداد میں رفقائے تنظیم اور مبصرین نے شرکت کی اور افادیت اور شرکاء کی تعداد کے لحاظ سے یہ تربیت گاہ کافی کامیاب رہی الحمد للہ والمنۃ ۔

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ (الحدیث)

تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دروسِ قرآن اور خطابات پر مشتمل

نشر القرآن کیسٹ سیریز

نمبر شمار	موضوع	کوڈ نمبر	قیمت روپے
۱	سیرت النبیؐ ۱۰ تقاریر کا سیٹ (۹۰-سی کے گیارہ کیسٹ)	۱ - ۱۱	۲۳۰/-
۲	نظریۂ ارتقاء اور قرآن حکیم (۹۰ سی)	۱۲	۳۰/-
۳	حقیقتِ انسان اور حقیقت روح انسانی (۹۰-سی دو کیسٹ)	۱۳-۱۴	۵۰/-
۴	نیکی کا حقیقی تصور (۹۰ سی)	۱۵	۳۰/-
۵	عظمت قرآن حکیم (۹۰ سی)	۱۶	۳۰/-
۶	تاریخ اُمت مسلمہ (بموقع یوم اقبال) (۶۰-سی)	۱۷	۲۵/-
۷	قرآن کا تصورِ حیات انسانی (۶۰ - سی)	۱۸	۲۵/-
۸	تنظیم کی اہمیت اسوۂ محمدی کی روشنی میں (۶۰ - سی)	۱۹	۲۵/-
۹	پردہ کے احکام (سورۃ احزاب کی روشنی میں (۹۰-سی)	۲۰	۳۰/-
۱۰	اسلام کا معاشی نظام (۶۰-سی دو کیسٹ)	۲۱-۲۲	۵۰/-
۱۱	سیرتِ مطہرہ کا پیغام (۱۲ ربیع الاول) (۶۰-سی، ۹۰-سی)	۲۳-۲۴	۵۵/-
۱۲	تفسیر آیۂ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (۶۰ - سی)	۲۵	۲۵/-
۱۳	سورۃ الفاتحہ (۶۰ - سی دو کیسٹ)	۲۶-۲۷	۵۰/-

نمبر شمار	موضوع	کوڈ نمبر	قیمت روپے
۱۴	درس سورۃ بقرہ (پہلے دو رکوع) (۶۰ - سی چار کیسٹ)	۲۸-۳۱	۱۰۰/-
۱۵	خلافت راشدہ کی شرعی اور تاریخی حیثیت ۶۰/۹۰ سی دو کیسٹ	۳۲-۳۳	۵۵/-
۱۶	درس سورۃ الحج (آخری رکوع) ۹۰ سی دو کیسٹ	۳۴-۳۵	۶۰/-
۱۷	درس سورۃ بقرہ (دوسرا - تیسرا رکوع) ۶۰ - سی چار کیسٹ	۳۶-۳۹	۱۰۰/-
۱۸	شہادت حسینؓ کا اصل پس منظر (۶۰ - سی دو کیسٹ)	۴۰-۴۱	۵۰/-
۱۹	سورۃ الشوریٰ مکمل مصری قرآت (۹۰ - سی سات کیسٹ)	۴۲-۴۸	۲۱۰/-
۲۰	سورۃ الحجرات (مکمل) (۹۰ - سی تین کیسٹ)	۴۹-۵۱	۹۰/-
۲۱	درس قرآن سورۃ صف والجمعہ (۹۰ - سی دو کیسٹ)	۵۲-۵۳	۶۰/-
۲۲	سیرت نبویؐ کا عملی پہلو (۹۰ - سی دو کیسٹ)	۵۴-۵۵	۶۰/-
۲۳	سورۃ مریم (مکمل) (۹۰ - سی پانچ کیسٹ)	۵۶-۶۰	۱۵۰/-
۲۴	سورۃ المنافقون (۹۰ - سی دو کیسٹ)	۶۱-۶۲	۶۰/-
۲۵	خطاب بموقع تقریب نکاح مسنونہ (۶۰ - سی)	۶۳	۲۵/-
۲۶	قرآن کا فلسفۂ شہادت (۹۰ - سی)	۶۴	۳۰/-
۲۷	خطاب جمعہ (تاریخ اُمتِ مسلمہ (۶۰ - سی)	۶۵	۲۵/-

نوٹ: قرآن حکیم کا منتخب نصاب زیر ریکارڈنگ ہے • تمام کیسٹ جاپان سے درآمد شدہ استعمال کئے گئے ہیں • کاروباری حضرات مزید تفصیلات کے لئے رجوع فرمائیں • خرچہ ڈاک (رجسٹرڈ پارسل) بذمہ خریدار ہوگا • بذریعہ ڈاک طلب فرمانے والے حضرات آرڈر کے ساتھ کوڈ نمبر کا حوالہ ضرور دیں نیز رقم پیشگی ارسال فرمائیں • بذریعہ وی - پی طلب فرمانے والے حضرات نصف رقم پیشگی ارسال فرمائیں

نشر القرآن کیسٹ سیریز لاہور ۱۲

فون ۸۵۴۲۱۱ ۸۵۴۲۸۲

تنظیم اسلامی ۳۶ - کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

کربلا کی کہانی

حضرت ابو جعفرؒ کی زبانی

از قلم :- جناب مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب

روایت کے راوی عمار دہنی نے کہا کہ میں نے محمد بن علی بن الحسینؓ
عرض کیا کہ آپ مجھ سے واقعۂ قتل حسینؓ ایسے انداز سے بیان فرمائیں کہ
میں خود وہاں موجود تھا اور یہ سامنے ہو رہا ہے۔ اس پر حضرت محمد با
نے فرمایا، امیر معاویہؓ کے انتقال کے وقت ولید بن عتبہ بن ابی سفیان
معاویہؓ کا بھتیجا یزید کا چچیرا بھائی مدینہ منورہ کا گورنر تھا۔ ولید نے
دستور حضرت حسینؓ کو پیغام بھیجا تاکہ ان سے نئے امیر یزید کے لیے بیعت
لیں۔ حضرت حسینؓ نے جواب میں فرمایا کہ سردست آپ سوچنے کی مہلت دیں
اس بارے میں نرمی اختیار کریں۔ ولید نے ان کو مہلت دے دی۔ حضرت حسینؓ
مہلت پاکر مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔

دریں اثناء جب کوفہ والوں کو اس کا پتہ چلا کہ حضرتؓ تو مکہ شریف پہنچ
ہیں تو انہوں نے اپنے قاصد حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں روانہ کیے
ان سے درخواست کی کہ آپ کوفہ تشریف لے آئیں، ہم اب آپ ہی کے
ہیں۔ ہم لوگ یزید کی بیعت سے منحرف ہیں۔ ہم نے گورنرِ کوفہ کے پیچھے
پڑھنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ اس وقت نعمان بن بشیر انصاریؓ یزید کی طرف
کوفہ کے گورنر تھے۔ جب اہلِ کوفہ کی طرف سے اس قسم کی درخواستیں آ
تو حضرت حسینؓ نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجنے کا پروگرام
تاکہ وہ کوفہ جائیں اور وہاں جاکر صورتِ حال کا اچھی طرح جائزہ لیں۔
اہلِ کوفہ کے بیانات صحیح ہوئے تو خود بھی کوفہ پہنچ جائیں گے۔

حضرت مسلم کی کوفہ کو روانگی

قرارداد کے مطابق حضرت مسلم مکہ شریف سے مدینہ منورہ پہنچے وہاں -

راستہ کی راہنمائی کے لیے دو آدمی ساتھ لیے اور کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ بس راستہ سے وہ لے بھٹکے اس میں ایک ایسا لق و دق میدان آگیا جس میں پانی نہ ملنے کے سبب پیاس سے سخت دو چار ہو گئے۔ چنانچہ اسی جگہ ایک رہنما انتقال کر گیا۔ اس صورتِ حال کے پیش آنے پر حضرت مسلم نے حضرت حسینؓ کو ایک خط لکھ کر کوفہ جانے سے معذرت چاہی لیکن حضرت ممدوحؓ نے معذرت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور لکھا کہ آپ ضرور کوفہ جائیں، بنابریں حضرت مسلم کوفہ کی طرف چل دیئے۔ وہاں پہنچ کر ایک شخص عَوْسَجَہ نامی کے گھر قیام فرمایا جب اہلِ کوفہ میں حضرت مسلم کی تشریف آوری کا چرچا ہوا تو وہ خفیہ طور پر ان کے ہاں آئے اور ان کے ہاتھ پر حضرت حسینؓ کے لیے بیعت کرنے لگے۔ چنانچہ بارہ ہزار اشخاص نے بیعت کر لی۔ دریں اثنا یزید کے ایک کارندہ عبداللہ بن مسلم بن شعبہ حُضرمی کو اس کا پتہ چلا تو اس نے ساری کارروائی کی اطلاع نعمان بن بشیر گورنرِ کوفہ کو دے دی اور ساتھ ہی کہا کہ آپ واقعۃً کمزور ہیں یا کوفہ والوں نے آپ کو کمزور سمجھ رکھا ہے۔ دیکھتے نہیں کہ شہر کی صورتِ حال مخدوش ہو رہی ہے؟ اس پر حضرت نعمان نے فرمایا کہ میری ایسی کمزوری جو بربنائے اطاعتِ الٰہی ہو وہ مجھے اس قوت و طاقت سے زیادہ پسند ہے۔ جو اس کی معصیت میں ہو، مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ جس امر پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈالے رکھا ہے خواہ مخواہ اس پردہ کو فاش کروں۔ اس پر عبداللہ مذکور نے یہ سارا ماجرا یزید کو لکھ کر بھیج دیا۔ یزید نے اپنے ایک آزاد کردہ غلام سرجون نامی سے اس بارے میں مشورہ لیا۔ اس نے کہا "اگر آپ کے والد زندہ ہوتے اور آپ کو کوئی مشورہ دیتے تو اسے قبول کرتے"؟ یزید نے کہا ضرور! سرجون نے کہا تو پھر میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ کوفہ کی گورنری عبیداللہ بن زیاد کے سپرد کریں۔ ادھر صورتِ حال ایسی تھی کہ ان دنوں یزید عبیداللہ مذکور پر ناراض تھا۔ اور بصرہ کی گورنری سے بھی اس کو معزول کرنا چاہتا تھا۔ مگر سرجون کے مشورے پر اس نے اظہارِ پسندیدگی کرتے ہوئے بصرہ کے ساتھ کوفہ کی گورنری پر بھی عبیداللہ بن زیاد کو نامزد کر دیا اور لکھ دیا کہ کوفہ پہنچ کر مسلم بن عقیل کو تلاش کرا

اگر مل جائے تو اس کو قتل کر دو۔

ابن زیاد کوفہ میں اور افشائے راز

اس حکم کی بنا پر عبید اللہ بصرہ کے چند سرکردہ لوگوں کے ہمراہ اس حالت میں کوفہ پہنچا کر اس نے ڈھاٹا باندھ رکھا تھا تاکہ اسے کوئی پہچان نہ سکے۔ وہ اہل کوفہ کی جس مجلس سے گزرتا ان پر سلام کہتا اور وہ حضرت حسینؓ سمجھ کر وعلیک السلام یا ابنِ رسول اللہ اے رسول اللہ کے بیٹے آپ پر بھی سلام سے جواب دیتے۔ اسی طرح سلام کہتا اور جواب لیتا ہوا وہ قصرِ امارت میں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے ایک غلام کو تین ہزار درہم دیئے اور کہا کہ تم جا کر اس شخص کا پتہ لگاؤ جو کوفہ والوں سے بیعت لیتا ہے۔ لیکن دیکھو تم خود کو "حمص" کا باشندہ ظاہر کرنا اور یہ کہنا کہ میں بیعت کرنے کے لیے آیا ہوں اور یہ رقم بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ اپنے مشن کی تکمیل میں اس کو صَرف کریں۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور بہ لطائف الحیل اس شخص تک اس کی رسائی ہوگئی جو بیعت لینے کا اہتمام کرتا تھا۔ اور اس نے اپنے آنے اور امدادی رقم پیش کرنے کی سب بات کہہ ڈالی۔ اس نے کہا کہ مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ تمہیں ہدایت کا راستہ نصیب ہوا لیکن یہ محسوس کر کے دکھ بھی ہو رہا ہے کہ ہماری اسکیم ابھی پختہ نہیں ہوئی۔ تاہم وہ اس غلام کو حضرت مسلم بن عقیل کے ہاں لے گیا۔ حضرت مسلم نے اس سے بیعت بھی لے لی اور رقم بھی اس سے قبول کر لی۔ اب وہ یہاں سے نکلا اور عبید اللہ بن زیاد کے پاس سیدھا پہنچا اور سب کچھ اس کو تبلا دیا۔ ادھر حضرت مسلم عبید اللہ کی کوفہ میں آمد کے بعد عوسجہ کا گھر چھوڑ کر ہانی بن عروہ مرادی کے مکان پر فروکش تھے اور حضرت حسینؓ کی خدمت میں لکھ بھیجا کہ بارہ ہزار کی تعداد میں ہماری لوگوں نے بیعت کر لی ہے آپ کوفہ تشریف لے آئیں۔

ادر یہاں یہ ہوا کہ جب عبید اللہ کو پتہ چل گیا کہ مسلم ہانی کے مکان پر ہیں تو اس نے کوفہ کے سرکردہ لوگوں سے کہا کہ کیا بات ہے ہانی میرے پاس نہیں آئے؟ اس پر حاضرین سے ایک شخص محمد بن اشعث چند ہمراہیوں کے ساتھ ہانی کے ہاں گئے

وہ اپنے دروازے پر موجود تھے۔ ابن اشعث نے کہا کہ گورنر صاحب آپ کو یاد فرماتے ہیں۔ اور آپ کے اب تک نہ حاضر ہونے کو بہت محسوس کرتے ہیں، لہٰذا آپ کو ملنا چاہیئے۔ چنانچہ ان کے زور دینے پر ہانی ان کے ساتھ ہو لیے اور وہ عبید اللہ کے پاس پہنچے اور اتفاق سے اس وقت قاضی شریح بھی ابن زیاد کے پاس موجود تھے۔ ان سے مخاطب ہو کر اس نے کہا دیکھو اس ہانی کی چال کھوٹ کی مظہر ہے۔ پھر اتنے میں وہ اس کے پاس آ گیا تو کہا" ہانی! مسلم بن عقیل کہاں ہیں؟ اس نے کہا مجھے علم نہیں، اس پر عبید اللہ نے تین ہزار روپے والے غلام کو اس کے سامنے کر دیا، ہانی بالکل لاجواب ہو گئے، البتہ اتنا کہا کہ میں نے انہیں اپنے گھر بلایا نہیں بلکہ وہ خود میرے گھر آ کر ٹھہر گئے ہیں۔ ابن زیاد نے کہا اچھا ان کو حاضر کرو۔ اس پر پس و پیش کیا تو ابن زیاد نے انکو اپنے قریب منگا کر اس کے زور سے چھڑی ماری جس سے اس کی بھویں پھٹ گئیں۔ اس پر ہانی نے اس کے ایک محافظ سپاہی سے تلوار چھین کر عبید اللہ پر وار کرنا چاہا لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اس پر ابن زیاد نے یہ کہہ کر کہ اب تمہارا خون حلال ہے قصرِ امارت کے ایک حصے میں اس کو قید میں ڈال دیا۔

اس واقعہ کی اطلاع ہانی کے قبیلہ مذحج کو ہوئی تو انہوں نے قصرِ امارت پر یلغار بول دی۔ عبید اللہ نے شور سنا اور پوچھا تو کہا گیا ہانی کا قبیلہ ان کو چھڑانے کے لیے چڑھ آیا ہے۔ اس نے قاضی شریح کے ذریعے ان کو کہلایا کہ ہانی کو مسلم بن عقیل کا پتہ کرنے اور بعض باتوں کی تحقیق کے لیے روک لیا گیا ہے۔ خطرے کی کوئی بات نہیں۔ لیکن ساتھ ہی قاضی شریح پر بھی ایک غلام کو لگا دیا۔ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ وہ لوگوں سے کیا کہتے ہیں؛ قاضی شریح لوگوں کی طرف جاتے ہوئے ہانی کے پاس سے گزرے تو اس نے قاضی صاحب سے کہا کہ میرے بارے میں اللہ سے ڈرنا، ابن زیاد میرے قتل کے درپے ہے۔ تاہم قاضی شریح نے ہجوم کو ابن زیاد والی بات کہہ کر مطمئن کر دیا، اور لوگ بھی یہ سمجھ کر مطمئن ہو گئے کہ ہانی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

حضرت مسلم کو جب ہنگامہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اپنے ذرائع ابلاغ

کوفہ میں اعلان کرا دیا جس کے نتیجہ میں چالیس ہزار لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے۔
ن کو باقاعدہ انہوں نے ایک فوجی دستہ کی شکل دے دی جس کا مقدمۃ الجیش
نہ اور میسرہ وغیرہ سبھی کچھ تھا۔ خود حضرت مسلم بن عقیل اس کے قلب میں ہو گئے
ں طرح چالیس ہزار کا یہ لشکر جرار قصر امارت کی طرف روانہ ہو گیا۔ عبیداللہ کو
ں کی اطلاع ہوئی تو اس نے اعیانِ اہلِ کوفہ کو اپنے قصر میں بلایا۔ جب یہ
لر قصر امارت تک پہنچ گیا تو سردارانِ کوفہ نے اپنے اپنے قبیلے کو دیواروں کے
پر سے گفتگو کر کے سمجھانا شروع کیا۔ اب تو مسلم کی فوج کے آدمی کھسکنے شروع
ہوئے اور ہوتے ہوتے شام تک صرف پانچ سو رہ گئے۔ حتیٰ کہ رات کے اندھیرے
ت وہ بھی چل دیئے۔ جب حضرت مسلم نے دیکھا کہ وہ تنہا رہ گئے ہیں تو وہ بھی
ہاں سے چل پڑے۔ راستہ میں ایک مکان کے دروازہ پہ پہنچے تو ایک خاتون اندر
سے آپ کی طرف نکلی تو آپ نے اس کو پانی پلانے کے لیے کہا تو اس نے پانی تو
دیا لیکن اندر واپس چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد پھر باہر آئی تو آپ کو دروازے پر
یکھ کر اس نے کہا اے اللہ کے بندے! آپ کا اس طرح بیٹھنا مشکوک ہے یہاں
سے چلے جائیں۔ آپ نے کہا میں مسلم بن عقیل ہوں، کیا تم مجھے پناہ دو گی۔ اس نے کہا
ں آجایئے۔ آپ اندر چلے گئے۔ لیکن کرنا خدا کا یہ ہوا کہ اس عورت کے لڑکے نے
مد بن اشعث مذکور کو اطلاع دے دی جس نے فوراً عبیداللہ تک خبر پہنچائی۔
بس نے اس کے ہمراہ پولیس کو روانہ کر دیا اور ان کو مسلم کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔
ولیس نے جا کر مکان کا محاصرہ کر لیا جب کہ مسلم کو خبر تک نہ ہو سکی تھی۔ اب خود کو انہوں
نے محصور پایا تو تلوار سونت کر نکل آئے اور پولیس مقابلہ کی ٹھان لی۔ لیکن ابن اشعث
نے ان کو روک کر کہا کہ میں ذمہ دار ہوں آپ محفوظ رہیں گے۔ پس وہ حضرت مسلم
و ابن زیاد کے پاس پکڑ کر لے گئے۔ چنانچہ ابن زیاد کے حکم سے قصر امارت کی چھت
پر سے جا کر قتل کر دیا گیا (انا للہ وانا الیہ راجعون) اور ان کی لاش بازار میں لوگوں
کے سامنے پھینک دی گئی۔ نیز اس کے حکم سے ہانی کو کوڑے کرکٹ کی جگہ تک گھسیٹتے ہوئے
لے جا کر سولی دے دی گئی ادھر تو کوفہ میں یہ تک ہو گیا تھا اور ———

حضرت حسینؓ کی کوفہ روانگی

اُدھر حضرت مسلم چونکہ خط لکھ چکے تھے کہ بارہ ہزار اہلِ کوفہ نے بیعت کر لی ہے حضرت حسینؓ جلد از جلد تشریف لے آئیں۔ حضرت حسینؓ مکہ شریف سے کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ تا آنکہ آپ قادسیہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھے کہ حُر بن یزید تمیمی حضرت حسینؓ کے قافلہ کو ملا۔ اس نے کہا کہاں تشریف لے جا رہے ہو آپ نے فرمایا کوفہ، اس نے کہا کہ وہاں تو کسی خیر کی توقع نہیں آپ کو یہاں سے ہی واپس ہو جانا چاہیئے۔ پھر کوفیوں کی بے وفائی اور حضرت مسلم کے قتل کی پوری روداد آپ کو سنائی۔

سارا قصہ سن کر حضرت حسینؓ نے تو واپسی کا ارادہ کر لیا لیکن مسلم کے بھائیوں نے نے یہ کہہ کر واپس جانے سے انکار کر دیا کہ ہم مسلم کا بدلہ لیں گے یا خود بھی مارے جائیں گے۔ اس پر حضرت حسینؓ نے فرمایا تمہارے بغیر میں جی کر کیا کروں گا۔ اب وہ سب کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ کو ابن زیاد کی فوج کا ہراول دستہ نظر آیا تو آپ نے "کربلا" کا رُخ کر لیا۔ اور وہاں جا کر ایسی جگہ پڑاؤ ڈالا جہاں ایک ہی طرف سے جنگ کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ خیمے نصب کر لیے۔ اس وقت آپ کے ساتھ پینتالیس سوار اور سَو کے قریب پیدل تھے۔

دریں اثنا عبید اللہ نے عمرو بن سعد کو جو کوفے کا گورنر تھا بلایا اور اس سے کہا کہ اس شخص کے معاملے میں میری مدد کریں اس نے کہا مجھے تو معاف ہی رکھیے ابن زیاد نہ مانا۔ اس پر عمرو بن سعد نے کہا پھر ایک شب سوچنے کی مہلت تو دے دیجیے اس نے کہا ٹھیک ہے سوچ لو۔ ابن سعد نے رات بھر سوچنے کے بعد آمادگی کی اطلاع دے دی۔

اب عمرو بن سعد حضرت حسینؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے اس کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ دیکھو تین باتوں میں سے ایک بات منظور کر لو (۱) یا تو مجھے کسی اسلامی سرحد پر چلے جانے دو (۲) یا مجھے موقعہ دو کہ میں براہِ راست یزید کے پاس پہنچ جاؤں (۳) اور یا پھر یہ کہ جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔

ابن سعد نے یہ تجویز تو منظور کر کے ابن زیاد کو بھیج دی۔ اس نے لکھا ہیں

یہ منظور نہیں ہے (بس ایک ہی بات ہے کہ) حسینؓ (یزید کے لیے) میری بیعت کریں۔
ابن آسعد نے یہی بات حضرت حسینؓ تک پہنچا دی۔ انہوں نے فرمایا ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس پر آپس میں لڑائی چھڑ گئی اور حضرت کے سب ساتھی (مظلومانہ) شہید ہو گئے جن میں دس سے کچھ اوپر نوجوان ان کے گھر کے تھے۔ اسی اثنا میں ایک تیر آیا جو حضرت کے ایک چھوٹے بچے کو لگا جو گود میں تھا۔ آپ اس سے خون پونچھ رہے تھے اور فرما رہے تھے "اے اللہ! ہمارے اور ایسے لوگوں کے بارے میں فیصلہ فرما۔ جنہوں نے پہلے یہ لکھ کر ہمیں بلایا ہے کہ ہم آپ کی مدد کریں گے۔ پھر اب وہی ہمیں قتل کر رہے ہیں۔" اس کے بعد خود تلوار ہاتھ میں لی (مردانہ وار) مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے! (رضی اللہ عنہ) اور یہ شخص جس کے ہاتھ سے حسینؓ شہید ہوئے قبیلہ مذحج کا آدمی تھا، اگرچہ اس بارے میں دوسرے اقوال بھی تاریخوں میں مذکور ہیں۔
مذحج ہانی کا وہی قبیلہ تھا، جس نے قصرِ امارت پر چڑھائی کر دی تھی۔ یہ شخص حضرت کا سر تن سے جدا کر کے ابنِ زیاد کے پاس لے گیا۔ اس نے اس شخص کو آپ کا سرِ مبارک دے کر یزید کے پاس بھیج دیا۔ جہاں جا کر یزید کے سامنے رکھ دیا گیا۔ اِدھر ابن سعد بھی حضرت کے گھر دار کو لے کر ابن زیاد کے پاس پہنچ گیا اور ان کا صرف ایک لڑکا بچا رہ گیا تھا اور وہ بچہ علی بن الحسین زین العابدین تھے اور روایت کے راوی ابو جعفر (الباقر) کے والد تھے۔ یہ عورتوں کے ساتھ اور بیمار تھے۔ ابن زیاد نے حکم دیا (اس بچے کو بھی قتل کر دیا جائے۔ اس پر ان کی پھوپھی زینبؓ بنت علیؓ اس کے اوپر گر پڑیں، اور فرمایا کہ جب تک میں قتل نہ ہو جاؤں گی اس بچے کو قتل نہ ہونے دوں گی۔ اس صورتِ حال کے نتیجے میں ابن زیاد نے اپنا یہ حکم واپس لے لیا اور بعد اسیرانِ جنگ کو یزید کے پاس بھیج دیا۔
جب حضرت حسینؓ کے بچے کھچے یہ افرادِ خانہ یزید کے دربار میں پہنچے تو چند درباریوں نے حسبِ دستور یزید تہنیتِ فتح پیش کی۔ ان میں سے ایک شخص نے یہاں تک جسارت کر ڈالی کہ ایک لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا، امیر المومنین! یہ مجھے دے دیجیے۔" یہ سن کر حضرت زینب بنِ علیؓ نے کہا بخدا! یہ نہیں ہو سکتا، بجز اس

نشر القرآن

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ۲ نشری تقاریر

(سورۃ ھود آیات ۱۱۶ تا ۱۲۳)

(۱)

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم   بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ○
وَلَوْ شَاۤءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ○
اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۗ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ
رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○

سورہ ہود کی آیات ۱۱۶ تا ۱۱۹ کا ترجمہ یہ ہے۔

"تو افسوس کہ نہ ہوئے تم سے پہلے کی اُمتوں میں صاحب خیر و شعور لوگ جو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے ہیں سوائے تھوڑے سے لوگوں کے جنہیں اُن میں سے ہم نے بچا لیا۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کی روش اختیار کی تو وہ اُسی عیش کے پیچھے پڑے رہے جس کا ساز و سامان انہیں فراوانی کے ساتھ دیدیا گیا تھا اور مجرم تو وہ تھے ہی! اور تیرا رب ہرگز ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم کی پاداش میں ہلاک کر دے دراں حالیکہ ان کے باسی اصلاح کے لئے کوشاں ہوں۔ اور اگر تیرا رب چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی طریقے پر عامل بنا دیتا (لیکن اس نے یہ جبر نہیں کیا) تو وہ اختلاف تو کرتے ہی رہیں گے۔ سوائے ان کے جن پر تیرے رب کی رحمت ہو، اور اسی لئے تو اُس نے ان کو پیدا فرمایا تھا اور (اس طرح) تیرے رب کی وہ بات پوری ہو کر رہی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر کر رہوں گا"! ترجمہ ختم ہوا ۔۔

قرآن حکیم کی دوسری متعدد مکی سورتوں کی طرح سورۂ ہود میں بھی عرب اور اس کے گرد و نواح کی ان چھ اقوام کی ہلاکت کا ذکر آیا ہے جن کی جانب اولوالعزم رسول بھیجے گئے لیکن انہوں نے ان کی دعوتِ اصلاح پر کان نہ دھرے اور کفر و اعراض کی روش پر اصرار کیا۔ یعنی قوم نوحؑ، قوم ہودؑ، قوم صالحؑ، قوم لوطؑ، قوم شعیبؑ اور آلِ فرعون اس پر ایک سلیم الفطرت انسان کے ذہن میں سوال ابھرتا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہوا؟ کیا معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کوئی اذیت پسند (SADIST) ہستی ہے جسے ہلاکت اور بربادی و تباہی سے خوشی حاصل ہوتی ہے؟۔ یا یہ لوگوں کے اپنے طرزِ عمل کا نتیجہ اور ان کے اپنے جرائم کی سزا تھی؟ اور اگر ایسا ہی ہے تو کیا واقعی نیکی یا بدی کی راہ اختیار کرنا انسان کے اپنے اختیار میں ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ سب کو ایک ہی راہِ صواب پر نہ ڈال سکتا تھا؟ اور اگر اُس نے نیکی اور بدی کا اختیار انسان کو دیا ہے تو پھر اس ضمن میں وہ کونسی حد ہے کہ جس تک کوئی انسانی معاشرہ پہنچ جائے تو اسے مزید مہلت نہیں ملتی اور اسے عذاب استیصال یا عذابِ ہلاکت کا نوالہ بنا دیا جاتا ہے؟؟ —
چنانچہ ان ہی سوالات کے جوابات ہیں جو سورہ کے آخر میں آیات ۱۱۶ تا ۱۱۹ میں دیئے گئے ہیں: قرآنِ حکیم میں ترتیبِ بیان اس فطری و منطقی اعتبار سے ہے کہ اقوامِ معذّبہ کے ذکر کے فوراً بعد اُس سوال کا جواب دیا گیا کہ یہ اس انجام سے کیوں دوچار ہوئیں اور پھر اصولی بحث کو چھیڑا گیا — لیکن ہم اگر بغرضِ تفہیم عکسی ترتیب اختیار کریں تو بہتر رہے گا۔ چنانچہ آیت ۱۱۸ میں ارشاد ہوتا ہے:۔ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً " یعنی "اگر تیرا رب چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی راہ پر مستقیم کر دیتا اور ظاہر ہے کہ یہ راہ نیکی اور خیر ہی کی ہوتی۔ اللہ کو یقیناً اس کی قدرت حاصل ہے اگر وہ جبر کے ذریعے لوگوں کو سیدھی راہ پر ڈالنا چاہتا تو نہ کوئی گمراہ ہو سکتا تھا نہ کجرو اور نہ کسی کفر کا امکان رہتا نہ شرک کا۔ نہ نبیوں کی ضرورت رہتی نہ رسولوں کی اور نہ کسی عذابِ دنیوی کا سوال رہتا نہ کسی سزائے اُخروی کا!
— لیکن اللہ نے ایسا نہ چاہا۔ اس کی حکمتِ تخلیق بالکل دوسری ہے اس نے جنوں اور انسانوں کو اختیار اور ارادے کی آزادی بخشی ہے کہ سورہ دھر میں

واردشدہ الفاظ "اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا" کی رُو سے شکر کی روش اختیار کریں یا کفرانِ نعمت کی اور سورہ کہف میں واردشدہ الفاظ مبارکہ "فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ" کی رُو سے جو چاہے ایمان کی راہ اختیار کرے اور جو چاہے کفر کی روش اختیار کرلے ___ اس کا لازمی اور منطقی نتیجہ وہ ہے جو آیاتِ زیرِ درس میں ان الفاظ میں بیان ہوا کہ: "وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ" "وہ لازماً اختلاف کرتے رہیں گے"۔ اُن میں سے وہ بھی ہوں گے جو اپنے ارادہ و اختیار سے نیکی کی راہ کا انتخاب کریں گے اور اس میں اتنے آگے بڑھیں گے کہ فرشتوں کو پیچھے چھوڑ جائیں گے، جو سرکشی اور تمرد اور شیطنت کی راہ میں ایسے بگٹٹ دوڑیں گے کہ خود شیطان پناہ مانگے گا اور وہ بھی ہوں گے جو کچھ بین بین یا کبھی اُدھر کبھی اِدھر کی روش پر گامزن رہیں گے۔ جیسے کہ فرمایا سورۂ فاطر میں "فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ" یعنی "کچھ ان میں سے ظلم ڈھانے والے ہیں خود اپنے اوپر، اور کچھ ہیں میانہ رو، اور کچھ ہیں نیکیوں میں سبقت لے جانے والے اللہ کی توفیق سے!" آیت زیرِ درس میں "اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ" یعنی "سوا ان کے جن پر تیرے رب کی رحمت ہو جائے" کے الفاظ میں اشارہ ہے اسی حقیقت کی جانب کہ اس ارادہ و اختیار کے صحیح رُخ پر استعمال ہونے میں بہت بڑا دخل اللہ کی فضل و کرم اور اس کی تائید و توفیق کو حاصل ہے۔ اس کے بعد جو الفاظ وارد ہوتے ہیں یعنی:۔ "وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ" "اور اسی کے لئے اُن کو پیدا کیا ہے" تو ان کا ظاہر و باہر مفہوم تو یہی ہے کہ یہ اختلافِ نیک و بد اور سعید و شقی اللہ تعالیٰ کی حکمتِ تخلیق کا لازمی نتیجہ ہے۔ لیکن "اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ" کے ساتھ بالکل متصل واقع ہونے سے ان میں ایک اشارہ محسوس ہوتا ہے۔ اس جانب بھی کہ تخلیقِ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی اصل شان جس کا ظہور مطلوب ہے شانِ رحمت ہی ہے۔ بقول شاعر ؎

من نکردم خلق تا سودے کنم ___ بلکہ کردم خلق تا جودے کنم!

"یعنی میں نے یہ تخلیق اپنے کسی فائدے کے لئے نہیں کی ہے بلکہ اس لئے

لی ہے کہ میرے رحم و کرم اور جود و سخا کا ظہور ہو سکے! رہی سزا اور عقوبت اور عذابِ دنیوی و اخروی تو وہ تو در اصل "تُعْرَفُ الاشیاءُ بِاَضدادِھا" کے مصداق شانِ رحیمی و غفاری ہی کے مزید واضح اور اجاگر ہونے کا ذریعہ ہیں۔ واللہ اعلم!! ۔ واضح رہے کہ اس مسئلے کا ایک ربط آیات نمبر ۱۰۳ تا نمبر ۱۰۸ میں جنّت اور دوزخ کی ابدیت کے ضمن میں وارد شدہ لطیف سے فرق سے بھی ہے جس پر گفتگو اس سے قبل ہو چکی ہے۔ آیت ۱۱۹ کے آخری ٹکڑے میں ارادہ و اختیار کی اس آزادی کا ایک ناگزیر نتیجہ جو نکل کر رہے گا اُس کا ذکر تہدید آمیز انداز میں کر دیا گیا کہ تیرے ربّ کی یہ بات پوری ہو کر رہے گی۔ کہ مَیں جہنّم کو جنّوں اور انسانوں سے پُر کر کے رہوں گا۔ اللہ تعالےٰ کا یہ قول قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر ذرا سے لفظی اختلاف کے ساتھ ابلیس لعین کے اس دعوے کے جواب میں وارد ہوا ہے کہ میں نسلِ آدم کی عظیم اکثریت کو گمراہ کر کے دکھا دوں گا۔

اب آیئے دوسرے سوال کی جانب کہ کسی بستی یا کسی قوم پر عذابِ استیصال یا عذابِ ہلاکت آنے کا قاعدہ کلیہ کیا ہے؟ اور وہ کونسی حد ہے جس کو پہنچ جانے کے بعد مزید مہلت نہیں ملتی اور قصّہ پاک کر دیا جاتا ہے۔ اس کا جواب آیت ۱۱۷ میں وارد ہوا کہ: "وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ٥" یعنی "تیرا ربّ ایسا نہیں ہے کہ بڑے بڑے ظلم پر بھی کسی بستی کو تباہ کر دے جبکہ اُس کے باشندے اصلاح کے لئے بھی کوشاں ہوں"۔ یہاں ظلم کی تنکیر تفخیم کے لئے ہے۔ انفرادی سطح پر کیتے گئے بڑے سے بڑے کفر و ظلم پر بھی اللہ تعالےٰ اجتماعی ہلاکت کا حکم صادر نہیں فرماتا جبتک کہ معتدبہ لوگ اصلاح کے لئے بھی سرگرمِ عمل ہوں۔ البتّہ جب یہ صورت بھی نہ رہے اور بگاڑ اتنا ہمہ گیر ہو جائے کہ اصلاح کی کوشش کرنے والے آٹے میں نمک بن کر رہ جائیں تو پھر قانونِ خداوندی کے تحت عمومی ہلاکت و بربادی کا حکم صادر ہو جاتا ہے اور اس سے صرف وہی معدودے چند لوگ مستثنیٰ ہوتے ہیں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر بالفعل کاربند ہوں اور اصلاح کے لئے آخری دم تک سر توڑ کوشش کرتے رہیں کچھ اسی مضمون کو علامہ اقبالؒ

نے اس شعر میں ادا کرنے کی سعئ بلیغ کی ہے کہ ؎

"فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے — نہیں کرتی کبھی ملت کے گناہوں کو معاف"

اب آیئے آیت ۱۱۶ کی جانب تو اس میں وضاحت فرمائی گئی ہے کہ
وہ چھ اقوامِ معذبہ اللہ تعالیٰ کے اسی قانونِ عذابِ عمومی کی زد میں آکر ہلاک ہوئیں
"فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ
عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ" — تو
افسوس کہ تم سے پہلے کی ان قوموں میں نہ رہے وہ اصحابِ خیر و اربابِ عقل و
دانش جو لوگوں کو روکتے (لوگوں کو) زمین میں فساد مچانے سے سوائے نہایت
قدرِ قلیل کے جن کو ہم نے اُن میں سے بچا لیا!" "اولو بقیۃ" عربی
محاورے میں کہتے ہیں ان کو جو صاحبِ عقل و دانش بھی ہوں اور صاحبِ
بر و خیر بھی - اور "قلیل" عربی میں [illegible] کا مفہوم بھی دیتا ہے اور
[illegible] کا بھی اور یہاں اسی موخر الذکر مفہوم میں وارد ہوا ہے۔
مراد یہ کہ ان اقوام میں اخلاقی پستی اور تمدنی زوال و فساد کا معاملہ اُس
آخری حد تک پہنچ چکا تھا کہ اُن میں اُن اصحابِ فہم و شعور اور داعیانِ خیر و
صلاح کی تعداد آٹے میں نمک سے بھی کم ہو کر رہ گئی تھی - نتیجۃً وہ کیفیت پیدا ہو
چکی تھی جس کا نقشہ کھینچا ہے اقبال نے اس شعر میں کہ ؎

"وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا — کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا!"

نتیجۃً عذابِ الٰہی کا حکم صادر ہو گیا اور پوری قوم ہلاک کر دی گئی سوائے اُن کے
جو آخری دم تک اصلاح کے لئے کوشاں اور سرگرمِ عمل رہے تھے - واضح
رہے کہ اسی کی ایک مثال سورۂ اعراف میں اصحابِ سبت کے ضمن میں بھی آئی
ہے!) قوموں کے اس عمومی فساد اور بگاڑ کے اہم عامل کی جانب بھی اشارہ ہو
گیا کہ اس کا اصل سبب اصحابِ دولت و ثروت اور اربابِ ناز و نعم بنتے ہیں
جن کے پاس لذت کوشیوں اور عیاشیوں کا ساز و سامان فراوانی سے ہوتا ہے
اور ان ہی میں مگن رہتے ہیں - چنانچہ یہی وہ اصل مجرم ہوتے ہیں جن کے اثراتِ
بد پورے معاشرے پر آکاس بیل کی طرح چھا جاتے ہیں اور پوری پوری قوموں کو
لے ڈوبتے ہیں - اعاذنا اللّٰہ من ذالک - اللہ تعالیٰ اس انجام بد سے

ہمیں اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے - آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین -

(۲)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِۦ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِى هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ وَقُل لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا۟ عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَٰمِلُونَ ۝ وَانتَظِرُوٓا۟ إِنَّا مُنتَظِرُونَ ۝ وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُۥ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ سورۃ ھود کی آیات ۱۲۰ تا ۱۲۳ یعنی آخری چار آیات کا ترجمہ یہ ہے -

"اور (اے نبیؐ) رسولوں کے یہ تمام اہم واقعات ہم آپ کو سنا رہے ہیں جن سے آپ کے دل کو تقویت دیں اور ان میں آگیا ہے آپ کے پاس پورا حق اور اہلِ ایمان کے لئے نصیحت اور یاددہانی - تو کہہ دو ان سے جو ایمان نہیں لا رہے کہ کوشش کئے جاؤ تم اپنے ڈھب پر، ہم بھی کوشش کئے جائیں گے۔ اور تم بھی انتظار کرو ہم بھی منتظر رہیں گے، اور آسمانوں اور زمین کا غیب تو اللہ ہی کے پاس ہے - کُل معاملہ اُسی کی جانب لوٹایا جائے گا - پس (اے نبی!) آپ اُسی کی پرستش کریں اور اسی پر بھروسہ رکھیں اور آپ کا رب غافل نہیں ہے اُس سے کہ جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو!" ترجمہ ختم ہوا — ان آیات مبارکہ پر وہ سورۃ ہود ختم ہو رہی ہے جس کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک نقل ہوا ہے کہ "شَيَّبَتْنِي هُودٌ وَأَخَوَاتُهَا" یعنی "مجھے سورۃ ہود اور اس کی ہم مضمون سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے!" اس لئے کہ ان میں عرب اور اس کے گرد و نواح کی چھ معذّب اقوام کا ذکر اس طور سے آیا ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ شاید اب ایک بار پھر تاریخ اپنے آپ کو دہرانے پر تلی کھڑی ہے اور سورۂ شوریٰ میں وارد شدہ الفاظ "لِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا"

کے مطابق ام القریٰ یعنی مکہ مکرمہ اور اس کے گرد و نواح کے باشندوں کے حق میں اللہ کے عذاب استیصال کا حکم صادر ہوا ہی چاہتا ہے۔

خاتمۂ کلام کی اِن آیاتِ مبارکہ میں: اوّلاً رسولوں کے حالات و واقعات سنانے کی اصل غرض و غایت بیان کی گئی: "كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ" "تَلَا يَتْلُوْا" کی طرح "قَصَّ يَقُصُّ" کے لفظی معنی بھی پیچھے پیچھے چلنے کے ہیں، پڑھنے اور بیان کرنے دونوں میں انسان کسی عبارت یا حالات و واقعہ کی گویا پوری طرح پیروی کرتا ہے اسی لئے یہ الفاظ پڑھنے اور بیان کرنے کے معنی میں مستعمل ہیں۔ "انباء" جمع ہے "نبأ" کی جس کے معنی ہیں اہم خبر۔ یا بڑا واقعہ۔ انبیاء کے احوال و وقائع کے ضمن میں عام طور پر لفظ قِصَص استعمال ہوتا ہے۔ جیسے قصص الانبیاء یا قصص النبیین جبکہ رسولوں کے حالات و واقعات کے لئے یہاں لفظ "انباء" آیا ہے۔ اور یہ بہت معنی خیز ہے۔ اس لئے کہ نبیوں کو ردّ کرنے کی صورت میں قومیں ہلاک نہیں کی گئیں۔ جبکہ رسولوں کے باب میں سنۃ اللہ یہی ہے کہ اگر قوم اُن کی دعوت سے انکار و اعراض پر اڑ جائے تو وہ لازماً ہلاک کر دی جاتی ہے۔ اور کسی قوم کا نیست و نابود ہو کر رہ جانا یقیناً ایک بڑی خبر اور اہم واقعہ ہے۔ تو فرمایا کہ: "ان تمام رسولوں کے اہم اور عظیم واقعات ہم آپ کو اس لئے سنا رہے کہ آپ کے دل کو تقویت حاصل ہو۔ آپکے ساتھیوں کی ڈھارس بندھے۔ اس لئے کہ ان سب کا حاصل اور لب لباب یہی ہے کہ حق و باطل کی اس کشمکش میں آخری فتح رسولوں اور ان کے ساتھیوں ہی کو حاصل ہوتی ہے اور منکرین و مخالفین بالآخر ہلاک اور نیست و نابود ہو کر رہتے ہیں جیسے کہ ارشاد ہوا سورۂ بنی اسرائیل میں "وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا" — "کہہ دو کہ حق آگیا اور باطل ڈھ گیا اور باطل تو ہے ہی (بالآخر) ڈھ جانے والی چیز!" یا جیسے فرمایا سورہ صٰفّٰت میں: "وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝" یعنی "ہمارے ان بندوں کے حق میں جنہیں ہم نے رسول بنا کر بھیجا ہمارا یہ فیصلہ پہلے ہی ثبت ہو چکا ہے کہ اُن کی مدد لازماً کی جائے گی اور بالآخر

ہمارا لشکر ہی غالب آکر رہے گا!" اب ظاہر ہے کہ اس یقین دہانی سے بڑھ کر رسول اور اس کے ساتھیوں کے دلوں کو ثبات عطا کرنے والی بات اور کونسی ہوسکتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی بھی اللہ کی نصرت و تائید اور اُس کی جانب سے تثبیت قلبی کا محتاج ہوتا ہے۔ آگے فرمایا:- وَجَآءَكَ فِي هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝" یعنی "ان (انباءُ الرسول) میں آپ کے پاس کامل حق بھی آگیا ہے۔ اور اہلِ ایمان کے لئے بڑی نصیحت و موعظت بھی اور مؤثر یاددہانی بھی"۔ "الحق" کو معرفہ لاکر گویا واضح کردیا کہ یہ سب سرتاسر حق ہے، یعنی ماضی کے اعتبار سے واقعی اور حقیقی بھی ہے اور مستقبل کے اعتبار سے قطعی اور حتمی اور لامحالہ شُدنی بھی!۔ "موعظہ" کی تنکیر تفخیم پر دلالت کر رہی ہے یعنی وہ نصیحت جو بہت عظیم اور وقیع ہے اور وہ یاددہانی جو نہایت اثر انگیز و دلپذیر ہے۔ فَلِلّٰهِ الحمد والمنّۃ!

آیات ۱۲۱ و ۱۲۲ میں کافروں اور منکروں اور مخالفوں اور معاندوں کو چیلنج کیا جارہا ہے کہ تم بھی اپنی سی کر دیکھو ہم بھی اپنی سی محنت کئے جائیں گے، پھر تم بھی حکم خداوندی کا انتظار کرو۔ ہم بھی اس کے منتظر ہیں: "وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۝ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝"۔ 'عمل' اور 'فعل' میں یہ فرق ہے کہ فعل کسی بھی کام کو کہہ دیا جائے گا خواہ بلاارادہ ہو خواہ بالارادہ۔ اور خواہ مشقت طلب ہو یا آسان جبکہ "عمل" وہ کوشش ہے جو بالارادہ کی جائے اور اس کے نتیجے میں محنت و مشقت لاحق ہو۔ اس طرح گویا اِس میں اسی اعتماد کی بنا پر جو پہلی آیت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ بالآخر فتح اہلِ ایمان ہی کی ہوگی کفار و مشرکین کو کھلا چیلنج دیا جارہا ہے کہ تم سے جو بن آئے کر گذرو۔ اور پورا ایڑی چوٹی کا زور لگا کر حق کا راستہ روکنے کی کوشش کر دیکھو مبادا تمہارے دلوں میں کوئی حسرت رہ جائے۔ یہ بالکل وہی انداز ہے جو سورۂ ہود سے ماقبل کی سورت یعنی سورۂ یونس میں منقول حضرت نوحؑ کے قول میں وارد ہوا ہے کہ:- يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى

اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ یعنی: "اے میری قوم کے لوگو! اگر تم پر میرا قیام اور اللہ کی آیات کے ذریعے تذکیر و نصیحت کا کام بہت شاق گذر رہا ہے تو میں نے تو اللہ پر بھروسہ کر لیا ہے۔ اب تم مجھے مزید کوئی مہلت عطا کئے بغیر اپنا معاملہ اور اپنے مزعومہ شرکاء کی قوت سب جمع کر کے میرا جو فیصلہ چکا سکتے ہو چکا دو اور اس میں ہرگز کسی ہچکچاہٹ سے کام نہ لو!" — رسولوں کی جانب سے یہ انداز تخاطب ظاہر ہے کہ آغازِ دعوت میں نہیں ہوتا بلکہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ قوم پر اتمام حجت ہو چکا ہوتا ہے اور اب اعلانِ برأت کا وقت ہوتا ہے ان آیاتِ مبارکہ میں "اِنَّا عٰمِلُوْنَ" اور "اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ" میں جمع متکلم کے صیغے استعمال ہوئے ہیں جبکہ آغاز میں فعل امر واحد کے صیغے سے آیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ وقت ہے کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھ اہل ایمان درحقیقت ایک ہی حقیقت واحدہ ہوتے ہیں جیسے کہ فرمایا سورۂ فتح کے آخر میں "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ" فصلی اللہ علیہ وسلم۔ ورضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

آخری آیت جامع ترین خاتمہ کلام ہے: وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" یعنی "اللہ ہی کا ہے غیب آسمانوں اور زمین کا" "لِلّٰہ" میں لام، لام تملیک ہے۔ یعنی اللہ ہی کی ملکیت ہے اور اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے کل کا کل غیب خواہ آسمانوں کا ہو خواہ زمین کا۔ اس میں علم اور قدرت دونوں کی جانب اشارہ ہے۔ یعنی یہ کہ پردۂ غیب سے جو کچھ ظہور میں آنے والا ہے اس کا حتمی اور قطعی علم بھی صرف اللہ ہی کے پاس ہے اور اس کا کل کُل اختیار بھی اللہ تعالٰی ہی کو حاصل ہے۔ "وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ" "اور کل کا کل معاملہ (آخری فیصلہ کے لئے) لازماً اسی کی جانب لوٹایا جائے گا"۔ یعنی ہر معاملہ ظہور میں آنے سے قبل علم خداوندی میں ہے،

اُس کا ظہور میں آیا بھی کُلّیۃً اُسی کے اِذن و مشیّت سے ہے اور پھر وہ اُسی کی جانب لوٹا بھی دیا جائے گا - ان حقائق کے منکشف ہو جانے کا تقاضا وہ ہے جو بعد میں بیان ہوا یعنی :- " فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ " یعنی : " پس اسی کی بندگی اور پرستش کرو - اور اسی پر توکّل و اعتماد رکھو - واضح رہے کہ یہ انسانی زندگی کے عملی اعتبار سے دو رُخ ہیں — یعنی ایک جانب اُس کے اعضاء و جوارح سے جو افعال و اعمال اور حرکات و سکنات صادر ہوں وہ سب کی سب اللہ کی اطاعت و بندگی کے سانچے میں ڈھلی ہوئی اور اسی کی محبّت کی خوشبو میں رچی بسی ہوئی ہوں - اور دوسری جانب ان کے نتیجہ خیز یا بار آور ہونے کے ضمن میں توکّل و اعتماد — یا بھروسہ صرف اللہ کی ذات پر ہو - نہ اپنی صلاحیتوں اور قوتوں پر، نہ اپنی پیش بینوں اور دور اندیشیوں پر، نہ اپنی ذہانت و فطانت پر اور نہ اپنی کوشش و محنت پر - آخر میں فرمایا :- وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ٥ " اور تیرا ربّ غافل نہیں ہے اُس سے جو تم سب کر رہے ہو " — یہاں پھر وہی انداز ہے کہ " ربّك " ضمیر واحد ہے — اور " تعلمون " میں ضمیر فاعلی جمع کی ہے - گویا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم ایک وحدتِ مطلقہ ہیں - بقول شاعر ،" من تو شدم تو من شدی ، من تن شدم تو جاں شدی ، تاکس نگوید بعد ازیں بن دیگرم تو دیگری ! " — یہی وجہ ہے کہ جب حکم ہجرت کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آنحضورؐ کی خدمت میں ایک ناقہ پیش کی اور حضورؐ نے فرمایا کہ میں اس کی قیمت ادا کروں گا تو حضرت ابوبکرؓ رو پڑے اور انہوں نے عرض کیا ! " یارسولؐ اللہ ! یہ جان اور مال کیا کسی اور کیلئے ہیں ؟ " فصلی اللہ علیہ وسلم ، ورضی اللہ تعالےٰ عنہ وارضاہُ —

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ -

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ

جنوبی ہند میں پندرہ دن

(پانچویں قسط)

از قلم : قاضی عبدالقادر

اشکبار آنکھوں سے مدراس ایرپورٹ پر احباب کو رخصت کیا۔ ایر انڈیا کا بوئنگ ۷۳۷، سات بج کر دس منٹ پر روانہ ہوا اور اُس نے آٹھ بج کر پچاس منٹ پر یعنی ایک گھنٹہ چالیس منٹ میں بمبئی پہنچا دیا۔ بمبئی سے مدراس آتے وقت چونکہ رات کا وقت تھا اس وجہ سے راستہ کے مناظر نہ دیکھ سکے۔ اب دن کے وقت سفر کی وجہ سے ہم راستہ کے دلفریب مناظر سے خوب لطف اندوز ہوئے۔ خاص کر بمبئی شہر کے اوپر سے جب طیارہ گذرا تو شہر اور سمندر کے منظر نے ایک نیا لطف دیا۔ ایر انڈیا کی اس فلائٹ کے کپتان ایک مسلمان یعنی مصطفےٰ صاحب تھے۔ مدراس سے بمبئی کا سفر پلک جھپکتے جیسے گذر گیا۔ راستہ میں مدراس کے احباب کا خلوص اور اُن کی محبت یاد آتی رہی — ناشتہ کیلئے پوچھا گیا VEGETARIAN یا NON-VEGETARIAN؟ ڈاکٹر صاحب نے VEGETARIAN کا آرڈر دیا۔ میں نے بھی اسی پر عمل کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ وہ جب بھی بیرونِ ملک سفر کرتے ہیں تو VEGETA-RIAN کھانا ہی استعمال کرتے ہیں۔ احتیاط کا تقاضا یہی ہے اس لئے کہ گوشت کا پتہ نہیں کیسا ہو۔!

جہاز نے ہمیں بمبئی کے DOMESTIC AIRPORT یعنی سانتا کروز پر اُتارا۔ الحمدللہ کہ مدراس جاتے وقت جیسا معاملہ پیش نہیں آیا۔ عبدالصمد صاحب نے مدراس سے فون کر کے بمبئی میں قیام وغیرہ کے ہمارے تمام

طامات کر دیتے تھے - پاپولر سولا ہیٹ ورکس کے حاجی لے - رحیم صاحب کا ڈرائیور
د سلطان گاڑی لے کر ایرپورٹ پر موجود تھا - اُسے ہمیں پہچانتے میں کوئی دقت نہیں
ئی اس لئے کہ مدراس جاتے ہوئے، بمبئی میں وہ ہمیں دیکھ چکا تھا - حالانکہ اُس وقت
ا بڑی "کسمپرسی" کی سی حالت میں تھے - بلکہ یوں کہہ لیجیئے کہ "شرنارتھی" تھے
د ٹھیرئے "شرنارتھی" نہیں کہ اس میں "شر" شامل ہے -

خیر تو خیر ہے ہی شر کا معاملہ بھی عجیب ہے
یہ "بشر" جو شے ہے اس میں بھی "شر" ہے

د بٹا تین (۲/۳) - بلکہ اور آگے بڑھیئے یہ جو ہم لوگوں کو بڑے اخلاص سے "شریف"
ہتے ہیں تو ان شریف لوگوں میں بھی ہے "شر" ایک بٹا دو (۱/۲) ——
د شرافت کی تو حد ہی ہوگئی - شرافت تو دو الفاظ سے مل کر بنا ہے یعنی "شر"
ر "آفت" —— اب کہنے کو تو ہم کہہ دیتے ہیں کہ اجی - شرافت
آپ کے چہرے سے ٹپک رہی ہے اور آپ ہیں کہ پھولے نہیں سماتے کیوں!
یا غلط کہہ رہا ہوں میں؟ —— حالانکہ حضور والا - جو چیز چہرے سے ٹپک رہی
ہے وہ ہے شر جمع آفت (شر + آفت) آیا خیال شریف میں؟

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بمبئی ایرپورٹ پر ٹریفک کا بڑا نظم وضبط دیکھا - یہ نظم وضبط یوں تو پورے
شہر میں ہے - ہمارے کراچی اور لاہور کی طرح نہیں کہ ایرپورٹ پر ٹیکسی والے ٹوٹتے
ں نہیں مسافر کی کھال اُدھیڑ لیتے ہیں - ایرپورٹ کے گیٹ سے باہر نکلے نہیں کہ
یکسی والوں نے "اُچکنا" شروع کر دیا - کہ اچھا خاصا دل گردہ والا آدمی بھی گھبرا
جائے —— یہاں پر ٹیکسیاں ایک قطار میں ہوتی ہیں - ایک ایک کرکے آتی ہیں -
ور میٹر کے مطابق مسافر کو لے کر منزلِ مقصود پر روانہ ہو جاتی ہیں -

محمد سلطان ڈرائیور سے ہم نے کہا کہ پی - آئی - اے کے دفتر ہوتے ہوئے
چلنا - تاکہ ہم کراچی کے لئے اپنی سیٹ مزید کنفرم کرا سکیں - اُسے راستہ میں تاکید
بھی کی لیکن وہ بھلا آدمی سیدھا ہمیں ہماری قیام گاہ لے گیا -

مدراس میں ہمیں بتا دیا گیا تھا کہ بمبئی میں ہمارا قیام ٹامل ناڈو بیت الحجاج میں رہے گا - اس کا نام پہلے مدراس بیت الحجاج تھا - یہ چار منزلہ عمارت مسلمانوں کے مشہور محلّہ بھنڈی بازار کی مسجد اسٹریٹ میں واقع ہے - صوبہ ٹامل ناڈو کے حجاج کرام کے قیام کے لئے اسے تعمیر کیا گیا ہے لیکن حج کے مہینوں کے علاوہ اسے ٹامل ناڈو سے آنے والے مسلمان استعمال کرتے ہیں جس کا اُن سے کرایہ وصول کیا جاتا ہے جو ظاہر ہے ہوٹلوں کے گراں کرایوں سے بہت کم ہوتا ہے - یہاں پر لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے - اِس لئے جگہ مشکل سے ملتی ہے - ہمارے لئے دو بیڈ کے ایک کمرہ کی بکنگ مدراس ہی سے کرادی گئی تھی - بیت الحجاج کا انتظام ایک کمیٹی چلاتی ہے - جس کے صدر آج کل پا پولر سولاہیٹ فیکٹری کے حاجی رحیم صاحب ہیں -

بیت الحجاج کے مینیجر شوکت صاحب نفیس آدمی ہیں بہت ملنسار ہیں - ہمارا انہوں نے پُر تپاک خیر مقدم کیا چوتھی منزل پر کمرہ نمبر ۴۰۲ کی صفائی کرائی - کھڑکیوں کے پردے وغیرہ تک تبدیل کرائے اور یوں ہم نے یہاں پر بمبئی کے اپنے چار روزہ قیام کا آغاز کیا -

معلوم ہوا تھا کہ حاجی اے - رحیم صاحب ملاقات کے لئے آنے والے ہیں - شام تک ہم اُن کا انتظار کرتے رہے - سی - آئی - ڈی آفس میں پاسپورٹ کا اندراج کرانے کے لئے اُن کا ڈرائیور ہمیں لے جاتا - بمبئی کی زندگی بہت ہی مصروف زندگی ہے - شاید مصروفیت کی بنا پر شام تک وہ نہیں آسکے انتظار کی وجہ سے ہم بھی پروگرام بنا کر کہیں نہ جاسکے - دوپہر کا کھانا کھا کر کمرہ ہی میں آرام کرتے رہے - چلئے اس بہانے ڈاکٹر صاحب کو اور مجھے کچھ آرام ہی مل گیا - اللہ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے —— اور ایسا ہوتا ہے کہ بظاہر ایک چیز میں ہمیں خیر نظر آئے لیکن اُس کے پیچھے شر چھپا ہو اور یہ بھی کہ بظاہر ایک چیز میں شر نظر آرہا ہو لیکن اُس کے پیچھے خیر چلا آرہا ہو - قرآن حکیم نے اسی عظیم حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے -

وَعَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ -

ڈاکٹر صاحب تو حاجی صاحب کے انتظار کی وجہ سے کمرہ ہی میں رہے۔ مجھ سے رہا نہ گیا سیلانی طبیعت جو ٹھہری، عصر کی نماز کے بعد میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ میں ابھی آتا ہوں۔ نواب مسجد کے سامنے کھڑے ہو کر سب سے پہلے تو میں نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ میں کہاں ہوں۔ بمبئی کے کون سے علاقہ میں ہوں۔ بھنڈی بازار کا نام معلوم تھا۔ ایک دوکاندار سے پوچھا کہ بھائی بھنڈی بازار کدھر ہے۔ کہنے لگا کہ یہی تو ہے جہاں تم کھڑے ہو۔ معلوم ہوا کہ یہیں سے بھنڈی بازار شروع ہوتا ہے۔ دوکانوں کے سائن بورڈوں پر یہ پہلے پڑھ ہی لیا تھا کہ جس سڑک پر میں کھڑا ہوں۔ یہ ابراہیم رحمت اللہ روڈ (انگریزی میں IBRAHIM RAHIMTOOLAH ROAD) ہے۔ پتہ کیا۔ محمد علی روڈ یہاں سے کتنی دُور ہے۔ دوکاندار نے بتایا کہ وہ سامنے محمد علی روڈ ہے۔ جہاں تم کھڑے ہو یہاں پر محمد علی روڈ، ابراہیم رحمت اللہ روڈ سے آکر مل جاتی ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ شمس پیرزادہ صاحب کا دفتر محمد علی روڈ پر ہے۔ مدراس جاتے ہوئے محمد علی روڈ کا کچھ کچھ اندازہ ہو گیا تھا اس لئے فیصلہ کیا کہ کیوں نہ شمس پیرزادہ صاحب کے دفتر چلا جائے۔ جس بلڈنگ میں وہ دفتر تھا اُسے میں پہلے دیکھ چکا تھا اس لئے اندازہ تھا۔

شمس پیرزادہ صاحب جماعت اسلامی کے رکن ہوتے تھے۔ بلکہ بہت عرصہ تک بمبئی کی جماعت کے امیر رہے۔ مسز اندرا گاندھی جنتا پارٹی کی حکومت سے قبل جب برسرِ اقتدار تھیں اور ملک میں ایمرجنسی نافذ کی تھی تو جماعت اسلامی کے لیڈروں اور نمایاں کارکنوں کو گرفتار کر لیا تھا۔ شمس پیرزادہ صاحب کو بھی اس دَور میں جیل کی سلاخوں کو چُومنے کی سعادت نصیب ہوئی سے

اس راہ میں جو سب پہ گذرتی ہے وہ گذری
تنہا پسِ زنداں کبھی رُسوا سرِ بازار

ایمرجنسی کے خاتمہ کے بعد جب اُن کی رہائی ہوئی تو اس کے کچھ عرصہ کے بعد طریق کار کے اختلاف کے باعث جماعت اسلامی سے مستعفی ہو گئے۔ پیرزادہ صاحب کا اختلاف ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے اختلاف کے بالکل اُلٹ تھا — یعنی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے جماعت اسلامی پاکستان سے استعفیٰ کی وجہ یہ تھی کہ

جماعت کو بنیادی کام مضبوط ہوجانے کے بعد ہی عملی سیاست میں حصّہ لینا چاہیئے۔ جب کہ پیرزادہ صاحب کا اختلاف یہ تھا کہ جماعت اسلامی ہند ملک کی سیاست میں اپنا بھرپور کردار کیوں نہیں ادا کررہی۔ اُسے جماعت کی حیثیت سے باقاعدہ الیکشن میں حصہ لینا چاہیئے ___ اِس سلسلہ میں یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اب سے کوئی سات آٹھ سال قبل (صحیح سنہ تو یاد نہیں) حج کے موقعہ پر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ملاقات شمس پیرزادہ صاحب سے حرم شریف میں ہوئی۔ کافی دیر گفتگو رہی۔ قریب ہی ایک عمارت میں قیام تھا۔ اُس کی چھت پر دونوں حضرات کی تحریکی مسائل پر رات کو بہت دیر تک گفتگو رہی۔ دونوں اپنے اپنے موقّف پر دلائل دے رہے تھے اور جمے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ فجر کی اذان کا وقت قریب آ پہنچا۔ تو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے یہ کہہ کر گفتگو ختم کر دی کہ چلیے پچاس فی صد تو ہم میں اتفاق ہے کہ جماعت اسلامی اپنے گذشتہ موقف سے ہٹ چکی ہے۔ اب اپنی باقی پچاس فی صد اختلاف کی بات تو اللہ تعالےٰ نے پھر کبھی موقعہ دیا تو گفتگو کریں گے۔

مدراس سے ہم نے شمس پیرزادہ صاحب کو فون کر دیا تھا کہ ہم فلاں تاریخ کو بمبئی پہنچ رہے ہیں۔ بمبئی پہنچ کر بھی فون پر بات ہوگئی تھی۔ اور طے ہوا تھا کہ ہماری قیام گاہ کے قریب کی نواب مسجد میں وہ عصر کی نماز ادا کریں گے اور ہم بھی وہیں پڑھیں گے۔ لیکن مسجد میں نمازی اس قدر تھے کہ ملاقات نہ ہوسکی۔ شمس پیرزادہ صاحب کے نام سے میں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ بھاری بھرکم جسم کے ہوں گے۔ لانبی داڑھی ہوگی یعنی کچھ کچھ مولانا سیّد شاہ صبغۃ اللہ بختیاری صاحب جیسے۔ لیکن وہ تو نحنی جسم کے چھوٹی داڑھی والے بہت ہی نستعلیق قسم کے آدمی نکلے۔ وہ دروازہ پر ہمارا انتظار کرتے رہے اور میں اُن کا۔ آخر کو ڈاکٹر صاحب تو حاجی رحیم صاحب کا انتظار کرتے قیام گاہ چلے گئے اور میں ڈاکٹر صاحب کے بتاتے بغیر ڈھونڈتے ڈھانڈتے شمس پیرزادہ صاحب کے دفتر جا پہنچا۔ ان کا دفتر بمبئی کی مشہور سڑک محمد علی روڈ کی کئی منزلہ بڑی عمارت کی پہلی منزل پر دو کمروں میں واقع ہے۔ دوکانوں، مکانوں اور دفتروں کی یہاں پر کراچی سے بھی زیادہ پگڑیاں ہیں۔ کرایہ تو کم ہوتا ہے مگر پگڑی بہت زیادہ۔ چھوٹے چھوٹے دو کمروں پر

مشتمل اس دفتر کو شمس پیرزادہ صاحب کے ادارہ نے کئی لاکھ روپے پگڑی دیکر حاصل کیا تھا۔ان کے ادارہ کا نام " ادارۃ دعوۃ القرآن " ہے جس نے اب تک متعدد کتب شائع کی ہیں۔ان میں شمس پیرزادہ صاحب کی مرتبہ تفسیر دعوۃ القرآن بھی ہے۔ اب تک اردو، گجراتی اور مرہٹی میں سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ شائع ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر یوسف قرضاوی کی کتاب " فقہ الزکواۃ کا ترجمہ و تلخیص شمس پیرزادہ صاحب نے کیا ہے۔یہ کتاب بھی اسی ادارہ نے شائع کی ہے۔

نمازِ عصر کے بعد میں جب اُن کے دفتر میں داخل ہوا تو شمس پیرزادہ صاحب مجھے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سمجھے کیونکہ زندگی میں اُن کی ڈاکٹر صاحب سے ایک ہی بار ملاقات ہوئی تھی اور وہ بھی اب سے سات آٹھ سال قبل۔مجھے دیکھ کر انہیں تعجب بھی ہوا کہ سات آٹھ سال میں ڈاکٹر صاحب میں خاصا تغیّر واقع ہو گیا ہے میری سماعت کچھ کمزور ضرور ہے لیکن اتنی بھی نہیں کہ میں یہ نہ سُن سکوں کہ " آیئے " ڈاکٹر صاحب تشریف لایئے "اور اِتنا کہہ کر وہ معانقے کو لپکے تو میں نے عرض کیا کہ میں ڈاکٹر صاحب نہیں، میں تو اُن کا ایک ادنیٰ خادم ہوں اور میرا نام عبدالقادر ہے ــــ جب جا کر اُن کی غلط فہمی دُور ہوئی۔خاصی دیر اُن کے پاس بیٹھا اُن کی شیریں گفتگو سے لطف اندوز ہوتا رہا ــــ طے پایا کہ نمازِ مغرب کے شمس پیرزادہ صاحب بعد ہماری قیام گاہ پر تشریف لائیں گے۔پیرزادہ صاحب نے مجھے اپنے ادارہ کی شائع کردہ کتاب " فقہ الزکوٰۃ "عنایت فرمائی۔واپس آکر میں نے ڈاکٹر صاحب کو بتایا کہ میں شمس پیرزادہ صاحب سے مِل بھی آیا ہوں اور اب وہ نمازِ مغرب کے بعد تشریف لا رہے ہیں ــــ ڈاکٹر صاحب میرے " سیلانی پن " کے قائل کچھ تو پہلے سے تھے۔اب اور ہو گئے !

مغرب کے بعد شمس پیرزادہ صاحب تشریف لے آئے ڈاکٹر صاحب سے مِل کر بہت خوش ہوئے۔عشاء تک بہت سے مسائل پر اُن سے گفتگو ہوتی رہی۔ عشاء کی نماز مسجد میں پڑھ کر ہم اپنی قیام گاہ واپس آئے۔کھانا کھایا اور پھر سو گئے۔کھانے کا آج تو ہم نے انتظام یہ کیا تھا کہ قریب کے ہوٹل کے لڑکے سے کھانا منگا لیا تھا۔وہی چائے بھی لا دیتا تھا۔بیت الحجاج میں کھانے کا کوئی انتظام نہ تھا۔یہاں پر مقیم حضرات تو کسی ہوٹل میں جا کر کھانا کھا لیتے تھے۔یا تہ بیب

کے ہوٹل کا لڑکا چکر لگاتا رہتا تھا اُس سے منگا لیا جاتا تھا ۔ کھانا واجبی سا تھا جس کو کھا کر خدا کا شکر ادا کیا ۔ یوں بھی میں تو میں ڈاکٹر صاحب بھی کھانے میں کسی چیز کے عادی نہیں ہیں جو مِل جائے سو کھا لیتے ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب کا معاملہ آیا ہے تو یہ بھی بتاتا چلوں (میزبان حضرات سُن لیں!) کہ ڈاکٹر صاحب کو سبزیوں میں بھنڈی (بھنڈسی کی مناسبت سے بھنڈی بازار بھی پسند ہے) اور مٹھائیوں میں امرتی پسندیدہ ہے ۔ امرتی کا ذکر آیا ہے تو شاید آپ نے سنا ہو کہ لندن میں کسی مٹھائی فروش کی دوکان پر گرم گرم امرتیاں رکھی تھیں ۔ ایک میم صاحب کھڑی ان امرتیوں کو بار بار اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھیں ۔ اُن کے یہ سمجھ ہی میں نہیں آرہا تھا کہ اس پیچیدہ ٹیوب میں شیرہ بھرا کدھر سے گیا ہے! کیونکہ انہیں کہیں جوڑ نظر نہیں آتا تھا ۔ میزبان صاحب یہ بھی نوٹ فرما لیں کہ ڈاکٹر صاحب کو لہسن کی چٹنی بہت مرغوب ہے ۔ اگر موصوف کو صرف سادہ روٹی اور لہسن کی چٹنی دیدی جائے تو نہایت شوق سے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیں گے ۔ سردیوں میں خصوصاً فجر سے قبل یک کپ چائے پیتے ہیں ۔ اس کے کئی فائدے ہیں ۔ اجابت ہو جاتی ہے ۔ حلق صاف ہو جاتا ہے اور نماز اچھی طرح پڑھا دی جاتی ہے ۔ سردیوں میں سردی کا اثر کم ہو جاتا ہے ۔ یوں گرمیوں میں بھی فجر سے قبل چائے پی لیا کرتے ہیں ۔ چائے زیادہ گرم اور پانی زیادہ ٹھنڈا پینا پسند فرماتے ہیں ۔ نہانے سے قبل ٹھنڈا پانی پیتے ہیں اور بعد گرم چائے نوش فرماتے ہیں ۔ نہانے کے لئے خصوصاً سردیوں میں پانی گرم کراتے ہیں لیکن وضو ہمیشہ ٹھنڈے پانی سے کرتے ہیں چاہے کتنی ہی سردی کیوں نہ ہو ۔ نہاتے ناشتہ کرنے کے بعد ہیں ۔ انہیں دقت ہوتی ہے اگر لیٹرین اور باتھ رُوم علیحدہ علیحدہ ہوں ۔ صبح ہی صبح اخبار کا شدت سے انتظار کرتے ہیں لیکن بہت جلد ہی مطالعہ کر لیتے ہیں ۔ دوپہر کو قیلولہ ضرور کرتے ہیں ورنہ طبیعت مضمحل سی رہتی ہے ۔ یہ ہیں چند معمولات ڈاکٹر صاحب کے جو میں نے آپ کو بتا دیئے ہیں ۔ آپ میزبان کبھی رہے ہوں یا آئندہ ہونے والے ہوں یہ نسخہ آپ کے کام آئے گا ۔ مجھے البتہ ڈر ڈاکٹر صاحب سے ہے کہ وہ یہ نہ کہیں کہ یہ سب کچھ کیوں لکھ ڈالا

بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی
بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

لیکن مجھے اُمید ہے کہ اپنی مصروفیات کے باعث اور کچھ عادت کے بموجب ڈاکٹر صاحب میرا یہ رپورتاژ نہیں پڑھیں گے اس لئے میں ہر طرح محفوظ (SAFE) ہوں!۔

۲۱، ۱، ۸۱ بدھ فجر کی نماز قریب کی نواب مسجد میں پڑھی - بہت بڑی مسجد ہے - امام صاحب شافعی ہیں - یہاں پر مسجدیں بہت ہیں، قریب قریب ہیں اور کشادہ ہیں - نواب مسجد کے قریب ہی منارہ مسجد اور حمیدیہ مسجد بھی ہیں۔

بمبئی کراچی سے بہت مشابہ ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ کراچی بمبئی سے بہت مشابہ ہے - ہم جس علاقہ میں تھے یہ مسلمانوں کی گنجان آبادی والا علاقہ ہے - معلوم ہی نہیں ہوتا تھا - کہ ہم ہندوستان میں ہیں - کراچی کی طرح یہاں بھی فٹ پاتھ ٹوٹی سڑکیں، کوڑا کرکٹ سے بھرپور گلیاں، ملباری کے گندے ہوٹل، فٹ پاتھوں پر سوتے ہوئے لوگ، دیواروں کے نیچے بیٹھے بھکاری یا پھر قسمت کا حال بتانے والے "پروفیسر" جن کو شاید اپنی قسمت کا حال معلوم نہ ہو ؎

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

غرض کہ جو کچھ کراچی میں ہے وہی بمبئی میں ہے - بمبئی میں اونچی اونچی عمارتیں (SKY SCRAPPERS) بہت بن گئی ہیں - کراچی میں بھی بن رہی ہیں لیکن بمبئی کے مقابلہ کی نہیں ـــ کراچی کیا ہے یوں سمجھئے چھوٹا سا بمبئی ہے دونوں (METROPOLITAN CITIES) ہیں - ہر جگہ کے لوگ آپ کو یہاں مل جائیں گے۔

مسجد کے سامنے ہی گلی میں ملباری کا چھوٹا سا ہوٹل ہے صبح ہی صبح یہاں پر چائے اور میٹھے توس ملتے ہیں - اسی طرح کے اور بھی یہاں بہت سے ہوٹل ہیں - لیکن اکثر جگہ صبح ہی صبح کا ناشتہ یہی ہوتا ہے - مزدور لوگ صبح کو یہ سستا اور ہلکا پھلکا سا ناشتہ کر کے اپنے اپنے کاموں کو چلے جاتے ہیں - ہم جب تک بمبئی میں رہے فجر کی نماز کے فوراً بعد یہ چھوٹا ناشتہ (MINI BREAKFAST) ضرور کرتے تھے ـــ فجر سے قبل ڈاکٹر صاحب کو جو کام چائے دیتی تھی اُس کا ایک حصہ

اس ناشتہ سے پورا ہو جاتا تھا - قیام گاہ پر آرام کرنے کے بعد اصل ناشتہ یا بڑا ناشتہ بعد میں کیا جاتا تھا -

ملباری کے ہوٹل میں چھوٹا ناشتہ کر کے باہر نکلے تو دیکھا کہ دیواروں پر اردو میں بڑے بڑے پوسٹر لگے ہوئے تھے - پوسٹر لگنا روزمرہ کا معمول تھے - آج کا پوسٹر شری بہوگناجی کی بمبئی میں پبلک میٹنگ سے متعلق تھا جسے مسلمانوں کی کسی تنظیم نے شائع کیا تھا - جہازی سائز کے دو طرح کے پوسٹر تھے - ایک پر تو بہوگناجی کی بڑی تصویر تھی اور نیچے نام اور جلسہ کا مقام اور وقت تحریر تھا اور دوسرے کا عنوان تھا "مسلمانوں کا نجات دہندہ" اور پھر بہوگناجی کی خوبیاں گنا گنا کر فرزندانِ توحید کو جوق در جوق جلسہ میں شرکت فرما کر ثواب دارین حاصل کرنے کی اپیل کی گئی تھی - شری بہوگناجی جو ہندو ہیں - مرکزی کابینہ میں وزیر بھی رہ چکے ہیں - مسلمانوں کے ووٹ حاصل کرنے کے لئے اُن میں مقبول ہونے کی کوشش کرتے رہتے ہیں - کہتے ہیں کہ کابینہ میں وزیر کی حیثیت سے مسلمانوں کو کچھ فائدے بھی پہنچائے یا کم از کم اُن کے ساتھ تعصب نہیں برتا متعصب اور کٹر ہندو انہیں طنزاً مسلمانوں کا قائد اعظم کہتے ہیں —— بہرحال آج اُن کے جلسے کے پوسٹر لگے ہوئے تھے جلسہ کا اہتمام مسلمانوں کی تنظیم کی طرف سے تھا اور انہیں "مسلمانوں کا نجات دہندہ" بتایا جا رہا تھا —— کیا زمانہ آگیا کہ مسلمانوں کی طرف سے ایک کافر کو مسلمانوں کا نجات دہندہ قرار دیا جا رہا ہے - کیا اُمتِ مسلمہ اب اتنی بنجر ہو چکی ہے کہ اُس میں کسی "نجات دہندہ" کے پیدا ہونے کی اُمید نہیں رہی - فاعتبروا یا اولی الابصار —— ! ع

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے

بعض حضرات فیشن کے طور پر یا انگریزوں سے مرعوبیت کی بنا پر اپنا اچھا بھلا نام انگریزی میں اس طرح بگاڑ کر لکھتے ہیں کہ اصل نام کا پتہ ہی نہ چلے - ایسا ہی ایک اتفاق ہمیں بمبئی میں ہوا - ڈاکٹر صاحب انگریزی اخبار دیکھ رہے تھے - ایک تصویر شائع ہوئی تھی اور نیچے (CAPTION) تھا کہ وزیر اعلیٰ مہاراشٹر مسٹر انتولے (MR ANTOLAY) عید میلاد النبی ؐ کے جلوس

کو (LEAD) کررہے ہیں - ڈاکٹر صاحب کو تعجب ہوا کہ ایک ہندو اور میلاد النبیؐ کے جلوس کی قیادت کرے - یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے ! بعد میں ایک صاحب کے ذریعہ معلوم ہوا کہ وزیر اعلیٰ صاحب خیر سے مسلمان ہیں - جن کا اصل نام عنایت علی ہے جسے وہ انگریزی میں انتولے لکھتے ہیں - اسی طرح تحریک پاکستان کے ایک ممتاز رہنما حبیب ابراہیم رحمت اللہ صاحب اپنے نام کے آخری لفظ کو انگریزی میں رحیم تولہ (RAHIM TOOLA) لکھتے ہیں - میرے دورانِ ملازمت میں ایک جنرل مینجر ہوتے تھے جناب آر - اے - صدیقی صاحب - انتقال ہو گیا - اللہ تعالےٰ اُن کی مغفرت فرمائے - آمین - وہ صدیقی کو انگریزی میں SADIQUE لکھتے تھے اب اس کو لوگ صادق پڑھیں گے صدیقی تو نہیں "جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے" .

ابراہیم رحمت اللہ روڈ اور مولانا محمد علی روڈ کی تھوڑی دیر میں نے ڈاکٹر صاحب کو سیر کرائی - قیام گاہ پر واپس آکر کچھ دیر آرام کیا - ہوٹل کا لڑکا آگیا - اُسے ناشتہ کا آرڈر دیا ناشتہ میں روٹی اور قیمہ تھا - قیمہ بھی بُھنا ہوا اور بمبئی والا ——— تھا تو واہی سا مگر اِس وقت مزہ ہی تو آگیا ——— کہئے یہ آپ کے منہ میں پا ——— خیر چھوڑیئے آپ بزرگ ہیں کہیں گستاخی نہ ہو جائے ڈر لگتا ہے ——— قیمہ اور روٹی کھائی اور چائے پی وہ بھی ڈبل والی ——— اس لئے کہ سنگل چائے تو بقول کسے " دانتوں میں پلک کے رہ جاتی ہے " ——— ہمارے ایک دوست ہیں جو خیر سے اپنی وضعداری میں بے مثال ہیں - چائے پینے کے بعد بھی اپنے دانتوں میں خلال فرمایا کرتے ہیں کہ کہیں کسی دانت شریف میں چائے اٹکی نہ رہ گئی ہو - اللہ اکبر ——— یہ لوٹنے کی جائے ہے !!

حاجی رحیم صاحب نہ کل آئے تھے نہ آج صبح - بیت الحجاج کے منیجر شوکت صاحب سے جاکر معلوم کیا - کہنے لگے کہ آج کسی وقت آئیں گے ضرور - ہم نے اُن کے گھر فون کیا - فرمانے لگے کہ وہ خود تو شام کو آئیں گے البتہ اپنی گاڑی ابھی بھیج دیں گے تاکہ سی - آئی - ڈی - آفس اور ایر لائن وغیرہ کے کام نبٹائے جا سکیں - اس

لئے کہ ہم تو شہر سے واقف نہ تھے - اُن کا ڈرائیور ہمیں ساتھ لے جاتا -
حاجی رحیم صاحب کی گاڑی کے بارے میں دراصل ہمیں مدراس میں عبدالصمد صاحب نے بتایا تھا کہ آنے جانے کے سلسلہ میں ہم جب چاہیں اُن کی گاڑی منگا سکتے ہیں - جب حاجی صاحب کے "ابھی" کو بھی ایک گھنٹہ گذر گیا اور گاڑی نہ آئی تو شوکت صاحب سے کہہ کر ہم نے بیت الحجاج کے ایک لڑکے منیر کو ساتھ لے لیا تاکہ ہمیں گائیڈ کر سکے - اور ٹیکسی پکڑ لی -
سب سے پہلے تو ہم سی - آئی - ڈی - آفس گئے - ہماری توقع کے خلاف یہ قریب ہی تھا - کرافورڈ مارکیٹ کے برابر - پیدل کا راستہ تھا - وہاں اور بھی بہت سے پاکستانی اندراج کے لئے آئے ہوئے تھے - جو آتا تھا اُسے پرچی دیدی جاتی تھی - ہر شخص اپنے نمبر پہ اندر کمرہ میں چلا جاتا تھا - باہر بنچ پر سائے تیس لوگ انتظار میں بیٹھے تھے - ہمارے ہاں جیسی افراتفری نہ تھی - ہمارا نمبر جب آیا تو میں اپنا اور ڈاکٹر صاحب کا پاسپورٹ اور ویزا لے کر اندر گیا - وہاں کا عملہ بہت ہی خوش خلقی اور تواضع سے پیش آیا - پہلے تو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی لیکن جب کام ہو جانے کے بعد ہم سے چائے پانی کا مطالبہ ہوا تو قلعی کھل گئی ــــ معلوم ہوا کہ خوش خلقی اور تواضع کے پیچھے دراصل پیسہ بول رہا تھا - انڈیا کے بارے میں معلوم ہوا کہ رشوت اور کرپشن میں اگر ہم سے آگے نہیں تو کم بھی نہیں ــــ یہی تو ایک سب سے بڑی انڈسٹری ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ ان ۲ ملکوں میں پھل پھول رہی ہے اس میں کوئی دوسرا ملک ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا ــــ ہم سے جب چائے پانی کا مطالبہ ہوا تو ظاہر ہے کہ یہ کام تو ہم نہیں کر سکتے تھے - میں نے معذرت کر لی - اُس نے ایسی آنکھوں سے ہمیں دیکھا جیسے کچا ہی تو نگل جائے گا ــــ اس لئے کہ پاکستانیوں میں سے اس طرح معذرت کرنے والا شاید ہی اُسے کوئی ملا ہو ورنہ ہر شخص اپنا کام کرا کے کچھ نہ کچھ دے دلا کر ہی جاتا تھا - (اِلّا ماشاءاللہ) ــــ میں نے معذرت کر کے اور یہ سُنے بغیر کہ وہ کیا کہتا ہے ــــ پاسپورٹ اور ویزا پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے - ایک زوردار اباؤٹ ٹرن (ABOUT TURN) لیا - باہر سے ڈاکٹر صاحب کو ساتھ لے کر پیچھے دیکھے بغیر تیز تیز قدموں سے یہ جا وہ جا ــــ

راستہ میں ڈاکٹر صاحب کو صورتحال بتا دی کافی دُور جاکر پیچھے مُڑ کر بھی دیکھ لیا کہ سی۔ آئی۔ ڈی کے دفتر کا کوئی شخص واقعی پیچھا تو نہیں کر رہا ۔۔۔ اس لئے کہ ان لوگوں سے بعید نہیں کہ پیسہ نہ ملنے پر کچھ نقصان پہنچانے پر تُل جائیں ۔۔۔ راستہ میں میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہہ دیا کہ واپسی کا اندراج کرانے کے لئے اب کمرہ میں میں نہیں جاؤں گا آپ جائیں گے ۔ میں گیا تو وہ کمبخت پہچان لے گا اور مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے جیسے کہے گا کہ "میاں جی ۔ اب آگئے قابو میں، اب بچ کر کہاں جاؤ گے" ۔۔۔ ڈاکٹر صاحب نے کمالِ بے نیازی سے فرما دیا کہ اچھا دیکھا جائے گا ۔

کراچی کے لئے ہماری واپسی کی سیٹ سنیچر ۲۴ جنوری کے لئے ٹک تھی ۔ ڈاکٹر صاحب کی خواہش تھی کہ اس سے پہلے کی سیٹ مل جائے تو ہم جلد واپس چلے جائیں ۔ چنانچہ سی ۔ آئی ۔ ڈی ۔ آفس سے ہم پہلے تو انڈین ایرویز کارپوریشن کے دفتر گئے جمعہ کو ۱۲ بجے کراچی کے لئے فلائٹ تھی لیکن وہ بھی (CHANCE) چانس پر تھی ۔ ہم نے سوچا کہ اس صورت میں کچھ پتہ نہیں سیٹ ملے کہ نہیں ملے اور دوسرے یہ کہ جمعہ کی نماز بھی نکل جائے گی ۔ اس لئے اس کا خیال چھوڑ کر ہم یہاں سے پی ۔ آئی اے ۔ کے دفتر گئے ۔ یہ دفتر یہاں کی ایک بہت اُونچی عمارت (OBERI TOWER) میں واقع ہے ۔ گراؤنڈ فلور پر چھوٹا سا دفتر ہے ۔ تھوڑا سا اسٹاف ہے ۔ دفتر کے دروازہ پر پی ۔ آئی ۔ اے ۔ کی چھوٹی سی تختی لگی ہے ۔ نئے آدمی کے لئے دفتر تلاش کرنے میں کچھ دقّت ہوتی ہے ۔ اگر صدر دروازہ (MAIN GATE) پر بھی پی ۔ آئی ۔ اے کی ایک تختی لگا دی جائے اور اُس پر دفتر کا کمرہ نمبر (اور تیر کا نشان) لگا دیا جائے تو بہتر ہو ۔ بمبئی میں پی ۔ آئی ۔ اے ۔ کا دفتر دیکھ کر خوشی ہوئی ۔ بس ایسے ہی ہے جیسے دیارِ غیر میں بہت عرصہ بعد کسی ہم وطن سے ملاقات ہو جائے ۔۔۔ سنیچر سے قبل سیٹ کا ہم نے یہاں سے بھی معلوم کیا لیکن کامیابی نہیں ہوئی ۔۔۔ مجبوراً سنیچر کی سیٹ ہی کی دوبارہ تصدیق (RE-CONFIRM) کرالی ۔

دوپہر تک قیام گاہ واپس آگئے ۔ قریب ہی بھنڈی بازار کے چوک میں شالیمار ہوٹل کے نام سے ایک اوسط درجہ کا ہوٹل تھا، وہاں پہ کھانا کھایا ۔۔۔ اور ظہر کی نماز پڑھ کر اپنی قیام گاہ میں آکر آرام کیا ۔۔۔ عصر سے قبل جماعت اسلامی

کے کچھ رفقاء ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کرنے کو ہماری قیام گاہ پر تشریف لاتے -
تھوڑی دیر گفتگو رہی - ان حضرات کو ڈاکٹر صاحب کا تعارف شمس پیرزادہ صاحب
سے ہوا تھا ـــ عصر کی نماز کے بعد ڈاکٹر صاحب تو قیام گاہ پر آگئے اور میں دفتر
جماعت اسلامی چلا گیا جو ابراہیم رحمت اللہ روڈ پر قریب ہی کی ایک عمارت میں
واقع ہے ـــ چھوٹا سا دفتر ہے - یہاں پر امیر صوبہ مہاراشٹر جناب رشید عثمانی صاحب
اور دیگر رفقاء سے ملاقات ہوئی - پاکستان میں ہم جس طریق پر کام کر رہے ہیں
اُس کا میں نے اجمالی تعارف کرایا - صوبہ کے ایک شہر مالیگاؤں کی جماعت کے
رکن عبدالاحد صاحب بھی آئے ہوئے تھے اور یہاں موجود تھے - اُن سے معلوم ہوا
کہ مالیگاؤں میں اب بھی مسلمان اکثریت میں ہیں اور وہاں کی جماعت خاصی مضبوط ہے
مغرب کی نماز کے بعد ڈاکٹر صاحب اور میں شمس پیرزادہ صاحب سے ملاقات
کے لئے اُن کے دفتر گئے - یہ ملاقات عشاء تک جاری رہی اور بہت سے مسائل
پر کھل کر گفتگو ہوئی - بعد عشاء شالیمار ہوٹل میں کھانا کھا کر واپس اپنی قیام گاہ
آئے - کچھ دیر مطالعہ کیا اور پھر سو گئے - (جاری ہے)

بقیہ ، کربلا کی کہانی

صورت کے کہ یزید دینِ الٰہی سے نکل جائے - پھر اس شخص نے دوبارہ کہا تو یزید
نے اُسے ڈانٹ دیا -

اس کے بعد یزید نے ان سب کو محل سرا میں بھیج دیا - پھر ان کو تیار کرا کے
مدینہ روانہ کروا دیا - جب یہ لوگ مدینہ پہنچے تو خاندانِ عبد المطلب کی ایک
عورت سر پیٹتی اور روتی ہوئی ان سے ملنے کے لیے آئی - اور اس کی زبان پر
یہ اشعار تھے ؎

ماذا تقولون ان قال النبی لکم — ماذا فعلتم وانتم اٰخر الامم
بعترتی وباھلی بعد مفتقدی — منھم اُساری وقتلیٰ ضرجوا بدم
ماکان ھذا جزائی اذ نصحت لکم — ان تخلفونی لبشر فی ذوی رحمی

ماخوذ از ہفت روزہ "الاسلام" لاہور

ہر مسلمان پر

حسب صلاحیت و استعداد

قرآن مجید

کے مندرجہ ذیل پانچ حقوق عائد ہوتے ہیں

① ـــ ایمان و تعظیم ـــ یہ کہ اُسے مانے

② ـــ تلاوت و ترتیل ـــ یہ کہ اُسے پڑھے

③ ـــ تذکّر و تدبّر ـــ یہ کہ اُسے سمجھے

④ ـــ حکم و اقامت ـــ یہ کہ اُس پر عمل کرے

⑤ ـــ تبلیغ و تبیین ـــ یہ کہ اُسے دوسروں تک پہنچائے

ان حقوق سے واقفیت اور آگاہی حاصل کرنے کے لیے

جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی شہرۂ آفاق تالیف

"مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق"

کا مطالعہ إن شاء اللہ العزیز بے حد مفید ہوگا

ڈاکٹر اسرار احمد

ہجری سالِ نو مبارک

۳۰ ر اکتوبر ۸۱ء کو جمعہ کا دن اور محرم الحرام ۱۴۰۲ھ کی یکم تاریخ تھی۔ اس روز مسجد دارالسلام، باغ جناح، لاہور میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے خطابِ جمعہ میں جو موضوع گذشتہ دو ماہ سے چل رہا ہے۔ (یعنی "نظام سیاست وحکومت سے متعلق قرآنی تعلیمات) اُس پر گفتگو سے قبل نئی ہجری سال کے آغاز کی مناسبت سے جو کچھ فرمایا وہ درج ذیل ہے (مرتب)

نحمدہ وَ نصلی علیٰ رسولہ الکریم - امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ عزّ وجلّ فی سورۃ البقرۃ :- وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ﴿۱۵۴﴾

وقال تبارک وتعالٰی فی سورۃ آل عمران :- وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿۱۶۹﴾

امابعد :- رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿﴾ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ﴿﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ﴿﴾ يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿﴾

اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ -

اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَ مَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ

آمین یا ربّ العٰلمین ﴿﴾

حضرات! آج یکم محرم الحرام سن ۱۴۰۲ ہجری ہے ۔ گویا آج پندرھویں صدی کے دوسرے سال کا پہلا دن ہے ۔ لہٰذا سب سے پہلے تو میں اسلامی تقویم کے اعتبار سے اس نئے سال کی آمد پر آپ کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ یہ سال ہمارے لئے امن و ایمان اور سلامتی و اسلام کا سال ثابت ہو۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے آغاز میں وہ دُعاء پڑھی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ کے نئے چاند کے طلوع ہونے پر پڑھا کرتے تھے یعنی " اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ " ۔ جس کے آخر میں آں حضرتؐ یہ بھی فرمایا کرتے تھے " رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ ۔ ھِلَالُ رُشْدٍ وَّخَیْرٍ ۔ ھِلَالُ رُشْدٍ وَّخَیْرٍ " ۔ اس دُعاء کے تین حصے ہیں ۔ اصل دُعاء تو پہلا حصہ ہے کہ " اے اللہ ! اس چاند کو ہم پر امن و ایمان اور سلامتی و اسلام کے ساتھ طلوع فرمایا " دوسرے حصے میں چاند سے خطاب ہے ۔ اس میں دراصل اُن مشرکانہ اوہام اور عقائد کی نفی اور ابطال ہے جو چاند' سورج اور اجرام فلکیہ کے بارے میں بالعموم لوگوں کے ذہنوں میں پائے جاتے ہیں ۔

لہٰذا آں حضرتؐ یہ فرمایا کرتے تھے ۔ رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ ' یعنی " میرا ربّ بھی اللہ ہے اور اے چاند تیرا ربّ بھی اللہ ہے " ۔ تیسرا حصہ ایک نوید اور خوشخبری بھی ہے اور اس میں ایک دُعائیہ پہلو بھی ہے ۔ ھِلَالُ رُشْدٍ وَّخَیْرٍ " یہ ہلال جو طلوع ہوا ہے یہ رشد اور خیر کا ہلال ہے " ۔ یہاں " ہے " بھی ترجمہ ہو سکتا ہے اور " ہو " بھی ترجمہ ہو سکتا ہے ۔ اگر اوّل الذکر ترجمہ کیا جائے تو یہ نوید و خوشخبری ہے اور اگر موخر الذکر ترجمہ کیا جائے تو یہ دُعاء' ایک تمنا اور ایک خواہش کا اظہار ہے ۔ کل جو ہلال طلوع ہوا ہے اس سے صرف ایک نیا مہینہ ہی شروع نہیں ہوا بلکہ نیا اسلامی و ہجری سال بھی شروع ہوا ہے لہٰذا ہمیں یہ دُعا کرنی چاہیئے کہ اے اللہ اس سال کو نوعِ انسانی کے حق میں بالعموم اور مسلمانانِ عالم کے حق میں بالخصوص اور اس خطۂ ارضی کے حق میں جو تُو نے اسلام کے نام پر ہمیں عطا فرمایا تھا ۔ اور جو مملکتِ خداداد پاکستان' کہلاتا ہے خاص الخاص طریق پر اپنے فضل اور اپنی رحمت سے امن و سلامتی کا سال بنا

اور اس سال میں ہمارے ایمان اور اسلام میں حقیقی رنگ پیدا فرما۔ میں نے مزید یہ دعا بھی کی ہے کہ اس سال کے دوران تیرے علم کامل میں جن کی وفات کا وقت آرہا ہو اے اللہ! ان کو ایمان پر وفات دیجیو اور جن کے لئے تیرے علمِ ازلی میں مزید مہلتِ عمر طے ہو ان کو اسلام پر قائم رکھیو۔ اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ علی الْاِسْلَامِ وَمن تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ۔

اس موقع پر ایک جملہ معترضہ کے طور پر مجھے یہ بھی عرض کرنا ہے کہ محرم الحرام کے مہینے کو ہم نے ایک مخصوص مکتبِ فکر کے زیرِ اثر بلا سبب اور قطعی نامناسب طور پر رنج و غم اور حزن و الم کا مہینہ بنا لیا ہے۔ حالانکہ کسی بھی اعتبار سے یہ مہینہ ہمارے لئے رنج و غم کا مہینہ نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سال کا کوئی مہینہ بھی دینی لحاظ سے رنج و الم کا مہینہ نہیں ہے۔ یوم عاشورہ (۱۰ محرم الحرام) کی جو اہمیت ہمارے ہاں ہے۔ اس میں ہمارے دینی تصورات و عقائد کے لحاظ سے عظمت کا پہلو ہے۔ اس ضمن میں بہت سی احادیث صحیحہ کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم اس دن جو روزہ رکھتے تھے تو اس کی کوئی بنیاد اور تعلق حادثۂ کربلا سے نہیں ہے۔ یہ حادثہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی الرفیق الاعلیٰ کی جانب مراجعت کے نصف صدی سے بھی زائد بعد پیش آیا ہے۔ لہٰذا دینی لحاظ سے اس حادثے کا یوم عاشورہ سے کسی تعلق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ صوم عاشورہ کے متعلق جو متفق علیہ حدیث ملتی ہے یعنی سند کے اعتبار سے جس کی صحت پر امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ جیسے جلیل القدر محدثین اتفاق کر رہے ہوں اور جس کے راوی ہیں حضرت عبداللہ بن حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما۔ جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ دونوں کے چچا زاد بھائی ہیں اور جو گویا حضرات حسنین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے رشتے کے چچا بھی ہیں اور نانا بھی۔ وہؓ روایت کرتے ہیں کہ جب آں حضرتؐ مدینہ منورہ تشریف لائے اور آپؐ نے دیکھا کہ مدینہ کے یہود ۱۰ محرم الحرام کو روزہ رکھتے ہیں تو آپؐ نے یہود سے دریافت فرمایا کہ تم یہ روزہ کیوں رکھتے

ہو" ؟ تو انہوں نے بتایا کہ " یہ دن ہمارے لئے بڑی خوشی کا دن ہے، اس لئے کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو آلِ فرعون کے ظلم و استبداد سے نجات دلائی تھی اور فرعون اور اس کے اس لشکر کو جو تعاقب میں تھا غرق کیا تھا۔ لہٰذا ہم شکرانے کے طور پر یہ روزہ رکھتے ہیں"۔ اس پر آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ " تمہاری نسبت (حضرت) موسیٰؑ کے ہم زیادہ حق دار ہیں"۔ یعنی یہود نے تو اس کو ایک قومی دن کا درجہ دے رکھا ہے حالانکہ یہ تو دینِ اسلام کی تاریخ کا ایک تابناک باب ہے اور دینِ اسلام کی تاریخ تو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے۔ اسی موقع پر آنحضورؐ نے فرمایا کہ " ہم اس دن کا روزہ رکھنے کے زیادہ حق دار ہیں "۔ چنانچہ اس وقت سے آں جنابؐ نے دس محرم الحرام کا روزہ رکھنا شروع فرمادیا۔

ویسے بھی اس بات کو اچھی طرح جان لیجئے کہ ہمارے دین میں 'شہادت' کا معاملہ کوئی رنج و غم والی بات ہے ہی نہیں بلکہ یہ تو ایک مردِ مومن کے لئے فوز و مرام اور فلاح و کامرانی کا بلند ترین اور ارفع و اعلیٰ مقام ہے۔ دلیل کیلئے سورہ البقرہ کی آیت ۱۵۴ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ " یعنی جو اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں انہیں مُردہ نہ کہو، بلکہ یہ لوگ (تو حقیقت میں) زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور حاصل نہیں ہوتا " اور سورہ آل عمران کی آیت ۱۶۹ " وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ " یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہیں ان کو مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس سے روزی پا رہے ہیں" کو پیشِ نظر رکھیئے۔ ان مقتولین کی برزخی زندگی میں حیات اور اُس میں رزق پانے کی کیفیات امورِ غیب سے متعلق ہیں۔ لہٰذا اس کا کوئی تصور و شعور اس عالمِ ناسوتی میں ہمارے لئے ممکن نہیں۔

شہادت فی سبیل اللہ وہ سعادتِ عظمیٰ اور چوٹی کا وہ عمل ہے کہ جس کے لئے انبیاء و رسول علیہم السلام تمنا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح احادیث میں

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو دُعائیں منقول ہیں۔ ایک یہ کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ شَہَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ۔ اور دوسری یہ کہ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَہَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ۔

مزید براں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی احادیث میں منقول ہے:
"وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوَدِدْتُ اَنْ اَغْزُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ فَاُقْتَلُ ثُمَّ اَغْزُوَ فَاُقْتَلُ ۔۔۔" اس (اللہ) کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے۔ میری آرزو یہ ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور قتل کر دیا جاؤں (اور پھر مجھے زندہ کیا جائے) اور پھر میں اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور قتل کیا جاؤں۔" یہ سنّت رہی ہے کہ رسول قتل نہیں ہوتے چونکہ عالم ظاہری میں اس طرح رسُول کی مغلوبیت کا پہلو نکلتا ہے۔ لیکن اس سے مرتبہ شہادت کے رفیع و مہتم بالشان ہونے کا اندازہ لگا لیجئے ۔۔۔ علاوہ ازیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی سن لیجئے کہ "جس مسلمان کی موت اس حال میں آئی کہ اس کے دل میں راہ حق میں سر کٹا کر سرخرو ہونے کی تمنا و آرزو نہ ہو، اس کی موت ایک قسم کے نفاق پر واقع ہوئی"۔ پس شہادت ہرگز رنج و الم سوگ اور ماتم کرنے والی چیز نہیں ہے۔

اگر شہادت رنج و غم اور الم و ماتم والی شے ہوتی تو دورِ نبوی اور دورِ خلافت راشدہ کی تاریخ میں شاید ہی کوئی دِن ایسا گذرا ہو جس میں کوئی نہ کوئی عظیم شہادت وقوع پذیر نہ ہوئی ہو۔ اگر شہادت میں رنج و غم اور ماتم کا پہلو تلاش کریں تو حضرت سمیّہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی شہادت کا دن بھی ماتم کے دن کے طور پر منانا ہوگا۔ یہ بڑی عظیم شہادت ہے۔ توحید کے لئے یہ پہلا خون بہا ہے۔ جس سے مکہ مکرمہ کی زمین لالہ زار ہوئی ہے اور کس بہیمانہ طریقے پر کہ ابوجہل نے تاک کر اندام نہانی پر نیزہ مارا ہے جو پشت کے پار ہوگیا ہے۔ پھر ان کے شوہر حضرت یاسر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی عظیم شہادت ہے۔ جس کے متعلق بعض روایات میں آتا ہے کہ ابوجہل اور اس کے شقی القلب ساتھیوں نے حضرت یاسرؓ کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر رسیوں سے باندھے پھر چار سمت میں چار اونٹ کھڑے کرکے یہ رسیاں ان اونٹوں کی ٹانگوں سے باندھ کر ان کو

ہانک دیا گیا اور حضرت یاسرؓ کے جسم کے پرخچے اڑ گئے - یہ شوہر اور بیوی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے جرم میں اس ظالمانہ طور پر شہید کئے گئے — ان کی مظلومانہ شہادت کے واقعات ایک حساس دل کے رونگٹے کھڑے کر دیتے ہیں۔ اگر ہمیں سوگ اور ماتم کا دن منانا ہوتا تو ان کا مناتے !اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کی بنیاد پر شہادت کا دن نوحہ وگریہ اور ماتم کا کوئی پہلو رکھتا تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت کا دن اس کا کہیں زیادہ مستحق ہوگا کہ اسے سوگ کا دن منایا جائے !! جن کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت داری کے تہرے بلکہ چوہرے رشتے ہیں - چنانچہ چچا بھتیجے کا رشتہ بھی ہے - خالہ زاد بھائی بھی ہیں اور رضاعی بھائی بھی ہیں عرب میں رضاعت کا رشتہ بالکل خونی رشتے کے برابر سمجھا جاتا تھا چنانچہ سب جانتے ہیں کہ اسلام میں نکاح کی حرمت جس طرح رحم اور خون کے رشتوں کی بنیاد پر ہے اسی طرح رضاعت کی بنیاد پر بھی ہے - پھر ساتھ کے کھیلے ہوئے ہمجولی ہیں۔ مزید اضافہ کیجیے کہ نبی اکرم ؐ کے فرمان مبارک کے مطابق اسد اللہ بھی ہیں اور اسدُ رسولہٖ بھی ہیں — پھر نعشِ مبارک کا حال یہ ہے کہ اعضا بریدہ (مثلہ شدہ) ہیں، شکم چاک ہے - کلیجہ نکال کر چبانے کی کوشش کی گئی ہے - اب اگر ہر سال سوگ کا دن منایا جاتا اور ماتم کیا جاتا تو ان کی شہادت کا کیا جاتا !!! پھر دیکھئے کہ حضرت زید بن حارثہؓ حضرت جعفر طیار ابن ابی طالب حضرت عبداللہ ابن رواحہ حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ تعالےٰ عنہم اور بے شمار دوسرے جان نثارانِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم دورِ نبوت میں شہادت کے مرتبے پر فائز ہوتے ہیں۔ سوگ کا دن منایا جاتا تو ان کا منایا جاتا — لیکن رنج وغم کی بات کون سی ہے !! - اسلام کی تاریخ کا کون سا دور ہے جو ان شہادتوں اور ان قربانیوں سے خالی ہو - اسلام کے گلشن میں ہر چہار طرف یہ پھول کھلے ہوئے ہیں — پھر غور فرمایئے کہ اسلامی تقویم کا جو پہلا دن ہر سال آتا ہے یعنی یکم محرم الحرام تو یہ ایک عظیم شہادت کا دن ہے - یعنی دوسرے خلیفہ راشد امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت کا دن یکم محرم الحرام

ہے۔ وہ عمرؓ جن کے متعلق آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے"۔ اگر رنج و غم کے اظہار کا مسئلہ ہوتا اور اگر سوگ کا دن منانے کا معاملہ ہوتا تو آج کے دن ہوتا۔ حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ ۲۸، ذی الحجہ کو ہوا تھا جس میں آں جنابؓ مجروح ہوئے تھے اور معتبر روایات کے مطابق ان کی وفات یکم محرم الحرام کو ہوئی تھی۔ پھر ۱۸ ذی الحجہ کو تیسرے خلیفہ راشد، ذوالنورین حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ تقریباً پچاس دن کے محاصرے کے بعد انتہائی مظلومانہ طور پر شہید کئے گئے۔ جن کی شہادت کے نتیجے میں مسلمان آپس میں دست و گریباں ہوئے۔ اور اُمت میں ایسا تفرقہ پڑا کہ آج تک ختم نہیں ہوا۔ سوگ کا دن منانا ہوتا تو اس "شہیدِ مظلوم" کی شہادت کے دن کو منایا جاتا۔ پھر ۲۱ رمضان المبارک کو اسداللہ حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورؐ کے چچیرے بھائی، آپؐ کے داماد، چوتھے خلیفہؓ راشد شہید کر دیئے گئے جو حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے والد ماجد بھی ہیں۔ سوگ کا دن منانا ہوتا تو ایک مخصوص مکتب فکر کے افراد کے بجائے پوری اُمت آں جنابؓ کی شہادت کے دن سوگ مناتی۔ اگر سوگ کے دن منانے کا سلسلہ جاری رہے تو بتایئے کون کون سے دن سوگ منایا جائے گا! سال کا کون سا دن ہوگا جو کسی نہ کسی عظیم شخصیت اور اولیاءاللہ کی شہادت کا یا وفات کا دن نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دین میں سوگ اور ماتم اور ان کے دن منانے کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ جس گھر میں کسی کی وفات ہوئی ہو تو سوگ کی کیفیت کی زیادہ سے زیادہ تین دن کے لئے اجازت ہے۔ اُس میں بھی نوحہ گریہ اور سینہ کوبی کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ باقی رہا یہ کہ ان میں سے جنہوں نے بھی اللہ کی راہ میں قربانیاں دی ہیں اور حق و صداقت کے لئے اپنی جانیں دی ہیں اس کی بنیاد پر ان کا بہت ارفع و اعلیٰ مقام ہے۔ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ لیکن نہ دن اور یادگار منانا ہمارے دین کے مطابق ہے اور نہ یہ کوئی رنج و الم اور غم و حزن کا معاملہ ہے اور نہ ہر سال سوگ اور ماتم کرنا دین سے کوئی مناسبت

رکھتا ہے۔

شاید آپ کو معلوم ہو کہ ہمارے صوفیاء کے ہاں موت کو ایک محبوب اور محب کی ملاقات کا وقت تصور کیا جاتا ہے۔ یہ جو لفظ 'عرس' رائج ہے تو اس کی اصل 'عروسی' ہے۔ جیسے 'عروسی' (شادی) ایک خوشی کا موقع ہوتا ہے ویسے ہی موت کسی مردِ مومن کے لئے کسی رنج وغم کا موقع ہے ہی نہیں، چاہے وہ طبعی ہو چاہے قتل کی صورت میں ہو۔ یہ تو درحقیقت ایک محبوب اور محب کی ملاقات ہے اس پہلو سے علامہ اقبال کا وہ شعر ذہن میں رکھیئے کہ ؎

"نشانِ مردِ مومن با تو گویم ——— چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست!"

تو تبسم خوشی کے موقع پر ہوتا ہے نہ کہ غمی کے موقع پر۔ پس یہ سوگ اور ماتم کے دن منانا قطعاً ہمارے دین کے ساتھ مناسبت رکھنے والی چیز نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں ہمارے معاشرے میں یہ غلط رواج چلا آرہا ہے کہ محرم الحرام بالخصوص اس کے پہلے عشرے میں شادیاں نہیں ہوتیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذی الحجہ کے آخری عشرے میں شادیوں کا ایک طوفان آجاتا ہے۔ آپ نے اخباروں میں پڑھا ہو گا کہ امسال ذی الحجہ کے آخری دنوں میں لاہور اور کراچی جیسے شہروں میں روزانہ ہزاروں کی تعداد میں شادیاں انجام پائی ہیں۔ آخر ہم نے محرم الحرام بالخصوص اس کے پہلے عشرے کو شادی بیاہ کی تقریب کے لئے حرام یا منحوس کیوں سمجھ لیا ہے!! ۔ چونکہ میرے نزدیک ان غلط رواجات و روایات کو توڑنا اور غیر اسلامی تصورات کو ختم کرنے کی کوشش کرنا بھی ایک نوع کا جہاد ہے۔ لہٰذا نوٹ فرما لیجیئے کہ اسی ماہ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ کی ۷ تاریخ کو بعد نماز مغرب ان شاء اللہ میرے دوسرے بچے عاکف سعید سلمہ کا عقدِ نکاح مسنونہ جامع مسجد قرآن اکیڈمی ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن میں منعقد ہو گا۔ جس میں شمولیت کی میں آپ تمام حضرات کو دعوت دیتا ہوں۔ آپ حضرات کی تشریف آوری اور دعائے خیر میں شرکت میرے لئے باعثِ مسرت و ممنونیت ہو گی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

(طبعِ مکرر ـــ از ماہنامہ "میثاق" بابت محرم الحرام ۱۴۰۲ھ)

نحمدہٗ و نصلّی علٰی رسولہ الکریم

قال اللہ تبارک و تعالٰی:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ

فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

(آل عمران: ۳۱)

شادی بیاہ کی تقریبات

کے ضمن میں

اتباعِ نبوی پر مبنی

ایک اِصلاحی تحریک

از

ڈاکٹر اسرار احمد

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور و امیر تنظیم اسلامی

۲۷ اگست جمعرات کو بعد نمازِ مغرب ڈاکٹر صاحب کی تیسری بچی کا عقد نکاح و جامع القرآن، میں منعقد ہوا۔ اس تقریب کے سلسلے میں ملک کے نامور صحافی جناب م۔ ش نے اپنے مقبول و معروف کالم "م۔ش کی ڈائری" میں نوائے وقت کی ۳۰ اگست ۸۱ء کی اشاعت میں جن تاثرات کا اظہار کیا اور پاکستان ٹائمز میں اس تقریب کی جو رپورٹ شائع ہوئی وہ درج ذیل ہیں ——— (جمیل الرحمٰن)

"ایک ٹن وعظ کے مقابلے میں ایک اونس عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے"

"ایک ٹن وعظ کے مقابلے پر ایک اونس عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے۔ اس اصول کا عملی مظاہرہ گزشتہ جمعرات کو دارالفرقان ماڈل ٹاؤن (لاہور) میں اس وقت ہوا۔ جب مشہور عالم دین اور مفسر قرآن ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی بیٹی کی شادی کی جملہ تقریبات عین سنتِ نبوی کے مطابق انجام دے کر ایک عملی مثال قائم کی۔ میں نے ڈاکٹر اسرار احمد کے ہزاروں کی تعداد میں مواعظ حسنہ میں شرکت کی ہے۔ لیکن اس موقع پر میری روح نے ان کی تقریر دل پذیر کے جو اثرات قبول کئے وہ انمٹ تھے۔

نماز مغرب کے وقت مسجد کا ہال حاضرین سے کھچا کھچ بھرا تھا۔ امامت کے فرائض ڈاکٹر اسرار احمد نے انجام دیئے۔ قرآن پاک کی آیات مبارکہ تلاوت کرنے میں ان کے لحن میں سوز داؤدی ابھر آیا تھا۔ نماز سے فارغ ہوتے تو ایک مختصر تقریر میں جہیز اور ولیمہ کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ پھر خطبہ نکاح پڑھا اور بس انکی بیٹی سلطہا بیاہی گئیں، اور یہ تقریب درود و صلوٰۃ کے درمیان اختتام پذیر ہوئی۔

ہمارے ہاں شادی، بیاہ، موت اور ختنہ وغیرہ کی تقریبات ایک ہنگامہ ایک مسلسل دردسر اور اسراف بیجا کا نشان بن چکی ہیں۔ ہزاروں مساجد، ریڈیو اور ٹیلیویژن سے کم وبیش روزانہ امام صاحبان اور مقرر حضرات اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں ان تقریبات سے متعلق بدعتوں کے خلاف دھواں دھار تقاریر کرتے ہیں۔ لیکن عمل کے لحاظ سے کوئی شخص ٹس سے مس نہیں ہوتا، ہنگاموں، دردسر اور اسرافِ بیجا کا عمل غیر مختتم طور پر جاری رہتا ہے لیکن پاکستان میں کم از کم ایک بندۂ خدا نے قول وفعل کے تضاد سے بچتے ہوتے ایک ایسی مثال قائم کی ہے کہ ہیں

دعا کرتا ہوں کہ اس پر گامزن ہونے کی ہر پاکستانی کو توفیق ارزاں ہو - آمین -

ڈاکٹر اسرار احمد خدا کے فضل و کرم سے بھلے چنگے کھاتے پیتے آدمی ہیں اگر وہ چاہتے تو اپنی بیٹی کی شادی کی تقریب پر ڈھول ڈھمکے، باجے گاجے آتشبازی اور بجلی کے قمقموں کا جس پیلنے پر چاہتے اہتمام کر سکتے تھے - ان کے ایسے نیازمند ہیں جو ان کے ایک ادنیٰ اشارے پر کھانے پینے کے لئے ہر قسم کی پُرتکلف اشیاء فراہم کر سکتے تھے لیکن اس بابرکت تقریب میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے سنتِ نبوی ﷺ سے سرمو انحراف نہ فرمایا اور یہ تقریب اس حسن و جمال خیر و خوبی سے اختتام پذیر ہوئی کہ اس کا لطف زندگی بھر فراموش نہ ہو سکے گا - (بقیہ آخری صفحے پر دیکھئے!)

AN AUSTERE MARRIAGE

(Report by staff Reporter appeared in PAKISTAN TIMES Lahore insertion of 29th August 1981.)

"Unique and commendable austerity, true to the traditions of the Holy Prophet (peace be upon him) was observed at a marriage function in Jamia - ul - Quran, Quran Academy Model Town Lahore on Thursday evening.

No pomp and show, guests were not served with any refreshment. People assembled in the jamia a few minutes before evening prayers, before the 'Azan' they quietly listened to the cassette recording of the Holy Quran After prayers, Dr. Israr Ahmad, a renowned religious scholar, performed the 'Nikah' ceremony of Mr. Saeed Ahmed Asad with his daughter - "Amatul Mohsee" Nikah ceremony over, the bridegroom with relations and friends left quietly. Dr. Israr told that for observing this austerity many of his relations had severed with him and members of his family."

شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں ایک اصلاحی تحریک

ڈاکٹر اسرار احمد

جمعرات ۲۷ راگست ۸۱ء کی شام کو میری تیسری بچی کا عقدِ نکاح اپنے چچازاد کے ساتھ بفضلہٖ تعالیٰ بخیر وخوبی انجام پایا - اس تقریب کی مختصر روداد یہ ہے کہ اس کے لئے میں نے صرف ایک اخباری اعلان پر اکتفا کیا تھا[1] جس میں یہ صراحت بھی موجود تھی کہ اس موقع پر کسی خورد ونوش کا کوئی اہتمام نہیں ہوگا - اپنے قریب ترین اعزہ میں سے بھی کسی کو میں نے تعین کے ساتھ (BY NAME) مدعو نہیں کیا تھا - مغرب کی نماز سے آدھ گھنٹہ قبل 'جامع القرآن' یعنی قرآن اکیڈمی (۳۶ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور) کی جامع مسجد میں لاؤڈ اسپیکر پر مصری قرأت کا ایک ریکارڈ لگا دیا گیا - مہمان آتے رہے اور نہایت ادب اور سکون کے ساتھ بیٹھ کر استماعِ قرآن میں مشغول ہو جاتے رہے - اسی خاموشی کے ساتھ دولہا اور اس کے ساتھ والے لوگ بھی آئے اور بیٹھ گئے - بعد ازاں نماز ہوئی جس کے بعد میں نے پندرہ بیس منٹ خطاب کیا، پھر خطبۂ نکاح پڑھا اور خود ہی ایجاب وقبول کا مرحلہ طے کرا دیا مزید براں حاضرین کی جانب سے خود ہی اپنے آپ کو مبارکباد دے کر اور خود ہی اُسے قبول کر کے مجلس کے خاتمے کا اعلان کر دیا تاکہ کسی تاخیر کے بغیر معمول کے مطابق درسِ قرآن شروع ہو سکے - بعد ازاں کوئی پانچ سات منٹ چھوہاروں کی تقسیم میں لگے اور اس کے بعد درسِ قرآن کا آغاز ہو گیا ـــــ بچی بھی مہمان خواتین کے ہمراہ مسجد کے زنانہ ہال میں موجود تھی، اُسے وہیں سے اُس کے بڑے

---

[1] اس لئے کہ میرے نزدیک دورِ حاضر میں نبی اکرمؐ کے فرمانِ مبارک :- "اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّکَاحَ" (نکاح کا اعلانِ عام کیا کرو!) پر عمل کی موزوں ترین صورت یہی ہے !!

بھائیوں نے دولھا کے ساتھ رخصت کر دیا۔ اور اس طرح یہ تقریب اختتام کو پہنچی۔

اس پر انگریزی روزنامے "پاکستان ٹائمز" نے بھی "AN AUSTERE MARRIAGE" کا چوکھٹا نمایاں طور پر لگایا۔ اور جناب م۔ش نے تو اپنی ڈائری میں (نوائے وقت ۳۰ اگست ۱۹۸۰ء) مجھے خوب ہی کانٹوں پر گھسیٹا اور "ایک ٹن وعظ کے مقابلے میں ایک اونس عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے!" کی سرخی جمائی ہے۔ اب جب کہ اس طور سے "رسوائی" ہو ہی گئی ہے اور یہ معاملہ لوگوں کے علم میں آ ہی گیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر کسی قدر مزید تفصیل سے روشنی ڈال دی جائے۔ کیا عجب کہ اس سے لوگوں کو کوئی عملی رہنمائی حاصل ہو جائے!

شادی بیاہ کی تقریبات اور لوازمات و رسومات کے روز افزوں طوماروں نے جس طرح ایک سماجی برائی کی شکل اختیار کر لی ہے اس کا شدید احساس ہر صاحب نظر اور ملک و ملّت کا درد رکھنے والے انسان کو ہے۔ امیروں کے لئے تو یہ تقریبات و رسومات صرف "چونچلوں" یا پھر اپنے "کالے دھن" کے نمائش و اظہار کے ذرائع کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن عوام کی اکثریت کے لئے یہ ناقابلِ برداشت بوجھ یا بالفاظ دیگر پاؤں کی بیڑیاں اور گلے کا طوق بن گئی ہیں۔ جن کے باعث شادی میں تاخیر ہوتی ہے اور اس "ام الخبائث" (شادی کی تاخیر) کے بطن سے اخلاقی اور نفسیاتی امراض کا ایک لامتناہی سلسلہ جنم پاتا چلا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۵۷ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کے ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بلند و بالا شانیں بیان ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ "وہ لوگوں کو ناقابل برداشت بوجھوں اور ان طوقوں سے نجات دلائیں گے جو ان کی گردنوں میں پڑے ہوں گے" (وَ يَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ) لہٰذا آپؐ کے نقشِ قدم پر چلنے کی خواہش اور آپؐ کے طریقِ کار پر عمل پیرا ہو کر معاشرے کی اصلاح کا داعیہ رکھنے والوں کا فرضِ عین قرار پاتا ہے کہ وہ لوگوں کو ان بوجھوں سے نجات دلانے کی کوشش کریں خواہ اس میں ان کو کیسی ہی تکالیف اٹھانی پڑیں اور کتنی ہی مشکلات کا سامنا ہو۔

اس ضمن میں جہاں تک 'سادگی' کے وعظ کا تعلق ہے تو وہ تو عام طور پر
کہنے اور سننے میں آتا ہی رہتا ہے اور بسا اوقات وقتی اور فوری طور پر اس
کا اثر بھی سامعین شدت سے محسوس کرتے ہیں - لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کا
کوئی عملی اثر مترتب نہیں ہوتا - اس کی وجہ بادنیٰ تامل سمجھ میں آجاتی ہے —
یعنی "سادگی" ایک مبہم اور اضافی لفظ ہے جس کا کوئی معین مفہوم نہیں ہے -
غرباء کے لئے اس لفظ کے معنی کچھ اور ہیں اور امراء کے لئے بالکل اور ! !
تو جس اصلاحی کوشش کی بنیاد ایسے مبہم اور غیر معین تصور پر ہوگی اس کا حاصل
نتیجہ پیشگی ظاہر ہے -
راقم الحروف کو اس مسئلے کے ساتھ عملی سابقہ اولاً اُس وقت پیش
آیا جب ۱۹۶۶ء میں راقم نے لاہور میں 'دعوت رجوع القرآن' کا آغاز کیا
اور درس و مطالعۂ قرآن حکیم کے حلقے قائم کئے - ان حلقوں کے ذریعے جو لوگ
راقم کے قریب آئے، ان میں فطری طور پر راقم کے ساتھ حسنِ ظن اور ایک گونہ
'عقیدت' پیدا ہونی شروع ہوئی جس کے نتیجے میں دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ
'نکاح خوانی' کی فرمائشیں بھی آنی شروع ہوئیں - ابتدا میں تو میں نے اس سے
احتراز کرنے کی کوشش کی لیکن جب فرمائشوں نے تقاضوں اور مطالبوں کی
صورت اختیار کی تو چار و ناچار گھٹنے ٹیک دینے پڑے اور اپنے رفقاء و احباب
کے بچوں اور بچیوں کے نکاح پڑھانے کا سلسلہ شروع کرنا پڑا -
اس سلسلے میں اوّلین بات تو میرے سامنے یہ آئی کہ ہم نے 'خطبہ نکاح'
کو محض "جنتر منتر" بنا کر رکھ دیا ہے - حالانکہ خطبے کی اصل غرض و غایت
تذکیر و نصیحت ہے - یہی وجہ ہے کہ علماء کو 'خطبہ جمعہ' کے ساتھ "خطاب جمعہ"
کا اضافہ کرنا پڑا تاکہ خطبۂ جمعہ کی اصل غرض و غایت اگر خود اس سے حاصل نہ ہو
رہی ہو تو عربی زبان کے مقولے "مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ"
کے مطابق اُس سے یکسر محرومی قبول نہ کی جائے بلکہ اُسے اضافی خطاب جمعہ سے
حاصل کرنے کی کوشش کی جائے - چنانچہ اسی اصول کے تحت میں نے 'خطبہ نکاح'
سے قبل 'خطاب' کا سلسلہ شروع کیا جس میں ان آیات و احادیث کی مختصر

تشریح بھی ہوتی تھی جو نکاح کے مسنون خطبے میں شامل ہیں اور کچھ عمومی دعوت و نصیحت بھی ہوتی تھی - اور خاص طور پر حدیث مبارکہ " اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ " کے ضمن میں جہاں رہبانیت کی نفی ہوتی تھی وہاں سنت کا وسیع تر تصور بھی سامنے رکھا جاتا تھا اور آخر میں نہایت زور دے کر کہا جاتا تھا کہ " اتباعِ سنت " کے پہلے قدم کے طور پر کم از کم شادی بیاہ کی تقریبات اور رسومات کے ضمن میں تو یہی یہ طے کر ہی لینا چاہیے کہ ان میں سے صرف وہی چیزیں باقی رکھی جائیں جن کا ثبوت آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مل جائے اور باقی تمام بعد کی ایجاد کردہ یا باہر سے درآمد شدہ رسومات کو پوری ہمت اور جرأت کے ساتھ پاؤں تلے روند دیا جائے[1]! مثلاً یہ کہ نکاح مسجد میں ہونا چاہیے - جہیز اور بری وغیرہ کی نمائش بالکل نہیں ہونی چاہیے - گھروں کی تزئین و آرائش اور بالخصوص روشنی وغیرہ پر اسراف سے بچنا چاہیے - اور دعوتِ طعام صرف ایک ہونی چاہیے - یعنی " دعوتِ ولیمہ " - لڑکی والوں کی جانب سے نکاح کے موقع پر دعوتِ طعام کا سلسلہ بالکل بند ہونا چاہیے - وغیرہ وغیرہ -

مسلسل پانچ چھ برس تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا کہ لوگ یہ باتیں سن کر نگاہیں نیچی کر لیتے تھے، فوری تاثر کے آثار بھی ان کے چہروں پر ظاہر ہوتے تھے - بعض میں بہت سے لوگ اس " وعظ " کی تائید و تصویب ہی نہیں تحسین بھی فرماتے تھے لیکن جب موقع آتا تھا تو " زمین جنبد نہ جنبد گل محمد " کے مصداق پرنالہ وہیں گرتا تھا اور بالکل ایسے محسوس ہوتا تھا کہ بیل گاڑی کا اس " لیک " سے ہٹنا تقریباً ناممکن ہے - تا آنکہ ۱۹۶۳ء کے اواخر میں میرے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد انگلینڈ سے پی ایچ ڈی کی تکمیل کر کے واپس آ گئے اور ان کی شادی کا مرحلہ آیا وہ ہم تمام بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے ہیں گویا ہمارے خاندان کی ایک نسل کی سطح پر یہ آخری شادی تھی - میں نے اس موقع پر ایک فیصلہ کن اقدام کا

---

[1] یہ بات بہت قابل توجہ ہے اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ " اصلاح الرسوم " کیلئے واحد ممکن اور ٹھوس بنیاد صرف اور صرف " اتباع سنت " کا اصول ہے اس کے سوا جو کوشش کی جائیگی وہ اسی طرح غیر موثر ہو کر رہ جائے گی جس طرح " سادگی " کا وعظ!

عزم کیا۔ اس لئے کہ میرے سامنے معاملے کی صورت یہ آئی کہ جو کچھ دوسروں کو بطور نصیحت کہتے رہے ہو اب یا تو خود اُس پر عمل کر کے دکھاؤ ورنہ ان باتوں کا کہنا چھوڑ دینا چاہیئے گویا بقول علامہ اقبال ؒ "یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر!"

خوش قسمتی سے جہاں رشتہ طے پایا تھا وہ خود بہت پختہ دینی مزاج کے حامل لوگ تھے۔ گویا اصل مسئلہ اللہ تعالےٰ نے پہلے ہی حل کر دیا تھا۔ چنانچہ بحمد اللہ کوئی دقت پیش نہ آئی اور جوں ہی میں نے ان کے سامنے پورا معاملہ رکھا، انہوں نے برضا و رغبت آمادگی کا اظہار کر دیا۔ اگرچہ بعد میں بعض دوسرے عزہ و اقارب نے معاملے کو سخت ردّ و قدح اور طعن و استہزا کا موضوع بنایا اور کسی قدر تلخی بھی پیدا ہو گئی تاہم بحمد اللہ یہ شادی ٹھیٹھ سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ہوئی اور اس طرح بفضلہٖ تعالےٰ 'CHARITY BEGINS AT HOME' والا معاملہ ہو گیا۔!

اس مرحلے پر پہلے اقدام کے طور پر راقم نے تین چیزوں پر زور دینے کا فیصلہ کیا ایک یہ کہ نکاح مسجد میں منعقد ہو۔ دوسرے یہ کہ لڑکی والوں کی طرف سے کوئی دعوتِ طعام نہ ہو اور تیسرے یہ کہ 'بارات' کا تصور بالکل ختم کر دیا جائے۔ ان تینوں کی وضاحت کے ضمن میں جو مختصر تحریر راقم کے قلم سے نکل کر 'میثاق' لاہور کی اشاعت بابت فروری ۱۹۷۲ء کے 'تذکرہ و تبصرہ' کے صفحات میں شائع ہوئی (اور جو بعد میں ایک علیحدہ چار ورقے کی صورت میں طبع ہو کر ہزاروں کی تعداد میں تقسیم ہوئی) من و عن درج ذیل ہے:-

"۱۔ جہاں تک نکاح کی تقریب کے مساجد میں انعقاد کا معاملہ ہے وہ کسی مشکل بات نہیں ہے۔ اکثر لوگ اس پر جلد ہی راضی ہو جاتے ہیں اس لئے کہ بات بڑی واضح ہے۔ چنانچہ بہت سے مواقع پر جب دو باتیں (جن کا ذکر آگے آئے گا) اس ضمن میں کہی گئیں تو واقعہ یہ ہے کہ جملہ حاضرین کی پیشانیاں عرقِ ندامت سے نم ہو گئیں۔ اور ان کے چہروں پر حقیقی تاثر کے اثرات نمایاں ہو گئے۔ ایک یہ کہ جب تاجدارِ عالم اور محبوبِ ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر اور دخترِ نیک اختر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا نکاح مسجد میں ہوا تو ہم میں سے کون ہے جو اپنے آپ کو آنحضورؐ

سے زیادہ باعزت یا اپنی بیٹی کو سیدۃ نساءِ اہل الجنۃ سے افضل سمجھتا ہو اور
اُسے مسجد میں نکاح پڑھوانے سے عار محسوس ہو؟ — اور دوسرے یہ کہ
ہمیں شرم آنی چاہیئے کہ عیسائیوں نے، اس کے باوجود کہ ان کا اپنے مذہب سے
لگاؤ نہ ہونے کے برابر ہے۔ تاحال کلیسا کا درجہ اس قدر بلند رکھا ہے کہ لڑکا
اور لڑکی دونوں نکاح کے لئے وہاں حاضر ہوتے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ
ہم نے مسجد کا مقام اس درجے گرا دیا کہ وہاں نکاح پڑھوانے کو عار جانتے
ہیں حالانکہ شریعت نے واضح راہ کھول دی ہے کہ لڑکی کی طرف سے اس
کا وکیل دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح خواں کو اجازتِ "ایجاب" دیتا ہے
اس طرح جب لڑکی کا خود مجلسِ نکاح میں موجود ہونا ضروری نہیں تو آخر اس
کے گھر پر اس تقریب کا انعقاد کیوں ضروری سمجھ لیا گیا ہے — راقم کے خیال
میں یہ دونوں دلیلیں اتنی قومی اور موثر ہیں کہ اگر ان کو عام کر دیا جائے تو
اکثر لوگ تقریبِ نکاح کے مسجد میں انعقاد پر بر ضا و رغبت آمادہ ہو جائیں
گے۔ ویسے دو مزید دلیلیں جو یقیناً قابلِ لحاظ ہیں، یہ ہیں کہ اوّلاً نکاح
کے بعد جو دُعائے خیر دُولھا اور دُلھن کے لئے کی جاتی ہے اس کا بہترین محل
مسجد میں ہوتا ہے نہ کہ شادی والے گھر کی ہنگامہ خیز فضا میں — اللہ کے
کسی گھر میں کسی نماز کے معاً بعد یہ تقریب منعقد ہو اور اس کے بعد اس
پاکیزہ ماحول میں نئے گھر کی آبادی اور خوش حالی اور دین و ایمان کی سلامتی
اور باہمی اُلفت و محبت کی دُعا کی جائے تو اُمید واثق ہے کہ اس کی تاثیر کم از کم
دہ چند ہو جائے گی اور ثانیاً یہ کہ اس سے شامیانوں، قناتوں، قالینوں، صوفوں
اور کرسیوں اور رنگا رنگ کی آرائشوں پر صرف ہونے والا پیسہ بچ جائے گا
جسے کسی اور نیک کام کے لئے صرف کیا جا سکتا ہے۔

۲ — نکاح کے موقع پر دعوتِ طعام سے احتراز کا معاملہ البتہ ذرا کڑوی
گولی ہے جو آسانی سے حلق سے نہیں اترتی۔ لیکن ذرا غور کیا جائے تو معلوم
ہوتا ہے کہ یہ معاملہ پہلے معاملے سے بھی زیادہ صاف اور واضح ہے۔

اس سلسلے کی ایک دلیل تو خالص دینی اور مذہبی ہے۔ یعنی یہ کہ ہمارے
نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ہمیں زندگی کے ہر گوشے سے متعلق

مفصل ہدایات دے دی ہیں - یہاں تک کہ ہم فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارے نبیؐ نے ہمیں استنجا اور طہارت تک کی بھی مفصل تعلیم دی ہے تو کیا کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ شادی بیاہ ایسے معاملات میں حضورؐ کی جانب سے معاذ اللہ کوئی کوتاہی رہ گئی ہے جس کی تلافی کی کوشش ہمیں خود کرنی ہے — اگر اس سوال کا جواب نفی میں ہو اور یقیناً نفی ہی میں ہے تو ہمیں سوچنا چاہیئے کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شادی کے ضمن میں دعوتِ ولیمہ کی تاکید فرمائی اور اس کی اس لازمی برائی کا ذکر کرنے کے باوجود کہ "بِئْسَ الطَّعَامُ الْوَلِيمَةِ يُدْعىٰ إِلَيْهِ الْأَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْمَسَاكِيْنَ" (یعنی دعوتِ ولیمہ بھی کیا ہی بری دعوت ہے جس میں صاحبِ حیثیت لوگوں کو بلایا جاتا ہے اور مسکینوں سے صرفِ نظر کر لیا جاتا ہے) یہ مثبت حکم بھی دیا کہ "إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيمَةِ فَلْيَأْتِهَا" (جب تم میں سے کسی کو ولیمے میں بلایا جائے تو وہ ضرور جائے) ساتھ ہی مزید تہدید بھی فرمائی کہ "فَمَنْ لَّمْ يَأْتِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ" (یعنی جو دعوت میں (بلا عذر) شریک نہ ہوگا اس نے (گویا) اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا ارتکاب کیا) واضح رہے کہ یہ تمام حدیثیں 'مسلم شریف' سے ماخوذ ہیں۔

پس اگر نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کے یہاں بھی دعوتِ طعام کوئی اچھا کام ہوتا اور اس میں کوئی بھی خیر کا پہلو موجود ہوتا تو کیا اللہ کے رسولؐ ہمیں اس کا حکم نہ دیتے؟ — یا کم از کم درجہ استحباب ہی میں اس کا ذکر نہ فرماتے؟ اور جب اس کا کوئی ذکر ہمیں کسی حدیث میں نہیں ملتا تو کیا یہ ایک خواہ مخواہ کی بدعت نہیں؟ اور کیا یہ اُن اصر اور اغلال کے قبیل کی چیز نہیں جن کے بوجھ سے انسانوں کی گردنوں کا آزاد کرانا مقاصدِ نبوت میں شامل ہے؟

دوسری دلیل وہ ہے جو ہر صاحبِ عقلِ سلیم کو اپیل کرے گی، یعنی یہ کہ شادی کا موقع لڑکی والوں کے لئے ویسا کھلی خوشی کا موقع نہیں ہوتا جیسا لڑکے والوں کے لئے ہوتا ہے - لڑکے کے لئے یہ خانہ آبادی کا موقع ہوتا ہے

——— اور لڑکے والے گھر میں ایک فرد کا اضا
ہو رہا ہوتا ہے لہٰذا اصل خوشی وہاں ہوتی ہے (یہی وجہ ہے کہ شارع علیہ
السلام نے دعوتِ عرس کا حکم لڑکے ہی کو دیا!) ۔ لڑکی کے والدین کو اس کی
شادی کے موقع پر اگرچہ اس پہلو سے ایک احساس اطمینان ضرور ہوتا ہے کہ
ایک اہم فرض ادا ہو گیا اور ذمہ داری کا ایک بھاری بوجھ کاندھے سے اتر گیا
لیکن صحیح معنیٰ میں اُن کے یا لڑکی کے بھائی بہنوں کے لئے یہ خوشی کا موقع ہرگز
نہیں ہوتا بلکہ عام مشاہدہ یہ ہے کہ لڑکی کی رخصتی کے وقت سب اہلِ خانہ اشکبا
ہوتے ہیں ۔ گھر کا ایک فرد، ماں باپ کی لاڈلی اور ناز و نعم کی پلی ہوئی بچی، بہنوں
اور بھائیوں کی پیاری "ماں جائی" کا گھر سے رخصت ہونا ظاہر ہے کہ ہرگز خوشی
کی بات نہیں ـــ اس پر مستزاد ہیں مستقبل کے اندیشے جو ہر طرح کے حزم و
احتیاط کے باوجود بہرحال بالکل ختم کسی طرح نہیں ہو سکتے کہ کیا معلوم نباہ ہو
یا نہ ہو اور بیل منڈھے چڑھے یا نہ چڑھے ـــ ان حالات میں اس گھر پر اور
ان ہی گھر والوں کے ہاتھوں قورمے اور متنجن اڑانا یقیناً بڑی ہی دناءتِ طبع
اور سفلہ مزاجی کا معاملہ ہے ۔ ایک غیرت مند اور باحمیت انسان کے لئے یہ چیز،
الا آنکہ ذہن اِدھر منتقل نہ ہوا ہو، بڑی ہی قابلِ عذر ہے ۔

۳ ۔ اب اگر یہ دونوں باتیں اظہر من الشمس ہیں : یعنی نکاح کی تقریب
مسجد میں ہو اور اس موقع پر دعوتِ طعام کو پروگرام سے خارج (ELI-
MINATE) کر دیا جائے تو خود بخود "بارات" کا پورا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے
اور واقعہ یہ ہے کہ یہ ہے ہی ختم کئے جانے کے لائق بلکہ صد لائق! خدا کا
شکر ہے کہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ؐ کی احادیث کے پورے ذخیرے،
یہاں تک کہ جتنی عربی راقم کو آتی ہے، کم از کم اس کی پوری لغت میں کوئی
لفظ ایسا موجود نہیں ہے جس کا ترجمہ لفظ "بارات" کیا جا سکے اور جس طرح
یہ لفظ خالص عجمی ہے اسی طرح اس کا پورا تصور بھی خالص عجمی ہے اور اس کا
وہ نقشہ تو خالص ہندوانہ ہے جو ہمارے ذہنوں میں شادی بیاہ کے لوازم کی
حیثیت سے رچ بس گیا ہے۔ یہ "ایک جتھے کی صورت میں جمع ہو کر اور باقاعدہ

"چڑھائی" کے انداز میں لڑکی والے کے گھر جانا اور پھر لڑکی کا ڈولا لے کر "فاتحانہ" انداز سے لوٹنا خالص ہندوانہ تصوّر ہے جس کی بیخ کنی لازماً کی جانی چاہیئے۔

بارات کا متذکرہ بالا تصوّر نہ صرف یہ کہ خالص عجمی ہی نہیں خالص ہندوانہ ہے بلکہ ذرا غور کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ بڑی کم ظرفی کا مظاہرہ بھی لئے ہوئے ہے۔ بڑی شان و شوکت کے ساتھ دندناتے ہوئے جانا اور لڑکی والوں پر پورا رُعب جھاڑتے ہوئے بطرزِ استحقاق بلا تردد اڑانا اور پھر فاتحانہ شان میں "مالِ غنیمت" سے لدے پھندے واپس آنا! حیرت ہے کہ کیوں لوگوں کو محسوس نہیں ہوتا کہ ان چیزوں کی اُس دین سے کسی طور پر کوئی مناسبت نہیں ہو سکتی جو ہر معاملے میں شرافت و مروّت، وقار و متانت اور دوسروں کے جذبات کے پاس و لحاظ کی تعلیم دیتا ہے۔

بہرحال شادی بیاہ کے سلسلے میں یہ وہ ناپاک تثلیث (UNHOLY TRIO) ہے جو مِل جُل کر ایک وحدت بن گئی ہے، یعنی عیسائیوں کے قول کے مطابق توحید بھی ہے اور تثلیث بھی "تین میں ایک اور ایک میں تین" اور بہتر یہی ہے کہ تینوں کی جڑوں پر بیک وقت ضرب کاری لگائی جائے ورنہ اگر کسی ایک کی بیخ کنی پر اکتفا ہوئی تو باقی دونوں فوراً اس تیسری کو بھی از سرِ نو زندہ کر لیں گی۔ اس سلسلے میں بعض لوگوں کا یہ خیال بالکل درست نہیں کہ رفتہ رفتہ اور تدریجاً اصلاح کی طرف قدم بڑھائے جائیں۔ ایسے معاملات میں ایک ہی بار بڑا اقدام مفید بھی رہتا ہے اور پائیدار بھی — !"

مجھے خوب اندازہ تھا کہ لوگ ان باتوں کو عقلی اور منطقی اعتبار ہی سے نہیں دلی طور پر بھی تسلیم کر لیں گے لیکن جب موقع آئے گا تو مجبوریوں کا ایک کوہ گراں ان کے سامنے آن کھڑا ہوگا اور وہ مجھے بھی ہر طرح مجبور کریں گے کہ ان تقاریب میں شرکت کروں۔ لہذا پیش بندی کے طور پر راقم نے اپنی ذات

کی حد تک تین پختہ فیصلے کر کے ان کا 'میثاق' کے صفحات میں اعلان بھی کر دیا اور جامع مسجد خضراء سمن آباد کے اجتماعِ جمعہ میں بھی ——— وہ تین فیصلے یہ تھے کہ: راقم الحروف آئندہ نہ کسی بارات میں شامل ہوگا۔ نہ نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کے ہاں کسی دعوتِ طعام میں شریک ہوگا۔ نہ ہی کسی ایسی تقریبِ نکاح میں شرکت کرے گا جو مسجد میں منعقد نہ ہو ——— !"

مجھے اعتراف ہے کہ اس معاملے میں کسی قدر 'شدت' کی صورت پیدا ہوئی لیکن میں پوری طرح مطمئن ہوں کہ اس کے بغیر معاملہ کسی طرح ٹس سے مس تک نہ ہوتا ——— الحمد اللہ کہ میرے رفقاء و احباب میں سے بہت سے لوگوں نے اس معاملے میں میرا پورا ساتھ دیا جس کے نتیجے میں اس اصلاحی کوشش نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ بہت سے دوسرے احباب جو پورا ساتھ نہ دے سکے ان کے ساتھ میں نے ایک درمیانی صورت اختیار کر لی کہ نکاح کا انعقاد انہوں نے مسجد میں کر لیا جس میں میری شرکت ہوگئی۔ بعد ازاں کسی دعوتِ طعام کا اہتمام انہوں نے کیا جس میں میری عدم شرکت کو انہوں نے خندہ پیشانی سے گوارہ کر لیا۔ اور ان کی 'مجبوریوں' کے پیشِ نظر میں نے بھی ان پر نکیر نہ کی۔

قریبی عزیزوں اور رشتہ داروں کے حلقے میں البتہ مجھے زیادہ سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا جس کے نتیجے میں شکر رنجیاں بھی ہوئیں۔ تعلقات کا انقطاع بھی ہوا۔ اور بعض بچپن کی منگنیاں بھی ٹوٹیں۔ لیکن الحمد للہ والمنۃ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان تمام چیزوں کو برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائی اور میرے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دی!

اس معاملے میں میرے لئے سب سے کڑا امتحان اپنی سب سے بڑی بچی کی شادی کے موقع پر پیش آیا۔ مجھے خوب اندازہ تھا کہ اس موقع پر خواہ میں اپنی طے کردہ ساری پابندیاں پوری طرح نباہ لوں لیکن اگر رخصتی کے موقع پر میں نے دولہا اور ان کے چند عزیزوں کی تواضع صرف ٹھنڈے یا گرم مشروب سے بھی کر دی تو بات کا بتنگڑ بن جائے گا اور سارے کئے کرائے پر پانی پھر

جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید سے میں نے ایک اور انقلابی قدم اٹھایا یعنی یہ کہ بچی کو بھی جمعہ کو مسجد دارالسلام، باغ جناح لے گیا۔ نمازِ جمعہ کے بعد نکاح پڑھایا اور اللہ ہی کے گھر سے اس کی رخصتی عمل میں آ گئی۔ اس طرح میرے گھر پر دو چار افراد کا بھی اس صورت میں آنا نہ ہوا جس پر کھینچ تان کر کے بھی "بارات" کے لفظ کا اطلاق کیا جا سکتا!۔

اس کے بعد بڑے بچے کی شادی کا مرحلہ آیا تو ایک طرف تو اس کے لئے جو "بارات" کراچی گئی وہ کُل ڈھائی افراد پر مشتمل تھی۔ یعنی دولہا، اس کی والدہ اور سب سے چھوٹا بھائی۔ (راقم خود ان دنوں دعوتی و تنظیمی سلسلے میں پہلے ہی سے کراچی میں تھا)، دولہا کے دو حقیقی بھائی اور کوئی حقیقی بہن بھی اس "بارات" میں شامل نہ تھی، پھر یہ کہ جس جمعہ کو نمازِ جمعہ کے متصلاً بعد عقدِ نکاح ہونا تھا، اسی صبح کو ٹرین سے یہ لوگ کراچی پہنچے اور اسی شام کو دلہن کو لے کر لاہور واپس ہو گئے۔ دوسری طرف رفیق محترم قاضی عبدالقادر صاحب نے (جن کی بچی سے عقدِ نکاح ہونا تھا) راقم کی قائم کردہ مثال پر پورا عمل کر کے دکھایا اور اپنے قریب ترین اعزہ و اقارب کو بھی گھر پر مدعو نہیں کیا بلکہ مسجد ہی سے بچی کو رخصت کر دیا۔

اس کے بعد بحمداللہ سالِ رواں کے دوران راقم اپنی مزید دو بچیوں کی ذمہ داری سے اسی طور سے سبکدوش ہو چکا ہے۔

اس سلسلہ کی آخری یعنی حالیہ تقریب میں جس کے حوالے سے گفتگو کا آغاز ہوا تھا، راقم نے ایک نہایت مختصر خطاب کیا تھا جس کے بارے میں جناب م۔ش نے از راہ ذرہ نوازی یہ فرمایا ہے کہ "میں نے ڈاکٹر صاحب کے ہزاروں کی تعداد میں مواعظ حسنہ میں شرکت کی ہے لیکن اس موقع پر میری روح نے ان کی تقریر دل پذیر سے جو اثرات قبول کئے وہ انمٹ تھے" اس میں راقم نے ایک بار تو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی شان مبارکہ کے حوالے سے جو "وَ یَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَ الۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ کَانَتۡ عَلَیۡهِمۡ" کے الفاظِ قرآنی میں بیان ہوئی ہے حاضرین کو جرأت مندانہ اقدام کی ترغیب

دلائی تھی اور دو بڑے سورۃ الانشراح کی آیاتِ مبارکہ "فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ
اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝" کے حوالے سے تحدیثاً لِلنِّعْمَۃ عرض کیا تھا کہ
اپنی ان مساعی کے ضمن میں جس اُخروی اجر و ثواب کا امیدوار میں ہوں اس
کا تو میں محتاج ہوں ہی "رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ۝"
— اس دنیا میں جو نقد انعام مجھے ملا ہے وہ 'وہ آسانی اور سہولت ہے جس
کے ساتھ میں تابڑ توڑ انداز میں اپنی اُن پہاڑ ایسی ذمہ داریوں سے عہدہ
برآ ہو گیا ہوں جن کا تصور بھی ہمارے معاشرے میں بہت سے لوگوں پہ لرزہ
طاری کر دیتا ہے — واقعہ یہ ہے کہ آج جب میں غور کرتا ہوں تو شدت
کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ اگر مجھے اپنی اِن ذمہ داریوں کو زمانے کے دستور و
معیار کے مطابق نبھانا ہوتا تو میرے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہتا
کہ جسم و جان کی ساری توانائیاں صرف پیسہ کمانے کے لئے جھونک دیتا نتیجۃً
اللہ کے دین اور اس کی کتاب عزیز کی کسی خدمت کے لئے نہ میرے پاس کوئی
وقت بچتا نہ قوت و صلاحیت — یہ سراسر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے
جب ایک جانب مجھے اس فیصلے کی توفیق ارزانی فرمائی کہ میرے جسم و جان کی
تمام توانائیاں اور صلاحیتیں اللہ کے دینِ متین اور بالخصوص اس کی کتابِ
عزیز کی خدمت کے لئے وقف رہیں گی تو دوسری جانب میری توجہ اتباعِ
سنت کے اِس رُخ کی طرف بھی مبذول کر دی اور مجھے شادی بیاہ کے
"اِصر" اور "اغلال" کے خلاف جہاد کا بیڑا اٹھانے کی توفیق بھی مرحمت
فرما دی۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج میں خود اپنے ذاتی حالات میں اللہ کے عظیم وعدے
یعنی "وَنُیَسِّرُکَ لِلْیُسْرٰی" اور "فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی ۝" کی
صداقت و حقانیت کا مشاہدہ کر رہا ہوں کہ تین سال کے اندر اندر اپنے چار
بچوں کی ذمہ داریوں سے اس طرح سبکدوش ہو گیا ہوں کہ کسی بار یا گرانی کا
احساس تک نہیں ہوا۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃ!!

جہاں تک 'جہیز' کا تعلق ہے میرے نزدیک یہ بھی سراسر غیر اسلامی اور
خالص ہندوانہ ذہنیت کا مظہر ہے۔ تاہم ابتداءً میں نے اس کے ضمن میں صرف

'عدمِ تماسّ' پر زور دیا تھا۔ اب اللہ ہمت دے اور رفقاء احباب کمرِ ہمت کس لیں تو اس ضمن میں بھی مزید پیش قدمی ضروری ہے ــــ اس سلسلے میں میرا اپنا جو معاملہ رہا ہے اس موقع پر اُسے بیان کر دینے میں بھی ان شاءاللہ کوئی حرج نہیں ہوگا ــــ اور وہ یہ کہ اگرچہ میری پہلی دو بچیاں بھی جو کچھ لیکر میرے گھر سے رخصت ہوئیں اس پر بھی موجودہ زمانے کے کسی بھی معیار کے مطابق "جہیز" کا اطلاق نہیں ہو سکتا تاہم حالیہ شادی میں یہ معاملہ بھی بحمداللہ قدرِ مطلوب سے بہت قریب پہنچ گیا ہے ۔ یعنی میری یہ بچی صرف ایک اٹیچی بھر کپڑے اور سوا دو تولے کا طلائی زیور لے کر میرے گھر سے رخصت ہوئی ہے!! ــ

خدا گواہ ہے کہ سطورِ بالا میں جو کچھ تحریر ہوا ہے اس میں نہ "عُجب" کو دخل ہے نہ ہی اس سے "تعلّی" مقصود ہے ــــ ان تمام تفاصیل سے مقصود صرف یہ ہے کہ کچھ لوگ کمرِ ہمت کس لیں اور اللہ کی تائید و توفیق کی امید کے سہارے شادی بیاہ کی تقریبات اور رسومات و لوازمات کے طومار کے "اِصر" اور "اغلال" کے خلاف جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں ۔ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ٥

بقیہ ، م ۔ ش ، کی ڈائری

ہمارے معاشرے میں بیشمار بیٹیاں ایسی موجود ہیں جن کے ہاتھ پیلے اس لیے نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے والدین میں ڈاکٹر اسرار احمد کے ایمان کا جذبہ موجود نہیں گھروں پر بیٹھے بیٹیاں بوڑھی ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کے والدین باراتیوں کے شایانِ شان استقبال اور جہیز کے تکلفات سے عہدہ برآ ہونے کی سکت نہیں رکھتے۔ یہ ایک گھمبیر سماجی مسئلہ بن چکا ہے ۔ کیا محلوں کی مسجدوں کے امام صاحبان اور دوسرے اہلِ درد لوگ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی کتابِ زندگی سے ایک ورق مستعار لے کر اس المناک سماجی مسئلہ کے حل کے لئے عملی اقدام اٹھانے کا سوچیں گے ؟"

فی نسخہ پچاس پیسے   فی سینکڑہ ۔/۴۰ روپے

پبلشر مکتبہ جدید پریس ۴ شارع فاطمہ جناح لا

فہرست تصانیف

ڈاکٹر اسرار احمد

کتاب	قیمت
★ تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ	۶/- روپے
★ مطالبات دین	۶/- ″
★ اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام	۱/- ″
★ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت	۳/- ″
★ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں	۲/- ″
★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (اردو)	۲/- ″
★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (عربی)	۴/- ″
★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (انگریزی)	۵/- ″
★ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ اول ★ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ دوم } یکجا	۸/- ″
★ قرآن اور امن عالم	-/۷۵ ″
★ راہ نجات: سورۃ والعصر کی روشنی میں	۲/- ″
★ علامہ اقبال اور ہم	۲/- ″
★ عظمت صوم	۱/- ″
★ دعوت الی اللہ	۱/- ″
★ آیۃ الکرسی	-/۳۰ ″
★ قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ: الفاتحہ تا الکہف	۷/- ″
★ شہید مظلوم (شہادت حضرت عثمانؓ)	۳/- ″

Regd. L. No. 73

MONTHLY ,, MEESAQ ,, LAHORE

Vol. 30 December 1981 No.-12